ما اجرى الهادى على لسانِ سعدى

هدي الباري

في

درس البخاري

كتاب المغازي

مدرس

مفتی سعد عبد الرزاق

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

متخصص : جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

المیزاب پبلشرز

کراچی۔ پاکستان

تقریظ

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا امداد اللہ صاحب دامت برکاتہم

استاذ الحدیث وناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن (نیوٹاؤن) کراچی

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ أَمَّا بَعْدُ! علومِ نبوت میں حدیثِ نبوی کو جو مقام ومرتبہ حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں اور کتبِ حدیث میں صحیح بخاری کو جو امتیازی شان نصیب ہوئی، وہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس فقہی بصیرت، فنّی دقت اور حدیثی استحضار کے ساتھ اس عظیم الشان مجموعۂ احادیث کو مرتب فرمایا، وہ رہتی دنیا تک امت کے لیے چراغِ راہ ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب المغازی سیرتِ نبویؐ اور عہدِ رسالت کے غزوات وسرایا کا نہایت اہم ذخیرہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، جس میں محض تاریخی واقعات کا تذکرہ نہیں، بلکہ اعتقادی، تربیتی، اخلاقی اور فقہی پہلو بھی دقیق اسلوب میں موجود ہیں۔ برادرِ عزیز مفتی سعد عبدالرزاق حفظہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف وتالیف کا عمدہ ذوق عطا فرمایا ہے، درودِ شریف، مسنون دعاؤں اور حج کے مسائل پر مشتمل کتب کی اشاعت میں ان کی کاوشیں اہلِ علم کے ہاں قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب دراصل ان کے دروس کا مجموعہ ہے جو انہوں نے طالبات کو پڑھاتے ہوئے مرتب کئے ہیں، برادر موصوف نے ان دروس کو باقاعدہ تدوین وترتیب دے کر ایک مفید اور مختصر شرح کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اس شرح کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ مؤلف نے غیر ضروری طوالت سے احتراز کرتے ہوئے اصل مقصود پر توجہ مرکوز رکھی ہے، مشکل الفاظ کی وضاحت، تاریخی پس منظر کی تعیین، اور اہم فقہی و تربیتی نکات کی نشاندہی سادہ اور قابلِ فہم اسلوب میں کی ہے۔ یوں یہ شرح طلبہ وطالبات کے لیے نہایت مفید ثابت ہوسکتی ہے، جبکہ اساتذہ کے لیے بھی ایک معاون ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اسے مؤلف کے لیے ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ بنائے، اور اس کے ذریعے علمِ نافع کو عام فرمائے۔

أمين يا رب العالمين! و صلى الله تعالى على سيدنا محمد و على اٰله و صحبه أجمعين

(مولانا) امداد اللہ (صاحب)

استاذ الحدیث وناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن (نیوٹاؤن) کراچی

تقریظ

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا انعام اللہ صاحب دامت برکاتہم

مدیر جامعہ امام ابوحنیفہ اسلام آباد

استاذ الحدیث جامعہ محمدیہ اسلام آباد و الجامعۃ الاسلامیۃ بابوزئی مردان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّا بَعْدُ: امامِ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تدوین حدیث میں انجام دی گئی عظیم الشان خدمت اہلِ علم کے نزدیک ایک مسلّم حقیقت ہے۔ الجامع الصحیح کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ابتدا ہی سے جس قدر علمی توجہ، تحقیقی کاوش اور فکری محنت اس کتاب پر صرف ہوئی، شاید ہی کسی دوسری کتاب کو یہ شرف نصیب ہوا ہو۔ صدیوں کے سفر میں اس پر بے شمار شروحات، تعلیقات اور حواشی لکھے گئے اور ہر دور کے اہلِ علم نے اپنی زبان اور اپنے ذوق کے مطابق اس بحرِ بے کراں سے خوشہ چینی کی۔ اس سب کے باوجود، جیسا کہ اکابر اہلِ علم نے بجا طور پر نشان دہی فرمائی ہے، اس کتاب پر یہ جملہ پوری طرح صادق آتا ہے: لا تنقضي عجائبه (اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوتے) ہر عہد میں یہ کتاب نئے زاویے، نئی جہات اور نئی علمی جہد کو دعوت دیتی رہی ہے اور مختلف زبانوں میں اہلِ علم اس کی شرح و توضیح کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اسی مبارک علمی روایت کی ایک روشن کڑی کے طور پر برادرِ مکرم، جناب مفتی سعد عبدالرزاق حفظہ اللہ نے صحیح بخاری کی کتاب المغازی کی تدریس کے دوران اپنی درسی تقریر کو محفوظ کرنے اور قلم بند کرنے کا عزم فرمایا اور اس پر نظرِ ثانی کی ذمہ داری اس راقم کے سپرد کی۔ اپنی علمی بے مائیگی کا اعتراف رکھتے ہوئے بھی میں ان کے حکم کی تعمیل سے خود کو روک نہ سکا کہ یہ انکار درحقیقت ایک عظیم سعادت سے محرومی کے مترادف تھا۔ مفتی صاحب حفظہ اللہ باب بہ باب اپنی تحریریں بذریعہ واٹس ایپ ارسال کرتے رہے اور میں محض نظرِ ثانی ہی نہیں بلکہ استفادہ کی نیت سے ہر سطر کو پڑھتا رہا۔ یوں یہ خدمت میرے لیے محض ایک ذمہ داری نہ رہی، بلکہ علم کے چشمے

سے قربت، اور فیضِ بخاری سے وابستگی کا ایک مبارک وسیلہ بن گئی۔

علمی بے بضاعتی کے پورے احساس کے ساتھ بھی، جن مقامات پر کسی لفظ کی تراش خراش، کسی جملے کی اصلاح، کسی مضمون کی ترتیب میں تبدیلی، یا کہیں کمی وبیشی کی رائے پیش کرنے کی جسارت کی، وہ سب محض خیر خواہی اور اخلاصِ نیت پر مبنی تھی۔ یہ مفتی صاحب حفظہ اللہ کی بلند ظرفی اور ذرّہ نوازی ہے کہ راقم کی ہر رائے اور تجویز کو خندہ پیشانی سے قبول فرمایا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ یہ علمی کاوش طلبہ وطالبات دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ثابت ہوگی، نیز صحیح بخاری کی تدریس سے وابستہ اساتذۂ کرام کے لیے اس شرح کا مطالعہ بھی خالی از فائدہ نہ رہے گا۔ یہ بھی ایک لطیف مناسبت ہے کہ امامِ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس شہرۂ آفاق تصنیف کا بڑا حصہ حرمین شریفین کی مقدس فضاؤں میں مرتب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے راقم کو بھی عمرہ کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔ اسی مبارک سفر کے دوران مفتی صاحب حفظہ اللہ نے یہ حکم عنایت فرمایا کہ تقریظی کلمات کو بھی حرمین ہی کی سرزمین پر رقم کیا جائے۔ چنانچہ یہ چند سطور حرمِ مکی کے سائے میں لکھی گئیں اور پھر حرمِ مدنی کی روح پرور فضا میں انہیں حتمی صورت دی گئی۔ نیز متعدد ابواب پر نظرِ ثانی کی سعادت بھی حرمین شریفین میں حاصل رہی۔ اللہ تعالیٰ اپنی خالص رضا کے لیے شرفِ قبول عطا فرمائے، اور سیدِ کائنات، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا وسیلہ بنائے۔

هذا وصلى الله تعالى على سيدنا محمدٍ وعلى اٰله وصحبه أجمعين اٰمين

(مولانا) انعام اللہ (صاحب)

مدیر جامعہ امام ابوحنیفہ اسلام آباد

استاذ الحدیث جامعہ محمدیہ اسلام آباد و الجامعۃ الاسلامیۃ بابوزئی مردان

تقریظ

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا مفتی خالد محمود صاحب دامت برکاتہم

مدیر اقراروضۃ الاطفال پاکستان

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے شمار احسانات وانعامات میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے بندوں کی ہدایت ورہنمائی، صلاح وفلاح کے لیے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا، جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور اس مبارک سلسلہ کی تکمیل حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ، خاتم النبیین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اطہر پر کردی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت قیامت تک کے لیے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات قیامت تک آنے والوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے کافی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی جو تعلیم وہدایت امت کو ملی اس کے دو حصے ہیں: ایک قرآن کریم، کتاب اللہ، جسے وحی متلو بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قولی وفعلی ہدایات ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے نبی ہونے اور قرآن کریم کے شارح ومعلم ومبین ہونے کی حیثیت سے اُمت کو عطا کیں اسے حدیث کہا جاتا ہے۔ حدیث کی تعریف یہی کی جاتی ہے کہ وہ باتیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہوں، خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہوں، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا ہوا فعل ہو، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برقرار رکھی ہوئی بات ہو، یا ذاتی حالات ہوں وہ حدیث ہے۔

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اس کے افضل، ارفع اور اشرف ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے، مگر قرآن کریم کے بعد علوم میں سب سے اعلیٰ، سب سے افضل، سب سے اشرف، سب سے معزز علم حدیث کا علم ہے، کیونکہ کسی علم کی شرافت اس کے موضوع کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ موضوع کتنا اعلیٰ اور معزز ہے، حدیث کا موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے وہ بھی بحیثیت نبی اور رسول کے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے اعلیٰ، ارفع اور معزز، رسالت کی حیثیت تمام حیثیتوں میں اشرف اس لیے جو علم اتنے عظیم موضوع سے متعلق ہوگا وہ بھی معزز ہوگا۔

علم حدیث اس لیے بھی مقدس ہے کہ احادیث اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ ہیں مگر درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی ہی باتیں ہیں: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔علم حدیث اس لیے بھی انتہائی معزز ہے کہ اسی علم کی بدولت انسان اپنے دین پر عمل پیرا ہوسکتا ہے، ان ہی تعلیمات کو اپنا کر وہ ایک اچھا انسان بن سکتا ہے، ان ہی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے مزکی ومصفی ہوئے کہ رشک ملائک بن گئے اور سب سے بڑھ کر

حدیث پڑھنے، پڑھانے والا، حدیث سے شغف رکھنے والا، حدیث کی خدمت کرنے والا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کا مصداق بن جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات سنی، اسے یاد کیا، اس کی حفاظت کی اور اسے آگے پھیلایا۔ حدیث پڑھنے اور پڑھانے والے گویا روحانی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، اگرچہ جسمانی صحبت انہیں حاصل نہیں ہوئی۔ آج اگر کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل زندگی کا نقشہ دیکھنا چاہتا ہے تو وہ احادیث رسول کی طرف رجوع کرے۔

قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اور اس کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی اور اسے سینوں میں محفوظ فرمادیا کہ ہر دور، ہر زمانہ، ہر علاقہ، ہر قوم،، ہر نسل میں قرآن کریم کے حفاظ کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری فرمادیا، جبکہ احادیث کی حفاظت کا ایسا غیبی نظام چلایا اور اس کو محفوظ اور روشن کرنے کے لیے ایسے انتظامات فرمائے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، اور ہر غور وفکر اور عقل وسمجھ رکھنے والے کے لیے اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور بے ساختہ وہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا اعجاز ہے، امت مسلمہ نے قرآن کریم کے گرد علم حدیث کا پہرا بٹھایا اور یوں وہ قرآن کریم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ علم حدیث کی روایت بھی کرتے چلے گئے اور اس کی حفاظت بھی۔

احادیث کی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک ارشاد کو توجہ سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کو غور سے دیکھا، پھر اسے یاد رکھا، اسے محفوظ رکھنے کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال محفوظ ہو جائیں اور صرف سننے اور دیکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس پر عمل کر کے اسے اپنی زندگی کا حصہ بھی بنایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے احادیث سنتے تھے، اس کا مذاکرہ کرتے تھے، اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان فتوحات کے سلسلہ میں جہاں گئے وہاں اپنے ساتھ علم حدیث بھی لے کر گئے اور ان احادیث کو پوری ذمہ داری کے ساتھ امت تک پہنچایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین کی طرف پوری دیانت داری سے علم حدیث منتقل کیا، پڑھنے پڑھانے اور احادیث کو محفوظ کرنے کا یہ سلسلہ زیادہ تر زبانی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے مثال حافظہ دیا تھا، اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں احادیث کا تحریری سرمایہ بھی وجود میں آچکا تھا، مگر یہ ساری کوششیں انفرادی تھیں۔

پہلی صدی کا آخر ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کا زرین دور ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وجود مسعود سے بزم عالم خالی ہوتی جارہی ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو فکر ہوئی کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے براہ راست علم حاصل کرنے والے تابعین بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو احادیث کا علم ان کے ساتھ ہی چلا جائے گا، اس لیے احادیث کو باقاعدہ محفوظ ومرتب کر لینا چاہیے، چنانچہ انہوں نے تمام بڑے شہروں میں جو علم کے مراکز تھے، خاص طور

پر مدینہ منورہ میں فرمان جاری کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جمع کیا جائے، یہ احادیث کو محفوظ کرنے کی پہلی اجتماعی کوشش تھی، اس کے بعد محدثین پوری طرح اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ابتدائی مرحلے میں علاقہ وار احادیث جمع کی گئیں، دوسرے مرحلے میں موضوعات کے اعتبار سے احادیث جمع کی گئیں اور متعدد تصانیف وجود میں آئیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مؤطا اسی دور کی تصنیفات ہیں، اس کے بعد مسانید کا دور آیا، محدثین نے احادیث کے جمع کرنے میں اسفار کیے، پورے بحر وبر کو کھنگال ڈالا، جہاں انہیں معلوم ہوا کہ وہاں کوئی محدث ہے اس کے پاس پہنچے ان سے احادیث لیں، غرض یہ کہ جس قدر ممکن ہو سکا، احادیث کو جمع کر لیا گیا، لیکن ان احادیث میں ہر طرح کی احادیث تھیں، مرفوع بھی، غیر مرفوع بھی، صحیح اور غیر صحیح میں بھی کوئی امتیاز نہیں تھا۔

تیسری صدی کے آغاز میں محدثین نے کوشش کی کہ صحیح احادیث کو غیر صحیح سے علیحدہ کر لیا جائے، چنانچہ اس کے لیے اصول وضوابط طے کیے گئے، اس ضمن میں اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کا فن وجود میں آیا اور اسی کے نتیجہ میں صحاح ستہ کتابیں وجود میں آئیں، ان صحاح ستہ میں جامع الصحیح للبخاری کو سب سے امتیازی شان حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے سب سے زیادہ قبولیت سے نوازا اور امت کا تقریباً اس پر اتفاق ہوا کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ وہ بخاری شریف ہے۔

احادیث کی خدمت کا سلسلہ صحاح ستہ پر رکا نہیں بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہا بلکہ آج تک جاری ہے، جس دور میں جس نوعیت کی حدیث کی خدمت کی ضرورت ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے دل میں اس کا داعیہ پیدا کیا اور انہوں نے اس ضرورت کے مطابق قرآن وحدیث کی خدمت انجام دی۔ ہر دور میں حدیث کے پڑھنے، پڑھانے کا سلسلہ جاری رہا اور قیامت تک جاری رہے گا، ہر عالم، حدیث پڑھانے کو اپنے لیے شرف اور اعزاز سمجھتا ہے، پھر بخاری شریف کی تدریس تو نور علی نور ہے۔

ہمارے برادر مکرم مفتی سعد عبد الرزاق حفظہ اللہ جو ماہ دسن کے اعتبار سے تو مجھ سے چھوٹے ہیں لیکن اپنے علم، تقویٰ، تدین اور ذکاوت وفطانت کے اعتبار سے مجھ سے بدرجہا فائق ہیں، مفتی صاحب حفظہ اللہ کو کئی سال سے شعبہ بنات میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب کے مطابق بخاری اول وثانی کی تدریس کا شرف حاصل ہے، خیال رہے یہ بخاری اول وثانی کی تقسیم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے، بلکہ بعد کے لوگوں نے اپنی آسانی کے لیے اسے اول وثانی میں تقسیم کیا ہے، بخاری جلد ثانی کا آغاز کتاب المغازی سے ہوتا ہے، اس سے پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجهاد کو ذکر کیا ہے گویا کہ کتاب المغازی دراصل کتاب الجهاد کی عملی شکل ہے اور بعض شراح کی تعبیر کے مطابق کتاب المغازی سے پہلے ہجرت سے ماقبل کے حالات ہیں اور کتاب المغازی میں ہجرت کے بعد

کے احوال ذکر کیے گئے، مفتی سعد صاحب حفظہ اللہ اپنی تدریس اور مطالعہ کے دوران کچھ چیزیں نوٹ بھی کرتے رہے، تدریس کے دوران ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ جو پڑھایا جارہا ہے اس کی نوک پلک درست کر کے اسے کتابی شکل دے دی جائے، چنانچہ برسہا برس کے مطالعہ کا نچوڑ اور ان نوٹس کی مدد سے سب سے پہلے انہوں نے کتاب المغازی کی شرح لکھی جو آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے، میں نے کئی ابواب کا تفصیلی اور بعض کا جزوی مطالعہ کیا، تمام تر خواہش کے باوجود پوری کتاب کا مطالعہ نہ کر پایا۔ میں نے کتاب کو درج ذیل خصوصیات کا حامل پایا:

١ پورے کتاب کا سلیس اور آسان زبان میں بین السطور ترجمہ کیا گیا ہے۔

٢ ہر بات کا خلاصہ اور اس سے متعلق حل طلب امور کی آسان، عام فہم انداز میں تشریح اور وضاحت کی گئی ہے۔

٣ تشریح کرتے وقت نہ اتنی طوالت سے کام لیا گیا کہ پڑھنے والا اکتاہٹ کا شکار ہو، نہ اتنے اختصار سے کام لیا گیا کہ بات سمجھنے میں مشکل ہو۔

٤ زیادہ علمی موشگافیوں اور لمبی لمبی بحثوں سے اجتناب کیا گیا ہے۔

٥ احادیث یا باب سے متعلق جو اصلاحی پہلو ہے اسے اجاگر کیا گیا ہے۔

اور بھی خصوصیات ہیں جو پڑھتے وقت سامنے آتی جائیں گی، یقیناً یہ شرح بخاری کی دیگر شروحات میں ایک قابل قدر اضافہ ہے، اللہ تعالیٰ اسے پڑھنے والوں، پڑھانے والوں اور عام لوگوں کے لیے مفید بنائے اور حضرت مفتی سعد صاحب حفظہ اللہ کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

(مفتی) خالد محمود (صاحب)

مدیر اقرا روضۃ الاطفال پاکستان

تقریظ

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد ہارون خان صاحب دامت برکاتہم

نائب مدیر و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ امدادالعلوم کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْكَرِيْمِ الْمَنَّانِ ذِي الطَّوْلِ وَالْاِحْسَانِ الَّذِيْ هَدَانَا لِلْاِيْمَانِ وَ مَنَّ عَلَيْنَا بِاَنْ بَعَثَ فِيْنَا رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِنَا يَتْلُوْ عَلَيْنَا اٰيَاتِهٖ وَ يُعَلِّمُنَا الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْنَا وَ يُخْرِجُنَا بِاِذْنِهٖ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ اَمَّا بَعْدُ! علوم دینیہ کا منبع اور شریعت اسلامیہ کی اساس قرآن کریم ہے اور احادیث مبارکہ اس کی توضیح وتشریح ہیں، ان کے بغیر آیات مبارکہ کے مطالب ومقاصد تک رسائی ناممکن ہے، اسی لئے اہل اسلام نے ابتداء اسلام ہی سے قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ توجہ احادیث شریفہ کی طرف مبذول کی اور کائنات کے افضل ترین انسان نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے ہر گوشے، خواہ سفر ہو یا حضر، خلوت ہو یا جلوت، عبادات ہوں یا معاملات، اعداء اسلام کے ساتھ امن کے معاملات ہوں یا جہادی معرکے، ان سب کو کمال دیانت اور احتیاط سے محفوظ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ خدام حدیث کے اس زمرے میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ علیہ کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے، جن کی کتاب الجامع الصحیح پر تقریباً تمام امت کا اتفاق ہے کہ یہ کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے، زیر نظر کتاب اسی بخاری شریف کی کتاب المغازی کی توضیح وتشریح کی اعلیٰ نظیر ہے جسے برادر مکرم مفتی سعد عبدالرزاق حفظہ اللہ نے نہایت عمدہ طریقے پر طلباء وطالبات کے لئے آسان پیرائے مگر ذوق لطیف اور استقلال واعتدال کے ساتھ پیش کیا ہے، جس میں نہ صرف غزوات نبوی ﷺ کی وضاحت کی گئی ہے، بلکہ پیش آنے والے فقہی مباحث پر بھی وضاحتی قلم چلایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ برادر عزیز ایک بہترین مدرس ومحدث ہیں، موصوف کو اللہ تعالیٰ نے ذکاوت طبع، ذہن رسا اور فطری سلامت روی کا جوہر عطا فرمایا ہے، اس شرح میں جو موصوف کے درس بخاری کا ماخذ ہے، علمی لطافتیں جمع ہیں، جو مشیر ہیں اس بات کی کہ آپ کو علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ میں بھی کمال حاصل ہے، دعا ہے کہ اللہ کریم اس علمی خزانہ حدیث کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت اعلیٰ درجہ کی عطا فرمائے اور تشنگان علوم حدیث طلباء وطالبات کو بھی بہرہ ور فرمائے۔ آمین یارب العالمین

(مولانا) محمد ہارون خان (صاحب)

نائب مدیر و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ امدادالعلوم کراچی

تقریظ

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عمران داؤد صاحب دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ نظامیہ للبنات کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ أَمَّا بَعْدُ! کتابِ صحیح بخاری امتِ مسلمہ میں سب سے زیادہ مستند اور معتمد کتبِ حدیث میں شمار ہوتی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے خاص قبولیتِ عامہ سے نوازا ہے۔ یہ وہ عظیم الشان مجموعۂ احادیث ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت محنت، احتیاط اور بلند علمی معیار کے ساتھ مرتب فرمایا اور یوں یہ کتاب قرآنِ کریم کے بعد صحیح ترین کتاب قرار پائی۔ زیرِ نظر کتاب جو کہ صحیح بخاری کی ایک عمدہ اور بصیرت افروز شرح ہے، یہ کتاب اپنے موضوع، اسلوب اور علمی وقار کے اعتبار سے نہایت قابلِ قدر تصنیف ہے۔ مصنفِ محترم مفتی سعد عبد الرزاق حفظہ اللہ نے نہ صرف احادیثِ مبارکہ کے ظاہری معانی کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، بلکہ ان کے باطنی نکات، فقہی استنباطات اور علمی دقائق کو بھی نہایت خوبصورتی سے اجاگر کیا ہے۔ یہ کتاب اپنے اندر وہ جامعیت رکھتی ہے جو قاری کو علمِ حدیث کی گہرائیوں تک رسائی عطا کرتی ہے۔ مصنف کا طرزِ تحریر سادہ، رواں اور دلنشین ہے، جس کے باعث مشکل سے مشکل مباحث بھی آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ مزید برآں ہر حدیث کے پس منظر، اس کے سیاق وسباق اور ائمہ کی آراء کو جس انداز سے یکجا کیا گیا ہے، وہ مصنف کی وسیع المطالعہ شخصیت اور علمی پختگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مفتی سعد عبد الرزاق حفظہ اللہ کی علمی زندگی کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ عرصۂ دراز سے جامعہ نظامیہ للبنات میں صحیح بخاری کی تدریس کے منصب پر فائز ہیں، جہاں انہوں نے اپنی محنت، اخلاص اور تدریسی مہارت سے بے شمار طالبات کو علمِ حدیث کے فیوض و برکات سے مستفید کیا ہے۔ ان کا یہ تجربہ اس شرح میں جگہ جگہ جھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ صاحبِ کتاب کی یہ کاوش بلاشبہ اہلِ علم اور طلبۂ حدیث کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ انہوں نے نہایت محنت، دیانت اور اخلاص کے ساتھ اس شرح کو مرتب کیا ہے، جو ان کی علمی بصیرت اور دینی وابستگی کی روشن دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اسے ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس گراں قدر تصنیف کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اسے دینِ متین کی خدمت کا مؤثر ذریعہ بنائے، اور مصنفِ محترم مفتی سعد عبد الرزاق حفظہ اللہ کی اس محنت کو ان کے لیے ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ بنائے۔ نیز اللہ تعالیٰ انہیں مزید علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائے، ان کے علم وعمل میں برکت نصیب کرے، اور اس کتاب کو طلبہ واہلِ علم کے لیے نافع بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

(مولانا) عمران داؤد (صاحب)

مہتمم جامعہ نظامیہ للبنات کراچی

فہرس

كِتَابُ الْمَغَازِي 41

بَابُ غَزْوَةِ الْعُشَيْرَةِ أَوِ الْعُسَيْرَةِ 41

اسلامی جنگوں کی ابتداء سرایا سے ہوئی یا غزوات سے 41

پہلا غزوہ کون سا تھا؟ 43

غزوۂ عشیرہ 43

پہلے غزوہ سے متعلق روایات میں تعارض 44

غزوات کی تعداد 45

سرایا کی تعداد 45

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات 46

بَابُ ذِكْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُقْتَلُ بِبَدْرٍ 46

أَنَّهُ قَالَ کی ضمیر کا مرجع 48

بَابُ قِصَّةِ غَزْوَةِ بَدْرٍ 52

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بدر میں شریک نہ تھے لیکن مال غنیمت میں ان کا حصہ رکھا گیا 55

غزوۂ بدر میں فرشتوں کا نزول 57

وَقَالَ وَحْشِيٌّ قَتَلَ حَمْزَةُ طُعَيْمَةَ بْنَ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ يَوْمَ بَدْرٍ 58

حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے الفاظ پر اشکال وجواب 59

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ 60

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ کی ترکیب 60

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ اختلاف قراءت 61

مشورہ سنت ہے 63

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی پر جوش تائید 64
مراسیل صحابہ رضی اللہ عنہم حجت ہیں 65
باب بلا ترجمہ اور اس کی توجیہات 66
آیت لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ.... کا شان نزول 66
بَابُ عِدَّةِ أَصْحَابِ بَدْرٍ 69
اصحاب بدر کی تعداد کتنی تھی مختلف روایات کے درمیان تطبیق 69
أُسْتُصْغِرْتُ أَنَا وَابْنُ عُمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ 69
وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات 70
اصحاب بدر اور اصحاب طالوت میں مطابقت 71
بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى كُفَّارِ قُرَيْشٍ 72
بَابُ قَتْلِ أَبِي جَهْلٍ 74
جنگ بدر میں ابوجہل کے قتل کا واقعہ 75
مثله اور نحوه میں فرق 77
هَلْ أَعْمَدُ مِنْ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوهُ کے دو مطلب 77
انت ابا جهل اشکال اور جواب 78
آیت هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ سے متعلق بحث 79
غزوۂ بدر میں مبارزت کا نقشہ 80
غزوۂ بدر میں مبارزت میں کون کس کا مقابل تھا؟ 81
کیا مبارزة بالقتال جائز ہے؟ 81
هٰذَانِ خَصْمَانِ...... اَلْآيَة یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ 81
امیہ بن خلف کے قتل کا قصہ 83
کافروں سے تعلقات اور اس کے احکام 84
سورة النجم میں سجدہ تلاوت 85
وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات: 87

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ 88
ولا عیب فیھم غیر أن سیوفھم.... تاکید المدح بما یشبہ الذم 89
تلوار میں سونا و چاندی کے استعمال کا حکم 90
جنگ یرموک 90
معمر رحمۃ اللہ علیہ اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی روایات میں تعارض اور اس کا حل 90
طوی اور رکی میں فرق اور وجہ تطبیق 94
مسئلہ سماع موتی 95
قال قتادة احیاھم اللہ حتی اسمعھم قولھم: 99
إِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ 100
بَابُ فَضْلِ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا 103
نوحہ کی اجازت طلبی 104
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے خط کا قصہ 105
باب بلا ترجمہ 110
عبدالرحمن بن الغسیل 111
اذا اکثبوا فارموھم 111
وَإِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْخَيْرِ بَعْدُ 112
وَثَوَابُ الصِّدْقِ الَّذِي أَتَانَا بَعْدَ يَوْمِ بَدْرٍ 113
غزوۂ رجیع کا قصہ 114
حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ 123
حق العبد مقدم ہے 123
جمعہ کے دن سفر کا مسئلہ 124
جمعہ کے دن زوال کے بعد نماز جمعہ چھوڑ کر شہر سے جانا 124
عدت وفات کب ختم ہوگی 125
بیوہ کا نکاح ہرگز معیوب نہیں 127

شوہر یا پیغام نکاح لانے والوں کے لیے بننا سنورنا 128
بَابُ شُهُوْدِ الْمَلَائِكَةِ بَدْرًا 129
ما يسرنى انى شهدت بدرا بالعقبة 130
باب بلا ترجمہ 131
عیدالاضحیٰ کا گوشت کب تک استعمال کر سکتے ہیں 132
گوشت ذخیرہ کرنے کے دو طریقے 133
حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا نیزہ 134
بیعت کی اقسام 135
حضرت ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ 138
مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانے کا مسئلہ 140
خلوة بالا جنبية سے متعلق اشکال و جواب 142
دف کا استعمال 142
غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے 142
لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ 143
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اونٹنیوں کے قتل کا قصہ 144
أَنْفَذَهُ لَنَا ابْنُ الْأَصْبَهَانِيِّ 150
سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ 150
ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح 151
حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ 153
سورۂ بقرہ کی دو آیتوں کی فضیلت اور تطبیق روایات 154
حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا قصہ 155
حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ پر حد کا جاری ہونا 156
مسئلہ کراء الارض 157
صلح بھی شریعت کا حصہ اور حکم ہے 158

فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا 159
گھروں میں رہنے والے سانپ کا حکم 160
إِئْذَنْ لَنَا فَلْنَتْرُكْ لِابْنِ أُخْتِنَا عَبَّاسٍ فِدَاءَهُ 162
حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ 164
فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ کی وضاحت 164
قَالَ أَبُو جَهْلٍ فَلَوْ غَيْرُ أَكَّارٍ قَتَلَنِي 165
وَذٰلِكَ أَوَّلَ مَا وَقَرَ الْإِيمَانُ فِي قَلْبِي 166
لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى 167
روایت سے مستنبط چند مسائل 167
روایت کا تحمل حالت کفر میں ہو اور ادائیگی حالت ایمان میں تو وہ روایت معتبر ہوگی 167
واقعہ حرہ 168
ضُرِبَتْ يَوْمَ بَدْرٍ لِلْمُهَاجِرِينَ بِمِائَةِ سَهْمٍ 170
بَابُ تَسْمِيَةِ مَنْ سُمِّيَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ فِي الْجَامِعِ 171
بَابُ حَدِيثِ بَنِي النَّضِيرِ 173
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ آمد کے وقت کفار کی اقسام 173
غزوۂ بنو قینقاع 174
غزوۂ بنو نضیر 175
غزوۂ بنو قریظہ 178
شرح عنوان (متعلق غزوۂ بنی نضیر) 179
سورۂ حشر کا نام سورۂ بنی نضیر بھی ہے 180
کیا اجتہاد میں خطاء بھی قابل اجر ہے؟ 182
وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ کی تشریح 183
ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ 184
وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات 185

مال غنیمت اور مال فئی میں فرق 188
غزوۂ بنونضیر میں فتح اور مسلمانوں کی معاشی خوشحالی 188
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فقر اختیاری تھا 189
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت 189
فَاسْتَبَّ عَلِيٌّ وَّ عَبَّاسٌ کی وضاحت 191
روافض (اہل تشیع) کا اختلاف دعویٰ، دلائل اور اس کے جوابات 195
روافض کے دعویٰ باطلہ کی حقیقت 196
حدیث لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ خبر واحد نہیں بلکہ خبر متواتر ہے 197
وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات 197
بَابُ قَتْلِ كَعْبِ بْنِ الأَشْرَفِ 199
بَابُ قَتْلِ أَبِي رَافِعٍ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي الْحُقَيْقِ 203
وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات 209
غزوۂ اُحد 210
وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو غزوۂ اُحد میں افراتفری کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہے 213
بَابُ غَزْوَةِ أُحُدٍ 214
قبر پر نماز جنازہ 215
اختتام جنگ پر سردار قریش کا مکالمہ 217
اصْطَبَحَ الْخَمْرَ يَوْمَ أُحُدٍ نَّاسٌ ثُمَّ قُتِلُوا شُهَدَاءَ 219
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ 219
حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ 220
إِنِّي أَجِدُ رِيحَ الْجَنَّةِ 222
دور صدیقی اور جمع قرآن 223
فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ 225
بَابٌ: إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا 226

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نکاح کے لئے کنواری لڑکی کی ترغیب 227

اخوات جابر سے متعلق روایات میں تعارض اور اس کا حل 230

اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي یہ جملہ کتنے صحابہ سے ارشاد فرمایا 232

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایت حدیث میں احتیاط 233

مُجَوِّبٌ عَلَيْهِ بِحَجَفَةٍ لَهُ 234

أَرَى خَدَمَ سُوقِهِمَا سے متعلق اشکال اور جواب 235

حالت اضطرار میں نامحرم کی مدد اور خدمت 235

وَلَقَدْ وَقَعَ السَّيْفُ مِنْ يَدَيْ أَبِي طَلْحَةَ إِمَّا مَرَّتَيْنِ وَإِمَّا ثَلَاثًا 236

حضرت یمان رضی اللہ عنہ کی مسلمانوں کے ہاتھوں شہادت 236

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ 238

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا سائل کو جواب اور وضاحت 239

بَابٌ إِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ 239

فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ 240

بَابٌ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا 240

اَمَنَةً نُّعَاسًا میں ترکیب نحوی کے اعتبار سے چند احتمالات 241

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ 241

حدثنا خليفة کی بجائے قال لی خليفة کہنے کی وجہ 242

بَابٌ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ 242

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ اسباب نزول آیت میں اختلاف 243

بَابُ ذِكْرِ أُمِّ سَلِيطٍ رضی اللہ عنہا 244

بَابُ قَتْلِ حَمْزَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ 245

شہادت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفارہ 249

بَابُ مَا أَصَابَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجِرَاحِ يَوْمَ أُحُدٍ 250

بَابٌ بلا ترجمہ 250

بَابٌ: اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ	252
غزوۂ حمراء الاسد	252
بَابُ مَنْ قُتِلَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَوْمَ أُحُدٍ	254
كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلٰى أُحُدٍ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ	255
شہید پر نماز جنازہ	255
وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْكِيْهِ	258
بَابٌ أُحُدٌ يُحِبُّنَا	259
حرم مکہ اور حرم مدینہ میں فرق	260
بَابُ غَزْوَةِ الرَّجِيْعِ	261
دونوں غزوات کو ایک ہی باب میں جمع کرنے کی وجہ	261
وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات	264
غزوۂ بیر معونہ	265
قنوت نازلہ	266
قُرْآنًا كِتَابًا نَحْوَهُ	268
بَعَثَ خَالَهُ أَخٌ لِأُمِّ سُلَيْمٍ	269
فَطُعِنَ عَامِرٌ فِيْ بَيْتِ أُمِّ فُلَانٍ	270
فَانْطَلَقَ حَرَامٌ أَخُوْ أُمِّ سُلَيْمٍ وَهُوَ رَجُلٌ أَعْرَجُ	270
فَلَحِقَ الرَّجُلَ سے مراد	271
وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات	271
قَالَ بِالدَّمِ هٰكَذَا	271
حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	272
بچوں کے نام رکھنا	274
بَابُ غَزْوَةِ الْخَنْدَقِ وَهِيَ الْأَحْزَابُ	277
غزوۂ خندق میں جام شہادت نوش فرمانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم	280

غزوۂ خندق کب واقع ہوا تطبیق بین الروایات 280
بچہ کب بالغ ہوتا ہے؟ 281
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشعار پڑھنا، اشکال وجواب 282
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ضیافت 283
إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ 287
نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ 289
وَكَانَ كَثِيرَ الشَّعَرِ، اشکال وجواب 289
نَوَسَاتُهَا کی وضاحت 290
روایت کا پس منظر 291
عرب کے چار مشہور دھاۃ 292
ترجمۃ الباب سے روایت کی مناسبت 294
نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا 294
غزوۂ خندق کے دوران نمازوں کا قضاء ہونا 295
مَنْ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟ 296
حواری مقدس جماعت کا لقب 296
غزوۂ خندق کے دوران پیش آنے والا ایک اور واقعہ 297
سفر سے واپسی کے اذکار 299
بَابُ مَرْجِعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَحْزَابِ 300
غزوۂ قریظہ 300
كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى الْغُبَارِ سَاطِعًا فِي زُقَاقِ بَنِي غَنْمٍ 304
موکب کے اعراب میں احتمالات 304
لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ 305
روایت کا پس منظر 306
حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا واقعہ 307

ہبہ یا عاریت؟ 307
روایت مذکورہ سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع فی الھبۃ پر استدلال 308
بنوقریظہ سے متعلق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ 309
قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللّٰهِ وَرُبَّمَا قَالَ بِحُكْمِ الْمَلِكِ 309
قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ: کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟ 310
مستشرقین کے دعویٰ کی تردید 311
ایک شبہ اور اس کا ازالہ 312
تصحیح تاریخ غزوات 313
حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معاونت 314
بَابُ غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ 315
غزوہ ذات الرقاع کی تاریخ وقوع میں اختلاف 317
أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ فِي الْخَوْفِ فِي غَزْوَةِ السَّابِعَةِ 319
صلوۃ الخوف 321
ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی وجوہ ترجیح 322
احناف کی وجوہ ترجیح 323
جان و مال کا تحفظ شریعت کی اولین ترجیح 323
وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات 324
وَحَدَّثَ أَبُو مُوسَى بِهٰذَا ثُمَّ كَرِهَ ذَاكَ 324
قَالَ مَالِكٌ وَذٰلِكَ أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ 327
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مستدل روایت 327
احناف کی مستدل روایت 328
وَكَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَرْبَعٌ وَلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ 330
غزوۂ نجد سے غزوہ ذات الرقاع مراد ہے 331
بَابُ غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ مِنْ خُزَاعَةَ وَهِيَ غَزْوَةُ الْمُرَيْسِيعِ 332

كَانَ حَدِيثُ الْإِفْكِ فِي غَزْوَةِ الْمُرَيْسِيعِ 333
منافقین کی شرارت 334
عزل اور اس کا حکم 336
ضبط ولادت/ خاندانی منصوبہ بندی 338
روایت باب پر ایک اشکال اور اس کے جوابات 340
بَابُ غَزْوَةِ أَنْمَارٍ 341
بَابُ حَدِيثِ الْإِفْكِ 342
امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا نقل روایت میں منفرد انداز 349
حدیث افک میں بعض جملوں کی تشریح 350
سفر میں ازواج کے درمیان قرعہ اندازی 350
حجاب کا حکم کب آیا 351
فَإِذَا عِقْدٌ لِي مِنْ جَزْعِ ظَفَارِ قَدِ انْقَطَعَ 351
حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ 353
حَتَّى أَتَيْنَا الْجَيْشَ مُوغِرِينَ فِي نَحْرِ الظَّهِيرَةِ وَهُمْ نُزُولٌ 354
منافقین کی بدبختی 354
كَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَكْرَهُ أَنْ يُسَبَّ عِنْدَهَا حَسَّانُ 355
فَعَثَرَتْ أُمُّ مِسْطَحٍ فِي مِرْطِهَا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہمت کی اطلاع 356
فَازْدَدْتُ مَرَضًا عَلَى مَرَضِي 356
أَتَأْذَنُ لِي أَنْ آتِيَ أَبَوَيَّ؟ بیوی شوہر سے اجازت لے کر میکے جائے 357
حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ 358
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پر حکمت مشورہ 358
حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی گواہی 358
مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي عَنْهُ أَذَاهُ فِي أَهْلِي 359
حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تکرار 359

براءت کا نزول کہاں ہوا 361
فَوَاللهِ لَا أَجِدُ لِي وَلَكُمْ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوسُفَ 363
نزول وحی اور نزول براءت 364
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ناز 364
وَاللهِ لَا أُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا 365
حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا مشورہ 365
مَا كَشَفْتُ مِنْ كَنَفِ أُنْثَى قَطُّ 366
حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اور اوران کی زوجہ کا ایک قصہ 366
نفلی عبادات کی ادائیگی کی وجہ سے کسی کی حق تلفی کرنا درست نہیں 367
كَانَ عَلِيٌّ مُسَلِّمًا فِي شَأْنِهَا 368
وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات 369
كَانَتْ تَقْرَأُ إِذْ تَلِقُونَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُولُ الْوَلْقُ الْكَذِبُ 370
مسجد میں اشعار پڑھنا 371
حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِيبَةٍ 373
وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهُ مِنْهُمْ کا مصداق 374
وَأَيُّ عَذَابٍ أَشَدُّ مِنَ الْعَمٰى؟ 374
وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات 374
بَابُ غَزْوَةِ الْحُدَيْبِيَةِ 375
بیعت رضوان 376
عروہ بن مسعود کی آمد 378
صلح حدیبیہ اور اس کی شرائط 379
واقعہ ابوجندل رضی اللہ عنہ 381
خواب اور اس کی تعبیر 382
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مشورہ اور تسلی 383

سورۂ فتح کا نزول 383
صلح حدیبیہ کے ظاہری ثمرات 384
بارش کی پیشین گوئی 386
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار عمرہ کئے 386
آفاقی کا مکہ مکرمہ بغیر احرام کے جانا 387
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ 388
اصحاب حدیبیہ کی تعداد میں اختلاف روایات اور اس کا حل 389
کائنات کا افضل ترین پانی 390
أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ 391
وَكَانَتْ أَسْلَمُ ثُمُنَ الْمُهَاجِرِينَ 391
اشعار و تقلید 392
لَا أُحْصِي كَمْ سَمِعْتُهُ مِنْ سُفْيَانَ 392
جنایت احرام کا فدیہ 393
مَرْحَبًا بِنَسَبٍ قَرِيبٍ 394
تبرک بالمشاھد والاثار جائز ہے 395
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ أَبِي أَوْفَى 397
واقعہ حرہ کی مختصر تاریخ 398
غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر کس چیز پر بیعت لی گئی 399
قَالَ شُعْبَةُ فَقَدِمْتُ الْكُوفَةَ 401
وَكَانَ إِذَا سَجَدَ جَعَلَ تَحْتَ رُكْبَتِهِ وِسَادَةً 401
نقض وتر 402
عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ 404
وَقَدْ جَمَعُوا لَكَ الْأَحَابِيشَ الْأَشْطَاط 405
فَإِنْ يَأْتُونَا كَانَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ قَطَعَ عَيْنًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ 405

لَا يَأْتِيكَ مِنَّا أَحَدٌ وَّإِنْ كَانَ عَلَى دِينِكَ إِلَّا رَدَدْتَّهُ إِلَيْنَا 407
كَانَ يَمْتَحِنُ مَنْ هَاجَرَ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ بِهٰذِهِ الْآيَةِ 408
حضرت بصیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ 409
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتنہ کے زمانے میں عمرہ 411
أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَسْلَمَ قَبْلَ عُمَرَ 413
سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی جنگ صفین میں شرکت 414
بَابُ قِصَّةِ عُكْلٍ وَّعُرَيْنَةَ 417
اسلام میں مثلہ جائز نہیں، اشکال وجواب 418
قسامة کی تفصیل میں ائمہ کا اختلاف 419
غزوة ذات القرد کب پیش آیا؟ 421
اَلْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ کے دو معانی 423
بَابُ غَزْوَةِ خَيْبَرَ 425
غزوۂ خیبر کا پس منظر 425
خیبر کے قلعے 427
وضوء مما مست النار 429
حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی شہادت 430
قَلَّ عَرَبِيٌّ میں تین صورتیں 433
لشکر کو خمیس کہنے کی وجہ 434
حمر اهلية (پالتو گدھے) کی حرمت 435
ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا 436
آزادی کو مہر مقرر کرنا 436
أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ 439
إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ 441
تعلیقات سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود 442

ذکر اللہ میں اور دعا میں اصل تضرعًا و خفیة ہے 443
كَنْزٌ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ 443
ثلاثیات بخاری 444
لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ 446
أُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مِثْلَنَا 447
قتال سے قبل اسلام کی دعوت دینا 448
فَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ إِحْدٰى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُهُ 449
نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ أَكْلِ الثُّوْمِ 451
نکاح متعہ اور نکاح موقت میں فرق 451
نکاح موقت اور متعہ روافض میں فرق 452
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور جواز متعہ 452
حرمت متعہ کا حکم کب نازل ہوا 453
گھوڑے کے گوشت کے بارے میں ائمہ کا اختلاف 454
وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات 455
سہام فرس اور ائمہ کا اختلاف 456
شرکاء خیبر کی تعداد 458
أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ وَتَرَكْتَنَا 460
حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا 463
اشعریین کی فضیلت 464
جہاد ختم ہونے کے بعد آنے والوں کو مال غنیمت ملے گا یا نہیں؟ 465
اجتماعی مال میں خیانت 467
دَین کا مفہوم 467
شِرَاكٌ أَوْ شِرَاكَيْنِ مِنْ نَّارٍ 468
لَوْلَا أَنْ أَتْرُكَ آخِرَ النَّاسِ بَبَّانًا 468

اسلام کا نظام اراضی 469
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کا مکالمہ 471
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مطالبہ میراث 473
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال اور تدفین وجنازہ 479
وَكَانَ لِعَلِيٍّ مِنَ النَّاسِ وَجْهٌ حَيَاةَ فَاطِمَةَ....الخ: 480
بَابُ اسْتِعْمَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَهْلِ خَيْبَرَ 482
مزارعت کا حکم 482
متحد الجنس اشیاء میں خرید وفروخت 483
سود سے بچنے کا طریقہ 483
بَابُ الشَّاةِ الَّتِي سُمَّتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَيْبَرَ 484
بَابُ غَزْوَةِ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ 485
بَابُ عُمْرَةِ الْقَضَاءِ 486
عُمْرَةِ الْقَضَاءِ چار ناموں سے معروف ہے 486
عمرے کی ادائیگی 487
فَكَتَبَ هٰذَا مَا قَاضٰى مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: 489
فَتَبِعَتْهُ ابْنَةُ حَمْزَةَ تُنَادِي يَا عَمِّ يَا عَمِّ: 489
حق حضانت عورتوں کا حق ہے 490
أَنْ يَرْمُلُوا الْأَشْوَاطَ الثَّلَاثَةَ 492
حالت احرام میں محرم کے لئے نکاح کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ 493
بَابُ غَزْوَةِ مُوتَةَ مِنْ أَرْضِ الشَّامِ 494
حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے زخموں سے متعلق روایات میں تعارض 497
سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللهِ 497
ایک شبہ اور اس کا ازالہ 498
ذوالجناحین حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا لقب 499

صَفِيحَةٌ يَمَانِيَةٌ 499
حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بے ہوشی اور بہن کا واجبلاہ کہنا 500
بَابُ بَعْثِ النَّبِيِّ ﷺ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ إِلَى الْحُرَقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ 500
أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ 501
غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ: 502
بَابُ غَزْوَةِ الْفَتْحِ 503
قریش مکہ کی معاہدۂ صلح سے مخالفت 503
ابوسفیان بن حرب کی تجدید صلح کے لئے کوششیں 504
بَابُ غَزْوَةِ الْفَتْحِ فِي رَمَضَانَ 507
سفر میں روزہ نہ رکھنا 508
وَذٰلِكَ عَلٰى رَأْسِ ثَمَانِ سِنِينَ وَنِصْفٍ مِنْ مَقْدَمِهِ الْمَدِينَةَ: 509
خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ إِلٰى حُنَيْنٍ: 509
بَابٌ أَيْنَ رَكَزَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّايَةَ يَوْمَ الْفَتْحِ 510
فتح مکہ واقعات کا تسلسل 511
ابوسفیان کی گرفتاری اور قبول اسلام 512
احْبِسْ أَبَا سُفْيَانَ عِنْدَ حَطْمِ الْخَيْلِ حَتّٰى يَنْظُرَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ 514
وَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ أَنْ يَدْخُلَ مِنْ أَعْلٰى مَكَّةَ 515
وَهُوَ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفَتْحِ يُرَجِّعُ 517
وَهَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مِنْ مَنْزِلٍ؟ 518
استيلاء الكفار على اموال المسلمين 519
لَا يَرِثُ الْمُؤْمِنُ الْكَافِرَ 520
وَعَلٰى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ 521
قَالَ مَالِكٌ وَلَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ فِيمَا نُرٰى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ يَوْمَئِذٍ مُحْرِمًا 521
فَقَالَ، ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلْهُ: 522

فَجَعَلَ يَطْعُنُهَا بِعُوْدٍ 523
بَابُ دُخُوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَعْلَى مَكَّةَ 524
بیت اللہ کی کنجی 524
قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَنَسِيْتُ أَنْ أَسْأَلَهُ كَمْ صَلّٰى مِنْ سَجْدَةٍ 525
بَابُ مَنْزِلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ 526
بَابٌ بلاترجمہ 526
رکوع وسجدہ میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ پڑھنا 527
سورۃ النصر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی اطلاع 528
سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِيْ وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهِ 530
إِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيْذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ 531
فقہی مسائل: جنایت کا مرتکب اگر حرم میں پناہ لے لے 532
بَابُ مَقَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ زَمَنَ الْفَتْحِ 533
مدت اقامت میں ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب 534
19 دن کے قیام میں قصر کی توجیہ 535
بَابٌ بلاترجمہ 536
فَكُنْتُ أَحْفَظُ ذٰلِكَ الْكَلَامَ فَكَأَنَّمَا يُقْرَأُ فِيْ صَدْرِيْ 537
نابالغ کی امامت 538
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ کا تنازع 539
فراش کی اقسام مع احکام 540
احْتَجِبِيْ مِنْهُ يَا سَوْدَةُ 541
تحميل النسب على الغير 542
باندی سے ہونے والے بچے کا نسب 543
حدود زواجر ہیں 544
مکہ سے مدینہ ہجرت کا حکم 545

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف حلت وحرمت کی نسبت 549
بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ 550
يَا أَبَا عُمَارَةَ أَتَوَلَّيْتَ يَوْمَ حُنَيْنٍ؟ 552
اشکال: تولی یوم الزحف گناہ کبیرہ ہے، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ فعل کیسے سرزد ہوا؟ 553
أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ 553
وفد ہوازن کی آمد 555
حَتّٰى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ 556
مجمع عام میں چندہ کرنا بھی صحیح نہیں 556
جاہلیت کی نذر پوری کرنا 557
كَانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ 558
مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَّهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ 559
لَا هَا اللهِ إِذًا 560
فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ كَلَّا لَا يُعْطِهِ أُصَيْبِغَ مِنْ قُرَيْشٍ 561
بَابُ غَزْوَةِ أَوْطَاسٍ 561
وَعَلَيْهِ فِرَاشٌ قَدْ أَثَّرَ رِمَالُ السَّرِيرِ بِظَهْرِهِ وَجَنْبَيْهِ 563
بَابُ غَزْوَةِ الطَّائِفِ فِي شَوَّالٍ سَنَةَ ثَمَانٍ 564
فَعَلَيْكَ بِابْنَةِ غَيْلَانَ فَإِنَّهَا تُقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ 565
عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ الشَّاعِرِ الْأَعْمٰى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ 566
حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ 567
غنائم حنین مؤلفة القلوب میں تقسیم ہوئے اور انصار کو کچھ نہیں ملا 570
مؤلفة القلوب کو کل مال غنیمت میں سے دیا گیا، یا خمس میں سے دیا گیا؟ 571
انصار کی دلجوئی کے لئے خطبہ 572
اَلْأَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ 572
إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أُثْرَةً 572

وَمَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَشَرَةُ آلَافٍ وَالطُّلَقَاءُ 574
وَمَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَةُ آلَافٍ مِنَ الطُّلَقَاءِ 576
بَابُ السَّرِيَّةِ الَّتِي قِبَلَ نَجْدٍ 577
بَابُ بَعْثِ النَّبِيِّ ﷺ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَى بَنِي جَذِيمَةَ 578
اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ 578
بَابُ سَرِيَّةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ 579
امیر لشکر کی ناراضگی: فَقَالَ أَوْقِدُوا نَارًا فَأَوْقَدُوهَا فَقَالَ ادْخُلُوهَا 579
لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ 580
اَلطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ 580
بَابُ بَعْثِ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذٍ إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ 581
وَالْيَمَنُ مِخْلَافَانِ 581
مرتد کی سزا بالاجماع قتل ہے 582
فَأَحْتَسِبُ نَوْمَتِي كَمَا أَحْتَسِبُ قَوْمَتِي 583
فَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ 584
بَعَثَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى أَرْضِ قَوْمِي: 585
فَهَلْ سُقْتَ مَعَكَ هَدْيًا؟ 585
حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج تمتع سے کیوں منع فرماتے تھے؟ 586
قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ طَوَّعَتْ طَاعَتْ وَأَطَاعَتْ لُغَةٌ طِعْتُ وَطُعْتُ وَأَطَعْتُ: 587
دوران نماز قَرَّتْ عَيْنُ أُمِّ إِبْرَاهِيمَ کہنے سے نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟ 588
بَابُ بَعْثِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ إِلَى الْيَمَنِ 589
حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراضگی کی کیا وجہ تھی؟ 590
بِذُهَيْبَةٍ فِي أَدِيمٍ مَقْرُوظٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِهَا 591
فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ كُنَّا نَحْنُ أَحَقَّ بِهٰذَا مِنْ هٰؤُلَاءِ 592
إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ 592

إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمٌ 592
اشکال: آپ ﷺ نے اسے قتل کیوں نہیں کیا؟ 593
أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ 594
بَابُ غَزْوَةِ ذِي الْخَلَصَةِ 595
وَالْكَعْبَةُ الْيَمَانِيَةُ وَالْكَعْبَةُ الشَّامِيَّةُ 595
وَكُنْتُ لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ 597
بَابُ غَزْوَةِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ 598
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ 599
بَابُ ذَهَابِ جَرِيرٍ إِلَى الْيَمَنِ 601
ذو عمرو کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا وصال ہو چکا ہے؟ 602
بَابُ غَزْوَةِ سِيفِ الْبَحْرِ 604
سمندری جانور حلال یا حرام 607
بَابُ حَجِّ أَبِي بَكْرٍ بِالنَّاسِ فِي سَنَةِ تِسْعٍ 609
بَابُ وَفْدِ بَنِي تَمِيمٍ 611
بَابٌ بلا ترجمہ 612
بَابُ وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ 614
وفد عبد القیس کی حاضری کا پس منظر 615
غَيْرَ خَزَايَا وَلَا النَّدَامٰى 617
اٰمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ 618
حج کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ 618
وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ مَا انْتُبِذَ فِي الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ 618
عصر کے بعد نوافل 620
جمعة فی القرى 621
بَابُ وَفْدِ بَنِي حَنِيفَةَ 622

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ 622
مسیلمہ کذاب کی مدینہ منورہ آمد 624
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوخواب میں اپنے ہاتھ میں کنگن دیکھنے سے تشویش کیوں ہوئی؟ 626
حضرت ابو رجاء رحمۃ اللہ علیہ 627
فَإِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَجَبٍ قُلْنَا مُنَصِّلُ الْأَسِنَّةِ 627
بَابُ قِصَّةِ الْأَسْوَدِ الْعَنْسِيِّ 628
فَنَزَلَ فِيْ دَارِ بِنْتِ الْحَارِثِ 630
بَابُ قِصَّةِ أَهْلِ نَجْرَانَ 630
مباہلہ کی تعریف اور اس کا حکم 632
لَأَبْعَثَنَّ مَعَكُمْ رَجُلًا أَمِيْنًا حَقَّ أَمِيْنٍ 633
بَابُ قِصَّةِ عُمَانَ وَالْبَحْرَيْنِ 634
بَابُ قُدُوْمِ الْأَشْعَرِيِّيْنَ وَأَهْلِ الْيَمَنِ 635
وَإِنَّا لَجُلُوْسٌ عِنْدَهُ وَهُوَ يَتَغَدَّى دَجَاجًا 636
فَإِنِّيْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ 637
تَغَفَّلْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنَهُ 637
الْإِيْمَانُ هَا هُنَا وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْيَمَنِ 638
الْفَدَّادِيْنَ کے معنی 639
هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً وَأَلْيَنُ قُلُوْبًا 639
الْإِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ 640
اسلوب دعوت أَلَمْ يَأْنِ لِهٰذَا الْخَاتَمِ أَنْ يُّلْقٰى؟ 642
بَابُ قِصَّةِ دَوْسٍ وَالطُّفَيْلِ بْنِ عَمْرٍو الدَّوْسِيِّ 643
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ 644
بَابُ قِصَّةِ وَفْدِ طَيِّئٍ وَحَدِيْثِ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ 645
حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ 645

بَابُ حَجَّةِ الْوَدَاعِ 647
حجة الوداع کا کتاب المغازی سے کیا تعلق ہے؟ 647
حجة الوداع وجہ تسمیہ 647
حج کی فرضیت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حج 648
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کون سا احرام باندھا تھا؟ 649
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عذر اور تنعیم سے عمرہ 650
وَأَمَّا الَّذِينَ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَإِنَّمَا طَافُوا طَوَافًا وَاحِدًا 651
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بعض مسائل میں مخصوص رائے 652
عبادات میں نیابت 653
الحج عن المیت کے حکم میں فقہائے کرام کا اختلاف 654
حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیت اللہ میں داخل ہونا 655
طواف وداع 657
خطبہ حجۃ الوداع 658
فتنۂ دجال 658
خطبہ حجۃ الوداع میں دوسرا تاکیدی حکم 659
وَأَنَّهُ حَجَّ بَعْدَ مَا هَاجَرَ حَجَّةً وَاحِدَةً 660
یوسف هذه الامة 661
لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ عِيدًا 662
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب سے متعلق اشکال وجواب 663
فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ 664
حج وعمرہ کے احرام سے نکلنے کے لیے حلق یعنی سر کا منڈوانا یا قصر یعنی بالوں کو کتروانا 665
اگر عورت، گدھا یا کتا نمازی کے آگے سے گزر جائے تو کیا نماز فاسد ہوجاتی ہے؟ 666
ایام حج میں جمع بین الصلوتین 667
بَابُ غَزْوَةِ تَبُوكَ وَهِيَ غَزْوَةُ الْعُسْرَةِ 668

غزوۂ تبوک کا واقعہ اور پس منظر 669
أَلَا تَرْضٰى أَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى؟ 672
أَفَيَدَعُ يَدَهُ فِيْ فِيْكَ تَقْضَمُهَا كَأَنَّهَا فِيْ فَحْلٍ يَقْضَمُهَا 674
بَابُ حَدِيْثِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ 674
وَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُرِيْدُ غَزْوَةً إِلَّا وَرّٰى بِغَيْرِهَا 682
وَلَمْ يَذْكُرْنِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حَتّٰى بَلَغَ تَبُوْكَ 683
وَكَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ 684
وَنَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْمُسْلِمِيْنَ عَنْ كَلَامِنَا: 685
الحقی باهلک الفاظ کنایہ میں سے ہے 685
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بات چیت سے منع کیا تھا، تو پھر گھر والوں نے بات کیوں کی؟ 686
فَلَمَّا صَلَّيْتُ صَلَاةَ الْفَجْرِ صُبْحَ خَمْسِيْنَ لَيْلَةً 686
وَاللهِ مَا أَمْلِكُ غَيْرَهُمَا يَوْمَئِذٍ 687
توبہ قبول ہونے کے دن کو ان کی عمر کا بہترین دن کیسے قرار دیا؟ 688
وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا کی وضاحت 688
وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات 688
بَابُ نُزُوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِجْرَ 689
نافرمانی کا مرکز کے مراکز کی آب و ہوا مسموم ہوتی ہے 690
بَابٌ بلا ترجمہ 691
بَابُ كِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ 692
ابلغا صاحبكما ان ربي قتل ربه في هذه الليلة 694
بَابُ مَرَضِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَفَاتِهِ 696
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب بیمار ہوئے اور اس دن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں کس کی باری تھی؟ 696
عدل بين الازواج 697
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں زمانہ علالت گزارنے کی خواہش 697

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ربیع الاول کی کون سی تاریخ کو ہوا؟ 700
وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیفیت 701
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت اور جانشینی 701
فَهٰذَا أَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِیْ مِنْ ذٰلِكَ السُّمِّ 702
ثُمَّ مَا صَلّٰى لَنَا بَعْدَهَا حَتّٰى قَبَضَهُ اللهُ 703
واقعۂ قرطاس 704
مَا شَأْنُهُ أَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ 705
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ 706
وہ کیا چیز تھی جس میں ہونے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے خیر قرار دیا؟ 707
وَأَوْصَاهُمْ بِثَلَاثٍ 707
وہ امر ثالث کیا تھا جس کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی؟ 708
فَكَانَ يَقُوْلُ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ 708
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سرگوشی میں کیا فرمایا 709
وصال سے پہلے آخری عمل مسواک تھا 711
وَكَانَتْ تَقُوْلُ مَاتَ بَيْنَ حَاقِنَتِيْ وَذَاقِنَتِيْ 712
نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ 712
لَوْلَا ذَاكَ لَأُبْرِزَ قَبْرُهُ 713
اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُّمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ 715
فَخَرَجَ وَهُوَ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ 715
هَلْ تَدْرِيْ مَنِ الرَّجُلُ الْاٰخَرُ الَّذِيْ لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ؟ 716
هَرِيْقُوْا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ أَوْ كِيَتُهُنَّ 716
طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَّهُ عَلٰى وَجْهِهٖ 716
لَقَدْ رَاجَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ 717
انتن صواحبات یوسف 717

فَلَا أَكْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِأَحَدٍ أَبَدًا بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ 718
أَنْتَ وَاللّٰهِ بَعْدَ ثَلَاثٍ عَبْدُ الْعَصَا 719
صحابہ کرام کا آخری مرتبہ زیارت کرنا 720
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات 721
وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آمد 723
بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي وَاللّٰهِ لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ 724
وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطبہ 725
فَعَقِرْتُ حَتّٰى مَا تُقِلُّنِي رِجْلَايَ 726
فَقَالَ لَا يَبْقَى أَحَدٌ فِي الْبَيْتِ إِلَّا لُدَّ 726
کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی بنایا تھا؟ 728
وَا كَرْبَ أَبَاهُ 729
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اشعار 730
بَابُ اٰخِرِ مَا تَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ 730
رفیق سے یہاں کون مراد ہے؟ 731
بَابُ وَفَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ 731
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک 732
بَابُ بلا ترجمہ 733
بَابُ بَعْثِ النَّبِيِّ ﷺ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ 733
بَابُ بلا ترجمہ 735
بَابُ كَمْ غَزَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ 735

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مدرس

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا اَنْتَ اَھْلُہٗ فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ كَمَا اَنْتَ اَھْلُہٗ وَافْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَھْلُہٗ فَاِنَّكَ اَنْتَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَاَھْلُ الْمَغْفِرَۃِ أَمَّا بَعْدُ!

اللہ تعالیٰ نے اس خیر امت پر اپنے بے انتہاء احسانات فرمائے ہیں اور ہر ہر موقع پر اس کی رہنمائی اور دنیا و آخرت میں کامیابی کے لئے اسے قرآن و حدیث کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھنا احادیث مبارکہ کے بغیر ممکن ہی نہیں، جو آدمی یہ چاہے یا یہ دعویٰ کرے کہ میں حدیث کی مدد کے بغیر قرآن کو سمجھ لوں گا، تو وہ درحقیقت نزول وحی اور اس دنیا میں پیغمبروں کی بعثت کے مقصد ہی سے جاہل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔

احادیث مبارکہ کے بغیر نہ قرآنی آیات کے شان نزول اور مطالب و مقاصد تک رسائی ممکن ہے اور نہ ہی اجمال کی تشریح، عموم کی تخصیص اور مبہم کی تفصیل ممکن ہے، اسی لئے مسلمانوں نے شروع ہی سے قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ توجہ احادیث مبارکہ کی طرف مبذول کی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے ہر گوشے اور ہر خدوخال کو کمال دیانت واحتیاط سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور ہر اس علم کی حفاظت وتدوین، نقل واشاعت، جمع و ترتیب اور ضبط واتقان کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے جس کا تعلق علم حدیث سے ہے اور پوری قابلیت، عقیدت اور اخلاص کے ساتھ اس کی ایسی خدمت کی ہے کہ جس کی آج تک کوئی مثال ہے نہ نظیر اور نہ آئندہ ہوگی۔

احادیث مبارکہ کی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک ارشاد کو توجہ سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کو غور سے دیکھا، پھر اسے یاد رکھا اور اسے محفوظ رکھنے کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کیا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال محفوظ ہو جائیں اور صرف سننے اور دیکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس پر عمل کر کے اسے اپنی زندگی کا حصہ بھی بنایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے احادیث سنتے تھے، اس کا مذاکرہ کرتے تھے، اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان فتوحات کے سلسلہ میں جہاں گئے وہاں اپنے ساتھ علم حدیث بھی لے کر گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین کی طرف پوری دیانت داری سے علم حدیث منتقل کیا اور پھر اس زمانے سے لے کر آج تک علماء کرام اور محدثین کرام اس مبارک مشغلہ میں مشغول رہنا اپنے لئے اعزاز سمجھتے ہیں اور ہر زمانے کے علماء ومحدثین نے نہ صرف علم حدیث کے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، بلکہ ساتھ ہی ساتھ اپنے اپنے ذوق

کے مطابق نہایت ہی جانفشانی سے احادیث مبارکہ پر مشتمل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

احادیث مبارکہ کی مدوّن کتابوں میں صحیح بخاری کو اللہ تعالیٰ جو مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ اظہر من الشّمس ہے، تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف ہے اور امت اور علماء امت نے اس کتاب پر جتنی توجہ فرمائی ہے کتاب اللہ کے بعد اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سے احسانوں میں سے ایک احسان مجھ پر یہ بھی ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے رئیس المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ سے بخاری شریف پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی اور حضرت کی بے شمار شفقتوں سے نوازا، حضرت زمانۂ طالب علمی میں بھی اور اس کے بعد بھی اپنی خصوصی عنایتوں سے نوازتے رہے اور جب کبھی حضرت کے سامنے میری کوئی کارگزاری آتی تو اس پر حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

الحمد للہ علوم کی عرفی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے درس وتدریس کی توفیق عطا فرمائی اور اساتذۂ کرام کے زیر عاطفت کتب دینیہ پڑھانے کا موقع ملا، لیکن کبھی بخاری شریف پڑھانے کا موقع بھی ملے گا اس کی دعا تو ضرور مانگی تھی، لیکن بظاہر اپنی بے مائیگی کو دیکھتے ہوئے اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سن ۲۰۱۲ میں ایک مدرسہ کی طرف سے بخاری شریف پڑھانے کی پیشکش کی گئی، چونکہ میں اس وقت بھی اپنی نااہلی سے واقف تھا اور اپنے آپ کو اس عظیم کتاب کی تدریس کا اہل نہیں سمجھتا تھا، اس لئے میں حامی بھرنے سے ہچکچا رہا تھا، لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے اس عظیم کام کے لئے قبولیت کی دعا بھی مانگ رہا تھا اور اساتذۂ کرام سے مشورہ بھی کر رہا تھا، اسی دوران مولانا محمد حسین صدیقی صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی، اس مدرسہ والوں کی طرف سے مولانا تک یہ بات پہنچائی گئی تھی کہ سعد کو ہم نے یہ پیشکش کی ہے اور سعد ٹال مٹول کر رہا ہے، تو حضرت مولانا نے مجھ سے کہا: مفتی صاحب! بہت کم علماء ایسے ہوتے ہیں جن کو دورۂ حدیث کے بعد بخاری شریف کھولنے کی توفیق ملتی ہے، لہٰذا اس نعمت غیر مترقبہ کی قدر کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے پڑھانا شروع کردو، البتہ خوب محنت کرنا اور مطالعہ کا اہتمام کرنا۔ مولانا کی ہمت افزائی اور دیگر اساتذہ کرام کے مشورہ سے بخاری شریف کی تدریس کا سلسلہ شروع ہوا، مولانا کی نصیحت کے مطابق مطالعہ کو اپنے اوپر لازم کیا، الحمد للہ ہمیشہ مطالعہ کر کے سبق پڑھانے کا اہتمام کیا اور ساتھ ہی اپنے مطالعہ کو محفوظ کرنے اپنی تیار کی ہوئی تقریر کو جمع کرنے کا اہتمام کیا، کچھ ہی عرصہ میں جامعہ نظامیہ للبنات میں بھی مکمل بخاری شریف (وفاق کے نصاب کے مطابق) کی تدریس کی ذمہ داری میری طرف منتقل ہوئی اور الحمد للہ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرتے دم تک اس سلسلے کو جاری رکھے، آمین۔

میرے کچھ اساتذہ کرام اور دوستوں کو اس بات کا علم تھا کہ میں اپنی تقاریر کو جمع کر رہا ہوں، تو ان احباب نے مجھے اس

بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ میں ان تقاریر کو افادۂ عام کے پیش نظر شائع کروں، میں پس وپیش سے کام لیتا رہا لیکن یہ حضرات میرا حوصلہ بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ میں اس امید پر آمادہ ہو گیا کہ شاید یہ عمل احادیث مبارکہ کی خدمت میں شمار ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار عالی میں قرب اور روز محشر میں خدام قرآن و حدیث کے ساتھ حشر کا سبب بن جائے کہ من تشبه بقوم فهو منهم۔

بہر حال احباب کے مشورے سے کتاب المغازی پر کام کا آغاز کیا اور ساتھ ہی اس بات کا اہتمام کیا کہ جتنا کام ہوتا گیا وہ اکابر علماء کی خدمت میں پیش کرتا رہا، چنانچہ مولانا انعام اللہ صاحب، مفتی خالد محمود صاحب، مولانا ہارون صاحب لمحہ بہ لمحہ اور موقع بموقع اس سلسلے میں رہنمائی کرتے رہے اور جہاں جہاں میرا قلم چُوکتا یہ حضرات خصوصا مولانا انعام اللہ صاحب اس کی نشاندہی کرتے رہے اور میں اسے اپنی سعادت سمجھتے ہوئے ان حضرات کی رہنمائی میں آگے بڑھتا گیا، اس دوران اس بات کو بھی مدنظر رکھنا ضروری تھا کہ عبارت درست رہے اور اعراب میں غلطی کے امکان کو کم کیا جائے، چنانچہ بخاری شریف کا ایک معرب نسخہ خریدا اور اپنی اہلیہ کے ساتھ کتاب المغازی کا دور کیا جس سے کئی اغلاط سامنے آئیں اور ان کو درست کرنے کا موقع ملا، اسی طرح کمپوزنگ میں جامعہ نظامیہ للبنات کی معلمہ اور میرے استاذ محترم مولانا عمران داؤد صاحب کی صاحبزادی اروی نے بھرپور معاونت کی، الغرض اس کتاب کی تیاری میں میرے سب ہی محبت کرنے والوں نے اپنا اپنا حصہ ڈالا اور الحمدللہ آج یہ کتاب آپ کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اور جملہ معاونین کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور دنیا وآخرت میں اپنے شایان شان بدلہ عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

آپ سب سے گزارش ہے کہ میرے والدین، میرے شیخ محترم واصف منظور صاحب، سیدی وسندی مولانا سلیم اللہ خان صاحب، سلسلہ سند حدیث وتصوف کے تمام شیوخ، استاد جی شہید مولانا عطاء الرحمن صاحب، استاذ محترم مفتی حنیف عبدالمجید صاحب، مولانا امداد اللہ صاحب، مولانا عمران داؤد صاحب، میرے برادر مکرم حافظ بلال صاحب، میرے اہل خانہ، میرے بھائی بہنوں اور اصدقاء واحباء کو اور جملہ معاونین خصوصاً بھائی نبیل احمد صاحب کو اپنی دعا میں یاد رکھیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس شرح کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے، امین یارب العالمین۔

مفتی سعد عبدالرزاق

+92 321 2022205

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ الْمَغَازِي

بَابُ غَزْوَةِ الْعُشَيْرَةِ أَوِ الْعُسَيْرَةِ

یہ باب غزوۂ عشیرہ یا غزوۂ عسیرہ کے بارے میں ہے

وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ أَوَّلُ مَا غَزَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَبْوَاءَ ثُمَّ بُوَاطَ ثُمَّ الْعُشَيْرَةَ

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کے پہلا غزوہ جس میں نبی کریم ﷺ تشریف لے گئے وہ ابواء تھا پھر غزوۂ بواط پیش آیا پھر غزوۂ عشیرہ پیش آیا۔

امام بخاریؒ نے اس کتاب کا عنوان کتاب المغازی قائم کیا ہے، مغازی مغزی کی جمع ہے۔ مغزی مصدر میمی بھی ہوسکتا ہے اور ظرف زمان بھی یہاں مصدری معنی متعین ہے، غزا یغزا غزوا ومغزا کے معنی ارادہ کرنا، طلب کرنا کے آتے ہیں، مغزی الکلام: کلام کا مقصد، وفی العینی الغزو: السیر الی القتال مع العدو یعنی دشمن کے ساتھ لڑنے کی غرض سے چلنا ومنہ الغازی بمعنی مجاہد۔

یہاں مغازی سے مراد کیا ہے اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ما وقع من قصد النبی ﷺ الکفار بنفسه او لجیش من قبله وہ قصد جو آپ ﷺ نے کفار کی طرف کیا ہو خواہ اس میں آپ ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے ہوں یا اپنی جانب سے لشکر بھیجنے پر اکتفا فرمایا ہو۔

جس قتال و جہاد میں رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس شرکت کی ہو اسے علماء سیر کی اصطلاح میں غزوہ اور جس قتال و جہاد میں نبی ﷺ نے بنفس نفیس شرکت نہ کی ہو، بلکہ کسی امیر کو مقرر فرما کر صحابہ کی جماعت کو قتال و جہاد کے لئے بھیجا ہو اسے سریہ اور بعث کہا جاتا ہے، لیکن متقدمین میں ابن اسحاق، ابن ہشام اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ ایک کا اطلاق دوسرے پر کرتے ہیں اور فرق نہیں کرتے ہیں چنانچہ سریۂ موتہ کو غزوۂ موتہ کہا جاتا ہے حالانکہ اس میں رسول اللہ ﷺ شریک نہیں ہوئے تھے، لیکن اس کے باوجود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سیر اسے غزوۂ موتہ لکھتے ہیں۔

آیت مشروعیت جہاد کے نزول کے بعد جہاد کی ابتدا سرایا سے ہوئی یا غزوات سے ہوئی اس میں اختلاف ہے، اکثر اہل سیر کی رائے یہ ہے کہ ابتدا سرایا سے ہوئی، محمد بن سعد، واقدی، ابن قیم اور حافظ بن حجر رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کی یہی رائے ہے، پہلا سریہ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ہے جو رمضان سن ۱ھ میں پیش آیا، جس میں تیس مہاجرین نے شرکت فرمائی، دوسرا سریہ عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ ہے جو شوال سن ۱ ہجری میں پیش آیا، جس میں ساٹھ یا اسی مہاجرین نے شرکت فرمائی، اسی سفر میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک تیر کافروں کی طرف پھینکا یہ مسلمانوں کی طرف سے تاریخ

اسلام میں سب سے پہلا تیر تھا جو جہاد میں کفار پر چلایا گیا، تیسرا سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ہے، جو ذوالقعدہ سن ۱ ہجری میں پیش آیا، جس میں بیس مہاجرین نے شرکت فرمائی، ان تینوں مواقع پر کفار سے قتال کی نوبت نہیں آئی۔

ان تین سریات کے بعد صفر سن ۲ ہجری میں غزوۂ ابواء جسے غزوۂ ودان بھی کہتے ہیں پیش آیا، جس کا ذکر امام بخاریؒ نے بھی فرمایا ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور مہاجرین کی ایک بڑی جماعت نے شرکت فرمائی، اس غزوہ میں بھی قتال کی نوبت نہیں آئی، ودان اور ابواء چونکہ قریب قریب ہیں اس لئے اسے غزوۂ ابواء بھی کہتے ہیں اور غزوۂ ودان بھی، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربیع الاول سن ۲ ہجری میں غزوہ بواط کے لئے روانہ ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہاں بھی ایک بڑی جمعیت تھی، لیکن اس غزوہ میں بھی قتال کی نوبت نہیں آئی۔

کتاب المغازی شروع کرنے کے بعد امام بخاریؒ نے پہلا باب قائم کیا: باب غزوۃ العشیرۃ او العسیرۃ، امام بخاریؒ نے غزوہ کے نام کو او حرف تردید کے ساتھ ذکر کر کے اشارہ فرمایا کہ بعض راویوں نے اسے العشیرۃ پڑھا ہے جبکہ بعض راویوں نے اسے العسیرۃ پڑھا ہے۔ بین السطور میں لکھا ہے کہ بالشک ھل ھی بالاعجام او بالاھمال؟ راوی کو شک ہے کہ یہ جو عنوان تھا یہ العشیرۃ ہے یا العسیرۃ ہے۔

اعجام کا مطلب ہے نقطے والا اور اھمال کا مطلب ہے بغیر نقطے والا۔ اگر ہم کہیں السین المھملۃ تو مطلب یہ ہوگا کہ اس پر نقطے نہیں ہیں، اور جب الشین المعجمۃ کہیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ اس پر نقطے ہیں۔ علماء عرب اور علماء لغت ان اصطلاحات کو ذکر کرتے ہیں۔ وہ شین یا سین، یا جیم یا حاء نہیں کہتے بلکہ معجمۃ یا مھملۃ کے ذریعے وضاحت کر دیتے ہیں، تاکہ غلطی سے بچا جا سکے۔

یہاں عنوان میں راوی نے اگرچہ شبہ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یہ لفظ العشیرۃ ہے یا العسیرۃ ہے، لیکن روایت کے آخر میں قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات آجائے گی کہ یہ العسیرۃ نہیں ہے، بلکہ العشیرۃ ہے۔

ایک وجہ تو اس کی یہ ہے کہ جہاد کے مشروع ہونے کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوے کے لیے تشریف لے گئے تھے تو وہ مقام جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گئے تھے، اس کا نام عشیرہ تھا، نہ کہ عسیرہ۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ غزوۂ تبوک کو غزوۂ عُسرہ بھی کہا جاتا ہے اور غزوۂ عسیرہ بھی کہا جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے لَقَدْ تَّابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ (سورۃ التوبۃ آیت 117) یہاں سَاعَةِ الْعُسْرَةِ سے مراد غزوۂ تبوک ہے، جو سن ۹ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے آخر میں پیش آیا ہے، اس غزوۂ عسرہ کا غزوۂ عشیرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ غزوۂ عشیرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائی مغازی میں سے ہے۔

اشکال: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی کا عنوان قائم کیا اور اس کے بعد غزوۂ عشیرہ کا باب قائم کیا، یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابھی بتائیں گے کہ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو غزوہ فرمایا ہے وہ ابواء ہے، اس کے بعد بواط ہے، پھر اس کے بعد جا کر غزوۂ عشیرہ ہوا ہے، یوں غزوۂ عشیرہ پہلا نہیں بلکہ تیسرا غزوہ ہے، تو کیا وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غزوۂ عشیرہ کا عنوان تو ذکر کیا، مگر غزوۂ ابواء اور غزوۂ بواط کا عنوان ذکر نہیں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی شرائط کے مطابق کوئی ایسی حدیث نہیں ملی، جس سے غزوۂ ابواء یا غزوۂ بواط کو ثابت کیا جا سکے، البتہ غزوۂ عشیرہ سے متعلق انہیں اپنی شرائط کے مطابق روایت مل گئی اور یہ امام بخاریؒ کی عادت مبارکہ ہے کہ وہ کسی باب کے تحت جو حدیث شریف ذکر کرتے ہیں، باب کے عنوان میں بھی اس کا لحاظ رکھتے ہیں، اب چونکہ اس باب میں بھی جو حدیث شریف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لا رہے ہیں، اس میں صرف غزوۂ عشیرہ کا ذکر ہے، اس لیے باب کے عنوان میں بھی اس کی رعایت کرتے ہوئے صرف عشیرہ کا ہی ذکر کیا۔

قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ أَوَّلُ مَا غَزَا النَّبِيُّ ﷺ الْأَبْوَاءَ ثُمَّ بُوَاطَ ثُمَّ الْعُشَيْرَةَ: جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ غزوۂ عشیرہ سے پہلے بھی دو غزوات ہوئے ہیں، چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے معیار پر ان سے متعلق کوئی حدیث نہیں تھی، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متن میں تو ان دونوں غزوات کا ذکر نہیں کیا، البتہ عنوان میں ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کر دیا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غزوۂ عشیرہ سے پہلے بھی دو غزوات یعنی غزوۂ ابواء اور غزوۂ بواط پیش آئے ہیں۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کو صاحب السیر کہا جاتا ہے، عام طور سے ہر آدمی ہر میدان میں ماہر نہیں ہوتا، کوئی کسی فن میں ماہر ہوتا ہے، تو کوئی کسی فن میں، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سیرت میں مہارت رکھتے تھے، سیرت کی جتنی چیزیں ہیں، وہ ان کو بڑی محفوظ بھی تھیں، چنانچہ سیرت کی جو اکثر چیزیں ہیں، وہ ان ہی سے منقول ہیں۔ ان کے ایک شاگرد زیاد بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے، انہوں نے ان میں سے اکثر چیزیں روایت کی ہیں، پھر زیاد بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے عبد الملک بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے، اس وقت سیرت کی دنیا میں جو سب سے اہم کتاب سمجھی جاتی ہے، وہ سیرت ابن ہشام ہے، یہ سیرت عبد الملک بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ ہی کی سیرت ہے، جو انہوں نے زیاد بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے اور زیاد بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے فن میں تو امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کو اتنا معتبر نہیں مانتے، مگر سیرت میں ان کے بلند مقام کے قائل ہیں، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت کے بارے میں ان کا قول نقل کیا ہے۔

غزوۂ عشیرہ: جمادی الاولی سن ۲ ہجری میں غزوۂ عشیرہ کا واقعہ پیش آیا، عشیرہ نامی جگہ ینبع کے قریب ہے، یہاں

حضور ﷺ مہاجرین کی دوسو یا ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل جماعت ساتھ لے کر گئے، اس سفر میں جھنڈا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، قریش کا ایک قافلہ بغرض تجارت شام کے لئے نکلا تھا، آنحضرت ﷺ نے اسی قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے مدینہ سے سفر کیا لیکن مقام عشیرہ پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ قریش نکل چکا ہے، اس لئے جنگ کی نوبت نہیں آئی، آپ ﷺ نے اس سفر میں قبیلہ بنو مدلج سے صلح کی، اس غزوہ میں آپ ﷺ نے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کو مدینے کا حاکم مقرر کیا تھا۔

حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَهْبٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ

كُنْتُ إِلَى جَنْبِ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ فَقِيْلَ لَهُ كَمْ غَزَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ غَزْوَةٍ

ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ان سے پوچھا گیا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے کتنے غزوے کئے؟ انہوں نے فرمایا

قَالَ تِسْعَ عَشْرَةَ قِيْلَ كَمْ غَزَوْتَ أَنْتَ مَعَهُ قَالَ سَبْعَ عَشْرَةَ قُلْتُ فَأَيُّهُمْ كَانَتْ أَوَّلَ

انیس، پوچھا گیا کہ آپ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کتنے غزوات میں شریک رہے؟ تو فرمایا کہ سترہ میں، میں نے پوچھا آپ ﷺ کا سب سے پہلا غزوہ

قَالَ الْعُسَيْرَةُ أَوِ الْعُشَيْرُ فَذَكَرْتُ لِقَتَادَةَ فَقَالَ الْعُشَيْرَةُ.

کون سا تھا؟ فرمایا کہ عسیرہ یا عشیرہ، پھر میں نے اس کا ذکر قتادہؒ سے کیا تو انہوں نے کہا کہ (صحیح لفظ) عشیرہ ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی میں سب سے پہلے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر فرمائی ہے، اس حدیث میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے غزوۂ عشیرہ کو پہلا غزوہ قرار دیا ہے حالانکہ اس سے قبل غزوۂ ابواء اور غزوۂ بواط دو غزوات پیش آ چکے تھے، اس لحاظ سے غزوۂ عشیرہ پہلا نہیں بلکہ تیسرا غزوہ ہے۔

اس کے جواب میں مختلف تاویلیں کی گئی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ

١ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے غزوۂ عشیرہ کو پہلا غزوہ اپنے علم کے مطابق کہا ہے اور پہلے دو غزوات کا ان کو علم نہیں تھا یا تو اس وجہ سے کہ اس وقت تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، یا اپنی صغرسنی کی وجہ سے انہیں اس کا علم نہ ہو سکا۔

٢ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اپنی شرکت کے اعتبار سے اسے پہلا غزوہ کہا ہے کیونکہ یہ پہلا غزوہ تھا جس میں وہ خود شریک ہوئے، تمام غزوات کے اعتبار سے اسے اول غزوہ کہنا مقصود نہ تھا،

٣ چونکہ ابواء، بواط اور عشیرہ تینوں قریب قریب واقع ہوئے ہیں اس لئے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے پہلے دو غزوات کو مستقل شمار نہیں کیا، جیسے بعض اصحاب سیر نے غزوۂ احزاب کے بعد قریظہ کو مستقل شمار نہیں کیا کیونکہ وہ غزوۂ احزاب کے بالکل متصل واقع ہوا ہے اسی طرح بعض نے حنین وطائف کو قرب کی وجہ سے ایک ہی شمار کیا ہے۔ واللہ اعلم

غزوات کی تعداد: اس حدیث میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے غزوات کی تعداد کے سلسلے میں دریافت کیا گیا ہے، غزوات کی تعداد میں اصحاب سیر کے مختلف اقوال ہیں:

❶ ابن سعد، ابن اسحاق اور واقدی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک غزوات کی تعداد ستائیس ہے۔

❷ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے غزوات کی تعداد چوبیس نقل کی ہے۔

❸ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اکیس غزوات منقول ہے۔

❹ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں سولہ کی تعداد مروی ہے۔

❺ بخاری کی مذکورہ حدیث میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے انیس کا عدد بتایا۔

❻ محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں تعداد چھبیس بتائی ہے۔

مشہور اور صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات کی تعداد ستائیس ہے، ان ستائیس غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نو غزوات میں قتال کیا: بدر، اُحد، خندق، قریظہ، مصطلق، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف۔

بہرحال کل غزوات میں سے قتال کی نوبت صرف نو میں پیش آئی، اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کے لیے نکلنا قتال کو مستلزم نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ حاکم وقت جہاد کے موقع پر اسلامی ریاست اور مسلمانوں کی مصلحت اس میں سمجھے کہ مدمقابل سے معاہدہ کرلیا جائے یا صلح کر لی جائے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ جب حاکم اللہ کی رضا کے لیے، اسلامی ریاست کے مفادات کے لیے یا مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر صلح کرے گا تو وہ صلح بھی عین قرآن کریم کے حکم کے مطابق ہوگی: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ جہاد کا ثواب ضائع ہوگیا کیونکہ جہاد کی مختلف صورتیں ہیں، جس میں جزیہ اور صلح بھی داخل ہیں اور قتال بھی اس میں داخل ہے اور جب کوئی جہاد کے لیے نکلتا ہے تو وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ، کے مطابق اس کا ثواب پکا ہوجاتا ہے، چاہے قتال ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد کے لیے ستائیس مرتبہ نکلے ہیں، مگر قتال صرف نو غزوات میں پیش آیا۔

سرایا کی تعداد: غزوات کی تعداد میں اختلاف کی طرح سرایا کی تعداد میں بھی اختلاف ہے:

❶ اصحاب سیر میں ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سرایا کی تعداد اڑتیس ہے۔

❷ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات کبریٰ میں سرایا کی تعداد سینتالیس ذکر کی ہے۔

❸ واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اڑتالیس ہے۔

❹ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے سرایا کی تعداد چھپن لکھی ہے۔

❺ مسعودی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سرایا کی تعداد ساٹھ ہے۔

❻ محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے پینتیس نقل کی ہے۔

غزوات وسرایا کی تعداد میں یہ اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں، ایک تو اس لئے کہ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا، ممکن ہے بعض کو بعض غزوات کا علم نہ ہوا ہو، اس لئے ہر ایک نے اپنے اپنے علم کے مطابق تعداد بتا دی، دوسرے یہ کہ بعض اصحاب سیر قریب الوقوع یا ایک سفر میں واقع ہونے والے مختلف غزوات کو ایک ہی غزوہ شمار کرتے ہیں اس لئے ان کی بتائی ہوئی تعداد کم ہوتی ہے، جبکہ دوسرے اصحاب سیر ان غزوات وسرایا کو الگ الگ شمار کرتے ہیں تو ان کے نزدیک تعداد بڑھ جاتی ہے۔

آگے روایت میں ہے کہ فَذَكَرْتُ لِقَتَادَةَ یہ ذکر کرنے والے کون ہیں؟ یہاں اس کا تذکرہ نہیں لیکن تمام شراح متفق ہیں کہ اس سے مراد شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث اپنے استاد ابواسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھی، پھر میں نے جا کر یہ حدیث اپنے استاذ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کی اور مقصد یہ تھا کہ ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ کو روایت بیان کرنے میں جو شک ہو رہا ہے کہ اصل لفظ عشیرہ تھا یا عسیرہ تھا، شاید قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس تردد کا حل موجود ہو، چنانچہ جب انہوں نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بیان کیا تو قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ عسیرہ نہیں ہے بلکہ شین کے ساتھ عشیرہ ہے۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا باب اور حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے سن ۱۴۳۶ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنات کے امتحان میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ عبارت پر اعراب اور ترجمہ ❷ پہلا غزوہ کونسا ہے؟ ❸ ابن اسحاق وابواسحاق کی روایات متعارضہ کا حل۔

نیز وفاق المدارس کے سن ۱۴۴۰ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنات کے امتحان میں بھی یہی سوالات پوچھے گئے، البتہ ایک سوال مزید پوچھا گیا کہ غزوات کی تعداد کتنی ہے اور اس سے متعلق متعارضہ روایات کا کیا حل ہے؟

بَابُ ذِكْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُقْتَلُ بِبَدْرٍ

باب: بدر کی لڑائی میں فلاں فلاں مارے جائیں گے، اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کا بیان۔

غزوۂ بدر سے متعلق تفصیلی ابواب تو آگے آرہے ہیں لیکن اس سے پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کیا: بَابُ ذِكْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُقْتَلُ بِبَدْرٍ، ذِكْر مصدر ہے النَّبِي اس کا فاعل ہے اور مَنْ يُقْتَلُ بِبَدْرٍ اس مصدر (شبہ فعل) کا مفعول بہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر میں قتل کیے جانے والوں کا ذکر غزوۂ بدر کے پیش آنے سے پہلے کر دیا تھا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ چونکہ اتباع سنت میں بہت ممتاز ہیں اس لئے انہوں نے بھی غزوۂ بدر کے آغاز میں اس کا ذکر فرمایا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ترجمۃ الباب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقتولین بدر کے بارے میں بات کرنے کا

تذکرہ آیا ہے، یہ تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے کافی پہلے کر دیا تھا، حالانکہ اس وقت غزوۂ بدر کا کوئی نام ونشان تک نہیں تھا اور نہ ہی دور دور تک اس کا کوئی امکان نظر آتا تھا۔ اس وضاحت کی وجہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر سے ایک رات پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقتولین بدر کا تذکرہ فرمایا تھا، یعنی جس رات مسلمانوں نے بدر میں پڑاؤ ڈالا تھا اور سامنے کافروں کا لشکر تھا اور صبح کو قتال ہونے والا تھا، اس رات بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ ذکر کیا تھا کہ هذا مصرع فلان غدا إن شاء الله هذا مصرع فلان غدا إن شاء الله کہ کل فلاں آدمی ان شاء اللہ یہاں مرے گا، ابوجہل یہاں مرے گا، فلاں یہاں مرے گا، وہ ایک الگ واقعہ ہے۔ یہاں جو باب قائم کیا ہے، اس سے مراد غزوۂ بدر کے واقع ہونے سے کافی پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض لوگوں کا نام لے کر یہ ذکر فرمایا تھا کہ یہ قتل کئے جائیں گے، ان ہی میں سے ایک امیہ بن خلف بھی تھا، جس کا ذکر اس روایت میں آرہا ہے۔

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ

قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَ عَنْ سَعْدِ بْنِ

عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ

مُعَاذٍ أَنَّهُ قَالَ كَانَ صَدِيقًا لِأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَكَانَ أُمَيَّةُ إِذَا مَرَّ بِالْمَدِينَةِ نَزَلَ عَلَى سَعْدٍ وَكَانَ

وہ امیہ بن خلف کے (جاہلیت کے زمانے سے) دوست تھے اور جب بھی امیہ مدینہ سے گزرتا تو ان کے یہاں قیام کرتا تھا۔ اسی طرح سعد رضی اللہ عنہ

سَعْدٌ إِذَا مَرَّ بِمَكَّةَ نَزَلَ عَلَى أُمَيَّةَ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ انْطَلَقَ

جب مکہ سے گزرتے تو امیہ کے یہاں قیام کرتے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو ایک مرتبہ سعد رضی اللہ عنہ

سَعْدٌ مُعْتَمِرًا فَنَزَلَ عَلَى أُمَيَّةَ بِمَكَّةَ فَقَالَ لِأُمَيَّةَ انْظُرْ لِي سَاعَةَ خَلْوَةٍ لَعَلِّي أَنْ أَطُوفَ بِالْبَيْتِ

مکہ عمرہ کے ارادے سے گئے اور امیہ کے پاس قیام کیا۔ انہوں نے امیہ سے کہا کہ میرے لیے کوئی تنہائی کا وقت بتاؤ تاکہ میں بیت اللہ کا طواف کروں۔

فَخَرَجَ بِهِ قَرِيبًا مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ فَلَقِيَهُمَا أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ يَا أَبَا صَفْوَانَ مَنْ هٰذَا مَعَكَ فَقَالَ

چنانچہ امیہ انہیں دوپہر کے وقت ساتھ لے کر نکلا۔ ان سے ابوجہل کی ملاقات ہوگئی۔ اس نے پوچھا، ابوصفوان! یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ امیہ نے بتایا کہ

هٰذَا سَعْدٌ فَقَالَ لَهُ أَبُو جَهْلٍ أَلَا أَرَاكَ تَطُوفُ بِمَكَّةَ آمِنًا وَقَدْ أَوَيْتُمُ الصُّبَاةَ وَزَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ

یہ سعد بن معاذ ہیں۔ ابوجہل نے کہا، کیا میں تمہیں مکہ میں امن کے ساتھ طواف کرتا ہوا نہیں دیکھ رہا حالانکہ تم نے بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے اور تم اس خیال میں ہو

تَنْصُرُونَهُمْ وَتُعِينُونَهُمْ أَمَا وَاللهِ لَوْلَا أَنَّكَ مَعَ أَبِي صَفْوَانَ مَا رَجَعْتَ إِلَى أَهْلِكَ سَالِمًا فَقَالَ

کہ تم لوگ ان کی مدد کرو گے۔ خدا کی قسم! اگر اس وقت تم، ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر سلامتی سے نہیں جا سکتے تھے۔ اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا،

لَهُ سَعْدٌ وَرَفَعَ صَوْتَهُ عَلَيْهِ أَمَا وَاللهِ لَئِنْ مَنَعْتَنِي هٰذَا لَأَمْنَعَنَّكَ مَا هُوَ أَشَدُّ عَلَيْكَ مِنْهُ

اور ان کی آواز بلند ہوگئی تھی کہ اللہ کی قسم! اگر آج تم نے مجھے طواف سے روکا تو میں بھی مدینہ کی طرف سے تمہارا راستہ بند کر دوں گا اور یہ تمہارے لیے بہت سی مشکلات

طَرِيقَكَ عَلَى أَهْلِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ لَهُ أُمَيَّةُ لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ يَا سَعْدُ عَلَى أَبِي الْحَكَمِ سَيِّدِ أَهْلِ

کا باعث بن جائے گا۔ امیہ کہنے لگا، سعد! ابوالحکم (ابوجہل) کے سامنے بلند آواز سے نہ بولو۔ یہ وادیٔ مکہ کا سردار ہے۔

الْوَادِيْ فَقَالَ سَعْدٌ دَعْنَا عَنْكَ يَا أُمَيَّةُ فَوَاللهِ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

سعد رضی اللہ عنہ نے کہا، امیہ! تم اس طرح بات نہ کرو۔ اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ سے سن چکا ہوں کہ تُو ان کے ہاتھوں سے مارا جائے گا۔

يَقُوْلُ إِنَّهُمْ قَاتِلُوْكَ قَالَ بِمَكَّةَ قَالَ لَا أَدْرِيْ فَفَزِعَ لِذٰلِكَ أُمَيَّةُ فَزَعًا شَدِيْدًا فَلَمَّا رَجَعَ أُمَيَّةُ

امیہ نے پوچھا۔کیا مکہ میں مجھے قتل کریں گے؟ انہوں نے کہا کہ اس کا مجھے علم نہیں۔امیہ یہ سن کر بہت گھبرا گیا اور جب اپنے گھر لوٹا تو (اپنی بیوی سے) کہا،

إِلٰى أَهْلِهِ قَالَ يَا أُمَّ صَفْوَانَ أَلَمْ تَرَيْ مَا قَالَ لِيْ سَعْدٌ قَالَتْ وَمَا قَالَ لَكَ قَالَ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا

ام صفوان! تم نے دیکھا نہیں کہ سعد میرے متعلق کیا کہہ رہے ہیں۔اس نے پوچھا، کیا کہہ رہے ہیں؟ امیہ نے کہا کہ وہ یہ بتا رہے تھے کہ محمد (ﷺ) نے انہیں خبر

أَخْبَرَهُمْ أَنَّهُمْ قَاتِلِيَّ فَقُلْتُ لَهُ بِمَكَّةَ قَالَ لَا أَدْرِيْ فَقَالَ أُمَيَّةُ وَاللهِ لَا أَخْرُجُ مِنْ مَّكَّةَ فَلَمَّا

دی ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔میں نے پوچھا کہ کیا مکہ میں مجھے قتل کریں گے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کی مجھے خبر نہیں۔امیہ کہنے لگا: خدا کی قسم! اب میں مکہ سے باہر

كَانَ يَوْمَ بَدْرٍ اِسْتَنْفَرَ أَبُوْ جَهْلٍ النَّاسَ قَالَ أَدْرِكُوْا عِيْرَكُمْ فَكَرِهَ أُمَيَّةُ أَنْ يَّخْرُجَ فَأَتَاهُ

کبھی نہیں جاؤں گا۔پھر بدر کی لڑائی کے موقع پر جب ابوجہل نے لڑائی کی تیاری کے لیے کہا اور کہا کہ اپنے قافلہ کی مدد کو چلو تو امیہ نے لڑائی میں شرکت پسند نہیں کی،

أَبُوْ جَهْلٍ فَقَالَ يَا أَبَا صَفْوَانَ إِنَّكَ مَتٰى مَا يَرَاكَ النَّاسُ قَدْ تَخَلَّفْتَ وَأَنْتَ سَيِّدُ أَهْلِ الْوَادِيْ

لیکن ابوجہل اس کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے ابوصفوان! تم وادی کے سردار ہو۔جب لوگ دیکھیں گے کہ تم ہی لڑائی میں نہیں نکلتے ہو تو دوسرے لوگ بھی نہیں نکلیں

تَخَلَّفُوْا مَعَكَ فَلَمْ يَزَلْ بِهِ أَبُوْ جَهْلٍ حَتّٰى قَالَ أَمَّا إِذْ غَلَبْتَنِيْ فَوَاللهِ لَأَشْتَرِيَنَّ أَجْوَدَ بَعِيْرٍ بِمَكَّةَ

گے۔پھر ابوجہل یوں ہی برابر اس کو سمجھاتا رہا۔آخر مجبور ہو کر امیہ نے کہا جب تو نہیں مانتا تو خدا کی قسم (اس لڑائی کے لیے) میں ایسا تیز رفتار اونٹ خریدوں گا جس کا

ثُمَّ قَالَ أُمَيَّةُ يَا أُمَّ صَفْوَانَ جَهِّزِيْنِيْ فَقَالَتْ لَهُ يَا أَبَا صَفْوَانَ وَقَدْ نَسِيْتَ مَا قَالَ لَكَ أَخُوْكَ

ثانی مکہ میں نہ ہو۔پھر امیہ نے (اپنی بیوی سے) کہا، ام صفوان! میرا سامان تیار کر دے۔اس نے کہا، ابوصفوان! اپنے یثربی بھائی کی بات بھول گئے؟

الْيَثْرِبِيُّ قَالَ لَا مَا أُرِيْدُ أَنْ أَجُوْزَ مَعَهُمْ إِلَّا قَرِيْبًا فَلَمَّا خَرَجَ أُمَيَّةُ أَخَذَ لَا يَنْزِلُ مَنْزِلًا

امیہ بولا، میں بھولا نہیں ہوں۔ان کے ساتھ صرف تھوڑی دور تک جاؤں گا۔پھر جب امیہ لشکر کے ساتھ نکلا تو راستہ میں جس منزل پر بھی ٹھہرنا ہوتا،

إِلَّا عَقَلَ بَعِيْرَهُ فَلَمْ يَزَلْ بِذٰلِكَ حَتّٰى قَتَلَهُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ بِبَدْرٍ.

یہ اپنا اونٹ (اپنے پاس ہی) باندھے رکھتا۔وہ برابر اسی طرح کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غزوۂ بدر میں مار دیا۔

یہ روایت ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) سے نقل کر رہے ہیں گویا ایک تابعی دوسرے تابعی سے روایت کر رہا ہے اور حضرت عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کر رہے ہیں، جنہیں سادس الاسلام کہا جاتا ہے کہ وہ اسلام لانے والے چھٹے آدمی ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ واقعہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کر رہے ہیں، گویا ایک صحابی دوسرے صحابی سے روایت کر رہے ہیں۔

أَنَّهُ قَالَ کی ضمیر کا مرجع:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کر رہے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، بظاہر قال کی ضمیر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے، یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی كَانَ صَدِيْقًا لِأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے دوست تھے۔اب اگر دیکھا جائے تو کلام یوں ہونا چاہیے

تھا كنتُ صديقًا میں امیہ بن خلف کا دوست تھا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی کلام میں کبھی التفات من الغيبة إلى التكلم ہوتا ہے اور کبھی التفات من التكلم إلى الغيبة ہوتا ہے، یہاں بھی متکلم سے غائب کی طرف التفات کیا گیا ہے اور یوں کہا گیا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے دوست تھے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم قال کی ضمیر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف راجع کریں جو بظاہر اقرب ہونے کی وجہ سے راجح ہے، لیکن اگر ضمیر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف راجع کریں گے تو پھر اس میں یہ تاویل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور کلام اپنے ظاہر پر ہوگا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے دوست تھے۔

امیہ بن خلف کفار قریش کے سرداروں میں سے ایک تھا، اس کی کنیت ابوصفوان تھی۔ صفوان بن امیہ اس کے بیٹے ہیں، جو شروع میں مسلمانوں کے سخت دشمن رہے مگر بعد میں فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے، رضی اللہ عنہ۔

وَكَانَ أُمَيَّةُ إِذَا مَرَّ بِالْمَدِيْنَةِ نَزَلَ عَلَى سَعْدٍ..... : اس زمانے میں جب اہل مدینہ کو یمن جانا ہوتا تھا تو وہ مکہ مکرمہ سے ہو کر جاتے تھے، کیونکہ یمن مدینہ سے جنوب میں واقع ہے اور درمیان میں مکہ پڑتا ہے، اسی طرح مدینہ مکہ کے شمال میں واقع ہے، اس لیے اہل مکہ شام (جو مکہ سے شمال میں واقع ہے) جاتے ہوئے مدینہ منورہ سے گزرا کرتے تھے۔ غرض، حضرت سعد رضی اللہ عنہ حالت کفر میں جب کبھی حج و عمرہ کی ادائیگی کے لیے یا یمن کے سفر کے دوران مکہ مکرمہ جاتے تو وہاں اپنے دوست امیہ بن خلف کے پاس قیام کرتے تھے، اس طرح امیہ بن خلف جب شام کی طرف جانے کے لیے مدینہ سے گزرتا تھا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس آکر ٹھہرا کرتا تھا۔ یہ دونوں اپنے اپنے علاقوں کے سردار تھے اور دونوں کی آپس میں دوستی تھی۔

مدینہ منورہ میں دو بڑے قبائل تھے: اوس اور خزرج، ان میں سے اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے اور خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ الغرض جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے، اس کے کچھ عرصے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور یہ واقعہ پیش آیا۔

فَقَالَ يَا أَبَا صَفْوَانَ مَنْ هٰذَا مَعَكَ؟ عرب کے لوگ عام طور پر نام نہیں لیا کرتے تھے، اگر کسی کا احترام کرنا ہو، یا کوئی بڑا آدمی ہو، یا عمر میں زیادہ ہو، تو کنیت کے ساتھ اسے مخاطب کرتے تھے۔ ابوجہل بھی سردار تھا اور امیہ بھی سردار تھا، تو ابوجہل نے کنیت کے ساتھ اسے مخاطب کیا۔

وَقَدْ اٰوَيْتُمُ الصُّبَاةَ: صباة صابی کی جمع ہے، مشرکین مکہ مسلمان ہونے والوں کو مسلم یا مومن نہیں کہتے تھے بلکہ صابی کہتے تھے، صبا یصبو کے اصل معنی ہے خرج عن دينه، مشرکین کہتے تھے کہ مسلمان ہمارے آباء واجداد کے دین سے نکل گئے ہیں، اس لیے وہ انہیں صابی کہہ کر پکارتے تھے۔ ابوجہل نے بھی یہی کہا کہ تم نے صابئین کو

پناہ دی ہے اور تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم ان کی مدد کرو گے اور نصرت کرو گے۔

لَأَمْنَعَنَّكَ مَا هُوَ أَشَدُّ عَلَيْكَ مِنْهُ طَرِيقَكَ عَلَى الْمَدِينَةِ: اہل مکہ کی تجارت کا دارو مدار صرف دو سفروں کے اوپر تھا رحلة الشتاء الى اليمن اور رحلة الصيف الى الشام۔ شام کے سفر کے لیے اہل مکہ کو مدینہ منورہ سے گزر کر جانا پڑتا تھا۔ اس لیے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم مجھے طواف سے روکو گے اور مجھے عمرہ نہیں کرنے دو گے تو میں تمہارا جو مدینہ منورہ کا تجارتی راستہ ہے اسے بند کر دوں گا۔ اگر طریقک نصب کے ساتھ پڑھیں گے تو یہ لفظ ما کا بدل ہو جائے گا، اور اگر طریقک رفع کے ساتھ پڑھیں گے تو یہ مبتدا محذوف هو کی خبر ہو گی۔

لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ يَا سَعْدُ عَلَى أَبِي الْحَكَمِ: ابو جہل کو کفار ابو الحکم کہا کرتے تھے، حَکَم فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں اور ابو الحکم کا مطلب ہے کہ فیصلہ کرنے والے کا بھی باپ، گویا ابو جہل صرف فیصلہ کرنے والا ہی نہیں ہے بلکہ فیصلہ کرنے والوں کا بھی باپ ہے، یعنی انتہائی ذہین اور عقل مند ہے۔ ابو جہل میں واقعی کافی صلاحیتیں تھیں، اپنے علاقے کا سردار تھا اور لوگ اس کی باتوں کو مانا کرتے تھے لیکن چونکہ باوجود عقل مند ہونے کے اس نے توحید کا انکار کیا اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہ صرف انکار کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا لقب ابو جهل رکھ دیا، اب تاریخ اس کو ابو جہل ہی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّهُمْ قَاتِلُوكَ: روایت کا یہی وہ حصہ ہے، جس کی بناء پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ پورا قصہ یہاں نقل کیا ہے اور اسی سے ترجمة الباب پر استدلال کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں کے بارے ذکر کیا تھا کہ انہیں بدر میں قتل کیا جائے گا، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیہ بن خلف کے قتل ہونے کا بھی ذکر کیا تھا، جسے یہاں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس پیشین گوئی پر امیہ بن خلف نے کہا کہ کیا مسلمان مجھے مکہ میں قتل کریں گے؟ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: لَا أَدْرِي یہ میں نہیں جانتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جتنی بات انہوں نے سنی تھی اتنی ہی نقل کر دی۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف امت کا طریقہ تھا کہ جتنی بات سنتے تھے، اتنی ہی آگے نقل کرتے تھے۔ یہ جاہلوں کا طریقہ ہے کہ اصل بات میں اوپر سے مرچ مصالحہ لگا دیتے ہیں، بات اتنی سی ہوتی ہے اور نقل ہوتے ہوتے کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے صرف اتنی بات سنی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم امیہ بن خلف کو قتل کریں گے۔ اب یہ بات کہ کہاں قتل کریں گے؟ کب قتل کریں گے؟ اور قاتل متعین طور پر کون ہو گا؟ یہ ساری بات انہوں نے نہیں سنی تھی، جب نہیں سنی تو انہوں نے یہ کہا کہ لَا أَدْرِي کہ مجھے اس کی تفصیل نہیں معلوم۔

فَلَمَّا كَانَ يَوْمَ بَدْرٍ: جب بدر کا دن آیا، کان تامہ ہے، یعنی جب بدر والا دن ہوا۔

اِسْتَنْفَرَ أَبُو جَهْلٍ النَّاسَ قَالَ أَدْرِكُوا عِيرَكُمْ: قریش کا تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام گیا ہوا تھا، وہ قافلہ واپس آرہا تھا، دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عرصے سے یہ جائزہ لے رہے تھے کہ اہل مکہ کے تجارتی قافلوں کے راستے کیا کیا ہیں؟ تاکہ ان کا راستہ کاٹا جائے اور مشرکین مکہ کی معیشت کو کمزور کیا جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے نکلے اور چلتے چلتے بدر کے مقام تک پہنچے۔ دوسری طرف ابوسفیان کو یہ اطلاع مل گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا لشکر لے کر ان کے تعاقب میں نکلے ہیں، چنانچہ ابوسفیان نے فوری طور پر ایک آدمی ضمضم بن عمرو الغفاری کے ذمہ لگایا کہ تم تیزی سے جاؤ اور اہل مکہ کو اطلاع کردو کہ تمہارا تجارتی قافلہ خطرے میں ہے اور اگر تم اس قافلے کو مسلمانوں سے بچانا چاہتے ہو تو فوراً اپنا لشکر لے کر پہنچو۔

جب یہ خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو ابوجہل نے نفیر عام کی کہ سب نکلو اور مسلمانوں کو روکو۔ دوسری طرف ابوسفیان نے اپنا راستہ تبدیل کرلیا اور سمندر کے کنارے سے ہوتا ہوا مکہ کی طرف چلا اور مسلمانوں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا، اُدھر مشرکین مکہ ابوجہل اور دوسرے سرداروں کی سرکردگی میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے بدر پہنچ گئے اور بدر کے مقام پر یہ عظیم غزوہ پیش آیا۔

يَا أَبَا صَفْوَانَ إِنَّكَ مَتَى مَا يَرَاكَ النَّاسُ قَدْ تَخَلَّفْتَ.....: ابوجہل نے جب امیہ بن خلف کی ٹال مٹول دیکھی تو اس سے کہا کہ تم سردار ہو تمہیں ضرور ساتھ چلنا چاہیے، چاہے بعد میں واپس ہی آجانا، کیونکہ اگر تم ساتھ نہیں جاؤ گے تو اور لوگ بھی پیچھے ہٹ جائیں گے، ساتھ ہی ایک اور حرکت بھی اس نے کی، جس کا یہاں ذکر نہیں ہے، البتہ سیرت ابن ہشامؒ میں اس کا ذکر موجود ہے، وہ یہ کہ ابوجہل نے عقبہ بن ابی معیط سے کہا کہ تم امیہ کو کسی طرح لڑائی کے لیے نکلنے پر آمادہ کرو۔ عقبہ بن ابی معیط دلہن کے کپڑوں کو خوشبودار بنانے کے لیے جو دھونی دی جاتی تھی، وہ دھونی لے کر امیہ کے پاس آیا اور اس کے پاس بیٹھ کر اس کے کپڑوں کو دھونی دینے لگا۔ امیہ نے کہا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ کیا میں کوئی عورت ہوں!؟ اس نے کہا کہ تم عورت ہی تو ہو جب ہی تو لڑائی میں نہیں جا رہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی مرد کو چوڑیاں بھیجی جائیں کہ چوڑیاں پہن لو اور گھر میں بیٹھ جاؤ۔ بہرحال! ابوجہل امیہ پر مسلسل اصرار کرتا رہا، یہاں تک کہ امیہ بن خلف لشکر کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگیا۔

روایت میں ہے کہ پھر جب امیہ نکلا تو وہ جس جگہ اترتا تھا تو اپنے اونٹ کو اپنے قریب ہی باندھ دیتا تھا، یعنی یہ سوچتا کہ یہاں تو کوئی پریشانی نظر نہیں آرہی، یہاں تو مسلمان نہیں ہیں، چلو تھوڑا سا اور آگے چلا جاتا ہوں، فی الحال کچھ دن یہاں رہ لیتا ہوں، تھوڑا اور کھا پی لیتا ہوں، کوئی خطرے کی بات ہوگی تو واپس چلا جاؤں گا، اسی طرح آہستہ آہستہ وہ بدر پہنچ گیا اور پھر بدر میں وہ مارا گیا، جس کا تفصیلی واقعہ آگے آرہا ہے۔

بَابُ قِصَّةِ غَزْوَةِ بَدْرٍ

یہ باب غزوہ بدر کے بیان میں ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ عشیرۃ میں قریش کے جس قافلے کے تعاقب کے لئے روانہ ہوئے تھے وہ قافلہ تجارت کی غرض سے شام جارہا تھا، اس وقت وہ قافلہ بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا، اب وہی قافلہ سامان تجارت کے ساتھ شام سے مکہ کے لئے واپس آرہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ قافلہ واپس آرہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس قافلے کے تعاقب کے لئے روانہ ہونے کا ارشاد فرمایا۔ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق ۳۱۳، معجم طبرانی میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ۳۱۴ اور بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق ۳۱۵ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قریش کے قافلے کے تعاقب کے لئے روانہ ہوئے، رمضان کی بارہ تاریخ تھی، چونکہ کسی مسلح فوج اور مسلح لشکر کے ساتھ لڑنے کا موقع نہیں تھا، اس لئے جو صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہوسکے اور جانے کے لئے آمادہ ہوئے وہ جمع ہوئے اور روانہ ہوئے اور انہوں نے جنگ کی کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ ان کے پاس دو گھوڑے تھے، ایک حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا اور ایک حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا اور ستر اونٹ تھے، یہ حضرات ان اونٹوں پر باری باری سوار ہوتے تھے، دو دو، تین تین کے حصے میں ایک ایک اونٹ آیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ تھے۔

ادھر ابوسفیان بن حرب جو تجارتی قافلہ لے کر شام سے مکہ جارہے تھے ان کو فکر تھی کہ کہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے اصحاب ہمارے قافلے کا تعاقب نہ کریں اس لئے وہ اس کی جستجو اور تحقیق میں لگے ہوئے تھے، لہٰذا جب انہیں اطلاع ملی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قافلہ کے تعاقب کے لئے روانہ ہوگئے ہیں، تو ابوسفیان نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ مکرمہ روانہ کیا تاکہ وہ قریش کو اطلاع دیں کہ ان کا تجارتی قافلہ خطرے میں ہے، چنانچہ ضمضم بن عمرو غفاری مکہ مکرمہ روانہ ہوا اور اہل مکہ کو اس خطرے کی اطلاع دی۔

ابوجہل کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے لوگوں کو تیار کرنا شروع کیا اور ایک بڑا لشکر تیار ہوگیا، دوسری طرف ابوسفیان کو جب اندازہ ہوا کہ ان کے قافلے کو خطرہ ہے تو انہوں نے راستہ تبدیل کیا اور ساحل بحر کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنے قافلے کو بچانے میں کامیاب ہوگئے اور جب یہ اطمینان ہوگیا کہ قافلہ اب محفوظ ہے تو اس نے قریش کے پاس پیغام بھیجا کہ اب قافلہ محفوظ ہے لہٰذا اب تم واپس ہوجاؤ، لیکن ابوجہل نے واپس جانے سے انکار کردیا اور کہا کہ ہمارے پاس مکمل انتظامات ہیں، ہم بدر تک جائیں گے اور وہاں تین دن جشن منائیں گے، پھر واپس آئیں گے، چنانچہ یہ لوگ بدر کے مقام پر مسلمانوں سے پہلے پہنچ گئے اور وہاں جو بہترین جگہ تھی اس پر انہوں نے قبضہ کرلیا اور

وہاں موجود پانی کے چشمہ پر بھی قبضہ کرلیا۔

آپ ﷺ مقام صفراء پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ کی حفاظت کے لئے مکہ سے لشکر جرار روانہ ہوا ہے، اب تک جتنے غزوات پیش آئے تھے کسی ایک میں بھی انصار نے شرکت نہیں کی تھی، بیعت عقبہ کے موقع پر معاہدہ بھی یہی ہوا تھا کہ انصار مدینہ میں رہتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کی امداد کریں گے، مدینہ سے باہر نکل کر دشمن پر حملہ کرنے کے لئے انصار سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا اشیرو اعلی ایھا الناس (لوگوں مجھے مشورہ دو) حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد پر پہلے حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر اور پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہوکر نہایت ہی مناسب انداز میں وفاداری اور اپنے تعاون کا یقین دلایا، لیکن یہ تینوں حضرات مہاجرین میں سے تھے اس لئے آپ ﷺ نے پھر فرمایا اشیرو اعلی ایھا الناس تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ آپ شاید انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک جانثارانہ تقریر فرماتے ہوئے انصار کی وفاداری اور تعاون کا یقین دلایا اور انصار کی طرف سے ایسی بلیغ اور مؤثر انداز میں ترجمانی کی کہ آپ ﷺ خوش ہوگئے اور لشکر اسلام بدر کی طرف روانہ ہوا۔

بدر مدینہ منورہ سے اسی ۸۰ میل کے فاصلہ پر واقع ایک بستی کا نام ہے، کہتے ہیں کہ بدر بن یخلد بن نضر بن کنانۃ نے اسے آباد کیا تھا اور بعض کا خیال ہے کہ وہاں بدر نام کا ایک کنواں تھا اس لئے اس بستی کا نام بدر رکھا گیا۔

مسلمان چونکہ کافروں کے بعد بدر پہنچے تھے اس لئے انہیں جو جگہ ملی وہاں ریت ہی ریت تھی، جس میں پاؤں دھنستے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے ریت جم گئی اور جہاں مشرکین ٹھہرے ہوئے تھے وہاں کیچڑ ہوگیا اور ان کے لئے مشکل و دشواری پیدا ہوگئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس صبح کو جنگ ہونے والی تھی اس رات میں سب سو گئے لیکن حضور ﷺ نہیں سوئے اور آپ مسلسل اللہ سے دعا اور التجا کرتے رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ اس رات صحابہ رضی اللہ عنہم کو میدان بدر کی طرف لے گئے اور کفار مکہ کی قتل گاہیں دکھلائیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تجویز پر ٹیلے کے اوپر آپ ﷺ کے لئے ایک چھپر تیار کیا گیا اس چھپر میں آپ ﷺ الحاح وزاری اور دعا و عبادت میں مصروف ہوگئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چھپر کے اندر آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ باہر دروازے پہ پہرہ دے رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے نماز کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفیں درست کیں، ایک جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، ایک جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور

ایک جھنڈا ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، یہ جمعہ کا دن تھا اور ماہ رمضان کی سترہ تاریخ تھی۔

مشرکین بھی باقاعدہ صف بنا کر جنگ کے لئے کھڑے ہو گئے، اور عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کو لے کر میدان میں مقابلے کے لئے نکلا اور تینوں نے نعرہ لگایا ھل من مبارز؟ ہے کوئی مقابلہ کرنے والا، مسلمانوں میں سے تین انصاری صحابی حضرت عوف بن الحارث، حضرت معوذ بن الحارث اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔ عتبہ نے ان سے پوچھا کہ من انتم تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: رھط من الانصار ہم انصار کی جماعت ہیں، عتبہ نے کہا: مالنا بکم حاجۃ ہمارا تم سے کوئی مطلب نہیں ہے، پھر عتبہ نے کہا: یا محمد اخرج الینا اکفاءنا من قومنا ہماری قوم کے افراد جو ہم جیسے ہوں ان کو مقابلے کے لئے بھیجیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ آگے بڑھو، یہ تینوں حضرات مقابلہ کے لئے آگے نکلے چونکہ ان کے چہروں پر نقاب تھے، اس لئے عتبہ نے سوال کیا: من انتم؟ انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔ تو عتبہ نے کہا نعم اکفاء کرام ہاں، یہ لوگ ہمارے مثل اور عزت والے لوگ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ولید سے ہوا اور انہوں نے اسے ایک ہی وار میں جہنم رسید کیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ شیبہ بن ربیعہ سے ہوا اور انہوں نے بھی ایک ہی ضرب میں اس کا کام تمام کر دیا، حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کا مقابلہ عتبہ سے ہوا، دونوں ایک دوسرے پر وار کر کے زخمی ہو گئے، عتبہ کے وار سے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی ٹانگ کٹ گئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے فریق کو قتل کرنے کے بعد حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی مدد کو آ گئے اور آ کر عتبہ کا کام تمام کر دیا، حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ زخمی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے گئے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میں شہید ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بالکل تم شہید ہو۔

عتبہ، شیبہ اور ولید کے قتل ہونے کے بعد ابو جہل نے لشکر کے سامنے تقریر کی اور کہا کہ ان لوگوں نے جلد بازی سے کام لیا اس لئے مارے گئے، لات و عزی کی قسم! ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک ہم انہیں رسیوں سے نہ باندھ لیں، بہر حال گھمسان کی جنگ شروع ہوئی، ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ شروع ہونے کے بعد دعا اور الحاح وزاری میں مشغول ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: اللھم انجز لی ما وعدتنی اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض اے اللہ! آپ نے جو وعدہ مجھ سے فرمایا ہے اس کو پورا فرما دیجئے، اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو روئے زمین پر پھر آپ کی عبادت نہ ہو سکے گی۔

روایت میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا میں اس قدر الحاح وزاری اختیار فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک جسم مبارک سے گر جاتی تھی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر عرض کیا: کفاک مناشدتک ربک

فانه سینجز لک ما وعدک اپنے رب کے حضور میں آپ کی اتنی الحاح وزاری کافی ہے، بے شک وہ اپنے اس وعدہ کو پورا کریں گے جو آپ سے کیا ہے، اس کے بعد حضور ﷺ عریش (چھپڑ) سے باہر آئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: ابشر یا ابا بکر اتاک نصر اللہ ھذا جبریل أخذا بعنان فرسہ ابوبکر! خوش ہو جاؤ اللہ کی مدد آ گئی، یہ جبرئیل ہیں، انہوں نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑی ہوئی ہے۔

جنگ کے دوران حضور اکرم ﷺ نے خاک کی ایک مٹھی لے کر کفار کی طرف پھینکی اور تین مرتبہ شاھت الوجوہ فرمایا، اسی کے بارے میں قرآن نے کہا: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔ وہ مٹی کفار کے لشکر کے ہر آدمی کی آنکھ میں پہنچی اور وہ آنکھ ملنے لگا، اس سے کفار بدحواس ہو گئے، اور مسلمان ان کو پکڑتے اور قتل کرتے رہے۔ بالآخر جنگ کے نتیجے میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر ہی قید کئے گئے۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد حضور اکرم ﷺ نے عمائدین قریش کو ایک کنویں میں ڈالنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سرداروں کی لاشوں کو جن کی تعداد چوبیس تھی اس کنویں میں ڈال دیا اور باقی مقتولین کو ویسے ہی گڑھے کھود کر دبا دیا، سرداروں میں سے امیہ بن خلف کی لاش چونکہ بہت پھول گئی تھی اور جب زرہ کو اس کے جسم سے نکالا گیا تو اس کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اس لئے وہ وہیں مٹی میں دبا دی گئی، اور اسے کنویں میں نہیں ڈالا جا سکا۔

آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ کسی جنگ میں فتح پاتے تو جنگ کے بعد تین دن وہاں قیام فرماتے، چنانچہ آپ ﷺ نے یہاں بھی تین دن قیام فرمایا، جب تیسرا دن ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے روانگی کا حکم دیا اور اس کنویں کی طرف چلے جس میں سرداران قریش کی لاشیں تھیں، آپ ﷺ کنویں پر آئے اور فرمانے لگے یا امیۃ! یاابا جھل بن ھشام! یا عتبۃ بن ربیعۃ! ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فانی قد وجدت ما وعدنی ربی حقا اے امیہ! اے ابوجہل! اے عتبہ! اللہ نے جو وعدہ تمہارے لئے کیا تھا کیا تم نے اسے صحیح اور حق پایا؟ اللہ نے جو وعدہ مجھ سے کیا تھا وہ تو میں نے حق پالیا)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ھل تکلم من اجساد لا ارواح فیھا آپ بے جان مردوں سے بات کر رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم و لکن لا یستطیعون ان یجیبوا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ان کے مقابلہ میں میری بات زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے۔

آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے جو بدر میں شریک نہ تھے لیکن مال غنیمت میں ان کا بھی حصہ رکھا گیا:

① حضرت عثمان ② حضرت طلحہ بن عبید اللہ ③ حضرت سعید بن زید ④ حضرت ابولبابہ بن منذر ⑤ حضرت عاصم بن عدی ⑥ حضرت حارث بن حاطب ⑦ حضرت حارث بن صمہ ⑧ حضرت خوات بن جبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

یہ غزوۂ بدر کا مختصر قصہ ہے، مزید تفصیل روایات کے ذیل میں موقع بموقع آتی رہے گی۔

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللهُ بِبَدْرٍ وَّ أَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ إِذْ تَقُوْلُ

اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا "اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی بدر میں جس وقت کہ تم کمزور تھے۔ تو تم اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ اے نبی! وہ وقت یاد کیجئے، جب آپ

لِلْمُؤْمِنِيْنَ أَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ أَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِيْنَ بَلٰى إِنْ

ایمان والوں سے کہہ رہے تھے، کیا یہ تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد کے لیے تین ہزار فرشتے اتار دے، کیوں نہیں، بشرطیکہ

تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ

تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر وہ تم پر فوراً آ پڑیں تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کئے ہوئے فرشتوں سے کرے گا

مُسَوِّمِيْنَ وَمَا جَعَلَهُ اللهُ إِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ

اور یہ تو اللہ نے اس لیے کیا کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان حاصل ہو جائے۔ ورنہ فتح تو بس اللہ غالب اور حکمت والے ہی

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَائِبِيْنَ

کی طرف سے ہوئی ہے اور یہ نصرت اس غرض سے تھی تاکہ کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا انہیں ایسا مغلوب کر دے کہ وہ ناکام ہو کر واپس لوٹ جائیں۔

وَ قَالَ وَحْشِيٌّ قَتَلَ حَمْزَةُ طُعَيْمَةَ بْنَ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ يَوْمَ بَدْرٍ

وحشیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے طعیمہ بن عدی بن خیار کو بدر کے دن قتل کردیا تھا

وَ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَ إِذْ يَعِدُكُمُ اللهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ اَلْاٰيَةَ

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "اور وہ وقت یاد کرو کہ جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا، دو جماعتوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ آ جائے گی"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ وہ ترجمة الباب کے ساتھ اکثر آیات کا ذکر کرتے ہیں، اس کی ایک وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس باب میں اسی مضمون کا ذکر ہے جو آیت میں بیان کیا گیا ہے اور دوسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ باب میں جتنی تفاصیل بیان کی گئی ہیں وہ سب اس آیت سے ماخوذ ہیں، اور یہ آیت ان تفاصیل اور مسائل کا ماخذ ہے۔

وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ: یہاں **أَذِلَّةٌ** کا لفظ کمزور کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی اس حالت میں کہ تم کمزور تھے، تم ضعیف اور عاجز تھے، تمہارے اندر مشرکین کے لشکر جرار سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں تھی، **أَذِلَّةٌ** جو ذلیل کی جمع ہے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ تم حقیر اور خسیس تھے بلکہ اس کے معنی کمزور اور عاجز ہونے کے ہیں۔

إِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ أَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ أَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ: کے بارے میں اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس کا تعلق غزوۂ بدر سے ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے غزوۂ بدر کے واقعے کے ذیل میں بیان فرما رہے ہیں، لیکن حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ **إِذْ تَقُوْلُ** کا تعلق **وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ** سے ہے اور یہ آیت غزوۂ اُحد سے متعلق ہے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صنیع سے یہ ظاہر کر دیا کہ اس آیت کا تعلق غزوۂ بدر سے ہے، اس کی تائید ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے بھی ہوتی

ہے جوانہوں نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے سند صحیح کے ساتھ نقل کی ہے کہ یوم بدر میں مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ جابر فہری مشرکین کی امداد کے لئے ایک لشکر لے کر آرہا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی تسلی اور اطمینان کے لئے یہ آیت اتاری۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کا تعلق غزوۂ بدر سے ہے۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کا نزول

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں نزول ملائکہ کا ذکر موجود ہے اب سوال یہ ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر فرشتوں کا نزول ہوا تھا یا نہیں اور اگر ہوا تھا تو فرشتوں کی کتنی تعداد نازل ہوئی تھی؟

اس سلسلے میں ایک بات تو یہی کہی گئی ہے کہ پہلے ایک ہزار فرشتے آئے، اس کے بعد تین ہزار آئے اور اس کے بعد پانچ ہزار آئے، حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے آئے تھے اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی نقل کیا ہے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ پانچ ہزار کے آنے کی نوبت نہیں آئی بلکہ ایک ہزار اور تین ہزار فرشتوں سے امداد کی گئی۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ فرشتے تو اُحد اور حنین میں بھی آئے تھے اور بدر میں بھی آئے تھے لیکن بدر کی خصوصیت یہ ہے کہ بدر کے موقعہ پر فرشتوں نے قتال میں بھی شرکت کی تھی، جبکہ حنین میں ان کا نزول صرف خیر وبرکت کے لئے ہوا تھا اور اُحد میں فرشتوں نے قتال میں شرکت نہیں کی تھی بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے آئے تھے، بہر حال چونکہ بدر کے واقعہ کا ایک عظیم الشان جزئیہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں مسلمانوں کی امداد کے لئے فرشتوں کو بھیجا تھا، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو ذکر فرمایا۔

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرشتوں کو بہت طاقت عطا فرمائی ہے، جیسا کہ صرف ایک فرشتے نے پوری قوم لوط کی بستی کو اٹھا کر تہہ وبالا کر دیا تھا تو یہاں ایک ہزار فرشتوں یا تین ہزار فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب قرآن نے خود دیا ہے، سورۂ آل عمران میں بھی اور سورۂ انفال میں بھی، وہ یہ کہ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے نازل ہونے کا مقصد فرشتوں کو کافروں سے لڑوانا نہیں تھا بلکہ ان کا نازل ہونا صرف اس لیے تھا کہ مسلمانوں کے لیے بشارت، سکینت اور دل کی مضبوطی کا باعث بنے، ورنہ ایک ہزار فرشتے کیا، صرف ایک فرشتہ ہی کافی تھا اور پھر مسلمانوں کو تو لڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہونی چاہیے تھی، وہ ایک جگہ بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے رہتے، فرشتے ہی ان کی طرف سے سارے کافروں کے لیے کافی ہو جاتے لیکن یہ دستور نہیں، یہ دنیا ہے، یہاں کام آدمی کو ہی کرنا پڑتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ تو اللہ نے اس کو نہیں کیا مگر بشارت، یہاں حصر ہے، یعنی یہ صرف اور صرف بشارت تھی۔

مزید کیا تھی؟ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ اور تا کہ تمہارے دل مطمئن ہوں اور تم آرام سے کافروں سے لڑسکو۔

البتہ مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے بعض فرشتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ تم قتال بھی کرلو، تا کہ مسلمان مطمئن رہیں کہ ہمارے ساتھ فرشتے موجود ہیں، لیکن وہ قتال بہت کم ہوا ہے، زیادہ جولڑائی ہوئی ہے، وہ فرشتوں نے نہیں لڑی بلکہ مسلمانوں نے ہی لڑی ہے، کیونکہ فرشتوں کا کام لڑنا نہیں ہے، فرشتوں کا تو کام سکینت نازل کرنا ہے، بلکہ فرشتوں کو تو لڑنا آتا بھی نہیں، اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا تو لڑنے کا طریقہ بھی سکھایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال میں فرمایا: إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰئِكَةِ اس وقت کو یاد کرو جب تمہارا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا، کہ أَنِّي مَعَكُمْ میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں، فَثَبِّتُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو، سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ اور میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ تو تم مارو گردنوں کے اوپر تا کہ موت واقع ہو، وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ اور ہر جوڑ کے اوپر مارو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں مارنے کا طریقہ بھی سکھایا، کیونکہ فرشتے تولڑنے کے عادی ہی نہیں ہوتے، ان کو تو پتا ہی نہیں ہوتا کہ کس طرح مارتے ہیں؟ لہٰذا فرشتوں نے بھی قتال میں کچھ حصہ ضرور لیا مگر اصل لڑائی مسلمانوں نے ہی لڑی، فرشتوں کے نزول کا اصل مقصد یہی تھا کہ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ۔

اور ویسے بھی یہ دنیا دارالامتحان ہے، اس میں فرشتے اس لیے نہیں آتے کہ وہ آپ کے کام کاج کریں، چنانچہ آپ جہاد کریں، فرشتے اب بھی اتر سکتے ہیں، لیکن لڑنا آپ کو خود ہی پڑے گا، خود ہی محنت کرنا ہوگی، خود ہی تبلیغ کرنی ہوگی، خود ہی جہاد کرنا ہوگا، خود ہی اپنے برتن دھونے ہوں گے، خود ہی اپنے کپڑے دھونے ہوں گے، خود ہی موچی کے پاس جا کر اپنا جوتا جڑوانا ہوگا اور خود ہی بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا ہوں گے، ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں دین کا کام کرتا رہوں اور فرشتے میری جگہ میرے کپڑے دھوتے رہیں، میرے بیوی، بچوں کے حقوق ادا کرتے رہیں، یہ ایک تصوراتی اور خیالی دنیا تو ہوسکتی ہے، حقائق کی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ غزوۂ بدر میں فرشتے نازل ہوئے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی جان ماری ہے، شہید ہوئے ہیں، زخمی ہوئے ہیں، محنت کی ہے، اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے کامیابی بھی عطا فرمائی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نصرت ہوئی اور فرشتوں کی مدد نازل ہوئی۔

وَقَالَ وَحْشِيٌّ قَتَلَ حَمْزَةُ طُعَيْمَةَ بْنَ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ يَوْمَ بَدْرٍ: یہاں طعیمہ بن عدی بن الخیار کا ذکر ہے لیکن یہ راوی کا وہم ہے صحیح طعیمۃ بن عدی بن نوفل ہے۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ وہی ہیں جنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اُحد میں شہید کیا تھا، یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو غزوہ اُحد میں وحشی رضی اللہ عنہ نے اس

لئے شہید کیا تھا کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے طعیمہ بن عدی کو بدر میں قتل کر دیا تھا، طعیمہ کے ورثاء نے جنگ اُحد کے موقعہ پر حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو لالچ دیا کہ اگر تم حمزہ کو قتل کر دو تو ہم تمہیں آزاد کر دیں گے، تو انہوں نے اسی لالچ میں غزوۂ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ آگے آئے گا، یہاں تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صرف اس مناسبت سے ذکر کر رہے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے طعیمہ کو قتل کرنے کا واقعہ بدر میں پیش آیا تھا۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ

أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ لَمْ أَتَخَلَّفْ عَنْ رَّسُولِ اللهِ صَلَّى
عبداللہ بن کعب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے غزوے کئے

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا إِلَّا فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ غَيْرَ أَنِّي تَخَلَّفْتُ عَنْ غَزْوَةِ بَدْرٍ
میں کبھی کسی غزوے میں پیچھے نہیں رہا، سوائے غزوہ تبوک کے کہ میں اس میں شریک نہیں ہوا، البتہ غزوہ بدر میں میں نے شرکت نہیں کی تھی

وَلَمْ يُعَاتَبْ أَحَدٌ تَخَلَّفَ عَنْهَا إِنَّمَا خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ عِيرَ قُرَيْشٍ
لیکن جو لوگ اس غزوے میں شریک نہ ہو سکے تھے، ان میں سے کسی پر اللہ نے عتاب نہیں کیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلے کی تلاش میں نکلے تھے۔

حَتَّى جَمَعَ اللهُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ عَدُوِّهِمْ عَلَى غَيْرِ مِيعَادٍ.
(لڑنے کی نیت سے نہیں گئے تھے) مگر اللہ تعالیٰ نے ناگہانی مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے بھڑا دیا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان تین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، جن کی توبہ کی قبولیت کا ذکر سورۂ توبہ میں آیا ہے، ان تین میں سے ایک حضرت کعب بن مالک، دوسرے حضرت مرارہ بن ربیع اور تیسرے حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم تھے (ان کے ناموں کو یاد رکھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ مکہ یاد رکھ لیں، میم سے مرارہ کاف سے کعب اور ہاء سے ہلال) یہ تینوں حضرات مخلصین اور صادقین صحابہ کرام میں سے تھے، یہ غزوۂ تبوک میں شرکت کرنا چاہتے تھے لیکن آج کل، آج کل کر کے ٹالتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔

لَمْ أَتَخَلَّفْ عَنْ رَّسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ....... یہاں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے الا فی غزوۃ تبوک و غزوۃ بدر کیوں نہیں کہا الا حرف استثناء کے بعد غزوۂ تبوک کے ساتھ غزوۂ بدر کو بھی بیان کر دیتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ الا فی غزوۃ تبوک سے غزوۂ تبوک کا استثناء علیحدہ کیا ہے اور غیر انی تخلفت فی غزوۃ بدر سے لفظ غیر لا کر غزوۂ بدر کے تخلف کو علیحدہ بیان کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تخلف تو دونوں غزوات میں ہوا لیکن دونوں کا تخلف ایک طرح کا نہیں تھا غیر انی تخلفت فی غزوۃ بدر میں لفظ غیر لا کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے تخلف سے غزوہ بدر کا تخلف مختلف تھا اور یہ اس لئے مختلف تھا کہ غزوۂ بدر میں متخلفین پر کوئی عتاب نہیں ہوا تھا کیونکہ غزوۂ بدر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قتال

وجہاد کے ارادے سے نکلے ہی نہیں تھے، وہاں تو قافلۂ قریش کا تعاقب کرنا مقصود تھا اس لئے جو گیا اس کے لئے فضیلت ہے اور جو نہیں گیا اس پر کوئی نکیر نہیں ہوئی۔ برخلاف غزوۂ تبوک کے کہ غزوۂ تبوک میں تخلف کی اجازت نہیں تھی وہاں جو لوگ پیچھے رہے ان پر عتاب ہوا۔ اس لئے روایت میں الا فی غزوۃ تبوک کو علیحدہ بیان کیا اور غیر انی تخلفت فی غزوۃ بدر کو علیحدہ بیان کیا۔

بَابُ قَوْلِ اللہِ تَعَالٰی

یہ باب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں ہے

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ وَمَا جَعَلَهُ اللهُ إِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللهِ إِنَّ اللهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللهَ وَرَسُولَهُ وَمَن يُشَاقِقِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ.

یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمہاری فریاد کا جواب دیا کہ میں تمہاری مدد کے لیے ایک ہزار لگاتار فرشتوں کی کمک بھیجنے والا ہوں اور یہ وعدہ اللہ نے صرف اس لیے کیا کہ وہ خوشخبری بنے اور تاکہ تمہارے دلوں کو اطمینان ملے، ورنہ مدد کسی اور کے پاس سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ یاد کرو جب تم پر سے گھبراہٹ دور کرنے کے لیے وہ اپنے حکم سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی گندگی دور کرے تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور اس کے ذریعے (تمہارے) پاؤں اچھی طرح جمادے۔ وہ وقت جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دے رہا تھا کہ: میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مومنوں کے قدم جماؤ میں کافروں کے دلوں میں رعب طاری کردوں گا، پھر تم گردنوں کے اوپر وار کرو، اور ان کی انگلیوں کے ہر ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لی ہے، اور اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لیتا ہے، تو یقیناً اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ کی ترکیب:

① اس بارے میں ایک بات تو یہ کہی گئی ہے کہ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ سے بدل ہے۔

② دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ میں لِيُحِقَّ الْحَقَّ سے اس کا تعلق ہے۔

③ اور تیسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اُذْكُرُوا محذوف سے متعلق ہے۔

مسلمانوں نے جب یہ دیکھا کہ کفار کا اتنا بڑا لشکر ہے اور ہماری تعداد ان کے مقابلہ میں بہت کم ہے تو وہ کہہ رہے تھے رب انصر نا علی عدوک یا غیاث المستغیثین اغثنا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

مُرْدِفِيْنَ کے معنی: اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ آگے مومنین ہوں گے اور پیچھے سے فرشتے بھی آ جائیں گے اور دوسرے معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ فرشتے یکے بعد دیگرے آئیں گے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ اختلاف قراءت:

یہاں إِذْ يَغْشَاكُمُ النُّعَاسُ ہے، یہ ایک قراءت ہے جو ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عمرو دانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے لیکن ہمارا جو حفص کا نسخہ ہے، اس میں إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ ہے۔لہٰذا اگر يَغْشَاكُمُ النُّعَاسُ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت کو یاد کرو کہ جب اونگھ تمہارے اوپر چھا رہی تھی، اور اگر يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ ہو تو ترجمہ ہوگا کہ اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تمہارے اوپر اونگھ کو مسلط کر رہا تھا، أَمَنَةً مِّنْهُ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن تھی۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اونگھ کو مسلط کر دیا تھا، یہ غزوۂ بدر میں بھی ہوا اور غزوۂ اُحد میں بھی، قرآن کہتا ہے کہ یہ اونگھ جو ہم نے تم پر مسلط کی، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن تھی۔ اس لیے کہ اگر پریشانی اور مصیبت کے وقت میں اور سخت وحشت وخوف میں اونگھ آ جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے، کیونکہ تھوڑی سی اونگھ سے آدمی تازہ دم ہو جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی چیز ایک جگہ میں اچھی ہوتی ہے اور دوسری جگہ بری سمجھی جاتی ہے، چنانچہ یہی نعاس ہے جسے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: النعاس و التثاؤب من الشیطان اونگھ اور جمائی شیطان کی طرف سے ہے، اس حدیث کا تعلق نماز سے ہے، چنانچہ نماز میں اگر اونگھ آتی ہے تو یہ شیطانی کام ہے لیکن جنگ میں، خوف میں، دہشت ومصیبت کے وقت میں اگر آدمی کے اوپر اونگھ آ جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، گویا ایک ہی چیز ایک جگہ اچھی ہوتی ہے اور وہی چیز دوسری جگہ بری ہو جاتی ہے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ: چونکہ کفار نے بدر کے میدان میں پہلے پہنچ کر اچھی جگہ پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمان بعد میں پہنچے تھے، اس لئے مسلمانوں کو جو جگہ ملی وہاں ریت بہت زیادہ تھی جس میں پاؤں دھنستے تھے۔ اسی طرح کافروں نے پہلے پہنچ کر پانی کے کنویں پر بھی قبضہ کر لیا تھا، چنانچہ مسلمانوں کو پانی کی کمی کا بھی سامنا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی جس کی وجہ سے وہ ریت زمین میں دب گئی اور مسلمانوں کو اس پر قدم جمانا آسان اور سہل ہو گیا اور ساتھ ہی مسلمانوں کو پانی بھی وافر مقدار میں مل گیا۔

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ مُخَارِقٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ

شَهِدْتُ مِنَ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ مَشْهَدًا لَأَنْ أَكُونَ صَاحِبَهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا عُدِلَ بِهِ أَتَى النَّبِيَّ

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مقداد بن اسود سے ایک ایسی بات سنی کہ اگر وہ بات میری زبان سے ادا ہوجاتی تو میرے لیے کسی بھی چیز کے مقابلے میں زیادہ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ يَدْعُو عَلَى الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ لَا نَقُولُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى

عزیز ہوتی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مشرکین پر بددعا کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم وہ

اذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا وَلَكِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ يَمِينِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ وَبَيْنَ يَدَيْكَ وَ خَلْفَكَ

نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ جاؤ، تم اور تمہارا رب ان سے جنگ کرو، بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے اور پیچھے جمع ہو کر

فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْرَقَ وَجْهُهُ وَ سَرَّهُ .

لڑیں گے۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک چمکنے لگا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو گئے۔

أَشْرَقَ وَجْهُهُ: روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ بہت صاف وشفاف چہرہ تھا، جو بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ہوتی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک سے بھی ظاہر ہوجاتی تھی۔ بعض لوگ ہوتے ہیں کہ چہرے پر کچھ ہوتا ہے اور اندر کچھ، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ یہ تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی بات ناگوار ہوتی تو اس کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر بھی ظاہر ہوجاتا تھا، یہاں تک کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غصہ آتا تو روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک اتنا سرخ ہوجاتا کأنما فقیٔ فی وجنتیه الرمان ایسا لگتا تھا کہ انار کے دانے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کے اندر ٹپکا دیے گئے ہیں، یعنی چہرہ مبارک اتنا سرخ ہوجاتا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک کھل اٹھتا، چنانچہ یہاں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی بات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ کھل گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت خوشی محسوس ہوئی کہ میرے دائیں بائیں ایسے ساتھی اور ایسے جاں نثار صحابہ موجود ہیں۔

یہ تو روایت کا وہ حصہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ علیہ کے معیار پر تھا اور اسے انہوں نے یہاں ذکر کر دیا، البتہ اس کی مزید تفصیل دوسری جگہ روایات میں آئی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے بدر کے لیے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنگ کا ارادہ نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس لیے نکلے تھے کہ قریش کے تجارتی قافلے کو روکا جاسکے، لیکن وہ تجارتی قافلہ ابوسفیان اور ان کے ساتھی تیزی سے نکال کر لے گئے اور انہوں نے راستہ ہی بدل لیا اور ساحل کے ساتھ ساتھ جدہ کے راستے سے ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ تک پہنچ گئے، جبکہ دوسری طرف بدر میں مکہ مکرمہ سے جو بڑا لشکر آیا تھا، وہ مسلمانوں کے سامنے آگیا اور مقابلہ کی نوبت آگئی، اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ آیا ہمیں ان سے مقابلہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ کیونکہ ہم تو تجارتی قافلہ کے لیے نکلے تھے اور اب ہمارا اس لشکر سے سامنا ہوگیا ہے۔

مشورہ سنت ہے:

نبی کریم ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں سے ہر اہم اور اجتماعی معاملہ میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا اشیر وا علی أیھا الناس! تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ آپ جہاد کے لیے نکلے ہیں اور اللہ کی برکت شامل حال ہوگی فسر بنا و علی بر کة الله آپ ﷺ نے پھر فرمایا: اشیر وا علی أیھا الناس! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، انہوں نے بھی کہا کہ ہم جہاد کے لیے تیار ہیں، ہم اس لشکر سے مقابلہ کریں گے، اللہ کی مدد ان شاء اللہ ہمارے ساتھ ہوگی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: اشیر وا علی أیھا الناس! تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے وہ بات کہی جو یہاں روایت میں مذکور ہے۔

اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ یہ جو آپ ﷺ بار بار فرما رہے تھے کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو، باوجود یہ کہ ان تینوں حضرات نے کھل کر حمایت اور تائید کا اعلان کیا تھا، لیکن پھر بھی آپ ﷺ فرما رہے تھے اشیر وا علی أیھا الناس! تو دراصل آپ ﷺ یہ معلوم کرنا چاہ رہے تھے کہ انصار کیا چاہتے ہیں اور ان کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

اس کی دو وجوہات تھیں ایک یہ کہ بدر میں نکلے ہوئے مسلمانوں میں مہاجرین کی تعداد تقریباً ۶۶ تھی جبکہ انصار کی تعداد تقریباً ۲۴۷ تھی، اب مشورہ دینے والوں میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت مقداد رضی اللہ عنہم یہ تینوں مہاجر صحابہ تھے، آپ ﷺ انصار کا نقطہ نظر بھی معلوم کرنا چاہتے تھے کیونکہ اسلامی لشکر میں ان کی تعداد زیادہ تھی۔

دوسری اہم وجہ جو شراح اور اصحاب سیر نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ بیعت عقبہ کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ بیعت عقبہ کا تعارف یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں انصار کے جو بڑے بڑے نمائندہ تھے، وہ ایام حج میں مکہ گئے تھے اور منیٰ میں ان کی ملاقاتیں نبی کریم ﷺ سے ہوتی رہی تھیں، چنانچہ پہلے (سن ۱۱ نبوی میں) بیعت عقبہ اولیٰ ہوئی، اس میں ان حضرات نے نبی کریم ﷺ کو دعوت دی کہ آپ مدینہ تشریف لے آئیں، ہم آپ کا دفاع کریں گے اور آپ کی مدد کریں گے، پھر اگلے سال (۱۲ نبوی میں) بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی، جس میں اوس و خزرج کے ۷۲ حضرات تشریف لائے، انہوں نے بھی آپ ﷺ کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دی، اس بیعت عقبہ ثانیہ میں خاص طور پر یہ بات طے ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ چھوڑ دیں گے اور مدینہ منورہ چلے جائیں اور وہاں اسلام کی سربلندی کے لیے جدوجہد کریں گے۔

روایات میں آتا ہے کہ اس دوسری بیعت عقبہ کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے، جو اس وقت تک ظاہراً مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انصار سے کہا کہ دیکھو! تم میرے بھتیجے محمد (ﷺ) کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو لیکن ایک بات کی یقین دہانی ضروری ہے اور وہ یہ کہ محمد (ﷺ) بنو ہاشم سے تعلق رکھتے ہیں

اور یہ ہمارے خاندان کے فرد ہیں اور ہم نے آج تک ان کا دفاع کیا ہے اور قریش کے لوگوں سے ان کی حفاظت کی ہے، اب یہ سوچ لو کہ اگر تم ان کو لے جارہے ہو تو پھر تمہیں اس سے بڑھ کر ان کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی۔

نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں تمہیں بتادیتا ہوں کہ جب تم یہ کام کروگے تو ہوسکتا ہے سارا قبیلہ قریش تمہارے خلاف ہوجائے بلکہ خود انصار کے لوگوں میں سے بھی بعض نے کہا کہ اے انصار کے لوگو! سوچ سمجھ کر بیعت کرو، اس لیے کہ اگر بیعت کروگے تو نہ صرف قریش بلکہ سارا مکہ تمہارے خلاف ہوجائے گا بلکہ پورے خطے میں جو قبائل قریش سے وابستہ ہیں، وہ سب تمہارے خلاف ہوجائیں گے، تو تم سوچ سمجھ لو کہ کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟

انصار کے نمائندوں نے کہا کہ جی ہاں ہم تیار ہیں لیکن ساتھ ہی انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! اگر ہم آپ کو اپنے ساتھ لے کر جائیں اور اپنے بیوی بچوں سے بڑھ کر آپ کی حفاظت کریں تو ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بدلے تمہیں جنت ملے گی۔ اس پر وہ مطمئن ہوگئے۔

الغرض اس بیعت عقبہ کے بعد آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے۔ اس بیعت کے موقع پر جو بات طے ہوئی تھی، وہ یہ تھی کہ انصار مدینہ آپ ﷺ کی جان، مال اور آبرو کا مشرکین مکہ سے دفاع کریں گے اور مدینہ منورہ میں ان پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے، مگر اس معاہدہ میں کہیں بھی یہ بات شامل نہیں تھی کہ انصار دوسری جگہوں میں بھی جا کر جنگ کریں گے، ایسی کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ ﷺ انصار کا مؤقف جاننا چاہ رہے تھے اور بار بار فرمارہے تھے کہ اشیروا علی أیھا الناس! اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔

انصار یہ بات سمجھ گئے، چنانچہ انصار میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ لکأنک تریدنا یارسول اللہ یارسول اللہ! شاید آپ ہماری رائے پوچھنا چاہتے ہیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں تم لوگوں کی رائے پوچھنا چاہتا ہوں، تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے وہاں عجیب تقریر فرمائی اور کہا:

یا رسول اللہ قد آمنا بک و صدقناک و شھدنا ان ما جئت بہ ھو الحق و اعطیناک علی ذلک عھودا و مواثیق علی السمع و الطاعۃ ولعلک یا رسول اللہ خرجت لامر فاحدث اللہ غیرہ فامض لما شئت و صل حبال من شئت و اقطع حبال من شئت وسالم من شئت وعاد من شئت و خذ من اموالنا ما شئت و اعطنا ما شئت و ما اخذت منا کان احب الینا مما ترکت و ما امرت بہ من امرنا فامرنا تبع لامرک لئن سرت حتی تاتی برک الغماد لنسیرن معک فوالذی بعثک بالحق لو استعرضت بنا ھذا البحر لخضناہ وما تخلف منا رجل واحد وما نکرہ ان نلقیٰ عدونا انا لصبر عند الحرب صدق عند لقاء ولعل اللہ یریک منا ما تقربہ عینک فسر بنا علی برکۃ اللہ

''اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور اس بات کی گواہی دی کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہی حق ہے اور اس پر ہم آپ کو پختہ عہد و میثاق بھی دے چکے ہیں، اے اللہ کے رسول! آپ مدینے سے کسی اور ارادے سے نکلے تھے اور اللہ نے دوسری صورت پیدا کردی، آپ جہاں چاہیں تشریف لے چلیں، جس سے چاہیں تعلقات قائم کریں اور جس سے چاہیں تعلقات توڑ دیں، جس سے چاہیں صلح کریں اور آپ جس سے چاہیں دشمنی کریں اور ہمارے اموال میں سے جتنا چاہیں لے لیں اور جتنا چاہیں ہمیں دے دیں اور جو آپ ہمارے اموال میں سے لیں گے وہ ہمیں زیادہ محبوب ہوگا بنسبت اس مال کے جو آپ ہمارے پاس چھوڑیں گے اور آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تابعداری کریں گے اور آپ برک الغماد پر جانا چاہیں تو ہم آپ کے ساتھ ضرور جائیں گے، ہم اس اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں جس نے آپ کو یہ دین عطا فرمایا ہے کہ اگر آپ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں سے کوئی پیچھے نہیں ہٹے گا، دشمنوں سے مقابلہ کرنا ہم پر بوجھ نہیں، ہم جنگ میں دشمن سے لڑتے وقت ثابت قدم رہتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے وہ عمل آپ کو دکھلائیں گے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی آپ اللہ کے بھروسے پر چلئے۔

جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں ارشاد فرمائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہو گیا کہ مہاجرین اور انصار سب متفق ہیں کہ کفار کے اس لشکر سے لڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش قدمی فرمائی، جس کی تفصیلات آگے روایتوں میں آرہی ہیں۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ اَللّٰهُمَّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے موقع پر فرمایا تھا کہ اے اللہ! میں تیرے عہد اور وعدہ کا

أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَ وَعْدَكَ اَللّٰهُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ فَأَخَذَ أَبُوبَكْرٍ بِيَدِهِ فَقَالَ حَسْبُكَ

واسطہ دیتا ہوں، اگر تو چاہے تو تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ تو ابوبکرؓ نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا بس کیجئے، یا رسول اللہ! اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف

فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُول سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ

لائے تو آپ کی زبان پر یہ آیت تھی جلد ہی کفار کی جماعت کو ہار ہوگی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلیں گے۔

یہ روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ روایت مرسل ہے، اس لئے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بدر میں شریک نہیں تھے کیونکہ اس وقت ان کی عمر بہت کم یعنی تقریباً دو یا تین سال تھی، اس لئے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وأنا یومئذ قد ناهزت الاحتلام میں اس وقت بالغ ہونے کے قریب تھا، چنانچہ یہاں جو بدر والے دن کی روایت ہے، یہ ان کی اپنی دیکھی ہوئی یا براہ راست سنی ہوئی نہیں ہے بلکہ

یقیناً انہوں نے ان کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے سنی ہوگی، جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے، لیکن روایت نقل کرتے ہوئے وہ راوی صحابی کا نام نقل نہیں کررہے۔ بہرحال یہ روایت مراسیل ابن عباس میں سے ہے، اور مراسیل صحابہ رضی اللہ عنہم بالاتفاق حجت ہیں اور حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں، اس لیے کہ الصحابة كلهم عدول۔

اس بات کا بھی پہلے تذکرہ ہو چکا کہ بدر کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک چھپر ڈال دیا گیا تھا، اس چھپر کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے تھے اور اللہ تعالی سے دعائیں کررہے تھے کہ یا اللہ! یہ چھوٹی سی جماعت ہے اور کافر ایک ہزار سے زیادہ ہیں، ان کے پاس ہتھیار نہیں ہیں، اور ان کفار کے پاس ہتھیار بھی ہیں، الغرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت دعائیں کیں اور اتنی گڑگڑا کر دعائیں کیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر جو چادر تھی، وہ نیچے گر گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو بہت دیر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گریہ وزاری دیکھ رہے تھے، وہ آئے اور انہوں نے وہ چادر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں پر ڈالی اور فرمایا کہ حسبک یا رسول اللہ! یارسول اللہ! بس کافی ہوگیا، اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد فرمائیں گے۔ چنانچہ یہاں روایت میں بھی آرہا ہے کہ فَأَخَذَ أَبُوبَكْرٍ بِيَدِهِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا حَسْبُكَ یارسول اللہ، بس کافی ہے، آپ نے اللہ تعالیٰ سے بہت دعا کرلی ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ان شاء اللہ ضرور آئے گی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس چھپر سے نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ان کو شکست دی جائے گی اور یہ پشت پھیر کر بھاگیں گے، یہ آیت مبارکہ جو مکہ میں نازل ہو چکی تھی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع کی مناسبت سے پڑھی۔

بَابٌ

حَدَّثَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الْكَرِيْمِ

أَنَّهُ سَمِعَ مِقْسَمًا مَّوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

مقسم مولی عبداللہ بن حارثؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے تھے، کہ (سورۂ نساء کی آیت) جن مسلمانوں کو کوئی معذوری لاحق نہ ہو اور وہ (جہاد میں جانے کی بجائے گھر

أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُوْلُ لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَنْ بَدْرٍ وَالْخَارِجُوْنَ إِلَى بَدْرٍ.

میں) بیٹھے رہے وہ اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہیں سے بدر کی لڑائی میں شریک ہونے اور شریک نہ ہونے والے مراد ہیں۔

باب بلا ترجمہ کی وجوہ: امام بخاریؒ نے باب کا ذکر کیا ہے اور ترجمة الباب موجود نہیں ہے ایسا اکثر پیش آتا ہے اس کی مختلف توجیہات بیان کی جاتی ہیں، ان میں سے یہاں دو توجیہات ہوسکتی ہیں:

1. یہ باب كالفصل من الباب السابق ہے اس لئے ترجمة الباب کی ضرورت نہیں ہے، باب سابق میں ملائکة کی غزوۂ بدر میں شرکت کا بیان تھا اور اس باب میں ان مجاہدین کا ذکر ہے جن کا تعلق انسانوں سے ہے اور

انہوں نے بدر میں شرکت کی تھی، تو دونوں ابواب میں مجاہدین بدر ہی کا تذکرہ ہے، البتہ وہاں مجاہدین سے ملائکة مراد ہیں اور یہاں انسان مراد ہیں اس لئے ترجمة الباب کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

❷ دوسری ایک صورت ایسے مواقع میں یہ بھی ہوا کرتی ہے جیسا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ امام بخاریؒ کئی مرتبہ شاگردوں کا امتحان بھی لیتے ہیں، چنانچہ باب ذکر کرتے ہیں لیکن ترجمہ کا ذکر نہیں کرتے، اس سے تشحیذ اذھان یعنی ذہن تیز کرنا مقصود ہوتا ہے کہ ہم تو ترجمے لگا ہی رہے ہیں اور تمہیں تراجم کے اسلوب اور انداز سے واقف بنا ہی رہے ہیں، اب تم بتاؤ کہ تمہیں کتنی واقفیت ہوئی ہے، اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیثؒ بیان کر رہے ہیں، اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ بدر میں گئے ہیں ان میں اور جو نہیں گئے ہیں ان میں بڑا فرق ہے تو یہاں یہ ترجمہ قائم ہوسکتا ہے کم من فرق بين البدريين و غيرهم یا باب فرق المراتب بين البدريين و غيرهم بدریین اور غیر بدریین کے درمیان بڑا فرق ہے کہ بدریین کا درجہ بلند ہے اور غیر بدریین کا درجہ ان کے برابر نہیں ہے۔

یہ وہی بات ہے جو اهل السنة والجماعة نے کئی جگہ ارشاد فرمائی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تو سارے کے سارے عادل ہیں، أصحابی كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر درجات میں فرق ہے۔ اهل السنة والجماعة کا کہنا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے اونچا درجہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا على ترتيب الخلافة ہے یعنی سب سے پہلے حضرت ابوبکر، پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں، پھر ان کے بعد عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے جن میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں، پھر عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے بعد اصحاب بدر رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے، اس کے بعد اصحاب اُحد رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے، اس کے بعد اصحاب بیعت الرضوان رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، پھر ان حضرات کا درجہ ہے جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى، یعنی سب ہی جنتی ہیں، سب ہی سر آنکھوں پر ہیں لیکن اس کے باوجود جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے وہ اور جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے وہ برابر نہیں ہیں۔ اس کے بعد وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، جو فتح مکہ کے موقع پر یا بعد میں مسلمان ہوئے، اس کے بعد ان صغار (کم عمر) صحابہ رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کم عمر تھے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ لیکن قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سارے رسول ہیں، منصب رسالت میں سب برابر ہیں، سب على الراس والعين ہیں، تمام پر ایمان لانا ضروری ہے، لیکن اس کے

باوجود انبیاء علیہم السلام میں بھی فرق مراتب ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلے میں بڑھا ہوا ہے انا سید الأنبیاء، أنا خاتم النبیین و لا فخر۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے، اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف کی آیت لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ.... بدریین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور مراد یہ ہے کہ جو لوگ بدر میں نہیں گئے ان کے اور جو لوگ بدر میں گئے ہیں ان کے درجے برابر نہیں ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لامع اور الکوکب الدری میں فرمایا ہے کہ یہ آیت صرف بدریین کے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ عام ہے، عام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں جائیں گے ان کا درجہ بڑا ہوگا، ان لوگوں کے مقابلہ میں جو جہاد میں شرکت نہیں کریں گے، پھر اس حکم عام کے تحت بدریین بھی داخل ہیں جو کہ بدر میں گئے ان کا درجہ بلند اور جو نہیں گئے ان کا درجہ جانے والوں کے مقابلے میں کم ہے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے کوکب کے حاشیہ میں بحر محیط اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تائید بھی نقل کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ یہ آیت عام ہے، صرف بدریین کے بارے میں نازل نہیں ہوئی، البتہ بدریین اس کے حکم عام میں شامل اور داخل ہیں۔ اور ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ نے مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ غزوۂ تبوک کے بارے میں یہ آیت نازل نہیں ہوئی۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بدریین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور حدیث میں لا یستوی القاعدون عن بدر سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہی مراد ہے اور اس کی وجہ یہ ہے:

❶ اولاً تو اس لئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے اس کی تائید معلوم ہو رہی ہے، کیونکہ انہوں نے غزوۂ بدر میں اس کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

❷ دوم یہ کہ اس آیت کی تاریخ نزول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئی، لہٰذا تاریخ نزول کا اگر اعتبار کیا جائے تو اس سے بھی غزوۂ بدر کی تائید ہوگی۔

❸ سوم یہ کہ ترمذی میں حجاج بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ لما نزلت غزوۃ بدر قال عبد اللہ بن جحش و ابن ام مکتوم انا اعمیان یا رسول اللہ فھل لنا رخصۃ فنزلت لا یستوی القاعدون ۔۔الخ۔ ترمذی کی اس روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ جب غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا تو اس وقت عبد اللہ بن جحش اور عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، یہ دونوں نابینا تھے، انہوں نے عرض کیا کہ ھل لنا من رخصۃ کیا ہمیں رخصت ملے گی کہ اس میں شرکت نہ کریں تو یہ آیت نازل ہوئی، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اس

روایت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت بدریین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

بَابُ عِدَّةِ أَصْحَابِ بَدْرٍ

یہ باب جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کی تعداد کے بارے میں ہے

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ اسْتُصْغِرْتُ أَنَا وَابْنُ عُمَرَ

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، ان سے ابواسحاق نے اور ان سے براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ (بدر کے موقع پر) مجھے اور ابن عمر کو نابالغ قرار دے دیا گیا تھا۔

اصحاب بدر کی تعداد کتنی تھی اور اس بارے میں مختلف روایات کے درمیان تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

اصحاب بدر کی تعداد کے بارے میں چار قسم کی روایات ملتی ہیں:

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بدر میں تین سو تیرہ آدمی تھے۔ ❷ بعض روایات میں تین سو چودہ کا ذکر ہے۔
❸ بعض روایات میں تین سو پندرہ کا ذکر ہے۔ ❹ اور بعض روایات میں تین سو انیس کا ذکر ہے۔

اب ان میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور ایک صحابی کو جو گنتی کے وقت موجود نہیں تھے لیکن دور سے ایک اونٹ پر آتے ہوئے نظر آئے تھے شمار نہ کیا جائے تو تعداد تین سو تیرہ ۳۱۳ بنتی ہے اور اگر اس صحابی کو شمار کرلیا جائے تو پھر تعداد تین سو چودہ ۳۱۴ بنتی ہے۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شمار کیا جائے تو تعداد تین سو پندرہ ۳۱۵ بنتی ہے اور اگر ان چار صحابہ کو جو کم سن تھے اور انہیں جہاد کی اجازت نہیں دی گئی تھی لیکن وہ ساتھ روانہ ہوئے تھے، ان کو بھی شمار کیا جائے تو تعداد تین سو انیس ۳۱۹ بنتی ہے۔ وہ چار کم سن صحابہ حضرت انس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایات نقل کی ہیں ان میں اصحاب بدر کی تعداد اصحاب طالوت کے برابر بتائی گئی ہے، اصحاب طالوت کی تعداد تین سو تیرہ تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تین سو تیرہ کے عدد کا اعتبار کیا ہے، ان میں ساٹھ سے اوپر مہاجرین تھے اور دو سو چالیس سے اوپر انصار تھے، ساٹھ اور دو سو چالیس کو جمع کیا جائے تو تین سو ہوجاتے ہیں، لہٰذا اگر روایات کو دیکھتے ہوئے یوں کہا جائے کہ چھیاسٹھ ۶۶ مہاجرین تھے اور دو سو سینتالیس ۲۴۷ انصار تھے تو تین سو تیرہ ۳۱۳ کا عدد پورا ہوجاتا ہے۔

حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا وَهْبٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ

عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اُسْتُصْغِرْتُ أَنَا وَ ابْنُ عُمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ وَكَانَ الْمُهَاجِرُوْنَ يَوْمَ

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں مجھے اور عبداللہ بن عمر کو کم سنی کی وجہ جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور اس لڑائی میں

بَدْرٍ نَيِّفًا عَلَى سِتِّيْنَ وَ الْأَنْصَارُ نَيِّفًا وَ أَرْبَعِيْنَ وَ مِائَتَانِ

مہاجرین کی تعداد ساٹھ سے کچھ زیادہ تھی اور انصار دو سو چالیس سے کچھ زیادہ تھے۔

اُسْتُصْغِرْتُ أَنَا وَابْنُ عُمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ : مجھے اور عبداللہ بن عمر کو بدر والے دن چھوٹا سمجھا گیا تھا۔ چھوٹا سمجھا جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری عمر ابھی پندرہ سال نہیں ہوئی تھی، اس لیے اگر چہ ہم بدر کے قافلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک تھے مگر ہمیں عملی جہاد میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ملی۔

اس بات کا تذکرہ کتاب الجہاد میں اور اس کے علاوہ بھی کئی جگہ آئے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد میں شریک ہونے کی صرف ان لوگوں کو اجازت دیتے تھے، جو بالغ اور صحت مند مرد ہوں اور جو حضرات اس موقع پر کم عمر تھے، یعنی ان کی عمر پندرہ سال سے کم تھی یا بسا اوقات عورتیں قافلہ جہاد میں ساتھ ہوتی تھیں، ان کو قتال میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی، اسی طرح اگر کوئی بہت بوڑھا یا بیمار ہوتا تو اسے بھی رخصت دے دی جاتی تھی۔

وَكَانَ الْمُهَاجِرُوْنَ يَوْمَ بَدْرٍ نَيِّفًا عَلٰى سِتِّيْنَ : یہ لفظ نیف یاء کی تخفیف اور تشدید دونوں کے ساتھ ہے۔ نیف بضع کی طرح ہے، یعنی جس طرح بضع کا اطلاق تین سے نو پر ہوتا ہے اسی طرح نیف کا طلاق بھی تین سے لے کر نو پر ہوتا ہے، اگلی روایت میں فرمایا گیا و لم یجاوز معه الا مؤمن بضعة عشر و ثلاث مائة اس میں بضعة کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا باب اور حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے سن ۱۴۳۷ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنات کے امتحان میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ استصغرت، نیفا کی لغوی تشریح ❷ شرکاء بدر کی تعداد میں اقوال ❸ شرکاء بدر کی تعداد کی روایات میں تطبیق۔

نیز وفاق المدارس کے سن ۱۴۳۷ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنین کے امتحان میں بھی یہی سوالات پوچھے گئے۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ

سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ حَدَّثَنِيْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ شَهِدَ

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے جو بدر میں شریک تھے مجھ سے بیان کیا

بَدْرًا أَنَّهُمْ كَانُوْا عِدَّةَ أَصْحَابِ طَالُوْتَ الَّذِيْنَ جَازُوْا مَعَهُ النَّهَرَ بِضْعَةَ عَشَرَ وَ ثَلَاثَ مِائَةٍ

کہ بدر کی لڑائی میں ان کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی طالوت کے ان اصحاب کی تھی جنہوں نے ان کے ساتھ نہر کو پار کیا تھا، تقریباً تین سو دس اور کچھ زیادہ،

قَالَ الْبَرَاءُ لَا وَ اللهِ مَا جَاوَزَ مَعَهُ النَّهَرَ إِلَّا مُؤْمِنٌ

حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! طالوت کے ساتھ نہر کو صرف وہی لوگ پار کر سکے تھے جو مومن تھے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ

كُنَّا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَحَدَّثُ أَنَّ عِدَّةَ أَصْحَابِ بَدْرٍ عَلَى عِدَّةِ أَصْحَابِ

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب محمد ﷺ آپس میں یہ گفتگو کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد بھی اتنی ہی تھی جتنی ان اصحاب طالوت کی تھی

طَالُوتَ الَّذِينَ جَاوَزُوا مَعَهُ النَّهَرَ وَ لَمْ يُجَاوِزْ مَعَهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ بِضْعَةَ عَشَرَ وَ ثَلَاثَ مِائَةٍ

جنہوں نے آپ کے ساتھ نہر پار کی تھی اور ان کے ساتھ نہر کو پار کرنے والے صرف مومن ہی تھے یعنی تین سو دس سے کچھ زیادہ آدمی۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّ أَصْحَابَ بَدْرٍ ثَلَاثُ مِائَةٍ

ابو اسحاق حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں یہ گفتگو کیا کرتے تھے کہ جنگ بدر میں اصحاب بدر کی تعداد بھی تین سو دس

وَ بِضْعَةَ عَشَرَ بِعِدَّةِ أَصْحَابِ طَالُوتَ الَّذِينَ جَاوَزُوا مَعَهُ النَّهَرَ وَ مَا جَاوَزَ مَعَهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ

سے کچھ اوپر تھی، جتنی ان اصحاب طالوت کی تعداد تھی جنہوں نے ان کے ساتھ نہر پار کی تھی اور اسے پار کرنے والے صرف مومن ہی تھے۔

اصحاب بدر اور اصحاب طالوت میں مطابقت: یہاں اصحاب بدر کی تعداد کو اصحاب طالوت کی تعداد کے مطابق بتایا ہے، قرآن مجید میں ہے فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ اِنَّ اللهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (چنانچہ جب طالوت لشکر کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے (لشکر والوں سے) کہا کہ اللہ ایک دریا کے ذریعے تمہارا امتحان لینے والا ہے، جو شخص اس دریا سے پانی پیئے گا وہ میرا آدمی نہیں ہوگا اور جو اسے نہیں چکھے گا وہ میرا آدمی ہوگا، ہاں اگر کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو کچھ حرج نہیں) پھر (ہوا یہ کہ) ان میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا باقی سب نے اس دریا سے (خوب) پانی پیا)۔

اصحاب بدر اور اصحاب طالوت میں تعداد کے اعتبار سے تو موافقت ہے ہی، اس کے علاوہ اور بھی کئی وجوہ سے ان دونوں جماعتوں میں مطابقت ہے:

۱ جس طرح طالوت کے اصحاب فئة قليلة (چھوٹی جماعت) کو ان کے دشمن فئة كثيرة (بڑی جماعت) پر غالب کیا گیا، اسی طرح حضور اکرم ﷺ کے اصحاب فئة قليلة کو ان کے دشمن کفار مکہ فئة كثيرة پر غلبہ نصیب ہوا۔

۲ جیسے یہاں اصحاب بدر کو ایمان کے اندر کامل اور اکمل قرار دیا گیا اسی طرح اصحاب طالوت کو بھی کمال ایمان کے ساتھ موصوف قرار دیا گیا ہے۔

۳ جیسے یہاں اصحاب رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی نصرت اور مدد پر بھروسہ کیا، اسی طرح وہاں اصحاب طالوت نے بھی اللہ کی نصرت اور مدد پر بھروسہ کیا تھا۔

بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى كُفَّارِ قُرَيْشٍ شَيْبَةَ وَعُتْبَةَ وَالْوَلِيدِ وَأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ وَهَلَاكِهِمْ

یہ باب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا کے بارے میں ہے جو انہوں نے کفار قریش، شیبہ، عتبہ، ولید اور ابوجہل بن ہشام کے لیے کی اور ان کفار کی ہلاکت کے بیان میں ہے

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اِسْتَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَعْبَةَ فَدَعَا عَلَى نَفَرٍ مِّنْ قُرَيْشٍ عَلَى شَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ وَأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ فَأَشْهَدُ بِاللهِ لَقَدْ رَأَيْتُهُمْ صَرْعَى قَدْ غَيَّرَتْهُمُ الشَّمْسُ وَكَانَ يَوْمًا حَارًّا.

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کی طرف رُخ کیا اور پھر کفار قریش کے چند لوگوں شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ اور ابوجہل بن ہشام کے حق میں بددعا کی تھی، میں اس کے لیے اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے (بدر کے میدان میں) ان کی لاشیں پڑی ہوئی پائیں، سورج نے ان کی لاشوں کو بدبودار کر دیا تھا، اور اس دن بڑی گرمی تھی۔

غزوۂ بدر سے حدیث باب کی مناسبت: یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو غزوۂ بدر کے تحت ذکر کیا ہے حالانکہ یہ واقعہ بدر کا نہیں ہے، بلکہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز پڑھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں گئے تو سجدہ کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر عقبہ بن ابی معیط نے اونٹ کی سلا (اس سے مراد وہ جھلی ہے جس جھلی میں بچہ شکم مادر میں لپٹا ہوا ہوتا ہے) لاکر رکھ دی تھی، ظاہر ہے کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز میں خلل آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا دی اللھم علیک بشیبة بن ربیعة اللھم علیک بعتبة اللھم علیک بالولید اللھم علیک بابی جھل جبکہ بدر کا واقعہ ہجرت کے بعد پیش آیا ہے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث یہاں اس لئے ذکر فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا کے نتیجہ میں ان کی ہلاکت بدر میں واقع ہوئی گویا اس بددعا کا اثر بدر میں ظاہر ہوا۔

لَقَدْ رَأَيْتُهُمْ صَرْعَى: میں نے ان کو دیکھا ہے کہ سب غزوہ بدر میں پچھاڑے گئے تھے، صرع یصرع، پچھاڑنا صرعی، صریع کی جمع ہے، جو مصروع کے معنی میں ہے، یعنی وہ آدمی جس کو پچھاڑ دیا گیا ہو اور یہاں مراد ہے کہ قتل کر دیئے گئے تھے۔

یہ روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں کتاب المغازی میں ذکر کی ہے اور اس پر باب قائم کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ بدر کے اندر جن کافروں کو قتل کیا گیا تھا، یہ وہی کافر تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں ستایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر بددعا کی تھی مگر یہ حدیث یہاں مختصر ہے اور اس سے پہلے یہ حدیث صحیح بخاری میں متعدد مرتبہ

گزر چکی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے متعدد مسائل مستنبط فرمائے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب: یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اپنے دشمنوں کے لئے ہمیشہ دعا ہی کی ہے اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون (اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہ میرے مرتبہ کو پہچانتی نہیں)۔ لیکن یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ تبدیلی کیسے آئی، اس بارے میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات فرمائی، وہ فرماتے ہیں کہ بات اصل میں یہ ہے کہ جب کسی چیز کو اس کے فطری تقاضے سے روک دیا جاتا ہے تو اس کے اندر ہیجان پیدا ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ریل انجن سے چلتی ہے، یہ انجن سے کس طرح چلتی ہے؟ اتنی وزنی اور اتنی بھاری ریل اور انجن اس کو لے کر جاتا ہے، تو آپ کہیں گے کہ ریل کے نظام میں بھاپ پیدا ہوتی ہے اور وہ بھاپ اس انجن کو اور ریل کو کھینچ کر لے جاتی ہے، یہ کیسے ہوتا ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ بھاپ کی فطرت ہے کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ فضا میں تحلیل ہو جائے، لیکن جب اس بھاپ کو بند کر دیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے اندر اتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ سینکڑوں ہزاروں ٹن وزن کی ریل کو لے کر سرپٹ دوڑتی ہے، یہی مثال کار اور بس کی بھی ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ چونکہ نماز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور آپ کے رب کے درمیان ربط اور تعلق میں ان مشرکین کی اس حرکت کی وجہ سے خلل واقع ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فطری عمل میں خلل ڈالنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطرت کے خلاف مجبور کر دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام عادت تھی (اور وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے تکلیف دینے پر بھی ان کے لئے ہدایت کی دعا کیا کرتے تھے) اس کے برخلاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے حق میں جو اس حرکت میں شامل تھے بددعا کی اور آپ نے اللہ کے ساتھ اس تعلق و ربط کے اندر خلل کو برداشت نہیں کیا اور چونکہ یہ بددعا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی تھی تو اس کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونا یقینی تھا، کیونکہ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس بددعا کا منسوب ہونا ہی قبولیت کے لئے کافی تھا اور پھر مظلومیت کی انتہائی حالت میں اس بددعا کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہونا قبولیت کا مزید سبب بن گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن جن لوگوں کے نام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لئے تھے ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے کیفر کردار تک پہنچایا۔

بَابُ قَتْلِ أَبِیْ جَهْلٍ

یہ باب ابوجہل کے قتل ہونے کے بارے میں ہے۔

اشکال وجواب: اس باب کی حدیثوں میں ابوجہل کے قتل کے علاوہ دوسرے لوگوں کا ذکر بھی موجود ہے اس لئے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ یہ باب نہ ہوجیسا کہ ابوذر کے نسخہ میں یہ باب موجود نہیں اور بعض نسخوں میں اس باب کا ترجمہ اس طرح قائم کیا گیا ہے: باب قتل ابی جھل و غیرہ یعنی ابوجہل کے بعد و غیرہ کا لفظ موجود ہے تو ابوجہل کے قتل کے علاوہ دوسروں کا جو ذکر آیا ہے وہ و غیرہ کے تحت شامل ہوسکتا ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات فرمائی ہے وہ درست ہے لیکن اس پر بھی اشکال باقی رہتا ہے، کیونکہ باب کے اندر بے شک بعض روایات اس طرح کی ہیں جن میں ابوجہل کے علاوہ دوسرے لوگوں کے قتل کا ذکر ہے، جیسے عتبہ، شیبہ وغیرہ کے قتل کا ذکر آیا ہے، یقیناً انہیں لفظ و غیرہ کے تحت شامل کیا جاسکتا ہے، لیکن اس باب کے تحت ایک روایت حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے سلسلے کی بھی آئی ہے اور اس روایت میں کسی کے بھی قتل کا ذکر نہیں، تو اس روایت کی مناسبت ترجمۃ الباب سے کس طرح ہوگی؟

تو اس اشکال کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ باب قتل ابی جھل و غیرہ میں و غیرہ کی ضمیر کو ابوجہل کی بجائے قتل کی طرف لوٹایا جائے تو اب مسئلہ بالکل صاف ہوجائے گا، اس صورت میں باب کا مطلب یہ ہوگا کہ اس باب میں ابوجہل کے قتل کا ذکر بھی ہے اور قتل ابوجہل کے علاوہ بدر کی دوسری چیزوں کا بھی ذکر ہے، لہٰذا اب حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی روایت کی مناسبت کے سلسلے میں کوئی اشکال نہیں رہے گا، کیونکہ اس روایت میں اگرچہ ابوجہل یا غیر ابوجہل کے قتل کا ذکر نہیں ہے لیکن یہ روایت بہرحال غزوۂ بدر سے متعلق ہے۔

جنگ بدر میں ابوجہل کے قتل کا واقعہ: اس باب کی ابتدائی روایتوں میں ابوجہل کے قتل کو بیان کیا گیا ہے، اس واقعہ کی تفصیل حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن میدان جنگ میں کھڑا تھا اور انصار کے دونو خیز لڑکے میرے دائیں بائیں کھڑے تھے، مجھے خیال آیا کہ ان دو لڑکوں کے درمیان اگر کسی نے مجھے دیکھ لیا تو مجھے غیر محفوظ سمجھ کر حملہ آور ہوگا اس لئے مجھے خطرہ ہوا، میں اسی خیال میں تھا کہ ان میں سے ایک لڑکے نے مجھ سے پوچھا کہ چچا! آپ ابوجہل کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں جانتا ہوں مگر تمہیں اس سے کیا کام؟ تو اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے اس لئے میں نے عہد کیا ہے کہ جب وہ مجھے نظر آئے گا تو یموت الا عجل منا ہم دونوں میں سے جس کی موت پہلے لکھی ہوئی ہے وہ مرجائے گا، یعنی یا میں

مرجاؤں گا یا اس کو مار ڈالوں گا، ابھی ایک نے اپنی بات ختم کی تھی کہ دوسرے نے مجھ سے ابوجہل کے بارے میں پوچھا، اس نے بھی وہی بات کہی کہ ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں سب وشتم کرتا ہے، لہٰذا میں نے عہد کیا ہے کہ میرا سایہ اس کے سائے سے اس وقت تک جدا نہیں ہوگا جب تک میں اس کا کام تمام نہ کردوں۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کی بات سن کر مجھے اپنے پہلے خیال پر ندامت ہوئی، اتنے میں مجھے ابوجہل نظر آ گیا، میں نے ان بچوں کو اشارہ کیا کہ وہ ابوجہل ہے، تو جس طرح باز اور شکرہ اپنے شکار پر حملہ آور ہوتا ہے، اسی طرح یہ دونوں بچے ابوجہل پر حملہ آور ہوئے اور انہوں نے ابوجہل کو زخمی کر کے گھوڑے سے گرادیا، ان دونوں بچوں میں سے ایک کا نام معاذ رضی اللہ عنہ اور دوسرے کا نام معوذ رضی اللہ عنہ تھا اور یہ دونوں عفراء انصاریہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے، عفراء انصاریہ رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے سات بیٹے تھے اور ساتوں بیٹے غزوۂ بدر میں شریک تھے۔

یہ کتاب المغازی کی روایت ہے اور کتاب الجہاد کی روایت میں ہے کہ ابوجہل کو قتل کرنے میں حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بھی پیش پیش تھے۔

تو شراح فرماتے ہیں کہ دراصل تینوں نے حملہ کیا تھا، حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے دونوں بیٹوں معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ نے بھی اور معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی، البتہ جس نے ضرب کاری لگائی تھی جو قتل کا سبب بنی، وہ معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ ابوجہل سے چھینا ہوا مال حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو ملے گا۔

حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ پر ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لئے تلوار سے وار کیا، جس سے ان کا ہاتھ کٹ گیا، اور ہاتھ کا ایک حصہ بدن کے ساتھ جڑا رہا اور باقی ہاتھ بیکار ہو کر لٹکتا رہا، سارا دن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اسی کیفیت میں کفار کے ساتھ جنگ کرتے رہے، شام کو جب درد و تکلیف زیادہ محسوس ہونے لگی تو انہوں نے اس ہاتھ کو زمین پر رکھا اور اوپر سے پاؤں رکھ کر اس کو بدن سے بالکل جدا کردیا، یہ اس کے بعد ایک مدت تک زندہ رہے، جبکہ ان کے بھائی معوذ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر ہی میں شہید ہو گئے۔

جنگ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ دیکھو ابوجہل کا کیا بنا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گئے، جب وہ ابوجہل کے پاس پہنچے تو وہ شدید زخمی ہونے کے باوجود زندہ تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے سینہ پر چڑھ گئے اور کہا اخزاک اللہ یاعدو اللہ (اے اللہ کے دشمن! اللہ نے تجھے ذلیل کردیا) تو اس نے کہا یا رویع الغنم لقد ارتقیت مرتقی صعبا اے بکریوں کے چرواہے تو بڑی اونچی جگہ پر چڑھ گیا ہے، یعنی تو میرے سینے پر چڑھا ہوا ہے، کہاں تُو بکریوں کا چرانے والا اور کہاں مجھ جیسے آدمی کا سینہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تلوار سے اس کی گردن اڑانے لگے، تو ابوجہل نے کہا میری گردن ذرا نیچے سے کاٹنا تاکہ جب گردنیں رکھی ہوئی ہوں تو پتا چلے کہ یہ سردار کی

گردن ہے اور بڑی اونچی گردن ہے، الغرض اصل حملہ تو تین نے کیا تھا، جن میں ضرب کاری حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے لگائی تھی لیکن آخر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کیا، گویا یہ چار افراد ابوجہل کے قتل میں شریک ہوئے، جن میں سے سلب کا فیصلہ حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے حق میں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کا سر کاٹ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے اور کہا: هذا رأس عدو الله آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا: الحمد لله الذی أعز الاسلام وأهله، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہ بھی کہا کہ یارسول اللہ! اس بدبخت نے مجھ سے مرتے ہوئے یہ بات بھی کہی تھی کہ ''محمد کو پیغام دینا کہ میرے دل میں تمہارے لئے جو بغض وعداوت موجود تھی اس وقت اس میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ پہلے سے زیادہ ہے''، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میری امت کا فرعون تھا اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے فرعون سے کفر میں زیادہ شدید تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والا فرعون جب مرنے لگا تو اس وقت اس نے کلمہ پڑھنے کی کوشش کی تھی اور یہ جب مرا تو اپنی شدت کفر کا اظہار کر کے مرا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن کاٹی تھی اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلوار انہیں عطا فرمائی۔

ابوجہل کے قتل سے متعلق مختلف روایتیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ذکر فرمائی ہیں، لیکن اس سے متعلق زیادہ تفصیل کتاب الجهاد میں مذکور ہے، وہاں یہ بحث بھی ہے کہ سلب کے بارے میں جو یہ حکم ہے کہ ومن قتل قتيلا فله سلبه یہ حکم تشریعی ہے یا انتظامی؟ امام شافعی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک یہ ہے کہ یہ حکم تشریعی ہے، چنانچہ ان کے نزدیک ہمیشہ یہی حکم ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان جنگ میں کسی کافر کو قتل کرے گا تو اس کا مال اس مجاہد کو لے گا اور اس میں سے خمس نکالنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ حکم تشریعی نہیں ہے بلکہ انتظامی ہے، چنانچہ جس جہاد میں مسلمانوں کا امیر یہ اعلان کر دے گا، خواہ جہاد سے پہلے اعلان کرے یا جہاد کے بعد اعلان کرے، کہ جس مسلمان نے جس کافر کو قتل کیا ہے، اس مقتول کافر کا سارا چھینا ہوا مال اس مسلمان کو دیا جائے گا، تو اس موقع پر امیر کے اس اعلان کے مطابق عمل کیا جائے گا اور مقتول کافر کا سلب مارنے والے مسلمان کو ملے گا، لیکن اگر امیر نے یہ اعلان نہیں کیا تو احناف کے نزدیک وہ سلب بھی مالِ غنیمت میں جمع ہوگا اور عام مالِ غنیمت کی طرح اس میں سے خمس نکالنے کے بعد وہ مال تمام مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ أَخْبَرَنَا قَيْسٌ

عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَتَى أَبَا جَهْلٍ وَبِهِ رَمَقٌ يَوْمَ بَدْرٍ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ بدر کی لڑائی میں ابوجہل کے قریب سے گزرے ابھی اس میں تھوڑی سی جان باقی تھی تو ابوجہل

هَلْ أَعْمَدُ مِنْ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوهُ

نے ان سے کہا کہ مجھ سے بڑا کوئی اور شخص ہے جس کو تم نے مارا ہو؟

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ أَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُمْ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَنْظُرُ مَا صَنَعَ أَبُو جَهْلٍ فَانْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُودٍ فَوَجَدَهُ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی ہے جو معلوم کرے کہ ابوجہل کا کیا حشر ہوا؟ ابن مسعودؓ حقیقت حال معلوم کرنے آئے تو دیکھا کے عفراء کے بیٹوں نے

قَدْ ضَرَبَهُ ابْنَا عَفْرَاءَ حَتَّى بَرَدَ قَالَ أَنْتَ أَبُو جَهْلٍ قَالَ فَأَخَذَ بِلِحْيَتِهِ قَالَ وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ

اسے مارا ہے اور اس کا جسم ٹھنڈا پڑ رہا ہے، انہوں نے پوچھا، کیا تو ہی ابوجہل ہے؟ پھر انہوں نے اس کی داڑھی پکڑ لی، ابوجہل نے کہا کیا مجھ سے بڑا کوئی آدمی بھی تم نے قتل کیا

قَتَلْتُمُوهُ أَوْ رَجُلٍ قَتَلَهُ قَوْمُهُ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ أَنْتَ أَبُو جَهْلٍ

ہے؟ یا یہ کہا کہ کیا مجھ سے بڑا بھی کوئی آدمی ہے جسے اس کی قوم نے قتل کر ڈالا ہو؟ احمد بن یونس نے اپنی روایت میں أَنْتَ أَبُو جَهْلٍ ذکر کیا ہے

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ مَنْ يَنْظُرُ مَا فَعَلَ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن فرمایا کون دیکھ کر آئے گا کہ ابوجہل کا کیا ہوا؟

أَبُو جَهْلٍ فَانْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُودٍ فَوَجَدَهُ قَدْ ضَرَبَهُ ابْنَا عَفْرَاءَ حَتَّى بَرَدَ فَأَخَذَ بِلِحْيَتِهِ

ابن مسعودؓ معلوم کرنے گئے تو دیکھا کہ عفراء کے دونوں لڑکوں نے اسے مارا تھا اور اس کا جسم ٹھنڈا پڑ رہا تھا، انہوں نے اس کی داڑھی کو پکڑ کر کہا،

فَقَالَ أَنْتَ أَبُو جَهْلٍ قَالَ وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلَهُ قَوْمُهُ أَوْ قَالَ قَتَلْتُمُوهُ

تو ہی ابوجہل ہے؟ اس نے کہا کہ کیا اس سے بھی بڑا کوئی آدمی ہے جسے آج اس کی قوم نے قتل کر ڈالا ہے یا (یوں کہا) تم لوگوں نے اسے قتل کر ڈالا ہے؟

حَدَّثَنِي ابْنُ الْمُثَنَّى أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ أَخْبَرَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نَحْوَهُ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَتَبْتُ عَنْ يُوسُفَ بْنِ الْمَاجِشُونِ عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ فِي بَدْرٍ يَعْنِي حَدِيثَ ابْنَيْ عَفْرَاءَ.

مثلہ اور نحوہ میں فرق: محدثین کرام کی اصطلاح میں اگر کسی حدیث کی دو سندیں ہوں، تو پہلی حدیث بیان کرنے کے بعد دوسری سند ذکر کر کے اختصار کے لئے کبھی مثلہ اور کبھی نحوہ فرما دیتے ہیں۔ مثلہ اور نحوہ میں فرق یہ ہے کہ مثلہ کی صورت میں دونوں روایتوں کے الفاظ بھی ایک جیسے ہوتے ہیں اور نحوہ کی صورت میں صرف معنی اور مفہوم میں موافقت ہوتی ہے، البتہ الفاظ مختلف ہوتے ہیں۔

هَلْ أَعْمَدُ مِنْ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوهُ کے دو مطلب:

❶ ایک صورت یہ ہے کہ اعمد کو اسم تفضیل کا صیغہ مانا جائے تو اس کے معنی ہوں گے زیادہ مستحکم اور زیادہ عالیشان، اس صورت میں اس کے اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ ابوجہل اپنے تکبر کا اظہار کر رہا ہے کہ کیا اس آدمی سے زیادہ پسندیدہ

اوراعلیٰ کوئی آدمی ہے جس کو تم نے قتل کیا؟ یعنی اس سے زیادہ پسندیدہ اوراس سے زیادہ فائق کوئی دوسرا آدمی نہیں۔

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ اعمد واحد متکلم مضارع کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں تعجب کرنا، تو جملے کا مطلب یہ ہوا کہ کیا میں ایسے شخص پر تعجب کروں جسے تم نے قتل کر دیا؟ یعنی جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ابوجہل مرنے کے قریب ہے تو انہوں نے خوشی اور تعجب کا اظہار کیا کہ الحمد للہ اتنا بڑا کافر مارا گیا، تو ابوجہل نے یہ جملہ کہہ کر ان کی خوشی کو زائل کرنے کی کوشش کی کہ اس میں خوش ہونے یا تعجب کرنے کی کوئی بات نہیں، بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ ایک آدمی کو اس کی قوم نے قتل کر دیا اور ایسا تو جنگ میں ہوتا ہی رہتا ہے۔

بعض حضرات نے وهل فوق رجل قتلتموه کے بھی یہی معنی بیان فرمائے ہیں کہ تم نے ایک آدمی کو ہی قتل کیا ہے تو اس میں فخر یا تعجب کی کوئی بات نہیں، واللہ اعلم۔

اشکال: یہاں باب کی تیسری حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں انت ابا جهل آیا ہے اور بعض نسخوں میں انت ابو جهل آیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ انت ابو جهل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں بعض راویوں کی طرف سے اصلاح ہے، ان راویوں نے جب دیکھا کہ انت ابا جهل قاعدے کے خلاف ہے، تو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں تصحیح کی اور ابا جهل کو ابو جهل بنا دیا، کیونکہ اسماء ستة مكبرة حالت رفعی میں الف کے ساتھ نہیں بلکہ واؤ کے ساتھ آتے ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں معتبر اور معتمد یہی ہے کہ ابا جهل کو الف کے ساتھ پڑھا جائے اور بعض راویوں نے اپنی طرف سے جو اصلاح کی ہے وہ درست نہیں اور انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایک تو روایت موجود ہے جس میں انت ابا جهل ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا تلفظ انت ابا جهل کو الف کے ساتھ کیا تھا، نیز یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا تلفظ الف کے ساتھ کیا ہے، لہٰذا جب ان دونوں حضرات نے ابا جهل کا تلفظ الف کے ساتھ کیا ہے تو پھر بعد کے راویوں کی اپنی طرف سے اصلاح کیسے درست تسلیم کی جاسکتی ہے؟ اس لئے صحیح بات یہی ہے کہ انت ابا جهل کا لفظ الف کے ساتھ ہے تو اب یہ سوال ہوگا کہ نحوی قاعدے کے لحاظ سے اس کی توجیہ کیا ہوگی؟ تو اس کے متعلق کئی توجیہات کی گئی ہیں:

❶ ایک تو یہ کہ انت مبتدا ہے اور مقتول اس کی خبر محذوف ہے اور ابا جهل منادیٰ ہے، یعنی محذوف عبارت کے ساتھ جملہ اس طرح ہے: انت مقتول یا ابا جهل۔

❷ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ محذوف عبارت کے ساتھ جملہ اس طرح ہے انت تکون ابا جهل۔

❸ علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی تحقیر اور تذلیل کے لئے بجائے ابو جهل کے اس کو قصداً بگاڑ کر انت ابا جهل منصوب پڑھا۔

❹ ایک توجیہ یہ بھی کی گئی کہ اصل میں بعض قبائل عرب اسماء ستة مكبرة کو حالت رفعی، حالت نصبی اور حالت جری تینوں حالتوں میں الف کے ساتھ پڑھتے ہیں تو یہ ان قبائل کی لغت کے مطابق ہے۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الرَّقَاشِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ حَدَّثَنَا أَبُو مِجْلَزٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ أَنَا أَوَّلُ مَنْ يَجْثُو بَيْنَ يَدَيِ الرَّحْمٰنِ لِلْخُصُومَةِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے دن سب سے پہلا شخص ہوں گا جو اللہ تعالی کے دربار میں جھگڑا چکانے کے لیے دو زانو ہو کر بیٹھے گا،

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَقَالَ قَيْسُ بْنُ عُبَادٍ وَفِيهِمْ أُنْزِلَتْ هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ

قیس بن عباد نے بیان کیا کہ انہیں حضرات (حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ) کے بارے میں سورۃ الحج کی آیت نازل ہوئی تھی یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اللہ کے بارے میں لڑائی کی۔

قَالَ هُمُ الَّذِيْنَ تَبَارَزُوْا يَوْمَ بَدْرٍ حَمْزَةُ وَ عَلِيٌّ وَ عُبَيْدَةُ أَوْ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْحَارِثِ

فرمایا کہ یہ وہی ہیں جو بدر کی لڑائی میں لڑنے نکلے تھے، مسلمانوں کی طرف سے حمزہ، علی اور عبیدہ یا ابوعبیدہ بن حارث رضوان اللہ علیہم

وَ شَيْبَةُ بْنُ رَبِيْعَةَ وَ عُتْبَةُ بْنُ رَبِيْعَةَ وَ الْوَلِيْدُ بْنُ عُتْبَةَ

(اور کافروں کی طرف سے) شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ تھے

حَدَّثَنَا قَبِيْصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ نَزَلَتْ هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فِيْ سِتَّةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ حج کی آیت کریمہ یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اللہ کے بارے میں مقابلہ کیا قریش کے چھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی

عَلِيٍّ وَ حَمْزَةَ وَ عُبَيْدَةَ بْنِ الْحَارِثِ وَ شَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَ الْوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ

(تین مسلمانوں کی طرف کے یعنی) علی، حمزہ اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم اور (تین کفار کی طرف کے یعنی) شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ

یہ روایات ایک ہی واقعے سے متعلق ہیں، اگرچہ الفاظ میں تھوڑا فرق ہے۔ ان میں خاص طور پر دو باتیں بتائی گئی ہیں:

❶ ایک سورہ حج کی اس آیت هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ سے متعلق ہے کہ هٰذَانِ خَصْمَانِ یہ دو فریق مخالف ہیں اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ جن کا اپنے رب کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ کافر یہ کہتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں۔ دنیا میں یہ جھگڑا چلتا رہا ہے، چل رہا ہے اور قیامت تک چلتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کے دن بھی یہ اختصام اور جھگڑا ظاہر ہوگا، کافر کہیں گے کہ ہم حق پر تھے، مسلمان کہیں گے کہ ہم حق پر تھے، فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لیکن جن لوگوں نے توحید کا اور انبیائے کرام علیہم السلام کی رسالت کا انکار کیا، قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹ کر انہیں پہنائے جائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں أَنَا أَوَّلُ مَنْ يَجْثُو بَيْنَ يَدَيِ الرَّحْمٰنِ لِلْخُصُومَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ کہ قیامت کے

دن اللہ کے سامنے سب سے پہلے میں گھٹنے کے بل بیٹھوں گا اور مخاصمت کروں گا اور اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ہمارے درمیان اس مقدمے کا فیصلہ فرمائیں گے۔

یجثو کے معنی من یقعد علی الرکبتین للمخصومة کے ہیں، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکین قیامت کے دن کہیں گے انہوں نے ہمیں ظلماً قتل کیا اور یہ حضرات اس کے مقابلے میں یہ ثابت کریں گے کہ ہم نے ان کو ظلماً قتل نہیں کیا بلکہ ہم نے انہیں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قتل کیا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ توجیہ اس لئے کی کہ خصومت میں تکلم ضروری ہے اور جب تک کلام من الجانبین نہ ہو تو خصومت کیسے ہوگی؟ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ اہل کفر کا کلام یہ ہوگا کہ ہم ظلماً قتل کئے گئے اور اہل اسلام کا کلام یہ ہوگا کہ ہم قتل کرنے میں حق بجانب تھے۔

اس سے متعلق وہ روایت بھی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے فیصلہ دماء کے بارے میں ہوگا، جس نے خون بہایا ہے، خواہ حق یا ناحق، سب سے پہلے اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ عبادات میں سب سے پہلے نماز کا فیصلہ ہوگا اور دیگر معاملات میں سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔

❷ دوسری بات ان احادیث شریفہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ غزوہ بدر کے دن عام جنگوں کی طرح سب سے پہلے مبارزت ہوئی۔ اس زمانے کا طریقہ تھا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے دونوں لشکروں میں سے کسی ایک لشکر کا کوئی آدمی باہر نکلتا اور کہتا هل من مبارز؟ ہے کوئی آدمی جو میرے سامنے آئے؟! اس پر دوسرے لشکر میں سے کوئی آدمی نکلتا، پھر دونوں آدمیوں کے درمیان لڑائی ہوتی۔ اس طرح کبھی دو، کبھی تین کے درمیان بھی مبارزت ہوتی تھی اسے اردو میں دعوت مبارزت کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کے خون گرم ہو جاتے تھے اور پھر باقاعدہ جنگ شروع ہو جاتی تھی۔ یہ جنگ کا پرانا طریقہ چلا آرہا تھا۔

غزوۂ بدر میں مبارزت کا نقشہ

جب غزوۂ بدر ہوا تو سب سے پہلے کافروں کی طرف سے تین آدمی آگے نکلے، شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ، یہ دونوں بھائی تھے اور تیسرا عتبہ کا بیٹا ولید بن عتبہ تھا۔ یہ تین آدمی باہر نکلے اور انہوں نے کہا: هل من مبارز؟ چنانچہ مسلمانوں میں سے انصار کے تین آدمی آگے بڑھے، جن کے ناموں کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض میں ہے کہ حضرت عوف، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم آگے بڑھے تھے۔ کفار نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے اپنا تعارف کروایا تو ان کافروں نے کہا کہ ہم تم سے مقابلہ کرنے نہیں آئے ہیں، ہم تو اپنی قوم کے لوگوں یعنی مہاجرین سے مقابلہ کرنے آئے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قم یا حمزة، قم یا عبیدة بن الحارث، قم یا علي۔ یہ تینوں حضرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں، ایک چچا ہیں اور دو چچا زاد بھائی ہیں،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان تین قریبی رشتہ داروں کو حکم دیا کہ وہ مبارزت کا جواب دیں۔

کون کس کا مقابل تھا؟

البتہ اس روایت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ کون کس کا مقابل تھا، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق عتبہ کے مقابلے میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ، شیبہ کے مقابلے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ولید کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے تھے، لیکن موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ شیبہ کے مقابلے میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ تھے اور عتبہ کے مقابلے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے، بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ولید کے مقابلے میں ہونا متفق علیہ ہے، لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عتبہ کے مقابلے میں تھے، لہٰذا یہ بات متفق علیہ تو نہ رہی البتہ معقول یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ولید کے مقابلے میں ہوں کیونکہ یہ دونوں نوجوان تھے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں عتبہ اور شیبہ ہوں اس لئے کہ یہ زیادہ عمر والے تھے اور زیادہ عمر والوں کا زیادہ عمر والوں کے ساتھ اور نوجوان کا نوجوان کے ساتھ مقابلہ معقول نظر آتا ہے۔

کیا مبارزہ بالقتال جائز ہے؟

ان روایات سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ مبارزۃ بالقتال جائز ہے، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مبارزۃ بالقتال کو ناجائز قرار دیتے ہیں، امام اوزاعی، سفیان ثوری، امام احمد اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ مبارزۃ باذن الامام جائز ہے اور اس کے بغیر جائز نہیں۔

هٰذَانِ خَصْمَانِ...... اَلْاٰیَۃ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی؟

بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان چھ حضرات کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ صاحب جمل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب اور اہل اسلام کے درمیان مخاصمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے۔

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل میں اس آیت میں مومن اور کافر کی مثال بیان کی گی ہے کہ مومن اللہ کے دین کی سربلندی چاہتا ہے اور اسی کے لئے لڑتا جھگڑتا ہے اور کافر اللہ کے نور اور دین کو مٹانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کی یہ توجیہ زیادہ اچھی ہے کیونکہ اس صورت میں یہ آیت اہل بدر پر بھی منطبق ہوجاتی ہے اور اہل اسلام اور اہل کتاب کے درمیان مخاصمہ پر بھی منطبق ہوجاتی ہے۔

نیز اصول تفسیر میں یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ اگر کسی آیت کے بارے میں حدیث میں نزلت فی کذا یا اس کے ہم معنی الفاظ وارد ہوئے ہوں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس آیت کا سبب نزول یہی واقعہ ہے بلکہ وہاں اس کا یہ

مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ بھی اس آیت کے مصداق میں داخل ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الصَّوَّافُ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ كَانَ يَنْزِلُ فِي بَنِي ضُبَيْعَةَ وَهُوَ مَوْلًى لِبَنِي سَدُوسَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ

قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِينَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی تھی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یوسف بن یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں وضاحت فرما رہے ہیں کہ كَانَ يَنْزِلُ فِي بَنِي ضُبَيْعَةَ یہ بنو ضبیعۃ میں رہا کرتے تھے، وَهُوَ مَوْلًى لِبَنِي سَدُوسَ اور یہ بنو سدوس کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ بنو ضبیعۃ میں جانے کی وجہ سے کبھی انہیں ضبعی کہہ دیا گیا ہے اور چونکہ بنو سدوس کے آزاد کردہ غلام تھے، اس لیے انہیں سدوسی بھی کہا گیا ہے، حالانکہ نہ بنو ضبیعۃ سے ان کا تعلق تھا اور نہ ہی یہ سدوس کے رہنے والے تھے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ

سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُقْسِمُ لَنَزَلَ هٰؤُلَاءِ الْآيَاتُ فِي هٰؤُلَاءِ الرَّهْطِ السِّتَّةِ يَوْمَ بَدْرٍ نَحْوَهُ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ قسمیہ بیان کرتے تھے کہ یہ آیات هٰذَانِ خَصْمَانِ ... ان ہی چھ آدمیوں کے بارے میں، بدر کی لڑائی کے دن نازل ہوئی تھی، جیسے پہلے بیان ہوا۔

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو هَاشِمٍ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ عَنْ قَيْسٍ قَالَ

سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ يُقْسِمُ قَسَمًا إِنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ نَزَلَتْ فِي الَّذِينَ

میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو قسمیہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ آیت هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ان کے بارے میں اتری جو بدر کی لڑائی میں

بَرَزُوا يَوْمَ بَدْرٍ حَمْزَةَ وَعَلِيٍّ وَعُبَيْدَةَ بْنِ الْحَارِثِ وَعُتْبَةَ وَشَيْبَةَ ابْنَيْ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ.

مقابلے کے لیے نکلے تھے، یعنی حمزہ، علی اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم (مسلمانوں کی طرف سے) اور عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے اور ولید بن عتبہ (کافروں کی طرف سے)۔

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ أَبُو عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ سَأَلَ رَجُلٌ الْبَرَاءَ وَأَنَا أَسْمَعُ قَالَ أَشَهِدَ عَلِيٌّ بَدْرًا قَالَ بَارَزَ وَظَاهَرَ حَقًّا

ابواسحاق فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے براء رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور میں سن رہا تھا کہ کیا علی بدر کی جنگ میں شریک تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں انہوں نے تو مبارزت کی تھی اور غالب رہے تھے۔

ظَاهَرَ ظہر بمعنی پشت سے نکلا ہے، ظاهر يظاهر مظاهرة پشت پناہی کرنا، پھر اس کا یہ مطلب ہو جاتا ہے مدد کرنا، دفاع کرنا، تعاون کرنا۔ اس روایت میں ظاهر غالب آنے کے معنی میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مدمقابل پر غالب آ گئے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ الْمَاجِشُونِ عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَاتَبْتُ أُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیہ بن خلف سے میرا معاہدہ تھا، پھر بدر کی لڑائی کے موقع پر انہوں نے

فَذَكَرَ قَتْلَهُ وَقَتْلَ ابْنِهِ فَقَالَ بِلَالٌ لَا نَجَوْتُ إِنْ نَجَا أُمَيَّةُ

اس کے اور اس کے بیٹے کے قتل کا ذکر کیا اور بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آج امیہ بچ نکلا تو میں نجات نہیں پاؤں گا۔

امیہ بن خلف کے قتل کا قصہ:

اس کا قصہ یہ ہوا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بدر کا معرکہ ختم ہوا تو میں کافروں سے چھینی ہوئی دو تین بھاری زرہیں لے کر جا رہا تھا، اتنے میں مجھے آواز آئی: یا عبد الاله! میں نے دیکھا تو وہ امیہ بن خلف تھا۔ امیہ بن خلف کہنے لگا کہ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم یہ زرہیں چھوڑ دو اور مجھے اور میرے بیٹے کو پناہ دے دو؟ بعد میں جب قیدیوں کا تبادلہ ہوگا تو تمہیں میرے بدلے میں اچھا مال مل جائے گا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ویسے بھی امیہ بن خلف سے یہ معاہدہ تھا کہ میں اس کی اور اس کے مال کی حفاظت کروں گا، چنانچہ وہ زرہیں میں نے ایک طرف رکھ دیں اور اس کو اور اس کے بیٹے کو لے کر چلا، تا کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جاؤں اور ان کو بھی دوسرے قیدیوں میں شامل کر دوں۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں انہیں لے جا رہا تھا کہ اچانک کچھ انصار کی ہم پر نظر پڑ گئی، انہوں نے زور سے کہا: رأس الكفر أمية بن خلف! ارے! یہ تو کافروں کا سردار امیہ بن خلف ہے! اُدھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نظر بھی ہم پر پڑ گئی۔ امیہ بن خلف وہی شخص تھا جس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں بہت ستایا تھا اور سخت گرمی میں گرم ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر پتھر رکھ دیتا تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت فرماتے تھے: أحد أحد اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے! حضرت بلال رضی اللہ عنہ امیہ کے غلام تھے، وہ کہتا تھا کہ تم شرک کرو، لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کی ساری تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کرتے رہے اور ان کے منہ سے یہی نکلتا تھا: أحد أحد لہٰذا جب بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کو دیکھا تو انہوں نے کہا: لا نجوت إن نجا أمية! اگر امیہ بچ گیا تو پھر میں نہیں بچوں گا، یعنی یا یہ زندہ رہے گا یا میں زندہ ہوں گا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میں نے امیہ اور اس کے بیٹے کو پناہ دی ہے مگر وہ نہیں مانے اور امیہ بن خلف کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ میں نے امیہ کے بیٹے کو چھوڑا، تا کہ وہ اس کے بیٹے کو ماریں اور میں اس دوران امیہ کو بچا لوں، مگر انہوں نے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا اور تیزی سے امیہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ امیہ بن خلف موٹا آدمی تھا، میں نے اس سے کہا کہ تُو نیچے لیٹ جا، وہ نیچے لیٹ گیا۔ میں اس کے اوپر چڑھ گیا اور چاروں طرف سے اس کو گھیر لیا تا کہ میرے ساتھی اس کو قتل نہ کر سکیں لیکن ساتھیوں نے نیچے سے تلوار کی نوکیں مار مار کر بالآخر اسے قتل کر دیا۔ امیہ کو بچانے کے دوران حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر بھی کافی زخم آیا۔ وہ امیہ کو اوپر سے بچا رہے تھے اور تلواریں نیچے سے آ رہی تھیں، تو تلواریں ان کے پاؤں پر بھی لگیں۔

یہاں روایت مختصر ہے جبکہ کتاب الوکالۃ میں یہ روایت قدرے تفصیل سے مذکور ہے۔ وہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے: باب إذا وکل المسلم حربیا فی دار الحرب أو فی دار الإسلام جاز اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں کسی کافر کو اپنا وکیل متعین کردے، یا اس کے برعکس ہو جائے کہ کوئی حربی کافر، دارالاسلام کے اندر کسی مسلمان کو وکیل متعین کردے، تو آیا یہ وکیل متعین کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام علماء فقہاء اور محدثین کے نزدیک جائز ہے۔

مکہ مکرمہ اس وقت دار الحرب تھا اور مدینہ منورہ دار الاسلام تھا، وہاں امیہ بن خلف کافر تھا اور یہاں مدینہ منورہ میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مسلمان تھے، ان دونوں نے آپس میں معاہدہ کیا تھا اور ایک دوسرے کو اپنا وکیل بنا رکھا تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ جو چیزیں میں مکہ مکرمہ میں چھوڑ کر آیا ہوں، میرا گھر اور جو دوسری چیزیں ہیں تم ان کی حفاظت کروگے، اس نے کہا ٹھیک ہے۔ اس کے بدلے امیہ نے کہا کہ میں کبھی مدینہ میں کچھ سامان وغیرہ چھوڑ جاتا ہوں، اس کی حفاظت تم کروگے۔ یہ ان کے درمیان معاہدہ ہوا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ چونکہ مکہ مکرمہ کے رہائشی تھے اور امیہ بن خلف اور دوسرے بڑے سرداروں سے ان کے پرانے تعلقات تھے، ان کا پرانا نام عبدعمرو تھا، جب یہ مسلمان ہوگئے تو انہوں نے اپنا نام عبدالرحمن رکھ لیا۔ کافروں کے ہاں اللہ تعالیٰ کے ناموں میں رحمٰن نام معروف نہیں تھا، اسی لیے سورۂ فرقان میں آتا ہے کافر کہتے ہیں کہ یہ رحمن کیا چیز ہے؟ تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے جب اپنا نام عبدالرحمن رکھ لیا، تو امیہ نے کہا کہ میں تو تمہیں عبدعمرو ہی کہوں گا، میں نہیں جانتا کہ یہ رحمن کیا ہے، یہ تم لوگوں نے کوئی نیا نام ایجاد کرلیا ہے۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اب میرا نام عبدعمرو نہیں ہے، بلکہ عبدالرحمن ہے، مگر وہ ہمیشہ عبدعمرو ہی پکارتا تھا۔ چنانچہ جب امیہ عبدعمرو پکارتا تو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جواب ہی نہیں دیتے تھے۔ تو امیہ نے یہ حل نکالا کہ اچھا میں تمہارا نام عبد الالہ رکھ دیتا ہوں۔ یہی واقعہ بدر میں بھی پیش آیا کہ جب امیہ نے ان کو مدد کے لیے پکارا یا عبد عمرو! تو انہوں نے جواب نہیں دیا، پھر اس نے کہا: عبد الالہ! تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، کیا بات ہے؟

کافروں سے تعلقات

بہرحال! امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الوکالۃ میں باب قائم کیا کہ اگر کوئی مسلمان کسی حربی کو دار الحرب میں یا حربی کسی مسلمان کو دار الاسلام میں اپنا وکیل بنادے تو جائز ہے۔ یہ طویل بحث ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کافروں سے تعلقات کے بارے میں چار چیزیں ہیں:

❶ **موالات**: موالات کا مطلب ہے: دوستی، دلی تعلقات۔ کسی بھی کافر کے ساتھ دلی دوستی رکھنا، محبت کے بہت

گہرے تعلقات رکھنا ناجائز وحرام ہے اور قرآن مجید کی کئی آیتوں میں اس سے منع کیا گیا ہے، يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً گویا ظاہری طور پر کوئی بچاؤ کی تدبیر اختیار کرنے، ظاہری خوش اخلاق کا معاملہ کرنے کی اجازت ہے لیکن کافروں سے دلی دوستی رکھنا حرام ہے، اس پر تمام فقہاء اور محدثین کا اتفاق ہے۔

❷ **معاہدات:** البتہ موالات کے علاوہ باقی تین چیزیں کافروں کے ساتھ جائز ہیں۔ ان میں سے ایک ہے معاہدات۔ لہٰذا اگر کافروں اور مسلمانوں کے درمیان معاہدات ہوں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کیا، بنوضمرہ کے ساتھ معاہدہ کیا، بنومدلج سے معاہدہ کیا، اور نہ جانے کتنے معاہدے کئے، یہاں تک کہ کفار قریش سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں معاہدہ کیا تو یہ بالکل جائز ہے۔

❸ **معاملات:** اگر آپ کسی کافر کو کوئی چیز بیچ دیں، کرائے پر دے دیں، یا اس سے کوئی چیز خرید لیں، یا کرائے پر لے لیں، یہ بھی جائز ہے، جبکہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کا کوئی صریح نقصان نہ ہو اور کافروں کی براہ راست معاونت لازم نہ آتی ہو۔

❹ **مواسات:** مواسات کا مطلب ہے، غم خواری کرنا۔ کوئی کافر پیاسا تھا، آپ نے پانی پلا دیا، کوئی بھوکا تھا آپ نے اسے روٹی کھلا دی، کوئی سخت زخمی تھا، آپ اسے ہسپتال اٹھا کر لے گئے تا کہ اس کی جان بچ جائے، یہ مواسات ہے۔ تو اگر کسی کافر کے ساتھ مواسات کر لی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَرَأَ وَالنَّجْمِ فَسَجَدَ بِهَا وَسَجَدَ مَنْ مَعَهُ غَيْرَ أَنَّ شَيْخًا أَخَذَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ایک مرتبہ مکہ میں) سورۂ نجم کی تلاوت کی اور سجدہ تلاوت کیا تو جتنے لوگ وہاں موجود تھے سب سجدہ میں گر گئے، سوائے ایک بوڑھے کے کہ اس نے ہتھیلی میں مٹی

كَفًّا مِّنْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى جَبْهَتِهِ فَقَالَ يَكْفِيْنِي هٰذَا قَالَ عَبْدُ اللهِ فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا

لے کر اپنی پیشانی پر اسے لگا لیا اور کہنے لگا کہ میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے، عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے بعد میں اسے کفر کی حالت میں قتل ہوتے دیکھا۔

اس روایت میں جس بوڑھے نے سجدہ نہیں کیا اور بعد میں کافر ہو کر مرا اس سے مراد امیہ بن خلف ہے اور اس کا قتل چونکہ بدر میں ہوا ہے اس لئے اس کی مناسبت باب قتل ابی جهل و غیره سے بالکل ظاہر ہے۔

سورۃ النجم کے سجدہ تلاوت کے بارے میں یہ روایت باب سجود القرآن میں بھی مختلف طرق سے گزری ہے اور آگے کتاب التفسیر میں بھی ان شاء اللہ آئے گی۔ ان روایات سے متعلق پہلی بحث یہ ہے کہ آیا مفصل

سورتوں میں سجدہ ہے یا نہیں؟ جمہور علماء جن میں حنفیہ اور شافعیہ بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ سورۃ النجم اور مفصل سورتوں میں سجدہ ہے، جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مفصل سورتوں میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جن روایات سے استدلال کیا ہے، وہ بھی سند کے اعتبار سے قوی ہیں، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب سجود القرآن میں ذکر کی ہیں۔ وہاں روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سورۃ النجم پڑھی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ نہیں کیا جبکہ اس کے بالمقابل یہاں کتاب المغازی اور آگے کتاب التفسیر کی روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی اور سجدہ بھی کیا۔

حضرات احناف مالکیہ کی مستدل روایات کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جن روایات میں سجدہ نہ کرنے کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت فوراً سجدہ نہیں کیا تھا، کیونکہ سجدۃ علی الفور ضروری نہیں ہے، بلکہ کوئی شخص اگر آیت سجدہ پڑھ کر بعد میں سجدہ کرنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ اسی وقت سجدہ کرلیا جائے لیکن بعد میں بھی بلاکراہت سجدہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہ روایات جن میں سجدہ نہ کرنے کا ذکر ہے وہ سجدۃ علی التراخی پر محمول ہیں، مطلق سجدہ کی نفی مراد نہیں ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ مسلمان، مشرک، جن وانس سب نے اس آیت پر سجدہ کیا، اس کی کیا وجہ ہے؟

بعض حضرات نے کہا کہ مسلمانوں نے تو یہ سجدہ اللہ کے حکم سے کیا، لیکن کافروں کے اوپر بھی ان آیات کی ایسی ہیبت اور جلال طاری ہوا کہ وہ بے اختیار سجدہ میں گر پڑے۔ بعض روایات میں اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوگئے کہ تِلْکَ الْغَرَانِیقُ الْعلی وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَترتجی تو اس وجہ سے مشرکین نے سجدہ کیا، اس طرح کی روایات معتبر نہیں ہیں بلکہ معلول ہیں، اگرچہ اس کی بعض اسانید کے رجال بھی ثقات ہیں لیکن روایات معلول ہیں لہٰذا ان پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، صحیح بات یہ ہے کہ مشرکین نے سجدہ اس لیے کیا تھا کہ ان کے بتوں کے نام اس میں آئے تھے۔

یہ دونوں لمبی بحثیں ہیں، پہلی کا تعلق سجود القرآن سے ہے اور دوسری کا تعلق کتاب التفسیر سے ہے، یہ دونوں ابحاث ان شاء اللہ اپنی جگہ میں تفصیل سے آجائیں گی، فی الحال غزوۂ بدر کا قصہ چل رہا ہے، اس کی مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث یہاں صرف یہ بتانے کے لیے لائے ہیں کہ امیہ بن خلف جو صنادید قریش میں سے تھا اور مسلمانوں کا سخت مخالف تھا، وہ بھی اسی غزوۂ بدر میں شریک ہوا تھا اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

أَخْبَرَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ عُرْوَةَ قَالَ

كَانَ فِي الزُّبَيْرِ ثَلَاثُ ضَرَبَاتٍ بِالسَّيْفِ إِحْدَاهُنَّ فِي عَاتِقِهِ قَالَ إِنْ كُنْتُ لَأُدْخِلُ أَصَابِعِيْ

عروہ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیرؓ کے جسم پر تلوار کے تین زخموں کے نشانات تھے، ایک ان کے مونڈھے پر تھا، میں بچپن میں اپنی انگلیاں ان میں داخل کر دیا کرتا تھا، عروہ فرماتے

فِيْهَا قَالَ ضُرِبَ ثِنْتَيْنِ يَوْمَ بَدْرٍ وَ وَاحِدَةً يَوْمَ الْيَرْمُوكِ قَالَ عُرْوَةُ وَ قَالَ لِيْ عَبْدُ الْمَلِكِ

ہیں کہ ان میں سے دو زخم بدر کی لڑائی میں آئے تھے اور ایک یرموک میں، عروہ فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا گیا تو مجھ سے عبدالملک بن مروان نے کہا

بْنُ مَرْوَانَ حِيْنَ قُتِلَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ يَا عُرْوَةُ هَلْ تَعْرِفُ سَيْفَ الزُّبَيْرِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ

اے عروہ! کیا تم زبیر کی تلوار کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں، پہچانتا ہوں، اس نے کہا اس کی نشانی بتاؤ؟ میں نے کہا کہ بدر کی لڑائی کے موقع پر اس کی دھار کا ایک حصہ ٹوٹ گیا تھا،

فَمَا فِيْهِ قُلْتُ فِيْهِ فَلَّةٌ فُلَّهَا يَوْمَ بَدْرٍ قَالَ صَدَقْتَ بِهِنَّ فُلُوْلٌ مِّنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ ثُمَّ رَدَّهُ

عبدالملک نے کہا کہ تم نے سچ کہا (پھر اس نے یہ مصرع پڑھا) فوجوں کے ساتھ لڑتے لڑتے ان کی تلواروں کی دھاریں کئی جگہ سے ٹوٹ گئی ہیں" پھر اس نے وہ تلوار عروہ کو واپس

عَلَى عُرْوَةَ قَالَ هِشَامٌ فَأَقَمْنَاهُ بَيْنَنَا ثَلَاثَةَ آلَافٍ وَأَخَذَهُ بَعْضُنَا وَ لَوَدِدْتُ أَنِّيْ كُنْتُ أَخَذْتُهُ

کر دی، ہشام فرماتے ہیں کہ ہم نے اس تلوار کی قیمت تین ہزار درہم مقرر کی، اور وہ تلوار ہمارے ایک عزیز نے خرید لی میری بڑی آرزو تھی کہ کاش! وہ تلوار میرے حصے میں آتی۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا باب اور حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے سن ۱۴۳۸ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنات کے امتحان میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ حدیث کا ترجمہ ❷ ان کلمات فلّها، قراع الکتائب، فاقمناه، لوددت کی تحقیق۔

حَدَّثَنَا فَرْوَةُ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ

كَانَ سَيْفُ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ مُحَلًّى بِفِضَّةٍ قَالَ هِشَامٌ وَ كَانَ سَيْفُ عُرْوَةَ مُحَلًّى بِفِضَّةٍ

عروہ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار چاندی سے مزین تھی، ہشام نے کہا کہ اور (میرے والد) عروہ کی تلوار چاندی سے مزین تھی۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ

أَنَّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لِلزُّبَيْرِ يَوْمَ الْيَرْمُوكِ أَلَا تَشُدُّ فَنَشُدَّ

عروہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے حضرت زبیرؓ سے یرموک کی جنگ میں کہا کہ اگر آپ حملہ کریں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ حملہ کریں گے

مَعَكَ فَقَالَ إِنِّيْ إِنْ شَدَدْتُ كَذَبْتُمْ فَقَالُوْا لَا نَفْعَلُ فَحَمَلَ عَلَيْهِمْ حَتَّى شَقَّ صُفُوْفَهُمْ

انہوں نے کہا کہ اگر میں نے ان پر زور کا حملہ کر دیا تو پھر تم لوگ پیچھے رہ جاؤ گے سب بولے کہ ہم ایسا نہیں کریں گے، چنانچہ زبیرؓ نے دشمن پر حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے

فَجَاوَزَهُمْ وَمَا مَعَهُ أَحَدٌ ثُمَّ رَجَعَ مُقْبِلًا فَأَخَذُوْا بِلِجَامِهِ فَضَرَبُوْهُ ضَرْبَتَيْنِ عَلَى عَاتِقِهِ

آگے نکل گئے، اس وقت ان کے ساتھ کوئی ایک بھی (مسلمان) نہیں رہا، پھر واپس آنے لگے تو رومیوں نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور مونڈھے پر دو کاری زخم لگائے،

بَيْنَهُمَا ضَرْبَةٌ ضُرِبَهَا يَوْمَ بَدْرٍ قَالَ عُرْوَةُ كُنْتُ أُدْخِلُ أَصَابِعِيْ فِيْ تِلْكَ الضَّرَبَاتِ أَلْعَبُ

اور وہ زخم بدر کی لڑائی کے موقع پر ان کو لگا تھا وہ ان دونوں زخموں کے درمیان میں تھا، عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ جب میں چھوٹا تھا تو ان زخموں میں اپنی انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتا تھا،

وَأَنَا صَغِيْرٌ قَالَ عُرْوَةُ وَكَانَ مَعَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ يَوْمَئِذٍ وَهُوَ ابْنُ عَشْرِ سِنِيْنَ فَحَمَلَهُ

عروہ فرماتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی کے موقع پر عبداللہ بن زبیر بھی ان کے ساتھ گئے تھے، اس وقت ان کی عمر دس سال کی تھی اس لیے ان کو ایک گھوڑے پر

عَلٰی فَرَسٍ وَوَکَّلَ بِهٖ رَجُلًا

سوار کر کے ایک صاحب کی حفاظت میں دے دیا تھا۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، آپؓ السابقون الاولون صحابہؓ میں سے ہیں، یعنی ان لوگوں میں سے ہیں جو بالکل ابتداء میں مسلمان ہو گئے تھے، اسی طرح آپ عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں۔ نیز بدر، اُحد اور بیعت رضوان میں بھی شریک ہوئے، الغرض! اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو بڑی فضیلتوں سے نوازا تھا اور جہاد میں آپ نے بڑی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے معروف ہیں، ایک عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہیں، یہ صغار صحابہ میں سے ہیں۔ مہاجرین جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو ایک سال تک کسی مہاجر کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، یہود نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم نے ان مہاجروں کے اوپر جادو کر دیا ہے، ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوگی۔ تو مہاجرین کا جو پہلا بچہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوا، وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہی تھے، اس سے مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کی فضول بات کو غلط ثابت کر دیا، آپ سن ۲ ہجری میں پیدا ہوئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے دوسرے بیٹے حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یہ صحابی نہیں ہیں بلکہ اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں، ان کے بیٹے ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کی کتب حدیث میں بکثرت روایات آتی ہیں۔

مذکورہ بالا روایات کا تعلق حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک تھے اور نہ صرف یہ کہ شریک تھے بلکہ بڑے کارنامے بھی انجام دیئے اور اسی غزوہ میں آپ کو دو گہرے زخم بھی لگے اور آپ کی تلوار کی دھار بھی جھڑ گئی۔ اسی طرح ان روایات میں مذکور ہے کہ بعد میں بھی آپؓ جنگوں اور غزوات میں مسلسل شریک ہوتے رہے، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب جنگ یرموک ہوئی، اس میں بھی آپ شریک ہوئے اور کافروں کے لشکر پر کاری ضرب لگائی، اور کافروں پر وار کرتے کرتے آپ آگے بڑھتے چلے گئے اور بالکل کفار کے لشکر کے اندر گھس گئے اور وہاں بھی انہیں تلواروں کے دو گہرے زخم آئے۔

اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد اپنی خلافت قائم کر لی تھی، رفتہ رفتہ وہ خلافت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں محدود ہوگئی اور اس کے علاوہ باقی جتنا عالم اسلام تھا، وہ سارا کا سارا عبدالملک بن مروان کے زیر حکومت آ گیا۔ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو حکم دیا کہ وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو مغلوب کرے، بہر حال ان کے درمیان زبردست مقابلہ ہوا، حجاج نے منجنیق کے ذریعے پتھر برسائے، جس سے بیت اللہ کا کچھ حصہ بھی منہدم ہو گیا، بالآخر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہو

گئے اور حجاج کے حکم پر ان کی میت تین دن تک مکہ میں لٹکی رہی، ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں، وہ اپنے بیٹے کی میت کے پاس سے گزریں تو فرمایا کہ کیا یہ سوار ابھی تک سواری سے نہیں اترا؟ پھر حجاج بن یوسف نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے کہا کہ تم نے دیکھا کہ میں نے تمہارے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواباً کہا کہ ہاں! تو نے اس کی دنیا خراب کی اور اس نے تیری آخرت خراب کر دی۔

بہر حال! حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما شہید کر دیئے گئے، تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی جتنی مملوکہ اشیاء تھیں، وہ سب حجاج نے جمع کر کے دار الحکومت دمشق میں عبدالملک بن مروان کے پاس بھیج دیں اور ساتھ ہی عروہ بن زبیرؒ جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے چھوٹے بھائی تھے، ان کو بھی ساتھ بھیج دیا۔

یہ ساری چیزیں جب عبدالملک بن مروان کے پاس پہنچیں تو اس نے حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا اور کہا کہ یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی چیزیں ہیں، کیا ان میں تم اپنے والد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی تلوار کو پہچانتے ہو؟ عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہاں! میں پہچانتا ہوں، اس میں ایک دندانہ ہے، جو بدر والے دن اس میں پڑا تھا، یعنی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بدر والے دن اتنا قتال کیا تھا کہ ان کی تلوار میں دندانہ پڑ گیا تھا یعنی اس کی دھار ایک جگہ سے کچھ خراب ہو گئی تھی، تو عبدالملک بن مروان نے یہ شعر پڑھا، جو ادب کی کتابوں میں معروف ہے۔

ولا عیب فیھم غیر أن سیوفھم   بھن فلول من قراع الکتائب

قراع باب مفاعلہ کا مصدر ہے، قرع یقرع کھٹکھٹانا اور قارع یقارع ایک دوسرے کو (تلواروں سے) کھٹکھٹانا، یعنی جنگ کرنا، کتائب، کتیبة کی جمع ہے۔

بلاغت میں یہ شعر تاکید المدح بما یشبہ الذم یعنی مدح بصورت ذم کے تحت ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ حقیقت میں تعریف ہے، لیکن ظاہر میں مذمت کی صورت اختیار کی گئی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جو میرے ممدوح ہیں، ان میں کوئی عیب نہیں ہے، ہاں صرف ایک عیب ان میں یہ پایا جاتا ہے کہ ان کی تلواروں میں دندانے پڑ جاتے ہیں، اس لیے کہ یہ بڑے بڑے لشکروں سے ٹکراتے ہیں۔ تو الفاظ میں عیب کا ذکر کیا ہے لیکن حقیقت میں وہ عیب نہیں ہے بلکہ تعریف ہے، گویا مدح بصورت ذم ہے۔

عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی تلوار کی نشانی بتائی اور ان کے بدر کے کارنامے کا ذکر کیا تو عبدلملک بن مروان جو بہر حال مسلمان تھا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی عظمت کو جاننے والا تھا، اس نے عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: صدقت بالکل صحیح تم نے سچ کہا ہے، یہ تلوار زبیر رضی اللہ عنہ کی ہے، پھر اس نے وہ تلوار عروہ رحمۃ اللہ علیہ کو دے دی، چنانچہ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کی تلوار سمیت تمام چیزیں لے کر مدینہ منورہ واپس آ گئے، پھر ورثاء میں یہ چیزیں تقسیم

ہونے کا مرحلہ آیا۔حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وہ تلوار چونکہ ایک یادگار تلوار تھی، اس لیے اس کی قیمت تین ہزار لگائی گئی۔ ہشام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس تلوار کی قیمت تین ہزار لگائی اور ہم میں سے بعض لوگوں نے یعنی ایک وارث نے وہ تلوار لے لی لیکن بعد میں مجھے خواہش ہوئی کہ کاش وہ تلوار میں لے لیتا۔

تلوار میں سونا و چاندی کے استعمال کا حکم

اگلی روایت میں ہے كَانَ سَيْفُ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ مُحَلًّى بِفِضَّةٍ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی تلوار چاندی سے مزین تھی۔ عام قاعدہ تو یہ ہے کہ سونے، چاندی کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے لیکن تلوار پر اگر سونے یا چاندی کا کام ہو، وہ محلی بالذھب یا محلی بالفضة ہو، تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس سونے یا چاندی کی جگہ پر ہاتھ نہ لگے، یعنی دستے میں سونا، چاندی نہ ہو، اس کے علاوہ کسی اور جگہ سونے یا چاندی کا کام ہوا ہو تو اس کی گنجائش ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایسی تلواروں کا استعمال ثابت ہے۔

جنگ یرموک

اگلی روایت میں جنگ یرموک کا ذکر ہے، یرموک فلسطین کے قرب و جوار کے ایک علاقہ کا نام ہے، بعض کہتے ہیں یہ شام کے ایک علاقہ کا نام ہے اور بعض نے کہا کہ یرموک دمشق اور اذرعات کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، اس میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان تاریخی جنگ ہوئی تھی جو جنگ یرموک کے نام سے مشہور ہے، امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق جنگ یرموک کا واقعہ ۱۳ھ میں پیش آیا جبکہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ واقعہ سن ۱۵ ہجری میں پیش آیا ہے، یہ جنگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی، لشکر اسلام کے سپہ سالار ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے، اس جنگ میں رومیوں کے لشکر کی تعداد تقریباً ایک لاکھ اور مسلمانوں کی تعداد پچیس ہزار تھی، اس جنگ میں شرکاء بدر میں سے تقریباً سو صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے، تین دن تک یہ جنگ جاری رہی اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا، اس جنگ میں چار ہزار مسلمان شہید ہوئے اور رومیوں کے ایک لاکھ پانچ ہزار آدمی مارے گئے اور چالیس ہزار گرفتار ہوئے۔

معمر رحمۃ اللہ علیہ اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی روایات میں تعارض:

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو روایتیں ذکر فرمائی ہیں ایک حضرت معمر رحمۃ اللہ علیہ سے اور دوسری عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے، ان دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے۔

حضرت معمر رحمۃ اللہ علیہ کی روایات:

یہ روایت ہے عن معمر عن هشام عن عروة، حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے جسم میں ضربوں کے تین نشان تھے، ان میں سے ایک ضرب کا نشان

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے کندھے پر تھا، ضُرِبَ ثِنْتَيْنِ يَوْمَ بَدْرٍ وَوَاحِدَةً يَوْمَ الْيَرْمُوكِ ان میں سے دو نشان بدر کی جنگ میں آئے تھے اور ایک نشان جنگ یرموک میں آیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت:

اگلی روایت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، وہ ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے اور ہشام رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں۔ اس روایت میں مذکور ہے کہ فَضَرَبُوهُ ضَرْبَتَيْنِ عَلَى عَاتِقِهِ بَيْنَهُمَا ضَرْبَةٌ ضُرِبَهَا يَوْمَ بَدْرٍ (اور ان کے کندھے پر دو ضربیں لگائیں، ان دو ضربوں کے درمیان ایک اور ضرب تھی جو جنگ بدر میں ان کو لگی تھی)۔

معمر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی روایتوں میں تعارض:

اب دو روایتیں ہیں، ایک معمر عن هشام کی روایت اور ایک عبد الله عن هشام کی روایت ان دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ معمر عن هشام کی روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے جسم میں ضرب کے جو تین نشان تھے، ان میں سے دو نشان بدر میں لگے تھے اور ایک نشان جنگ یرموک میں۔ جبکہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ یرموک میں دو ضربیں اور جنگ بدر میں ایک ضرب لگی تھی۔ اسی طرح عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں ضربیں کندھے میں تھیں، کیونکہ اس روایت میں تصریح ہے کہ کندھے میں یرموک کی دو ضربوں کے درمیان ایک ضرب بدر کی تھی جبکہ معمر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ صرف ایک ضرب کندھے میں تھی تو گویا دونوں روایتوں میں دو طرح کا تعارض ہو گیا۔

حل تعارض کی مختلف توجیہات:

❶ حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں اختلاف ہے پہلی روایت معمر عن هشام کی ہے اور دوسری روایت عبد الله عن هشام کی ہے اور ابن مبارک اثبت من معمر ہیں نیز معمر عن هشام کی روایت میں کلام بھی ہے۔ لہٰذا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو ترجیح ہوگی اور یہ کہا جائے گا کہ تینوں ضربیں عاتق پر تھیں، ان میں سے دو یرموک کی اور ایک بدر کی۔

❷ دوسرا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ درحقیقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے جسم میں تین نہیں بلکہ پانچ ضربیں تھیں، ان پانچ میں سے تین تلوار سے اور دو نیزے سے لگی تھی، چنانچہ معمر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں جن تین ضربوں کا ذکر ہے اس میں بالسیف کی قید ہے کہ تلوار سے زخم کے تین نشان آئے، ایک کندھے میں اور دو کندھے کے علاوہ کسی اور جگہ میں، کندھے میں جو زخم آیا وہ بدری تسلیم کیا جائے اور کندھے کے علاوہ کے جو دو نشان تھے ان میں ایک بدری اور ایک یرموکی مان لیا جائے، جبکہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں تینوں نشان کندھے میں بتائے گئے ہیں، درمیان

والے کو بدری بتایا گیا ہے اور وہ تلوار سے لگا ہے اور جو دو یرموکی ہیں وہ نیزے سے لگے ہیں، تو اس طرح یرموک کے کل تین نشان ہوئے، دو عاتق میں اور ایک غیر عاتق میں، عاتق والے دونوں نشان نیزہ سے ہیں اور غیر عاتق کا تلوار سے اور بدر کے دو نشان ہوئے ایک عاتق میں اور ایک غیر عاتق میں، اور یہ دونوں کے دونوں تلوار سے ہیں، لہٰذا زبیر رضی اللہ عنہ کے جسم میں پانچ ضربیں تسلیم کر لینے سے دونوں روایتوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا۔

❸ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معمر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں احداھن فی عاتقه سے عاتق میں ایک ضرب کا ثبوت ہوتا ہے اور ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں کے تینوں عاتق میں ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ عدد میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا، لہٰذا اگر معمر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں احداھن فی عاتقه ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عاتق میں باقی کوئی ضرب نہ ہو، کیونکہ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا۔

❹ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ ایک ضرب بالکل کندھے کے درمیان میں تھی اور باقی دو تھیں تو عاتق میں ہی لیکن بالکل بیچ میں نہیں تھیں بلکہ کناروں پر تھیں معمر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں احداھن فی عاتقه سے وہ بالکل وسط والی ضرب مراد ہے، علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دو جوابات پہلے تعارض کو دفع کرنے کے لئے دیئے ہیں اور دوسرے تعارض کو رفع کرنے کے لئے انہوں نے وہی جواب دیا ہے جو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے دیا ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب سے الگ بات کہی، وہ فرماتے ہیں کہ زبیر رضی اللہ عنہ کے جسم میں کل چار ضربوں کے نشان تھے، دو نشان بدر کی ضربات کے تھے اور دو یرموک کے تھے، جب راوی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جنگ بدر کی شجاعت کا ذکر کرتا ہے تو جنگ بدر کی دو ضربوں کا ذکر کر کے جنگ یرموک کی ایک ضرب کے بیان پر اکتفاء کر لیتا ہے اور جب راوی کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جنگ یرموک میں بہادری اور شجاعت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے تو وہ جنگ یرموک کی دو ضربوں کو ذکر کر کے جنگ بدر کی ایک ضرب پر اکتفاء کر لیتا ہے، لہٰذا معمر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں راوی کو چونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جنگ بدر میں بہادری کا بیان مقصود تھا اس لئے اس میں بدر کی دو ضربوں کا ذکر کر دیا اور یرموک کی ایک ضرب کا اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں راوی کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جنگ یرموک میں شجاعت کا تذکرہ مقصود تھا تو اس میں یرموک کی دو ضربوں اور بدر کی ایک ضرب کو بیان کیا۔ واللہ اعلم

آگے روایت میں ہے حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **وَكَانَ مَعَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ يَوْمَئِذٍ** جنگ یرموک میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، **وَهُوَ ابْنُ عَشْرِ سِنِيْنَ** اور ان کی عمر دس سال تھی لیکن حقیقت میں وہ اس وقت دس سال کے نہیں تھے، یہاں کسر محذوف ہے، اصل میں ان کی عمر بارہ یا تیرہ سال تھی۔

بہر حال جنگ یرموک میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی لے گئے تھے،

جب جنگ میں شدت آئی تو انہیں بڑی فکر ہوئی کہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہیں اپنی بہادری کی وجہ سے جنگ میں نہ کود جائیں اور کہیں انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے، لہٰذا انہوں نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو ایک گھوڑے پر سوار کرایا **وَ وَكَّلَ بِهٖ رَجُلًا** اور ایک آدمی کو ان پر متعین کر دیا کہ اس بچے کو قابو میں رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا۔ چنانچہ اس آدمی نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اپنے ساتھ رکھا لیکن دوسری روایات میں آتا ہے کہ جب جنگ ختم ہوگئی اور کافر بھاگ گئے اور بہت سارے کافر گرفتار ہو گئے تو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس آدمی سے کہا کہ اب تو جنگ ختم ہوگئی ہے، اب تو خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ چنانچہ اس نے انہیں چھوڑ دیا تو یہ تلوار لے کر زخمی کافروں کی گردنیں کاٹنے لگے۔

ترجمة الباب سے مطابقت: اس روایت کی ترجمة الباب سے مطابقت اسی صورت میں ہوگی جب علامہ عینیؒ کے بیان کردہ وغیرہ کے ایک لفظ کو ترجمہ میں ملحوظ رکھا جائے اور وغیرہ کی ضمیر ابو جھل کی طرف نہ لوٹائی جائے بلکہ قتل کی طرف اسے لوٹایا جائے، یعنی باب میں ابو جہل کے قتل کا واقعہ بھی مذکور ہوگا اور قتل ابو جہل کے علاوہ بدر کے اور واقعات کا بھی اس میں ذکر آئے گا، چونکہ اس روایت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے جسم میں بدر کے دن زخم آنے کا ذکر ہے، اس لئے باب قتل ابی جھل و غیرہ سے مناسبت ظاہر ہے۔

حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ سَمِعَ رَوْحَ بْنَ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ ذَكَرَ لَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ

عَنْ أَبِيْ طَلْحَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِأَرْبَعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قریش کے چوبیس مقتول سردار بدر کے

رَجُلًا مِّنْ صَنَادِيْدِ قُرَيْشٍ فَقُذِفُوْا فِيْ طَوِيٍّ مِنْ أَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيْثٍ مُّخْبِثٍ وَكَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلٰى

کنووں میں سے ایک بہت ہی اندھیرے اور انتہائی گندے کنویں میں پھینک دیئے گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ

قَوْمٍ أَقَامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرٍ الْيَوْمَ الثَّالِثَ أَمَرَ بِرَاحِلَتِهٖ فَشُدَّ عَلَيْهَا

جب دشمن پر غالب ہوتے تو میدان جنگ میں تین دن تک قیام فرماتے تو جنگ بدر کے خاتمہ کے تیسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر

رَحْلُهَا ثُمَّ مَشٰى وَ اتَّبَعَهٗ أَصْحَابُهٗ وَ قَالُوْا مَا نُرٰى يَنْطَلِقُ إِلَّا لِبَعْضِ حَاجَتِهٖ حَتّٰى قَامَ عَلٰى

کجاوہ باندھا گیا اور آپ روانہ ہوئے آپ کے اصحاب بھی آپ کے ساتھ تھے صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم سمجھے کہ غالباً آپ کسی ضرورت کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں

شَفَةِ الرَّكِيِّ فَجَعَلَ يُنَادِيْهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءِ اٰبَائِهِمْ يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ وَيَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ

آخر آپ اس کنویں کے کنارے آکر کھڑے ہو گئے اور کفار قریش کے مقتولین کے نام ان کے باپ کے نام کے ساتھ لے کر انہیں آواز دینے لگے کہ اے فلاں بن فلاں! اے فلاں

أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ

بن فلاں! کیا تمہیں یہ بات خوش نہ کرتی کہ تم نے دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ بے شک ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ ہمیں پوری طرح حاصل ہو گیا

مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالَ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَّا أَرْوَاحَ لَهَا فَقَالَ

تو کیا تمہارے رب کا تمہارے متعلق جو وعدہ تھا وہ بھی تمہیں پوری طرح مل گیا؟ ابو طلحہؓ فرماتے ہیں کہ اس پر عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ ان لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں

رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُوْلُ مِنْهُمْ

جن میں کوئی جان نہیں ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم لوگ ان سے زیادہ اسے نہیں سن رہے ہو۔"

قَالَ قَتَادَةُ أَحْيَاهُمُ اللهُ حَتّٰى أَسْمَعَهُمْ قَوْلَهُ تَوْبِيْخًا وَ تَصْغِيْرًا وَ نِقْمَةً وَ حَسْرَةً وَ نَدَمًا

قتادہؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں (اس وقت) زندہ کر دیا تھا تاکہ نبی کریم ﷺ انہیں اپنی بات سنا دیں ان کی توبیخ، ذلت، نامرادی اور حسرت وندامت کے لیے۔

یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے سوتیلے والد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرما رہے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام رمیصاء منقول ہے جو ام سلیم رضی اللہ عنہا کے نام سے معروف ہیں، پہلے ان کا نکاح حضرت مالک بن نضر رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حقیقی والد ہیں۔ حضرت مالک بن نضر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی تھی، اس لحاظ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ، ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بیٹے ہیں۔

یہ واضح رہے کہ یہ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، ایک دوسرے صحابی طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ہیں، جو مہاجر صحابہ میں سے ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، جبکہ یہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں اور انصاری صحابی ہیں۔ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ دونوں ہی غزوۂ بدر میں شریک تھے اور دونوں نے ہی زبردست کارنامے انجام دیئے تھے۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر والے دن قریش کے سرداروں میں سے چوبیس افراد کے بارے میں حکم دیا (صناديد صنديد کی جمع ہے، سردار کو کہتے ہیں)، فَقُذِفُوا فِيْ طَوِيٍّ مِنْ أَطْوَاءِ بَدْرٍ چنانچہ ان چوبیس سرداروں یعنی ان کی لاشوں کو بدر کے ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔

طوی اور رکی میں فرق اور وجہ تطبیق

طوی کنویں کو کہتے ہیں، اسی روایت میں آگے کنویں کے لیے رکی کا لفظ بھی آ رہا ہے، یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں، البتہ اتنا فرق ہے کہ جس کنویں کی پتھر وغیرہ سے منڈیر بنی ہوئی ہو وہ طوی کہلاتا ہے اور جس کنویں کی منڈیر نہ ہو اور اس کے کناروں پر اینٹیں یا پتھر نہ لگائے گئے ہوں بلکہ کچا کنواں ہو، اسے رکی کہتے ہیں۔ نیز ایک روایت میں قلیب کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، جو مطلقاً کنویں یا گڑھے کے لیے استعمال ہوتا ہے، چاہے اس کی منڈیر ہو یا نہ ہو۔

اب جس کنویں میں یہ لاشیں ڈالی گئی تھیں اس کے بارے میں طوی اور رکی دونوں لفظ روایات میں استعمال ہوئے ہیں اور دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ کسی زمانے میں وہ کنواں طوی تھا، اس کی منڈیر بنی ہوئی تھی لیکن بعد میں اس کی اینٹیں وغیرہ ٹوٹ پھوٹ گئیں اور استعمال نہ ہونے کی وجہ سے اس کا پانی بھی گندا ہو گیا، لہٰذا مرور زمانہ کی وجہ سے وہ طوی نہ رہا بلکہ رکی بن گیا۔ چنانچہ کسی نے اس پر طوی کا اطلاق کر دیا اور کسی نے اس کو رکی کہہ دیا، دونوں لفظ ہی اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

الغرض ان سرداروں کی لاشوں کو بدر کے ایک کنویں میں ڈالا گیا، وہ کنواں خبیث بھی تھا اور مخبث بھی تھا، خبیث کا مطلب ہے کہ اس کا پانی گندا تھا، کیونکہ جب کنویں سے پانی نہ نکالا جائے اور اس کے اندر چیزیں گرتی رہیں، جانور بھی اس میں گرنے لگیں تو پانی خراب اور بدبودار ہو جاتا ہے، اور مخبث کا مطلب ہے گندا کرنے والا، کہ اگر صاف چیز بھی اس میں ڈالی جائے تو اس کے اندر جا کر گندی ہو جائے تو وہ کنواں گندا بھی تھا اور گندا کرنے والا بھی تھا۔

وَكَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلَى قَوْمٍ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی قوم پر غالب آتے تھے، ظهر يظهر کے معنی ہیں: ظاہر ہونا، اور ظهر عليه کے معنی ہیں غالب آجانا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی علاقے کو فتح کرتے اور غالب آجاتے، تو وہاں تین دن قیام فرماتے تھے اور اس دوران علاقے کے نظم ونسق اور سارے معاملات کا جائزہ لیتے تھے، چنانچہ بدر میں کامیابی کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن وہاں ٹھہرے رہے۔ جب بدر میں تیسرا دن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں اس کنویں پر آکر اس کے کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ شفة کنارے کو کہتے ہیں، ہونٹ کو بھی اسی لیے شفة کہا جاتا ہے کہ یہ منہ کے کنارے پر ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں کے کنارے پر کھڑے ہو گئے اور کفار کی لاشوں کو پکارنے لگے يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ وَيَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کافر لاشوں سے خطاب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوَاحَ لَهَا ؟ آپ ایسے جسموں سے بات کر رہے ہیں، جن کے اندر روح نہیں ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ جو بات میں ان کافروں سے کہہ رہا ہوں تم اسے ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، یعنی جتنا تم سن رہے ہو، اتنا ہی یہ مردہ کافر بھی سن رہے ہیں۔

مسئلہ سماع موتی

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قلیب بدر پر تشریف لائے اور انهم الآن يسمعون ما اقول لهم فرمایا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ليسمعون کا لفظ نقل کیا، لیکن جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ليسمعون کا لفظ نہیں فرمایا تھا بلکہ ليعلمون فرمایا تھا، گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع کی نفی کر رہی ہیں اور علم کو ثابت کر رہی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں، حالانکہ دونوں کو شرف صحابیت حاصل ہے، لہٰذا اگر بعد والے بھی اس مسئلہ میں اختلاف کریں تو مضائقہ نہیں، جو لوگ سماع موتی کے قائل ہیں، وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، لہٰذا ان پر ملامت کی کوئی

گنجائش نہیں اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کرتے ہیں ان پر بھی ملامت کی گنجائش نہیں، لیکن ایک بات یاد رکھئے کہ سماع موتی میں جو اختلاف ہے وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے سماع میں نہیں ہے، کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا سماع بالاتفاق اور بالاجماع مسلم ہے۔

قرآن مجید کی تین آیتیں ہیں، جنہیں منکرین سماع موتی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، وہ آیات حسب ذیل ہیں:

١ سورۃ النمل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے، وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ اور آپ بہروں کو نہیں سنا سکتے جب وہ پشت پھیر کر جا رہے ہوں، وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اور آپ اندھے لوگوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت نہیں دے سکتے، اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ آپ نہیں سنا سکتے مگر صرف ان لوگوں کو، جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں اور وہی مسلمان اور ماننے والے ہیں۔

٢ سورۃ الروم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ بعینہ وہی الفاظ ہیں، صرف یہاں شروع میں فَاِنَّكَ ہے، جبکہ وہاں فاء کے بغیر اِنَّكَ تھا۔

٣ سورۃ الفاطر کی آیات ہیں: وَ مَا يَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ اندھے اور دیکھنے والے برابر نہیں ہو سکتے وَلَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ تاریکیاں اور روشنی برابر نہیں ہوسکتیں، وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ اور سایہ اور دھوپ برابر نہیں ہو سکتے، وَ مَا يَسْتَوِی الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ زندہ لوگ اور مردہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے، اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سنا تا ہے، وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں، اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔

قائلین سماع موتی کے دلائل:

١ ایک تو وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت سے استدلال کرتے ہیں، یعنی قلیب بدر پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مُردوں سے خطاب کرنا اور ان کے سماع کی تصریح کرنا۔

٢ دوسرے وہ ان روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جن میں قبرستان میں جانے کے وقت السلام علیکم یا اھل القبور کی تصریح ہے۔

٣ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر لوگ واپس جاتے ہیں تو انھم یسمع قرع نعالھم وہ مُردہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔

④ مُردوں کے لئے علم کا ثابت ہونا تو متفق علیہ ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انهم لیعلمون فرمایا تھا، یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر کسی مُردے میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ علم رکھتا ہے تو اگر اس کے لئے سماع بھی ثابت ہو تو کیا اشکال ہے؟ علم کی صلاحیت ثابت ہونے کے بعد سماع کی صلاحیت کے ثبوت میں کیا استبعاد ہے؟

قائلین سماع موتی کی طرف سے آیت قرآنیہ کی توجیہات:

① قائلین عدم سماع موتی کی پیش کردہ آیات کے بارے میں قائلین سماع موتی کہتے ہیں کہ ان آیات میں سماع کی نفی نہیں، بلکہ اسماع کی نفی ہے اور یہ بالکل بدیہی اور ظاہر ہے کہ ان آیات میں مجرد کی بجائے باب افعال کے صیغے مذکور ہیں۔

② علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں ایسے سماع کی نفی ہے جس کے جواب میں مُردہ بھی کچھ کہے، یعنی مطلق سماع کی نفی نہیں بلکہ خاص قسم کے سماع کی نفی مراد ہے۔

③ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک توجیہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بیان فرمائی کہ ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح مُردوں کو سنایا جائے تو اس سنانے پر وہ راہ راست پر نہیں آتے اسی طریقے سے یہ کفار بھی ہدایت پر نہیں آئیں گے لہٰذا ان آیات میں سماع کی نفی نہیں بلکہ انتفاع بالسماع کی نفی ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ تین آیات ہیں، جن سے سماع موتی کا انکار کرنے والے استدلال کرتے ہیں لیکن ان آیات سے استدلال مشکل ہے، کیونکہ ان تینوں آیتوں میں دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب کافروں کو اندھوں، بہروں اور مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس تشبیہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ جس طرح مُردہ لوگوں کو سنانا نہ سنانا برابر ہے، اس سننے کے نتیجے میں وہ ہدایت قبول نہیں کریں گے، بالکل اسی طرح ان کافروں کو بھی سنانا، نہ سنانا برابر ہے، انہیں آپ کے سنانے اور ہدایت کی طرف بلانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، یہ ایمان لے کر نہیں آئیں گے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے: سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ، اس میں بھی انذار نافع کی نفی کی گئی ہے، اسی طرح آیت اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى میں جس سماع کی نفی کی گئی ہے، وہ مطلق سماع نہیں ہے بلکہ سماع نافع ہے۔ چنانچہ کافروں سے سماع کی نفی کے بعد آگے مومنوں کے لیے جو سماع ثابت کیا گیا ہے اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ اس سے بالاتفاق سماع نافع مراد ہے، لہٰذا ان آیات کا مُردوں کے حقیقی سماع کی نفی سے کوئی تعلق نہیں۔

الغرض ان آیات میں جس سماع کی نفی کی گئی ہے، وہ حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مجازی معنی میں کی گئی ہے، جس کی واضح وجہ

یہ ہے کہ اگر مطلق اور حقیقی سماع کی نفی مراد لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ جس طرح مُردوں کو اپنی آواز نہیں سنا سکتے، اسی طرح کافروں کو بھی اپنی آواز نہیں سنا سکتے، حالانکہ تقریباً سارے ہی کافروں کی آنکھیں بھی تھیں اور ان کے کان بھی تھے۔ اس کا انکار تو بداہت کا انکار ہے لیکن اس سب کے باوجود وہ سن کر بھی نہیں سنتے تھے اور دیکھ کر بھی نہیں دیکھتے تھے یعنی ان کے دیکھنے اور سننے کا انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تھا اور تمام زبانوں میں یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے کہ جو دیکھنے کے باوجود نہ سنبھلے، سننے کے باوجود کوئی اثر نہ لے، اس سے بطور مبالغہ دیکھنے اور سننے ہی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ اردو میں کہتے ہیں: تم بہرے ہو کیا؟ حالانکہ جو کہنے والا ہے، وہ بھی جانتا ہے کہ یہ بہرہ نہیں ہے لیکن پھر بھی کہتا ہے کہ کیا تم بہرے ہو سن کر بھی نہیں سنتے!؟ ارے بھائی! تم اندھے ہو؟ اسی طرح قرآن مجید نے بھی مختلف جگہوں پر یہ تعبیر استعمال کی ہے: صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ اسی طرح لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ کافر حقیقت میں نہیں دیکھتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آنکھوں سے تو دیکھتے تھے لیکن دیکھ کر بھی نہیں دیکھ پاتے تھے، کانوں سے تو سنتے تھے لیکن سن کر بھی نہیں سن پاتے تھے عقل تو موجود تھی لیکن سمجھتے نہیں۔

حاصل یہ کہ سماع موتی احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ احادیث، آیات قرآنیہ کے ہرگز منافی نہیں ہیں، کیونکہ اول تو آیت میں سماع نافع مراد ہے، سماع حقیقی مراد نہیں، اور اگر سماع حقیقی ہی فرض کر لیا جائے تو اس میں مُردے کے از اختیار خود سننے کی نفی کی گئی ہے، اللہ تعالی کی اپنی قدرت سے مُردوں کو سنانے کی نفی نہیں ہے بلکہ اس کا اثبات ہے، لہٰذا سماع موتی کا مذہب ہی راجح ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکار سماع مضر نہیں

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو سماع کا انکار کر کے علم کو ثابت کیا ہے، اس سے سماع موتی کے مسئلے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کی دو وجہ ہیں:

① ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غزوۂ بدر میں شریک ہی نہیں تھیں، جبکہ دوسری طرف جو حضرات غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہیں جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ یہ سب سماع کو ثابت کر رہے ہیں، لہٰذا ان حضرات کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع کی بجائے علم کو ثابت کر رہی ہیں، حالانکہ علم اور سماع کے درمیان منافات نہیں بلکہ سماع علم کے لیے سبب ہے اور علم مسبب ہے، جب سنتے ہیں تو علم ہوتا ہے، چنانچہ اگر سبب کا انکار کر دیا جائے مگر مسبب کو ثابت کر دیا جائے تو اس سے مسئلے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رجوع کا گمان غالب

نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سند صحیح کے ساتھ ایک روایت مروی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إنهم الان ليسمعون۔ چنانچہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شروع میں سماع موتی کا انکار کیا تھا اور آیت قرآنی کی وجہ سے ان کو شبہ پیش آیا تھا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ سماع کو ثابت کرنے والی کئی روایات ہیں اور انہیں اندازہ ہوا کہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرنے میں غلطی نہیں ہوسکتی، تو بعد میں انہوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا تھا۔

اس اجتہادی مسئلہ میں غلو درست نہیں: بہرحال یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس مسئلے کے بارے میں اختلاف پایا گیا ہے، لہٰذا جو لوگ سماع موتی کے قائل نہیں ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں، یا جو لوگ سماع موتی کے قائل ہیں ان کو اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھنا یہ غلو اور زیادتی ہے۔

علماء دیوبند کا مسلک:

انبیاء علیہم السلام کی حیات کے متعلق علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، یہ عقیدہ نہ صرف علمائے دیوبند کا ہے بلکہ تمام امت کا ہے، چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المهند على المفند میں لکھتے ہیں عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة صلی اللہ علیہ وسلم حي في قبره الشريف وحياته صلی اللہ علیہ وسلم دنيوية من غير تكليف و هي مختصة به صلی اللہ علیہ وسلم و بجميع الانبياء صلوات الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هي حاصلة لسائر المسلمين بل لجميع الناس یعنی ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات دنیا کی سی ہے، بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں اور یہ حیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء اور شہداء کے ساتھ مخصوص ہے، وہ برزخی حیات نہیں ہے، جو تمام مسلمانوں بلکہ تمام لوگوں کو حاصل ہے۔

بہرحال جہاں تک سماع موتی کا تعلق ہے تو اس میں دونوں طرف اکابر بھی ہیں اور دلائل بھی ہیں، البتہ معتدل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن مواقع میں روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے، نہ قطعی نفی کی۔

قال قتادة احياهم الله حتى اسمعهم قولهم: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے اخیر میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول منقول ہے کہ اہل قلیب کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطاب سننے کے لئے زندہ کردیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس قول سے ان لوگوں کا رد کررہے ہیں جو سماع موتی کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ

سماع موتی کے قائل تھے۔لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قتادہ سماع موتی کے قائل نہیں تھے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہم خیال تھے، اس لئے انہوں نے احیاھم اللہ کہہ کر تاویل کی، اگر قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سماع موتی کے قائل ہوتے جیسا کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا تو پھر احیاھم اللہ حتی یسمعھم کی تاویل کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی۔

حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عَطَاءٍ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللهِ كُفْرًا قَالَ هُمْ وَاللهِ كُفَّارُ قُرَيْشٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قرآن مجید کی آیت الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللهِ كُفْرًا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اس سے مراد کفار قریش ہیں

قَالَ عَمْرٌو هُمْ قُرَيْشٌ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَةُ اللهِ وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ

عمروؒ نے کہا کہ اس سے مراد قریش تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نعمت تھے اور وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ سے مراد یہ ہے کہ قریش نے اپنی قوم کو

قَالَ النَّارَ يَوْمَ بَدْرٍ

جنگ بدر کے دن دَارَ الْبَوَارِ یعنی دوزخ میں جھونک دیا

حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ

ذُكِرَ عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَفَعَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا گیا کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ ارشاد منسوب کرتے ہیں کہ

الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ فَقَالَتْ إِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ

میت کو قبر میں اس کے گھر والوں کے اس پر رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ

لَيُعَذَّبُ بِخَطِيئَتِهِ وَذَنْبِهِ وَإِنَّ أَهْلَهُ لَيَبْكُونَ عَلَيْهِ الْآنَ. قَالَتْ وَذٰلِكَ مِثْلُ قَوْلِهِ إِنَّ رَسُولَ اللهِ

میت پر عذاب اس کی بدعملیوں اور گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس کے گھر والے ہیں کہ اب اس پر رو رہے ہیں۔انہوں نے کہا کہ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْقَلِيبِ وَفِيهِ قَتْلَى بَدْرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ لَهُمْ مَا قَالَ

بدر کے اس کنویں پر کھڑے ہو کر جس میں مشرکین کی لاشیں ڈال دی گئیں تھیں ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ اسے سن رہے ہیں،

إِنَّهُمْ لَيَسْمَعُونَ مَا أَقُولُ إِنَّمَا قَالَ إِنَّهُمُ الْآنَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّ مَا كُنْتُ أَقُولُ لَهُمْ حَقٌّ ثُمَّ قَرَأَتْ

تو آپ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ اب انہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان سے میں جو کچھ کہہ رہا تھا وہ حق تھا، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ يَقُولُ حِينَ تَبَوَّءُوا مَقَاعِدَهُمْ مِنَ النَّارِ

وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ (آپ ان کو نہیں سنا سکتے) جو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا چکے ہیں

إِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ: یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ منقول ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لئے گئے اور یوں لگ رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آ گیا ہے تو حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ رو پڑے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ۔ اسی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ روایت منقول ہے۔

لیکن ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب اس روایت کے ظاہر کے خلاف ہے، وہ فرماتی ہیں کہ یہ روایت قرآن شریف کی آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی اور وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کے خلاف ہے، کیونکہ ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے کیا اور ایک انسان کا بوجھ دوسرا انسان نہیں اٹھائے گا، تو پھر گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب کیسے ہوسکتا ہے؟ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بیان کیا گیا تو فرمایا: رحم اللہ عمر و اللہ ماحدث رسول اللہ ﷺ ان اللہ لیعذب المؤمن ببکاء اھلہ علیہ ولکن رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ لیزید الکافر عذابا ببکاء اھلہ علیہ۔ یہ روایت بخاری شریف میں کتاب الجنائز میں مذکور ہے اور کتاب المغازی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا انما قال رسول اللہ ﷺ: انہ لیعذب بخطیئتہ و ذنبہ و ان اھلہ لیبکون علیہ الان تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت کو سن کر دو باتیں بیان فرمائیں۔

1. ایک یہ کہ ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ کافر کے بارے میں ہے مومن کے بارے میں نہیں، لہٰذا مومن کو بکاء اھل کی وجہ سے عذاب نہ ہوگا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کہ ایک یہودی عورت کا جنازہ لے جایا جا رہا تھا اور اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ گھر والے رو رہے ہیں اور میت کو عذاب ہو رہا ہے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ تھا کہ اس آیت کا تعلق مسلمان سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق کافر سے ہے اور اس کو جو عذاب ہو رہا تھا، وہ اس لیے نہیں تھا کہ گھر والے رو رہے ہیں بلکہ عذاب اس کے کفر اور برے اعمال کی وجہ سے ہو رہا تھا۔

2. اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میت کو اس کی غلطی اور گناہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے جو اس نے پہلے اپنی زندگی میں کئے ہیں اور اس کے گھر والے اب رو رہے ہیں۔

وجوہ تطبیق

1. علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ ببکاء اھلہ علیہ میں باء حالیہ ہے اور مطلب ہے ان المیت لیعذب فی حالۃ بکاء اھلہ علیہ یعنی یہاں گھر والے اس پر روتے ہیں اور وہاں میت کو اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا ہوتا ہے، یہ بھی مصیبت میں گرفتار اور وہ بھی مصیبت میں گرفتار۔

2. حنفیہ کا مسلک جیسا کہ درمختار میں نقل کیا گیا ہے اور اکثر شوافع کا مسلک یہ ہے کہ میت کو بکاء اھل کی وجہ سے عذاب اس وقت دیا جاتا ہے جب میت نے بکاء اھل کی وصیت ہو اور اگر اس نے وصیت نہیں کی اور گھر والے رو رہے ہیں تو ان کے رونے سے میت کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔

❸ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو یہ عذاب اس وقت دیا جاتا ہے جبکہ مرنے والے کو علم ہو کہ گھر والوں کا طریقہ اور عادت میت پر رونے کی ہے اور اس کے باوجود اس نے گھر والوں کو رونے سے نہیں روکا اور اس بات کی وصیت نہیں کی تو چونکہ اس نے اپنے گھر والوں کو نہیں روکا اس وجہ سے اس کو عذاب ہوگا۔

❹ ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ عالم برزخ کے بارے میں ہے اور قرآن شریف کی آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی عالم آخرت کے لئے ہے، لہٰذا دونوں میں تعارض نہیں ہے یہ توجیہ علامہ کرمانیؒ نے کی ہے۔

❺ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک اور توجیہ کی ہے، وہ یہ کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ڈاکے ڈالتے تھے، قتل کرتے تھے اور دیگر حرام کام کرتے تھے، ان میں سے جب کسی کا انتقال ہوتا تو اس کے گھر والے اس کی بہادری وشجاعت میں اس کے قتل، جنگوں اور لوٹ مار کا ذکر کر کے روتے تھے تو ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ گھر والے میت کے جن کارناموں کو یاد کر کے رو رہے ہیں، ان ہی کاموں کے سبب اس کو عذاب دیا جا رہا ہے۔

الغرض! یہ تمام باتیں اپنی اپنی جگہ میں ٹھیک ہیں: إن المیت لیعذب ببکاء أھلہ علیہ أی إذا کان کافرا، یا إذا أوصی، یا إذا کان معتادا عندھم فلم ینھھم، لہٰذا یہ روایت بھی اپنی جگہ درست ہے اور قرآن کریم کی آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی بھی اپنی جگہ بالکل درست ہے۔

حَدَّثَنِي عُثْمَانُ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ وَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَلِيبِ بَدْرٍ فَقَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے کنویں پر کھڑے ہو کر فرمایا

هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ثُمَّ قَالَ إِنَّهُمُ الْآنَ يَسْمَعُوْنَ مَا أَقُوْلُ لَهُمْ فَذُكِرَ لِعَائِشَةَ

"کیا جو کچھ تمہارے رب نے تمہارے لیے وعدہ کر رکھا تھا، اسے تم نے سچا پا لیا؟" پھر آپ ﷺ نے فرمایا "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ اب بھی اسے سن رہے ہیں۔" اس حدیث کا ذکر

فَقَالَتْ إِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُمُ الْآنَ لَيَعْلَمُوْنَ أَنَّ الَّذِي كُنْتُ أَقُوْلُ

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ انہوں نے اب جان لیا ہوگا کہ جو کچھ میں نے ان سے کہا تھا وہ حق تھا،

لَهُمْ هُوَ الْحَقُّ ثُمَّ قَرَأَتْ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى حَتّٰى قَرَأَتِ الْآيَةَ

اس کے بعد انہوں نے آیت إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى "بیشک آپ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے" پوری پڑھی

بَابُ فَضْلِ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا

یہ باب بدر کی لڑائی میں حاضر ہونے والوں کی فضیلت کے بیان میں ہے

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس باب سے اہل بدر کی مطلق فضیلت بیان کرنا نہیں بلکہ افضلیت کا بیان مقصود ہے یعنی یہ بیان کرنا مقصود نہیں کہ اہل بدر صاحب الفضل ہیں بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اہل بدر تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

اصحاب بدر رضی اللہ عنہم کو وہ خاص فضیلت حاصل ہے جو بعد میں آنے والوں کو حاصل نہیں، ان کا مقام باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے بلند ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم اگر چہ سارے عادل ہیں، سب کے سب ہمارے سروں کے تاج ہیں اور سارے ہی کالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم ہیں لیکن اس کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان آپس میں تفاضل ہے، جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے۔

چنانچہ یہ باب قائم کیا باب فضل من شهد بدرا کہ جو لوگ بدر میں شریک ہوئے ہیں ان کو بڑی فضیلت حاصل ہے اور ان کا مقام دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بعد میں مسلمان ہوئے یا جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے ان سے بڑھا ہوا ہے، لہٰذا آگے روایت آئے گی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ اصحاب بدر کو اپنے درمیان کیسا سمجھتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أفضل المسلمين کہ یہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اسی طرح ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جو فرشتے بدر میں شریک ہوئے تھے، وہ اُن فرشتوں سے افضل ہیں، جو بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصیت کے ساتھ یہ باب قائم کیا۔

نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اصحاب بدر قتال میں بھی شریک ہوئے ہوں، بلکہ اگر وہ اس وقت کم عمر بچے تھے اور کوئی اندھا تیر ان کو آکر لگ گیا، جس سے وہ شہید ہو گئے، تو ان کو بھی اصحاب بدر کی فضیلت حاصل ہے۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ

سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ أُصِيبَ حَارِثَةُ يَوْمَ بَدْرٍ وَهُوَ غُلَامٌ فَجَاءَتْ أُمُّهُ إِلَى النَّبِيِّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حارثہ بن سراقہ انصاری جو ابھی نوعمر لڑکے تھے، بدر کے دن تیر لگنے کی وجہ سے شہید ہو گئے تھے پھر ان کی والدہ (ربیع بنت النضر)

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ عَرَفْتَ مَنْزِلَةَ حَارِثَةَ مِنِّي فَإِنْ يَكُنْ فِي الْجَنَّةِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ مجھے حارثہ سے کتنا پیار تھا، اگر وہ اب جنت میں ہے تو میں اس پر

أَصْبِرْ وَأَحْتَسِبْ وَإِنْ تَكُ الْأُخْرَى تَرَى مَا أَصْنَعُ فَقَالَ وَيْحَكِ أَوَ هَبِلْتِ أَوَ جَنَّةٌ وَاحِدَةٌ هِيَ

صبر کروں گی اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھوں گی اور اگر کہیں دوسری جگہ ہے تو آپ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کروں گی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تم پر رحم کرے، کیا دیوانی ہو

إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ وَإِنَّهُ فِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ

کیا وہاں کوئی ایک جنت ہے؟ وہ تو بہت سی جنتیں ہیں اور تمہارا بیٹا جنت الفردوس میں ہے۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی روایت نقل کی ہے، اس کا تعلق حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ سے ہے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پھوپھی زاد بھائی تھے یعنی انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی حضرت ربیع بنت النضر رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے، یہ کم عمری کی وجہ سے غزوۂ بدر میں مقاتلین میں شامل نہیں تھے، یہ پانی لینے کے لیے یا پانی پینے کے لیے کنویں کی طرف گئے ہوئے تھے کہ ایک اجنبی تیرانہیں لگا اور شہید ہو گئے۔ تو مقاتلین میں شامل نہ ہونے کے باوجود ان کو اصحاب بدر کی فضیلت حاصل ہوئی۔

یہی حدیث کتاب الجھاد میں بھی مذکور ہے، وہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے: باب من اتاہ سھم غرب فقتلہ کہ اگر جہاد کے اندر اچانک کوئی تیر آ کر لگے اور وہ غرب یعنی اجنبی ہو، جس کے بارے میں کچھ پتا نہ ہو کہ یہ کہاں سے آیا اور کس نے مارا؟ اور وہ اجنبی تیر مسلمان کو آ کر لگا اور وہ شہید ہو گیا تو اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے، چاہے وہ مقتول بالغ ہو یا نابالغ ہو۔ جب وہ جہاد میں شامل ہو گیا اور قتل کیا گیا تو اس پر شہید کے سارے احکام دنیا کے اعتبار سے بھی اور آخرت کے اعتبار سے بھی جاری ہوں گے، جیسا کہ حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا کہ یہ حوض سے پانی پینے یا لینے کے لیے گئے تھے کہ ایک مشرک حبان بن العرقۃ نے انہیں تیر مارا، جس سے یہ شہید ہو گئے۔ اس وقت پتا نہیں چلا تھا کہ تیر کہاں سے آیا اور کس نے مارا، البتہ بعد میں یہ تحقیق سے معلوم ہو گیا تھا۔

نوحہ کی اجازت طلبی

نیز وہاں روایت میں تری ما اصنع کی بجائے صراحت کے ساتھ اجتھدت علیہ فی البکاء کے الفاظ آئے ہیں کہ حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کہا تھا کہ اگر میرا بیٹا جنت میں نہیں ہے تو میں اس پر خوب روؤں گی، یعنی نوحہ کروں گی۔ اس پر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ خاتون نوحہ کی اجازت کیسے طلب کر رہی ہیں حالانکہ نوحہ کرنا تو منع ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ابتدائے اسلام کی بات تھی، اس وقت نوحہ کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

لیکن اگر بالفرض نوحہ کی ممانعت نازل ہو چکی تھی تو پھر دوسرا جواب دیا جائے گا کہ رونا دو طرح کا ہوتا ہے، ایک رونا چیخنے چلانے کے ساتھ ہوتا ہے اور ایک رونا صرف آنسوؤں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر رونا چیخنے، چلانے کے ساتھ ہو تو وہ ناجائز ہے اور وہ نوحہ منھی عنھا میں داخل ہے، لیکن اگر چیخنا، چلانا نہ ہو، ویسے ہی آدمی کے آنسو جاری ہو جائیں تو وہ شرعاً ممنوع نہیں ہے، جیسے سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام کا گریہ معروف ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ بھی روتے ہیں؟ تو فرمایا: إن العین تدمع و القلب یحزن ہماری آنکھ سے تو آنسو جاری ہیں اور دل بھی غمگین ہے، و لا نقول إلا ما یرضی ربنا لیکن زبان سے ہم صرف وہ بات کہیں گے، جس سے ہمارا پروردگار راضی ہو۔

لہٰذا اگر آدمی کے دل میں بہت غم ہے کہ میرے فلاں عزیز کا انتقال ہوگیا، وہ ہمیں چھوڑ کر اس دنیا سے چلا گیا، ٹھیک ہے بعد میں جنت میں ملاقات ہو جائے گی لیکن وقتی طور پر تو جدائی ہوگئی، چنانچہ اس غم کی بناء پر اس کی آنکھ سے آنسو جاری ہو جائیں تو یہ شرعاً تقوی، زہد یا صبر کے خلاف نہیں ہے۔ صبر کے خلاف نوحہ ہے اور نوحہ چیخنے چلانے کو کہتے ہیں، جس میں بعض اوقات اللہ تعالیٰ سے شکایت بھی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سے حفاظت فرمائے۔ حاصل یہ کہ اگر اجتهدت عليه فى البكاء سے مراد نوحہ نہ لیا جائے بلکہ صرف آنکھوں سے رونا مراد لیا جائے تو اس میں کوئی خلاف شرع بات نہیں اور یہ آج بھی جائز ہے، جبکہ زبان کو قابو میں رکھے اور صبر جمیل کی کوشش کرتا رہے۔

حَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيْسَ قَالَ سَمِعْتُ حُصَيْنَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ

عَنْ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

ابو عبدالرحمن سلمی نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے،

وَسَلَّمَ وَ أَبَا مَرْثَدٍ وَالزُّبَيْرَ وَكُلُّنَا فَارِسٌ قَالَ انْطَلِقُوا حَتّٰى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ فَإِنَّ بِهَا امْرَأَةً

ابومرثد اور زبیر بن عوام کو ایک مہم پر بھیجا، ہم سب گھوڑوں پر سوار تھے، نبی کریم ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ تم لوگ جاؤ، جب روضہ خاخ پر پہنچو تو وہاں تمہیں مشرکین کی ایک عورت

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ مَعَهَا كِتَابٌ مِنْ حَاطِبٍ إِلَى الْمُشْرِكِيْنَ فَأَدْرَكْنَاهَا تَسِيْرُ عَلٰى بَعِيْرٍ لَّهَا حَيْثُ

ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے، جسے حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مشرکین کے نام بھیجا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے جس جگہ کا پتہ دیا تھا

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا الْكِتَابَ فَقَالَتْ مَا مَعَنَا كِتَابٌ فَأَنَخْنَاهَا

ہم نے وہیں اس عورت کو ایک اونٹ پر جاتے ہوئے پا لیا۔ ہم نے اس سے کہا کہ خط دے دو، وہ کہنے لگی کہ میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے، ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھا کر

فَالْتَمَسْنَا فَلَمْ نَرَ كِتَابًا فَقُلْنَا مَا كَذَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ

اس کی تلاشی لی تو ہمیں بھی کوئی خط نہیں ملا، تو ہم نے اس سے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی بات کبھی غلط نہیں ہو سکتی، تم خط نکالو

أَوْ لَنُجَرِّدَنَّكِ فَلَمَّا رَأَتِ الْجِدَّ أَهْوَتْ إِلٰى حُجْزَتِهَا وَ هِيَ مُحْتَجِزَةٌ بِكِسَاءٍ فَأَخْرَجَتْهُ فَانْطَلَقْنَا

ورنہ ہمیں تمہارے کپڑے اتار کر تلاشی لینی ہوگی، جب اس نے ہمارا یہ سخت رویہ دیکھا تو ازار باندھنے کی جگہ کی طرف اپنا ہاتھ لے گئی اور وہ ایک چادر میں لپٹی ہوئی تھی اور اس نے خط

بِهَا إِلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ

نکال کر ہمیں دے دیا ہم اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ اس نے (یعنی حاطبؓ نے) اللہ اور اس کے رسول

وَالْمُؤْمِنِيْنَ فَدَعْنِيْ فَلِأَضْرِبَ عُنُقَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا

اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے، آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں اس کی گردن مار دوں، تو آپ ﷺ نے حاطبؓ سے دریافت فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟

صَنَعْتَ؟ قَالَ حَاطِبٌ وَاللهِ مَا بِيْ أَنْ لَّا أَكُوْنَ مُؤْمِنًا بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ أَرَدْتُ أَنْ يَّكُوْنَ لِيْ عِنْدَ

حاطبؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم! خط لکھنے کی یہ وجہ ہرگز نہیں تھی کہ اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان باقی نہیں رہا تھا، بلکہ میرا مقصد تو صرف اتنا تھا کہ قریش پر اس طرح میرا

الْقَوْمِ يَدٌ يَدْفَعُ اللهُ بِهَا عَنْ أَهْلِيْ وَ مَالِيْ وَ لَيْسَ أَحَدٌ مِّنْ أَصْحَابِكَ إِلَّا لَهُ هُنَاكَ مِنْ عَشِيْرَتِهٖ

ایک احسان ہو جائے اور اس کی وجہ سے وہ (مکہ میں) میرے اہل وعیال اور مال کی حفاظت کریں گے، آپ کے اصحاب میں جتنے بھی حضرات (مہاجرین) ہیں ان سب کا قبیلہ

مَنْ يَّدْفَعُ اللهُ بِهٖ عَنْ أَهْلِهٖ وَ مَالِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ وَ لَا تَقُوْلُوْا لَهُ

اور خاندان وہاں موجود ہے اور اللہ ان کے ذریعے ان کے اہل و مال کی حفاظت کرتا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے سچی بات بتا دی ہے اور تم لوگ ان کے متعلق

إِلَّا خَيْرًا فَقَالَ عُمَرُ إِنَّهُ قَدْ خَانَ اللهَ وَ رَسُوْلَهُ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَدَعْنِيْ فَلِأَضْرِبَ عُنُقَهُ فَقَالَ

اچھی بات ہی کہو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔

أَلَيْسَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ لَعَلَّ اللهَ اطَّلَعَ إِلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ بدری نہیں ہے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے حالات کو پہلے ہی سے جانتا تھا اور وہ خود فرما چکا ہے کہ تم جو چاہو کرو، تمہیں جنت ملے

لَكُمُ الْجَنَّةُ أَوْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ فَدَمَعَتْ عَيْنَا عُمَرَ وَ قَالَ اللهُ وَ رَسُوْلُهُ أَعْلَمُ

گی (یا فرمایا) میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔

اس روایت میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے اہل مکہ کے نام خط ارسال کرنے کا واقعہ مذکور ہے، حدیبیہ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین مکہ کے ساتھ دس سال کے لئے صلح کی تھی، لیکن ابھی اس صلح کے دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ مشرکین نے اس صلح کی خلاف ورزی کی جس کی تفصیل مستقل باب میں آجائے گی۔ اہل مکہ نے تجدید صلح کی کوشش کی لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خفیہ طور پر مکہ پر لشکر کشی کی تیاری شروع کردی، تیاری کا سلسلہ چل رہا تھا اور اس کو اخفاء میں رکھا جا رہا تھا۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور اسی مناسبت سے امام بخاریؒ نے یہ حدیث یہاں ذکر فرمائی ہے، انہوں نے مشرکین کے نام ایک خط لکھا، اس خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لشکر جرار لے کر آرہے ہیں، جس کے غبار سے اتنا اندھیرا چھا جائے گا جیسا کہ رات کا اندھیرا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں گے تو اللہ ان کی مدد فرمائیں گے اور ان کو کامیابی عطا فرمائیں گے، لہٰذا تم اپنا انتظام کرلو، اس خط میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جس سے مسلمانوں کو خدشہ ہو بلکہ خط کا مضمون مشرکین مکہ کو مرعوب کرنے کے لئے ایک اچھا ذریعہ تھا لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز افشاء ہوا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی اطلاع ہوگئی اور خط مکہ نہ پہنچ سکا۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ یمن کے رہنے والے تھے اور وہاں سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ آئے تھے اور قریش میں رہنے لگے تھے۔ چنانچہ وہاں ان کا کوئی قبیلہ اور رشتے دار نہیں تھا، جو ان کے پیچھے ان کے بیوی، بچوں کی حفاظت کرتے۔ جبکہ اکثر مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خاندان اور قبیلہ مکہ میں موجود تھا، تو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جب فتح مکہ کے لیے ہم مسلمانوں کا لشکر مکہ میں داخل ہوگا تو اور لوگوں کے گھر تو محفوظ رہیں گے لیکن میرا گھر ضرور مارا جائے گا، کیونکہ مشرکین کو سب سے کمزور گھر یہی نظر آئے گا، لہٰذا وہ سارا زور اسی پر نکال دیں گے۔ یہ سوچ کر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مشرکین کی طرف وہ خط لکھ دیا، تاکہ قریش پر ان کا احسان ہو جائے اور وہ ان کے گھر والوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے اطلاع ہوئی اور وہ خط راستے ہی میں پکڑا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ؟ یہ جو تم نے کیا، اس کی

وجہ کیا ہے؟ تو انہوں نے یہی عذر آپ ﷺ کے سامنے بھی بیان کیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کے عذر کو قبول کر لیا اور فرمایا کہ صَدَقَ حاطب نے سچ کہا ہے، وَلَا تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا اب تم اس کو سوائے خیر کے کوئی اور بات نہ کہنا، یعنی ایسا نہیں ہے کہ نعوذ باللہ! انہوں نے اسلام چھوڑ دیا ہے یا انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی ہے ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی الزام بظاہر پورا ثابت ہو رہا ہو، تب بھی ملزم کو صفائی کا پورا موقع دینا شرعاً، اخلاقاً اور قانوناً ضروری ہے، اس لیے قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ فریق مخالف کی بات سنے بغیر صرف ایک آدمی کی بات سن کر فیصلہ کر دے۔ یہاں دیکھنے میں اگرچہ حکم ثابت ہو گیا تھا بلکہ وحی سے ثابت ہو گیا تھا، وحی کے ذریعے خط اور عورت کی اطلاع ملی تھی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس عورت کو پکڑ لیا تھا، سارے ثبوت موجود تھے لیکن صفائی کا موقع دیا گیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے جرم ثابت ہو جانے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات کی طرف کہ میں اس کی گردن مارتا ہوں، کوئی توجہ نہیں کی بلکہ نبی کریم ﷺ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے پوچھا کہ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ؟ یہ جو تم نے کیا، اس کی وجہ کیا ہے؟

وَهِيَ مُحْتَجِزَةٌ بِكِسَاءٍ: یہاں روایت میں ہے کہ اس عورت نے معقد ازار پر چادر باندھ رکھی تھی چنانچہ اس نے وہاں سے خط نکالا۔ جبکہ فتح مکہ کے ذیل میں مذکور روایت میں ہے فاخرجته من عقاصها اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بالوں کے جوڑے سے خط نکالا تھا۔ اس تعارض کو دور کرنے کے لئے مختلف توجیہات کی گئیں ہیں۔

1. ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ شروع میں خط و قاص شعر (بالوں کے جوڑے) میں تھا، بعد میں وہاں سے منتقل کر کے معقد ازار میں رکھ لیا تھا۔
2. دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ممکن ہے اس کے پاس دو خط ہوں ایک و قاص شعر میں اور ایک معقد ازار میں۔
3. تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ حجزۃ کے معنی مطلقاً معقد کے ہیں خواہ بالوں کا معقد ہو یا ازار کا معقد۔
4. اور ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ دراصل اس عورت کے بال بہت لمبے تھے تو اس عورت نے اولاً خط بٹے ہوئے بالوں میں رکھا اور بالوں کے اس حصے کو جس میں خط تھا معقد ازار میں چھپا دیا تو خط بالوں کے جوڑے سے بھی برآمد ہوا اور معقد ازار سے بھی۔

اشکال: یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمائی اور فرمایا کہ وَلَا تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا تو اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خائن کہا اور ان کی گردن مارنے کی اجازت مانگی، اس کی کیا وجہ ہوئی؟ اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

❶ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفر ونفاق کے بارے میں سخت تھے اور بہت سختی کا رویہ رکھتے تھے ان کا خیال تھا کہ یہ شخص زبان سے اسلام کا تو اظہار کر رہا ہے لیکن اس کے دل میں کفار کے ساتھ تعلق اور محبت موجود ہے، تب ہی اس نے خط لکھا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو خائن کہا۔

❷ شیخ ابوالحسن سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں ایک اور جواب دیا ہے، وہ یہ کہ اصل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ کفر و نفاق کے معاملہ میں شدید تھے، لہٰذا وہ مغلوب الحال ہو گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول وَلَا تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا ان کی سمجھ میں نہیں آیا تو غلبہ حال کی وجہ سے انہوں نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو خائن اور منافق کہا۔

❸ ایک اور جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ محسوس کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی تالیف قلب فرما رہے ہیں اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفر ونفاق کے بارے میں بہت سخت تھے اس لئے ان کی اپنی رائے یہ تھی کہ یہ تالیف قلب کے مستحق نہیں بلکہ تادیب کے مستحق ہیں، اپنی اس رائے کی وجہ سے انہوں نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو خائن اور منافق کہا۔

❹ **حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تسلی بخش جواب:** حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات نے لکھا ہے کہ دراصل پہلے جملے اور دوسرے جملے میں فرق ہے۔ جب پہلی مرتبہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنین سے خیانت کی ہے تو ان کا مقصد یہ تھا ہے کہ اس نے ایمان چھوڑ دیا ہے اور یہ کافروں کے ساتھ مل گیا ہے، یہ مومن نہیں ہے، لہٰذا آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مارتا ہوں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے عذر معلوم کیا تو فرمایا کہ حاطب نے سچ کہا ہے، اب ان کے لیے خیر کے سوا کوئی بات مت کہو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطمینان تو ہو گیا کہ یہ کافر نہیں ہے بلکہ مومن ہی ہے لیکن اگلی مرتبہ جو انہوں نے کہا کہ إِنَّهُ قَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ تو اس کا مقصد یہ تھا کہ ٹھیک ہے، یہ مسلمان ہیں، ہم ان کے اسلام پر اعتراض نہیں کرتے لیکن مسلمان ہونے کے باوجود انہوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے اور جاسوسی کے جرم کا ارتکاب کیا ہے، اور جاسوس کی سزا قتل ہو سکتی ہے، لہٰذا یا رسول اللہ! آپ مجھے اجازت دیجیے، میں اس کی گردن ماردوں۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجہاد میں بھی یہ روایت ذکر کی ہے اور وہاں باب قائم کیا ہے: باب الجاسوس کہ اگر کوئی کافروں کو مسلمانوں کے اہم راز کی مخبری کر دے تو اس جاسوس کا کیا حکم ہے؟ اور وہاں یہ حدیث ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جاسوس کی سزا قتل بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ جو یہ جملہ کہا تو اس سے خیانت ایمانی مراد نہیں تھی بلکہ خیانت عملی مراد تھی کہ انہوں نے جاسوسی کی ہے اور جاسوس کو قتل تک کی سزا بھی دی جا سکتی ہے، اس لیے آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار دیتا ہوں۔

الغرض حد کا تو حکم یہ ہے کہ اس میں کسی حال میں کوئی کمی یا زیادتی کی گنجائش نہیں ہوسکتی: و الله لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها لیکن تعزیر کا حکم اس سے مختلف ہے۔ تعزیر میں حاکم کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ بڑی سے بڑی سزا دے دے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص ہو، جس کا عذر معقول ہو اور اس نے پچھلی زندگی میں دین کی اور مسلمانوں کی بڑی خدمت کی ہو، اس سے اگر تعزیر کے درجے کی کوئی غلطی ہو جائے تو حاکم اپنی صوابدید کی بناء پر اس کی سزا معاف کرسکتا ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دوسری مرتبہ کی بات بھی قبول نہیں کی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ أَلَيْسَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ اہل بدر میں سے ہے؟ اشارہ کر دیا کہ جو سزا تم جاری کرنا چاہتے ہو، وہ حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے، حدود میں معافی نہیں لیکن تعزیرات کے اندر حاکم کو اختیار ہوتا ہے کہ اگر اس کی پرانی دینی وملی خدمات کی بناء پر اس کا جرم معاف کرنا چاہے تو ایسا کرسکتا ہے۔

فَقَالَ لَعَلَّ اللهَ اطَّلَعَ إِلَى أَهْلِ بَدْرٍ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ امید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر پر مطلع ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا ہے اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اے اہل بدر اتم جو چاہے کرو فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ تمہارے لیے جنت واجب ہوگئی ہے، یا یہ فرمایا: فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو تکالیف شرعیہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے؟ إِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ اس روایت کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے حالانکہ اہل بدر تکالیف شرعیہ سے مستثنیٰ نہیں تھے۔

❶ اس کا ایک جواب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے شراح نے یہ دیا ہے کہ إِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ کا تعلق ذنوب ماضیہ سے ہے کہ اہل بدر سے ماضی میں جو گناہ ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کا اعلان کر دیا۔ لیکن یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بدر کے چھ سال بعد کا ہے اور اس موقع پر آپ ﷺ فرمارہے ہیں: لَعَلَّ اللهَ اطَّلَعَ إِلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ إِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا تعلق امور مستقبلہ سے ہے، رہی یہ بات کہ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ ماضی کا صیغہ کیوں استعمال کیا تو اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ ماضی کا صیغہ تحقق اور تیقن کے لئے استعمال کیا گیا ہے کہ جو گناہ مستقبل میں ہوں گے وہ یقیناً بخش دیئے جائیں گے اور یہ مغفرت بالکل قطعی اور یقینی ہے جیسا کہ ماضی قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔

❷ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ خطاب تشریف اور تکریم کے لئے ہے، دفع تکلیف اس سے مراد نہیں، مقصود یہ ہے کہ اللہ نے اہل بدر کے ذنوب ماضیہ تو معاف کر ہی دیئے ہیں اور مستقبل میں صادر ہونے والے گناہوں کے بارے میں اہل بدر میں اللہ نے ایسی صلاحیت پیدا فرمادی ہے اور ان کا ایمان ایسا مضبوط اور قوی فرمادیا ہے کہ اگر بتقاضائے

بشریت ان سے آئندہ کوئی گناہ سرزرد ہوگا تو وہ فوراً توبہ اور اللہ کی طرف رجوع کر کے استغفار سے اس کا تدارک کردیں گے تو یہ خطاب تشریف اور تکریم کے لئے ہے، اہل بدر کو تکالیف شرعیہ سے مستثنیٰ قرار دینا مقصود نہیں۔

۳ بعض حضرات نے کہا کہ اس میں اہل بدر کو عدم وقوع ذنوب کی بشارت دی گئی ہے کہ بدریین سے آئندہ گناہ صادر نہیں ہوں گے لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ بدری صحابہ میں ایسے حضرات بھی ہیں کہ ان سے بدر کے بعد گناہ صادر ہوا۔ حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان سے شرب خمر کا گناہ صادر ہوا چنانچہ ان پر حد جاری کی گئی اس لئے یہ بات محل نظر ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ** کا تعلق فضائل اور مندوبات سے ہے، فرائض اور واجبات سے اس کا تعلق نہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اہل بدر کو فضائل اور مندوبات کا اہتمام کئے بغیر وہ مقام عطا فرمایا جو اہل فضائل کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم

یہ بات ذہن میں رہے کہ اہل بدر کے لئے جو بشارت بیان کی گئی ہے اس کا تعلق احکام آخرت سے ہے، احکام دنیا سے اس کا تعلق نہیں، دنیا میں اگر کسی بدری صحابی سے کوئی غلطی ہوگئی تو دنیوی احکام ان پر بھی جاری ہوں گے۔

فَدَمَعَتْ عَيْنَا عُمَرَ: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے کہ یہ تو اصحاب بدر میں سے ہیں اس لئے مجھے ان کے حق میں اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا۔ یہ حضرات حق کو قبول کرنے والے تھے، آگے ایک روایت آئے گی: **كان وقافا عند كتاب الله** جب بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے کتاب اللہ کی کوئی آیت پڑھی جاتی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ٹھہر جاتے (رک جاتے) تھے اور گردن جھکا لیتے تھے۔ یہ لوگ ضدی نہیں تھے۔ اب تو لوگوں کی طبیعت میں ضد ہوتی ہے، جو دماغ میں آگیا، آگیا، پھر وہ ضد ان کے دماغ سے نکلتی ہی نہیں ہے، چاہے انہیں کتنا ہی قرآن وسنت کے دلائل دے دو، وہ انہیں سمجھ نہیں آتے، اڑ جاتے ہیں، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے نہیں تھے، چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب حق بات کھل کر آگئی، تو سر جھکا لیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور فرمایا: **اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ.**

بَابٌ

یہ باب ترجمہ کے بغیر ہے اور **فیما یتعلق ببدر** کے معنی میں ہے، بدر کے متعلق اس میں روایات ذکر کی جائیں گی۔

حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْغَسِيلِ

عَنْ حَمْزَةَ بْنِ أَبِيْ أُسَيْدٍ وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْمُنْذِرِ بْنِ أَبِيْ أُسَيْدٍ عَنْ أَبِيْ أُسَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ

حمزہ بن ابو اسید اور زبیر بن منذر بن ابو اسید حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر

لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ إِذَا أَكْثَبُوكُمْ فَارْمُوهُمْ وَاسْتَبْقُوا نَبْلَكُمْ.

کے موقع پر ہمیں ہدایت فرمائی تھی کہ جب کفار تمہارے قریب آ جائیں تو ان پر تیر چلانا اور (جب تک وہ دور رہیں) اپنے تیروں کو بچائے رکھنا۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْغَسِيلِ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ وَالْمُنْذِرِ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ

حمزہ بن ابو اسید اور منذر بن ابو اسید حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہدایت کی تھی کہ جب کفار

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ إِذَا أَكْثَبُوكُمْ يَعْنِي كَثَرُوكُمْ فَارْمُوهُمْ وَاسْتَبْقُوا نَبْلَكُمْ

تمہارے قریب آ جائیں یعنی حملہ و ہجوم کریں (یہاں تک کہ تمہارے نشانے کی زد میں آ جائیں) تو پھر ان پر تیر برسانے شروع کرنا اور اپنے تیر کو محفوظ رکھنا۔

عبد الرحمن بن الغسیل: ان کے والد کا نام غسیل نہیں ہے بلکہ سلیمان ہے، ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: عبدالرحمن بن سلیمان بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن حنظلۃ الغسیل، غسیل حنظلہ کی صفت ہے، چونکہ عبدالرحمن ان کی اولاد میں سے ہیں اس لئے ان کو ابن الغسیل کہا جاتا تھا، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں جنابت کی حالت میں شہید ہوئے تھے، جب مقتولین اُحد میں ان کی لاش ملی تو ان کے سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ نے ان کو غسل دیا ہے، اس وجہ سے ان کو غسیل الملائکۃ کا لقب دیا گیا۔

نبل بمعنی سہام (تیر) ہے اور یہ جمع ہے، اس کا واحد نہیں آتا یعنی ایک تیر کو نبل نہیں کہتے بلکہ سہم کہتے ہیں، دوسری روایت میں جو اکثروکم ہے، اس کے متعلق عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض راویوں نے اکثبوکم کی تفسیر کی ہے مگر یہ تفسیر لغوی معنی سے بہت بعید ہے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ھذا تفسیر لا یعرفہ اھل اللغۃ۔

ابو اسید: یہ صحابی ہیں ان کا نام مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ہے، انصار کے قبیلہ خزرج سے ان کا تعلق ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یوم بدر میں فرمایا: اذا اکثبوا فارموھم اس کے معنی ہیں اذا قربوا منکم فامکنوکم من انفسھم فارموھم یعنی جب وہ کفار تمہارے قریب آ جائیں اور اپنے نفوس پر تمہیں قدرت دے دیں تب تم ان کے اوپر تیر پھینکو کیونکہ اگر دشمن دور ہو اور تیر اندازی ہوتی رہے تو تیر ضائع ہوں گے اور دشمن کا نقصان کچھ نہ ہوگا۔ واستبقوا نبلکم (اپنے تیروں کو بچا کر رکھو) ظاہر ہے کہ دشمن ابھی دور ہے اور تیر چلا دیا اور وہ ابھی تک تیر کی زد میں نہیں آیا تھا، تو اس سے تیر ضائع ہوں گے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہدایت کی کہ جب تک دشمن تمہارے نشانے پر نہ آ جائے، اس وقت تک تم ان پر تیر مت چلانا، البتہ جب وہ تمہارے قریب اور تمہارے اسلحے کی زد میں آ جائے تو فارموھم پھر تم ان پر تیر چلانا۔

پہلی روایت میں عبدالرحمن بن الغسیل رحمۃ اللہ علیہ کے دو استاذ ہیں، ایک حمزہ بن ابی اسید رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے زبیر بن المنذر بن ابی اسید رحمۃ اللہ علیہ، جبکہ دوسری روایت میں عبدالرحمن بن الغسیل رحمۃ اللہ علیہ کے دو استاذوں میں سے ایک تو وہی حمزہ بن ابی

اسید رحمۃ اللہ علیہ ہیں لیکن دوسرے استاذ زبیر بن المنذر بن ابی اسید رحمۃ اللہ علیہ نہیں بلکہ منذر بن ابی اسید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ

جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الرُّمَاةِ يَوْمَ أُحُدٍ عَبْدَ اللهِ بْنَ جُبَيْرٍ فَأَصَابُوا مِنَّا
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کی لڑائی میں تیر اندازوں پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا تھا اس لڑائی میں ہمارے

سَبْعِينَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ أَصَابَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ بَدْرٍ أَرْبَعِينَ
ستر آدمی شہید ہوئے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بدر کی لڑائی میں ایک سو چالیس مشرکین کو نقصان پہنچا تھا، ستر ان میں سے

وَ مِائَةً سَبْعِينَ أَسِيرًا وَسَبْعِينَ قَتِيلًا قَالَ أَبُو سُفْيَانَ يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ وَ الْحَرْبُ سِجَالٌ
قتل کر دیئے گئے اور ستر قیدی بنا کر لائے گئے اس پر ابوسفیان نے کہا کہ آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور لڑائی کی مثال ڈول کی سی ہے۔

یہ روایت دراصل غزوۂ اُحد سے متعلق ہے اور وہاں ان شاء اللہ تفصیل سے آئے گی۔ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اُس روایت کا کچھ حصہ ادنیٰ مناسبت کے ساتھ نقل کیا ہے، کیونکہ اس میں غزوۂ بدر میں مقتول ہونے والے کفار اور قیدیوں کی تعداد کا ذکر ہے۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَإِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللهُ
حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیر و بھلائی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں

بِهِ مِنَ الْخَيْرِ بَعْدُ وَ ثَوَابُ الصِّدْقِ الَّذِي أَتَانَا بَعْدَ يَوْمِ بَدْرٍ
اُحد کی لڑائی کے بعد عطا فرمائی اور خلوص عمل کا ثواب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بدر کی لڑائی کے بعد عطا فرمایا۔

أُراه یہ یا تو ابو بردہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً نقل کی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ابو بردہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نہ ہو بلکہ نیچے کے کسی راوی کا قول ہو۔

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب علامات النبوۃ میں تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور آگے غزوۂ اُحد میں بھی آئے گی یہاں اس حدیث کا ایک جزو نقل کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار کو حرکت دی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوبارہ حرکت دی تو وہ پہلے سے بھی زیادہ اچھی صورت میں ہوگئی، یہاں جو جزو نقل کیا گیا ہے **وَإِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللهُ بِهِ مِنَ الْخَيْرِ بَعْدُ** اس کا ترجمہ ہے، **"اور خیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ بعد میں خیر لے کر آئے"۔**

اس خیر سے کیا مراد ہے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں:

1. بعض حضرات نے کہا اس خیر سے مراد شہداءِ اُحد کی شہادت ہے، چونکہ شہادت مومن کے لئے تحفہ ہے اس لئے شہادت کو ان کے لئے خیر قرار دیا گیا۔

❷ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمانوں کی وہ ثابت قدمی اور فتوحات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ اُحد کے بعد ان کو عطا فرمائیں۔

❸ بعض حضرات نے کہا اس خیر سے بدر میں مسلمانوں کی کامیابی مراد ہے۔

وَ ثَوَابُ الصِّدْقِ الَّذِيْ آتَانَا بَعْدَ يَوْمِ بَدْرٍ

❶ بعض حضرات نے اس کا ترجمہ کیا ہے صحیح اور درست اعمال کا ثواب۔

❷ اور بعض نے کہا کہ اس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے، اس کے معنی الثواب الصالح، الثواب المرضی اور الثواب الجید کے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دو معنی بیان کئے ہیں:

❶ ایک یہ کہ "بعد" مبنی علی الضم اور مبدل منه ہے اور یوم بدر اس سے بدل ہے، بعد جب بغیر اضافت کے ہوتا ہے تو مبنی علی الضم ہوتا ہے اس صورت میں مطلب ہوگا کہ بہترین ثواب اور بدلہ وہ ہے جو اللہ نے یوم بدر میں مسلمانوں کو عطا کیا جس کی وجہ سے ان کو مقام تشریف وتکریم حاصل ہوا۔

❷ اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری توجیہ یہ کی ہے کہ "بعد" مضاف اور "یوم بدر" مضاف الیه ہے اور مطلب ہے کہ بہترین بدلہ اور ثواب وہ ہے جو اللہ نے ہمیں یوم بدر کے بعد عطا فرمایا، لیکن اب اشکال یہ ہوسکتا ہے کہ یوم بدر کے بعد تو غزوۂ اُحد پیش آیا اور اس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی، اس لئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یوم بدر سے اس صورت میں بدر صغریٰ مراد ہوگا، واقعہ بدر صغریٰ سن ۴ ہجری میں پیش آیا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ اُحد سے جاتے ہوئے ابوسفیان نے کہا تھا کہ اگلے سال بدر کے مقام پر مقابلہ ہوگا، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئندہ سال پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر مقام بدر کی طرف تشریف لے گئے لیکن ابوسفیان کو مقابلہ میں آنے کی ہمت اور جرأت نہیں ہوئی۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ اللہ نے بدر صغریٰ کے بعد مسلمانوں کو جو انعامات اور فتوحات عطا فرمائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے بہترین اور سچا بدلہ ہے۔

حَدَّثَنِيْ يَعْقُوْبُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ

قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ إِنِّيْ لَفِي الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ إِذِ الْتَفَتُّ فَإِذَا عَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ يَسَارِيْ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کے موقع پر میں صف میں کھڑا ہوا تھا، میں نے مڑ کے دیکھا تو میرے دائیں اور بائیں دو نوجوان کھڑے تھے،

فَتَيَانِ حَدِيْثَا السِّنِّ فَكَأَنِّيْ لَمْ آمَنْ بِمَكَانِهِمَا إِذْ قَالَ لِيْ أَحَدُهُمَا سِرًّا مِّنْ صَاحِبِهِ يَا عَمِّ أَرِنِيْ

تو گویا میں نے اپنے آپ کو ان دونوں کے درمیان غیر محفوظ سمجھا کہ اچانک ایک نے مجھ سے چپکے سے پوچھا تا کہ اس کا ساتھی سننے نہ پائے، چچا! مجھے دکھا دیں کہ ابوجہل کون ہے۔

أَبَا جَهْلٍ فَقُلْتُ يَا ابْنَ أَخِي وَمَا تَصْنَعُ بِهِ قَالَ عَاهَدْتُ اللّٰهَ إِنْ رَأَيْتُهُ أَنْ أَقْتُلَهُ أَوْ أَمُوتَ دُونَهُ
میں نے کہا بھتیجے! تم اس کا کیا کرو گے؟ اس نے کہا، میں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ عہد کیا ہے کہ اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو یا اسے قتل کر دوں گا یا پھر خود اپنی جان دے دوں گا۔

فَقَالَ لِي الْآخَرُ سِرًّا مِنْ صَاحِبِهِ مِثْلَهُ قَالَ فَمَا سَرَّنِي أَنِّي بَيْنَ رَجُلَيْنِ مَكَانَهُمَا فَأَشَرْتُ لَهُمَا
دوسرے نے بھی اپنے ساتھی سے چھپاتے ہوئے مجھ سے یہی بات پوچھی، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات خوش نہ کرتی کہ ان کے بدلے میں دو مردوں کے درمیان ہوتا، میں نے

إِلَيْهِ فَشَدَّا عَلَيْهِ مِثْلَ الصَّقْرَيْنِ حَتّٰى ضَرَبَاهُ وَهُمَا ابْنَا عَفْرَاءَ
اشارے سے انہیں ابوجہل دکھا دیا، جسے دیکھتے ہی وہ دونوں باز کی طرح اس پر جھپٹے اور فوراً ہی اسے مار گرایا، یہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے۔

یہ سند مسلسل بالآباء ہے، اس میں ہر راوی اپنے والد سے روایت کر رہا ہے، اور روایت میں جو واقعہ بیان کیا جا رہا ہے اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ أَسِيدِ بْنِ جَارِيَةَ الثَّقَفِيُّ حَلِيفُ بَنِي زُهْرَةَ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي هُرَيْرَةَ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَةً عَيْنًا
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دس صحابہ کو بطور جاسوس بھیجا

وَ أَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَاصِمَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ جَدَّ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ حَتّٰى إِذَا كَانُوا
اور ان کا امیر حضرت عاصم بن ثابت انصاری ؓ کو بنایا جو عاصم بن عمر بن خطاب ؓ کے نانا ہوتے ہیں۔ جب یہ لوگ

بِالْهَدَّةِ بَيْنَ عُسْفَانَ وَمَكَّةَ ذُكِرُوا لِحَيٍّ مِنْ هُذَيْلٍ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو لِحْيَانَ فَنَفَرُوا لَهُمْ بِقَرِيبٍ
عسفان اور مکہ کے درمیان مقام ہدہ پر پہنچے تو بنی ہذیل کے ایک قبیلہ کو ان کے آنے کی اطلاع مل گئی، اس قبیلہ کا نام بنی لحیان تھا، اس کے سو تیرانداز

مِنْ مِائَةِ رَجُلٍ رَامٍ فَاقْتَصُّوا آثَارَهُمْ حَتّٰى وَجَدُوا مَأْكَلَهُمُ التَّمْرَ فِي مَنْزِلٍ نَزَلُوهُ فَقَالُوا تَمْرُ
ان صحابہؓ کی تلاش میں نکلے اور ان کے نشان قدم کے اندازے پر چلنے لگے۔ آخر اس جگہ پہنچ گئے جہاں بیٹھ کر ان صحابہؓ نے کھجوریں کھائی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ یثرب (مدینہ)

يَثْرِبَ فَاتَّبَعُوا آثَارَهُمْ فَلَمَّا حَسَّ بِهِمْ عَاصِمٌ وَأَصْحَابُهُ لَجَئُوا إِلَى مَوْضِعٍ فَأَحَاطَ بِهِمُ
کی کھجور (کی گٹھلیاں) ہیں۔ اب وہ ان کے نشان قدم کے پیچھے چلنے لگے۔ جب عاصم بن ثابتؓ اور ان کے ساتھیوں نے ان کے آنے کو محسوس کر لیا تو ایک جگہ پناہ لی، قبیلہ والوں

الْقَوْمُ فَقَالُوا لَهُمُ انْزِلُوا فَأَعْطُوا بِأَيْدِيكُمْ وَلَكُمُ الْعَهْدُ وَالْمِيثَاقُ أَنْ لَا نَقْتُلَ مِنْكُمْ أَحَدًا
نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا اور کہا کہ نیچے اتر آؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو تو ہمارا تم سے وعدہ ہے کہ تمہارے کسی آدمی کو بھی قتل نہیں کریں گے۔

فَقَالَ عَاصِمُ بْنُ ثَابِتٍ أَيُّهَا الْقَوْمُ أَمَّا أَنَا فَلَا أَنْزِلُ فِي ذِمَّةِ كَافِرٍ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ أَخْبِرْ عَنَّا
حضرت عاصم بن ثابت ؓ نے کہا کہ مسلمانو! میں کسی کافر کی پناہ میں نہیں اتر سکتا۔ پھر انہوں نے دعا کی، اے اللہ! ہمارے حالات کی خبر

نَبِيَّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَمَوْهُمْ بِالنَّبْلِ فَقَتَلُوا عَاصِمًا وَنَزَلَ إِلَيْهِمْ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ عَلَى
اپنے نبی کو کر دے۔ آخر قبیلہ والوں نے مسلمانوں پر تیر برسائے اور حضرت عاصم ؓ کو شہید کر دیا۔ بعد میں ان کے وعدہ پر تین صحابہ

الْعَهْدِ وَالْمِيثَاقِ مِنْهُمْ خُبَيْبٌ وَزَيْدُ بْنُ الدَّثِنَةِ وَرَجُلٌ آخَرُ فَلَمَّا اسْتَمْكَنُوا مِنْهُمْ أَطْلَقُوا
اتر آئے۔ یہ حضرات حضرت خبیب، حضرت زید بن دثنہ اور ایک تیسرے صحابی تھے (رضی اللہ عنہم)۔ قبیلہ والوں نے جب ان تینوں صحابیوں پر قابو پا لیا تو ان کی کمان کی تانت

أَوْتَارَ قِسِيِّهِمْ فَرَبَطُوهُمْ بِهَا قَالَ الرَّجُلُ الثَّالِثُ هَذَا أَوَّلُ الْغَدْرِ وَاللّٰهِ لَا أَصْحَبُكُمْ إِنَّ لِي
نکال کر اسی سے انہیں باندھ دیا۔ تیسرے صحابی نے کہا، یہ تمہاری پہلی دغا بازی ہے میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ میرے لیے تو انہیں کی زندگی نمونہ ہے

بِهٰؤُلَاءِ أُسْوَةً يُرِيْدُ الْقَتْلٰى فَجَرَّرُوْهُ وَ عَالَجُوْهُ فَأَبٰى أَنْ يَّصْحَبَهُمْ فَانْطُلِقَ بِخُبَيْبٍ وَزَيْدِ بْنِ

(یعنی شہید ہونے والوں کی)۔کفار نے انہیں گھسیٹنا شروع کیا اور زبردستی کی لیکن وہ کسی طرح ان کے ساتھ جانے پر تیار نہ ہوئے۔تو وہ خبیب اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو ساتھ

الدَّثِنَةِ حَتّٰى بَاعُوْهُمَا بَعْدَ وَقْعَةِ بَدْرٍ فَابْتَاعَ بَنُو الْحَارِثِ بْنِ عَامِرِ بْنِ نَوْفَلٍ خُبَيْبًا

لے گئے اور (مکہ میں) انہیں بیچ دیا۔ یہ بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔ حارث بن عامر بن نوفل کے لڑکوں نے خبیب رضی اللہ عنہ کو خرید لیا۔

وَكَانَ خُبَيْبٌ هُوَ قَتَلَ الْحَارِثَ بْنَ عَامِرٍ يَوْمَ بَدْرٍ فَلَبِثَ خُبَيْبٌ عِنْدَهُمْ أَسِيْرًا حَتّٰى

حضرت خبیبؓ نے ہی بدر کی لڑائی میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ کچھ دنوں تک تو خبیب ان کے یہاں قید رہے

أَجْمَعُوْا قَتْلَهُ فَاسْتَعَارَ مِنْ بَعْضِ بَنَاتِ الْحَارِثِ مُوْسٰى يَّسْتَحِدُّ بِهَا فَأَعَارَتْهُ فَدَرَجَ بُنَيٌّ لَّهَا

بالآخر انہوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا۔انہیں دنوں حارث کی کسی لڑکی سے انہوں نے بال صاف کرنے کے لیے استرہ مانگا اس نے دے دیا اس وقت اس کا ایک چھوٹا سا بچہ ان کے

وَهِيَ غَافِلَةٌ حَتّٰى أَتَاهُ فَوَجَدَتْهُ مُجْلِسَهُ عَلٰى فَخِذِهِ وَالْمُوْسٰى بِيَدِهِ قَالَتْ فَفَزِعْتُ فَزْعَةً عَرَفَهَا

پاس اس کی بے خبری میں چلا گیا پھر جب وہ ان کی طرف آئی تو دیکھا کہ بچہ ان کی ران پر بیٹھا ہوا ہے اور استرہ ان کے ہاتھ میں ہے یہ دیکھتے ہی وہ اس درجہ گھبرا گئی کہ

خُبَيْبٌ فَقَالَ أَ تَخْشَيْنَ أَنْ أَقْتُلَهُ مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ ذٰلِكَ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ أَسِيْرًا خَيْرًا

خبیبؓ نے اس کی گھبراہٹ کو دیکھ لیا اور بولے، کیا تمہیں اس کا خوف ہے کہ میں اس بچے کو قتل کر دوں گا؟ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ وہ کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے کوئی قیدی

مِّنْ خُبَيْبٍ وَاللّٰهِ لَقَدْ وَجَدْتُّهُ يَوْمًا يَأْكُلُ قِطْفًا مِنْ عِنَبٍ فِيْ يَدِهِ وَإِنَّهُ لَمُوْثَقٌ بِالْحَدِيْدِ

خبیب سے بہتر نہیں دیکھا۔اللہ کی قسم! میں نے ایک دن انگور کے ایک خوشہ سے انہیں انگور کھاتے دیکھا جو ان کے ہاتھ میں تھا حالانکہ وہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے

وَمَا بِمَكَّةَ مِنْ ثَمَرَةٍ وَكَانَتْ تَقُوْلُ إِنَّهُ لَرِزْقٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ خُبَيْبًا فَلَمَّا خَرَجُوْا بِهِ مِنَ الْحَرَمِ

اور مکہ میں اس وقت کوئی پھل بھی نہیں تھا۔وہ بیان کرتی تھیں کہ وہ تو اللہ کی طرف سے روزی تھی جو اس نے خبیب کے لیے بھیجی تھی، پھر بنو حارثہ انہیں قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر

لِيَقْتُلُوْهُ فِي الْحِلِّ قَالَ لَهُمْ خُبَيْبٌ دَعُوْنِيْ أُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فَتَرَكُوْهُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ

لے گئے تو خبیب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو۔ انہوں نے اس کی اجازت دی تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا:

وَاللّٰهِ لَوْلَا أَنْ تَحْسِبُوْا أَنَّ مَا بِيْ جَزَعٌ لَزِدْتُّ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدَدًا وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا

اللہ کی قسم! اگر تمہیں یہ خیال نہ ہونے لگتا کہ مجھے گھبراہٹ ہے تو اور زیادہ دیر تک پڑھتا۔ پھر انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! ان کی گنتی کو محفوظ فرما، اے اللہ! ان میں سے ہر ایک کو

وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ أَحَدًا ثُمَّ أَنْشَأَ يَقُوْلُ فَلَسْتُ أُبَالِيْ حِيْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ

الگ الگ ہلاک کر اور ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ اور یہ اشعار پڑھے "جب میں اسلام پر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ اللہ کی راہ میں مجھے کس پہلو پر

فِي اللّٰهِ مَصْرَعِيْ وَذٰلِكَ فِيْ ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَّشَأْ يُبَارِكْ فِيْ أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ ثُمَّ قَامَ إِلَيْهِ

پچھاڑا جائے گا اور یہ تو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو میرے جسم کے ایک ایک جوڑ میں برکت عطا فرمائے گا۔" اس کے بعد

أَبُوْ سِرْوَعَةَ عُقْبَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَتَلَهُ وَكَانَ خُبَيْبٌ هُوَ سَنَّ لِكُلِّ مُسْلِمٍ قُتِلَ صَبْرًا اَلصَّلَاةَ

ابو سروعہ عقبہ بن حارث ان کی طرف بڑھا اور اس نے انہیں شہید کر دیا۔خبیبؓ نے اپنے عمل حسن سے ہر اس مسلمان کے لیے جسے قید کر کے قتل کیا جائے نماز کی سنت قائم کی ہے۔

وَأَخْبَرَ أَصْحَابَهُ يَوْمَ أُصِيْبُوْا وَ بَعَثَ نَاسٌ مِّنْ قُرَيْشٍ إِلٰى عَاصِمِ بْنِ ثَابِتٍ حِيْنَ حُدِّثُوْا

جس دن ان صحابہؓ پر مصیبت آئی تھی آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو اسی دن خبر دے دی تھی۔قریش کے کچھ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ عاصمؓ شہید کر دیئے گئے ہیں تو ان کے پاس

أَنَّهُ قُتِلَ أَنْ يُّؤْتَوْا بِشَيْءٍ مِّنْهُ يُعْرَفُ وَكَانَ قَتَلَ رَجُلًا عَظِيْمًا مِنْ عُظَمَائِهِمْ فَبَعَثَ اللّٰهُ

اپنے آدمی بھیجے تا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ لائیں جس سے انہیں پہچانا جا سکے۔ کیونکہ انہوں نے ان کے ایک بڑے سردار کو قتل کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش پر

لِعَاصِمٍ مِثْلَ الظُّلَّةِ مِنَ الدَّبْرِ فَحَمَتْهُ مِنْ رُسُلِهِمْ فَلَمْ يَقْدِرُوا أَنْ يَقْطَعُوا مِنْهُ شَيْئًا

بادل کی طرح بھڑوں کی ایک فوج بھیج دی اور بھڑوں نے ان کی لاش کو قریش کے آدمیوں سے بچا لیا اور وہ ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی نہ کاٹ سکے۔

اس روایت میں غزوۂ رجیع کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل یہاں بیان کی جارہی ہے اور کچھ تفصیل ان شاء اللہ غزوۂ رجیع میں آجائے گی، چونکہ حضرت خبیب بن عدی، حضرت زید بن دثنہ اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہم بدر کے شرکاء میں سے تھے اور اس روایت میں ان کے بدر میں قتال کا ذکر بھی ہے، لہٰذا اسی مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث یہاں تخریج فرمائی ہے۔

اس روایت کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے لہٰذا یہ روایت مرسل الصحابی ہے، کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر کے موقع پر مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں، لہٰذا اس سے پہلے کے جو واقعات ہیں، ان میں آپ بنفس نفیس شریک نہیں ہوئے تھے، اس لئے آپ غزوۂ رجیع کا جو یہ واقعہ نقل کر رہے ہیں، یہ مرسل روایت ہے۔ البتہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی مرسلات بالاتفاق مقبول ہیں اور حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ صحابی یا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں یا کسی صحابی سے اور الصحابة كلهم عدول لہٰذا یہ روایت بھی بلا شبہ صحیح اور مقبول ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس افراد کو بھیجا عينا جاسوسی کے لیے، عين سے مراد جاسوس ہے، کیونکہ جاسوس بولنے کے مقابلے میں دیکھتا زیادہ ہے، تو آنکھ کے زیادہ استعمال کی وجہ سے تسمية الكل باسم الجزء جاسوس کو عين سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ یہاں روایت میں آرہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو جاسوسی کے لیے بھیجا، لیکن بعض دوسری روایات میں یہ بات آرہی ہے کہ عضل اور قارہ دو قبیلے تھے، ان کے نمائندوں نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ آپ کچھ صحابہ ہمارے پاس بھیج دیجیے، تاکہ وہ ہمیں قرآن مجید سنائیں ممکن ہے کہ ہم لوگ مسلمان ہو جائیں، چنانچہ ان کی درخواست پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان قبائل کی طرف روانہ فرما دیا۔ اب جن روایات میں آرہا ہے کہ ان صحابہ کو عضل اور قارہ کی درخواست پر بھیجا گیا تھا، وہ بھی ٹھیک ہے اور جس میں آرہا ہے کہ وہ جاسوس کے طور پر بھیجے گئے تھے، وہ بھی ٹھیک ہے، اس لیے کہ ان دس افراد کے ذمہ یہ بھی تھا کہ تم عضل اور قارہ کے علاقے میں جاؤ اور ان کو دین کی تعلیم دو اور ساتھ ساتھ ان کی یہ ذمہ داری بھی لگائی گئی کہ تم ان علاقوں کا جائزہ لینا کہ قریش کے تجارتی قافلے کہاں کہاں سے گزرتے ہیں اور کون کون سی بستیاں وہاں واقع ہیں؟ گویا ان دونوں باتوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا تھا۔

جَدَّ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نانا ہیں، عربی زبان میں جد کا اطلاق نانا اور دادا دونوں پر ہوتا ہے، یہاں جد سے مراد نانا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عاصم بن

ثابت رضی اللہ عنہ کی بیٹی جمیلہ سے شادی کی تھی، ان سے عاصم بن عمر پیدا ہوئے تھے۔

ذُكِرُوْا لِحَيٍّ مِّنْ هُذَيْلٍ يُقَالُ لَهُمْ بَنُوْ لِحْيَانَ: یہاں آرہا ہے کہ بنولحیان کے سامنے ذکر آیا اور انہوں نے مسلمانوں کا پیچھا کر کے انہیں شہید کیا، لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عضل اور قارہ کے لوگوں نے بدعہدی کی، تو بات دراصل یہ ہے کہ عضل اور قارہ کے قبائل نے ان دس صحابہ کو دعوت دی تھی، پھر اس کے بعد بنولحیان کو پیغام بھیجا کہ یہ دس آدمی تمہارے علاقے سے گزریں گے، تم انہیں شہید کر دینا، گویا عضل، قارہ اور بنولحیان، تینوں قبائل اس جرم میں شریک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آگے باب غزوۃ الرجیع میں آئے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہینے تک قنوت نازلہ پڑھی، جس میں آپ نے عضل، قارہ اور بنولحیان، تینوں قبائل پر بددعا کی، اس کی وجہ یہی تھی کہ بنولحیان تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے براہ راست قاتل تھے اور عضل اور قارہ نے اگرچہ قتل نہیں کیا تھا مگر انہوں نے بدعہدی کی تھی۔

فَلَمَّا حَسَّ بِهِمْ عَاصِمٌ وَّأَصْحَابُهٗ: جب عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے محسوس کیا کہ یہ لوگ ہمارا پیچھا کر رہے ہیں، تو انہوں نے ایک جگہ پناہ حاصل کی، ایک روایت میں اس جگہ کے لیے فدفد (ٹیلے) کا ذکر آیا ہے، چونکہ یہ دس تھے اور وہ سو کے قریب تھے، اس لیے یہ ٹیلے پر چڑھ گئے، تاکہ فوری نقصان سے بچ سکیں۔ بنولحیان نے انہیں گھیر لیا اور ان سے کہا کہ نیچے اتر آؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ہمارا وعدہ ہے کہ ہم تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے۔ اب ان دس صحابہ کے امیر عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ **أَمَّا أَنَا فَلَا أَنْزِلُ فِيْ ذِمَّةِ كَافِرٍ** کہ میں تو کسی کافر کے ذمے میں نہیں اتروں گا۔ کافر کافر ہے، اسے کیا پتا کہ عہد کیا ہوتا ہے؟ وعدے کو کس طرح پورا کیا جاتا ہے؟ پھر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے دعا کی: **اَللّٰهُمَّ أَخْبِرْ عَنَّا نَبِيَّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** اے اللہ! آپ ہماری طرف سے اپنے نبی کو اطلاع کر دیجیے کہ ہم مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ صحابہ یہ جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں بلکہ عالم الغیب صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے۔ چنانچہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ آپ اپنے نبی کو ہماری بارے میں بتا دیجیے۔

بہر حال کافروں نے ان صحابہ پر تیر برسانا شروع کر دیے اور حضرت عاصم بن ثابت کو بھی شہید کر دیا اور ان کے ساتھ مزید چھ افراد کو بھی شہید کر دیا، گویا کل سات صحابہ کرام شہید ہو گئے۔ باقی تین صحابہ ان کافروں کے عہد پر نیچے اتر آئے۔ یہ تینوں بدری صحابی تھے ایک خبیب بن عدی، دوسرے زید بن دثنہ اور تیسرے رجل اٰخر یعنی عبداللہ بن طارق، رضی اللہ عنہم۔ جب ان کافروں نے ان تینوں پر قابو پا لیا، **أَطْلَقُوْا أَوْتَارَ قِسِيِّهِمْ** (قسی قوس کی جمع ہے، کمان کو کہتے ہیں اوتار وتر کی جمع ہے، کمان کی تانت کو کہتے ہیں) تو انہوں نے ان کی کمانوں کی تانتوں کو کھولا **فَرَبَطُوْهُمْ** اور اس تانت سے ان کے ہاتھ، پاؤں باندھنے لگے۔

قَالَ الرَّجُلُ الثَّالِثُ: وہ جو تیسرے آدمی تھے یعنی عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: هٰذَا أَوَّلُ الْغَدْرِ یہ تم پہلی بدعہدی کر رہے ہو تم نے وعدہ کیا تھا کہ ہمیں محفوظ رکھو گے، اب تم ہمارے ہاتھ، پاؤں باندھ رہے ہو، اس کا مطلب ہے کہ تمہارے ارادے خطرناک ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا: وَاللّٰهِ لَا أَصْحَبُكُمْ اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا، إِنَّ لِي بِهٰؤُلَاءِ أُسْوَةً يُرِيدُ الْقَتْلٰى میرے لیے ان ہی ساتھیوں میں نمونہ ہے، یعنی وہ ساتھی جو ٹیلے کے اوپر شہید ہو چکے ہیں۔ فَجَرَّرُوهُ وَعَالَجُوهُ ان لوگوں نے عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کو گھسیٹا اور بڑی کوشش کی کہ اپنے ساتھ لے جائیں، فَأَبٰى أَنْ يَّصْحَبَهُمْ لیکن انہوں نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا، تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا۔ اب دو صحابہ باقی رہ گئے خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ، بنولحیان نے انہیں مکہ مکرمہ لے جا کر اُن مقتولین کے ورثاء کو بیچ دیا، جنہیں ان حضرات نے غزوۂ بدر میں قتل کیا تھا تاکہ وہ ان انتقام لے لیں اور ان کو پیسے مل جائیں، چنانچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو بنوحارث بن عامر بن نوفل کے ہاتھوں بیچ دیا گیا اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ امیہ بن خلف کے قتل کے بدلے میں خرید لیا۔

فَلَبِثَ خُبَيْبٌ عِنْدَهُمْ أَسِيْرًا خبیب بنوحارث کے پاس قیدی بن کر رہے، حَتّٰى أَجْمَعُوْا قَتْلَهٗ یہاں تک کہ انہوں نے ان کے قتل کا پکا ارادہ کر لیا کہ ہم نے ان کو شہید کرنا ہے۔ فَاسْتَعَارَ مِنْ بَعْضِ بَنَاتِ الْحَارِثِ مُوْسٰى تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث بن عامر بن نوفل کی ایک بیٹی سے اُسترا مانگا، يَسْتَحِدُّ بِهَا تاکہ اس سے اپنے جسم کے زائد بال صاف کر سکیں، چونکہ گھر سے دور ہوئے کافی عرصہ گزر گیا تھا، زائد بال بڑھ گئے تھے، اس لیے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس خاتون سے استرا مانگا جو اس نے دے دیا۔

حضرت خبیب زنجیر میں بندھے ہوئے تھے۔ وہ خاتون انہیں استرا دے کر چلی گئی۔ فَدَرَجَ بُنَيٌّ لَّهَا اس خاتون کا چھوٹا بچہ ان کے پاس (کھیلتا ہوا) اس عورت کی بے خبری میں چلا گیا، فَوَجَدَتْهُ مُجْلِسَهٗ عَلٰى فَخِذِهٖ اب اس نے دیکھا تو خبیب رضی اللہ عنہ نے اس بچے کو اپنی ران پر بٹھایا ہوا ہے وَالْمُوسٰى بِيَدِهٖ اور ان کے ہاتھ میں اُسترا ہے۔ فَفَزِعَتْ فَزْعَةً میں سخت گھبرا گئی، اس نے سوچا کہ یہ ہمارے پاس قیدی ہیں، ان کا کسی اور پر تو بس چلتا نہیں لیکن اب میرا بچہ ان کے قبضے میں آ گیا ہے، ان کے پاس استرا بھی ہے، یہ اپنی موت سے پہلے کہیں میرے بچے ہی کو قتل نہ کر دیں عَرَفَهَا خُبَيْبٌ میری اس گھبراہٹ کو خبیب نے بھی بھانپ لیا، تو کہا: أَتَخْشَيْنَ أَنْ أَقْتُلَهٗ کیا تم ڈر رہی ہو کہ میں اس بچے کو قتل کر دوں گا!؟ مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ ذٰلِكَ میں یہ کام نہیں کروں گا۔ ہم مسلمان ہیں، ہم معصوم بچوں کو قتل نہیں کرتے۔ اُس زمانے میں جو مجاہد ہوتے تھے، وہ عورتوں اور بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے: لا تقتلوا وليدا و لا امرأة و لا شيخا فانيا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد میں کسی

بچے کو کسی عورت کو کسی شیخ فانی کو اور اس آدمی کو جو عبادت میں مصروف ہو اور جنگ میں شریک نہ ہو قتل کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے، کتاب الجہاد میں ساری روایات ان شاء اللہ آجائیں گی۔

فَلَمَّا خَرَجُوا بِهِ مِنَ الْحَرَمِ لِيَقْتُلُوهُ فِي الْحِلِّ: اس زمانے کے کافر بھی کچھ روایات اور اصول کے پابند ہوا کرتے تھے۔ ان ہی اصول میں ایک یہ بات بھی تھی کہ حرم قابل احترام ہے، یہاں ہمیں قتل وقتال نہیں کرنا چاہیئے، ہم جو بھی لڑائی جھگڑا کریں گے، وہ حرم سے باہر جا کر کریں گے۔ چنانچہ جب خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا وقت آیا تو انہوں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ انہیں حرم میں شہید کیا جائے بلکہ اُن کو حرم سے باہر حل میں لے کر گئے۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: **دَعُونِي أُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ** مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو تو ان کافروں نے اجازت دے دی۔ چنانچہ وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ ان کا دل تو چاہ رہا تھا کہ تھوڑی اور نماز پڑھ لوں لیکن کہنے لگے: **وَاللهِ لَوْلَا أَنْ تَحْسِبُوا أَنَّ مَا بِي جَزَعٌ لَزِدْتُ** اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم خیال کرو گے کہ مجھے بہت گھبراہٹ ہے، تو میں اور زیادہ نماز پڑھتا۔ پھر انہوں نے ہاتھ اٹھایا اور دعا کی: **اَللّٰهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدَدًا** اے اللہ! ان کی گنتی کو محفوظ فرما، **وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا** (**بَدَدًا** کو باء کے ضمہ، فتحہ اور کسرہ تینوں طرح پڑھا گیا ہے) اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کر دے، **وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ أَحَدًا** اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔

اس روایت میں تو نہیں ہے، البتہ سیرت ابن ہشام وغیرہ میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس زمانے میں کم عمر تھے، وہ اور ان کے والد ابوسفیان بھی اس وقت وہاں موجود تھے اور یہ دونوں ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں ہمارا یہ نظریہ تھا کہ اگر کوئی مظلوم بددعا کر رہا ہو تو اس کی بددعا سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ زمین پر لیٹ جاؤ اور زمین کے ساتھ اپنا جسم لگا دو، اس طرح تم اس کی بددعا سے بچ جاؤ گے، چنانچہ میرے والد ابو سفیان نے مجھے بھی زمین کی طرف دھکیل دیا کہ زمین سے لگ جا اور خود بھی زمین سے لگ گئے، تاکہ خبیب کی بددعا سے بچ سکیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ تھوڑے ہی عرصے میں جتنے لوگ وہاں تھے، اکثر کی موت واقع ہوگئی۔

پھر اس کے بعد حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے:

فَلَسْتُ أُبَالِي حِيْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا — عَلٰى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي

وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ — يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ

صرع یصرع: پچھاڑنا، مصرع: پچھڑنے کی جگہ، اوصال وصل کی جمع ہے جوڑ کو کہتے ہیں، جو جسم کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے ملاتا ہے، شلو: جسم اور عضو دونوں کو کہتے ہیں اور ممزع اس کی صفت ہے، یعنی ایسا جسم جس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہو۔

ثُمَّ قَامَ إِلَيْهِ أَبُو سِرْوَعَةَ عُقْبَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَتَلَهُ پھر ابوسروعہ عقبہ بن حارث کھڑا ہوا اور اس نے اپنے باپ کی طرف سے ان کو شہید کیا۔ ابوسروعہ کنیت ہے، عقبہ بن حارث نام ہے اور یہ حارث بن عامر بن نوفل کا بیٹا تھا۔ بعد میں یہ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ فرماتے تھے کہ دراصل میں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا تھا کیونکہ میں تو اس وقت بچہ تھا، بلکہ ہمارا ایک غلام ابومیسرہ عبدری تھا، اس نے ان کو شہید کیا تھا۔ البتہ میرے والد کو چونکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، جس کے بدلے میں انہیں شہید کیا جارہا تھا اور میں اکیلا ہی ان کا بیٹا تھا، اس لیے میرے گھر والوں نے شروع میں میرے ہاتھ میں نیزہ دیا تھا، مگر پھر وہ نیزہ میرے ہاتھ سے ابومیسرہ عبدری نے لے لیا اور اس نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔

وَكَانَ خُبَيْبٌ هُوَ سَنَّ لِكُلِّ مُسْلِمٍ قُتِلَ صَبْرًا الصَّلَاةَ: حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ہی ہر اس مسلمان کے لیے، جس کو ظلماً یا قید کر کے شہید کیا جارہا ہو، یہ سنت یعنی طریقہ جاری کیا کہ وہ نماز پڑھے۔ چنانچہ اگر کسی آدمی کو پتا ہو کہ کچھ عرصے بعد میری موت آنے والی ہے، تو اس کے لیے یہ سنت ہے کہ وہ صفائی ستھرائی کر کے دو رکعت نماز پڑھے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چلا جائے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہوتی ہے، اسی طرح صحابہ کی بھی سنت ہوتی ہے: **علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین، عضوا علیها بالنواجذ**، تو موت کے وقت دو رکعت نماز پڑھنا حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ نیز یہ ایک اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی سنت ہے، کیونکہ جب یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نکیر نہیں کی بلکہ اسے پسند فرمایا، گویا سنت تقریری ہوگئی۔

کفار نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی نعش کو سولی پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا تھا، امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما کو ان کی نعش لانے کے لئے بھیجا، یہ حضرات وہاں پہنچے، تو دیکھا کہ مشرکین لاش کے اردگرد پہرہ دینے کی غرض سے موجود ہیں لیکن غفلت سے سوئے پڑے ہوئے ہیں، انہیں غافل پا کر حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما نے لاش اتاری جو بالکل تر و تازہ تھی، جبکہ آپ کو شہید ہوئے چالیس دن گزر چکے تھے، یہ حضرات لاش کو اپنے اونٹ پر رکھ کے روانہ ہوئے، مشرکین کی جب آنکھ کھلی، تو دیکھا کہ لاش غائب ہے تو ان حضرات کا تعاقب کرتے ہوئے ان تک پہنچ گئے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس غرض سے کہ نعش کی بے حرمتی نہ ہو لاش کو اطمینان کے ساتھ اونٹ سے نیچے اتارا، تو اچانک زمین شق ہوئی اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش اس کے اندر غائب ہوگئی، اسی وجہ سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا لقب **بلیع الارض** مشہور ہوا۔ حافظ ابن حجرؒ نے **الاصابة** میں مذکورہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا گیا تو مشرکین نے ان کے چہرے کے رخ کو قبلے

سے ہٹا کر دوسری جانب کر دیا، لیکن ان کا رخ خود بخود قبلہ کی طرف مڑ جاتا کفار نے کئی بار اس کی کوشش کی کہ کسی طرح ان کا رخ قبلہ سے پھیر دیں لیکن وہ ناکام رہے۔

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ: بخاری کی روایت میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ تو ذکر کیا گیا ہے، لیکن دوسرے صحابی حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور نہیں ہے۔حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ امیہ بن خلف کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے خریدا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امیہ بن خلف کو بدر والے دن ویسے تو مختلف تلواریں ماری گئی تھیں اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کے اوپر گر کر اس کا بچاؤ کر رہے تھے اور لوگ اسے نیچے سے تلواریں مار رہے تھے، لیکن اس روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وار کرنے والوں میں فیصلہ کن وار حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔

صفوان نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے غلام نسطاس رومی کے حوالے کر کے مقام تنعیم بھیجا تا کہ ان کو وہاں شہید کر دیا جائے، تماشہ دیکھنے کے لئے قریش کی ایک جماعت مقام تنعیم میں جمع ہو گئی تھی، جب انہیں شہید کرنے کے لئے سامنے لایا گیا، تو ابوسفیان نے کہا کہ اے زید! کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ تمہاری جان بچ جائے؟ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تمہاری جگہ قتل کر دیا جائے۔حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ غصہ ہو گئے اور ڈانٹ کر کہا: **خدا کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھے اور میری جان اس کے عوض میں بچ جائے۔** ابوسفیان نے یہ جواب سن کر کہا کہ خدا کی قسم! میں کسی کو اتنا مخلص اور عاشق نہیں پایا جتنا اصحاب محمد ان کے عاشق اور وفادار ہیں۔اس کے بعد نسطاس نے انہیں شہید کر دیا۔یہ نسطاس بھی بعد میں فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے۔

ادھر جو سات حضرات ٹیلے پر شہید ہوئے تھے، ان میں ایک حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ امیر لشکر بھی تھے، جب ان کی شہادت ہونے لگی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایک دعا یہ کی تھی کہ اے اللہ! میں نے اپنا ہاتھ کافروں کے ہاتھ میں نہیں دیا تو آپ میری لاش کو بھی ان کافروں سے محفوظ رکھیے گا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔

قصہ یہ پیش آیا کہ قریش کو جب حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قتل کی اطلاع ملی تو انہوں نے چند آدمی روانہ کئے کہ جا کر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم کا کوئی حصہ لے آئیں جس سے وہ پہچانے جا سکیں، کیونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے موقع پر قریش کے ایک بڑے سردار عقبہ بن ابی معیط کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم دینے پر قتل کیا تھا۔بعض اہل سیر کی روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے سلافہ کے دو لڑکوں کو قتل کیا تھا اس لئے سلافہ نے یہ نذر مانی تھی کہ میں عاصم کے سر کا پیالہ بنا کر اس میں شراب پیوں گی اور اعلان کیا تھا کہ جو شخص عاصم کا سر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ادھر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے یہ عہد کیا تھا کہ کافر کے جسم سے اپنا جسم مس نہیں کروں گا اور یہ دعا کی تھی

اللھم انی احمی لک الیوم دینک فاحمی لی لحمی اے اللہ آج میں آپ کے دین کی حفاظت کررہا ہوں آپ میرے جسم کی حفاظت کیجئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمالی چنانچہ یہاں بخاری کی روایت میں ہے فَبَعَثَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مِثْلَ الظُّلَّةِ مِنَ الدَّبْرِ فَحَمَتْهُ مِنْ رُسُلِهِمْ اللہ تعالیٰ نے عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم پر سائبان کی طرح بھڑوں کا ایک دستہ بھیجا، جس نے قریش کے بھیجے ہوئے لوگوں سے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی حفاظت کی۔ بھڑوں کو دیکھ کر وہ کافر کہنے لگے کہ شام کو جب یہ بھڑیں ہٹ جائیں گی تو اس وقت آ کر ان کا سر کاٹ لیں گے، لیکن جب رات ہوئی تو ایک سیلاب آیا اور اس میں ان کی لاش غائب ہوگئی اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ زمین شق ہوئی اور اس میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش پوشیدہ ہوگئی بہر حال کفار کو ان کے جسم پر دسترس حاصل نہ ہوسکی۔

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ ذَكَرُوْا مُرَارَةَ بْنَ الرَّبِيعِ الْعُمْرِيَّ وَهِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ الْوَاقِفِيَّ
اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرے سامنے لوگوں نے مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا۔ (جو غزوہ تبوک میں نہیں جا سکے تھے)

رَجُلَيْنِ صَالِحَيْنِ قَدْ شَهِدَا بَدْرًا
وہ دونوں نیک اور بدر کے شرکاء میں سے تھے۔

یہ دراصل ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جو غزوۂ تبوک میں تفصیل سے آئے گی یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کررہے ہیں کہ انہوں نے غزوۂ تبوک سے اپنے تخلف کا قصہ بیان کرتے ہوئے مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا کہ یہ دونوں نیک وصالح آدمی تھے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قد شھدا بدرا یہ دونوں بدر میں شریک ہوئے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ تعلیق یہاں بیان کرکے ان لوگوں پر رد فرمارہے ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت مرارہ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما جنگ بدر میں حاضر نہیں تھے، اس قول کی نسبت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی کی گئی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس رائے کا رد فرمارہے ہیں، چنانچہ انہوں نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا کہ یہ دونوں حضرات بدر میں شریک تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا بہت اونچا مقام رکھا ہے، چنانچہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بھی یہ اطمینان ہوگیا کہ اگر مجھ سے یہ غلطی ہوئی ہے تو یہ دونوں بدری صحابی بھی میرے ساتھ ہیں، اس لئے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی برکت سے مجھے بھی معاف فرمادیں گے۔

نوٹ: حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے اس قصے کا غزوۂ رجیع سے کوئی تعلق نہیں ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد صرف اس بات پر استشہاد ہے کہ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما بدری ہیں اور باب بھی شرکاء بدر کی فضیلت کے بارے میں ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ نَافِعٍ

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ذُكِرَ لَهُ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ وَكَانَ بَدْرِيًّا مَرِضَ
ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے جمعہ کے دن ذکر کیا گیا کہ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہما جو بدری صحابی تھے، وہ بیمار ہیں،

فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ فَرَكِبَ إِلَيْهِ بَعْدَ أَنْ تَعَالَى النَّهَارُ وَ اقْتَرَبَتِ الْجُمُعَةُ وَ تَرَكَ الْجُمُعَةَ

تو ابن عمر رضی اللہ عنہما سوار ہو کر ان کے پاس تشریف لے گئے اس وقت دن چڑھ چکا تھا، اور جمعہ کا وقت قریب آ گیا تھا اور انہوں نے جمعہ کی نماز نہیں پڑھی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اطلاع دی گئی، اطلاع دینے والے کون تھے؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لم اقف مجھے معلوم نہیں، لیکن مصنف ابی شیبہ کی روایت میں صراحت موجود ہے کہ اطلاع دینے والے سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے، انہوں نے جمعہ کے دن اطلاع دی کہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے ہیں تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دن چڑھنے کے بعد عیادت کی غرض سے ان کے پاس گئے۔

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ بڑے درجے کے صحابی ہیں، عشرہ مبشرہ اور السابقون الاولون میں سے ہیں اور اصحاب بدر میں سے بھی ہیں۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بھی یہی بنے تھے، جس کا قصہ معروف ہے۔تو سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی زوجہ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی پھوپھی تھیں۔ بہر حال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اطلاع ملی کہ ان کے پھوپھا حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے ہیں، وَكَانَ بَدْرِيًّا اور وہ بدری صحابی ہیں۔ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا محل استشہاد ہے، البتہ یہ واضح رہے کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ براہ راست غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے ہیں، کیونکہ یہ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ان دونوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر سے علیحدہ ہو کر جاسوسی کے لیے بھیج دیا تھا لیکن چونکہ غزوۂ بدر کے لئے نکلے تھے، اس لیے دونوں کو بدریین میں شمار کیا گیا ہے، اور مال غنیمت میں بھی ان کا حصہ رکھا گیا اور یہ بدریین کی فضیلت سے بھی سرفراز ہوئے۔

اقتربت الجمعة و ترک الجمعة: نماز جمعہ کا وقت قریب آ گیا تھا لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جمعہ چھوڑ دیا) اور ان کی عیادت کے لئے روانہ ہو گئے، یہاں یہ مذکور نہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما عیادت کے لئے کس جگہ گئے تھے؟ البتہ ابن ابی شیبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا قیام عقیق میں تھا جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حق اللہ اور حق العبد میں تعارض آ جائے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حق کی کوئی حاجت نہیں ہے، لیکن بندہ اپنے حق کا محتاج ہے، اس لیے جب بھی حق اللہ کا حق العبد کے ساتھ تعارض آئے گا تو علماء اور فقہاء کے نزدیک حق العبد کو ترجیح دی جائے گی، مثال کے طور پر اگر ایک طرف جماعت کھڑی ہو چکی ہے، جبکہ دوسری طرف کسی کی جان جا رہی ہے تو حکم یہ ہو گا کہ پہلے اس کی جان بچاؤ، پھر اس کے بعد جا کر اپنی نماز پڑھ لینا۔اس لیے کہ بندہ محتاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ محتاج نہیں ہے۔لہٰذا اسی بناء پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جمعہ کی فضیلت ترک کر دی اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے ذو الحلیفہ کی بستی میں تشریف لے گئے۔

جمعہ کے دن سفر کا مسئلہ

یہاں ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کی نماز چھوڑ کر عیادت کے لئے کیسے چلے گئے؟ کیا جمعہ کی نماز چھوڑ کر زوال سے پہلے اس طرح جانا جائز ہے؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

❶ اکثر حنابلہ اور مالکیہ اور قول قدیم میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کو زوال سے پہلے اس طرح جانا جائز ہے۔

❷ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول جدید کے مطابق اس طرح جمعہ کے دن زوال سے قبل جانا جائز نہیں۔

❸ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ سفر اگر جہاد کے لئے ہے تو جانا جائز ہے، ورنہ ناجائز۔

❹ بعض شوافع اور امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر سفر واجب اور ضروری ہے تو جاسکتے ہیں ورنہ نہیں۔

❺ اکثر شوافع کی رائے یہ ہے کہ اگر سفر طاعت ہے (جیسے عیادت وغیرہ نیک کام کے لئے سفر) تو جاسکتے ہیں چاہے سفر واجب ہو یا نہ ہو۔

جمعہ کے دن زوال کے بعد نماز جمعہ چھوڑ کر شہر سے جانا:

❶ جمہور علماء کے نزدیک ناجائز ہے۔

❷ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔

احناف سے اس مسئلہ میں مختلف روایات مروی ہیں:

❶ امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کا مذہب نقل کیا ہے کہ زوال سے پہلے بھی جاسکتے ہیں اور زوال کے بعد بھی۔

❷ فتاوی ظہیریہ نے نقل کیا ہے کہ زوال کے بعد نماز جمعہ چھوڑ کر جانا جائز نہیں۔

❸ شرح منیہ نے حنفیہ کا مذہب نقل کیا ہے کہ زوال سے پہلے جائز اور زوال کے بعد مکروہ ہے اور ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

البتہ اگر سفر شروع نہ کرنے کی صورت قافلہ بچھڑ جانے کا یا سواری (موجودہ زمانے میں ریل، بس یا جہاز) چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص کے لئے جمعہ کے دن زوال کے بعد بھی نماز جمعہ چھوڑ کر جانا جائز ہے۔

وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ

حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ أَبَاهُ كَتَبَ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَرْقَمِ الزُّهْرِيِّ

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد نے عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کو لکھا

يَأْمُرُهُ أَنْ يَدْخُلَ عَلَى سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ الْأَسْلَمِيَّةِ فَيَسْأَلَهَا عَنْ حَدِيثِهَا وَعَنْ مَّا قَالَ

کہ تم سبیعہ بنت حارث اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے اس واقعہ کے متعلق پوچھو کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تھا

لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اسْتَفْتَتْهُ فَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَرْقَمِ إِلَى
تو آپ ﷺ نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟ چنانچہ عمر بن عبداللہ بن ارقم نے عبداللہ بن عتبہ کو اس کے جواب میں خط لکھا

عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ يُخْبِرُهُ أَنَّ سُبَيْعَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ سَعْدِ بْنِ خَوْلَةَ
اور اس خط میں یہ خبر دی کہ سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ وہ سعد بن خولہ رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں

وَ هُوَ مِنْ بَنِيْ عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا فَتُوُفِّيَ عَنْهَا فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَ هِيَ حَامِلٌ
جن کا تعلق بنی عامر بن لوئی سے تھا اور وہ بدر کے شرکاء میں سے تھے۔ پھر حجۃ الوداع کے موقع پر ان کی وفات ہوگئی اور وہ اس وقت حاملہ تھیں۔

فَلَمْ تَنْشَبْ أَنْ وَضَعَتْ حَمْلَهَا بَعْدَ وَفَاتِهِ فَلَمَّا تَعَلَّتْ مِنْ نِفَاسِهَا تَجَمَّلَتْ لِلْخُطَّابِ
سعد بن خولہ رضی اللہ عنہما کی وفات کے کچھ ہی دن بعد ان کے یہاں بچہ پیدا ہوا۔ جب وہ نفاس کے دن گزار چکیں تو نکاح کا پیغام بھیجنے والوں کے لیے انہوں نے زیب وزینت

فَدَخَلَ عَلَيْهَا أَبُو السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكٍ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ عَبْدِ الدَّارِ فَقَالَ لَهَا مَا لِيْ أَرَاكِ تَجَمَّلْتِ
اختیار کی۔ اس وقت بنو عبدالدار کے ایک صحابی ابوالسنابل بن بعکک رضی اللہ عنہ ان کے یہاں گئے اور ان سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ تم نے نکاح کا پیغام بھیجنے والوں کے لیے

لِلْخُطَّابِ تُرَجِّيْنَ النِّكَاحَ فَإِنَّكِ وَاللهِ مَا أَنْتِ بِنَاكِحٍ حَتّٰى تَمُرَّ عَلَيْكِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ
یہ زینت کی ہے۔ تم نکاح کرنے کی امید لگا رہی ہو؟ اللہ کی قسم! جب تک (سعد رضی اللہ عنہ کی وفات پر) چار مہینے اور دس دن نہ گزر جائیں تم نکاح نہیں کر سکتیں۔

قَالَتْ سُبَيْعَةُ فَلَمَّا قَالَ لِيْ ذٰلِكَ جَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِيْ حِيْنَ أَمْسَيْتُ وَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى
سبیعہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب ابوالسنابل نے مجھ سے یہ بات کہی تو میں نے شام ہوتے ہی کپڑے تبدیل کئے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَأَفْتَانِيْ بِأَنِّيْ قَدْ حَلَلْتُ حِيْنَ وَضَعْتُ حَمْلِيْ وَأَمَرَنِيْ
اس بارے میں آپ سے مسئلہ معلوم کیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میں وضع حمل ہونے کے بعد عدت سے نکل چکی ہوں

بِالتَّزَوُّجِ إِنْ بَدَا لِيْ تَابَعَهُ أَصْبَغُ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِيْ يُونُسُ عَنِ
اور اگر میں چاہوں تو نکاح کر سکتی ہوں۔ اس روایت کی متابعت اصبغ نے ابن وہب سے کی ہے، ان سے یونس نے بیان کیا اور لیث نے کہا کہ مجھ سے یونس نے بیان کیا،

ابْنِ شِهَابٍ وَ سَأَلْنَاهُ فَقَالَ أَخْبَرَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ مَوْلٰى بَنِيْ عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ
ان سے ابن شہاب نے، (انہوں نے بیان کیا کہ) ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ مجھے بنو عامر بن لوئی کے غلام محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان نے خبر دی

أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ إِيَاسِ بْنِ الْبُكَيْرِ وَكَانَ أَبُوهُ شَهِدَ بَدْرًا أَخْبَرَهُ
کہ محمد بن ایاس بن بکیر نے انہیں خبر دی اور ان کے والد ایاس بدر کی لڑائی میں شریک تھے

اس روایت کا تعلق براہ راست غزوۂ بدر سے نہیں ہے بلکہ کتاب النکاح اور کتاب العدۃ سے ہے، چنانچہ وہاں بھی یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نقل فرمائیں گے، البتہ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ادنیٰ مناسبت سے ذکر فرمائی ہے، اس لیے کہ اس روایت میں جن صحابی (حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ) کا ذکر ہے، ان سے متعلق راوی فرما رہے ہیں کہ و کان ممن شھد بدرا۔

عبداللہ بن عتبہ (تابعی) نے عمر بن عبداللہ (تابعی) کو خط لکھا کہ وہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ رضی اللہ عنہا جو تمہارے علاقے میں رہتی ہیں تم ان کے پاس جا کر ان سے اس سوال سے متعلق دریافت کرو جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا اور یہ بھی پوچھو کہ آپ ﷺ نے اس سوال کے جواب میں کیا فرمایا تھا، چنانچہ وہ ان کے پاس گئے تشریف لے گئے

اوران صحابیہ سے وہ حدیث سنی۔ظاہر ہے کہ اس دوران پردے کے سارے احکام ملحوظ تھے،اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی خاتون کسی عالم کو کوئی حدیث سنادے، یا عالم کسی خاتون کو حدیث سنادے تو یہ بالکل جائز ہے،ازواج مطہرات اور صحابیات رضی اللہ عنہن حدیثیں سنتی بھی تھیں اور آگے نقل بھی کرتی تھیں اوران کی آواز بھی دوسروں تک جایا کرتی تھی،لہٰذا یہ سب جائز ہے،جبکہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

الغرض عمر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا سے وہ حدیث دریافت کی اوراس کے بعد عبداللہ بن عتبہ رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھ کر وہ پوری حدیث ذکر کی،جو حضرت سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے بیان فرمائی تھی۔

فَلَمْ تَنْشَبْ أَنْ وَضَعَتْ حَمْلَهَا بَعْدَ وَفَاتِهِ: شوہر کی وفات کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ بچہ کی پیدائش ہوگئی۔اب یہ کہ کتنے عرصے بعد وضع حمل ہوا؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں بہت زیادہ روایتیں ہیں، پندرہ دن بھی ہے،سترہ دن بھی ہے،بیس دن بھی ہے،اکیس دن بھی ہے،البتہ اکثر روایات سے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ شوہر کے انتقال کے بیس سے پچیس دن بعد وضع حمل ہوگیا تھا۔

اب جب وضع حمل ہوگیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ ان کی عدت ختم ہوگئی یا نہیں ہوئی؟

اس میں جمہور اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک حکم یہ ہے کہ **وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** یعنی جو عورت حاملہ ہے،اس کی عدت وضع حمل ہے،لہٰذا جب وضع حمل ہوگیا تو ان کی عدت ختم ہوگئی۔البتہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا،ان میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نام زیادہ معروف ہیں،البتہ کہا جاتا ہے کہ بعد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے فتوے سے رجوع کرلیا تھا اور انہوں نے بھی جمہور کا مؤقف اختیار کرلیا تھا۔

بہر حال حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا مؤقف یہ تھا کہ اگر معاملہ عدت طلاق کا ہو،تو اس میں تو یہ بات ٹھیک ہے کہ **وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** کہ جیسے ہی وضع حمل ہوگا،عدت ختم ہوجائے گی، لیکن اگر عدت وفات ہے تو ان حضرات کی رائے یہ تھی کہ اس کی عدت ابعد الاجلین ہے،یعنی چار ماہ دس دن اور وضع حمل کی دو مدتوں میں سے جو لمبی مدت ہوگی،وہ اس کی عدت شمار کی جائے گی۔ان کا استدلال یہ تھا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: **وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متوفی عنہا زوجھا کی عدت چار ماہ دس دن ہے،جبکہ دوسری آیت **وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** سے عدت وضع حمل معلوم ہوتی ہے،چنانچہ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے جو ابعد الاجلین ہوگی،بیوہ وہ عدت گزارنے کی پابند ہوگی،تاکہ یقینی طور پر عدت ختم ہوجائے۔مثال کے طور پر اگر وضع حمل بیس دن میں ہوگیا،تو اس بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی،کیونکہ اس صورت میں یہ بڑی مدت ہے،لیکن

اگر چار مہینے دس دن گزر گئے اور ابھی تک بچہ پیدا نہیں ہوا، تو اس صورت میں اس کی عدت وضع حمل شمار کی جائے گی، کیونکہ اس صورت میں یہی ابعد الا جلین ہے۔

بہر حال یہ حضرت علی و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا مذہب تھا لیکن باقی صحابہ اس کے قائل نہیں تھے۔ آگے روایت میں آئے گا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے اس مؤقف پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے تھے تجعلون علیها التغلیظ و لا تجعلون لها الرخصة تم عورت پر سختی تو کرتے ہو مگر عورت کو آسانی نہیں دیتے اگر وضع حمل میں تاخیر ہو جائے تو تم اسے عدت شمار کرتے ہو، ٹھیک ہے تم نے سختی کر دی لیکن اگر وضع حمل جلد ہو جائے تو پھر پھر تم اسے عدت کیوں شمار نہیں کرتے؟

چنانچہ جمہور فقہاء اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، طلاق کی صورت میں بھی اور وفات کی صورت میں بھی، اقرب الا جلین کی صورت میں بھی اور ابعد الا جلین کی صورت میں بھی۔ البتہ صحابہ و تابعین کے زمانے میں چونکہ بعض صحابہ ابعد الا جلین کے بھی قائل تھے، اس لیے اس وقت میں یہ مسئلہ اختلافی تھا، اسی وجہ سے عبداللہ بن عتبہ رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بن عبداللہ بن ارقم رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ تم جا کر حضرت سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے یہ مسئلہ پوچھو کہ جب ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا اور ایک ماہ کے اندر ان کا وضع حمل ہو گیا تھا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر جو مسئلہ دریافت کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جواب دیا، اس سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کو جیسے ہی وضع حمل ہوا تو ان کی عدت وفات ختم ہو گئی تھی، چنانچہ یہ حدیث جمہور کے مذہب کی واضح دلیل ہے۔

تسلسل روایت

حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فَلَمَّا تَعَلَّتْ مِنْ نِفَاسِهَا جب وہ نفاس سے پاک ہو گئیں، یعنی وضع حمل ہو گیا اور نفاس کا خون آنا بند ہو گیا، تَجَمَّلَتْ لِلْخُطَّابِ (خطاب، خاطب کی جمع ہے، یہ لفظ خطبة بکسر الخاء (منگنی) سے نکلا ہے) تو انہوں نے منگنی کا پیغام دینے والوں کے لیے زیب و زینت اختیار کی، تاکہ اگر کوئی مجھ سے شادی کرنا چاہے تو کر سکے۔

بیوہ کا نکاح ہرگز معیوب نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ بیوہ کا دوسرا نکاح کرنا شرعاً جائز ہے اور یہ ہمیشہ جائز رہا ہے اور شریعت میں یہ ہرگز معیوب نہیں ہے۔ قرآن، حدیث اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم میں اسے کبھی معیوب نہیں سمجھا گیا۔ نہ مرد کے لیے دوسرا اور تیسرا نکاح مکروہ ہے، نہ عورت کے لیے پہلے شوہر کے بعد دوسرا یا تیسرا نکاح مکروہ ہے، بلکہ عورتیں بھی جب ان کے شوہر کا انتقال ہو

جا تا تھا تو وہ کوشش کرتی تھیں اور ان کے اولیاء کوشش کرتے تھے کہ وہ خالی نہ بیٹھیں، اور کہیں نہ کہیں شادی کر لیں۔ چنانچہ حضرت سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے شوہر سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، عدت بھی ختم ہوگئی، وضع حمل ہوگیا، عدت کے بعد جب وہ نفاس سے پاک ہوئیں تو انہوں نے منگنی کا پیغام دینے والوں کے لیے زیب و زینت اختیار کرنا شروع کردی، تاکہ نکاح کیا جاسکے۔

شوہر یا پیغام نکاح لانے والوں کے لیے بننا سنورنا

عورت اگر شوہر کے لیے زیب و زینت اختیار کرلے تو وہ صرف جائز ہی نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اور ایک درجے میں واجب ہے، شوہر اپنی بیوی پر ناراض بھی ہوسکتا ہے کہ جب میں آتا ہوں تو تم زیب و زینت اختیار کیوں نہیں کرتیں؟ تو شوہر کے لیے تجمل نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے۔ اسی طرح اگر کسی لڑکی یا عورت کے لیے رشتہ آرہا ہو، ماں باپ کہیں کہ تم تیار ہوجاؤ، تو منگنی کا پیغام لانے والوں کے لیے تیار ہونا اور زیب و زینت اختیار کرنا، یہ بھی شرعاً جائز ہے۔ چنانچہ حضرت سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا جو خود صحابیہ ہیں، اور ایک بدری صحابی کی بیوہ ہیں، انہوں نے خطاب کے لیے زیب و زینت اختیار کی کہ اگر کوئی مجھے نکاح کا پیغام دینا چاہے تو دے سکے۔

فَدَخَلَ عَلَيْهَا أَبُو السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكٍ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ: ابوسنابل بن بعکک رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، یہ ان کے پاس تشریف لائے، جن کا تعلق بنوعبدالدار سے تھا، انہوں نے سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے کہا: **مَا لِي أَرَاكِ تَجَمَّلْتِ لِلْخُطَّابِ** کیا بات ہے، میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے منگنی کا پیغام لانے والوں کے لیے زیب و زینت اختیار کر رکھی ہے؟ **تُرَجِّيْنَ النِّكَاحَ** تم لوگوں کو اپنے نکاح کی امید دلا رہی ہو یا دوسری صورت میں کہا **تَرْجِيْنَ النِّكَاحَ** تم نکاح کی امید کر رہی ہو! **فَإِنَّكِ وَاللهِ مَا أَنْتِ بِنَاكِحٍ** بے شک اللہ کی قسم! تم ابھی نکاح نہیں کرسکتی **حَتَّى تَمُرَّ عَلَيْكِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ** یہاں تک کہ تم پر چار ماہ دس دن گزر جائیں۔

حضرت سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ابوسنابل نے مجھ سے یہ بات کی تو **جَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي حِيْنَ أَمْسَيْتُ** جب شام کا وقت ہوا تو میں نے اپنے اوپر اپنے کپڑوں کو جمع کرلیا۔ عورت جب گھر میں رہتی ہے تو ہر وقت برقع اور بڑی چادر ساتھ نہیں ہوتی، بلکہ شریعت نے جتنی گنجائش دی ہے، اس میں گزارا کرلیتی ہے، تو یہ خاتون بھی گھر میں تھیں، جب مسئلہ پوچھنے کے لیے باہر جانے لگیں تو اپنے زائد کپڑوں بڑی چادر، برقع وغیرہ کو جمع کیا، وہ اپنے اوپر ڈالا اور وہ شام کے وقت میں نکلیں۔ شام میں اس لیے کہ شام میں ذرا تاریکی ہوجاتی ہے، پہچاننا مشکل ہوتا ہے تو پردہ زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ **وَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آگئیں۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی خاتون کسی عالم سے براہ راست مسئلہ پوچھ لے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ ویسے بھی شریعت

نے عورت کے باہر جانے کے لیے جو شوہر یا محرم کو شرط قرار دیا ہے، وہ اس وقت ہے جبکہ مدت سفر ہو، لیکن اگر مدت سفر سے کم میں کوئی عورت کسی حاجت دنیویہ یا حاجت شرعیہ کی وجہ سے گھر سے باہر جانا چاہے تو جا سکتی ہے، جبکہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو اور حجاب کے شرعی احکام کے مطابق جانا ہو۔

فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں مسئلہ پوچھا کہ ابوسنابل نے مجھ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وضع حمل کے بعد میری عدت نہیں گزری، بلکہ مجھے چار ماہ دس دن انتظار کرنا ہوگا، کیا ان کی یہ بات درست ہے؟ **فَأَفْتَانِيْ بِأَنِّيْ قَدْ حَلَلْتُ حِيْنَ وَضَعْتُ حَمْلِيْ** تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ فتوی دیا کہ جب میرا وضع حمل ہو گیا تو میں حلال ہو گئی ہوں، یعنی میری عدت پوری ہو گئی۔ لہٰذا یہی جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وفات بہرصورت وضع حمل ہے، خواہ وضع حمل چار ماہ دس دن سے پہلے ہو جائے یا چار ماہ دس دن کے بعد ہو۔

چنانچہ پھر یہ قصہ یہ ہوا کہ حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا کو ابوسنابل رضی اللہ عنہ نے بھی نکاح کا پیغام دیا تھا اور ایک دوسرے نوجوان صحابی رضی اللہ عنہ نے بھی نکاح کا پیغام دیا، تو حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا نے ان دوسرے نوجوان کو ترجیح دی اور ان سے نکاح کر لیا، لیکن بعد میں ان کے ساتھ ان کا نباہ نہ ہوا اور طلاق کی نوبت آ گئی، جب ان سے طلاق ہو گئی تو پھر حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوسنابل بن بعکک رضی اللہ عنہ سے ہی شادی کر لی اور بعد میں ان کی اولاد بھی ہوئی۔

تَابَعَهُ أَصْبَغُ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ عَنْ يُوْنُسَ......الخ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ متابع ذکر کیا کہ یہ حدیث جس طرح مذکورہ سند سے آئی ہے، اسی طرح ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔

اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیک وقت دو چیزیں ثابت کر دیں۔ ایک سند کا متابع ذکر کر دیا، جس کی وجہ سے حدیث کے اندر قوت پیدا ہو گئی۔ دوسری بات یہ بھی ثابت کر دی کہ دوسری سند کے اندر جن صحابی رضی اللہ عنہ کا ذکر آ رہا ہے، وہ بھی عام صحابی نہیں ہیں، بلکہ وہ بھی **مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا** ہیں۔

بَابُ شُهُوْدِ الْمَلَائِكَةِ بَدْرًا

یہ باب جنگ بدر میں فرشتوں کی شرکت کے بیان میں ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم فرمایا کہ فرشتے بدر میں شریک ہوئے تھے۔ **شهد يشهد** کا مطلب ہے حاضر ہونا، شریک ہونا، جیسے: **شهدت المسجد**.

قرآن مجید میں جنگ بدر سے متعلق اتنی بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد ایک ہزار یا تین ہزار فرشتوں کے ساتھ فرمائیں گے، لیکن یہ وعدہ اور بشارت ہے، اب یہ کہ ملائکہ حقیقت میں بھی نازل ہوئے تھے یا نہیں؟ اس کا قرآن نے

ذکر نہیں کیا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ باب قائم کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فرشتے حقیقت میں بھی نازل ہوئے تھے۔

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ

عَنْ أَبِيهِ وَكَانَ أَبُوهُ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ قَالَ جَاءَ جِبْرِيلُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

حضرت معاذ بن رفاعہ بن رافع زرقی اپنے والد (رفاعہ رضی اللہ عنہ) سے جو بدری تھے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے

مَا تَعُدُّونَ أَهْلَ بَدْرٍ فِيكُمْ قَالَ مِنْ أَفْضَلِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا قَالَ وَكَذٰلِكَ مَنْ

اور آپ سے پوچھا کہ اہل بدر کا آپ کے یہاں درجہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے افضل یا ایسی ہی کوئی بات فرمائی، جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ

شَهِدَ بَدْرًا مِّنَ الْمَلَائِكَةِ

جو بدری فرشتے ہیں ان کا بھی درجہ یہی ہے۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ يَحْيَى

عَنْ مُعَاذِ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ وَكَانَ رِفَاعَةُ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ وَكَانَ رَافِعٌ مِّنْ أَهْلِ الْعَقَبَةِ فَكَانَ يَقُولُ

حضرت معاذ بن رفاعہ سے مروی ہے اور رفاعہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے اور (ان کے والد) رافع رضی اللہ عنہ بیعت عقبہ میں شریک ہوئے تھے تو وہ اپنے بیٹے سے کہا کرتے تھے

لِابْنِهِ مَا يَسُرُّنِي أَنِّي شَهِدْتُ بَدْرًا بِالْعَقَبَةِ قَالَ سَأَلَ جِبْرِيلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا

کہ مجھے بیعت عقبہ کے بدلے بدر کی شرکت محبوب نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تھا۔

ما یسرنی انی شهدت بدرا بالعقبة: یہ حضرت رافع انصاری رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو وہ اپنے صاحبزادے سے کہہ رہے ہیں، ان کے صاحبزادے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے لیکن ان کے والد حضرت رافع رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہیں تھے البتہ **بیعت عقبہ** میں شریک تھے۔

❶ ان کے اس قول میں جو **ما** ہے اس میں ایک صورت تو یہ ہے کہ اس کو نافیہ مان لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ میرے لئے یہ بات باعث مسرت نہیں ہے کہ میں عقبہ کی بجائے بدر میں حاضر ہوتا، اس لئے کہ **بیعت عقبہ** ہی حضور ﷺ کی ہجرت کا سبب بنی اور **بیعت عقبہ** کے بعد ہی اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت وسیع پیمانے پر شروع ہوئی۔

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ اس **ما** کو استفہامیہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر مطلب ہوگا کہ **کیا خوشی ہوتی مجھ کو کہ میں عقبہ کی بجائے بدر میں حاضر ہوتا** اس صورت میں عقبہ کی افضلیت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ بدر میں حاضری کی تمنا مراد ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ أَخْبَرَنَا يَحْيَى سَمِعَ مُعَاذَ بْنَ رِفَاعَةَ أَنَّ مَلَكًا سَأَلَ

ہم سے اسحاق بن منصور نے بیان کیا، ہم کو یزید بن ہارون نے خبر دی، کہا ہم کو یحییٰ بن سعید انصاری نے خبر دی اور انہوں نے معاذ بن رفاعہ سے سنا کہ ایک فرشتے نے

النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ يَحْيَى أَنَّ يَزِيدَ بْنَ الْهَادِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ كَانَ مَعَهُ يَوْمَ

نبی کریم ﷺ سے پوچھا اور یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت ہے کہ یزید بن ہاد نے انہیں خبر دی کہ جس دن معاذ بن رفاعہ نے ان سے یہ حدیث بیان کی تھی

حَدَّثَهُ مُعَاذٌ هٰذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ يَزِيدُ فَقَالَ مُعَاذٌ إِنَّ السَّائِلَ هُوَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

تو وہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ یزید نے بیان کیا کہ معاذ نے کہا تھا کہ پوچھنے والے جبرئیل علیہ السلام تھے۔

اس روایت کا مضمون بھی گزشتہ دونوں احادیث والا ہی ہے، البتہ گزشتہ روایتیں معنعن تھیں، جبکہ اس حدیث میں سماع اور اخبار کی صراحت موجود ہے، اور محدثین کی نظر میں معنعن کے مقابلے میں وہ حدیث زیادہ افضل سمجھی جاتی ہے، جس میں تحدیث، سماع یا اخبار کی صراحت ہو، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تیسری روایت ذکر کی، جس سے واضح کر دیا کہ یہ حدیث صرف معنعن نہیں ہے بلکہ اس میں اخبار اور سماع کی صراحت بھی ہے۔

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ بَدْرٍ هٰذَا جِبْرِيْلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کی لڑائی میں فرمایا تھا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام

اٰخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ عَلَيْهِ أَدَاةُ الْحَرْبِ

اپنے گھوڑے کا سر تھامے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے ہیں

اس روایت کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ روایت بعینہ اسی سند اور ان ہی الفاظ کے ساتھ آگے غزوۂ اُحد میں آ رہی ہے ایسا تو بکثرت ہوتا ہے کہ ایک روایت گزرتی ہے دوسری روایت اسی سند کے ساتھ آتی ہے تاہم متن میں الفاظ کا فرق ہو جاتا ہے لیکن یہ روایت سندا و متنا بعینہ مکرر آئی ہے، شراح بخاری کی تحقیق کے مطابق ایسی روایات بیس سے کچھ زائد ہیں جن کے اندر متن اور سند بعینہ مکرر ہیں۔

بَابٌ

یہ باب فیما یتعلق ببدر کے معنی میں ہے۔

حَدَّثَنِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ مَاتَ أَبُو زَيْدٍ وَلَمْ يَتْرُكْ عَقِبًا وَكَانَ بَدْرِيًّا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوزید رضی اللہ عنہ وفات پا گئے اور انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، وہ بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے

محمد بن عبداللہ الانصاری رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کبار مشائخ میں سے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان سے براہ راست بھی روایات نقل کرتے ہیں، لیکن یہاں خلیفہ بن خیاط رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے امام بخای رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل کر رہے ہیں۔

حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ان کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

١ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم الصحابة میں ان کا نام اوس بن السكن نقل کیا ہے۔

٢ بعض حضرات نے ان کا نام معاذ نقل کیا ہے۔

٣ یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا نام ثابت بن زید بتایا ہے۔

لیکن یہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں، اور ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ہی میں قرآن مجید

حفظ کرلیا تھا، بدر میں شریک ہوئے اور بدر کے علاوہ دیگر تمام مشاھد میں بھی ان کی شرکت رہی، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ

عَنِ ابْنِ خَبَّابٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدِ بْنَ مَالِكٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَقَدَّمَ إِلَيْهِ
ابن خبابؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید بن مالک خدری رضی اللہ عنہ سفر سے واپس آئے تو ان کے گھر والوں نے

أَهْلُهُ لَحْمًا مِنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَقَالَ مَا أَنَا بِآكِلِهِ حَتَّى أَسْأَلَ فَانْطَلَقَ إِلَى أَخِيهِ لِأُمِّهِ
ان کے سامنے قربانی کا گوشت پیش کیا، انہوں نے کہا کہ میں اسے اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک اس کا حکم نہ معلوم کرلوں، چنانچہ وہ اپنی والدہ کی طرف سے

وَكَانَ بَدْرِيًّا قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ إِنَّهُ حَدَثَ بَعْدَكَ أَمْرٌ نَقْضٌ لِمَا كَانُوا يُنْهَوْنَ
اپنے ایک بھائی کے پاس معلوم کرنے گئے، وہ بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں میں سے تھے یعنی قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ، انہوں نے بتایا کہ بعد میں وہ حکم منسوخ کردیا گیا

عَنْهُ مِنْ أَكْلِ لُحُومِ الْأَضْحَى بَعْدَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ
جس میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے کی ممانعت کی گئی تھی۔

اس روایت کی سند میں مسلسل تین تابعی یحیی بن سعید، قاسم بن محمد اور ابن خباب رحمہ اللہ علیہم آئے ہیں، ابن خباب رحمۃ اللہ علیہ کا نام عبداللہ ہے اور یہ تینوں حضرات تابعی ہیں۔ یحیی بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ نے قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت نقل کی ہے، قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں اور اُس زمانے میں مدینہ منورہ کے جو فقہائے سبعہ معروف تھے، ان میں قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا اصل نام سعد بن مالک بن سنان ہے، لیکن احادیث میں آپ کا ذکر عام طور سے نام کے ساتھ نہیں آتا بلکہ جب ذکر آتا ہے تو ابوسعید خدری کنیت کے ساتھ آتا ہے۔ ایک اور صحابی حضرت سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام بھی سعد بن مالک ہے، البتہ دادا کے نام میں فرق ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سعد بن مالک بن سنان ہیں، جبکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سعد بن مالک بن وہیب ہیں۔

بہر حال حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ عیدالاضحیٰ کے زمانے میں سفر مقام پر گئے ہوئے تھے، وہاں سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے، جب گھر پہنچے، **فَقَدَّمَ إِلَيْهِ أَهْلُهُ لَحْمًا مِنْ لُحُومِ الْأَضْحَى** تو ان کے گھر والوں نے ان کے سامنے قربانی کا گوشت پیش کیا۔ عیدالاضحیٰ کے ایام گزر چکے تھے، تین دن سے زیادہ عرصہ ہوگیا تھا، ممکن ہے پانچ، دس دن یا اس سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہو، جبکہ قربانی کا گوشت گھر والوں نے ابھی تک رکھا ہوا تھا، تو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: **مَا أَنَا بِآكِلِهِ** میں اسے نہیں کھاؤں گا، **حَتَّى أَسْأَلَ** یہاں تک کہ میں مسئلہ پوچھ لوں کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **فَانْطَلَقَ إِلَى أَخِيهِ لِأُمِّهِ** چنانچہ وہ اپنے اخیافی (ماں شریک) بھائی کے پاس گئے۔ ان کا نام قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ تھا، اب جب راوی نے ان کا ذکر کیا تو بڑے احترام سے ذکر کیا اور کہا کہ **وَكَانَ بَدْرِيًّا**

کہ یہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں۔

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں ان کی ایک آنکھ غزوۂ اُحد میں باہر نکل آئی تھی، چنانچہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! میری بیوی سے مجھے بڑی محبت ہے اور وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے، اب میری یہ آنکھ باہر آگئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر وہ مجھے دیکھے تو مجھ سے نفرت کرنے لگے، لہٰذا آپ میرے لئے دعا فرمادیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی اور ان کی وہ آنکھ پہلے سے زیادہ بہتر ہوگئی، ان کا انتقال سن ۲۲ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

بہرحال حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مسئلہ دریافت کرنے حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے کہ میرے گھر والے قربانی کے تین دن گزرنے کے بعد مجھے قربانی کا گوشت کھلا رہے ہیں، میں یہ کھا سکتا ہوں یا نہیں؟ تو حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہاری غیر موجودگی میں نیا حکم آگیا ہے اور اب قربانی کے دنوں کے بعد بھی قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔

بات دراصل یہ تھی کہ اس سے گزشتہ سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت نہ کھا سکتے ہیں اور نہ ہی جمع کر سکتے ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فقر و فاقے کا زمانہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ غریبوں کا زیادہ سے زیادہ بھلا ہو، البتہ وہ عارضی حکم تھا اور اسی سال کے ساتھ خاص تھا، اگلے سال وہ حکم باقی نہ رہا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کلوا واطعموا وادخروا خود بھی کھاؤ، لوگوں کو بھی کھلاؤ اور ذخیرہ کر کے رکھنا چاہو تو ذخیرہ کر کے بھی رکھو۔ (کتاب الاضاحی میں ان شاء اللہ اس کی تفصیل آجائے گی)

گوشت ذخیرہ کرنے کے دو طریقے

آج کل گوشت کو تجمید کے ذریعے محفوظ کیا جاتا ہے، اسے فریزر وغیرہ برف میں جما دیتے ہیں۔ پرانے زمانے میں گوشت کو تشمیس کے ذریعے سے محفوظ کیا جاتا تھا، جیسے اب بھی بعض علاقوں میں ایسا کیا جاتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں گوشت کو سکھا لیا جاتا ہے، نمک لگا کر دھوپ میں گوشت کو لٹکا دیتے ہیں اور اس کا سارا پانی نکال دیا جاتا ہے، اس طرح وہ سڑتا نہیں ہے اور کافی عرصے تک محفوظ رہتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تشمیس ہی کا طریقہ اختیار کرتے تھے، اور اس طرح جو گوشت خشک کر کے استعمال کیا جاتا ہے، اسے عربی زبان میں قدید کہتے ہیں، چنانچہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھانا پیش کیا گیا اور اس میں قدید تھا۔

بہرحال حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا اصل مقام تو کتاب الاضاحی ہے لیکن چونکہ اس روایت میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے بدر میں شریک ہونے کا ذکر کر رہے ہیں اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تخریج

یہاں غزوۂ بدر کے بیان میں فرمائی ہے۔

حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ

قَالَ الزُّبَيْرُ لَقِيتُ يَوْمَ بَدْرٍ عُبَيْدَةَ بْنَ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ وَهُوَ مُدَجَّجٌ لَا يُرَى مِنْهُ إِلَّا عَيْنَاهُ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں میری مڈبھیڑ عبیدہ بن سعید بن عاص سے ہوگئی، اس کا سارا جسم لوہے میں غرق تھا اور صرف اس کی آنکھیں دکھائی دے

وَهُوَ يُكْنَى أَبُو ذَاتِ الْكَرِشِ فَقَالَ أَنَا أَبُو ذَاتِ الْكَرِشِ فَحَمَلْتُ عَلَيْهِ بِالْعَنَزَةِ فَطَعَنْتُهُ فِي

رہی تھیں، اس کی کنیت ابوذات الکرش تھی، وہ کہنے لگا کہ میں ابوذات الکرش ہوں، میں نے چھوٹے برچھے سے اس پر حملہ کیا اور اس کی آنکھ ہی کو

عَيْنِهِ فَمَاتَ قَالَ هِشَامٌ فَأُخْبِرْتُ أَنَّ الزُّبَيْرَ قَالَ لَقَدْ وَضَعْتُ رِجْلِي عَلَيْهِ ثُمَّ تَمَطَّأْتُ

نشانہ بنایا، چنانچہ اس زخم سے وہ مر گیا۔ ہشام نے بیان کیا کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر میں نے اپنا پاؤں اس کے اوپر رکھ کر انگڑائی لیتے ہوئے پورا زور لگایا

فَكَانَ الْجَهْدُ أَنْ نَزَعْتُهَا وَقَدِ انْثَنَى طَرَفَاهَا قَالَ عُرْوَةُ فَسَأَلَهُ إِيَّاهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

اور بڑی دشواری سے وہ برچھا اس کی آنکھ سے نکال سکا، اس کے دونوں کنارے مڑ گئے تھے۔ عروہ نے بیان کیا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کا وہ برچھا طلب فرمایا

وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُ فَلَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَهَا ثُمَّ طَلَبَهَا أَبُو بَكْرٍ

تو انہوں نے وہ پیش کر دیا۔ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوگئی تو انہوں نے اسے واپس لے لیا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے طلب کیا

فَأَعْطَاهُ فَلَمَّا قُبِضَ أَبُو بَكْرٍ سَأَلَهَا إِيَّاهُ عُمَرُ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهَا فَلَمَّا قُبِضَ عُمَرُ أَخَذَهَا ثُمَّ طَلَبَهَا

تو انہوں نے انہیں بھی دے دیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے طلب کیا، انہوں نے انہیں بھی دے دیا۔ عمرؓ کی وفات کے بعد انہوں نے اسے لے لیا۔

عُثْمَانُ مِنْهُ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهَا فَلَمَّا قُتِلَ عُثْمَانُ وَقَعَتْ عِنْدَ آلِ عَلِيٍّ فَطَلَبَهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ

پھر عثمانؓ نے طلب کیا تو انہوں نے انہیں بھی دے دیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ علیؓ کی اولاد کے پاس رہا اور اس کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اسے لے لیا

فَكَانَتْ عِنْدَهُ حَتَّى قُتِلَ

اور وہ نیزہ ان کے پاس ہی رہا، یہاں تک کہ وہ شہید ہوگئے۔

اس روایت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ خود سنا رہے ہیں کہ بدر کے دن میرا مقابلہ عبیدہ بن سعید بن عاص سے ہوا جو سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا، اس کی آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، اس کی کنیت ابو ذات الکرش تھی، اس نے میرے سامنے آ کر نعرہ لگایا کہ میں ابو ذات الکرش ہوں، یعنی صرف اتنا ہی کہہ دینا مقابل کو ڈرانے کے لیے کافی سمجھا کیونکہ وہ بہت مشہور پہلوان تھا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاتھ میں جو نیزہ تھا وہ میں نے اس کی آنکھ میں مارا اور اسی سے اس کا کام تمام ہوگیا، یعنی وہ مر گیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہ مر گیا تو میں نے اپنا پیر اس پر رکھ کر انگڑائی لی اور زبردست مشقت کے بعد کھینچ کر اس نیزے کو نکالا، جس کی وجہ سے اس نیزے کے دونوں کونے مڑ گئے، چونکہ یہ ایک یادگار نیزہ تھا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے وہ نیزہ لے لیا، جب آپ ﷺ کا وصال ہوا، تو یہ نیزہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ گیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ نیزہ لے لیا، ان کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس وہ نیزہ رہا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ نیزہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس آ گیا اور پھر ان کی شہادت تک ان ہی کے پاس رہا، اب اگر دیکھا جائے تو یہ نیزہ جس کو عنزۃ سے تعبیر کیا ہے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے پاس رکھنے کا اہتمام کیا حالانکہ اس کے دونوں کونے مڑ گئے تھے اور ایک اعتبار سے یہ ناکارہ ہو چکا تھا، قابل استعمال نہیں تھا لیکن اس کے باوجود اسے یادگار کے طور پر اور تبرک کے طور پر رکھا جا رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تبرکاً کسی چیز کو رکھنا یہ شرک نہیں ہے اور تبرک باثار الصلحاء یہ بری بات نہیں ہے بلکہ پسندیدہ چیز ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ عَائِذُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ
أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَايِعُوْنِي

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور وہ بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھ سے بیعت کرو۔

اس روایت میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بدری ہونے کا ذکر ہے۔

یہ روایت یہاں مختصر ہے، یہاں روایت میں بس اس قدر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ مجھ سے بیعت کرو۔ کس بات پر بیعت کرو؟ اس کی تفصیل دوسری جگہوں میں ہے کہ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، کسی پر کوئی بہتان نہیں باندھو گے، کسی بھلائی کی بات میں میری نافرمانی نہیں کرو گے، نیز اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی: يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ۔

یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ بیعت کی چار قسمیں ہیں: بیعة على الاسلام، بیعة على الجهاد، بیعة على التقوى، بیعة على الامارة۔

❶ بیعة على الاسلام: یہ اس زمانے میں بھی تھی اور اب بھی ہے کہ کوئی کافر آئے اور آ کر اسلام قبول کرے، جیسے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے مدینہ منورہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا أبسط يدك ابايعك على الإسلام میں اسلام لانے کے لیے آیا ہوں، لہٰذا آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے تا کہ میں آپ سے اسلام پر بیعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! کیا بات ہوگئی؟ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تشترط ماذا؟ کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ کہا کہ میں یہ شرط لگانا چاہتا ہوں کہ

میری معافی ہوجائے، میں بہت گناہ گار آدمی ہوں، میں نے اسلام کی بہت مخالفت کی ہے، بدر، احد، احزاب، ان سب مواقع پر میں مسلمانوں کے خلاف لڑتا رہا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اسلام لانے کے بعد میرے سارے گناہ معاف ہوجائیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ أما علمت یا عمرو أن الإسلام یهدم ما کان قبله اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پچھلے سارے گناہوں کو ختم کردیتا ہے؟؟ یہ بیعت بیعة علی الاسلام تھی۔

۲ بیعة علی الجهاد: یہ ہے کہ امیر کے ہاتھ پر بیعت کی جائے کہ ہم جہاد کریں گے، یہاں تک کہ یا تو ہمیں شہادت نصیب ہوجائے یا فتح نصیب ہوجائے، جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے اور قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ یہ بیعت علی الاسلام نہیں تھی، کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم تو پہلے سے مسلمان تھے اس لئے یہ بیعة علی الجهاد اور بیعة علی الموت تھی۔ بعض روایات میں بیعة علی الجهاد کے الفاظ ہیں اور بعض میں بیعة علی الموت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ جہاں بیعة علی الموت کا ذکر ہے، اس کا بھی یہی مطلب تھا کہ میں آخر دم تک کافروں سے جہاد کروں گا، یہاں تک کہ یا فتح نصیب ہوجائے، ورنہ موت مقدر ہے تو شہادت نصیب ہوجائے۔

۳ بیعة علی التقویٰ: یہ وہی بیعت ہے، جو آج کل اہل تصوف کے ہاں بھی رائج ہے کہ تقویٰ پر بیعت کی جاتی ہے کہ ہم یہ گناہ نہیں کریں گے، یہ گناہ نہیں کریں گے، یہ گناہ نہیں کریں گے۔ اس کی ایک مثال سورۃ الممتحنة کے آخر میں آیت بیعة النساء ہے، کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آئی تھیں، آپ نے ان سے یہ بیعت لی تھی۔ اسی طرح زیر نظر حدیثِ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ میں بھی آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ بایعونی مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ شرک نہیں کروگے، چوری نہیں کروگے الی اخرہ۔ یہ بیعت بھی بیعة علی الاسلام نہیں تھی اور نہ ہی اس میں جہاد کا کہیں ذکر ہے، بلکہ اس میں گناہوں سے بچنے کا ذکر ہے، اس لیے یہ بیعة علی التقویٰ ہے۔

۴ بیعة علی الامارة: یہ ہے کہ مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ بننے پر اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، جیسے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، پھر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی، پھر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی، پھر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اب یہ ساری بیعتیں بیعة علی الاسلام بھی نہیں تھیں، بیعة علی الجهاد و الموت بھی نہیں تھیں اور بیعة علی التقوی بھی نہیں تھیں بلکہ یہ بیعة علی الامارة والخلافة تھیں۔

قرآن وحدیث میں جس بیعت تقویٰ کا ذکر ہے، اس میں گناہوں سے پرہیز پر زور دیا گیا ہے، چنانچہ سورہ ممتحنہ کی آیت بیعة النساء سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیعت لی جاتی تھی کہ میں ان کاموں کو نہیں کروں گا۔ نیز حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اسی بیعت کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ مذکورہ کاموں سے پرہیز کریں گے۔ اُس زمانے میں یہی بیعت ہوا کرتی تھی۔ کہ سب میں لا، لا، لا یہ نہیں کروگے، یہ نہیں کروگے، یہ نہیں کروگے، بالکل اسی طرح ہمارے اکابر کے یہاں بھی اس بات کا بہت زیادہ اہتمام ہوتا ہے کہ پہلے اپنے آپ کو ٹھیک کرو، اپنا گند نکالو، اندر جو خباثتیں چھپی ہوئی ہیں ان کو باہر نکالو، صرف اذکار اور وظائف کا اہتمام نہ کرو اور صرف ظاہر کو بنانے کی فکر میں نہ لگو، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے دل میں جھانکو کہ تمہارے اندر کیا چھپا ہوا ہے، اس کی اصلاح کرو۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ مشہور ہے، وہ فرماتے تھے کہ اگر کسی کو بزرگ بننا ہے تو کہیں اور جائے، انسان بننا ہے تو یہاں آئے۔ نیز وہ فرماتے تھے کہ لوگ بزرگ بناتے ہیں، میں انسان بناتا ہوں اور فرمایا کہ بزرگ بننا کیا مشکل ہے؟ بزرگ بننا کوئی مشکل نہیں، کرتا لمبا کرلو، ہاتھ میں ایک تسبیح لے لو، گردن جھکالو، بس بن گئے بزرگ، لیکن انسان بننا، مسلمان بننا، متقی بننا یہ تو بہت مشکل کام ہے۔

اسی لیے اگر کوئی فجر کی دوسنت، دوفرض پڑھ لے، نہ اشراق پڑھے، نہ چاشت پڑھے، نہ ذکر واذکار کرے، کچھ بھی نہ کرے لیکن صبح سے شام تک اسے ایک ہی فکر ہو کہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوجائے، جبکہ دوسرا آدمی وہ ہے جس نے رات کو تہجد بھی پڑھی، پھر اشراق بھی پڑھی، پھر چاشت بھی پڑھی، پھر تھوڑی سی رشوت بھی لے لی، کالی عینک لگا کر ادھر اُدھر نظریں بھی گھمالیں، تو یہ شخص ہزار بار اپنے آپ کو بزرگ سمجھے، آئینے میں شکل دیکھ کر خوش ہوتا رہے، مگر یہ بزرگ نہیں ہے، بزرگ وہ پہلا شخص ہے جو فرائض کی ادائیگی کے ساتھ گناہوں سے بچنے کی فکر کرتا ہے، کیونکہ وہ متقی ہے۔

الغرض، تقوی کا مطلب صرف وظیفے نہیں ہے، وظائف کا اہتمام ایک اضافی چیز ہے، ان وظیفوں کی مثال ایسی ہے جیسے کھانے میں چٹنی، سلاد، پھل، اصل چیز گناہوں سے بچنا ہے، صحت مند کسے کہتے ہیں؟ جس میں کوئی بیماری نہ ہو، صحت مند وہ نہیں ہے جو اتنا موٹا ہو، اتنا لمبا ہو، اتنا کھانا کھالیتا ہو، بلکہ صحت مند وہ ہے جسے کوئی بیماری نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح متقی اور بزرگ وہ ہے، جو گناہ سے بچتا ہو۔

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیثِ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ میں صحابہ سے جو بیعت لی یہ بیعة علی الاسلام بھی نہیں تھی، بیعة علی الجهاد بھی نہیں تھی اور بیعة علی الامارة بھی نہیں تھی بلکہ آية بيعة النساء کے مطابق بیعة علی التقوی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تقویٰ حاصل کرنے والا اور متقی و پرہیزگار بنائے، آمین!

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَبَا حُذَيْفَةَ وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ

نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَنَّى سَالِمًا وَأَنْكَحَهُ بِنْتَ أَخِيهِ هِنْدَ بِنْتَ الْوَلِيدِ

بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں میں سے تھے، انہوں نے سالم رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اور اپنی بھتیجی ہند بنت ولید بن عتبہ سے ان کی شادی کرا دی تھی،

بْنِ عُتْبَةَ وَهُوَ مَوْلًى لِامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ كَمَا تَبَنَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا

سالم رضی اللہ عنہ ایک انصاری خاتون کے آزاد کردہ غلام تھے۔ جیسے نبی کریم ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا،

وَكَانَ مَنْ تَبَنَّى رَجُلًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ دَعَاهُ النَّاسُ إِلَيْهِ وَوَرِثَ مِنْ مِيرَاثِهِ حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى

جاہلیت میں دستور تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیتا تو لوگ اسی کی طرف اسے منسوب کر کے پکارتے اور وہ اس کی میراث کا بھی وارث ہوتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ

أُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ فَجَاءَتْ سَهْلَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ

آیت نازل کی (ترجمہ) انہیں ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ تو سہلہ ؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، پھر تفصیل سے راوی نے حدیث بیان کی

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے سالم بن معقل کو متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنالیا تھا اور اپنی بھتیجی سے سالم کی شادی کردی تھی، ان کی بھتیجی کا نام بخاری کی اس روایت کے علاوہ نسائی اور ابوداؤد کی روایات میں **ہند بنت الولید** بیان کیا گیا ہے، لیکن مؤطا مالک کی روایت میں ان کا نام **فاطمہ** بتایا گیا ہے۔ دونوں روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ممکن ہے ان کے دونام ہوں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک نام ہو اور دوسرا لقب ہو تو کسی نے نام اور کسی نے لقب کا ذکر کردیا۔

عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ یہ وہ لوگ ہیں، جو غزوۂ بدر میں کفار کی طرف سے شریک ہوئے تھے اور مارے گئے تھے، اور یہ ولید بن عتبہ، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا، جس کی بیٹی سے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے متبنیٰ سالم کا نکاح کرایا تھا۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی طرف سے شریک ہوئے تھے، جسے بیان کرنے کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت یہاں لے کرآئے ہیں، جبکہ ان کے سگے بھائی ولید بن عتبہ، اسی طرح ان کے والد عتبہ بن ربیعہ اور چچا شیبہ بن ربیعہ یہ سب کے سب کافروں کی طرف سے آئے تھے، اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ انصار کے لیے مشرکین مکہ سے لڑنا کوئی مشکل نہیں تھا کیونکہ ان کی تلواریں غیروں پر پڑ رہی تھیں، جبکہ اصل مسئلہ مہاجرین کے لیے تھا، کیونکہ جتنے مہاجرین تھے، وہ یا تو قریش سے تعلق رکھتے تھے، یا قریش ہی کے ذیلی قبائل سے تعلق رکھتے تھے، لہٰذا ان کی تلواریں غیروں پر نہیں بلکہ اپنوں پر پڑ رہی تھیں، اسی وجہ سے مہاجرین کا مقام اونچا ہے، سارے عشرہ مبشرہ مہاجرین میں سے ہیں، قرآن مجید نے بھی مہاجرین کا ذکر پہلے کیا اور انصار کا ذکر بعد میں کیا۔ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کے والد عتبہ بن ربیعہ کو قتل کردیا گیا تو ان کے چہرے پر غم کے آثار تھے، نبی کریم ﷺ نے محسوس کیا کہ بیٹا ہے، باپ کے انتقال پر غم ہے، تو

فرمایا کہ تمہیں اپنے والد کے انتقال پر غم محسوس ہو رہا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہاں مجھے غم محسوس ہو رہا ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی توفیق عطا فرما دیتے تو وہ آخرت کے عذاب سے بچ جاتے۔

الغرض حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بھائی ولید بن عتبہ تھا، جب بھائی کو بدر میں قتل کر دیا گیا تو انہوں نے بھتیجوں، بھتیجیوں کو اپنے پاس مدینہ بلا لیا تھا اور وہ سب مسلمان بھی ہو گئے تھے، لہٰذا بعد میں انہوں نے اپنی ایک بھتیجی ہند بنت ولید کا نکاح اپنے منہ بولے بیٹے سالم رضی اللہ عنہ سے کرا دیا۔

یہ روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب النکاح میں باب الاکفاء فی الدین کے ذیل میں بھی ذکر فرمائیں گے اور وہاں اس حدیث سے اس مسئلے پر استدلال فرمائیں گے کہ اگر کوئی شخص جو قریش سے تعلق رکھتا ہو، وہ اپنی بیٹی یا بھتیجی کا نکاح کسی غیر قریش سے کرا دے تو آیا یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ اور کفائت شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں ہوگی؟ تو امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بھی اس طرح نکاح کرا دے گا تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا اور یہ عدم کفائت مانع نہیں ہوگی کیونکہ لڑکی بھی راضی ہے اور لڑکی کا ولی بھی راضی ہے، احناف بھی ولی کی اجازت کے ساتھ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

وَهُوَ مَوْلًى لِامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ : حضرت سالم رضی اللہ عنہ ایک انصاری خاتون ثبیتة بنت یعار کے آزاد کردہ غلام تھے، یہاں اشکال ہوتا ہے کہ کتاب المناقب میں ایک باب ہے باب مناقب سالم مولی ابی حذیفة وہاں حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو مولی ابی حذیفة کہا گیا ہے اور اس روایت میں ھو مولی لامراۃ من الانصار کہا گیا ہے کہ وہ ایک انصاریہ کے آزاد کردہ غلام تھے، بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ کتاب المناقب میں حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو جو مولی ابی حذیفة کہا ہے وہ مجازاً کہا ہے، اصل میں تو یہ سالم ثبیتة انصاریة کے مولی اور معتق تھے، لیکن ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے چونکہ ان کو بیٹا بنا لیا تھا، گویا مولی الموالاۃ تھے اور ان ہی کے گھر پرورش پا کر جوان ہوئے تھے، اس لیے مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مشہور ہو گئے، چنانچہ اسماء الرجال اور احادیث کی کتابوں میں ان کا نام سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی مذکور ہے۔

وَكَانَ مَنْ تَبَنّٰى رَجُلًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ دَعَاهُ النَّاسُ إِلَيْهِ اور دور جاہلیت میں جو کسی کو اپنا بیٹا بناتا تھا تو لوگ اسی کی طرف نسبت کر کے اس کو پکارتے تھے، **وَوَرِثَ مِنْ مِيرَاثِهِ** اور وہ اس کی میراث میں سے وارث بھی ہوتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: **أُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ** اس آیت نے منع کر دیا کہ اب کسی کو اس طرح بیٹا بنانا کہ اس پر حقیقی بیٹے کے احکام جاری کیے جائیں درست نہیں، یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ اسے میراث میں سے بھی حق دیا جائے اور پردے کے احکام بھی اس کے لیے لاگو نہ ہوں وغیرہ، بلکہ صرف بطور محبت بیٹا بنانے کی اجازت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے دیا کہ اب متبنیٰ کی نسبت پرورش کرنے والے کی طرف نہ کی جائے بلکہ اس کے حقیقی

باپ کی طرف نسبت کی جائے: اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے اوپر اس حکم کو جاری فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا، ساری دنیا ان کو زید بن محمد کہتی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمادیا کہ آج سے ان کو زید بن محمد نہ کہا جائے بلکہ ان کی نسبت ان کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے، چنانچہ پھر انہیں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہا جانے لگا۔

فَجَاءَتۡ سَهۡلَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ : راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد سہلہ رضی اللہ عنہا (یہ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں فَذَكَرَ الۡحَدِيۡثَ اور پھر راوی نے پوری حدیث ذکر کی۔

اب وہ کیا حدیث ذکر کی؟ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر نہیں کیا، نیز یہی حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الرضاع میں بھی ذکر کی ہے، لیکن وہاں بھی یہ حدیث پوری ذکر نہیں کی بلکہ تھوڑا سا حصہ ذکر کیا ہے، باقی حصے کو حذف کردیا ہے، البتہ یہ حدیث صحیح مسلم میں پوری تفصیل کے ساتھ آئی ہے۔

مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانے کا مسئلہ

اس حدیث سہلہ رضی اللہ عنہا میں ارضاع کبیر کا مسئلہ آیا ہے، یعنی اگر کوئی عورت کسی جوان یا بڑے آدمی کو دودھ پلائے تو آیا اس سے رضاعت کا حکم ثابت ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟

جمہور علماء وفقہاء کے نزدیک دوسال یا ڈھائی سال کے بعد دودھ پلانا ناجائز ہے اور اس سے حرمت رضاعت بھی ثابت نہیں ہوتی، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کی قائل تھیں کہ اگر کوئی عورت اپنا دودھ کسی برتن وغیرہ میں نکال کر کسی بڑی عمر کے آدمی کو پلا دے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے اور پھر پردے کے احکام میں بھی تخفیف ہوجاتی ہے، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف تھا اور وہ سہلہ رضی اللہ عنہا کے اس قصے سے استدلال کرتی تھیں۔

اس کا قصہ یہ ہوا کہ حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا جو حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ سالم ہمارے گھر میں بڑا ہوا ہے اور اس نے میرے شوہر ابوحذیفہ کی کفالت میں زندگی گزاری ہے، میں اس کی ماں کی طرح ہوں لیکن اب جب وہ جوان ہوگیا ہے اور وہ گھر میں آتا ہے تو میں دیکھتی ہوں کہ میرے شوہر کو ناگوار گزرتا ہے۔ اب حقیقت میں تو بیٹے کا رشتہ نہیں تھا، اس لیے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کو بوجھ ہوتا تھا کہ یہ میری بیوی کے سامنے کیوں آتا ہے، جبکہ حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ یہ چھوٹا سا بچہ تھا، ہم نے اس کو پالا ہے، اب یہ بڑا ہوگیا ہے، میں اس کی حقیقی ماں تو نہیں ہوں لیکن مجھے وہ اپنی ماں کی طرح ہی سمجھتا ہے اور میں بھی اسے اپنے بیٹوں کی طرح سمجھتی ہوں، گویا اس طرح انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے اضطراب کا اظہار کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس اضطراب کو دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایسا کرو کہ تم سالم کو اپنا دودھ پلا دو، جب تم

اسے دودھ پلا دو گی تو ابو حذیفہ کو جو خیال اور ناگواری ہے، وہ ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا نے اپنا دودھ برتن میں نکالا اور سالم کو پلا دیا تو ان کے شوہر کی ناگواری ختم ہو گئی اور وہ بھی یہ سمجھنے لگے کہ یہ ہمارا رضاعی بیٹا ہے۔

اب اس واقعے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ ارضاع کبیر شرعاً معتبر ہے، یعنی اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن باقی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مؤقف اس کے خلاف تھا، نیز ائمہ اربعہ میں سے بھی کوئی اس کا قائل نہیں ہے۔ اس حدیث کے بارے میں یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حضرت سالم، حضرت ابو حذیفہ اور حضرت سہلہ رضی اللہ عنہم کی خصوصیت تھی، اس خصوصیت پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا جمہور کا مذہب یہی ہے کہ دو سال (ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے مسلک کے مطابق) یا ڈھائی سال (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق) کے بعد اگر کوئی بچہ یا جوان کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، نیز مدت رضاعت کے بعد دودھ پینا اور پلانا ناجائز ہے۔

تو اب اس روایت کا اصل تعلق ارضاع کبیر کے مسئلے سے ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب النکاح والرضاع میں یہ حدیث ذکر ہی نہیں فرمائی، نہ مختصر اور نہ ہی مکمل، بظاہر اس کی وجہ یہی ہے کہ امام بخاریؒ اس حدیث سے رضاعت کے مسئلے پر استدلال کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے، اس لیے انہوں نے پوری بخاری میں کسی جگہ بھی یہ حدیث مکمل ذکر نہیں کی، البتہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مکمل ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ: حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں، ان کا نام بعض لوگوں نے مہشم بعض نے ہشیم بعض نے ہاشم اور بعض نے قیس بتایا ہے، یہ فضلاء صحابہ میں سے ہیں اور صاحب الهجرتين ہیں، چھپن سال کی عمر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔

حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ ذَكْوَانَ

عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ

ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس رات میری شادی ہوئی تھی نبی کریم ﷺ اس کی صبح کو میرے یہاں تشریف لائے

عَلٰى فِرَاشِي كَمَجْلِسِكَ مِنِّي وَ جُوَيْرِيَاتٌ يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ يَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اٰبَائِهِنَّ يَوْمَ بَدْرٍ

اور میرے بستر پر بیٹھے، جیسے اب تم یہاں میرے پاس بیٹھے ہوئے ہو اور چند بچیاں دف بجا رہی تھیں اور وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جن میں ان کے آباء کا ذکر تھا جو بدر کی لڑائی میں

حَتّٰى قَالَتْ جَارِيَةٌ وَ فِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

شہید ہو گئے تھے۔ انہیں میں سے ایک لڑکی نے یہ مصرع بھی پڑھا کہ ہم میں نبی کریم ﷺ ہیں جو کل ہونے والی بات کو جانتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا

لَا تَقُولِي هٰكَذَا وَ قُولِي مَا كُنْتِ تَقُولِينَ

کہ یہ نہ کہو، بلکہ جو پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہو

اس روایت کو بھی یہاں ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما (عفراء رضی اللہ عنہا کے بیٹے) دونو جوان بھائی تھے، جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے اور ابو جہل کو قتل کرنے میں بھی ان کا بڑا کردار تھا، ان میں معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں ہی شہید ہو گئے تھے، البتہ دوسرے بھائی معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ زندہ رہے۔ اب معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا تو انتقال ہو گیا، مگر ان کی ایک بیٹی ربیع رضی اللہ عنہا تھیں، جب ان کی شادی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شادی کے بعد خود ان کے گھر تشریف لے گئے اور شہید کی بیٹی کی خوشی میں شریک ہوئے۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات

یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ خلوۃ بالا جنبیۃ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسے کی؟

❶ ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے۔

❷ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں خلوت نہیں تھی کیونکہ یہاں دوسری بچیاں بھی موجود تھیں، جو گیت گا رہی تھیں۔

❸ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی کیونکہ پردہ واجب لعینہ نہیں بلکہ بوجہ فتنہ کے واجب لغیرہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں وہاں فتنہ کا کوئی خوف اور احتمال موجود نہیں۔

وَجُوَيْرِيَاتٌ يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ: وہاں کچھ بچیاں تھیں، جو دف بجا رہی تھیں۔ اسے دُف اور دَف دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ ایک ڈھول ہوتا ہے جو دونوں طرف سے بند ہوتا ہے اور ایک دف ہوتا ہے، جو صرف ایک طرف سے بند ہوتا ہے اور دوسری طرف سے کھلا ہوا ہوتا ہے۔ اس دف کے بجانے کی اجازت ہے، اطلاع کے لیے بھی اور خوشی کے موقع پر بھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شادی میں خوشی کا اظہار شریعت کے موافق ہے۔

اس حدیث سے دف بجانے کا جواز معلوم ہو رہا ہے، لیکن اس سے آج کل کے مزامیر کے استعمال اور گانوں کے جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ ہی دف کو اس انداز اور آلات کے ساتھ بجانے کے جواز پر استدلال کیا جا سکتا ہے جس سے دف کی آواز میں طرب اور جھنکار آ جائے، اسی طرح آج کل منہ سے میوزک نما آوازیں نکال کر اس کو جائز سمجھا جا رہا ہے، حالانکہ اس میں بھی طرب اور جھنکار پائی جاتی ہے، الغرض طرب اور جھنکار چاہے آلات موسیقی کے ذریعے ہو، چاہے دف کے ذریعے، چاہے منہ کے ذریعے یہ سب حرام موسیقی میں شامل ہے۔

حَتّٰى قَالَتْ جَارِيَةٌ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ: ایک بچی نے کہا کہ ہمارے درمیان نبی موجود ہیں جو مستقبل کی بات جانتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **لَا تَقُوْلِيْ هٰكَذَا** اس طرح مت کہو کیونکہ مستقبل کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے، اگر اللہ کسی کو مستقبل کے کسی واقعہ کا علم دے دیں تو اور بات ہے لیکن بغیر کسی سبب کے اور بغیر عطاء الٰہی کے کسی کو مستقبل کا علم نہیں ہو سکتا۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ. ح حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ:

أَخْبَرَنِي أَبُو طَلْحَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ قَدْ شَهِدَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی اور وہ

بَدْرًا مَّعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ

نبی کریم ﷺ کے ساتھ بدر کی لڑائی میں شریک تھے کہ فرشتے اس گھر میں نہیں آتے

وَلَا صُورَةٌ يُرِيدُ صُورَةَ التَّمَاثِيلِ الَّتِي فِيهَا الْأَرْوَاحُ

جس میں تصویر یا کتا ہو، ان کی مراد جاندار کی تصویریں تھیں

یہاں روایت میں آیا ہے: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ اس میں لفظ ملائکہ عام نہیں ہے بلکہ عام مخصوص منه البعض ہے، اس لیے کہ جو روح نکالنے والے فرشتے ہیں، وہ تو ہر حال میں داخل ہو ہی جاتے ہیں، لہٰذا یہاں ملائکہ سے مراد رحمت اور سکینت کے فرشتے ہیں کہ وہ اس بیت میں داخل نہیں ہوتے، جس میں کتا یا تصویر ہو۔

بیت کا ترجمہ عام طور سے کمرہ کیا جاتا ہے کیونکہ بیت کہتے ہیں: مایبات فیه جس میں آدمی رات گزارے۔ سب سے بڑا دار ہوتا ہے جو احاطہ کو کہتے ہیں، اس احاطے کے اندر منازل ہوتی ہیں، جیسے ایک بڑا احاطہ ہے، اس میں ایک چچا کا گھر ہے، ایک تایا کا گھر ہے، یا ایک بڑی بلڈنگ ہے، اس میں ایک یہ فلیٹ ہے، ایک وہ فلیٹ ہے، تو وہ بڑا احاطہ دار ہوا، اس کے اندر پھر منازل ہوئیں، اور پھر ہر منزل کے اندر بیت یا بیوت ہوتے ہیں۔ تو اگر دیکھا جائے تو یہاں روایت میں بیت کا ترجمہ کمرہ سے بھی ہو سکتا ہے، بلکہ یہ زیادہ اقرب ہے، اگرچہ کبھی کبھار تسمية الکل باسم الجزء کے قاعدے سے بیت سے پورا گھر یعنی منزل بھی مراد ہوتا ہے، اسی لیے اگر کم از کم اپنے کمرے سے تصویر نکال دے، مثلاً کوئی اخبار یا رسالہ مجبوری میں پڑھنے کے لیے لے آئے اور اس میں تصویریں ہیں تو کم از کم اپنے کمرے سے ہی اسے نکال دیا جائے تو یہ بھی غنیمت ہے، تاکہ رحمت کے فرشتے کمرے میں آسکیں۔

نیز روایت میں جو کلب کا لفظ آیا ہے، یہ کلب بھی اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ یہ عام مخصوص منه البعض ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کلب کی کئی اقسام ایسی ہیں، جن کے پالنے کی نبی کریم ﷺ نے اجازت دی ہے۔ شروع میں تو ہر قسم کے کتے کی ممانعت تھی لیکن بعد میں آپ ﷺ نے کچھ کتوں کے پالنے کی اجازت دے دی، جیسے کلب للصید (شکار کے لیے کتا)، کلب للماشية (ریوڑ کی دیکھ بھال کا کتا)، کلب للحرث (کھیتی کی حفاظت کے لیے کتا)، کلب للحراسة (پہرے کے لیے کتا)، یہ کئی قسم کے ایسے کتے ہیں، جن کی نبی کریم ﷺ نے پالنے کی اجازت دی ہے، تو یہاں روایت میں کلب سے وہ کتا مراد ہے، جس کے پالنے کی اجازت نہ ہو۔

اسی طرح ولا صورۃ میں صورۃ اپنے عموم پر نہیں ہے، کیونکہ تصویر اگر غیر ذی روح کی ہو تو وہ جائز ہے، چنانچہ اگر کوئی مسجد کی تصویر یا کسی درخت کی تصویر اپنے کمرے میں لگالے تو وہ دخول ملائکہ رحمت سے مانع نہیں ہے، اسی طرح وہ تصویر جو دراہم، دنانیر یا نوٹوں کے اوپر ہو، تو ان کرنسیوں کو بھی مجبوری میں استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسا اوقات اپنے عمامے میں دراہم یا دنانیر رکھ لیتے تھے، جبکہ وہ کفار کے بنے ہوئے ہوتے تھے اور اس پر کفار کی تصویر بھی ہوتی تھی اور وہ اسی حالت میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی تصویر ضرورت اور حاجت کی بناء پر ہو، جیسے شناختی کارڈ یا ڈرائیونگ لائسنس پر کسی کی تصویر ہے، یا نوٹوں اور دراہم کی تصویر ہے، اسے رکھنے کی اجازت ہے۔ جب فقہاء نے اس کی اجازت دے دی تو امید ہے کہ ایسی تصویر دخول ملائکہ رحمت کے لیے مانع نہیں ہوں گی۔

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ ح وحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ

أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيًّا قَالَ كَانَتْ لِي شَارِفٌ مِّنْ نَصِيبِي مِنَ
حضرت حسین بن علی ؓ فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جنگ بدر کی غنیمت میں سے مجھے ایک اونٹنی ملی تھی

الْمَغْنَمِ يَوْمَ بَدْرٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَانِي مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَيْهِ مِنَ الْخُمُسِ
اور مال فئی میں سے اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کا جو خمس کے طور پر حصہ مقرر کیا تھا اس میں سے بھی نبی کریم ﷺ نے مجھے ایک اونٹنی عنایت فرمائی تھی۔

يَوْمَئِذٍ فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَبْتَنِيَ بِفَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا بِنْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
پھر جب میرا ارادہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کروا لاؤں۔

وَاعَدْتُ رَجُلًا صَوَّاغًا فِي بَنِي قَيْنُقَاعَ أَنْ يَرْتَحِلَ مَعِيَ فَنَأْتِيَ بِإِذْخِرٍ فَأَرَدْتُ أَنْ أَبِيعَهُ مِنَ
تو اس لیے بنی قینقاع کے ایک سنار سے بات چیت کی کہ وہ میرے ساتھ چلے اور ہم اذخر گھاس لائیں۔ میرا ارادہ تھا کہ میں اس گھاس کو سناروں کے ہاتھ

الصَّوَّاغِينَ فَنَسْتَعِينَ بِهِ فِي وَلِيمَةِ عُرْسِي فَبَيْنَا أَنَا أَجْمَعُ لِشَارِفَيَّ مِنَ الْأَقْتَابِ وَالْغَرَائِرِ
بیچ دوں گا اور اس کی قیمت سے ولیمہ کرنے میں مجھے مدد ملے گی۔ تو میں ابھی اپنی اونٹنی کے لیے پالان، ٹوکرے

وَالْحِبَالِ وَشَارِفَايَ مُنَاخَانِ إِلَى جَنْبِ حُجْرَةِ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ حَتَّى جَمَعْتُ مَا جَمَعْتُ
اور رسیاں جمع کر رہا تھا۔ اور میری اونٹنیاں ایک انصاری صحابی کے حجرہ کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں، یہاں تک کہ میں جن انتظامات میں تھا جب وہ پورے ہو گئے

فَإِذَا أَنَا بِشَارِفَيَّ قَدْ أُجِبَّتْ أَسْنِمَتُهُمَا وَبُقِرَتْ خَوَاصِرُهُمَا وَأُخِذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا فَلَمْ أَمْلِكْ
تو (اونٹنیوں کو لینے آیا) وہاں دیکھا کہ ان کے کوہان کاٹ دیئے گئے ہیں اور ان کی کوکھیں چیر کر اندر سے کلیجی نکال لی ہے، یہ حالت دیکھ کر میں اپنے آنسوؤں کو

عَيْنَيَّ حِينَ رَأَيْتُ الْمَنْظَرَ قُلْتُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا قَالُوا فَعَلَهُ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَهُوَ فِي هٰذَا
نہ روک سکا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب نے اور وہ ابھی اسی حجرہ میں

الْبَيْتِ فِي شَرْبٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ عِنْدَهُ قَيْنَةٌ وَأَصْحَابُهُ فَقَالُوا فِي غِنَائِهَا أَلَا يَا حَمْزُ لِلشُّرُفِ
انصار کے ساتھ شراب نوشی کی ایک مجلس میں موجود ہیں۔ ان کے پاس ایک گانے والی ہے اور ان کے دوست ہیں۔ گانے والی نے گاتے ہوئے جب یہ مصرع پڑھا۔ ہاں، اے حمزہ!

النِّوَى فَوَثَبَ حَمْزَةُ إِلَى السَّيْفِ فَأَجَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا وَ أَخَذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا

یہ عمدہ اور فربہ اونٹنیاں ہیں، تو حمزہ نے کود کر اپنی تلوار تھامی اور ان دونوں اونٹنیوں کے کوہان کاٹ ڈالے اور ان کی کوکھ چیر کر اندر سے کلیجی نکال لی۔

قَالَ عَلِيٌّ فَانْطَلَقْتُ حَتّٰى أَدْخُلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عِنْدَهُ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں وہاں سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، زید بن حارثہ بھی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں موجود تھے۔

وَ عَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ لَقِيْتُ فَقَالَ مَا لَكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا رَأَيْتُ

آپ ﷺ نے میرے غم کو پہلے ہی جان لیا اور فرمایا کہ کیا بات پیش آئی؟ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آج جیسی تکلیف کی بات

كَالْيَوْمِ عَدَا حَمْزَةُ عَلَى نَاقَتَيَّ فَأَجَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا وَ بَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا وَ هَا هُوَ ذَا فِيْ بَيْتٍ مَّعَهُ

کبھی پیش نہیں آئی، حمزہ نے میری دونوں اونٹنیوں کے کوہان کاٹ ڈالے اور ان کی کوکھ چیر ڈالی ہے اور وہ یہیں ایک گھر میں شراب کی مجلس

شَرْبٌ فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرِدَائِهِ فَارْتَدٰى ثُمَّ انْطَلَقَ يَمْشِيْ وَ اتَّبَعْتُهُ أَنَا

جمائے بیٹھے ہیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے اپنی چادر مبارک منگوائی اور اسے اوڑھ کر آپ تشریف لے چلے۔ میں اور زید بن حارثہ بھی

وَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ حَتّٰى جَاءَ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ حَمْزَةُ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيْهِ فَأُذِنَ لَهُ فَطَفِقَ النَّبِيُّ

ساتھ ساتھ ہولئے۔ جب اس گھر کے قریب آپ تشریف لے گئے جس میں حمزہ موجود تھے تو آپ ﷺ نے اجازت مانگی جب اجازت مل گئی تو آپ ﷺ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلُوْمُ حَمْزَةَ فِيْمَا فَعَلَ فَإِذَا حَمْزَةُ ثَمِلٌ مُحْمَرَّةٌ عَيْنَاهُ فَنَظَرَ حَمْزَةُ إِلَى

حمزہ نے جو کچھ کیا تھا اس پر انہیں تنبیہ فرمانے لگے۔ حمزہ شراب کے نشے میں مدہوش تھے اور ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ فَنَظَرَ إِلَى رُكْبَتِهِ ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ فَنَظَرَ إِلَى وَجْهِهِ

پھر حمزہ نے آپ ﷺ کو اوپر سے اپنی نظر دوڑاتے ہوئے گھٹنوں تک دیکھا، پھر اوپر نظر اٹھائی اور آپ کے چہرہ پر دیکھنے لگے۔

ثُمَّ قَالَ حَمْزَةُ وَهَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيْدٌ لِّأَبِيْ فَعَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ثَمِلٌ

پھر کہنے لگے، تم سب میرے باپ کے غلام ہو۔ آپ ﷺ سمجھ گئے کہ وہ اس وقت نشے میں مدہوش ہیں۔

فَنَكَصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عَقِبَيْهِ الْقَهْقَرٰى فَخَرَجَ وَ خَرَجْنَا مَعَهُ

اس لیے آپ ﷺ فوراً الٹے پاؤں اس گھر سے باہر نکل آئے، ہم بھی آپ کے ساتھ باہر آگئے۔

یہ روایت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر رہے ہیں جو اہل بیت کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں اور حضرت حسین شہید رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، انہوں نے اپنے والد حضرت حسین شہید رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی، یہ سند اصح الاسانید میں سے ہے، جیسے: نافع عن عبداللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم وغیرہ اور چند دیگر اسناد ہیں، اس طرح کی اصح الاسانید کو سلسلۃ الذہب بھی کہا جاتا ہے کہ تمام راوی ایک سے بڑھ کر ایک بزرگ، عالم، امام اور قابل اعتماد ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں سے ایک شارف (الناقۃ المسنۃ یعنی پکی عمر کی اونٹنی) ملی تھی، پھر نبی کریم ﷺ کے لیے جو خمس ہوتا تھا، جسے آپ ﷺ اپنے ذوی القربی، یتامی، مساکین وغیرہ پر خرچ فرماتے تھے، اس خمس میں سے بھی آپ ﷺ نے ایک اونٹنی مجھے دے دی، (اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

پاس کل دو اونٹنیاں ہو گئیں)۔

فَلَمَّا أَرَدْتُّ أَنْ أَبْتَنِيَ بِفَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا بِنْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رخصتی کرنے کا ارادہ کیا، تو ایک سنار سے مشورہ کیا، اس نے کہا کہ تم اگر اذخر گھاس لے آؤ (یہ اذخر گھاس سناروں کے ہاں بھٹی جلانے کے لیے خاص طور پر استعمال ہوتی تھی) تو اس کے بدلے تم ضرورت کی چیزیں خرید سکتے ہو۔

اب ظاہر ہے شادی کرنی ہے تو شادی کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے لیے ایک طریقہ تو یہ ہے کہ کسی سے پیسے مانگے جائیں، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ نہیں تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود محنت کر کے اپنی ضروریات پوری کرتے تھے، اس لیے امام بخاری نے جلد اول میں باب قائم کیا ہے: باب بیع الحطب و الکلا کہ اگر ایندھن اور گھاس کو بیچا جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بظاہر تو یہ دنیاوی کام ہے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ دینی کام تھا کیونکہ کسب الحلال فریضة بعد الفریضة، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسے دینی کام سمجھا اور فرشتوں کا انتظار کرنے کی بجائے یا اپنے والد اور رشتے داروں سے مانگنے کی بجائے محنت کا راستہ اختیار کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وَاعَدْتُّ رَجُلًا صَوَّاغًا میں نے بنو قینقاع کے ایک سنار سے مواعدہ کیا، یعنی میں نے اس سے اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا۔ بنو قینقاع یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، یہ عام طور سے سنار تھے اور ان کا سونے کا بڑا بازار تھا، تو بنو قینقاع کے ایک آدمی سے یہ طے پایا کہ وہ میرے ساتھ جائے گا فَنَأْتِيْ بِإِذْخِرٍ ہم اذخر گھاس لے کر آئیں گے۔ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَبِيْعَهُ مِنَ الصَّوَّاغِيْنَ اور میں اس گھاس کو سناروں کے ہاں بیچوں گا فَنَسْتَعِيْنَ بِهِ فِيْ وَلِيْمَةِ عُرُسِيْ اور ہم اس سے میرے ولیمے کی تیاری میں مدد حاصل کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی دونوں اونٹنیوں کے لیے سامان جمع کر رہا تھا۔ الْأَقْتَابِ پالان، یعنی جو اونٹنی پر ڈالا جاتا ہے، جس کے اوپر بیٹھتے ہیں، وَالْغَرَائِرِ تھیلے، وَالْحِبَالِ اور رسیاں، وَشَارِفَايَ مُنَاخَانِ إِلَى جَنْبِ حُجْرَةِ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ (أناخ ينيخ إناخة: اونٹنی کو بٹھانا) اور میری دونوں اونٹنیاں ایک انصاری آدمی کے حجرے کے ساتھ بٹھائی گئی تھیں۔

اردو میں جب حجرہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے چھوٹا سا کمرہ مراد لیا جاتا ہے، لیکن عربی میں جب حجرہ کہتے ہیں تو اس کا مطلب چاردیواری ہوتا ہے، اسی سے فقہ کی کتابوں (احیاء الموات وغیرہ) میں تحجیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے کہ چاروں طرف اینٹیں لگا دینا، چاردیواری بنا دینا۔ اسی طرح روایات میں جو آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجرے تھے، اس سے چھوٹا سا کمرہ مراد نہیں ہے، بلکہ وہ چاردیواری ہوتی تھی اور ہر چاردیواری

کے اندر کمرہ بھی تھا صحن بھی تھا اور چھوٹی موٹی ضرورت کی چیزیں بھی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حَتّٰى جَمَعْتُ مَا جَمَعْتُ جب میں نے وہ ساری چیزیں جمع کر لیں اور قریب تھا کہ ہم اب اونٹوں پر سوار ہو کر ولیمے کی تیاری کے لیے اذخر گھاس لینے کے لیے جاتے، فَإِذَا أَنَا (إِذَا مفاجاۃ کا ہے) تو اچانک میں نے دیکھا کہ میری دونوں اونٹنیوں کا براحشر کر دیا گیا ہے ان کی کوہانیں کاٹ دی گئی ہیں، ان کی کوکھیں چیر دی گئی ہیں اور ان کی کلیجی نکال لی گئی ہے، أَسْنِمَة سنام کی جمع ہے کوہان کو کہتے ہیں، خواصر خاصرة کی جمع ہے کوکھ کو کہتے ہیں، جانور (اونٹ، گائے وغیرہ) کو جب ذبح کرتے ہیں تو سب سے پہلے اندر سے کلیجی نکال لیتے ہیں، کلیجی اس لیے جلدی نکال لی جاتی ہے کہ گوشت پکنے میں دیر لگتی ہے جبکہ کلیجی جلدی سے پک جاتی ہے، تو حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی جوش سخاوت اور نشے سے مغلوبیت میں سب سے پہلے کلیجی نکال کر ہنڈیا پر چڑھا دی۔

فَلَمْ أَمْلِكْ عَيْنَيَّ حِينَ رَأَيْتُ الْمَنْظَرَ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہ منظر دیکھا تو میرے آنسو بہہ پڑے۔ اسی سے شراح اور محدثین نے لکھا ہے کہ اگر دنیاوی نقصان کی بناء پر کسی انسان کو رونا آجائے تو یہ شرعاً تقویٰ کے خلاف نہیں، بلکہ یہ ایک طبعی غم ہے اور کسی نقصان پر طبعی غم کا ہونا یہ تقویٰ یا زہد کے خلاف نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ منظر دیکھ کر میں نے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ لوگ نے بتایا کہ حمزہ نے اور وہ اس گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں فِي شَرْبٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ انصار کے پینے والے لوگوں کی جماعت ان کے ساتھ ہے (شرب، شارب کی جمع ہے، مراد ہے: شراب پینے والے) اس زمانے میں شراب چونکہ حلال تھی، اس لیے اس وقت کے لحاظ سے یہ حضرات حلال مشروب پر جمع تھے۔ اسی سے حافظ ابن حجرؒ اور دوسرے شراح نے لکھا کہ اگر کسی مباح پینے کی چیز پر لوگ جمع ہو جائیں تو یہ جائز ہے۔

عِنْدَهُ قَيْنَةٌ وَأَصْحَابُهُ: (قينة باندی کو کہتے ہیں) اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک باندی اور آپ کے دوست احباب بھی تھے، تو اس باندی نے اس گانے میں یہ بھی بڑھا دیا أَلَا يَا حَمْزُ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ (الا تنبیہ کا ہے۔ یا حمز یہ منادی مرخم ہے۔ شرف شارف کی جمع ہے: اونٹنی کو کہتے ہیں، نواء ناوية کی جمع ہے یعنی موٹی تازی۔

اب اشعار ملاحظہ کریں:

ألا يا حمز للشرف النواء　　وهن معقلات بالفناء

خبردار! اے حمزہ تیار ہو جاؤ ان موٹی تازی اونٹنیوں کے لیے اور حال یہ ہے کہ وہ باہر صحن میں بندھی ہوئی ہیں

ضع السكين في اللبات منها　　وضرجهن حمزة بالدماء

ان اونٹنیوں کے لبے پر چھری رکھو اور اے حمزہ! ان کو خون کے ساتھ لت پت کر دو

وعجل من أطايبها لشرب قديرا من طبيخ أو شواء

اور جلدی سے پینے والوں کے لیے ان کی عمدہ چیزیں لے آؤ، جو دیگچی میں پکائی گئی ہوں پکی ہوئی یا بھنی ہوئی

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معجم الشعراء میں مرزبانی نے لکھا ہے کہ یہ اشعار عبداللہ بن سائب مخزومی کے ہیں۔ اب شراب کی وجہ سے نشہ تو پہلے ہی تھا، یہ اشعار سن کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور آگے بڑھ کر ان دونوں اونٹنیوں کے کوہان کاٹ دیئے پھر ان کی کوکھیں کاٹیں اور ان کی کلیجی نکال لی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں چلا حَتّٰى أَدْخُلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یہاں تک کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس داخل ہو رہا تھا، اب یہاں اصل میں حتی دخلت ہونا چاہیے تھا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مضارع کا صیغہ ذکر کیا، یہ بتانے کے لیے کہ گویا یہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ وَعِنْدَهُ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس زید بن حارثہ بھی موجود تھے۔

ابھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ نہیں کہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا کہ کوئی بڑا معاملہ پیش آیا ہے کیونکہ یہ حضرات بڑے صاف دل تھے، جو ان کے دل میں ہوتا، وہی چہرے پر اور جو چہرے پر ہوتا، وہی دل میں۔ اسی لیے روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خوش ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ اس طرح چمکنے لگتا، جیسے چاند چمکتا ہے، اور جب غصہ آتا تو ایسا لگتا کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخساروں میں انار نچوڑ کر ڈال دیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ دیکھ کر ہی پہچان لیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی تکلیف پیش آئی ہے۔

فَقَالَ مَا لَكَ؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے آج کے دن کی طرح کوئی دن نہیں دیکھا، حمزہ نے میری دونوں اونٹنیوں پر ظلم کیا ہے، ان کے کوہان کاٹ دیئے ہیں اور کوکھیں چیر دی ہیں اور اس وقت میں وہ ایک گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں مَعَهُ شَرْبٌ اور ان کے ساتھ پینے پلانے والے بھی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر منگوائی اور اس کو اپنے اوپر ڈالا۔ اس سے شراح اور محدثین نے لکھا ہے کہ آدمی اگر اپنے گھر میں زائد کپڑے اتار دے، مثلا کام کر رہا ہے یا گرمی ہے، اس لئے ازار پہنی ہوئی ہے، اوپر کی چادر اتار دے، یا بنیان پہنی ہوئی ہے قمیص اتار دے، تو شرعا یہ جائز ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہر جانے کے لیے تھوڑا بہت اہتمام کرنا، یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔

بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر منگوائی، اپنے اوپر وہ چادر ڈالی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدل چلے اور میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے، یہاں تک کہ آپ اس گھر میں پہنچے، جس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیر المومنین تھے، برحق تھے، مگر کسی دوسرے کے گھر بغیر اجازت کے جانا، یہ جائز نہیں ہے: قرآن

مجید میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا، چنانچہ آپ ﷺ نے بھی باہر کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔ فَأُذِنَ لَهُ آپ ﷺ کو اجازت دے دی گئی۔ اندر پہنچ آپ ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ملامت کرنے لگے، لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نشے میں تھے مُحْمَرَّةٌ عَيْنَاهُ ان کی آنکھیں نشے کی وجہ سے سرخ تھیں۔ تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پہلے نبی کریم ﷺ کے پاؤں کو دیکھا، پھر (جیسے نشے میں آدمی ہوتا ہے) کچھ اوپر نظر اٹھائی، آپ ﷺ کے گھٹنے کو دیکھا، پھر کچھ اور نظر اٹھائی اور آپ ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھا اور کہا: وَهَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدٌ لِأَبِي۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اس قول وَهَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدٌ لِأَبِي کی شراح کرام نے مختلف توجیہات بیان فرمائیں ہیں۔

❶ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ توجیہ کی کہ چونکہ نبی کریم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ عبدالمطلب کے پوتے ہیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عبدالمطلب کے بیٹے ہیں تو انہوں نے عبدالمطلب کو (جو کہ حضور ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ کے دادا اور عرب کے سردار تھے) بمنزلہ سید و آقا قرار دیا اور حضور ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وَهَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدٌ لِأَبِي تو اس جملہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقصود اس بات پر فخر ہے کہ میں تمہاری نسبت عبدالمطلب کے زیادہ قریب ہوں۔

❷ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اس کلام میں توجیہ کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ نشہ کی حالت میں تھے اور نشہ کی حالت میں انسان عقل و ہوش کھو بیٹھتا ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس حالت میں ایک بے معنی اور بے مقصد بات کہہ دی تو اس کی توجیہ کی ضرورت کیا ہے؟

فَعَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ثَمِلٌ تو نبی کریم ﷺ نے پہچان لیا کہ ان کو نشہ چڑھا ہوا ہے، چنانچہ آپ ﷺ اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پاؤں واپس پلٹے (الْقَهْقَرٰى الٹے پاؤں لوٹنا) یعنی آپ پیچھے چل رہے تھے مگر آپ کا سینہ اور نظریں سامنے کی طرف تھیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی نشے میں ہو، چاہے شراب کا نشہ ہو یا غصے کا نشہ ہو، یا طاقت، پیسے یا اقتدار کا نشہ ہو اور یہ اندازہ ہو جائے کہ اسے سمجھانا فضول ہے، تو اس وقت میں اسے سمجھانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ سمجھ کا تعلق دماغ سے ہے اور دماغ پر نشہ چڑھا ہوا ہے، لہٰذا اس وقت سمجھانا، نہ سمجھانا برابر ہے، اس لیے آپ ﷺ کو اندازہ ہو گیا کہ اس وقت یہ نشے میں ہیں، ان کو سمجھانا فضول ہے، خواہ مخواہ اپنی محنت ضائع کرنا ہے، چنانچہ آپ ﷺ واپس پلٹے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ باہر نکل گئے۔

اب آگے روایت میں یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ضمان دلوایا یا نہیں؟ لیکن دوسری روایات میں صراحت آئی ہے کہ بعد میں جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نشہ اتر گیا، تو نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا کہ تم ان دونوں اونٹیوں کا ضمان ادا کرو، کیونکہ تم نے علی کی اجازت کے بغیر ان کی یہ اونٹنیاں ذبح کر دی ہیں۔

بہرحال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو یہاں غزوۂ بدر کے بیان میں اس لئے ذکر کیا کہ اس حدیث میں ہے کہ بدر کے مالِ غنیمت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اونٹنی ملی تھی اور اسی سے متعلق یہ سارا واقعہ پیش آیا۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ أَنْفَذَهُ لَنَا ابْنُ الْأَصْبَهَانِيِّ سَمِعَهُ مِنِ ابْنِ
محمد بن حماد نقل کرتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت عبدالرحمٰن بن عبداللہ اصبہانی نے لکھ کر بھیجی کہ انہوں نے ابن معقل سے سنا

مَعْقِلٍ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَبَّرَ عَلَى سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ فَقَالَ إِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا
کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے جنازے پر تکبیریں کہیں اور کہا کہ وہ بدر کی لڑائی میں شریک تھے

أَنْفَذَهُ لَنَا ابْنُ الْأَصْبَهَانِيِّ: ابن الاصبہانی کا نام عبدالرحمن بن عبداللہ ہے اور یہ کوفہ کے رہنے والے ہیں، اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

❶ ایک مطلب یہ کہ ابن الاصبہانی نے یہ حدیث ہم سے پوری سند کے ساتھ اخیر تک بیان کی۔

❷ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ ابن الاصبہانی نے یہ حدیث ہمیں لکھ کر ارسال کی اور ہم یہ حدیث ان سے بطریق مکاتبہ نقل کر رہے ہیں۔

آگے روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پر تکبیریں پڑھیں اور فرمایا کہ سہل بدر میں حاضر تھے، یہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ وہی صحابی ہیں، جن کو ایک دوسرے صحابی عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی نظر لگ گئی تھی، روایت میں آتا ہے کہ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کی خوبصورتی سے بہت حیران ہوئے، چنانچہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو ان کی نظر لگ گئی اور وہ اسی وقت گر پڑے۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بھی بدری صحابی ہیں اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بھی بدری صحابی ہیں، معلوم ہوا کہ ایک نیک آدمی کو دوسرے نیک آدمی کی نظر لگ سکتی ہے، اسی لیے اگر کسی کی کوئی بات اچھی نظر آئے تو ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس نیک صفت میں اور اضافہ کرے۔

جمہور کے نزدیک جنازے میں چار بار تکبیر کہی جاتی ہیں، اب یہاں روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کتنی تکبیریں پڑھیں؟ جبکہ بعض روایات میں پانچ اور بعض میں چھ تکبیریں کہنا مذکور ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چار سے زائد تکبیریں کیوں پڑھیں؟ تو اس کے جواب کی طرف بھی روایات میں اشارہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انه من اهل بدر کہ بدری ہونے کی وجہ سے بطور شرف زائد تکبیرات پڑھیں، چنانچہ عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ اسی واقعہ میں نقل کرتے ہیں ثم صليت مع علی علی جنائز کل ذلک کان یکبر علیھا اربعا معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اصل عمل چار تکبیروں ہی کا تھا لیکن چونکہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بدری

صحابی تھے اس لئے زائد تکبیریں کہیں۔

روایت میں جو کَبَّرَ کے الفاظ آرہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں اصل تکبیریں کہنا ہے، یہی تکبیریں نماز جنازہ میں رکن ہیں، اس کے علاوہ ثناء، درود شریف، دعائے میت اور سلام، یہ مسنون اعمال ہیں، اصل رکن نہیں ہیں۔ اکثر لوگ اس مسئلے سے واقف نہیں ہوتے، چنانچہ ثناء، درود شریف، دعا وغیرہ کا تو اہتمام کر لیتے ہیں مگر تکبیروں کا اہتمام نہیں کرتے، لہٰذا یہ مسئلہ خوب ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ اگر آدمی کچھ بھی نہ پڑھے، صرف چار تکبیریں کہہ لے تو اس کی نماز جنازہ ہوجائے گی لیکن اگر باقی ساری چیزیں پڑھ لے اور تکبیریں نہ کہے تو اس کی نماز جنازہ نہیں ہوگی۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ

أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُحَدِّثُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حِينَ تَأَيَّمَتْ حَفْصَةُ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت حفصہ بنت عمرؓ اپنے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ کی وفات

بِنْتُ عُمَرَ مِنْ خُنَيْسِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

کی وجہ سے بیوہ ہو گئیں، اور حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے تھے

وَسَلَّمَ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا تُوُفِّيَ بِالْمَدِينَةِ قَالَ عُمَرُ فَلَقِيتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ

اور بدر کی لڑائی میں انہوں نے شرکت کی تھی اور ان کی وفات مدینہ میں ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میری ملاقات عثمان بن عفانؓ سے ہوئی تو میں نے ان سے حفصہ کا ذکر کیا

حَفْصَةَ فَقُلْتُ إِنْ شِئْتَ أَنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ قَالَ سَأَنْظُرُ فِي أَمْرِي فَلَبِثْتُ لَيَالِيَ

اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں۔ انہوں نے کہا کہ میں سوچوں گا۔ اس لیے میں چند دنوں کے لیے ٹھہر گیا،

فَقَالَ قَدْ بَدَا لِي أَنْ لَا أَتَزَوَّجَ يَوْمِي هَذَا قَالَ عُمَرُ فَلَقِيتُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ إِنْ شِئْتَ أَنْكَحْتُكَ

پھر انہوں نے کہا کہ میری رائے یہ ہوئی ہے کہ ابھی میں نکاح نہ کروں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ پھر میری ملاقات ابوبکر سے ہوئی اور ان سے بھی میں نے یہی کہا کہ اگر آپ چاہیں

حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ فَصَمَتَ أَبُو بَكْرٍ فَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا فَكُنْتُ عَلَيْهِ أَوْجَدَ مِنِّي عَلَى عُثْمَانَ

تو میں آپ کا نکاح حفصہ بنت عمر سے کر دوں۔ حضرت ابوبکرؓ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کا یہ طریقہ عمل عثمانؓ سے بھی زیادہ میرے لیے باعث تکلیف ہوا۔

فَلَبِثْتُ لَيَالِيَ ثُمَّ خَطَبَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْكَحْتُهَا إِيَّاهُ فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرٍ

کچھ دنوں میں نے اور توقف کیا تو نبی کریم ﷺ نے خود حفصہ کا پیغام بھیجا اور میں نے ان کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیا۔ اس کے بعد ابوبکر سے ملاقات ہوئی

فَقَالَ لَعَلَّكَ وَجَدْتَ عَلَيَّ حِينَ عَرَضْتَ عَلَيَّ حَفْصَةَ فَلَمْ أَرْجِعْ إِلَيْكَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّهُ

تو انہوں نے کہا، شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں کہ جب آپ نے حفصہ کے متعلق مجھ سے بات کی تو میں نے کوئی جواب نہیں دیا، میں نے کہا کہ ہاں مجھے تکلیف ہوئی تھی۔

لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرْجِعَ إِلَيْكَ فِيمَا عَرَضْتَ إِلَّا أَنِّي قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کی بات کا میں نے صرف اس لیے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے (مجھ سے) حفصہ کا ذکر کیا تھا (مجھ سے مشورہ لیا تھا کہ میں ان سے

قَدْ ذَكَرَهَا فَلَمْ أَكُنْ لِأُفْشِيَ سِرَّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ تَرَكَهَا لَقَبِلْتُهَا

نکاح کر لوں) اور میں نبی کریم ﷺ کا راز فاش نہیں کر سکتا تھا۔ اگر آپ ﷺ حفصہ سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دیتے تو میں ان سے نکاح کر لیتا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جو بدری صحابی تھے اور حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے

بھائی تھے، پھر جب حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں۔تو (حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فکر ہوئی کہ ان کی شادی کی جائے تو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ إِنْ شِئْتَ أَنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ اگر تم چاہو تو میں تمہارا نکاح اپنی بیٹی حفصہ سے کرادوں۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیٹی یا اپنی بہن کے نکاح کی پیشکش کسی سے کردے، تو اس میں کوئی خلاف شریعت بات بھی نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی معیوب بات ہے۔جس طرح ہمارے معاشرے میں سمجھا جاتا ہے کہ رشتہ صرف لڑکے والے ہی بھیج سکتے ہیں، یہ ہمارے بنائے ہوئے رواج ہیں، جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب النکاح میں باب قائم کیا ہے کہ باب عرض المرأة نفسها على الرجل الصالح کہ اگر کوئی عورت خود کسی نیک آدمی کو نکاح کی پیشکش کرے، تو ایسا کرنا جائز ہے اور وہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے ذریعے اس کا جواز ثابت فرمائیں گے۔ پھر اس کے بعد اگلا باب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قائم کیا: باب عرض الإنسان ابنته أو أخته على أهل الخير کہ اگر کوئی شخص اپنی بیٹی یا اپنی بہن کو صاحب خیر کے سامنے پیش کرے کہ میری بچی یا میری بہن کنواری ہے، یا مطلقہ یا بیوہ ہے، تم اگر نکاح کرنا چاہو تو ہم اس کا نکاح تم سے کر دیں گے، تو یہ بھی جائز ہے پھر اس مذکورہ حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں بھی ذکر کیا ہے۔

اس کے برخلاف اگر کوئی عورت مطلقہ یا بیوہ ہوجائے یا کسی کی بیوی کا انتقال ہوجائے اور وہ نکاح کرلے یا مرد پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرلے تو اسے معیوب سمجھنا، یہ سراسر شریعت کے خلاف ہے۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی پیشکش کی تو انہوں نے معذرت کرلی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہی پیشکش کی، تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

فَكُنْتُ عَلَيْهِ أَوْجَدَ مِنِّي عَلَى عُثْمَانَ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے عثمان کے مقابلے میں ابوبکر کے جواب نہ دینے پر زیادہ افسوس ہوا، کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تو واضح طور پر معذرت کرلی اور بات ایک طرف ہوکر ختم ہوگئی، لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو کوئی جواب ہی نہیں دیا کہ سوچوں گا یا نہیں سوچوں گا، بس خاموش ہوگئے، اس لئے مجھے ان کے معاملے میں زیادہ رنج ہوا۔ثُمَّ خَطَبَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کے لئے منگنی کا پیغام بھیجا، فَأَنْكَحْتُهَا إِيَّاهُ چنانچہ میں نے حفصہ کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرادیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: لَعَلَّكَ وَجَدْتَ عَلَيَّ حِينَ عَرَضْتَ عَلَيَّ حَفْصَةَ فَلَمْ أَرْجِعْ إِلَيْكَ ؟ آپ شاید مجھ سے ناراض ہیں کہ آپ نے مجھے حفصہ سے شادی کی پیشکش کی اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا؟ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نَعَمْ ہاں! میں ناراض ہوں کہ

تم نے جواب ہی نہیں دیا۔

یہ صحابہ تھے، ان کے دل بھی صاف تھے، ان کی زبانیں بھی صاف تھیں، اگر ہم ہوتے تو کہتے کہ نہیں نہیں حضرت ایسی کوئی بات نہیں ہے، حالانکہ دل میں بات چھپی ہوئی ہوتی ہے، پھر بھی اوپر سے جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں کہ نہیں نہیں، کوئی بات نہیں ہے، لیکن یہ حضرات صاف دل، صاف زبان تھے، جو سامنے ہے، وہی اندر ہے اور جو اندر ہے، وہی باہر ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ **نَعَمْ** ہاں! میں ناراض ہوں کہ تم نے جواب ہی نہیں دیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں صرف اس وجہ سے جواب نہیں دیا تھا کیونکہ مجھے اس بات کا علم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری بیٹی حفصہ سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے اس کا تذکرہ بھی کیا تھا **فَلَمْ أَكُنْ لِأُفْشِيَ سِرَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس راز کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا، لیکن اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا فیصلہ بدل لیتے اور ان سے نکاح نہ کرتے تو میں ان سے نکاح کر لیتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کسی غلط فہمی کی وجہ سے ناراض ہو تو اس کے سامنے معاملے کو واضح کر دینا چاہیے۔ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے وضاحت کر دی، کیونکہ ان کو خیال ہوا کہ اس وقت میں نے جو خاموشی اختیار کی تھی، ایسا نہ ہو کہ ان کے دل پر کچھ اثر ہوا ہو، تو بعد میں ساری بات صاف کر دی کہ میں نے جو خاموشی اختیار کی تھی، اس کی وجہ یہ تھی۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی بات راز داری میں کہی جائے تو اس کا افشاء نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ کسی کے راز کا افشاء کرنا خیانت ہے۔

حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ

سَمِعَ أَبَا مَسْعُوْدٍ الْبَدْرِيَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلٰى أَهْلِهِ صَدَقَةٌ

حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو اپنے بال بچوں پر خرچ کرنے پر بھی صدقے کا ثواب ملتا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ

سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ يُحَدِّثُ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فِيْ إِمَارَتِهِ أَخَّرَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ الْعَصْرَ

عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے عہد خلافت میں یہ حدیث بیان کی کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب کوفہ کے امیر تھے، تو انہوں نے ایک دن عصر کی نماز

وَهُوَ أَمِيْرُ الْكُوْفَةِ فَدَخَلَ أَبُو مَسْعُوْدٍ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيُّ جَدُّ زَيْدِ بْنِ حَسَنٍ شَهِدَ

میں تاخیر کی۔ اس پر زید بن حسن کے نانا ابومسعود عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ ان کے یہاں گئے۔

بَدْرًا فَقَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ نَزَلَ جِبْرِيْلُ فَصَلّٰى فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ

وہ بدری صحابی تھے اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ جبرئیل علیہ السلام (نماز کا طریقہ بتانے کے لیے) آئے اور آپ نے نماز پڑھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پیچھے

صَلَوَاتٍ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا أُمِرْتُ كَذٰلِكَ كَانَ بَشِيْرُ بْنُ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ

پانچوں وقت کی نمازیں پڑھیں، پھر فرمایا کہ اسی طرح مجھے حکم ملا ہے۔ بشیر بن ابی مسعود بھی یہ حدیث اپنے والد سے بیان کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا مُوسٰى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَلْقَمَةَ

عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ الْبَدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاٰيَتَانِ

حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ کی آخر کی دو آیتیں (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر تک)

مِنْ اٰخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَهُمَا فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَلَقِيْتُ أَبَا مَسْعُوْدٍ

ایسی ہیں کہ جو رات میں انہیں پڑھ لے وہ اس کے لیے کافی ہو جاتی ہیں۔عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں خود ابومسعود سے ملا، وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔

وَ هُوَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ فَسَأَلْتُهُ فَحَدَّثَنِيْهِ

میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے یہ حدیث مجھ سے بیان کی

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ: ان کا نام عقبہ بن عمرو ہے اور انصار کے قبیلہ خزرج سے ان کا تعلق ہے اور یہ بیعت عقبہ میں شریک تھے، البتہ ان کے بدری ہونے میں اختلاف ہے، ابن اسحاقؒ اور واقدیؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ جنگ بدر میں شریک نہیں تھے اور ان کو **بدری** اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ بدر کے مقام میں رہائش پذیر تھے۔لیکن امام بخاری، امام مسلم، طبرانی اور ابوعتبہ بن سلام رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ بدر میں شریک تھے اور یہ قاعدہ ہے کہ **المثبت مقدم علی المنفی** مثبت کو منفی پر ترجیح ہوتی ہے تو اس لئے ان کو بدری شمار کیا جائے گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ابومسعود رضی اللہ عنہ کے بدری ہونے کے ثبوت میں تین روایتیں ذکر فرمائی ہیں۔پہلی روایت میں ان کے نام کے ساتھ صرف **بدری** ذکر کیا گیا، اس میں یہ احتمال تھا کہ چونکہ وہ بدر میں رہتے تھے اس لئے ان کو بدری کہہ دیا، چنانچہ امام بخاریؒ نے دوسری روایت ذکر کی، اس میں حضرت عروہؒ نے **شهد بدرا** کی تصریح کر دی ہے۔اسی طرح تیسری روایت میں حضرت علقمہؒ نے ان کو **بدری** کہا ہے، بہرحال اس باب کی ان تین روایات سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا بدری ہونا ثابت کیا ہے۔

تیسری روایت میں سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ **اَلْاٰيَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَهُمَا فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ** کہ جو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات میں پڑھ لے گا تو وہ اس کے لئے کافی ہو جائیں گی، کافی ہو جانے کا **ایک مطلب** یہ ہے کہ **كفتاه عن خاتمة السوء** یہ آیتیں اس شخص کے لیے بُرے خاتمے سے کافی ہو جائیں گی، یعنی اگر کوئی آدمی رات میں ان کو پڑھ لے گا اور انتقال ہو جائے گا تو یہ موت ایمان پر موت ہوگی، **دوسرا مطلب** یہ ہوسکتا ہے کہ **كفتاه عن قيام الليل** کہ اگر وہ رات کو اٹھ کر قیام اللیل نہ کر سکے، تو وہ محروم نہیں رہے گا، **تیسرا مطلب** یہ ہوسکتا ہے کہ **كفتاه عن الشر** اگر کوئی آدمی یہ دو آیتیں رات کو پڑھ لے تو امید ہے کہ اس رات اس کو کوئی برائی، پریشانی یا مصیبت پیش نہیں آئے گی، نیز یہ سارے معنی جمع بھی ہو سکتے ہیں کہ **كفتاه عن الشر، كفتاه عن قيام الليل** اور **كفتاه عن خاتمة السوء** کیونکہ حدیث میں اجمال ہے، صرف

کفتاہ فرمایا ہے،لہٰذا اگر اخلاص سے پڑھے گا تو یقیناً یہ سارے ثمرات حاصل ہوجائیں گے۔

حَدَّثَنَا یَحْيَى بْنُ بُکَیْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ

أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

محمود بن ربیع فرماتے ہیں کہ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ جو نبی کریم ﷺ کے صحابی تھے

وَسَلَّمَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِّنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُ أَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور وہ بدر میں شریک ہوئے تھے اور انصار میں سے تھے، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ هُوَ ابْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ ثُمَّ سَأَلْتُ الْحُصَيْنَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ أَحَدُ بَنِي سَالِمٍ وَهُوَ مِنْ سَرَاتِهِمْ

ابن شہابؒ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے حصین بن محمد انصاریؒ سے جو بنی سالم کے سرداروں میں سے تھے،

عَنْ حَدِيثِ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ فَصَدَّقَهُ

محمود بن ربیعؒ کی حدیث کے متعلق پوچھا جس کی روایت انہوں نے عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے کی تھی تو انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔

اس حدیث میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ وہ بدر میں شریک تھے،حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا تعلق انصار کی شاخ بنوخزرج سے تھا، جمہور کے نزدیک یہ بدری ہیں، البتہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں بدری شمار نہیں کیا۔

یہ روایت کتاب الصلوۃ میں باب المساجد فی البیوت میں مذکور ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری نگاہ کمزور ہورہی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا تھا، لیکن جب بارشیں ہوتی ہیں تو میرے اور میری قوم کے درمیان جو وادی ہے، اس میں پانی آجاتا ہے اور میں مسجد میں جاکر انہیں نماز نہیں پڑھا سکتا، تو میری خواہش ہے کہ آپ میرے پاس تشریف لے آئیں اور میرے گھر میں نماز پڑھ لیں، جس جگہ آپ نماز پڑھیں گے، میں اس کو اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں گا۔

اسی مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے کہ باب المساجد فی البیوت کہ آدمی اگر اپنے گھر میں بھی ایک مسجد (مصلیٰ) یعنی نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کرلے تو یہ جائز ہے بلکہ بہتر ہے، یہ مسجد شرعی نہیں ہوتی بلکہ صرف نماز پڑھنے کی جگہ ہوتی ہے، جہاں طہارت وغیرہ کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اور عورتیں وہاں اعتکاف بھی کرلیتی ہیں۔

بہر حال عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہر کھڑے ہوکر اجازت طلب کی، معلوم ہوا کہ کسی کے گھر میں خواہ کسی کو دعوت ہی کیوں نہ دی گئی ہو، بغیر اجازت لیے داخل نہیں ہونا چاہئے اور کسی کے کمرے میں بھی بغیر اجازت لیے داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ الغرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت لے کر گھر میں داخل ہوئے اور فرمایا کہ تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں اس جگہ تمہارے گھر میں نماز پڑھوں؟ میں نے کمرے کے ایک کونے کی طرف اشارہ کردیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر

تحریمہ کہی، ہم بھی کھڑے ہو گئے اور پیچھے صف بنالی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی اور سلام پھیرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں جس مقصد کے لیے جانا ہو، وہاں جا کر پہلے اصل کام کیا جائے، پھر دوسرے کام کئے جائیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ

أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ وَكَانَ مِنْ أَكْبَرِ بَنِي عَدِيٍّ وَكَانَ أَبُوهُ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ النَّبِيِّ

امام زہری فرماتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی، وہ قبیلہ بنی عدی کے بڑوں میں سے تھے اور ان کے والد عامر بن ربیعہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عُمَرَ اسْتَعْمَلَ قُدَامَةَ بْنَ مَظْعُونٍ عَلَى الْبَحْرَيْنِ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا

کے ساتھ شریک تھے۔ (انہوں نے بیان کیا کہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بحرین کا عامل بنایا تھا، وہ (قدامہ رضی اللہ عنہ) بھی بدر کے معرکے میں

وَهُوَ خَالُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَ حَفْصَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ

شریک تھے اور عبداللہ بن عمر اور حفصہ رضی اللہ عنہم کے ماموں تھے۔

یہ حدیث عبداللہ بن عامر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، ان کے والد حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ہیں جو جنگ بدر میں شریک تھے، یہ وہی عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا کچھ روایات قبل ذکر گزرا تھا کہ ان کی نظر سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو لگ گئی تھی، ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عامر رحمۃ اللہ علیہ جو اس حدیث کے راوی ہیں سن ۶ ہجری میں پیدا ہوئے۔

أَنَّ عُمَرَ اسْتَعْمَلَ قُدَامَةَ بْنَ مَظْعُونٍ عَلَى الْبَحْرَيْنِ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہما کے بھائی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ماموں ہیں، ان کی بہن زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں، یہ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بحرین کا عامل بنایا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شکایت ملی کہ قدامہ رضی اللہ عنہ نے **مسکر** (نشہ آور چیز) استعمال کی ہے، چنانچہ آپ نے تحقیق کی اور اس کے بعد حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور ان پر حد بھی جاری کی، پھر ان کی جگہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو والی بحرین مقرر کیا۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ تعزیر تو معاف ہو سکتی ہے، جیسے پیچھے گزرا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی تعزیر کی حد تک کا جرم معاف کر دیا گیا تھا، مگر حد معاف نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ آدمی کے مقرب عنداللہ ہونے کے منافی نہیں ہے، چنانچہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بدری صحابی ہو اور ان سے غلطی ہو جائے، کیونکہ غلطی سے تو صرف انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معصوم نہیں ہیں بلکہ محفوظ ہیں اور محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے غلطی ہو جائے تو وہ ایسی سچی توبہ کرتے ہیں کہ ان کا درجہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ

أَنَّ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ قَالَ أَخْبَرَ رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ أَنَّ عَمَّيْهِ

حضرت سالم بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بتایا کہ ان کے دو چچا (ظہیر اور مظہر)

وَكَانَا شَهِدَا بَدْرًا أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ

جنہوں نے بدر کی لڑائی میں شرکت کی تھی، انہوں نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع کیا تھا،

قُلْتُ لِسَالِمٍ فَتُكْرِيهَا أَنْتَ قَالَ نَعَمْ إِنَّ رَافِعًا أَكْثَرَ عَلَى نَفْسِهِ

میں نے سالم سے کہا لیکن آپ تو کرایہ پر دیتے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہاں، رافع نے اپنے اوپر زیادتی کی تھی۔

اس حدیث کو یہاں ذکر کرنے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہی ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے دو چچا تھے اور دونوں جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے، ان میں سے ایک کا نام ظہیر تھا، جو عقبہ ثانیہ میں بھی شریک ہوئے تھے، جبکہ دوسرے چچا مظہر تھے، انہیں ان کے اپنے دو غلاموں نے خیبر میں یہود کی سازش سے قتل کیا تھا، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کی وجہ سے یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن ہونے کا حکم دیا اور یوں یہود خیبر سے بھی نکل گئے۔ اس حدیث میں کراء الارض کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جو کتاب المزارعة سے متعلق ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مزارعت جائز نہیں ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اور احناف میں سے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مزارعت جائز ہے البتہ اس کی کچھ صورتیں ان حضرات کے نزدیک بھی ناجائز ہیں:

فرض کیجیے کہ اگر رب الارض اور مزارع نے یہ طے کرلیا کہ جو کچھ پیداوار ہوگی، اس میں سے سو کلو ہم علیحدہ کرلیں گے اور وہ رب الارض کی ہوگی اور باقی جتنی پیداوار ہوگی، وہ مزارع کی ہوگی، یہ صورت ناجائز ہے۔

اسی طرح اگر یہ طے کرلیا کہ یہ جو پانی کی نالیاں جارہی ہیں، اس کے دائیں اور بائیں جو پیداوار ہوگی، وہ مالک کی ہوگی اور اس کے علاوہ جو پیداوار ہوگی، وہ کاشت کار کی ہوگی، یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

مزارعت کی جائز صورت وہ ہے، جس میں شرکة فی کل الخارج ہو، یعنی یہ متعین اور طے کیا جائے کہ پوری زمین میں جو پیداوار ہوگی، اس میں پچاس فیصد تمہارا پچاس فیصد میرا، یا ساٹھ فیصد تمہارا اور چالیس فیصد میرا، اس طرح پوری پیداوار میں کوئی بھی فیصدی نسبت باہم تقسیم کرنے کے لیے طے کرلی جائے، خواہ اس فیصد کا تناسب کم ہو یا زیادہ ہو، تو مزارعت جائز ہوگی۔ نیز یہ شرکة فی کل الخارج مزارعت میں بھی ضروری ہے اور مضاربت میں بھی ضروری ہے۔ چنانچہ مزارعت یا مضاربت میں شرکة فی کل الخارج کی بجائے اگر علیحدہ سے کوئی مقدار طے کرلی جائے تو اس سے مضاربت یا مزارعت فاسد ہوجاتی ہے۔

اسی طرح کراء الأرض بالذهب والفضة بھی جائز ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحرث والمزارعة

میں باب قائم کیا ہے: باب کراء الأرض بالذهب و الفضة اور وہاں اس کے جواز کو ثابت فرمایا ہے۔

حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ

سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ اللَّيْثِيَّ قَالَ رَأَيْتُ رِفَاعَةَ بْنَ رَافِعٍ الْأَنْصَارِيَّ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا

عبداللہ بن شداد بن ہاد لیثی فرماتے تھے کہ میں نے رفاعہ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور وہ (بدری صحابی تھے یعنی) بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔

اس حدیث میں رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کے بارے میں خبر دی گئی کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ وَيُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ

أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ وَ هُوَ حَلِيفٌ لِّبَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ وَكَانَ شَهِدَ

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ جو بنی عامر بن لوی کے حلیف تھے اور بدر کی لڑائی میں

بَدْرًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ

نبی کریم ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین

الْجَرَّاحِ إِلَى الْبَحْرَيْنِ يَأْتِي بِجِزْيَتِهَا وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ صَالَحَ أَهْلَ

وہاں کا جزیہ لانے کے لیے بھیجا، اور نبی کریم ﷺ نے بحرین والوں سے صلح کی تھی

الْبَحْرَيْنِ وَ أَمَّرَ عَلَيْهِمُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ فَقَدِمَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِمَالٍ مِّنَ الْبَحْرَيْنِ فَسَمِعَتِ

اور ان پر علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا تھا، پھر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لے کر آئے، جب انصار کو

الْأَنْصَارُ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ فَوَافَوْا صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے فجر کی نماز نبی کریم ﷺ کے ساتھ پڑھی۔

فَلَمَّا انْصَرَفَ تَعَرَّضُوا لَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَاٰهُمْ ثُمَّ قَالَ

آپ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو تمام انصار آپ کے سامنے آئے۔ آپ ﷺ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور پھر فرمایا

أَظُنُّكُمْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدِمَ بِشَيْءٍ قَالُوا أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا

کہ میرا خیال ہے کہ تمہیں یہ اطلاع مل گئی ہے کہ ابوعبیدہ مال لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمہیں خوشخبری ہو اور جس سے

يَسُرُّكُمْ فَوَاللهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنِّي أَخْشَى أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ

تمہیں خوشی ہوگی اس کی امید رکھو۔ اللہ کی قسم! مجھے تمہارے متعلق محتاجی سے ڈر نہیں لگتا، مجھے تو اس کا خوف ہے کہ دنیا تم پر اسی طرح کشادہ کر دی جائے جس طرح تم سے پہلوں پر

عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَ تُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ

کشادہ کی گئی تھی، پھر جس طرح انہوں نے اس کے لئے آپس میں رشک کیا تم بھی اسی طرح آپس میں رشک کرو گے اور جس طرح دنیا نے انہیں ہلاک کیا تمہیں بھی ہلاک کر دے گی۔

اس واقعہ میں چونکہ عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کے بدری ہونے کا ذکر ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے یہاں بیان کیا۔

یہاں اس روایت میں یہ بات مذکور نہیں ہے لیکن دوسری روایت میں ہے کہ جب اہل بحرین نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور آ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کسی امین آدمی کو ہمارے پاس جزیہ لینے کے لئے بھیج دیجیے، اب صحابہ تو سارے ہی امین تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایسا آدمی بھیجوں گا جو امینا حق امین ہوگا، یعنی

صرف امین ہی نہیں ہوگا بلکہ اعلیٰ درجے کا امین ہوگا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قم یا أبا عبیدة بن الجراح اے ابوعبیدہ! تم کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا لقب امین هذہ الأمة مشہور ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قبل ان کا انتقال ہو گیا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں اپنے بعد ان کو خلیفہ بنا کر جاتا، آپ عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں۔

الغرض نبی کریم ﷺ نے اہل بحرین سے صلح کی تھی اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجا تا کہ وہاں سے جزیہ لے کر آئیں، یہ بات بار بار گزری ہے کہ آپ ﷺ نے فلاں سے صلح کی، فلاں سے صلح کی، معلوم ہوا کہ صلح بھی شریعت کا حصہ اور حکم ہے: فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً اسی طرح وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے: وَالصُّلْحُ خَيْرٌ صلح کرنا بہتر ہے۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ نے جہاد کے اندر صرف قتال ہی نہیں کیا بلکہ بار بار مختلف جگہوں میں مختلف قبائل سے، یہاں تک کہ اپنے سخت ترین دشمنوں یعنی کفار قریش سے بھی صلح کی ہے، لہٰذا صلح بھی جہاد ہی کا ایک حصہ ہے۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اہل بحرین سے صلح کی تھی اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اہل بحرین سے جزیہ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا، اب جب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لے کر واپس آئے تو انصار نے سن لیا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ واپس آگئے ہیں، فَوَافَوْا صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو وہ نماز فجر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے، یعنی عام دنوں میں یہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں اپنی اپنی مسجدوں میں نماز پڑھتے تھے، لیکن جب یہ اطلاع ہوئی کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لے کر آگئے ہیں تو وہ فجر کی نماز میں مسجد نبوی آگئے۔

فَلَمَّا انْصَرَفَ پھر جب آپ ﷺ فجر کی نماز پڑھا کر واپس پلٹے تو یہ سب سامنے آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم نے یہ بات سن لی ہے کہ ابوعبیدہ کچھ مال لے کر آئے ہیں۔ یہ لوگ بھی صاف دل تھے، یہ نہیں کہا کہ نہیں نہیں حضرت! آپ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، یہ سچے لوگ تھے، انہوں نے کہا: قَالُوا أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ صاف صاف کہہ دیا کہ جی، یا رسول اللہ! ہمیں پتا چلا ہے کہ ابوعبیدہ مال لائے ہیں تو ہم نے سوچا کہ یہ مال تقسیم ہوگا، اس لیے ہم حاضر ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فَأَبْشِرُوا تمہارے لئے خوشخبری ہے۔ یہ أبشر، أبشروا آج بھی عرب دنیا میں بہت استعمال ہوتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ خوش ہو جاؤ، میں تمہارا کام کر دوں گا، تو آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ تم خوش ہو جاؤ وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ اور اپنے آپ کو امید دلاؤ اس چیز کی جو تمہیں خوش کر دے گی، یعنی یہ بیت المال میں مال آیا ہے اور ظاہر ہے بیت المال کا مال فقراء و مساکین میں تقسیم ہوتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں امید دلائی لیکن ساتھ ہی آپ ﷺ

نے فرمایا: فَوَاللہِ مَا الْفَقْرَ أَخْشٰی عَلَیْکُمْ. ما نافیہ ہے اور الفقر، اخشی کا مفعول مقدم ہے، اللہ کی قسم! میں تمہارے اوپر فقر و فاقے سے نہیں ڈرتا لیکن مجھے ڈر ہے کہ تمہارے اوپر دنیا کھول دی جائے گی، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر کھول دی گئی، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا اور پھر تم اس دنیا میں اسی طرح رغبت کرنے لگو گے، جیسا کہ پہلے لوگوں نے دنیا میں رغبت کی، وَ تُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ اور پھر یہ دنیا تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کر دے گی، جیسا کہ پچھلی امتوں کو ہلاک کیا؟

نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں یہ ڈر تھا کہ ان کے پاس مال و دولت زیادہ آ جائے گا، جس کی وجہ سے یہ گناہوں میں مبتلا ہو جائیں گے: حب الدنیا رأس کل خطیئة دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے اوپر فقر سے نہیں ڈرتا، حالانکہ فقر بھی کوئی اچھی چیز نہیں ہے لیکن اس کے باوجود فقر کے اندر آدمی گناہ کم کرتا ہے، کیونکہ اکثر گناہوں میں پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

تنافس یتنافس تنافسًا: ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا، وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ، تنافس جنت کے معاملات میں ہو تو یہ مرغوب ہے، اعمال صالحہ میں اور تقویٰ میں تنافس ہونا چاہیے، لیکن لوگ دنیا کی چیزوں میں تنافس کرتے ہیں، اس کے پاس ایسا موبائل، میرے پاس ایسا موبائل آ جائے، اس کے پاس ایسی کار، میرے پاس ایسی کار آ جائے یہ سب تنافس ہے۔ اسی کو تکاثر بھی کہتے ہیں، اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ میرے پاس چیزیں کم ہیں، اس کے پاس زیادہ ہیں، تو یہ تکاثر اور تنافس ہے اور یہ الھاکم ہے، یعنی یہ آدمی کو غفلت میں مبتلا کر دیتا ہے، دنیا کی محبت بڑھتی چلی جاتی ہے اور انسان آخرت سے غافل ہو کر گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بالآخر ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقْتُلُ الْحَيَّاتِ كُلَّهَا حَتّٰى حَدَّثَهُ أَبُو لُبَابَةَ الْبَدْرِيُّ

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہر طرح کے سانپ کو مار ڈالا کرتے تھے، لیکن جب ابولبابہ رضی اللہ عنہ جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے انہوں نے ان

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ قَتْلِ جِنَّانِ الْبُيُوتِ فَأَمْسَكَ عَنْهَا

سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے گھر میں رہنے والے سانپ مارنے سے منع فرمایا تھا تو انہوں نے اسے مارنا چھوڑ دیا

اس حدیث شریف کو یہاں ذکر کرنے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی اصحاب بدر میں سے ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: وابولبابة ممن ضرب له بسهمه واجره ولم يحضر القتال کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں موجود نہیں تھے، لیکن چونکہ وہ آپ ﷺ کی سونپی ہوئی ذمہ داری کے پورا کرنے میں مشغول تھے اس لئے بدر کے مال غنیمت میں ان کا حصہ مقرر کیا گیا، مسجد

نبوی میں ریاض الجنة کے اندر ایک ستون ہے، جو ان کے نام سے موسوم ہے اور اسطوانه ابو لبابة اور اسطوانه التوبة کہلاتا ہے، ان کی توبہ کا قصہ غزوۂ بنو قریظہ کے ذیل میں آجائے گا، ان شاء اللہ۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ قَتْلِ جِنَّانِ الْبُيُوتِ: نبی کریم ﷺ نے گھروں کے سانپوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جنان، جان کی جمع ہے، جان کہتے ہیں: الحية البيضاء الرقيقة الصغيرة وہ چھوٹا سا سانپ جو پتلا ہو اور جو عام طور پر سفید ہوتا ہے۔ اسے قتل کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

اب ان سفید چھوٹے سانپوں کے قتل سے روکنے کی کیا وجہ ہے؟

١ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ سانپ موذی نہیں ہوتے، کاٹتے نہیں ہیں، لہٰذا ایسا سانپ چونکہ کاٹنے والا اور موذی نہیں ہوتا، اس لیے آپ ﷺ نے اس کے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔

٢ بعض علماء نے یہ فرمایا کہ گھروں میں بعض اوقات جنات سفید سانپ کی شکل میں ہوتے ہیں، اس لیے اسے فوراً قتل نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کو کہہ دینا چاہیے کہ اگر تو جن ہے تو یہاں سے چلا جا، چنانچہ اگر وہ چلا جائے تو ٹھیک ہے اور اگر نہ جائے تو دفع مضرت کے لیے اسے بھی قتل کرنے کی اجازت ہے۔

٣ روایت میں جو گھروں کے سفید سانپوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے کسی صورت میں قتل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اسے عام سانپوں میں شامل کر کے علی الاطلاق قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، البتہ اگر وہ تکلیف پہنچاتا ہو یا اس سے وحشت ہوتی ہو تو اسے مار سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ جانوروں کو قتل کرنا صرف دو صورتوں میں جائز ہے، ایک جلب منفعت، دوم دفع مضرت۔ جلب منفعت یہ ہے کہ اسے بطور غذا استعمال کرنا ہے یا اس کی کوئی چیز بطور دوائی استعمال کرنی ہے یا کوئی داخلی یا خارجی مرہم بنانا ہے یا کسی بھی اور طریقے سے اس سے نفع اٹھانا ہے تو یہ جلب منفعت ہے، اس کے لیے آپ جانور کو ذبح کر سکتے ہیں۔ اسی طرح دفع مضرت کہ وہ جانور موذی ہے یا اس سے مشکلات پیش آرہی ہیں تو دفع مضرت کے لیے بھی اس جانور کو ختم کیا جا سکتا ہے، البتہ اس طریقے سے اسے مارا جائے گا کہ اس جانور کو تکلیف کم سے کم ہو۔

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْأَنْصَارِ اسْتَأْذَنُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ انصار کے چند لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی اور عرض کیا

وَسَلَّمَ فَقَالُوا ائْذَنْ لَنَا فَلْنَتْرُكْ لِابْنِ أُخْتِنَا عَبَّاسٍ فِدَاءَهُ قَالَ وَاللهِ لَا تَذَرُونَ مِنْهُ دِرْهَمًا
کہ آپ ہمیں اجازت عطا فرمائیں تو ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ معاف کر دیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! ان کے فدیہ سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا

اس روایت کا پس منظر یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں جو لوگ گرفتار ہوئے، ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے اس وقت تک ظاہری طور پر اسلام قبول نہیں کیا تھا، لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے، اس لحاظ سے لوگوں کے دلوں میں ان کا احترام تھا، اب چونکہ وہ جنگی قیدی تھے اور تمام گرفتار قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑا جا رہا تھا، اس لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ بھی اپنا فدیہ ادا کر کے رہا ہو جائیں۔ انصار کو یہ خیال ہوا کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بغیر فدیہ لیے چھوڑ دیں، لہٰذا انہوں نے انتہائی حسنِ ادب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ بات پیش کی، یہ نہیں کہا کہ وہ آپ کے چچا ہیں، اس لیے ہم ان کا فدیہ چھوڑ رہے ہیں یا چھوڑنا چاہتے ہیں، بلکہ حسن تعبیر سے یہ کہا کہ یہ ہمارے بھانجے ہیں، اس لیے ہم ان کا فدیہ لینا نہیں چاہتے۔

اب حضرت عباس رضی اللہ عنہ انصار کے بھانجے کس طرح ہوئے؟ اس کا قصہ یہ ہے کہ جیسا کہ شروع میں بھی عرض کیا گیا تھا کہ مکہ مکرمہ کے لوگ دو تجارتی سفر کیا کرتے تھے، ایک شام کی طرف اور دوسرا یمن کی طرف۔ جب وہ شام جاتے تھے تو مدینہ منورہ سے ہوتے ہوئے جاتے تھے، تاکہ کھانے، پینے اور ٹھہرنے کا مناسب انتظام ہو سکے، پھر یہاں ایک، دو دن گزار کر آگے سفر پر روانہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑ دادا ہاشم بھی شام جایا کرتے تھے اور راستے میں مدینہ میں ٹھہرا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران انہوں نے وہاں کی ایک خاتون حضرت سلمیٰ سے شادی کر لی، جس سے ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہو گیا، جس کا نام انہوں نے شیبہ رکھا، یہی شیبہ بعد میں عبد المطلب کہلائے اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا بننے کا شرف حاصل ہوا۔

بہر حال ہاشم ایک مرتبہ سفر میں گئے اور سفر ہی میں ان کا انتقال ہو گیا اور ان کا بیٹا شیبہ اپنی والدہ سلمیٰ کے پاس مدینہ منورہ میں ہی رہ گیا، ہاشم کے ایک بھائی تھے، جن کا نام مطلب بن عبد مناف تھا۔ جب شیبہ کوئی آٹھ نو سال کے ہو گئے تو مطلب بن عبد مناف کو یہ خیال ہوا کہ یہ میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے، ہمیں اسے اپنے خاندان میں لانا چاہیے، کیونکہ جب یہ ہمارے خاندان کا بچہ ہے تو اسے قریش میں رہنا چاہیے، تاکہ اس کی عزت ہو اور تعلیم اور تربیت وغیرہ کا خصوصی انتظام ہو۔ چنانچہ مطلب مدینہ منورہ گئے، شیبہ کی والدہ سے ذکر کیا کہ آپ شیبہ کو ہمارے سپرد کر دیں، کیونکہ ہم اس کے ولی ہیں اور زیادہ حق دار ہیں، ہم مکہ مکرمہ میں اس کی بہتر پرورش کریں گے۔ انہوں نے شروع میں انکار کیا لیکن پھر سوچ بچار کے بعد حضرت سلمیٰ نے اپنے بیٹے شیبہ کو مطلب کے حوالے کر دیا۔ شیبہ بہت خوبصورت تھے، جب مطلب اپنے بھتیجے شیبہ کو لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، تو لوگ یہ سمجھے کہ مطلب کوئی غلام خرید کر لائے ہیں، چونکہ غلام کو عربی میں عبد کہتے ہیں لہٰذا اسی بناء پر شیبہ کا نام عبد المطلب پڑ گیا، یہ ایک قول ہے۔

جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مطلب نے چونکہ شیبہ پر بڑے احسانات کئے، اپنے گھر میں رکھا، اپنے بچوں کی

طرح پرورش کی، اس وجہ سے لوگ شیبہ کو عبد المطلب کہنے لگے، یہاں تک کہ شیبہ نام پیچھے رہ گیا اور عبد المطلب نام مشہور ہو گیا، چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب اطہر ذکر کیا جاتا ہے تو محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف کہا جاتا ہے، حالانکہ حقیقت میں عبد المطلب اصل نام نہیں ہے بلکہ اصل نام شیبہ ہے۔

جب یہ پس منظر سامنے آ گیا تو واضح ہو گیا کہ شیبہ (عبد المطلب) کی والدہ حضرت سلمٰی کا تعلق انصار سے تھا، یوں عبد المطلب اور ان کی اولاد گویا انصار کے بھانجے ہو گئے، چنانچہ انصار نے اس رشتہ داری کا حوالہ دے کر بطور صلہ رحمی کے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلداری میں یہ کہا کہ ہم اپنے بھانجے کا فدیہ نہیں لینا چاہتے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکتا، معاملہ سب کے ساتھ ایک جیسا ہوگا، چاہے رشتے دار ہو، چاہے غیر رشتے دار ہو، چنانچہ فرمایا: وَاللهِ لَا تَذَرُونَ مِنْهُ دِرْهَمًا کہ اللہ کی قسم تم ان کا ایک درہم بھی نہیں چھوڑو گے۔

چونکہ اس حدیث میں انصار کے ان افراد کا ذکر ہے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت یہاں بیان فرمائی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَدِيٍّ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ ح وحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ ثُمَّ الْجُنْدَعِيُّ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ أَخْبَرَهُ

أَنَّ الْمِقْدَادَ بْنَ عَمْرٍو الْكِنْدِيَّ وَكَانَ حَلِيفًا لِبَنِي زُهْرَةَ وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللهِ

مقداد بن عمرو کندی رضی اللہ عنہ جو بنی زہرہ کے حلیف تھے اور بدر کی لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، انہوں نے خبر دی

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتُ

کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر کسی موقع پر میرا کسی کافر سے مقابلہ ہو جائے

رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَاقْتَتَلْنَا فَضَرَبَ إِحْدَى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّي بِشَجَرَةٍ

اور ہم دونوں ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش میں لگ جائیں اور وہ میرے ایک ہاتھ پر تلوار مار کر اسے کاٹ ڈالے، پھر وہ مجھ سے بھاگ کر ایک درخت کی پناہ لے لے

فَقَالَ أَسْلَمْتُ لِلَّهِ أَأَقْتُلُهُ يَا رَسُولَ اللهِ بَعْدَ أَنْ قَالَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور کہنے لگے "میں اللہ پر ایمان لے آیا" تو کیا یا رسول اللہ! اس کے اس اقرار کے بعد بھی میں اسے قتل کر دوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا تَقْتُلْهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُ قَطَعَ إِحْدَى يَدَيَّ ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ بَعْدَ مَا قَطَعَهَا فَقَالَ رَسُولُ

کہ پھر تم اسے قتل نہ کرنا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ پہلے میرا ایک ہاتھ بھی کاٹ چکا ہے؟ اور یہ اقرار میرے ہاتھ کاٹنے کے بعد کیا ہے؟

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے قتل نہ کرنا، کیونکہ اگر تو نے اسے قتل کر ڈالا تو اسے قتل کرنے سے پہلے جو تمہارا مقام تھا اب اس کا وہ مقام ہو

وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ

گا اور تمہارا مقام وہ ہوگا جو اس کا مقام اس وقت تھا جب اس نے اس کلمہ کا اقرار نہیں کیا تھا

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے، پہلی سند میں ان کا نام مقداد بن اسود ذکر کیا گیا، جو لوگوں میں معروف تھا لیکن تحویل کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری سند میں ان کا اصل نام مقداد بن عمرو الکندی ذکر کیا ہے، **وَكَانَ حَلِيْفًا لِبَنِيْ زُهْرَةَ** یہ بنو زہرہ کے حلیف ہو گئے تھے، اس وجہ سے انہیں زہری بھی کہا جاتا ہے، نیز وہاں اسود بن عبد یغوث نے ان کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور اس نسبت سے یہ معروف ہو گئے تھے، اس وجہ سے ان کو اکثر مقداد بن اسود کہا جاتا ہے، ورنہ حقیقت میں یہ مقداد بن عمرو الکندی ہیں۔ **وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا** حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں، جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے تھے، چنانچہ اسی مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث یہاں ذکر فرمائی ہے۔

فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ: مذکورہ روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد **اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو تم اس کی جگہ چلے جاؤ گے اور وہ تمہاری جگہ آ جائے گا**، کا کیا مطلب ہے؟

اس کی کچھ تاویلات کتاب کے حاشیہ میں لکھی ہوئی ہیں لیکن اس میں جو آسان بات ہے، وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ جب تم اسلام لانے کے باوجود اس کو قتل کرو گے تو تم اس کی جگہ میں چلے جاؤ گے اور وہ تمہاری جگہ میں آ جائے گا، یعنی جب تک اس نے کلمہ نہیں پڑھا تھا تو وہ کافر ہونے کی وجہ سے مباح الدم تھا اور جب تک تم نے اس کو قتل نہیں کیا تھا تم مسلمان ہونے کی بناء پر معصوم الدم تھے، لیکن جب اس نے کلمہ پڑھ لیا تو وہ مسلمان ہو جانے کی وجہ سے معصوم الدم ہو گیا اور کلمہ پڑھنے کے باوجود یعنی معصوم الدم ہو جانے کے باوجود تم نے اس کو قتل کر دیا تو اب تم ایک مسلمان کے قاتل ہونے کی حیثیت سے معصوم الدم نہیں رہو گے بلکہ تم مباح الدم بن گئے۔ تو گویا اصول بتا دیا جو پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ایک شخص اگر کلمۂ اسلام پڑھ رہا ہے اور اپنے ظاہر سے اسلام لانے کا اظہار کر رہا ہے تو دنیا کے احکام کی حد تک لازم ہے کہ اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کیا جائے، کیونکہ کسی کے دل میں کیا ہے اس کا شریعت نے نہ ہمیں مکلف بنایا ہے اور نہ ہی ہمیں یہ طاقت دی ہے کہ ہم اس بات سے واقف ہو سکیں کہ کس کے دل میں کیا ہے۔

حَدَّثَنِيْ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ

حَدَّثَنَا أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ مَنْ يَّنْظُرُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے دن فرمایا کہ کون دیکھ کر آئے گا

مَا صَنَعَ أَبُوْ جَهْلٍ فَانْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَوَجَدَهُ قَدْ ضَرَبَهُ ابْنَا عَفْرَاءَ حَتّٰى بَرَدَ فَقَالَ اٰنْتَ أَبَا جَهْلٍ

کہ ابو جہل کے ساتھ کیا ہوا؟ تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ گئے اور دیکھا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اسے قتل کر دیا ہے اور وہ ٹھنڈا ہونے والا ہے۔ انہوں نے پوچھا، ابو جہل تم ہی ہو؟

قَالَ ابْنُ عُلَيَّةَ قَالَ سُلَيْمَانُ هٰكَذَا قَالَهَا أَنَسٌ قَالَ اٰنْتَ أَبَا جَهْلٍ قَالَ وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوْهُ

ابن علیہ نے بیان کیا کہ سلیمان کہتے ہیں کہ حضرت انس نے ابا جھل ہی کہا تھا تو ابوجہل نے کہا، کیا اس سے بھی بڑا کوئی ہو گا جسے تم نے آج قتل کر دیا ہے؟

قَالَ سُلَيْمَانُ أَوْ قَالَ قَتَلَهُ قَوْمُهُ قَالَ وَقَالَ أَبُو مِجْلَزٍ قَالَ أَبُو جَهْلٍ فَلَوْ غَيْرُ أَكَّارٍ قَتَلَنِي

سلیمان کہتے ہیں یا اس نے یوں کہا، "جسے اس کی قوم نے قتل کر دیا ہے؟ ابومجلز نے کہتے ہیں کہ ابوجہل نے کہا، کاش! ایک کسان کے سوا مجھے کسی اور نے مارا ہوتا۔

قَالَ أَبُو جَهْلٍ فَلَوْ غَيْرُ أَكَّارٍ قَتَلَنِي: ابوجہل نے مرتے ہوئے کہا کہ ''کاش! کاشت کار کے علاوہ کسی اور نے مجھے قتل کیا ہوتا۔'' یہ اس لئے کہا کہ حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما دونوں انصار میں سے تھے اور انصار زراعت اور کاشت کاری کرتے تھے۔ حدیث کی تفصیل اور ابوجہل کے قتل کا قصہ نیز اَنْتَ أَبَا جَهْلٍ کی تشریح وتوجیہ باب قتل ابی جهل کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ

حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی

وَسَلَّمَ قُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى إِخْوَانِنَا مِنَ الْأَنْصَارِ فَلَقِينَا مِنْهُمْ رَجُلَانِ صَالِحَانِ

تو میں نے ابوبکر سے کہا کہ آپ ہمیں ساتھ لے کر ہمارے انصاری بھائیوں کے یہاں چلیں، پھر ہماری ملاقات دو نیک ترین انصاری صحابیوں سے ہوئی جنہوں نے بدر کی لڑائی میں

شَهِدَا بَدْرًا فَحَدَّثْتُ بِهِ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ فَقَالَ هُمَا عُوَيْمُ بْنُ سَاعِدَةَ وَ مَعْنُ بْنُ عَدِيٍّ

شرکت کی تھی۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس حدیث کا تذکرہ عروہ بن زبیر سے کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دونوں صحابی عویم بن ساعدہ اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما تھے۔

یہ ایک طویل روایت کا مختصر سا حصہ ہے، جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مناسبت سے یہاں ذکر فرمایا ہے کہ عویم بن ساعدہ اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما بدری صحابہ میں سے ہیں۔

روایت کا خلاصہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم سخت پریشانی میں تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تجہیز وتکفین میں مصروف تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہوئے ہیں اور یہ مشورہ کر رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اب اس امت کی قیادت کون کرے گا؟ کون خلیفہ ہوگا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمیں اپنے انصار بھائیوں کے پاس جانا چاہئے تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو سکے کہ وہ کیا مشورہ کر رہے ہیں؟ اب جب یہ دونوں حضرات اس مجلس میں شرکت کے لئے جا رہے تھے، تو اس مجلس سے دو صحابی عویم بن ساعدہ اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما اٹھ کر آ رہے تھے اور وہ مجلس ختم ہونے کے قریب تھی، جب ان دونوں حضرات سے ان کی ملاقات ہوئی، تو انہوں نے کہا کہ اب آپ وہاں کہاں جا رہے ہیں؟ اب تو مجلس ختم ہو رہی ہے اور اس میں یہ باتیں طے ہو چکی ہیں، لیکن بہرحال یہ دونوں حضرات انصار کی اس مجلس میں پہنچ گئے اور امت مسلمہ ایک بہت بڑے اختلاف سے بچ گئی اور بالآخر سب نے مل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، جس کی تفصیل اس کے مقام پر آ جائے گی، ان شاء اللہ۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ فُضَيْلٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ

عَنْ قَيْسٍ كَانَ عَطَاءُ الْبَدْرِيِّينَ خَمْسَةَ آلَافٍ خَمْسَةَ آلَافٍ وَقَالَ عُمَرُ لَأُفَضِّلَنَّهُمْ عَلَى مَنْ بَعْدَهُمْ

قیس بن ابی حازمؒ سے روایت ہے کہ بدری صحابہ کا (سالانہ) وظیفہ پانچ ہزار تھا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں بدری صحابہ کو ان صحابہ پر فضیلت دوں گا جو ان حضرات کے بعد ایمان لائے۔

کسی شخص نے اپنی ساری جوانی جہاد میں اور مسلمانوں کی خدمات میں خرچ کر دی اور اب وہ بوڑھا ہو گیا تو بیت المال سے اس کے لیے وظیفہ متعین کر دیا جاتا تھا، تاکہ وہ بقیہ زندگی اطمینان اور سکون سے گزار سکے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے بڑا وظیفہ بدری صحابہ کا طے کیا ہوا تھا اور آپ یہ فرماتے تھے کہ میں بدری صحابہ کو بعد کے لوگوں پر فضیلت دوں گا۔ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ بدری صحابہ کا مقام تمام صحابہ میں سب سے زیادہ ہے۔

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ

حضرت محمد بن جبیرؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ مغرب کی نماز میں

بِالطُّورِ وَذٰلِكَ أَوَّلَ مَا وَقَرَ الْإِيمَانُ فِي قَلْبِي

سورۂ طور کی تلاوت کر رہے تھے اور یہ پہلا موقع تھا جب میرے دل میں ایمان نے قرار پکڑا۔

وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي

امام زہریؒ محمد بن جبیرؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

أُسَارَى بَدْرٍ لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنَى لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ

بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا تھا اگر مطعم بن عدی ہوتے اور ان بدبودار قیدیوں کے لیے سفارش کرتے تو میں انہیں ان کے کہنے سے چھوڑ دیتا۔

ان دونوں روایتوں کا پس منظر یہ ہے کہ جب غزوۂ بدر ہوا تو اس میں ستر مشرک مارے گئے اور ستر کافر گرفتار ہوئے، ان گرفتار قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں مکہ مکرمہ سے ایک وفد مدینہ منورہ آیا، اس وفد میں جبیر بن مطعم بن عدی بھی تھے، جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیدیوں کی آزادی سے متعلق گفتگو کرنے کے لئے آئے تھے۔

جب یہ وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے، اس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الطور کی تلاوت فرمائی۔ جبیر بن مطعم آپ کی تلاوت سننے لگے، بعض روایات میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے: أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخٰلِقُونَ (کیا یہ بغیر کسی چیز کے پیدا ہو گئے ہیں یا انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے)؟ تو جبیر بن مطعم کہتے ہیں: کاد قلبي يطير قرآن کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ مجھے ایسا لگا کہ میرا دل نکلا جا رہا ہے، وذلک أول ما وقر الإيمان في قلبي اور یہ پہلا موقع تھا کہ ایمان میرے دل کے اندر جم گیا، البتہ جبیر بن مطعم نے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کیا ہے۔

اس روایت سے مستنبط چند مسائل:

❶ اس روایت میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا، اس وقت وہ کافر تھے، بعد میں جب یہ روایت نقل کی تو اس وقت وہ مسلمان ہو چکے تھے، اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر روایت کا تحمل حالت کفر میں ہو اور روایت کی ادائیگی حالت ایمان میں ہو تو محدثین کے ہاں وہ روایت معتبر ہوگی۔

❷ یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر نماز مغرب میں کبھی کبھی ذرا لمبی تلاوت کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

❸ یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر ایمان دل میں داخل ہو جائے تو جب تک زبان سے اقرار نہ ہو، اس وقت تک اس کے اوپر ایمان کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا: **لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ** اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اس کے کہنے پر ان سب کو چھوڑ دیتا۔

دراصل جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے والد مطعم بن عدی (کافر) کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک احسان تھا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یاد رکھا اور پھر ان کے بیٹے کے سامنے اس کا اظہار فرمایا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے اور وہاں کافر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت دشمنی پر تلے ہوئے تھے، لیکن اس دشمنی کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی بہت بڑا نقصان نہیں پہنچا سکے اور اس کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ آپ کے پیچھے آپ کے چچا جناب ابو طالب اور قبیلہ قریش کے دوسرے بڑے لوگ تھے، ابو طالب اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے لیکن انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر اعتبار پناہ دی ہوئی تھی۔ لیکن جب ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو بظاہر مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی پناہ دینے والا نہیں تھا۔

نوٹ: جناب ابو طالب کا انتقال اگرچہ حالت کفر میں ہوا، لیکن چونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محسن تھے اس لئے ان کا ذکر ہمیشہ ادب کے ساتھ ہی کرنا چاہئے۔

ابو طالب کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے نکلے اور طائف کی طرف تشریف لے گئے، لیکن طائف والوں نے بھی ساتھ دینے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سخت رویہ اپنایا، جس کا قصہ معروف ہے۔ بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے، جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو اس بات کی فکر تھی کہ مکہ میں کیسے داخل ہوں؟ وہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات مطعم بن عدی سے ہوئی۔ مطعم بن عدی نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا بات ہے، تم پریشان نظر آرہے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! میرے چچا کا انتقال ہو گیا ہے اور اب مکہ میں مجھے کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے، تو مطعم بن عدی نے کہا کہ اگر تمہیں پناہ نہیں دی جائے گی تو کس کو دی جائے گی؟ میں تمہیں پناہ دیتا ہوں، چنانچہ

مطعم بن عدی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر آیا، اپنے چاروں بیٹوں کو ہتھیاروں سے لیس کیا اور چاروں بیٹوں کو لے کر بیت اللہ مسجد حرام میں پہنچا اور بیت اللہ کے چاروں کونوں پر اپنے ایک ایک بیٹے کو کھڑا کیا اور سب کے سامنے اعلان کیا کہ آج سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری پناہ میں ہے، کوئی ان کو تکلیف پہنچانے کی جرأت نہ کرے۔

یہ مطعم بن عدی کافر تھا لیکن اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ احسان کا معاملہ فرمایا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت اور اخلاق کی بلندی تھی کہ جن کافروں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی خیر کا معاملہ کیا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے یاد رکھتے تھے کہ اس نے مشکل وقت میں ہمارا ساتھ دیا تھا، اس لیے جب جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قیدیوں کے سلسلے میں مدینہ منورہ آئے تو ان کو دیکھ کر آپ کو ان کے والد یاد آ گئے، اور آپ نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بات کہی کہ **لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهٗ** اگر تمہارے والد مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور ان بدبودار قیدیوں کے بارے میں وہ سفارش کرتے تو میں ان سب بدبودار قیدیوں کو ان کی سفارش کی وجہ سے ویسے ہی چھوڑ دیتا، ان قیدیوں کو بدبودار کہنے کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ یہ حالت کفر میں تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرانے تعلقات اور اس کے احسان کی وجہ سے یہ جملہ ارشاد فرمایا اور ساتھ ہی اس کا ایک مقصد جبیر بن مطعم کو یہ بھی بتانا تھا کہ ہم پرانے احسانات کو بھولتے نہیں ہیں، ہم آج بھی اس کے احسان کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ہی کریمانہ اخلاق کی بناء پر جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پیدا ہوئی ہو اور یہ ان کے اسلام لانے کا باعث بنا ہو۔

وَقَالَ اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الْأُولَى يَعْنِي مَقْتَلَ عُثْمَانَ

حضرت لیثؒ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلا فساد جب برپا ہوا یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کی

فَلَمْ تُبْقِ مِنْ أَصْحَابِ بَدْرٍ أَحَدًا ثُمَّ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الثَّانِيَةُ يَعْنِي الْحَرَّةَ فَلَمْ تُبْقِ

شہادت کا تو اس نے اصحاب بدر میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا، پھر جب دوسرا فساد برپا ہوا یعنی حرہ کا، تو اس نے اصحاب حدیبیہ میں سے کسی کو

مِنْ أَصْحَابِ الْحُدَيْبِيَةِ أَحَدًا ثُمَّ وَقَعَتِ الثَّالِثَةُ فَلَمْ تَرْتَفِعْ وَلِلنَّاسِ طَبَاخٌ

باقی نہیں چھوڑا، پھر تیسرا فساد برپا ہوا پس وہ ختم نہیں ہوا اس حال میں کہ لوگوں میں عقل و خیر باقی ہو۔

وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الْأُولَى يَعْنِي مَقْتَلَ عُثْمَانَ: مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا جو فتنہ پیش آیا اس کے بعد بدری صحابہ رضی اللہ عنہم پے در پے اٹھنا شروع ہوئے، یہ مطلب نہیں کہ اس فتنہ کے اندر وہ قتل ہو گئے کیونکہ اس واقعہ کے بعد حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم وغیرہ بدری صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ رہے۔

ثُمَّ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الثَّانِيَةُ: مطلب یہ ہے کہ واقعہ حرہ کے بعد اصحاب حدیبیہ رضی اللہ عنہم پے در پے دنیا سے رخصت ہونے لگے، واقعہ حرہ کی پوری تفصیل تو کتاب الفتن میں آئے گی، یہاں اتنی بات سمجھ لیجئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کے انتقال کے بعد جب یزید خلیفہ بنا تو اہل مدینہ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ یزید نے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں ستائیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر روانہ کیا، جس میں بارہ ہزار شہسوار تھے اور پندرہ ہزار پیادہ تھے اور مدینہ منورہ میں حرہ کے مقام پر اس لشکر نے قیام کیا (اسی وجہ سے اس فتنہ کو فتنہ حرہ کہا جاتا ہے) اور مدینہ منورہ پر حملہ کیا، انصار اور مہاجرین کے تقریباً سات سو افراد اس واقعہ میں شہید کئے گئے، یہ واقعہ سن ۶۲ یا ۶۳ ہجری میں پیش آیا۔ یحییٰ بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے وقت مسجد نبوی میں اذان اور نماز موقوف ہوگئی تھی اور فتنہ حرہ کے وقت بھی مسجد نبوی میں اذان و نماز موقوف ہوگئی تھی۔

ثُمَّ وَقَعَتِ الثَّالِثَةُ فَلَمْ تَرْتَفِعْ وَلِلنَّاسِ طَبَاخٌ: (طَباخ بفتح الطاء والباء قوت وشدت کو کہتے ہیں لیکن عقل و دانائی اور خیر کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے) مطلب یہ ہے کہ جب تیسرا فتنہ واقع ہوا تو لوگوں سے عقل و دانائی اور خیر رخصت ہوگئی، اس تیسرے فتنہ سے کون سا فتنہ مراد ہے؟ یہاں روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے، البتہ اس کی تعیین میں شراح کا اختلاف ہے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کا واقعہ ہے، عبدالملک بن مروان کے حکم پر حجاج بن یوسف نے نوے دن تک مکہ مکرمہ کا محاصرہ کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا تھا اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس سے ابوحمزہ خارجی کا واقعہ مراد ہے جو سن ۱۳۰ ہجری میں پیش آیا، واقعہ یہ ہوا کہ حضر موت سے ابوحمزہ خارجی اپنے ساتھ سات سو ۷۰۰ سوار لے کر حجاز کی طرف نکلا، اس زمانے میں مروان بن محمد بن مروان بن الحکم خلیفہ تھا، ابوحمزہ خارجی نے مکہ، مدینہ اور طائف کے حاکم عبدالواحد بن سلیمان کو ساتھ ملا کر مروان بن محمد کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا اور جا کر مکہ مکرمہ پر قابض ہوگیا، مروان کو جب اطلاع ملی تو اس نے اپنی فوج سے چار ہزار افراد منتخب کر کے ابوحمزہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیئے، عبدالملک بن محمد بن عطیہ کو اس لشکر کا سالار اور امیر مقرر کیا، دونوں فوجوں کے درمیان جنگ ہوئی، ابوحمزہ خارجی اور اس کے سات سو افراد مارے گئے اور اس کی حمایت کرنے والے دوسرے لوگوں کو بھی شکست ہوئی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تعلیق یہاں اس لئے ذکر کی کہ اس میں اصحاب بدر کا ذکر ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ

سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ قَالَ سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ وَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص

وَ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور عبیداللہ بن عبداللہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت کے واقعہ سے متعلق سنا ان میں سے ہر ایک نے مجھ سے اس واقعہ کا کچھ حصہ بیان کیا۔

كُلَّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِّنَ الْحَدِيثِ قَالَتْ فَأَقْبَلْتُ أَنَا وَ أُمُّ مِسْطَحٍ فَعَثَرَتْ أُمُّ مِسْطَحٍ فِي مِرْطِهَا

اس میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں اور ام مسطح قضائے حاجت سے فارغ ہوکر واپس آرہے تھے کہ ام مسطحؓ اپنی چادر میں الجھ کر پھسل پڑیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ

فَقَالَتْ تَعِسَ مِسْطَحٌ فَقُلْتُ بِئْسَ مَا قُلْتِ تَسُبِّيْنَ رَجُلًا شَهِدَ بَدْرًا فَذَكَرَ حَدِيثَ الْإِفْكِ

مسطح کا برا ہو۔ میں نے کہا، آپ نے اچھی بات نہیں کہی۔ آپ ایک ایسے شخص کو برا کہتی ہیں جو بدر میں شریک ہو چکا ہے۔ پھر انہوں نے تہمت کا واقعہ بیان کیا

اس حدیث میں قصہ افک کا بیان ہے، یہ حدیث تفصیل کے ساتھ آگے آئے گی اس حدیث میں چونکہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کے بدری ہونے کا ذکر ہے اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث یہاں ذکر فرمائی۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ هٰذِهِ مَغَازِي رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ فَقَالَ

ابن شہاب فرماتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا بیان تھا، پھر انہوں نے بیان کیا

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُلْقِيهِمْ هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا

کہ جب (بدر کے) کفار مقتولین کنویں میں ڈالے جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم نے اس چیز کو پا لیا جس کا تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا؟"

قَالَ مُوسَى قَالَ نَافِعٌ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ نَاسٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ يَا رَسُولَ اللهِ تُنَادِي نَاسًا أَمْوَاتًا

موسیٰ فرماتے ہیں کہ ان سے نافع نے اور ان سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ایسے لوگوں کو آواز

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا قُلْتُ مِنْهُمْ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ

دے رہے ہیں جو مر چکے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کچھ میں نے ان سے کہا ہے اسے خود تم نے بھی ان سے زیادہ بہتر طریقہ پر نہیں سنا ہوگا۔" ابوعبداللہ (امام بخاریؒ) نے کہا

فَجَمِيعُ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِّنْ قُرَيْشٍ مِمَّنْ ضُرِبَ لَهُ بِسَهْمِهِ أَحَدٌ وَّ ثَمَانُونَ رَجُلًا وَكَانَ عُرْوَةُ

کہ قریش (مہاجرین صحابہ) کے جتنے لوگ بدر میں شریک ہوئے تھے اور جن کا حصہ بھی (اس غنیمت میں) لگا تھا، ان کی تعداد اکیاسی تھی، عروہ بن زبیر بیان کرتے تھے

بْنُ الزُّبَيْرِ يَقُولُ قَالَ الزُّبَيْرُ قُسِمَتْ سُهْمَانُهُمْ فَكَانُوا مِائَةً وَاللهُ أَعْلَمُ

کہ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا، (ان مہاجرین کے حصے) تقسیم کئے گئے تھے اور ان کی تعداد سو تھی اور زیادہ بہتر علم اللہ کو ہے

اس روایت میں بدر میں اہل قلیب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کا ذکر ہے اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے، اس روایت کے آخر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول ہے یا موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بدر میں شریک ہونے والے قریش یعنی مہاجرین کے کل اکیاسی ۸۱ آدمی تھے، جن کو مال غنیمت سے حصہ دیا گیا اور حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے فرماتے تھے کہ مہاجرین میں سے جن کے حصے تقسیم کئے گئے ان کی تعداد سو ۱۰۰ تھی۔

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ ضُرِبَتْ يَوْمَ بَدْرٍ لِلْمُهَاجِرِينَ بِمِائَةِ سَهْمٍ

ہشام بن عروہ اپنے والد سے اور وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بدر کے دن مہاجرین کے سو حصے لگائے گئے تھے۔

موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ مہاجرین کے لئے جنگ بدر میں ۸۱ حصے مقرر کئے گئے تھے اور زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک سو حصے مقرر کئے گئے تھے، بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے، اسی طرح شروع میں یہ

بات بتائی گئی تھی کہ غزوۂ بدر میں مہاجرین کی کل تعداد چھیاسٹھ تھی اور انصار کی تعداد دوسو سینتالیس تھی، مگر زیر نظر روایت میں بتایا جارہا ہے کہ غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین کی تعداد ۸۱ تھی، گویا یہاں بھی تعارض ہے۔

اس تعارض میں تطبیق اس طرح بیان کی گئی ہے کہ غزوۂ بدر میں جنھوں نے قتال میں حصہ لیا تھا، ان کی تعداد چھیاسٹھ تھی لیکن اس کے علاوہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے، جنہیں کم سنی کی وجہ سے عملاً جہاد میں شریک نہیں کیا گیا، اسی طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنہم وہ بھی تھے، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف کاموں کے سلسلے میں مختلف جگہوں میں بھیجا ہوا تھا، یا انہیں مدینہ منورہ میں چھوڑ کر آئے تھے، ان کا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصہ لگایا اوران کو بھی اصحاب بدر میں شمار کیا گیا، تو چھیاسٹھ مقاتلین تھے اور پندرہ یہ حضرات تھے، اس طرح کل ۸۱ ہوگئے۔

اب ان اکیاسی ۸۱ مہاجر صحابہ کرام کو جو حصے ملے، وہ ایک سو ۱۰۰ تھے۔ سو ۱۰۰ حصے کیوں دیئے گئے؟

❶ اس کا ایک جواب یہ دیا گیا کہ مہاجرین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شامل تھے، تو اسّی ۸۰ حصے صحابہ رضی اللہ عنہم کے تھے اور بیس ۲۰ حصے خمس کے نکلے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار میں تھے۔

❷ ایک توجیہ یہ کی گئی کہ اکیاسی ۸۱ افراد میں سے بعض حضرات گھڑ سوار تھے اور گھڑ سوار کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیدل کے مقابلے میں دو حصے ملتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک گھڑ سوار کو مال غنیمت میں تین حصے دیئے جائیں گے، یعنی اگر عام مجاہد کو ایک حصہ ملا تھا تو گھڑ سوار کو مال غنیمت میں تین گنا حصہ ملے گا۔ اب چونکہ بعض حضرات گھڑ سوار تھے، اس لیے سب کے حصے ملا کر کل ایک سو ۱۰۰ حصے بن گئے تھے۔

بَابُ تَسْمِيَةِ مَنْ سُمِّيَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ فِي الْجَامِعِ

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام جنھوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی اوران کا نام بخاری شریف میں مذکور ہے۔

النَّبِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْهَاشِمِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. إِيَاسُ بْنُ الْبُكَيْرِ بِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ الْقُرَشِيِّ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ الْهَاشِمِيُّ حَاطِبُ بْنُ أَبِي بَلْتَعَةَ حَلِيفٌ لِقُرَيْشٍ أَبُو حُذَيْفَةَ بْنُ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ الْقُرَشِيُّ حَارِثَةُ بْنُ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيُّ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ وَهُوَ حَارِثَةُ بْنُ سُرَاقَةَ كَانَ فِي النَّظَّارَةِ خُبَيْبُ بْنُ عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيُّ خُنَيْسُ بْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِيُّ رِفَاعَةُ بْنُ رَافِعٍ الْأَنْصَارِيُّ رِفَاعَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُنْذِرِ أَبُو لُبَابَةَ الْأَنْصَارِيُّ زُبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ الْقُرَشِيُّ زَيْدُ بْنُ سَهْلٍ أَبُو طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيُّ أَبُو زَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ الزُّهْرِيُّ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ الْقُرَشِيُّ سَعِيدُ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ الْقُرَشِيُّ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ الْأَنْصَارِيُّ ظُهَيْرُ بْنُ رَافِعٍ الْأَنْصَارِيُّ وَأَخُوهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ الْقُرَشِيُّ

عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ الْهُذَلِيُّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ الزُّهْرِيُّ عُبَيْدَةُ بْنُ الْحَارِثِ الْقُرَشِيُّ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ الْأَنْصَارِيُّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْعَدَوِيُّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ الْقُرَشِيُّ خَلَّفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنَتِهِ وَضَرَبَ لَهُ بِسَهْمِهِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ الْهَاشِمِيُّ عَمْرُو بْنُ عَوْفٍ حَلِيفُ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيُّ عَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ الْعَنَزِيُّ عَاصِمُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ عُوَيْمُ بْنُ سَاعِدَةَ الْأَنْصَارِيُّ عِتْبَانُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ قُدَامَةُ بْنُ مَظْعُونٍ قَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ الْأَنْصَارِيُّ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ مُعَوِّذُ بْنُ عَفْرَاءَ وَأَخُوهُ مَالِكُ بْنُ رَبِيعَةَ أَبُو أُسَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ مُرَارَةُ بْنُ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيُّ مَعْنُ بْنُ عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيُّ مِسْطَحُ بْنُ أُثَاثَةَ بْنِ عَبَّادِ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ مِقْدَادُ بْنُ عَمْرٍو الْكِنْدِيُّ حَلِيفُ بَنِي زُهْرَةَ هِلَالُ بْنُ أُمَيَّةَ الْأَنْصَارِيُّ

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرکاء بدر میں سے وہ اسمائے گرامی بیان کئے ہیں، جن کی شرکت کی تصریح بخاری شریف میں آئی ہے، تمام بدریین کے ناموں کو ذکر کرنا مقصود نہیں ہے، اسی طرح بعض ایسے حضرات جن کے بدری ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں بلکہ خود بخاری شریف میں بھی ان کے بدری ہونے کا ذکر موجود ہے لیکن چونکہ تصریح کے ساتھ نہیں اس لئے یہاں ان کے نام ذکر نہیں کئے، جیسے ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، ان کے بدری ہونے کا ذکر خود بخاری شریف میں موجود ہے لیکن چونکہ تصریح (انہ شھد بدرا جیسے الفاظ) کے ساتھ نہیں، اس لئے ناموں کی اس فہرست میں ان کا نام نہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں چوالیس ناموں کا ذکر حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق کیا ہے۔ شرکاء بدر کی تعداد مشہور روایت کے مطابق تین سو تیرہ ہے، ان تمام کے اسمائے گرامی کا ذکر ضیاء الدین مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاحکام میں استیعاب کے ساتھ کیا ہے۔ ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفصیل کے ساتھ بدریین صحابہ کے نام ذکر کئے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جو نام ذکر کئے ہیں ان کے بارے میں مشہور ہے کہ جب ان ناموں کو پڑھا جاتا ہے تو اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

بَابُ حَدِيثِ بَنِي النَّضِيرِ

بنونضیر کے یہودیوں کے واقعہ کا بیان۔

وَمَخْرَجِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فِي دِيَةِ الرَّجُلَيْنِ وَمَا أَرَادُوا مِنَ الْغَدْرِ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ عُرْوَةَ كَانَتْ عَلَى رَأْسِ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِّنْ وَقْعَةِ بَدْرٍ قَبْلَ أُحُدٍ وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ وَجَعَلَهُ ابْنُ إِسْحَاقَ بَعْدَ بِئْرِ مَعُونَةَ وَأُحُدٍ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دو مسلمانوں کی دیت کے سلسلے میں ان کے پاس جانا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا دغا بازی کرنا۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ غزوۂ بنونضیر، غزوۂ بدر کے چھ مہینے بعد اور غزوۂ احد سے پہلے ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد (ترجمہ) "اللہ ہی وہ ہے جس نے نکالا ان لوگوں کو جو کافر ہوئے اہل کتاب سے ان کے گھروں سے اور یہ (جزیرہ عرب سے) ان کی پہلی جلا وطنی ہے" ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق یہ واقعہ غزوۂ بئر معونہ اور غزوۂ احد کے بعد پیش آیا تھا۔

غزوۂ بنونضیر کب پیش آیا؟ اس سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رائے عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کی ہے اور ایک رائے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی۔ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے چھ مہینے بعد غزوۂ بنونضیر کا واقعہ پیش آیا، جبکہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ بنونضیر کا واقعہ غزوۂ بیر معونہ اور غزوۂ اُحد کے بعد پیش آیا، اسی قول کو جمہور محدثین اور اصحاب السیر نے اختیار کیا ہے اور یہی راجح ہے، چنانچہ غزوات کی صحیح ترتیب یہ ہوگی کہ سب سے پہلے غزوۂ بدر، اس کے بعد غزوۂ اُحد ہے، اس کے بعد غزوۂ رجیع اور غزوۂ بیر معونہ ہے، اس کے بعد غزوۂ بنونضیر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ آمد کے وقت کفار کی اقسام:

حضوا قدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت کفار کی تین قسمیں تھیں:

١ ایک قسم کفار کی وہ تھی جو باقاعدہ دشمنی کا اعلان کرتے تھے اور جنگ کے لئے آمادہ تھے۔

٢ دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جو اس انتظار میں تھے کہ مسلمانوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اگر غالب آ گئے تو ہم بھی ان کے ساتھ ہو جائیں گے، ورنہ ہم اپنے آبائی دین پر قائم رہیں گے۔

٣ تیسری قسم یہود مدینہ کی تھی، مدینہ منورہ میں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے آباد تھے: (١) بنوقینقاع، (٢) بنونضیر اور (٣) بنوقریظہ۔ چھوٹے اور بڑے کی ترتیب سے دیکھا جائے تو ان میں سب سے چھوٹا قبیلہ بنوقینقاع کا تھا، اس سے بڑا قبیلہ بنونضیر تھا، پھر اس سے بڑا قبیلہ بنوقریظہ تھا۔

یہ یہودیوں کے تین بڑے قبائل تھے، جو دمشق اور فلسطین وغیرہ کے علاقوں سے آ کر یثرب (مدینہ منورہ) میں آباد ہو گئے تھے اور ان کے یثرب میں آباد ہونے کی وجہ کے بارے میں بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہودی یثرب میں نبی

آخرالزماں ﷺ کی امید میں آئے تھے، یہودیوں کو یہ بات معلوم تھی کہ نبی آخرالزماں ﷺ جب آئیں گے تو اسی علاقے یعنی مکہ و مدینہ کے علاقے میں آئیں گے، چنانچہ وہ مدینہ منورہ آکرآباد ہوگئے تھے، البتہ ان کا یہ گمان تھا کہ آخری نبی بنواسرائیل یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے: ❶ حضرت اسحاق علیہ السلام اور ❷ حضرت اسماعیل علیہ السلام ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء علیہم السلام آتے رہے، وہ بنواسحاق میں سے آتے رہے، لیکن نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کا ظہور بنواسحاق کی بجائے بنواسماعیل میں ہوا۔ یہود جو بنواسرائیل سے تعلق رکھتے تھے، ان کو یہ امید تھی کہ آخری نبی بھی ہماری نسل کے لوگوں میں سے ہوں گے لیکن جب وہ بنواسماعیل میں سے آئے، تو باوجود یہ کہ وہ خوب اچھی طرح آپ ﷺ کی معرفت اور پہچان رکھتے تھے، صرف جلن اور حسد نے انہیں ہدایت قبول کرنے سے روکے رکھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ کہ یہ حضور کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، یعنی جس طرح ان کو اپنے بیٹوں کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے، اسی طرح انہیں نبی ﷺ کے نبی ہونے میں بھی کوئی شک نہیں ہے، حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ حق ان کے سامنے واضح ہے، لیکن ان کو حسد ہو رہا ہے، یہ حسد حق قبول کرنے اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے میں رکاوٹ بن گیا۔

جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے، تو آپ ﷺ نے ایک طرف اوس اور خزرج کے درمیان مواخات اور بھائی چارہ قائم فرمایا اور دوسری طرف آپ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ صلح کا تحریری معاہدہ کیا، جس میں یہ طے ہوا کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ غدر اور دھوکہ دہی نہیں کریں گے اور امن کے ساتھ رہیں گے، یہ معاہدہ میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہوا، اس صلح نامہ کے طے پا جانے کے بعد باری باری ان تینوں قبائل یعنی بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ نے اس معاہدے کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے خلاف اپنی دلی عداوت اور دشمنی کا اظہار کیا، جس کی وجہ سے ان کے خلاف مختلف مواقع پر جنگ کی گئی اور انہیں بالآخر مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا۔

پہلا غزوہ: غزوۂ بنوقینقاع

ان تین قبیلوں میں سے سب سے پہلے بنوقینقاع نے غدر کیا، ان کا قصہ غزوۂ بدر کے بعد اور اُحد سے پہلے پیش آیا۔ قصہ یہ ہوا کہ جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے بڑی کامیابی حاصل کی تو یہودیوں کے حسد میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا، چنانچہ وہ مسلمانوں کا مذاق اڑانے اور انہیں تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ اس میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ بنوقینقاع کے لوگ جو پیشے کے اعتبار سے سنار تھے، تو ایک مسلمان خاتون اپنا زیور بنوانے کے سلسلے میں ان کے بازار گئی، مسلمان خاتون نے اپنا جسم چھپایا ہوا تھا۔ یہودیوں نے یہ شرارت کی کہ بات کرتے کرتے کسی کو

اشارہ کیا، تو اس نے ان خاتون کے لباس کو پیچھے سے کہیں گرہ لگا کر باندھ دیا، جب وہ خاتون جانے کے لیے واپس پلٹیں تو ان کی چادر وغیرہ اتر گئی، جس سے ان کے جسم کا کچھ حصہ ظاہر ہو گیا، اس پر خاتون نے برا بھلا کہنا اور چیخنا شروع کر دیا۔ قریب سے ایک مسلمان گزر رہے تھے، وہ یہ شور سن کر آ گئے، جب ماجرا دیکھا تو ان کے اور یہودی کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی۔ جب یہ خبر پھیلی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بنوقینقاع کے بازار میں تشریف لائے اور انہیں متنبہ کیا کہ یہ تم نے بہت غلط حرکت کی ہے لہٰذا تم معافی مانگو اور اس کی تلافی کرو۔ اس پر بنوقینقاع کے لوگوں نے کہا کہ اے محمد! تم یہ سمجھتے ہو کہ تم نے اپنے قبیلہ قریش پر فتح حاصل کر لی ہے تو تم ہم پر بھی فتح حاصل کر لو گے؟ اس غلط فہمی میں ہرگز مت رہنا، تمہارا قبیلہ تو لڑنا نہیں جانتا تھا، ہم بنوقینقاع کے لوگ ہتھیار والے لوگ ہیں، ہمیں لڑنا آتا ہے، ہم تمہیں ٹھیک کر دیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، اگر تم معاہدے کو ختم کرنا چاہتے ہو اور لڑنے کے لیے تیار ہو تو ہم بھی تیار ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنوقینقاع کو گھیرے میں لے لیا اور چاروں طرف سے ان کا محاصرہ کر لیا، پندرہ دن سے زیادہ یہ محاصرہ جاری رہا۔

جب بنوقینقاع کو اندازہ ہو گیا کہ ہمارے لیے اس محاصرے کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے تو انہوں نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کو درمیان میں ڈالا، کیونکہ بنوقینقاع کے قبیلہ خزرج سے بہت گہرے تعلقات تھے اور عبداللہ بن اُبی کو خزرج میں امتیازی حیثیت حاصل تھی، چنانچہ عبداللہ بن اُبی آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی کو ہاتھ لگایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھ کو پیچھے کرو لیکن اس نے پھر ہاتھ لگایا اور بار بار اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اصرار کیا کہ احسن فی موالی یہ میرے موالی ہیں، میرا ان سے پرانا معاہدہ ہے، آپ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیجیے۔ جب اس کا اصرار بڑھتا چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے میں ان کا معاملہ تمہارے حوالے کرتا ہوں تم ان کے بارے میں فیصلہ کرو، چنانچہ عبداللہ بن اُبی نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ سب مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں، جو چیزیں ان کی ملکیت ہیں، اگر یہ ساتھ لے جانا چاہیں لے جا سکتے ہیں، جسے بیچنا چاہیں، بیچ سکتے ہیں، البتہ انہیں ہتھیار لے جانے کی اجازت نہیں ہو گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ قبول کر لیا اور بنوقینقاع کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔

دوسرا غزوہ: غزوۂ بنونضیر

دوسرا قبیلہ بنونضیر تھا، جس کے جلاوطن ہونے کا واقعہ اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ذکر کر رہے ہیں۔ غزوۂ بنونضیر کے پس منظر میں بظاہر تین اسباب ہیں، جن کی وجہ سے بنونضیر سے معاہدہ ٹوٹا اور پھر ان سے جنگ کی نوبت آئی۔

1. پہلا سبب یہ بنا کہ بنونضیر کا ایک سردار کعب بن اشرف تھا، یہ انتہائی بیچ اور خبیث قسم کا یہودی تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہجویہ اشعار کہتا تھا، اسی طرح مسلمان خواتین کے نام لے لے کر ان کے بارے میں غلیظ اشعار کہتا تھا، اس

کی دو مغنیہ بھی تھیں جو ہجو کے اشعار پڑھ پڑھ کر گایا کرتی تھیں۔ اس نے ایک بڑی سرکشی یہ بھی کی کہ جب غزوۂ بدر ہو گیا اور اس میں ستر کافر مارے گئے اور ستر کافر گرفتار ہوئے تو یہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ پہنچا، وہاں جا کر خوب رویا، چیخا چلایا اور مشرکین کے ساتھ تعزیت کی کہ تمہارے آدمی مارے گئے اور ان سے خوب ہمدردی کا اظہار کیا، اس نے اپنی باتوں سے مشرکین مکہ کو اس پر آمادہ کیا کہ تم اس شکست کا بدلہ لو اور یہ بھی پیشکش کی کہ اگر بدلہ لینے کے لیے پیسوں کی ضرورت ہو تو لڑائی تم کرو، پیسے ہم دیں گے، کیونکہ یہودی ہمیشہ سے ہی مال دار چلے آرہے ہیں اور شروع سے ہی ان کی سرشت میں ہے کہ خود کم لڑتے ہیں، دوسروں کو زیادہ لڑاتے ہیں۔ الغرض کعب بن اشرف نے قبیلہ قریش کے کافروں کو مسلمانوں سے بدلہ لینے پر ابھارا، جو غزوۂ اُحد کے واقع ہونے کا سبب بنا۔

❷ دوسرا سبب یہ ہوا کہ یہود نے ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان عقیدے اور علم کا اختلاف ہے، ایسا کیجیے کہ آپ اپنے تین آدمی لے آئیں، ہم یہودیوں کے تین عالموں کو بلا لیتے ہیں اور فلاں گھر میں جمع ہو جاتے ہیں، وہاں علمی بحث اور مناظرے کے نتیجے میں حق سامنے آجائے گا، اسے ہم اور آپ قبول کر لیں گے۔ یہ دراصل یہودیوں کی ایک چال تھی ان کا مقصد کوئی علمی مناظرہ ہرگز نہیں تھا بلکہ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی در پردہ سازش کر رہے تھے۔ بہر حال یہود کی اس پیشکش پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ میں چلا جاؤں، لیکن جس گھر میں جانا طے ہوا تھا، اس گھر کی خاتون کے بھائی مسلمان تھے۔ اس خاتون کو یہودیوں کی سازش کا علم ہو گیا، اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اطلاع دے دو کہ وہ میرے گھر نہ آئیں، کیونکہ مجھے اپنے شوہر اور دوسرے لوگوں سے پتا چلا ہے کہ ان لوگوں کا ارادہ ٹھیک نہیں ہے، ان کا یہ منصوبہ ہے کہ جب آپ یہاں آئیں گے، تو وہ آپ کو شہید کر دیں گے، چنانچہ اس اطلاع کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

❸ تیسرا سبب یہ ہوا، جس کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ترجمۃ الباب میں اشارہ کیا ہے کہ غزوۂ اُحد کے بعد بیر معونہ کا واقعہ ہوا تھا، جس میں تقریباً ستر قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا گیا تھا، صرف دو آدمی زندہ بچ گئے تھے، جو اونٹوں کو پانی پلانے گئے ہوئے تھے، ایک عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے انصاری صحابی رضی اللہ عنہ۔ جب یہ واپس آئے اور آسمان پر گدھ اور پرندے منڈلاتے دیکھے اور تھوڑا قریب پہنچ کر اپنے ساتھیوں کی لاشیں نظر آئیں تو ان میں جو عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے انصاری ساتھی تھے، انہوں نے کہا کہ میرے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا ہے، تو اب میرے لیے بھی شہادت ہی کا راستہ ہے، چنانچہ وہ تلوار لے کر آگے بڑھے اور جو بدلہ لے سکتے تھے، وہ لیا اور پھر وہ بھی شہید ہو گئے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کسی طریقے سے بچ کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے، واپسی کے راستے میں انہیں بنو عامر کے دو آدمی ملے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کر کے واپس آرہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو امن

دیا ہوا تھا۔عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم بنو عامر سے تعلق رکھتے ہیں۔ بنوعامر وہی قبیلہ تھا،جس کے سردار نے ان ستر مسلمانوں کو بھیجنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی تھی اور پھر بلوا کر دوسرے قبائل سے شہید کروایا تھا (البتہ خود براہ راست قتال میں شریک نہیں تھے)۔حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے خیال میں بنو عامر نے ہی ان کے ساتھیوں کو شہید کیا تھا، چنانچہ انہوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا اور ان دونوں کا ساز و سامان لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ میں نے اپنے ساتھیوں کا بدلہ لیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ کیسا بدلہ لیا ہے ان دونوں کو تو ہم نے امن دیا ہوا تھا اور پھر بنو عامر سے معاہدہ بھی ہے اور مسلمانوں پر حملہ دوسرے قبیلے والوں نے کیا تھا، بنو عامر نے نہیں کیا، لہٰذا میں تم سے یہ سامان نہیں لے سکتا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لأ دینهما کہ چونکہ تم نے غلطی سے قتل کیا ہے، اس لیے ہمیں ان دونوں کی دیت ادا کرنی پڑے گی۔

دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کا بنونضیر سے معاہدہ تھا اور معاہدے میں یہ بات بھی ہوئی تھی کہ اگر کسی فریق پر دیت آئے گی تو اس دیت کو سب مل کر برداشت کیا جائے گا، چنانچہ ان دو آدمیوں کی دیت کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے، وہاں جا کر ایک دیوار کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ گئے، اس دوران بنونضیر نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ایک شخص مکان کی چھت پر چڑھ کر اوپر سے ایک بڑا پتھر گرا دے تاکہ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا جا سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی یہودیوں کی اس سازش کی اطلاع ملی، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے ایسے اٹھے جیسے کسی کام کے لئے اٹھ کر جا رہے ہوں اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی میں دیر ہوگئی، تو یہود بڑے شرمندہ اور مایوس ہوئے، صحابہ رضی اللہ عنہم بھی وہاں سے اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں مدینہ منورہ آ گئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب صحابہ رضی اللہ عنہم پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنونضیر نے عہد شکنی کی ہے لہٰذا ان کا محاصرہ کیا جائے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنونضیر کا محاصرہ کر لیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے بنونضیر کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن منافقوں کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا اور وہ مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آ سکے جس کا ذکر سورۂ حشر میں ہے۔

بہر حال پندرہ دن کے محاصرے کے بعد بنونضیر مجبور ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں امن دیا جائے، بنونضیر کا تعلق بھی خزرج سے تھا اور ان کی سفارش بھی عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین نے کی کہ آپ انہیں معاف کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کہنے پر ان کو بھی معاف کر دیا، ان کو بھی بنوقینقاع کی طرح ہتھیار ساتھ لے

جانے کی اجازت نہیں دی گئی، البتہ یہ کہا گیا کہ ایک اونٹ پر جتنا سامان لے جاسکتے ہیں لے جائیں، چنانچہ انہوں نے اپنے گھر توڑے، اپنے دروازے، کھڑکیاں اور دوسری چیزیں اتارنا شروع کیں، ہر آدمی ایک اونٹ کے اوپر جتنا سامان لاد سکتا تھا وہ لاد کر یہاں سے روانہ ہوئے اور جا کر خیبر میں رہائش اختیار کی۔ اسی کو قرآن مجید نے کہا: يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ کہ یہ خود ہی اپنے گھروں کو توڑ رہے تھے اور اپنے دروازے اور کھڑکیاں نکال رہے تھے بلکہ مسلمانوں سے بھی درخواست کر رہے تھے کہ ہمارا گھر توڑنے میں ہماری مدد کرو۔

تیسرا غزوہ: غزوۂ بنو قریظہ

شوال سن ۵ ہجری میں جب غزوۂ احزاب ہوا، جس میں مشرکین مکہ اور دیگر عرب قبائل نے مل کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی ٹھان لی تھی تو اس کٹھن وقت میں بجائے مسلمانوں کا ساتھ دینے کے مدینہ کے ان یہودیوں یعنی بنو قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی اور ان پر پیچھے سے وار کیا، چنانچہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ خندق سے سرخرو ہو کر لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا، یہ محاصرہ پچیس دن جاری رہا۔ جب بنو قریظہ نے دیکھا کہ کوئی صورت نہیں بن پا رہی، باہر مسلمانوں نے چاروں طرف سے محاصرہ کیا ہوا ہے اور اندر کھانے پینے اور دوسری ضرورت کی چیزیں ختم ہونے لگی ہیں، تو بنو قریظہ کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر راضی ہو گئے، چونکہ بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح بنو قینقاع اور بنو نضیر کے بارے میں خود فیصلہ نہیں فرمایا تھا بلکہ ان کے حلیف قبیلہ خزرج کے لوگوں سے فیصلہ کروایا تھا، اسی طرح بنو قریظہ کے بارے میں بھی خود فیصلہ نہیں کیا بلکہ ان کے پرانے حلیف قبیلہ اوس کی طرف فیصلہ سپرد فرمایا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے وہ قبول ہوگا۔ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے، وہ اس وقت غزوۂ خندق کے دوران زخمی ہو گئے تھے، انہیں اسی زخمی حالت میں بنو قریظہ کے فیصلے کے لیے بلایا گیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ ان باغیوں میں جتنے بالغ لوگ قتال کے قابل ہیں، انہیں قتل کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے فیصلے کو پسند کیا اور قبول فرمایا، لہٰذا بنو قریظہ کے تمام مقاتلین مردوں کی گردن ماری گئی، باقی لوگوں اور عورتوں و بچوں کو غلام بنا لیا گیا اور ان کا سارا مال تقسیم کر دیا گیا۔

خلاصہ یہ کہ بنو قینقاع کو بدر کے بعد نکالا گیا (جس کا ذکر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں نہیں کیا ہے)، بنو نضیر کو اُحد اور بیر معونہ کے بعد نکالا گیا (البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غزوۂ احد سے پہلے ذکر کیا ہے) اور بنو قریظہ کا واقعہ غزوۂ خندق کے بعد پیش آیا، جو ان شاء اللہ آگے اپنے مقام پر آئے گا۔

شرح عنوان

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم فرمایا: باب حديث بني النضير یہ باب بنونضیر کے واقعے کے بارے میں ہے۔ ومخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم إليهم فى دية الرجلين اور یہ باب اس بارے میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کی دیت کے سلسلے بنونضیر کی طرف تشریف لے گئے تھے، یہاں في دية الرجلين کے الفاظ اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ بنونضیر کا واقعہ بدر کے بعد نہیں بلکہ اُحد اور بیر معونہ کے بھی بعد پیش آیا ہے، کیونکہ دیت کی ضرورت بیر معونہ کے واقعے کے بعد پیش آئی تھی۔ وما أرادوا من الغدر برسول الله صلى الله عليه وسلم اور یہ باب اس بارے میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ توڑنے کا ارادہ کیا تھا۔

قال الزهري عن عروة كانت على رأس ستة أشهر من وقعة بدر قبل أحد: امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات نقل کی کہ یہ واقعہ بدر کے چھ مہینے بعد اور اُحد سے پہلے ہوا، وجعله ابن إسحاق بعد بئر معونة وأحد لیکن ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کو بیر معونہ اور اُحد کے بعد قرار دیا ہے، یعنی پہلے اُحد ہوا، پھر بیر معونہ ہوا، پھر دو آدمیوں کا قتل ہوا اور ان دو آدمیوں کی دیت کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنونضیر میں تشریف لے گئے اور اس کے بعد بنونضیر کا واقعہ اور ان کی جلاوطنی کا قصہ پیش آیا۔

وقول الله تعالى اور یہ باب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں ہے: هُوَ الَّذِيْٓ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ اس آیت کی تشریح ایک روایت کے بعد آ رہی ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ حَارَبَتِ النَّضِيْرُ وَ قُرَيْظَةُ فَأَجْلٰى بَنِي النَّضِيْرِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنونضیر اور بنوقریظہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (معاہدہ توڑ کر) لڑائی مول لی اس لیے آپ نے قبیلہ بنونضیر کو جلا وطن کر دیا

وَ أَقَرَّ قُرَيْظَةَ وَ مَنَّ عَلَيْهِمْ حَتّٰى حَارَبَتْ قُرَيْظَةُ فَقَتَلَ رِجَالَهُمْ وَ قَسَّمَ نِسَاءَهُمْ

لیکن قبیلہ بنوقریظہ کو جلا وطن نہیں کیا اور اس طرح ان پر احسان فرمایا۔ پھر بنوقریظہ نے بھی جنگ مول لی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مردوں کو قتل کروایا اور ان کی عورتوں،

وَ أَوْلَادَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِلَّا بَعْضَهُمْ لَحِقُوْا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بچوں اور مال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ صرف بعض بنی قریظہ اس سے الگ قرار دیے گئے تھے کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آ گئے تھے۔

فَآمَنَهُمْ وَ أَسْلَمُوْا وَ أَجْلٰى يَهُوْدَ الْمَدِيْنَةِ كُلَّهُمْ بَنِيْ قَيْنُقَاعَ وَهُمْ رَهْطُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ

اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پناہ دی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے تمام یہودیوں کو جلا وطن کر دیا تھا۔ بنوقینقاع کو بھی جو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

وَ يَهُوْدَ بَنِيْ حَارِثَةَ وَكُلَّ يَهُوْدٍ بِالْمَدِيْنَةِ

کا قبیلہ تھا، یہود بنی حارثہ کو اور مدینہ کے تمام یہودیوں کو

اس روایت میں یہود کے تمام قبائل کو مختلف مواقع پر مدینہ منورہ سے جلا وطن کرنے کا ذکر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے: أخرجوا اليهود من جزيرة العرب، چنانچہ شروع میں آپ ﷺ نے انہیں مدینہ سے نکالا، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں انہیں پورے حجاز سے نکال دیا گیا تھا اور وہ شام وغیرہ کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔

حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ سُورَةُ الْحَشْرِ قَالَ قُلْ سُورَةُ النَّضِيرِ تَابَعَهُ هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي بِشْرٍ

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کے سامنے کہا، سورۃ الحشر تو انہوں نے کہا کہ اسے سورۃ النضیر کہو اس روایت کی متابعت ہشیم نے ابوبشر سے کی ہے

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: سورۃ الحشر تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کو سورۃ الحشر کی بجائے سورۃ النضیر کہو تو بہتر ہے، کیونکہ اس میں بنونضیر کو جمع کر کے جلاوطن کیے جانے کا قصہ مذکور ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب میں یہ آیت ذکر کی تھی: هُوَ الَّذِيْٓ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ اللہ ہی تو ہے جس نے اہلِ کتاب کفار کو ان کے گھروں سے نکالا پہلی دفعہ نکالنے اور جمع کرنے میں۔ آیت میں لِأَوَّلِ الْحَشْرِ سے قیامت والا حشر و نشر مراد نہیں ہے بلکہ حشر يَحْشُرُ کے معنی ہیں: جمع کرنا اور اٹھانا، لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے بنونضیر کے واقعے میں یہودیوں کو جمع کر کے مدینہ سے نکالا گیا، سب سے پہلے اس لیے کہا کیونکہ یہ بنوقینقاع کی بہ نسبت بڑا قبیلہ تھا، گویا سب سے پہلے یہی جلاوطن ہوئے۔

بہر حال جب بنوقینقاع اور بنونضیر کے لوگوں کو جلاوطن کیا گیا تو یہ دونوں قبیلے اور بعد میں بنوقریظہ کے جو لوگ بچ گئے تھے، یہ سب خیبر کے علاقے میں چلے گئے تھے۔ وہاں بھی ان کی شرارت مسلسل جاری رہی، چنانچہ کچھ عرصے بعد نبی کریم ﷺ نے خیبر پر حملہ کیا اور وہاں کے تمام قلعوں کو فتح کیا، البتہ فتح کرنے کے بعد آپ ﷺ نے ان یہود کو وہاں سے نکالا نہیں بلکہ وہیں باقی رکھا اور ان سے یہ معاہدہ کر لیا کہ یہ زمینیں اب ہماری ہیں، تم ان میں بحیثیت کاشت کار کام کرو گے، جو کچھ پیداوار ہو گی اس میں اپنا حق محنت رکھنے کے بعد کل منافع ہمارے حوالے کرو گے، چنانچہ یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور آ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کرنے کا ارادہ فرمایا تو یہودیوں نے کہا کہ آپ ہمیں کیسے جلاوطن کر سکتے ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہاں برقرار رکھا تھا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے کہ تمہیں اس وقت یہاں رہنے کی اجازت دی گئی تھی، لیکن قرآن مجید نے کہا ہے: هُوَ الَّذِيْٓ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ، اس آیت میں مذکور اول الحشر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ثانی الحشر بھی ہونے والا ہے، تو تمہارا ایک مرتبہ تو حشر ہو چکا کہ تمہیں مدینہ سے اٹھا کر یہاں لایا گیا لیکن اگلی مرتبہ جو ثانی الحشر ہوگا، اس میں تمہیں جزیرۃ العرب سے

نکلنا ہوگا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے آخری موقع پر وصیتیں فرمائی تھیں، ان میں ایک وصیت یہ بھی فرمائی تھی کہ أخرجوا الیھود و المشرکین من جزیرۃ العرب، تو نبی کریم ﷺ کی وصیت کے مطابق اب تمہیں یہاں سے جمع کر کے نکالا جائے گا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ

سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ يَجْعَلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصاری صحابہ نبی کریم ﷺ کے لیے کچھ کھجور کے درخت مخصوص رکھتے تھے (تاکہ اس کا پھل آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا

النَّخَلَاتِ حَتَّى افْتَتَحَ قُرَيْظَةَ وَ النَّضِيرَ فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ

جائے) لیکن جب اللہ تعالی نے بنو قریظہ اور بنو نضیر پر فتح عطا فرمائی تو آپ ﷺ ان کو وہ واپس فرما دیا کرتے تھے

اس کی تفصیل یہ ہے جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے، تو یہ حضرات اپنے علاقے میں مال دار لوگ تھے، وہاں ان کی تجارتیں تھیں، مکانات تھے، اپنا قبیلہ تھا لیکن ہجرت کر کے جب مدینہ آ گئے تو یہاں کچھ بھی ہاتھ میں نہیں تھا، تو نبی کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم فرما دی اور ایک انصاری کا بھائی ایک مہاجر کو بنا دیا، تو انصار نے مہاجرین بھائیوں کو یہ پیشکش کی کہ ہمارے پاس جتنا بھی مال ہے، ہم اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، آدھا ہمارا اور آدھا ہمارے بھائی کا ہو جائے، لیکن نبی کریم ﷺ اور مہاجرین نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ فرمایا: بارک اللہ لک فی اھلک و مالک جیسا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے، نیز نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ لا، تکفوننا المؤنۃ ونشرککم فی الثمرۃ کہ نہیں! ایسا نہیں ہے، البتہ یہ ہے کہ تم ہمارے لیے ذمہ داری سے کافی ہو جاؤ، یعنی تم باغوں کی پہلے سے دیکھ بھال کرتے رہے ہو، جب تک ہم اپنے پاؤں پر نہیں کھڑے ہو جاتے، اس وقت تک ہم تمہارے ساتھ پیداوار میں شریک ہو جائیں گے، یعنی ہر انصاری بھائی اپنے مہاجر بھائی کو پیداوار میں شریک کر لے، تاکہ اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد ملے۔ یہ سلسلہ بنو نضیر کے واقعے تک جاری رہا، جب بنو نضیر کو جلا وطن کیا گیا تو ان کی زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آ گئیں، بنو نضیر کی زمینیں بڑی زرخیز تھیں، باغات بھی تھے اور کھیتیاں بھی تھیں۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے انصار سے فرمایا اگر تم چاہو تو میں یہ اموال مہاجرین میں تقسیم کر دوں اور تمہارے جو درخت ہیں وہ تم کو واپس کر دوں۔ انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہماری تو خواہش یہ ہے کہ یہ اموال بھی آپ تمام کے تمام مہاجرین میں تقسیم فرما دیں اور ہمارے جو اموال ان کے پاس ہیں وہ بھی ان کے پاس رہنے دیں تو آپ ﷺ نے ان کی اس پیش کش کو سراہا، تاہم انصار کے جو اموال مہاجرین کے پاس تھے وہ ان کو واپس کر دیئے اور یہودیوں سے جو مال ملا تھا وہ مہاجرین میں تقسیم فرما دیا، البتہ مہاجرین کے ساتھ انصار میں سے ابو دجانہ اور سہل

بن حنیف رضی اللہ عنہما کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصہ عطا فرمایا کیونکہ ان دونوں حضرات کی مالی حالت اس وقت کمزور تھی۔

حَدَّثَنَا اٰدَمُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ حَرَّقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَخْلَ النَّضِيْرِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجوروں کے باغات جلوا دیئے تھے اور ان کے درختوں کو کٹوا دیا تھا

وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ فَنَزَلَتْ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى أُصُوْلِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ

یہ باغات مقام بویرہ میں تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی "جو درخت تم نے کاٹ دیئے ہیں یا جنہیں تم نے چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے جڑوں پر کھڑے رہیں تو یہ اللہ کے حکم سے ہوا ہے"

بنونضیر کی مسلسل غداریوں کی بناء پر جب ان کے خلاف جنگ کا آغاز ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ انہیں اس طرح قلعے میں محصور کر دیا کہ نہ باہر سے کوئی چیز اندر جانے پائے اور نہ ہی اندر سے کوئی چیز باہر آئے۔ یہ محاصرہ لمبا ہوتا چلا گیا، طویل محاصرے سے جہاں اندر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح باہر والوں کے لیے بھی یہ اتنا آسان نہیں ہوتا، کیونکہ وہ گھروں سے دور ہوتے ہیں، کھلے میدان میں سردی، گرمی، دھوپ، کھانا، پانی، غرض ہر چیز میں دشواری پیش آتی ہے، چنانچہ جب یہ محاصرہ لمبا ہوا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو خیال آیا کہ انہیں کسی طرح ڈرانا چاہیے، تاکہ یہ خوف میں مبتلا ہو کر قتال یا صلح میں سے کسی ایک چیز پر آمادہ ہو جائیں۔

اب صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہوا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم ان کے درختوں اور کھیتیوں کو آگ لگا دیتے ہیں، اس طرح ان کو تکلیف ہوگی اور یہ سوچیں گے کہ جب ہماری کھیتیاں اور درخت ہی جل گئے، جن پر ہماری معیشت کا دارومدار تھا تو اب ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے؟ جبکہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ یہ تو بلاوجہ مال کو ضائع کرنا ہے، ہوسکتا ہے کل کو یہی مال، مال غنیمت بن جائے اور ہمارے قبضے میں آجائے، تو اسے ابھی ضائع کرنے کا کیا فائدہ؟ بہرحال، کچھ حضرات نے اپنے اجتہاد پر عمل کر کے کھیتیوں کو آگ لگادی اور درختوں کو کاٹ دیا، تاکہ بنو نضیر کے یہودیوں کو دھمکا سکیں اور ڈرا سکیں، لیکن دوسری طرف بعض لوگوں نے درختوں کو کاٹنے سے اور کھیتیوں کو آگ لگانے سے انکار کر دیا کہ ہم یہ کام نہیں کریں گے، کیونکہ اس میں نقصان ہے، ان کا بھی اور آگے چل کر ہمارا بھی۔ قرآن کریم نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا: مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ جو بھی کھجور کا درخت تم نے کاٹا ہے، أَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى أُصُوْلِهَا یا تم نے اس درخت کو چھوڑ دیا ہے کہ وہ درخت اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے ہیں، فَبِإِذْنِ اللّٰهِ تو جو کچھ ہوا، وہ سب اللہ کے حکم سے ہوا، وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ اور اللہ نے یہ اس وجہ سے کیا تاکہ فاسقوں کو رسوا کر دے۔

اب یہاں صحابہ رضی اللہ عنہم کی دونوں جماعتوں نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے درختوں کے کاٹنے کو مفید سمجھا، چنانچہ انہوں نے درخت کاٹ کر اس میں آگ لگادی، جبکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس فعل کو صحیح نہیں سمجھا، لہٰذا

وہ اس فعل میں شریک نہیں ہوئے، گویا اجتہاد کرنے کے بعد ایک جماعت نے جو کام کیا، دوسری جماعت نے اس کے بالکل الٹ دوسرا کام کیا، تو آیت نازل ہوگئی کہ تم نے جو درخت کاٹے تھے، وہ بھی اللہ کی اجازت سے کاٹے تھے اور جن لوگوں نے ان درختوں کو نہیں کاٹا بلکہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا، وہ بھی اللہ کی اجازت سے چھوڑے تھے۔

اس سے ایک مسئلہ واضح ہوگیا اور وہ یہ کہ جب نص موجود نہ ہو اور امور اجتہادیہ میں مجتہدین کے درمیان اختلاف ہو جائے اور اختلاف کے نتیجے میں دو مختلف بلکہ دو متضاد مؤقف ایک دوسرے کے سامنے آجائیں، کچھ مجتہد ایک مؤقف اختیار کریں، کچھ مجتہد دوسرا مؤقف اختیار کریں اور نص کسی کے پاس نہ ہو، لیکن دونوں جو مؤقف اختیار کریں، وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے اور مسلمانوں کی مصلحت کے لیے کریں، تو جو فریق جو کام کرے گا، وہ اللہ کے حکم کے مطابق سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں جو اختلاف ہوتا ہے، وہ حق اور باطل کا اختلاف نہیں ہوتا بلکہ یہ اختلاف صواب اور خطا کا اور راجح اور مرجوح کا اختلاف ہوتا ہے، چنانچہ ایسے مواقع پر یہ کہا جائے گا: مذهبنا صواب يحتمل الخطأ و مذهب غيرنا خطأ يحتمل الصواب اور اس میں ہر مجتہد اپنے اجتہاد کی بناء پر ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ سورۂ حشر کی اس آیت سے بھی یہی اصول معلوم ہوتا ہے۔

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا حَبَّانُ أَخْبَرَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے باغات جلوا دیئے تھے۔

قَالَ وَلَهَا يَقُولُ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ وَ هَانَ عَلَى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيرُ

وہ فرماتے ہیں کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی کے متعلق یہ شعر کہا تھا بنولؤی کے سرداروں پر بڑی ہلکی ہوگئی وہ جلتی ہوئی آگ جو بویرہ میں پھیلتی جارہی تھی۔

قَالَ فَأَجَابَهُ أَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ أَدَامَ اللهُ ذٰلِكَ مِنْ صَنِيعٍ وَحَرَّقَ فِي نَوَاحِيهَا السَّعِيرُ

ابن عمر فرماتے ہیں کہ پھر اس کا جواب ابوسفیان بن حارث نے ان اشعار میں دیا۔ اللہ تمہارا یہ اچھا کام ہمیشہ جاری رکھے اور یہ دہکتی آگ قریبی علاقوں کو بھی جلاتی رہے

سَتَعْلَمُ أَيُّنَا مِنْهَا بِنُزْهٍ وَ تَعْلَمُ أَيَّ أَرْضَيْنَا تَضِيرُ

تم جلد جان لو گے ہم میں سے کون اس آگ سے دور ہے اور تم جان لو گے کہ کس کی زمین کو نقصان پہنچ رہا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنونضیر کے درختوں کو جلوا دیا، ان ہی درختوں کے بارے میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے تھے:

وَهَانَ عَلَى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ　　حَرِيقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيرُ

بنولوی کے سرداروں پر بڑی ہلکی ہوگئی، وہ جلتی ہوئی آگ جو بویرہ میں پھیلتی جارہی تھی

هان يهون: ہلکا ہونا، سراة سری کی جمع ہے، سردار کو کہتے ہیں، بنی لؤی سے مراد قریش کے لوگ ہیں، حريق آگ، بويرة جگہ کا نام ہے، مستطير یہ حريق کی صفت ہے: اڑنے والی، پھیلنے والی۔

بنو لؤی سے قریش کے لوگ مراد ہیں لیکن قریش میں تو کافروں کے بھی لوگ تھے اور مسلمانوں میں نبی کریم ﷺ، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضی، عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، یہ سب بھی قریش کے لوگ ہیں، تو یہاں قریش کے کون سے لوگ مراد ہیں؟ اس میں دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

① اگر بنو لؤی سے کافر مراد لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ کافروں کے جو قریش سردار ہیں، ان کے اوپر یہ آگ بڑی ہلکی ہوگئی، یہ کافر اور بنو نضیر بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے کی مدد کر رہے تھے لیکن جب بنو نضیر کے درختوں کو آگ لگائی گئی، تو نہ بنو نضیر کچھ کر سکے اور نہ بنو لؤی (قریش مکہ) کے سردار کچھ کر سکے۔

② اور اگر بنو لؤی سے حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم مراد لیں تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ قریش کے مسلمان بڑے لوگ ہیں، انہوں نے آگ لگا دی، اور انہیں اس کی کوئی پرواہ ہی نہ ہوئی۔

جب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مذکورہ شعر کہے تو ابوسفیان بن حارث جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے بھی اس کے جواب میں شعر کہے:

أَدَامَ اللّٰهُ ذٰلِكَ مِنْ صَنِيْعٍ　　وَحَرَّقَ فِيْ نَوَاحِيْهَا السَّعِيْرُ

اللہ تمہارا یہ اچھا کام ہمیشہ جاری رکھے اور یہ دہکتی آگ قریبی علاقوں کو بھی جلاتی رہے

سَتَعْلَمُ أَيُّنَا مِنْهَا بِنُزْهٍ　　وَتَعْلَمُ أَيَّ أَرْضَيْنَا تَضِيْرُ

تم جان لوگے ہم میں سے کون اس آگ سے دور ہے اور تم جان لوگے کہ کس کی زمین کو نقصان پہنچ رہا ہے

أرضينا کو تثنیہ اور جمع دونوں طرح پڑھا گیا ہے، یعنی ض پر فتحہ کے ساتھ اور ض پر کسرہ کے ساتھ تضیر کی ھی ضمیر السعیر یعنی آگ کی طرف راجع ہے اور أی أرضینا مفعول مقدم ہے۔

ابوسفیان بن حارث نے کہا کہ اگر آپ نے یہ آگ لگائی ہے تو اپنے ہی علاقے میں لگائی ہے، آپ کو آگ لگانا مبارک ہو، بلکہ اس نے یہ دعا دی کہ یہ آگ جلتی ہی رہے تو اچھا ہے اور زیادہ آگ لگے اور کہا کہ یہ آگ لگے گی، تو آپ کے علاقوں ہی میں لگے گی، آپ کی زمین کو ہی اس سے نقصان پہنچے گا، ہم تو مکہ مکرمہ میں آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں، ہمیں یہ آگ کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔

ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، شروع میں یہ آپ ﷺ کے بڑے دشمن رہے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی توفیق دے دی تھی، یہی حال ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کا بھی تھا،، وہ بھی فتح مکہ تک آپ ﷺ کے سخت دشمن رہے اور مسلمانوں کے خلاف بڑی جنگوں میں حصہ لیا اور کافروں کے بڑے سردار تھے، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی اسلام کی توفیق دی، یہ دونوں ابوسفیان الگ الگ ہیں۔

بہر حال یہ حالات بدلتے رہتے ہیں، ایک زمانہ تھا کہ ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے دشمن تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہجو یہ اشعار کہا کرتے تھے، مدینہ منورہ سے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے شعر کہے تو جواب میں کفار قریش کی طرف سے انہوں نے اشعار کہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے نوازا تو ایک وقت ایسا بھی آیا کہ غزوۂ حنین کے موقع پر دشمن کے تیر برس رہے ہیں، ہنگامی حالت ہے، لیکن انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہیں ہے۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے سن ۱۴۳۷ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنات کے امتحان میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ ہجرت سے قبل مدینہ میں آباد یہودی قبائل کے نام ❷ یہودی قبائل کو مدینہ سے نکالنے کی وجہ ❸ غزوۂ بنونضیر کا سن اور واقعہ ❹ ابیات کا ترجمہ ❺ ابیات کی تشریح۔

نیز یہی سوالات وفاق المدارس کے سن ۱۴۳۸ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنین کے امتحان میں پوچھے گئے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ

أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ النَّصْرِيُّ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ دَعَاهُ

مالک بن اوس بن حدثان نصری فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا تھا۔ وہ وہیں موجود تھے

إِذْ جَاءَهُ حَاجِبُهُ يَرْفَأُ فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدٍ يَسْتَأْذِنُونَ؟

کہ حضرت عمرؓ کے دربان حضرت یرفاء آئے اور عرض کیا کہ عثمان بن عفانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زبیر بن عوامؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ اندر آنا چاہتے ہیں۔ کیا انہیں اجازت ہے؟

فَقَالَ نَعَمْ فَأَدْخِلْهُمْ فَلَبِثَ قَلِيلًا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي عَبَّاسٍ وَّ عَلِيٍّ يَسْتَأْذِنَانِ؟

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں، انہیں اندر بلا لو۔ تھوڑی دیر بعد یرفاء پھر آئے اور عرض کیا عباس اور علی رضی اللہ عنہما بھی اجازت چاہتے ہیں کیا انہیں اندر آنے کی اجازت ہے؟

قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا دَخَلَا قَالَ عَبَّاسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هٰذَا وَهُمَا يَخْتَصِمَانِ

آپ نے فرمایا کہ ہاں، جب یہ دونوں تشریف لے آئے تو عباسؓ نے کہا، امیر المؤمنین! میرا اور ان (علیؓ) کا فیصلہ کر دیجیے۔ وہ دونوں اس جائیداد کے بارے میں جھگڑ رہے تھے

فِي الَّتِي أَفَاءَ اللهُ عَلٰى رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِي النَّضِيرِ فَاسْتَبَّ عَلِيٌّ وَّ عَبَّاسٌ

جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مال بنونضیر سے فئے کے طور پر دی تھی۔ اس موقع پر علی اور عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دوسرے سے سخت کلامی اور ایک دوسرے پر تنقید کی

فَقَالَ الرَّهْطُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنَهُمَا وَأَرِحْ أَحَدَهُمَا مِنَ الْاٰخَرِ فَقَالَ عُمَرُ اتَّئِدُوا

تو حاضرین بولے، امیر المؤمنین! آپ ان دونوں بزرگوں کے درمیان فیصلہ کر دیں تاکہ ہر ایک کو دوسرے سے راحت ملے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، جلدی نہ کیجئے۔

أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

میں آپ لوگوں سے اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، کیا آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا

وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ يُرِيدُ بِذٰلِكَ نَفْسَهُ قَالُوا قَدْ قَالَ ذٰلِكَ فَأَقْبَلَ عُمَرُ عَلٰى

کہ ہم انبیاء کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد خود اپنی ذات تھی؟ حاضرین بولے کہ جی ہاں، فرمایا تھا، پھر عمرؓ

عَبَّاسٍ وَّعَلِيٍّ فَقَالَ أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ هَلْ تَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوکر کہا، میں آپ دونوں کو بھی اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا آپ کو بھی معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی؟

ذٰلِكَ؟ قَالَا نَعَمْ قَالَ فَإِنِّيْ أُحَدِّثُكُمْ عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ إِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ كَانَ خَصَّ رَسُوْلَهُ صَلَّى

ان دونوں حضرات نے بھی جواب ہاں میں دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا، پھر میں آپ لوگوں سے اس معاملہ پر گفتگو کرتا ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْفَيْءِ بِشَيْءٍ لَمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ فَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهُ وَمَا أَفَاءَ اللهُ عَلٰى

اس مال فئے میں سے (جو بنونضیر سے ملا تھا) آپ کو خاص طور پر عطا فرمادیا تھا، جو کسی اور کو نہیں دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ ”بنونضیر کے مالوں سے جو اللہ نے اپنے

رَسُوْلِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ إِلٰى قَوْلِهِ قَدِيْرٌ فَكَانَتْ هٰذِهِ خَالِصَةً

رسول کو دیا ہے تو تم نے اس کے لیے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے (یعنی جنگ نہیں کی) قَدِیْرٌ تک آیت پڑھی۔ تو یہ مال خالصتاً

لِّرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ وَاللهِ مَا احْتَازَهَا دُوْنَكُمْ وَ لَا اسْتَأْثَرَهَا عَلَيْكُمْ

رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا لیکن اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے تمہیں نظر انداز کر کے اس مال کو اپنے لیے مخصوص نہیں فرمایا تھا اور نہ ہی تم پر اپنی ذات کو ترجیح دی تھی۔

لَقَدْ أَعْطَاكُمُوْهَا وَ قَسَمَهَا فِيْكُمْ حَتّٰى بَقِيَ هٰذَا الْمَالُ مِنْهَا فَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

پہلے اس مال میں سے تمہیں دیتے اور تم میں اس کی تقسیم کرتے اور پھر اس فئے میں سے جو مال بچ جاتا تو آپ ﷺ

وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلٰى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هٰذَا الْمَالِ ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ

اپنی ازواج مطہرات کا سالانہ خرچ بھی اسی مال میں سے نکالتے تھے اور پھر جو کچھ اس میں سے باقی بچتا اسے آپ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ مصارف میں خرچ کرتے تھے۔

اللهِ فَعَمِلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيَاتَهُ ثُمَّ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں یہ جائیداد ان ہی مصارف میں خرچ کی۔ پھر جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا

فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ فَأَنَا وَلِيُّ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَضَهُ أَبُوْ بَكْرٍ فَعَمِلَ فِيْهِ بِمَا عَمِلَ

تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں۔ اس لیے انہوں نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا اور وہ اسے ان ہی مصارف میں خرچ کرتے رہے جس میں

بِهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ فَأَقْبَلَ عَلٰى عَلِيٍّ وَّ عَبَّاسٍ وَقَالَ تَذْكُرَانِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کیا کرتے تھے اور آپ لوگ یہیں موجود تھے۔ حضرت عمرؓ یہ کہہ کر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ آپ دونوں کو یاد ہے

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ فِيْهِ كَمَا تَقُوْلَانِ وَاللهُ يَعْلَمُ إِنَّهُ فِيْهِ لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ

کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا، جس کا آپ بھی اقرار کرتے ہو اور اللہ کی قسم کہ وہ اپنے اس طرز عمل میں سچے مخلص، صحیح راستے پر اور حق کی پیروی کرنے والے تھے۔

أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ أَنَا وَلِيُّ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَبِيْ بَكْرٍ فَقَبَضْتُهُ سَنَتَيْنِ مِنْ إِمَارَتِيْ

پھر اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کو بھی اپنے پاس بلا لیا، تو میں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کا ولی ہوں۔ چنانچہ میں نے اس جائیداد کو اپنی خلافت کے دو سالوں تک اپنے قبضے

أَعْمَلُ فِيْهِ بِمَا عَمِلَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَبُوْ بَكْرٍ وَاللهُ يَعْلَمُ أَنِّيْ فِيْهِ

میں رکھا اور اسے ان ہی مصارف میں صرف کرتا رہا جس میں نبی کریم ﷺ اور ابوبکرؓ خرچ کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں بھی اپنے طرز عمل میں

صَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ جِئْتُمَانِيْ كِلَاكُمَا وَكَلِمَتُكُمَا وَاحِدَةٌ وَأَمْرُكُمَا جَمِيْعٌ فَجِئْتَنِيْ

سچا، مخلص، صحیح راستے پر اور حق کی پیروی کرنے والا رہا۔ پھر آپ دونوں میرے پاس آئے اور آپ دونوں ایک ہی بات پر متفق تھے اور آپ کا معاملہ بھی ایک تھا۔ پھر اے عباس آپ

يَعْنِيْ عَبَّاسًا فَقُلْتُ لَكُمَا إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ

میرے پاس آئے۔ تو میں نے آپ دونوں کے سامنے یہ بات صاف کہہ دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ فرما گئے ہیں کہ ”ہمارا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔“

فَلَمَّا بَدَا لِي أَنْ أَدْفَعَهُ إِلَيْكُمَا قُلْتُ إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهُ إِلَيْكُمَا عَلَى أَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ اللهِ

پھر جب میرے دل میں آیا کہ وہ جائیداد بطور انتظام میں آپ دونوں کے سپرد کردوں تو میں نے آپ دونوں سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں یہ جائیداد آپ کو دے سکتا ہوں۔

وَمِيثَاقَهُ لَتَعْمَلَانِّ فِيهِ بِمَا عَمِلَ فِيهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَمَا عَمِلْتُ

لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عہد و میثاق کی تمام ذمہ داریوں کو آپ پورا کریں اور آپ اس معاملے میں وہی کریں گے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ نے اور خود میں نے عمل کیا

فِيهِ مُنْذُ وُلِّيتُ وَإِلَّا فَلَا تُكَلِّمَانِي فَقُلْتُمَا ادْفَعْهُ إِلَيْنَا بِذٰلِكَ فَدَفَعْتُهُ إِلَيْكُمَا أَفَتَلْتَمِسَانِ

جب سے میں خلیفہ بنا ہوں اور اگر یہ شرط آپ کو منظور نہ ہو تو پھر مجھ سے اس بارے میں بات نہ کریں۔ آپ نے کہا کہ آپ اسی شرط پر وہ جائیداد ہمارے حوالے کر دیں۔ چنانچہ

مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ فَوَاللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهِ بِقَضَاءٍ غَيْرِ

میں نے آپ لوگوں کے حوالے کر دیا۔ کیا آپ حضرات اس کے سوا کوئی اور فیصلہ مجھ سے کروانا چاہتے ہیں؟ تو اس اللہ کی قسم! جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، قیامت تک

ذٰلِكَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهُ فَادْفَعَا إِلَيَّ فَأَنَا أَكْفِيكُمَاهُ

میں اس کے سوا کوئی اور فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اگر آپ لوگ اس سے عاجز ہیں تو یہ مجھے واپس کر دیں میں خود اس کا انتظام کروں گا۔

قَالَ فَحَدَّثْتُ هٰذَا الْحَدِيثَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ فَقَالَ صَدَقَ مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ أَنَا سَمِعْتُ عَائِشَةَ

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے یہ حدیث عروہ بن زبیرؓ سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ مالک بن اوسؓ نے سچ کہا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ سے سنا،

رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُ أَرْسَلَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے عثمان رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا

وَسَلَّمَ عُثْمَانَ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ يَسْأَلْنَهُ ثُمُنَهُنَّ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال فئے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا اس میں سے ان کے حصے کا ثمن انہیں دیا جائے،

فَكُنْتُ أَنَا أَرُدُّهُنَّ فَقُلْتُ لَهُنَّ أَلَا تَتَّقِيْنَ اللهَ أَلَمْ تَعْلَمْنَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

لیکن میں نے انہیں روکا اور ان سے کہا کہ تم اللہ سے نہیں ڈرتیں کیا تم اس بات سے لاعلم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

يَقُوْلُ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ يُرِيْدُ بِذٰلِكَ نَفْسَهُ إِنَّمَا يَأْكُلُ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

فرماتے تھے کہ ہمارا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس ارشاد میں خود اپنی ذات کی طرف تھا۔ البتہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس جائیداد

وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْمَالِ فَانْتَهٰى أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى مَا أَخْبَرَتْهُنَّ

میں سے تا زندگی (ان کی ضروریات کے لیے) ملتا رہے گا۔ جب میں نے ازواج مطہرات کو یہ حدیث سنائی تو وہ اپنے اس مطالبے سے پیچھے ہٹ گئیں۔

قَالَ فَكَانَتْ هٰذِهِ الصَّدَقَةُ بِيَدِ عَلِيٍّ مَنَعَهَا عَلِيٌّ عَبَّاسًا فَغَلَبَهُ عَلَيْهَا ثُمَّ كَانَ بِيَدِ حَسَنِ بْنِ

عروہ فرماتے ہیں کہ یہی وہ صدقہ ہے جس کا انتظام پہلے حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔ علیؓ نے عباسؓ کو اس کے انتظام سے روک دیا تھا اور اس پر غالب آ گئے تھے اس کے بعد

عَلِيٍّ ثُمَّ بِيَدِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ثُمَّ بِيَدِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ وَحَسَنِ بْنِ حَسَنٍ كِلَيْهِمَا كَانَا يَتَدَاوَلَانِهَا

وہ انتظام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے انتظام میں آ گیا تھا۔ پھر حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے انتظام میں رہا۔ پھر جناب علی بن حسینؒ اور حسن بن حسنؒ کے انتظام میں آ گیا تھا

ثُمَّ بِيَدِ زَيْدِ بْنِ حَسَنٍ وَهِيَ صَدَقَةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا

پھر جناب زید بن حسنؒ کے انتظام میں آ گیا تھا اور یہ حق ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ تھا۔

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے یہاں ذکر کی ہے، کیونکہ اس میں بنونضیر کی جائیدادوں اور ان کے اموال کا ذکر آ رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنونضیر، خیبر، فدک وغیرہ علاقوں میں زمینیں تھیں، جن میں بعد میں

میراث کا مسئلہ پیدا ہوا اور وہ واقعات پیش آئے، جو یہاں روایت میں بیان کئے گئے ہیں، ورنہ اس حدیث کا غزوۂ بنونضیر سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ طویل حدیث ہے، اس کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جب بنونضیر کے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا، تو ان سے کہا گیا کہ تم ہتھیاروں کے علاوہ جتنا سامان لے جاسکتے ہو لے جاؤ، ہتھیار لے جانے کی اجازت نہیں تھی، باقی سارا سامان ان کو لے جانے کی اجازت تھی، تو وہ ایک ایک آدمی کئی کئی اونٹوں پر سامان لاد کر لے گیا جیسا کہ پیچھے تفصیل سے اس کا ذکر ہوا ہے لیکن بہرحال سارا سامان پھر بھی نہ لے جاسکے تو ان کا چھوڑا ہوا سامان، نیز ان کی زمینیں جائیدادیں جو مدینہ منورہ میں تھی وہ سب مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

مال غنیمت اور مال فئی میں فرق

کافروں کی زمین پر لشکرکشی کے نتیجے میں جو اموال مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں، ان میں ایک قسم مال غنیمت ہوتی ہے اور دوسری قسم مال فئی۔

مال غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو باقاعدہ لڑائی کے ذریعے حاصل کیا جائے مال غنیمت کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں جاتا ہے اور چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوتے ہیں اور مال فئی اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر لڑائی کے حاصل ہوجائے تو بنونضیر اپنا سارا مال جو وہ چھوڑ کر گئے تھے یہ شرعی اصطلاح کے مطابق مال فئی تھا، مال فئی میں تصرف کا سارا اختیار امام اور امیر المومنین کو ہوتا ہے وہ اگر چاہے تو کچھ مال مجاہدین میں تقسیم کردے اور باقی بیت المال میں داخل کردے چاہے تو پورے کا پورا مال بیت المال میں جمع کرلے۔

لہٰذا بنونضیر سے جو املاک حاصل ہوئی تھیں، وہ چونکہ مال فئی تھیں، تو ان کا تمام تر اختیار اور ان پر تصرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار تھا کہ جس طرح چاہیں وہ اس مال کو استعمال کریں۔

غزوۂ بنونضیر میں فتح اور مسلمانوں کی معاشی خوشحالی

شروع میں مسلمانوں کے حالات بہت فقر و فاقہ کے تھے، لیکن جب بنونضیر کی زمینیں مسلمانوں کو ملیں تو مسلمانوں خصوصاً مہاجرین کے حالات کافی حد تک سنبھل گئے، اگرچہ اس سے پہلے بنوقینقاع بھی جلاوطن ہوئے تھے لیکن بنوقینقاع کی زمینیں نہ ہونے کے برابر تھیں، کیونکہ وہ پیشہ کے اعتبار سے سُنار تھے، تاجر تھے، چنانچہ وہ اپنا سونا وغیرہ لے کر مدینہ سے نکل گئے تھے، لیکن بنونضیر کے یہودی مالدار بھی زیادہ تھے، ان کا قبیلہ بھی بڑا تھا اور ان کی جائیدادیں اور باغات بھی بہت تھے، چنانچہ جب یہ بنونضیر کے لوگ مدینہ سے گئے تو ان کی جائیدادیں مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں اور زیادہ تر حصہ مہاجرین کو دیا گیا، جس سے وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے۔ اس کے بعد پھر بنوقریظہ کا

علاقہ فتح ہوا، یہ بھی سارے باغات تھے، پھر سن ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا، وہاں قیمتی اور زبردست باغات تھے۔ پھر اس کے بعد ایک فدک کا علاقہ بھی تھا، جس کا نصف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا۔ یہ سارے اموال مسلمانوں کے درمیان تقسیم ہوئے اور ان میں دیگر مجاہدین کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی حصہ تھا، چنانچہ بنونضیر، خیبر اور فدک کی زمینیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی حصہ میں آئیں۔ اب جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں کافی چیزیں موجود تھیں۔ سواریاں بھی تھیں گھوڑا تھا، اونٹیاں تھیں، خچر تھا، اسی طرح ہتھیار تھے، زرہیں، تلواریں اور نیزے تھے، زرعی زمینیں بھی کافی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فقر اختیاری تھا

عام طور سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ بھی نہیں تھا حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں تھا، یہ تو حقیقت ہے کہ کوئی درہم یا دینار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں رات نہیں گزارتا تھا، ایک درہم بھی اگر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات سونے سے پہلے اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے، اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فقر اضطراری نہیں تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فقر اختیاری تھا، البتہ ایسا نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت غریب تھے، بلکہ آپ کے پاس بڑی جائیدادیں تھیں اور ان جائیدادوں سے خاصی آمدنی ہوتی تھی، اس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ان کا حق واجب عطا کرتے تھے، پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رشتے دار، فقراء، مساکین پر تقسیم کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ جب رات کو سوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ بھی باقی نہ ہوتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو ازواج مطہرات، حضرت فاطمہ اور حضرت عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خیال ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث ورثاء میں تقسیم ہونی چاہیے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم ہوتی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بیٹی ہونے کی حیثیت سے سب سے زیادہ یعنی آدھی میراث ملتی اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ثمن ملتا اور جو باقی بچتا وہ قریبی عصبہ کو ملتا اور قریب ترین عصبہ اس وقت میں صرف آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے۔

چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ آپ جائیے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہیے کہ شریعت کے حکم میراث پر عمل کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم کریں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی عصبہ تھے، انہوں نے بھی چاہا کہ میراث تقسیم ہو اور مجھے میرا حصہ ملے، اسی طرح ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی اس بات کو چاہا کہ میراث تقسیم ہو اور وہ اس سلسلے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچانے کے لیے بھیجنے کا ارادہ کر رہی تھیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں روک دیا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے کہا کہ تم یہ کیا کر رہی ہو؟ کیا تمہیں یاد نہیں

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو یہ حدیث یاد آگئی اور وہ اپنے مطالبے سے رک گئیں، لیکن حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما بہرحال حق میراث کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے یہی فرمایا کہ یہ میراث تقسیم نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث ہے اور اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔

جب یہ سارا قصہ ہوگیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو یہ زمینیں کسی کی ملکیت نہیں ہیں، میری بھی ملکیت نہیں ہیں۔ بلکہ یہ صدقہ ہیں (صدقہ سے مراد وقف ہیں۔) ان زمینوں میں جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے تھے، میں بھی وہی کام کروں گا، لہٰذا زمینوں کی جو پیداوار آتی تھی، وہ سب سے پہلے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پیش کی جاتی تھی، پھر بنو ہاشم میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی، اس کے بعد دیگر مصارف میں خرچ کی جاتی تھی۔

اس موقع پر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ ان کی تولیت آپ ہمارے حوالے کر دیں، تولیت کا معنی یہ ہے کہ یہ جائیدادیں جو ایک طرح سے وقف ہیں اور ہمیں اس کا متولی بنا دیں، ہم اس کی آمدنی کو اس طرح خرچ کریں گے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرچ کیا کرتے تھے، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متروکہ جائیداد کی آمدنی بنو ہاشم اور ازواج مطہرات پر خرچ کی جاتی تھی، تو گویا ان حضرات کا کہنا یہ تھا کہ چونکہ ہم بنو ہاشم سے زیادہ واقف ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ بنو ہاشم پر اس مال کو کیسے خرچ کرنا ہے، لہٰذا اگر آپ یہ معاملہ ہمارے سپرد کر دیں تو ہم اس کو بہتر طریقے سے انجام دے سکیں گے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی انکار فرما دیا اور انکار کی وجہ یہ تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، اس وقت اگر یہ زمینیں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی تولیت میں دے دی جاتیں، تو عمومی تاثر یہ ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم ہوئی ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، لہٰذا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو یہ زمینیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تصرف میں آگئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان زمینوں کی پیداوار اور اس جائیداد کی آمدنی کو اسی مصرف میں خرچ کرتے تھے جس مصرف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خرچ کیا کرتے تھے، کچھ عرصے بعد حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور ان سے درخواست کی کہ ان زمینوں کی ذمہ داری اور تولیت آپ ہمارے حوالے کر دیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ محسوس کیا کہ اب وقت کافی گزر گیا ہے اور اگر اب ان حضرات کے حوالے تولیت کر دی جائے تو اس سے کسی قسم کا کوئی شبہ پیدا نہیں ہوگا، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو مشترکہ طور پر ان زمینوں کا متولی بنا دیا۔

کچھ عرصے کے بعد حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ ناگواری شروع ہوگئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ وہاں وہاں خرچ کرنا چاہیے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے کہ نہیں! اس کو نہیں، اس کو دینا چاہیے، اس طرح ان میں آپس میں کچھ اختلاف شروع ہوگیا۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ بھتیجے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ چچا تھے، چچا ڈانٹ بھی دیتا ہے اور بھتیجے کو سننا پڑتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس سے دلوں میں رنجش پیدا ہو رہی تھی، چنانچہ ان دونوں حضرات نے سوچا کہ ایسا کر لیتے ہیں کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان زمینوں کی تولیت دو حصوں میں تقسیم کر دیں، آدھی کی تولیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حاصل ہو جائے اور آدھی کی تولیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہو جائے، اس پر دونوں کا اتفاق ہوگیا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بات کرتے ہوئے وہ دونوں ہچکچا رہے تھے، اس لیے انہوں نے عشرہ مبشرہ میں سے جو حضرات اس وقت موجود تھے، یعنی حضرت عثمان غنی، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم ان پانچ جلیل القدر صحابہ کو جمع کیا (بخاری کی روایت میں طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے، جبکہ سنن نسائی کی روایت میں ان کا بھی ذکر آیا ہے) اور ان سے درخواست کی کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں اور اس معاملے میں ان سے ہماری سفارش کریں، چنانچہ یہ حضرات ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ساتھ ہی حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما بھی تشریف لے آئے۔

فَلَمَّا دَخَلَا قَالَ عَبَّاسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ: جب یہ دونوں داخل ہوگئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ امیر المؤمنین! آپ میرے اور اس آدمی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے درمیان فیصلہ کر دیجیے، **وَ هُمَا يَخْتَصِمَانِ** اور وہ دونوں ان زمینوں کے بارے میں جھگڑا کر رہے تھے جو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مال فیئ کے طور پر بنو نضیر کی زمینوں میں سے دی تھی۔

مِنْ بَنِي النَّضِيْرِ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طویل روایت یہاں ذکر فرمائی ہے، یہ بتانے کے لیے کہ جو معاملہ ہوا تھا، وہ بنو نضیر کے اموال میں ہوا تھا۔

فَاسْتَبَّ عَلِيٌّ وَّ عَبَّاسٌ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس مجلس میں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوئی، جسے اس روایت میں **فَاسْتَبَّ** سے تعبیر کیا ہے، بعض روایات میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف کچھ سخت کلمات کو بھی منسوب کیا گیا ہے، جو انہوں نے اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہے، لیکن اس میں کوئی زیادہ تشویش کی بات نہیں ہے، کیونکہ چچا اور بھتیجے کا معاملہ ہے اور چچا بسا اوقات بھتیجے کے لیے سخت الفاظ استعمال کر لیا کرتے ہیں۔

فَقَالَ الرَّهْطُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِقْضِ بَيْنَهُمَا وَ أَرِحْ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ وہاں جو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم

تشریف فرما تھے، وہ تو آئے ہی اس لیے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان دونوں حضرات کے بارے میں سفارش کریں، چنانچہ انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیجیے، زمینوں کی آدھی تولیت علی کو دے دیں اور آدھی تولیت عباس کو دے دیں، تاکہ دونوں کو راحت حاصل ہو جائے اور یہ تنازع ختم ہو جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اتَّئِدُوا ذرا اطمینان سے کام لو، جلدی مت کرو۔ میں اطمینان سے بات کروں گا۔ أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ کہ ہم مورث نہیں بنائے جاتے جو کچھ ہم چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے، يُرِيْدُ بِذٰلِكَ نَفْسَهُ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے اپنی ذات مراد لے رہے تھے؟ تو سب نے کہا، کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات فرمائی تھی؟ ان دونوں نے بھی کہا کہ جی ہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات فرمائی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں حضرات بھی اس بات کو تسلیم کر چکے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ان ہی مصارف میں خرچ کی جائے گی، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں خرچ کی جاتی تھی اور یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ یہ حدیث لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قبول کی اور ان سارے صحابہ رضی اللہ عنہم میں اہل بیت رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں، انہوں نے بھی یہ حدیث قبول کی۔

قَالَ فَإِنِّيْ أُحَدِّثُكُمْ عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ: پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب میں تمہیں اس معاملے کے بارے میں بتاتا ہوں اور وہ یہ کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس مال فئی کے اندر ایسی چیز کے ساتھ خاص کیا تھا جو کسی اور کو نہیں دی، مراد یہ ہے کہ مال غنیمت میں تو مجاہدین کا حصہ ہوتا ہے لیکن مال فئی میں مجاہدین کا کوئی حصہ نہیں ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فَكَانَتْ هٰذِهٖ خَالِصَةً لِّرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یہ زمینیں خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زمینیں تھیں۔ ثُمَّ وَاللّٰهِ مَا احْتَازَهَا دُوْنَكُمْ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان زمینوں کو تم سے نہیں روکا اور نہ ہی ان زمینوں کے ساتھ تمہارے اوپر کسی اور کو ترجیح دی، لَقَدْ أَعْطَاكُمُوْهَا بلکہ تمہیں بھی اس مال فئی میں سے حصہ دیا وَ قَسَمَهَا فِيْكُمْ اور یہ مال فئی تمہارے درمیان تقسیم کیا۔ چنانچہ بنونضیر کی جو زمینیں تھیں، اگرچہ وہ مال غنیمت نہیں تھیں بلکہ مال فئی تھیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری زمینیں اپنے پاس نہیں رکھیں بلکہ مہاجرین اور مجاہدین میں تقسیم کی تھیں اور جتنی اوروں کو ملی تھیں، اتنی ہی زمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ملی تھیں، اسی کو فرمایا: وَ قَسَمَهَا فِيْكُمْ کہ

حضور ﷺ نے تمہیں یہ زمینیں دی تھیں اور حضور ﷺ نے یہ اموال تمہارے درمیان تقسیم کئے تھے، حَتّٰى بَقِيَ هٰذَا الْمَالُ مِنْهَا یہاں تک کہ ان اموال میں سے صرف سے یہ مال باقی رہ گیا جو حضور ﷺ کی ملکیت میں تھا۔

فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلٰى أَهْلِهٖ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ: تو رسول اللہ ﷺ اس مال میں سے اپنے گھر والوں کو سال بھر کا خرچہ پیشگی دیتے تھے، ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ پھر اس کے بعد جو مال باقی رہ جاتا اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے پہلے بیوی بچوں کو دینا ضروری ہے، چنانچہ آپ ﷺ کی جائیداد کی جتنی آمدنی ہوتی، سب سے پہلے آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو، اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور بنو ہاشم کو دیتے تھے، پھر اس کے بعد غرباء، فقراء، یتامیٰ اور مساکین پر خرچ کرتے تھے۔

اشکال: اب اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب آپ ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ان کا خرچہ پیشگی دے دیتے تھے تو پھر گھر میں فقر و فاقہ کیسے ہوتا تھا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بہت فیاض اور سخی تھیں اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرتی رہتی تھیں، لہٰذا سال بھر کا خرچہ بہت جلد ختم ہو جاتا تھا۔

فَعَمِلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيَاتَهٗ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے زندگی بھر اسی طرح کیا، پھر نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب میں حضور ﷺ کا ولی یعنی ان کے اموال کا متولی ہوں، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان زمینوں کو اپنے قبضے میں رکھا اور اس میں وہی کام کرتے رہے جو رسول اللہ ﷺ کرتے تھے اور اللہ جانتا ہے کہ ابو بکر ان زمینوں کے کام میں سچے تھے، نیکوکار تھے، ہدایت یافتہ تھے اور حق کی پیروی کرنے والے تھے۔ ثُمَّ تَوَفَّى اللّٰهُ أَبَا بَكْرٍ پھر اللہ نے ابو بکر کو وفات دے دی، تو میں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا متولی ہوں، تو میں نے اپنی خلافت کے دو سالوں تک ان زمینوں کو اپنے قبضے میں رکھا اور ان میں وہ کام کرتا رہا جو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کرتے تھے اور اللہ جانتا ہے کہ میں ان زمینوں کے کام میں سچا، نیکوکار، ہدایت یافتہ، اور حق کی پیروی کرنے والا تھا۔

ثُمَّ جِئْتُمَانِيْ كِلَاكُمَا وَكَلِمَتُكُمَا وَاحِدَةٌ وَأَمْرُكُمَا جَمِيْعٌ: پھر تم دونوں میرے پاس آئے، تم دونوں ایک بات پر متفق تھے، تو میں نے تم دونوں سے اس وقت میں یہ بات کہی تھی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہم مورث نہیں بنائے جاتے، جو کچھ ہم چھوڑ کر جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔ لیکن پھر جب میں نے مناسب سمجھا کہ میں یہ زمینیں تمہاری تولیت میں دے دوں تو میں نے تم دونوں سے یہ کہا تھا کہ اگر تم چاہو تو میں یہ زمینیں تمہیں دے سکتا ہوں، لیکن اس شرط پر کہ تمہارے اوپر اللہ کا عہد اور وعدہ ہے کہ تم ان زمینوں میں وہی کام کرو گے جو نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا اور پھر جو میں نے اپنی خلافت کے وقت لے کر سے اب تک کیا ہے، وَإِلَّا فَلَا تُكَلِّمَانِّي اور اگر تم وہ کام نہیں کر سکتے تو تم ان زمینوں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات مت کرو، کیونکہ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زمینیں ہیں، وقف ہیں، یہ میں کسی غیر ذمہ دار کے حوالے نہیں کروں گا، اگر تم ان زمینوں کی تولیت کر سکتے ہو تو میں تمہیں دینے کے لیے تیار ہوں، ورنہ یہ میرے پاس چھوڑ دو، میں اسی طرح حق کے ساتھ اس کی تولیت کے فرائض انجام دیتا رہوں گا۔

فَقُلْتُمَا ادْفَعْهُ إِلَيْنَا بِذٰلِكَ تو تم دونوں نے کہا تھا کہ آپ اسی شرط پر یہ زمینیں ہمارے حوالے کر دیں۔ فَدَفَعْتُهُ إِلَيْكُمَا چنانچہ میں نے وہ زمینیں تمہارے حوالے کر دی تھیں، أَفَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ؟ تو اب کیا تم مجھ سے اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ کروانا چاہتے ہو؟ قسم ہے اس اللہ کی جس کی اجازت کے ساتھ آسمان اور زمین قائم ہیں، لَا أَقْضِي فِيهِ بِقَضَاءٍ غَيْرِ ذٰلِكَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ میں قیامت تک کوئی فیصلہ اس کے خلاف نہیں کروں گا، یعنی میں زمینوں کی تولیت تم دونوں کے درمیان تقسیم نہیں کروں گا، کیونکہ وقف زمینوں کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهُ اگر تم دونوں ان زمینوں کی ذمہ داری سے عاجز ہو گئے ہو فَادْفَعَا إِلَيَّ تو تم یہ زمینیں مجھے واپس دے دو فَأَنَا أَكْفِيكُمَاهُ میں تم دونوں کی طرف سے اس سے کافی ہو جاؤں گا۔

قَالَ فَكَانَتْ هٰذِهِ الصَّدَقَةُ بِيَدِ عَلِيٍّ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ پھر یہ صدقات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہے، مَنَعَهَا عَلِيٌّ عَبَّاسًا فَغَلَبَهُ عَلَيْهَا الفاظ یہی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو روک دیا اور خود ان زمینوں پر غالب آ گئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں اسناد مجاز عقلی ہے، انہوں نے روکا نہیں تھا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ خود پیچھے ہٹتے چلے گئے تھے، جس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اب وہ بوڑھے ہو گئے تھے، ان کے لیے مزید محنت کرنا مشکل تھا، جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے مقابلے میں جوان تھے، چنانچہ انہوں نے ان زمینوں کی تولیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ٹھیک ان ہی جگہوں میں اس مال کو خرچ کیا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کیا کرتے تھے، اور جہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خرچ کرتے تھے اور جہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خرچ کیا کرتے تھے۔

ثُمَّ كَانَ بِيَدِ حَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ پھر یہ زمینیں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں چلی گئیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ بنے تھے، پھر یہ زمینیں حضرت حسین شہید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں چلی گئیں، پھر علی بن حسینؒ (یعنی علی زین العابدینؒ) اور حسن بن حسنؒ کے ہاتھوں میں چلی گئیں، وہ دونوں ان زمینوں کی دیکھ بھال کیا کرتے رہے، پھر یہ زمینیں زید بن حسنؒ کے ہاتھ میں چلی گئیں، هِيَ صَدَقَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا اور یہ زمینیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات ہیں حق طور پر یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقف کردہ زمینیں تھیں۔

روافض (اہل تشیع) کا اختلاف

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کا مسئلہ زیر بحث آیا ہے اور یہی وہ مسئلہ ہے جس کی وجہ سے روافض یہ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق غصب کر لیا اور ان پر ظلم کیا اور انہیں ان کی میراث جو ان کا حق شرعی تھا اس سے محروم کر دیا گیا، پھر اس سے آگے دوسری جو بکواسات کرتے ہیں، وہ الگ ہیں، لیکن بنیادی اختلاف یہاں سے ہے۔

روافض (اہل تشیع) کا دعویٰ اور دلائل:

روافض کا مؤقف یہ ہے کہ میراث شرعی احکام میں سے ہے اور جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج یہ سب کے ذمہ لازم ہیں، اسی طرح میراث بھی حکم شرعی ہے اور میراث کی تقسیم بھی فرض ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس فریضے پر عمل نہیں کیا۔ روافض کا دعویٰ یہ ہے کہ جس حدیث لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حوالہ دیا، وہ حدیث ہی نہیں ہے اور اگر حدیث ہے بھی تو اس کے مقابلے میں قرآن مجید کی آیات موجود ہیں اور ساری امت کا اتفاق ہے کہ میراث کی تقسیم فرض ہے تو ایک روایت کی بناء پر اس قطعی اور متفق علیہ فریضے کو ترک کرنا کسی طرح بھی درست نہ تھا، چنانچہ روافض کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے: وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ اس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث بنے تھے، تو اگر حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد کے نبی ہونے کے باوجود ان کے وارث بن سکتے ہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے والد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وارث کیوں نہیں بن سکتیں؟ اسی طرح سورۂ مریم میں ہے: فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی کہ یا اللہ! مجھے اپنے پاس سے ایک ولی (بیٹا) عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔ روافض کہتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام تو دعا کر رہے ہیں کہ میری اولاد ہو اور وہ اولاد میری بھی وارث ہو اور آل یعقوب کی بھی وارث ہو اور آپ لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت جاری نہیں ہوتی، یہ تو قرآن کی آیات کے صریح خلاف ہے۔

روافض (اہل تشیع) کے دعویٰ باطلہ پر دیئے گئے دلائل کا جواب

اہل السنۃ والجماعۃ روافض سے کہتے ہیں کہ آپ کے یہ سارے دلائل بے کار ہیں اور اس بات کی علامت ہیں کہ علوم قرآنیہ اور علم حدیث سے آپ کا دور دور تک کوئی واسطہ نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ نے اپنے دعوے کی پہلی دلیل اس آیت وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ کو بنایا، حالانکہ اس آیت میں وراثت سے وراثت مالی مراد نہیں ہے بلکہ وراثت علمی اور وراثت نبوت مراد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے، اگر وراثت مالی تقسیم ہوتی تو

صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہ ملتی بلکہ وہ تمام کے تمام ورثاء میں تقسیم ہوتی، جبکہ قرآن کہہ رہا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کے وارث حضرت سلیمان علیہ السلام بنے، تو معلوم ہوا کہ یہاں وراثت سے وراثت مالی مراد ہی نہیں ہے بلکہ وراثت علمی اور وراثت نبوت مراد ہے، تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ انیس بیٹوں میں سے جو علم اور نبوت کے وارث بنے ہیں، وہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام بنے ہیں، اُن کو نبی بنایا گیا، باقی بچوں کو نبوت عطا نہیں کی گئی۔

اسی طرح آپ نے اپنے دعوے کی دوسری دلیل کے طور پر حضرت زکریا علیہ السلام کی جو دعا پر مشتمل آیت پیش کی فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ اس آیت اور دعا کو دلیل بنانا بھی درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس آیت میں بھی جس دعا کا ذکر ہے اس میں حضرت زکریا علیہ السلام دعا فرما رہے ہے کہ اے اللہ! مجھے ایسا ولی (بیٹا) عطا فرما جو میرا بھی وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی وارث بنے، چنانچہ اگر آپ اس میں غور فرماتے تو اس بات کو جان لیتے کہ یہاں بھی وراثت سے مراد وراثت مالی نہیں ہے، بلکہ وراثت علمی اور وراثت نبوت مراد ہے، کیونکہ اس میں یہ لفظ آ رہا ہے وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ جبکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے درمیان تقریباً دو ہزار سال کا فاصلہ ہے، تو سوال یہ ہے کہ آپ کے بقول اگر اس آیت میں وراثت سے وراثت مالی مراد ہے تو کیا وہ وراثت مالی دو ہزار سال میں تقسیم ہی نہیں ہوئی تھی، ایسے ہی رکھی ہوئی تھی؟

روافض کے دعویٰ باطلہ کی حقیقت

رہا آپ کا یہ دعویٰ کرنا کہ میراث شرعی احکام میں سے ہے اور جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج یہ سب کے ذمہ لازم ہیں، اسی طرح میراث بھی حکم شرعی ہے اور قرآن کریم میں ہے: فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اور قرآنی آیت اور خبر واحد میں تعارض ہو جائے تو ترجیح قرآنی آیت کو دی جائے گی اور خبر واحد کتاب اللہ کو منسوخ نہیں کر سکتی، یہ آپ نے بالکل ٹھیک بات کہی، اصول اور قاعدہ یہی ہے، لیکن یہ اصول آپ نے غلط جگہ پر بیان کر دیا کیونکہ یہ اس وقت ہے جبکہ وہ عام قطعی ہو، لیکن اگر وہ عام مخصوص منه البعض ہو تو اس صورت میں جب ایک مرتبہ اس عام کی تخصیص ہو جاتی ہے تو وہ عام قطعی نہیں رہتا بلکہ عام ظنی بن جاتا ہے، پھر اس کے بعد خبر واحد سے بھی اس میں تخصیص کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ وراثت کی یہ آیت بالاتفاق عام مخصوص منه البعض ہے۔ چنانچہ آپ روافض خود بھی اس کے قائل ہیں کہ اگر کسی آدمی کے پاس کچھ مال نہ ہو تو اس کی میراث تقسیم نہیں ہوگی تو گویا یہ عام نہ ہوا بلکہ عام مخصوص منه البعض ہوا۔ اسی طرح آپ روافض اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ المسلم لا یرث الکافر و الکافر لا یرث المسلم، گویا آپ روافض بھی آیت کو عموم پر نہیں مانتے بلکہ اختلاف دینین کی صورت میں کافر کو مسلمان کا اور مسلمان کو کافر کا وارث قرار نہیں دیتے، اسی طرح یہ بھی آپ روافض اور ہمارے درمیان متفق علیہ ہے کہ بیٹا اگر اپنے

باپ کو قتل کر دے تو بیٹا اپنے باپ کا وارث نہیں ہوگا، حالانکہ القاتل لا یرث کی دلیل بھی خبر واحد ہے، لیکن اس کو آپ روافض قبول کرتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ فَرِيضَةً مِّنَ اللهِ اپنے عموم پر نہیں ہے، بلکہ عام مخصوص منہ البعض ہے، لہٰذا خبر واحد کے ذریعے اگر اس کی تخصیص کی جائے تو یہ عین شریعت اور اصول کے مطابق ہوگی، لہٰذا بالفرض محال اگر اس حدیث لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ کو متواتر نہ مانا جائے بلکہ آپ روافض کے بقول اسے خبر واحد مانا جائے تب بھی اس سے اس آیت کی تخصیص کی جاسکتی ہے۔

حدیث لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ خبر واحد نہیں بلکہ خبر متواتر ہے:

پھر آپ روافض کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ یہ حدیث لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ خبر واحد ہے ہی نہیں بلکہ یہ خبر متواتر ہے اور ایسی خبر متواتر ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس خبر کو قبول کیا ہے اور تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم نے بھی تسلیم کیا ہے، چنانچہ جو روایت ہم نے پڑھی، اس میں منقول ہے کہ جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث مختلف مواقع پر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کی تو سب نے اس کی تصدیق کی اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں فرمایا، گویا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہو گیا کہ یہ حدیث اپنی جگہ بالکل صحیح ہے اور یہ اجماع اور اتفاق اس بات کی علامت ہے کہ یہ حدیث خبر واحد نہیں ہے بلکہ خبر متواتر ہے اور خبر متواتر دلیل قطعی ہوتی ہے، چنانچہ اس بناء پر آیت میراث میں اس حدیث کے ذریعے بغیر کسی شبہ کے تخصیص کی جاسکتی ہے، اس لیے تمام اهل السنة والجماعة کا اور تمام صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ عنہم کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اسی حدیث کی بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم نہیں کی گئی اور نہ ہی کرنی چاہیے تھی، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس حدیث کو قبول کیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی قبول کیا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی قبول کر لیا، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے سن ۱۴۳۹ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنات کے امتحان میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ حدیث کا ترجمہ ❷ حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما کے درمیان نزاع کا قصہ ❸ اہلِ بیت میں وقوع سباب کی وضاحت ❹ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی تفصیل۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ فَاطِمَةَ وَالْعَبَّاسَ أَتَيَا أَبَا بَكْرٍ يَلْتَمِسَانِ مِيرَاثَهُمَا أَرْضَهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ دونوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زمین

مِنْ فَدَاكٍ وَسَهْمَهُ مِنْ خَيْبَرَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ

جو فدک میں تھی اور جو خیبر میں آپ کو حصہ ملا تھا، اس میں سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ

لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ اٰلُ مُحَمَّدٍ فِيْ هٰذَا الْمَالِ وَاللّٰهِ لَقَرَابَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

نے فرمایا تھا کہ ہمارا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ البتہ آل محمد کو اس جائیداد میں سے خرچ ملتا رہے گا۔ اور اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِيْ

کے ساتھ عمدہ معاملہ کرنا مجھے خود اپنے قرابت داروں کے ساتھ حسن معاملہ سے زیادہ عزیز ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی میراث طلب کرنے کے لیے آئے تھے، أَرْضَهُ مِنْ فَدَاكٍ یعنی وہ زمین جو نبی کریم ﷺ کی فدک میں تھی، وَسَهْمَهُ مِنْ خَيْبَرَ اور دوسری خیبر کی زمین جو آپ کو مال غنیمت میں سے ملی تھی۔

یہاں روایت میں فدک کا ذکر آیا ہے کہ وہ فدک کی زمینوں میں سے میراث کا حق مانگ رہے تھے، فدک اصل میں ایک قلعہ تھا جو خیبر سے کچھ فاصلے پر واقع تھا، جب خیبر فتح ہوا اور حضور اقدس ﷺ کی حکومت خیبر پر قائم ہوئی تو فدک میں رہنے والے یہودیوں کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اب ہماری باری ہے، لہٰذا انہوں نے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ ہم سے معاہدہ کر لیجیے، تو حضور ﷺ نے ان سے معاہدہ کر لیا، جس کے نتیجے میں فدک کے لوگ اپنے علاقے کو چھوڑ کر چلے گئے اور یہ فدک کا علاقہ آپ ﷺ کے تصرف میں آ گیا، تو غزوۂ خیبر میں جو مال آیا تھا وہ تو مال غنیمت تھا کیونکہ وہ جنگ کے نتیجے میں حاصل ہوا تھا، جبکہ فدک میں جو مال اور زمینیں ہاتھ آئی تھیں وہ مال فئی تھا اور رسول کریم ﷺ نے لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ کے تحت اپنے پاس رکھا اور آپ ﷺ اس مال کو اپنی ذاتی حوائج میں بھی استعمال فرماتے تھے اور جو کچھ بچ جاتا تھا وہ فقراء مساکین اور دیگر مسلمانوں پر بھی خرچ کیا کرتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ فدک کی زمینیں آپ ﷺ کی ملکیت تصور کی جاتی تھیں، تو جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل میں یہ خیال آیا کہ ہمیں میراث ملنی چاہیے، تو وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور دوسری روایت کے مطابق انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور میراث کا مطالبہ فرمایا جس کے نتیجے میں یہ واقعہ پیش آیا۔

رجوع الی الاصل

تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا یہ تھا کہ یہ زمینیں حضور ﷺ کی ملکیت میں تھیں، لہٰذا آپ ﷺ کے ورثاء میں تقسیم ہونی چاہیے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ اٰلُ مُحَمَّدٍ فِيْ هٰذَا الْمَالِ ہم لوگوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے، البتہ آل محمد اپنی گزر بسر کے لیے اس میں سے لے سکتے ہیں اور پھر ساتھ میں حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا: وَاللهِ لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي اللہ کی قسم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا مجھے زیادہ محبوب ہے بنسبت اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے سے، اس لیے وہ صلہ رحمی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مال کے ذریعے کیا کرتے تھے، وہ میں بھی جاری رکھوں گا، لیکن جہاں تک میراث کی تقسیم کا تعلق ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے خلاف ہے اس لیے میراث تقسیم نہیں ہوسکتی۔

بَابُ قَتْلِ كَعْبِ بْنِ الأَشْرَفِ

کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا قصہ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو

سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کعب بن اشرف کا کام

لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ

کون تمام کرے گا؟ وہ اللہ اور اس کے رسول کو بہت ستا رہا ہے۔ اس پر محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ اجازت دیں گے کہ میں اسے

أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأْذَنْ لِي أَنْ أَقُولَ شَيْئًا قَالَ قُلْ فَأَتَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ

قتل کرآؤں؟ آپ نے فرمایا "ہاں" انہوں نے کہا، پھر آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس سے کچھ باتیں کہوں آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ اب محمد بن مسلمہؓ کعب بن اشرف کے

إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ قَدْ سَأَلَنَا صَدَقَةً وَإِنَّهُ قَدْ عَنَّانَا وَإِنِّي قَدْ أَتَيْتُكَ أَسْتَسْلِفُكَ قَالَ وَأَيْضًا وَاللهِ

پاس آئے اور اس سے کہا، یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم سے صدقہ مانگتا ہے اور اس نے ہمیں تھکا دیا ہے۔ تو میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ اس پر کعب نے کہا، ابھی آگے دیکھنا، خدا کی قسم!

لَتَمَلُّنَّهُ قَالَ إِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاهُ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَدَعَهُ حَتّٰى نَنْظُرَ إِلٰى أَيِّ شَيْءٍ يَصِيرُ شَأْنُهُ وَقَدْ أَرَدْنَا

تم بالکل اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا، چونکہ ہم نے ان کی اتباع کر لی ہے۔ اس لیے جب تک یہ نہ کھل جائے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے، انہیں چھوڑنا بھی مناسب نہیں۔ تم سے ایک

أَنْ تُسْلِفَنَا وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ وحَدَّثَنَا عَمْرٌو غَيْرَ مَرَّةٍ فَلَمْ يَذْكُرْ وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ

وسق یا دو وسق غلہ قرض لینے آیا ہوں۔ (راوی کہتے ہیں) اور ہم سے عمرو بن دینار نے یہ حدیث کئی دفعہ بیان کی لیکن ایک وسق یا دو وسق غلے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ

فِيهِ وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ فَقَالَ أُرٰى فِيهِ وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ فَقَالَ نَعَمِ ارْهَنُونِي قَالُوا أَيَّ شَيْءٍ

حدیث میں ایک یا دو وسق کا ذکر ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرا بھی خیال ہے کہ حدیث میں ایک یا دو وسق کا ذکر آیا ہے۔ کعب بن اشرف نے کہا، ٹھیک ہے، میرے پاس کچھ گروی رکھ دو۔

تُرِيدُ؟ قَالَ ارْهَنُونِي نِسَاءَكُمْ قَالُوا كَيْفَ نَرْهَنُكَ نِسَاءَنَا وَأَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ؟ قَالَ فَارْهَنُونِي

انہوں نے پوچھا، کیا چیز گروی رکھیں؟ اس نے کہا، اپنی عورتوں کو رکھ دو۔ انہوں نے کہا کہ تم عرب کے بہت خوبصورت مرد ہو۔ ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں کس طرح گروی

أَبْنَاءَكُمْ قَالُوا كَيْفَ نَرْهَنُكَ أَبْنَاءَنَا فَيُسَبُّ أَحَدُهُمْ؟ فَيُقَالُ رُهِنَ بِوَسْقٍ أَوْ وَسْقَيْنِ هٰذَا عَارٌ

رکھ سکتے ہیں۔ اس نے کہا، پھر اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ انہوں نے کہا، ہم بچوں کو کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں۔ کل انہیں اس پر گالیاں دی جائیں گی کہ ایک یا دو وسق غلے پر انہیں

عَلَيْنَا وَلٰكِنَّا نَرْهَنُكَ اللَّأْمَةَ قَالَ سُفْيَانُ يَعْنِي السِّلَاحَ فَوَاعَدَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ فَجَاءَهُ لَيْلًا وَمَعَهُ

رہن رکھ دیا گیا تھا، یہ تو ان کے لئے عار کا سبب ہوگا۔ البتہ ہم تمہارے پاس اپنا اسلحہ گروی رکھ سکتے ہیں۔ سفیان نے کہا کہ مراد اس سے ہتھیار تھے۔ محمد بن مسلمہ نے اس سے دوبارہ ملنے کا

أَبُو نَائِلَةَ وَهُوَ أَخُو كَعْبٍ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَدَعَاهُمْ إِلَى الْحِصْنِ فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ فَقَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ

وعدہ کیا اور رات کے وقت اس کے یہاں آئے۔ ان کے ساتھ ابو نائلہ تھے جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ کعب نے انہیں قلعہ کے پاس بلایا۔ اور ان کی جانب نیچے اترا

أَيْنَ تَخْرُجُ هٰذِهِ السَّاعَةَ فَقَالَ إِنَّمَا هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ وَأَخِي أَبُو نَائِلَةَ وَقَالَ غَيْرُ عَمْرٍو قَالَتْ
تو اس کی بیوی نے کہا کہ اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ صرف محمد بن مسلمہ اور میرا بھائی ابونائلہ ہے۔ عمرو کے سوا (دوسرے راوی) کہتے ہیں کہ اس کی بیوی نے اس سے کہا تھا

أَسْمَعُ صَوْتًا كَأَنَّهُ يَقْطُرُ مِنْهُ الدَّمُ قَالَ إِنَّمَا هُوَ أَخِي مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ وَ رَضِيعِي أَبُو نَائِلَةَ
کہ مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہو۔ کعب نے جواب دیا کہ میرے بھائی محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابونائلہ ہیں۔

إِنَّ الْكَرِيمَ لَوْ دُعِيَ إِلٰى طَعْنَةٍ بِلَيْلٍ لَأَجَابَ قَالَ وَيَدْخُلُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ مَعَهُ بِرَجُلَيْنِ قِيلَ
معزز شخص کو اگر رات میں بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ نکل پڑتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ اپنے ساتھ دو آدمیوں کو بھی لے آئے، سفیان سے پوچھا گیا کہ

لِسُفْيَانَ سَمَّاهُمْ عَمْرٌو قَالَ سَمّٰى بَعْضَهُمْ قَالَ عَمْرٌو جَاءَ مَعَهُ بِرَجُلَيْنِ فَقَالَ إِذَا مَا جَاءَ
کیا عمرو بن دینار نے ان کے نام بھی لیے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ بعض کا نام لیا تھا۔ عمرو نے بیان کیا کہ وہ آئے تو ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے اور عمرو بن دینار کے سوا (راوی نے)

وَقَالَ غَيْرُ عَمْرٍو أَبُو عَبْسِ بْنُ جَبْرٍ وَ الْحَارِثُ بْنُ أَوْسٍ وَ عَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ عَمْرٌو جَاءَ مَعَهُ
ابوعبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر کے نام بتائے تھے۔ عمرو نے بیان کیا کہ وہ اپنے ساتھ دو آدمیوں کو

بِرَجُلَيْنِ فَقَالَ إِذَا مَا جَاءَ فَإِنِّي قَائِلٌ بِشَعَرِهِ فَأَشَمُّهُ فَإِذَا رَأَيْتُمُونِي اسْتَمْكَنْتُ مِنْ رَأْسِهِ
لائے تھے اور انہیں یہ ہدایت کی تھی کہ جب کعب آئے تو میں اس کے (سر کے) بال پکڑوں گا اور اسے سونگھنے لگوں گا۔ جب تمہیں اندازہ ہو جائے کہ میں نے اس کا سر پوری طرح

فَدُونَكُمْ فَاضْرِبُوهُ وَقَالَ مَرَّةً ثُمَّ أُشِمُّكُمْ فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ مُتَوَشِّحًا وَهُوَ يَنْفَحُ مِنْهُ رِيحُ الطِّيبِ
اپنے قبضہ میں لے لیا ہے تو پھر تم تیار ہو جانا اور اسے قتل کر ڈالنا، عمرو نے ایک بار یہ کہا کہ پھر میں اس کا سر تمہیں سنگھواؤں گا، آخر کعب چادر لپیٹے ہوئے باہر آیا۔ اس کے جسم سے خوشبو

فَقَالَ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ رِيحًا أَيْ أَطْيَبَ وَقَالَ غَيْرُ عَمْرٍو قَالَ عِنْدِي أَعْطَرُ سَيِّدِ الْعَرَبِ
پھوٹ رہی تھی محمد بن مسلمہ نے کہا، آج سے زیادہ عمدہ خوشبو میں نے کبھی نہیں سونگھی ہے، عمرو کے سوا (راوی) نے بیان کیا کہ کعب نے کہا کہ میرے پاس عرب کی معطرترین

وَأَكْمَلُ الْعَرَبِ قَالَ عَمْرٌو فَقَالَ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَشُمَّ رَأْسَكَ قَالَ نَعَمْ فَشَمَّهُ ثُمَّ أَشَمَّ أَصْحَابَهُ
اور حسین ترین عورت ہے عمرو کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہؓ نے اس سے کہا، کیا تمہارے سر کو سونگھ لوں؟ اس نے کہا، ہاں تو محمد بن مسلمہ نے اس کا سر سونگھا اور ان کے بعد ان کے ساتھیوں نے بھی

ثُمَّ قَالَ أَتَأْذَنُ لِي قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا اسْتَمْكَنَ مِنْهُ قَالَ دُونَكُمْ فَقَتَلُوهُ ثُمَّ أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
سونگھا، پھر کہا کہ کیا دوبارہ سونگھ لوں؟ اس نے کہا ہاں، پھر محمد بن مسلمہ نے اسے قابو کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ، چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور نبی کریم ﷺ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرُوهُ
کے پاس حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی

کعب بن اشرف یہودیوں کے سرداروں میں سے تھا اور مدینہ کے قریب ہی اس کی رہائش تھی، نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں سے بغض رکھتا تھا، جنگ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی تو اسے بڑا رنج ہوا کہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو رہا ہے، وہ کہنے لگا اب دنیا میں جینے کا کوئی لطف نہیں رہا، چنانچہ قریش مکہ سے تعزیت کے لیے مکہ پہنچا اور قریش کے جو لوگ قتل ہوئے تھے، ان کے مرثیے لکھے اور ان مرثیوں کو وہ مجمع میں سناتا تھا، خود بھی روتا تھا اور لوگوں کو بھی رلاتا تھا، خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر لوگوں سے کہتا تم بھی غلاف کعبہ پکڑ کر عہد کرو کہ سب مل کر مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑیں گے، حضور اقدس ﷺ کی شان میں ہجو کے قصیدے کہنے شروع کیے، اس کی یہ حرکتیں جب حد سے بڑھ گئیں تو حضور اکرم ﷺ نے ایک روز فرمایا: **مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ فَإِنَّهُ قَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ** کون ہے جو (اس

یہودی) کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگائے، کہ اس نے اللہ اور اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (ان کا تعلق انصار کے قبیلہ اوس سے تھا بدر میں اور دیگر تمام مشاہد میں شریک ہوئے ان کا انتقال ۴۳ یا ۴۶ ہجری میں مدینہ منورہ میں ۷۷ سال کی عمر میں ہوا) کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ آپ یہ پسند فرمائیں گے کہ میں اس کو قتل کردوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نَعَمْ (ہاں) تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: فَأْذَنْ لِي أَنْ أَقُولَ شَيْئًا آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں توریہ (ذو معنی الفاظ) سے کام لیتے ہوئے کچھ باتیں کروں (جن سے وہ خوش ہوجائے اور پھر مجھے اس کو قابو میں کرنا آسان ہوجائے)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی، کیونکہ جنگ میں ایسی چال چلنا جس سے دشمن دھوکے میں پڑ جائے اس کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ تو بخاری کی روایت ہے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن اشرف کے قتل کی اجازت دے دی، تو یہ متفکر تھے اور سوچتے تھے کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ دو تین دن سوچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت! اس کی اجازت ہے کہ میں اس سے ملوں اور ملنے کے بعد اس کو مطمئن کرنے کے لئے ابہام و اجمال کی صورت میں اس سے چند باتیں کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔

بہر حال محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے، ان کے ساتھ حضرت ابو نائلہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حارث بن اوس رضی اللہ عنہ بھی تھے، کعب بن اشرف کے پاس آ کر انہوں نے کہا: إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ قَدْ سَأَلَنَا صَدَقَةً وَإِنَّهُ قَدْ عَنَّانَا وَإِنِّي قَدْ أَتَيْتُكَ أَسْتَسْلِفُكَ یہ آدمی (مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں) ہم سے صدقہ کا مطالبہ کرتا ہے اور اس نے ہمیں مشقت میں ڈال دیا ہے، میں تمہارے پاس قرضہ مانگنے کے لیے آیا ہوں، کعب بن اشرف نے یہ سن کر کہا وَأَيْضًا وَاللهِ لَتَمَلُّنَّهُ خدا کی قسم تم اس سے اور بھی زیادہ اکتا جاؤ گے یعنی ابھی تو ابتدا ہے آگے آگے دیکھو کیا صورتحال پیدا ہوتی ہے ابھی تو اور اکتانا پڑے گا۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: إِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاهُ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَدَعَهُ حَتّٰى نَنْظُرَ إِلٰى أَيِّ شَيْءٍ يَصِيْرُ شَأْنُهُ ہم نے ان کی پیروی کی ہے بس ہم اب نہیں چاہتے کہ انہیں چھوڑ دیں یہاں تک کہ ہم دیکھیں کہ انجام کیا ہوتا ہے؟ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا اس بات سے مقصد یہ تھا کہ ہمیں اسلام کے غلبہ کا انتظار ہے، ابھی تو آزمائش چل رہی ہے اور آگے چل کر ان شاء اللہ اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا، لیکن کعب بن اشرف اس کلام سے اپنی ذہنیت کی وجہ سے یہ سمجھا کہ یہ لوگ اپنی جان چھڑانے کے لئے پریشان ہیں (نعوذ باللہ)۔

وَقَدْ أَرَدْنَا أَنْ تُسْلِفَنَا وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ: ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک یا دو وسق قرضہ دیں، کعب ابن اشرف نے کہا میں تمہیں قرضہ دینے کے تیار ہوں لیکن میرے پاس کوئی چیز رہن رکھو، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں

نے کہا کہ کون سی چیز ہم آپ کے پاس رہن رکھیں؟ کہنے لگا اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو، انہوں نے کہا ہم اپنی عورتوں کو آپ کے پاس کس طرح رہن رکھ سکتے ہیں آپ تو عرب کے حسین ترین آدمی ہیں، (اگر ہماری عورتیں فتنے میں پڑ گئیں تو ہمارا کیا بنے گا) تو وہ کہنے لگا کہ پھر اپنے بیٹوں کو میرے پاس رہن رکھ دو، انہوں نے کہا کہ ہم اپنے بیٹوں کو آپ کے پاس کیسے رہن رکھ سکتے ہیں بعد میں ان کو زندگی بھر طعنے دیئے جائیں گے کہ یہ وہ ہیں جو ایک وسق یا دو وسق کے عوض رہن رکھے گئے تھے، یہ ہمارے لئے عار ہیں، **وَلٰكِنَّا نَرْهَنُكَ اللَّأْمَةَ** ہاں البتہ ہم آپ کے پاس ہتھیار گروی رکھ سکتے ہیں۔سفیان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ **اللامة** سے مراد اسلحہ اور ہتھیار ہیں، محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی ہتھیار گروی رکھنے کی پیشکش کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ اگر کعب بن اشرف ہتھیار گروی رکھنے پر راضی ہو جاتا ہے تو ہمیں اس کے قلعے میں ہتھیار لے کر آنے کا جواز مل جائے گا، جس سے اس کے قتل میں آسانی ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بہر حال محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس آنے کا وعدہ کر لیا اور رات کو اس کے پاس آئے، ان کے ساتھ ابو نائلہ (سلکان بن سلامہ) رضی اللہ عنہ بھی تھے جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے، کعب نے انہیں اپنے قلعہ کے پاس بلایا اور خود قلعہ سے ان کی جانب نیچے اترا، کعب کی بیوی نے اس سے کہا کہ رات کے اس اندھیرے میں کہاں جا رہے ہو؟ تو کعب نے کہا کہ محمد بن مسلمہ اور میرے بھائی ابو نائلہ آئے ہیں، ان سے مل کر واپس آتا ہوں۔

عمرو بن دینار کے سوا دوسرے راوی فرماتے ہیں کہ کعب بن اشرف کی بیوی نے اس موقع پر یہ بھی کہا تھا کہ میں نے تو ایسی آواز سنی ہے جس سے خون کے قطرے ٹپکتے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں، لہٰذا تم گھر سے نہ نکلو، کعب نے کہا اپنے بھائی محمد بن مسلمہ اور دودھ شریک ابو نائلہ کے پاس جا رہا ہوں وہ بلا رہے ہیں کیوں کہ **إِنَّ الْكَرِيْمَ لَوْ دُعِيَ إِلٰى طَعْنَةٍ بِلَيْلٍ لَأَجَابَ** معزز آدمی کو اگر رات میں بھی نیزہ بازی کی طرف بلایا جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔

عمرو بن دینارؒ (راوی) کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ دو آدمی لائے اور عمروؒ کے علاوہ دوسرے راوی کہتے ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ تین صحابہ کرام ابو عبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم کو لائے تھے، جبکہ بعض روایات میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صرف ابو نائلہ رضی اللہ عنہ کا ہونا مذکور ہے، لیکن درحقیقت یہ کل پانچ آدمی تھے: ❶ محمد بن مسلمہ۔ ❷ ابو نائلہ۔ ❸ ابو عبس بن جبر۔ ❹ حارث بن اوس۔ ❺ عباد بن بشر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان سب حضرات کا تعلق انصار کے قبیلۂ اوس سے تھا۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں کعب کا سر سونگھنے کے بہانے اس کے سر کو پکڑنے کی کوشش کروں گا، جب تمہیں یقین ہو جائے کہ میں اس کے سر پر مکمل قابو پا چکا ہوں تو تم اس کو مار ڈالنا۔

فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ مُتَوَشِّحًا وَهُوَ يَنْفَحُ مِنْهُ رِيْحُ الطِّيْبِ: کعب چادر اوڑھے ہوئے ان حضرات کی طرف آیا،

خوشبو اس کے جسم سے پھیل رہی تھی تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ میں نے ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی، کعب نے کہا میری بیوی عرب کی حسین وجمیل عورت ہے جو ہر وقت عطر وخوشبو میں بسی رہتی ہے، اس پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں آپ کا سر سونگھوں؟ کعب کہنے لگا ہاں سونگھ لیجیے، چنانچہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کا سر سونگھا اور اپنے ساتھیوں کو سنگھایا، محمد بن مسلمہ نے دوبارہ سر سونگھنے کی اجازت مانگی، کعب ابن اشرف نے دوبارہ اجازت دے دی، چنانچہ جب سونگھتے ہوئے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سر کو اچھی طرح قابو کر لیا، تو اپنے ساتھیوں سے کہا **دُوْنَكُمْ** (حملہ کردو) چنانچہ انہوں نے حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شاتم وموذی کے قتل کی خبر سن کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

یہ واقعہ کب پیش آیا؟

❶ بعض حضرات کے نزدیک کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ ۱۴ ربیع الاول سن ۳ ہجری کو پیش آیا۔

❷ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ رمضان سن ۳ ہجری کو یہ واقعہ پیش آیا۔

بَابُ قَتْلِ أَبِي رَافِعٍ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي الْحُقَيْقِ

ابو رافع یہودی عبداللہ بن ابی الحقیق کے قتل کا قصہ

وَ يُقَالُ سَلَّامُ بْنُ أَبِي الْحُقَيْقِ كَانَ بِخَيْبَرَ وَ يُقَالُ فِيْ حِصْنٍ لَّهُ بِأَرْضِ الْحِجَازِ وَ قَالَ الزُّهْرِيُّ هُوَ بَعْدَ كَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ

اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کا نام سلام بن ابی الحقیق تھا، یہ خیبر میں رہتا تھا، بعضوں نے کہا ایک قلعہ میں رہتا جو حجاز میں واقع تھا، زہری نے کہا ابو رافع، کعب بن اشرف کے بعد قتل ہوا

حَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اٰدَمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ زَائِدَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ رَهْطًا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آدمیوں کو ابورافع کے پاس بھیجا

إِلٰى أَبِيْ رَافِعٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَتِيْكٍ بَيْتَهُ لَيْلًا وَ هُوَ نَائِمٌ فَقَتَلَهُ

(منجملہ ان کے) عبداللہ بن عتیک رات کو اس کے گھر میں گھسے، وہ سو رہا تھا تو اسے قتل کیا۔

حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسٰى عَنْ إِسْرَائِيْلَ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى أَبِيْ رَافِعٍ الْيَهُوْدِيِّ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع یہودی (کے قتل) کے لیے

رِجَالًا مِّنَ الْأَنْصَارِ وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَتِيْكٍ وَكَانَ أَبُوْ رَافِعٍ يُؤْذِيْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى

چند انصاری صحابہ کو بھیجا اور عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا۔ یہ ابورافع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیا کرتا تھا

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يُعِيْنُ عَلَيْهِ وَكَانَ فِيْ حِصْنٍ لَّهُ بِأَرْضِ الْحِجَازِ فَلَمَّا دَنَوْا مِنْهُ وَ قَدْ غَرَبَتِ
اور آپ کے دشمنوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ حجاز میں اس کا ایک قلعہ تھا اور وہ وہیں رہا کرتا تھا۔ جب یہ اس کے قلعہ کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا

الشَّمْسُ وَرَاحَ النَّاسُ بِسَرْحِهِمْ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ لِأَصْحَابِهِ اجْلِسُوْا مَكَانَكُمْ فَإِنِّيْ مُنْطَلِقٌ
اور لوگ اپنے مویشی لے کر (اپنے گھروں کو) واپس ہو چکے تھے۔عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرے رہو میں جا رہا ہوں

وَ مُتَلَطِّفٌ لِلْبَوَّابِ لَعَلِّيْ أَنْ أَدْخُلَ فَأَقْبَلَ حَتّٰى دَنَا مِنَ الْبَابِ ثُمَّ تَقَنَّعَ بِثَوْبِهِ كَأَنَّهُ يَقْضِيْ
اور دربان پر کوئی تدبیر کروں گا تا کہ اندر جانے میں کامیاب ہو جاؤں، چنانچہ وہ قلعہ کے دروازے کے قریب پہنچ کر انہوں نے خود کو اپنے کپڑوں میں اس طرح چھپا لیا جیسے کوئی

حَاجَةً وَ قَدْ دَخَلَ النَّاسُ فَهَتَفَ بِهِ الْبَوَّابُ يَا عَبْدَ اللهِ إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ أَنْ تَدْخُلَ فَادْخُلْ
قضائے حاجت کر رہا ہو، قلعہ کے تمام آدمی اندر داخل ہو چکے تھے، تو دربان نے آواز دی، اے اللہ کے بندے! اگر اندر آنا ہے تو جلد آ جا،

فَإِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أُغْلِقَ الْبَابَ فَدَخَلْتُ فَكَمَنْتُ فَلَمَّا دَخَلَ النَّاسُ أَغْلَقَ الْبَابَ ثُمَّ عَلَّقَ
میں اب دروازہ بند کر دوں گا (عبداللہ بن عتیک ؓ کہتے ہیں) کہ میں بھی اندر چلا گیا اور چھپ کر اس کی کارروائی دیکھنے لگا۔ جب سب لوگ اندر آ گئے تو اس نے دروازہ بند کیا

الْأَغَالِيْقَ عَلٰى وَدٍّ قَالَ فَقُمْتُ إِلَى الْأَقَالِيْدِ فَأَخَذْتُهَا فَفَتَحْتُ الْبَابَ وَكَانَ أَبُوْ رَافِعٍ يُسْمَرُ
اور کنجیوں کا گچھا ایک کھونٹی پر لٹکا دیا، وہ فرماتے ہیں کہ اب میں ان کنجیوں کی طرف بڑھا اور میں نے انہیں لے لیا، پھر میں نے قلعہ کا دروازہ کھول لیا۔ ابورافع کے پاس رات کے

عِنْدَهُ وَكَانَ فِيْ عَلَالِيَّ لَهُ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْهُ أَهْلُ سَمَرِهِ صَعِدْتُّ إِلَيْهِ فَجَعَلْتُ كُلَّمَا فَتَحْتُ بَابًا
وقت داستانیں بیان کی جا رہی تھیں اور وہ اپنے خاص بالا خانے میں تھا۔ جب داستان گو اس کے پاس سے چلے گئے تو میں اس کمرے کی طرف چڑھنے لگا۔ اس عرصہ میں، میں جتنے

أَغْلَقْتُ عَلَيَّ مِنْ دَاخِلٍ قُلْتُ إِنَّ الْقَوْمَ لَوْ نَذِرُوْا بِيْ لَمْ يَخْلُصُوْا إِلَيَّ حَتّٰى أَقْتُلَهُ فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ
دروازے اس تک پہنچنے کے لیے کھولتا تھا انہیں اندر سے بند کرتا جاتا تھا تا کہ اگر لوگوں کو میرے متعلق علم ہو جائے تو اس وقت تک مجھ تک نہ پہنچ سکیں جب تک میں اسے قتل نہ کر لوں،

فَإِذَا هُوَ فِيْ بَيْتٍ مُّظْلِمٍ وَسْطَ عِيَالِهِ لَا أَدْرِيْ أَيْنَ هُوَ مِنَ الْبَيْتِ قُلْتُ أَبَا رَافِعٍ قَالَ مَنْ
آخر میں اس کے قریب پہنچ گیا، اور وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے بال بچوں کے ساتھ تھا مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں ہے۔ اس لیے میں نے آواز دی، یا ابا رافع؟ وہ بولا

هٰذَا؟ فَأَهْوَيْتُ نَحْوَ الصَّوْتِ فَأَضْرِبُهُ ضَرْبَةً بِالسَّيْفِ وَ أَنَا دَهِشٌ فَمَا أَغْنَيْتُ شَيْئًا وَ صَاحَ
کون ہے؟ اب میں نے آواز کی طرف بڑھ کر تلوار کی ایک ضرب لگائی، میں اس وقت دہشت زدہ تھا، چنانچہ میں اس کا کام تمام نہیں کر سکا۔ وہ چیخا

فَخَرَجْتُ مِنَ الْبَيْتِ فَأَمْكُثُ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ دَخَلْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ مَا هٰذَا الصَّوْتُ يَا أَبَا رَافِعٍ؟
تو میں کمرے سے باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر تک باہر ہی ٹھہرا رہا، پھر دوبارہ اندر گیا اور میں نے آواز بدل کر پوچھا، ابورافع! یہ آواز کیسی تھی؟

فَقَالَ لِأُمِّكَ الْوَيْلُ إِنَّ رَجُلًا فِي الْبَيْتِ ضَرَبَنِيْ قَبْلُ بِالسَّيْفِ قَالَ فَأَضْرِبُهُ ضَرْبَةً أَثْخَنَتْهُ
وہ بولا تیری ماں غارت ہو گھر میں کوئی ہے جس نے تلوار سے مجھ پر حملہ کیا ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ پھر میں نے (آواز کے اندازے سے) ایک ضرب اور لگائی۔ جس سے وہ زخمی

وَلَمْ أَقْتُلْهُ ثُمَّ وَضَعْتُ ضَبِيْبَ السَّيْفِ فِيْ بَطْنِهِ حَتّٰى أَخَذَ فِيْ ظَهْرِهِ فَعَرَفْتُ أَنِّيْ قَتَلْتُهُ
تو ہو گیا لیکن وہ ابھی مرا نہیں تھا۔ اس لیے میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھ کر دبائی جو اس کی پیٹھ تک پہنچ گئی۔ مجھے اب یقین ہو گیا کہ میں اسے قتل کر چکا ہوں۔

فَجَعَلْتُ أَفْتَحُ الْأَبْوَابَ بَابًا بَابًا حَتّٰى انْتَهَيْتُ إِلٰى دَرَجَةٍ لَّهُ فَوَضَعْتُ رِجْلِيْ وَ أَنَا أُرٰى أَنِّيْ
چنانچہ میں نے دروازے ایک ایک کر کے کھولنے شروع کیے۔ آخر میں ایک زینے پر پہنچا۔ میں یہ سمجھا کہ میں زمین تک پہنچ چکا ہوں (لیکن ابھی میں پہنچا نہیں تھا)

قَدِ انْتَهَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ فَوَقَعْتُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّقْمِرَةٍ فَانْكَسَرَتْ سَاقِيْ فَعَصَبْتُهَا بِعِمَامَةٍ
اس لیے میں نے اس پر پاؤں رکھ دیا اور نیچے گر پڑا، چاندنی رات تھی۔ اس طرح گر پڑنے سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی، تو میں نے اسے اپنے عمامہ سے باندھ لیا

ثُمَّ انْطَلَقْتُ حَتَّى جَلَسْتُ عَلَى الْبَابِ فَقُلْتُ لَا أَخْرُجُ اللَّيْلَةَ حَتَّى أَعْلَمَ أَقَتَلْتُهُ؟ فَلَمَّا صَاحَ

پھر میں آ کر دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک یہ نہ معلوم کر لوں کہ آیا میں اسے قتل کر چکا ہوں یا نہیں؟ جب مرغ نے

الدِّيكُ قَامَ النَّاعِيُ عَلَى السُّورِ فَقَالَ أَنْعَى أَبَا رَافِعٍ تَاجِرَ أَهْلِ الْحِجَازِ فَانْطَلَقْتُ إِلَى أَصْحَابِي

آواز دی تو اسی وقت قلعہ کی فصیل پر ایک پکارنے والے نے کھڑے ہو کر پکارا کہ میں اہل حجاز کے تاجر ابورافع کی موت کا اعلان کرتا ہوں، تو میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا

فَقُلْتُ النَّجَاءَ فَقَدْ قَتَلَ اللهُ أَبَا رَافِعٍ فَانْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ

اور ان سے کہا کہ چلنے کی جلدی کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ابورافع کو قتل کرا دیا۔ چنانچہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس کی اطلاع دی۔

فَقَالَ ابْسُطْ رِجْلَكَ فَبَسَطْتُ رِجْلِي فَمَسَحَهَا فَكَأَنَّمَا لَمْ أَشْتَكِهَا قَطُّ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلاؤ میں نے پاؤں پھیلایا تو آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا اور پاؤں اتنا اچھا ہو گیا جیسے کبھی اس میں مجھے تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا شُرَيْحٌ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

ابواسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے سنا، کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي رَافِعٍ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَتِيكٍ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عُتْبَةَ فِي نَاسٍ مَعَهُمْ فَانْطَلَقُوا

اور عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو چند صحابہ کے ساتھ ابورافع (کے قتل) کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ روانہ ہوئے

حَتَّى دَنَوْا مِنَ الْحِصْنِ فَقَالَ لَهُمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَتِيكٍ امْكُثُوا أَنْتُمْ حَتَّى أَنْطَلِقَ أَنَا فَأَنْظُرَ

جب اس کے قلعہ کے نزدیک پہنچے تو عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ یہیں ٹھہر جاؤ پہلے میں جاتا ہوں، دیکھوں صورت حال کیا ہے۔

قَالَ فَتَلَطَّفْتُ أَنْ أَدْخُلَ الْحِصْنَ فَفَقَدُوا حِمَارًا لَّهُمْ قَالَ فَخَرَجُوا بِقَبَسٍ يَّطْلُبُونَهُ

عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اندر جانے کے لیے تدابیر کرنے لگا۔ اتفاق سے قلعہ والوں کا ایک گدھا گم تھا۔ اس گدھے کو تلاش کرنے کے لیے قلعہ والے روشنی لے کر

قَالَ خَشِيتُ أَنْ أُعْرَفَ قَالَ فَغَطَّيْتُ رَأْسِي وَ رِجْلِي وَ جَلَسْتُ كَأَنِّي أَقْضِي حَاجَةً ثُمَّ نَادَى

باہر نکلے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں مجھے کوئی پہچان نہ لے۔ اس لیے میں نے اپنا سر ڈھک لیا اور ایسے بیٹھ گیا جیسے کوئی قضائے حاجت کر رہا ہے۔ اس کے بعد دربان نے

صَاحِبُ الْبَابِ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّدْخُلَ فَلْيَدْخُلْ قَبْلَ أَنْ أُغْلِقَهُ فَدَخَلْتُ ثُمَّ اخْتَبَأْتُ فِي مَرْبِطِ

آواز دی کہ اس سے پہلے کہ میں دروازہ بند کر لوں جسے قلعہ کے اندر داخل ہونا ہے وہ جلدی آ جائے۔ میں (نے موقع غنیمت سمجھا اور) اندر داخل ہو گیا اور قلعہ کے دروازے کے پاس

حِمَارٍ عِنْدَ بَابِ الْحِصْنِ فَتَعَشَّوْا عِنْدَ أَبِي رَافِعٍ وَ تَحَدَّثُوا حَتَّى ذَهَبَتْ سَاعَةٌ مِّنَ اللَّيْلِ ثُمَّ

جہاں گدھے باندھے جاتے تھے وہیں چھپ گیا۔ قلعہ والوں نے ابورافع کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر اس سے بات چیت کرتے رہے۔ آخر کچھ رات گئے وہ سب قلعہ کے اندر ہی

رَجَعُوا إِلَى بُيُوتِهِمْ فَلَمَّا هَدَأَتِ الْأَصْوَاتُ وَ لَا أَسْمَعُ حَرَكَةً خَرَجْتُ قَالَ وَ رَأَيْتُ صَاحِبَ

اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اب سناٹا چھا چکا تھا اور کہیں کوئی حرکت سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس لیے میں وہاں سے باہر نکلا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ

الْبَابِ حَيْثُ وَضَعَ مِفْتَاحَ الْحِصْنِ فِي كَوَّةٍ فَأَخَذْتُهُ فَفَتَحْتُ بِهِ بَابَ الْحِصْنِ قَالَ قُلْتُ إِنْ

دربان نے چابی ایک طاق میں رکھی ہے۔ میں نے پہلے چابی اپنے قبضہ میں لے لی اور پھر سب سے پہلے قلعہ کا دروازہ کھولا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر قلعہ والوں کو

نَذِرَ بِيَ الْقَوْمُ انْطَلَقْتُ عَلَى مَهَلٍ ثُمَّ عَمَدْتُّ إِلَى أَبْوَابِ بُيُوتِهِمْ فَغَلَّقْتُهَا عَلَيْهِمْ مِّنْ ظَاهِرٍ

میرا علم ہو گیا تو میں بڑی آسانی کے ساتھ بھاگ سکوں گا۔ اس کے بعد میں نے ان کے کمروں کے دروازے کھولنے شروع کئے اور انہیں اندر سے بند کرتا جاتا تھا۔

ثُمَّ صَعِدْتُّ إِلَى أَبِي رَافِعٍ فِي سُلَّمٍ فَإِذَا الْبَيْتُ مُظْلِمٌ قَدْ طُفِئَ سِرَاجُهُ فَلَمْ أَدْرِ أَيْنَ الرَّجُلُ

اب میں زینے سے ابو رافع کے بالاخانوں تک پہنچا تو اس کے کمرہ میں اندھیرا تھا کمرے کا چراغ گل کر دیا گیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ ابورافع کہاں ہے۔

فَقُلْتُ يَا أَبَا رَافِعٍ قَالَ مَنْ هٰذَا؟ قَالَ فَعَمَدْتُ نَحْوَ الصَّوْتِ فَأَضْرِبُهُ وَ صَاحَ فَلَمْ تُغْنِ شَيْئًا

اس لیے میں نے آواز دی۔ اے ابورافع! وہ بولا کہ کون ہے؟ میں آواز کی طرف بڑھا اور تلوار سے اس پر حملہ کیا۔ وہ چلانے لگا لیکن یہ وار اوچھا پڑا تھا۔

قَالَ ثُمَّ جِئْتُ كَأَنِّيْ أُغِيْثُهُ فَقُلْتُ مَا لَكَ يَا أَبَا رَافِعٍ وَ غَيَّرْتُ صَوْتِيْ؟ فَقَالَ أَلَا أُعَجِّبُكَ لِأُمِّكَ

وہ فرماتے ہیں کہ پھر دوبارہ میں اس کے قریب پہنچا، گویا میں اس کی مدد کو آیا ہوں۔ میں نے آواز بدل کر پوچھا۔ ابورافع کیا بات پیش آئی ہے؟ اس نے کہا کیا تجھے تعجب نہیں تیری ماں

الْوَيْلُ دَخَلَ عَلَيَّ رَجُلٌ فَضَرَبَنِيْ بِالسَّيْفِ قَالَ فَعَمَدْتُ لَهُ أَيْضًا فَأَضْرِبُهُ أُخْرٰى فَلَمْ تُغْنِ

غارت ہو، ابھی کوئی شخص میرے کمرے میں آ گیا اور اس نے تلوار سے مجھ پر حملہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس مرتبہ پھر میں نے اس کی آواز کی طرف بڑھ کر دوبارہ حملہ کیا۔ اس حملہ

شَيْئًا فَصَاحَ وَقَامَ أَهْلُهُ قَالَ ثُمَّ جِئْتُ وَ غَيَّرْتُ صَوْتِيْ كَهَيْئَةِ الْمُغِيْثِ وَإِذَا هُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى

میں بھی وہ قتل نہ ہو سکا۔ پھر وہ چلانے لگا اور اس کی بیوی بھی اٹھ گئی۔ انہوں نے بیان کیا کہ پھر میں بظاہر مددگار بن کر پہنچا اور میں نے اپنی آواز بدل لی۔ اس وقت وہ چت لیٹا ہوا تھا۔

ظَهْرِهٖ فَأَضَعُ السَّيْفَ فِيْ بَطْنِهٖ ثُمَّ أَنْكَفِئُ عَلَيْهِ حَتّٰى سَمِعْتُ صَوْتَ الْعَظْمِ ثُمَّ خَرَجْتُ دَهِشًا

میں نے اپنی تلوار اس کے پیٹ پر رکھ کر زور سے اسے دبایا۔ آخر جب میں نے ہڈی ٹوٹنے کی آواز سن لی تو میں بہت گھبرایا ہوا وہاں سے نکلا،

حَتّٰى أَتَيْتُ السُّلَّمَ أُرِيْدُ أَنْزِلُ فَأَسْقُطُ مِنْهُ فَانْخَلَعَتْ رِجْلِيْ فَعَصَّبْتُهَا ثُمَّ أَتَيْتُ أَصْحَابِيْ

یہاں تک کہ میں زینے پر پہنچا، میں اترنا چاہتا تھا کہ نیچے گر پڑا۔ جس سے میرا پاؤں ٹوٹ گیا۔ میں نے اس پر پٹی باندھی اور لنگڑاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔

أَحْجُلُ فَقُلْتُ انْطَلِقُوْا فَبَشِّرُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّيْ لَا أَبْرَحُ حَتّٰى أَسْمَعَ

میں نے ان سے کہا کہ تم لوگ جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری سناؤ۔ میں تو یہاں سے اس وقت تک نہیں ہٹوں گا جب تک کہ اس کی موت کا اعلان

النَّاعِيَةَ فَلَمَّا كَانَ فِيْ وَجْهِ الصُّبْحِ صَعِدَ النَّاعِيَةُ فَقَالَ أَنْعٰى أَبَا رَافِعٍ قَالَ فَقُمْتُ أَمْشِيْ مَا بِيْ

نہ سن لوں۔ چنانچہ صبح کے وقت موت کا اعلان کرنے والا (قلعہ کی فصیل پر) چڑھا اور اس نے اعلان کیا کہ ابورافع کی موت واقع ہوگئی ہے۔ پھر میں چلنے کے لیے اٹھا، مجھے کوئی تکلیف

قَلَبَةٌ فَأَدْرَكْتُ أَصْحَابِيْ قَبْلَ أَنْ يَأْتُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَبَشَّرْتُهُ

محسوس نہیں ہورہی تھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو آپ ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے پا لیا پھر میں نے نبی کریم ﷺ کو خوشخبری سنائی۔

اس باب میں ابورافع عبداللہ بن ابی الحقیق کے قتل کا بیان ہے، اس کو سلام بن ابی الحقیق بھی کہتے ہیں، یہ بنونضیر سے تھا، جب بنونضیر جلاوطن کئے گئے، تو یہ بھی جلاوطن ہو کر خیبر میں آباد ہوا، ایک قول یہ بھی ہے کہ کہ سرزمین حجاز میں اپنے قلعہ میں رہتا تھا، ہوسکتا ہے کہ اس کا قلعہ خیبر اور حجاز کے درمیان سرحد پر ہو، اس طرح دونوں اقوال میں تطبیق ہو جائے گی۔

ابورافع مال دار یہودیوں میں سے تھا، اس کا معاملہ بھی کعب بن اشرف جیسا ہی تھا کیونکہ یہ بھی مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا تھا، امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ غزوۂ خندق میں بنی غطفان کو مسلمانوں پر چڑھائی کرنے پر اسی نے آمادہ کیا تھا، انصار میں قبیلہ اوس کے حضرات نے جب کعب بن اشرف کا کام تمام کیا تو قبیلہ خزرج نے ابورافع کو ٹھکانے لگانے کا ارادہ کیا، کیونکہ انصار کے یہ دونوں قبیلے نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اور چند خزرجی صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے ابورافع کو قتل کرنے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے اجازت دے دی، اس کے قتل کا واقعہ کب پیش آیا، اس میں مختلف اقوال ہیں:

بعض حضرات کی رائے کے مطابق رجب سن ۳ ہجری میں اسے قتل کیا گیا، بعض کے نزدیک سن ۴ ہجری میں یہ واقعہ پیش آیا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ سن ۵ ہجری میں ابورافع کو قتل کیا گیا، جبکہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ واقعہ سن ۶ ہجری کا ہے۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے خیال کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے وہم قرار دیا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے غزوۂ خندق کے بعد سن ۶ ہجری میں ابورافع کے قتل کو راجح قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ہجرت کا چھٹا سال ہی نقل کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کر کے صرف اتنا بتا دیا کہ کعب بن اشرف کے قتل کے بعد ابورافع کے قتل کا واقعہ پیش آیا اور کعب بن اشرف کا قتل سن ۳ ہجری میں ہوا ہے۔

ابورافع کے قتل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابورافع یہودی کو قتل کرنے کے لئے انصار میں سے چند آدمیوں کو بھیجا، چنانچہ جب یہ ابورافع کے قلعہ کے قریب پہنچے۔ وَقَدْ غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَرَاحَ النَّاسُ بِسَرْحِهِمْ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے جانور مویشی چرا کر واپس ہو چکے تھے۔ سرح ان مویشیوں کو کہتے ہیں جن میں اونٹ، گائے، بکریاں اور بھیڑ ہوں، حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم یہیں بیٹھے رہو، فَإِنِّيْ مُنْطَلِقٌ وَمُتَلَطِّفٌ لِلْبَوَّابِ میں جا کر دربان کے پاس کوئی تدبیر اختیار کرتا ہوں، ممکن ہے کہ اندر جانے کا موقع مل جائے، چنانچہ دروازہ کے پاس آ کر یہ اپنے آپ کو کپڑے میں چھپا کر بیٹھ گئے کہ گویا قضائے حاجت کے لئے بیٹھے ہیں، قلعے کے اندر جب تمام لوگ داخل ہو گئے تو دربان نے آواز دی: اے اللہ کے بندے! اگر اندر آنے کا ارادہ ہے تو آ جاؤ میں دروازہ بند کرتا ہوں"۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آواز سن کر میں اندر داخل ہو گیا اور قلعے کے دروازے کے اندر گدھوں کے اصطبل میں چھپ کر بیٹھ گیا، جب سب لوگ اندر آ گئے تو دربان نے دروازہ بند کر دیا۔

ثُمَّ عَلَّقَ الْأَغَالِيْقَ عَلَى وَدٍّ: (پھر دربان نے چابیاں کھونٹی (میخ) پر لٹکا دیں) ود (بفتح الواؤ و تشديد الدال) میخ کو کہتے ہیں عام طور پر میخ کے لئے عربی زبان میں وتد کا لفظ استعمال ہوتا ہے، علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وتد میں تا کو دال سے بدل کر دال میں ادغام کر کے ودّ بنا دیا گیا ہے۔ الاغالیق یہ غلق کی جمع ہے، اس سے مراد چابیاں ہیں، اصل میں غلق تالے کو کہتے ہیں، البتہ کبھی چابی کو بھی غلق کہہ دیا جاتا ہے۔

قَالَ فَقُمْتُ إِلَى الْأَقَالِيْدِ فَأَخَذْتُهَا فَفَتَحْتُ الْبَابَ: عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کنجیاں اٹھائیں اور قلعے کا دروازہ کھولا جیسا کہ اگلی روایت میں ہے۔ الاقالید یہ اقلید کی جمع ہے، چابی کو کہتے ہیں۔

وَكَانَ أَبُوْ رَافِعٍ يُسْمَرُ عِنْدَهُ وَكَانَ فِيْ عَلَالِيَّ لَهُ: ابورافع کے یہاں رات کو قصہ گوئی کی جاتی تھی، اور ابورافع اپنے بالا خانوں میں رہتا تھا۔ علالی یہ عُلِيّة (بضم العين و كسرها و كسر اللام و تشديدها و تشديد

الیاء) کی جمع ہے، بالا خانے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ جب قصہ سنانے والے لوگ ابورافع کے پاس سے چلے گئے تو میں اس کمرے کی طرف گیا، جب بھی میں کوئی دروازہ کھولتا تو اسے اندر سے بند کر دیتا تھا تا کہ اگر شور شرابہ ہو کر پتہ لگ جائے تو کوئی اندر نہ آ سکے یہاں تک کہ میں اسے قتل کر دوں، بہر حال میں ابورافع کے پاس پہنچ گیا، وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے اہل وعیال سمیت لیٹا ہوا تھا لیکن اندھیرے کی وجہ سے مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ابورافع گھر میں کس جگہ ہے؟ اس لئے میں نے آواز لگائی ابورافع وہ بولا: کون ہے؟ تو جس جانب سے آواز آئی اسی جانب بڑھ کر میں نے تلوار سے ایک وار کیا، لیکن میں گھبرایا ہوا تھا اس لئے کامیاب نہ ہو سکا، ابورافع چلانے لگا تو میں کمرے سے باہر آ گیا اور تھوڑی دیر باہر رک کر پھر دوبارہ اس کے کمرے میں گیا اور آواز تبدیل کر کے میں نے کہا، "ابورافع! یہ کیسی آوازیں آ رہی ہیں؟" وہ کہنے لگا کہ تیری ماں کی ہلاکت ہو، ایک آدمی نے ابھی کچھ دیر قبل مجھ پر حملہ کیا ہے، تو میں نے اچھی طرح جانچ لیا کہ اس کی آواز کہاں سے آ رہی ہے تو میں نے ایک گہری ضرب لگائی لیکن اس سے بھی میں اسے قتل نہ کر سکا۔ ثُمَّ وَضَعْتُ ضَبِيْبَ السَّيْفِ فِي بَطْنِهِ حَتّٰى أَخَذَ فِي ظَهْرِهِ فَعَرَفْتُ أَنِّي قَتَلْتُهُ تو میں نے تلوار کی دھار اس کے پیٹ پر رکھی یہاں تک کہ اس نے اس کی کمر کو پکڑ لیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اس کو قتل کر دیا۔ دوسری روایت میں ہے فَأَضَعُ السَّيْفَ فِي بَطْنِهِ ثُمَّ أَنْكَفِئُ عَلَيْهِ حَتّٰى سَمِعْتُ صَوْتَ الْعَظْمِ یعنی میں نے تلوار اس کے پیٹ پر رکھی اور پھر اس کو دبا دیا یہاں تک کہ مجھے اس کی ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔

ضَبِيْبَ السَّيْفِ: ضبیب کے معنی خون بہنے کے آتے ہیں، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ لفظ یہاں درست نہیں، صحیح لفظ ظبة السیف ہے جس کے معنی تلوار کی دھار کے آتے ہیں، ظبة کی جمع ظبات ہے۔

اب میں واپس ہوا اور ایک ایک دروازہ جو میں نے اندر سے بند کیا تھا اسے کھولنے لگا یہاں تک کہ میں سیڑھی کے پاس پہنچ گیا اور یہ سمجھ کر میں نے اپنا پاؤں نیچے رکھا کہ میں زمین تک پہنچ گیا ہوں حالانکہ زمین ابھی دور تھی، چنانچہ میں سیڑھی سے گر پڑا، چاندنی رات تھی، گرنے کی وجہ سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی تو میں نے اپنی پگڑی سے اسے باندھ لیا۔

ایک روایت میں فانکسرت ساقی ہے کہ پنڈلی ٹوٹ گئی تھی اور دوسری روایت میں فانخلعت رجلی ہے کہ پاؤں کا جوڑ کھل گیا تھا، دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں باتیں ہوئی ہوں گی، جوڑ بھی اتر گیا ہوگا اور ساق کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی ہوگی یا پھر یہ کہئے کہ جوڑ کے کھلنے کو ہڈی کے ٹوٹنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ ابورافع قتل ہو گیا ہے یا نہیں، چنانچہ میں قلعے کے دروازے کے پاس بیٹھا رہا، جب مرغ نے صبح کے وقت اذان دی، تو موت کی خبر دینے والے نے قلعے کی دیوار پر کھڑے ہو کر کہا: أَنْعَى أَبَا رَافِعٍ تَاجِرَ أَهْلِ

الْحِجَازِ اہل حجاز کے تاجر ابورافع کی موت کا میں اعلان کرتا ہوں۔ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی آدمی مرجاتا تو کسی اونچی جگہ چڑھ کر اس کی موت کا اعلان کیا جاتا تھا کہ فلاں آدمی کا انتقال ہوگیا ہے، یہ خبر سن کر میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا، ان سے میں نے کہا، **النَّجَاءَ** جلدی کرو، اللہ تعالیٰ نے ابورافع کو قتل کردیا۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابورافع کی موت کے اعلان کے بعد مجھے بے انتہا خوشی کی وجہ سے اپنے پاؤں کی تکلیف کا کوئی احساس نہیں ہورہا تھا، تکلیف تو تھی لیکن خوشی کے احساس نے تکلیف کے احساس کو ختم کردیا تھا۔ پھر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر تفصیل سنائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **ابْسُطْ رِجْلَكَ** اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے پاؤں پھیلایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا، تو وہ پاؤں ایسا ٹھیک ہوگیا کہ جیسے کبھی مجھے اس میں تکلیف ہی نہ ہوئی ہو۔

اس مہم پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا تھا: ❶ عبداللہ بن عتیک، ❷ مسعود بن سنان، ❸ عبداللہ بن انیس، ❹ ابوقتادہ، ❺ خزاعی بن اسود، ❻ اور عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہم اور حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا تھا اور انہوں نے ہی ابورافع کو قتل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ جنگ اُحد میں بھی شریک تھے اور جنگ یمامہ میں آپ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک ہوئے تھے اور جنگ صفین کے بعد ان کا انتقال ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے **سن ۱۴۴۰ ہجری** میں ہونے والے **شعبۂ بنات** کے امتحان میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ حدیث کا ترجمہ ❷ ابورافع کون تھا؟ ❸ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قتل کرنے کے لئے لشکر کیوں بھیجا تھا؟ ❹ ابورافع کے قتل کا واقعہ تحریر کریں۔

غزوۂ اُحد

اُحدایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے اس پہاڑ کو اُحد اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اکیلا اور منفرد ہے۔ جنگ بدر میں چونکہ کفار قریش کو کاری زخم لگا تھا اس لئے وہ بلبلا رہے تھے اور مسلمانوں سے انتقام کا سوچ رہے تھے، ابوسفیان کا قافلۂ تجارت جس کے تعاقب میں مسلمان مدینہ منورہ سے نکلے تھے، وہ صحیح سلامت مکہ پہنچ گیا تھا، اس قافلہ میں جو سامان تھا وہ بہت زیادہ تھا، سرداران قریش نے فیصلہ کیا کہ اس قافلہ میں جو سامان تجارت تھا اس کی اصلی رقوم (یعنی رأس المال) تو سب شرکاء کو واپس کردی جائیں، البتہ جو نفع ہوا ہے اسے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں صرف کیا جائے، اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے آس پاس کے قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا، چنانچہ یہ تین ہزار آدمیوں پر مشتمل ایک لشکر جرار جمع کرنے میں کامیاب ہوگئے، یہ لشکر ۵ شوال سن ۳ ہجری کو مکہ سے روانہ ہوا، لشکر میں سات سو زرہ پوش تھے، تین ہزار اونٹ تھے، دوسو گھوڑے تھے اور پندرہ خواتین بھی اس ارادے سے ساتھ ہوگئیں کہ وہ رجزیہ اشعار پڑھیں گی اور جنگ لڑنے والوں کو ابھاریں گی، نیز ان کی آبرو اور عزت کی خاطر لوگ جوش وجذبے سے لڑیں گے۔

عباس بن عبدالمطلب جو اس وقت مکہ مکرمہ میں مقیم تھے، انہوں نے فوراً ایک تیز رفتار قاصد کو خط دے کر مکہ سے روانہ کیا اور اس سے کہا کہ تم جلد از جلد مدینہ پہنچو اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس لشکر کی اطلاع کردو، چنانچہ وہ سوار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور صورتحال کی اطلاع کا خط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا۔ رات کو حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے اردگرد پہرہ دیا اور کچھ دستے مقرر کئے گئے کہ وہ مدینہ میں داخل ہونے والے راستوں میں بیٹھ جائیں تاکہ رات کے وقت اچانک حملے کو روکا جاسکے۔ اگلی صبح کو جمعہ تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور ان سے مشورہ لیا کہ کیا صورت اختیار کرنی چاہئے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اکثر بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ مدینہ منورہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے اور مدینہ سے باہر نہ نکلا جائے، لیکن بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے، خصوصاً وہ حضرات جو جنگ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے، وہ شہادت کی آرزو اپنے دل میں لئے ہوئے تھے، ان کو شوق تھا کہ باہر نکل کر اگر مقابلہ کیا جائے تو جام شہادت نوش کرنے کا بہتر موقع ہوگا، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بھی عرض کیا کہ اگر ہم مدینہ میں رہ کر دفاع کریں گے تو کفار سمجھیں گے کہ ہم کمزور اور بزدل ہیں اس لئے باہر نکلنا مناسب ہے۔

عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین بھی ایک تجربہ کار آدمی تھا، اس نے اپنے آپ کو ظاہری طور پر مسلمانوں میں شامل کیا ہوا تھا، اس سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ کیا، تو وہ کہنے لگا کہ مدینہ میں جب بھی اس قسم کا حادثہ پیش آیا ہے تو اگر مدینہ والوں نے شہر میں رہ کر مقابلہ کیا ہے تو انہیں کامیابی ہوئی ہے اور اگر انہوں نے مدینہ سے نکل کر مقابلہ کیا ہے تو ناکام ہوئے ہیں اس لئے میری رائے یہ ہے کہ اندر ہی رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن نوجوانوں کے علاوہ بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات پر مصر پایا کہ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے تو عصر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لے گئے، اس دوران حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ تم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہر سے باہر نکلنے پر مجبور کیا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے کے خلاف اصرار کرنا مناسب نہیں تھا، تو سب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلح ہو کر تشریف لے آئے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم سے غلطی ہوگئی ہے، ہمیں اپنی رائے پہ اصرار نہیں کرنا چاہئے تھا، لہٰذا جیسے آپ کی رائے ہے اسی کے مطابق آپ عمل فرمائیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی نبی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ہتھیار پہننے کے بعد دشمن سے فیصلہ کئے بغیر ہتھیار اتار دے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار کا لشکر ساتھ لے کر بروز جمعہ ۱۵ شوال سن ۳ ہجری مدینہ سے اُحد کی طرف روانہ ہوئے، جمعہ کا دن تھا، اُحد تو قریب ہی تھا لیکن چونکہ روانگی مغرب سے کچھ دیر قبل ہوئی تھی اس لئے راستے میں ایک مقام شیخین پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات گزارنے کا ارادہ فرمایا۔

اگلے دن ہفتہ کی صبح کو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُحد کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تو عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر یہ کہتے ہوئے واپس ہو گیا کہ ہم بلاوجہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہیں ڈال سکتے، ہم نے تو آپ کو مشورہ بھی دیا تھا لیکن آپ نے ہمارے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ منافقین کی علیحدگی کی وجہ سے مسلمانوں کا لشکر کم ہو کر سات سو رہ گیا ان سات سو آدمیوں میں سے ایک سو ۱۰۰ زرہ پوش تھے، ایک گھوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا اور ایک گھوڑا حضرت ابو بردہ بن نیار حارثی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، سارے لشکر میں صرف یہی دو گھوڑے تھے۔

بہرحال ہفتہ ۷ شوال سن ۳ ہجری کو دونوں فوجیں اُحد کے دامن میں آمنے سامنے آگئیں، اُحد کا پہاڑ مسلمانوں کی پشت پر تھا، وہاں ایک ٹیلے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس تیراندازوں کو مقرر کیا اور ان حضرات کو یہ تاکید کی کہ چاہے ہم غالب رہیں یا مغلوب ہوں، کسی صورت بھی تمہیں اپنی جگہ سے نہیں ہٹنا۔

فریقین کی صفیں آمنے سامنے تھیں، لشکر اسلام کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، عرب کے جنگی دستور کے مطابق ابتداء میں انفرادی مقابلہ ہوا، مشرکین کی طرف سے مبارزت کے لئے سب سے پہلے طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے للکارا، لشکر اسلام سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور انہوں نے اس کا کام تمام

کردیا، اس کے بعد اس کا بھائی عثمان بن ابی طلحہ کفار کی طرف سے نکلا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لئے نکلے اور اس کا بھی کام تمام کر دیا، پھر تیسرا بھائی ابوسعد بن ابی طلحہ کفار کی طرف سے مقابلہ کے لئے نکلا، مسلمانوں کی طرف سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نکل کر اسے جہنم رسید کیا، اس کے بعد کفار کی جانب سے مسافع بن طلحہ آیا، حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں اس کو ٹھکانے لگا دیا، پھر اس کا بھائی حارث بن طلحہ آیا، حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کا بھی کام تمام کیا، اس کے بعد تیسرے بھائی جلاس بن طلحہ نے مبارزت کی دعوت دی اور اسے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، اس طرح انفرادی مقابلے میں کفار کے کافی لوگ مارے گئے اور ظاہر ہے اس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا، اس کے بعد عام جنگ شروع ہوگئی، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا، حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی بڑی بے جگری سے لڑتے رہے، جس کی وجہ سے کفار کے قدم اکھڑ گئے اور مرد اور عورتیں سب میدان چھوڑ کر پہاڑ کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوئے اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے لگے۔

اُحد کی پشت پر عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پچاس افراد پر مشتمل تیراندازوں کا دستہ مقرر فرمایا تھا، جب انہوں نے یہ حالت دیکھی تو وہ بھی مال غنیمت جمع کرنے کی غرض سے اپنی جگہ چھوڑنے لگے، عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد یاد دلایا، تو وہ کہنے لگے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد اس سے یہ تھا کہ جنگ کے فیصلہ سے پہلے تم اس مورچے کو نہ چھوڑنا اور اب تو فیصلہ ہوگیا لہٰذا اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ وہ سب چلے گئے اور عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ صرف دس آدمی رہ گئے۔

خالد بن ولید (اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اس وقت لشکر کفار کے میمنہ کے امیر تھے، انہوں نے اُحد کی یہ گھاٹی خالی دیکھ کر اس پر حملہ کر دیا اور وہاں جو گیارہ صحابہ موجود تھے ان سب کو شہید کر دیا اور پشت سے مسلمانوں کے لشکر پر حملہ آور ہوئے، مسلمانوں کو اس حملے کا وہم وگمان بھی نہیں تھا، چنانچہ اس حملے کی وجہ سے صورتحال بدل گئی اور کفار کا جو لشکر پسپائی اختیار کر چکا تھا اس نے بھی پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا، اب مسلمان دونوں طرف سے کفار کے نرغے میں آگئے اور دوست و دشمن کا امتیاز نہ رہا یہاں تک کہ افراتفری کے عالم میں بعض مسلمان خود مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ بھی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے، وہ شہید ہوئے تو کافروں نے یہ مشہور کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہوگئے، اس خبر سے مسلمانوں کے دلوں پر بے ہمتی چھاگئی اور بعض مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو شہید ہوگئے ہیں اب جنگ جاری رکھنے کا کیا فائدہ؟ اس طرح مسلمان افراتفری کا شکار ہوگئے، البتہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس افراتفری کے عالم میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو افراتفری کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہے:

❶ حضرت ابوبکر ❷ حضرت عمر ❸ حضرت عبدالرحمن بن عوف ❹ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ❺ حضرت سعد بن ابی وقاص ❻ حضرت طلحہ بن عبیداللہ ❼ اور حضرت زبیر بن العوام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ سات مہاجرین میں سے تھے۔

اور سات انصاری صحابہ تھے: ❶ حضرت سعد بن معاذ ❷ حضرت سہل بن حنیف ❸ حضرت ابودجانہ ❹ حضرت اسید بن حضیر ❺ حضرت عاصم بن ثابت ❻ حضرت حباب بن المنذر ❼ حضرت حارث بن صمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

بخاری شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت میں بارہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے اور نسائی اور بیہقی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں گیارہ کا ذکر ہے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے اس میں سات کا ذکر ہے، لیکن یہ کوئی حقیقی تعارض نہیں، مختلف اوقات میں مختلف تعداد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود رہی، اس لئے بعض روایات میں زیادہ اور بعض میں کم کا ذکر ہے البتہ کل تعداد چودہ ہے۔

اس موقع پر بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی جان نثاری کا ثبوت دیا، جب کفار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیروں کی بارش شروع کی تو حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کفار کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پھینکے جانے والے تمام تیروں کو اپنی پیٹھ پر روکتے رہے، ان کی کمر پر ستر کے قریب زخم آئے، اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جانبازی اور بہادری کا مظاہرہ کیا، حافظ ابن حجرؒ نے ابوداؤد طیالسیؒ کی روایت کے حوالے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب آپ غزوۂ اُحد کا ذکر کرتے تو فرماتے: كان ذلك اليوم كله لطلحة (احد کا سارا دن طلحہ کا تھا)۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے مسلسل وہاں موجود رہے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تیروں کو روکنے کے لئے اپنے ہاتھ کو ڈھال بنا لیا تھا جس کی وجہ سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا، حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر پینتیس یا انتالیس زخم آئے، لیکن طیالسی کی روایت میں ہے کہ ان کے جسم پر ستر زخم آئے تھے، اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی بڑا بے مثال کردار ادا کیا، جس کا تذکرہ روایات کے ذیل میں آ رہا ہے، اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی جان نثاری کا مظاہرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ترکش کے تیر نکال کر ان کو دیتے تھے اور فرماتے تھے ارم فداك ابي و امي۔

اسی افراتفری میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص (کافر) نے موقع دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر پھینکا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نیچے کا دانت مبارک شہید اور لب مبارک زخمی ہو گئے۔ عبداللہ بن قمئہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کیا، جس سے خود کے دو حلقے چہرہ مبارک میں گھس گئے۔ ابو عامر فاسق نے ایک گڑھا مسلمانوں کے لئے تیار کیا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہونے کے بعد اس گڑھے میں گر گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

ہاتھ پکڑا اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر کو سہارا دیا تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو سکے۔

جنگ اُحد میں کافی مسلمان شہید ہوئے اور مسلمانوں کو بظاہر شکست کا سامنا بھی کرنا پڑا، لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ ایک فائدہ یہ ہوا کہ اسلام کے بارے میں مخلصین اور منافقین کا امتیاز ہو گیا، اللہ کو اگرچہ مخلصین اور منافقین دونوں کا علم تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ظاہر فرما دیا کہ کون مخلص ہیں اور کون منافق۔ اسی طرح ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہادت کا اعلیٰ رتبہ ملا اور اللہ کے دین کے لئے انہوں نے اپنی جانیں قربان کیں اور مشکل وقت میں ثابت قدم رہ کر اللہ کی طرف سے عظیم اجر و ثواب کے مستحق ہوئے۔ اس طرح اور بھی کئی فوائد ہیں جو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

بَابُ غَزْوَةِ أُحُدٍ

غزوۂ اُحد کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَ إِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ وَ قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَ أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَ اللهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ وَلِيُمَحِّصَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ يَمْحَقَ الْكَافِرِينَ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصَّابِرِينَ وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَ أَنْتُمْ تَنْظُرُونَ وَقَوْلِهِ: وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ تَسْتَأْصِلُونَهُمْ قَتْلًا بِإِذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَ اللهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اور وہ وقت یاد کیجئے، جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکلے، مسلمانوں کو لڑائی کے لیے مناسب ٹھکانوں پر لے جاتے ہوئے اور اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا جاننے والا ہے اور اللہ عزوجل کا فرمان اور ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو گے۔ اگر تمہیں کوئی زخم پہنچ جائے تو ان لوگوں کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ہم ان دنوں کی الٹ پھیر تو لوگوں کے درمیان کرتے ہی رہتے ہیں، تاکہ اللہ ایمان لانے والوں کو جان لے اور تم میں سے کچھ کو شہید بنائے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا اور تاکہ اللہ ایمان لانے والوں کو میل کچیل سے صاف کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔ کیا تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جنہوں نے جہاد کیا اور نہ صبر کرنے والوں کو جانا اور تم تو موت کی تمنا کر رہے تھے اس سے پہلے کہ اس کے سامنے آؤ۔ سو اس کو اب تم نے خوب کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اور یقیناً تم سے اللہ نے سچ کر دکھایا اپنا وعدہ، جب

کہ تم انہیں اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم خود ہی کمزور پڑ گئے اور آپس میں حکم رسول کے بارے میں جھگڑنے لگے اور تم نے نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے دکھا دیا تھا جو کچھ کہ تم چاہتے تھے بعض تم میں وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں ایسے تھے جو آخرت چاہتے تھے۔ پھر اللہ نے تم کو ان سے پھیر دیا تاکہ تمہاری پوری آزمائش کرے اور اللہ نے تم سے درگزر کی اور اللہ ایمان لانے والوں کے حق میں بڑا فضل والا ہے اور اللہ کا فرمان اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ مت خیال کرو۔"

ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ یہ آیت غزوۂ خندق کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن جمہور مفسرین اور محدثین کا اس پر اعتماد نہیں ہے، جمہور کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ آیت غزوۂ اُحد کے بارے میں نازل ہوئی اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کو غزوۂ اُحد میں کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اُحد کے موقع پر فرمایا

هٰذَا جِبْرِيْلُ اٰخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهٖ عَلَيْهِ أَدَاةُ الْحَرْبِ

یہ جبرئیل ہیں، ہتھیار بند، اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے

یہ روایت غزوۂ بدر کے بیان میں گزر چکی ہے، اور اس روایت کا تعلق غزوۂ بدر ہی سے ہے، یہاں روایت میں غزوۂ اُحد کا لفظ غلط ہے، یہی وجہ ہے کہ بخاری شریف کے دوسرے نسخوں میں یہ روایت یہاں مذکور نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ أَخْبَرَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ عَدِيٍّ أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حَيْوَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ

عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال بعد

عَلٰى قَتْلٰى أُحُدٍ بَعْدَ ثَمَانِيَ سِنِيْنَ كَالْمُوَدِّعِ لِلْأَحْيَاءِ وَالْأَمْوَاتِ ثُمَّ طَلَعَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ إِنِّيْ بَيْنَ

غزوہ اُحد کے شہداء پر نماز جنازہ ادا کی، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندوں اور مردوں سب سے رخصت ہو رہے ہوں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تم سے

أَيْدِيْكُمْ فَرَطٌ وَأَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيْدٌ وَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ وَإِنِّيْ لَأَنْظُرُ إِلَيْهِ مِنْ مَقَامِيْ هٰذَا

آگے تمہارے لئے ذخیرہ ہوں، اور میں تم پر گواہ رہوں گا اور مجھ سے تمہاری ملاقات حوض (کوثر) پر ہوگی۔ اور اس وقت بھی میں اپنی اس جگہ سے حوض (کوثر) کو دیکھ رہا ہوں۔

وَ إِنِّيْ لَسْتُ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا وَ لٰكِنِّيْ أَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوْهَا

تمہارے بارے میں مجھے اس کا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ تم شرک کرو گے، ہاں میں تمہارے بارے میں دنیا سے ڈرتا ہوں کہ تم کہیں دنیا کے لیے آپس میں مقابلہ نہ کرنے لگو۔

قَالَ فَكَانَتْ اٰخِرَ نَظْرَةٍ نَظَرْتُهَا إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آخری دیدار تھا جو مجھے نصیب ہوا۔

اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال کے بعد شہدائے اُحد کی نماز جنازہ پڑھی۔

قبر پر نماز جنازہ

قبر پر نماز جنازہ کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جواز کے قائل

ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ قبر پر نماز جنازہ کے قائل نہیں ہیں۔ البتہ اگر میت کا ولی دفن سے پہلے نماز جنازہ میں شامل نہ ہوسکا ہو تو احناف کے نزدیک ایسا ولی قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے، اسی طرح قبر پر اس صورت میں بھی نماز جنازہ جائز ہے جبکہ کسی شخص کو نماز کے بغیر ہی دفن کر دیا گیا ہو اس کے سوا احناف کے نزدیک قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ پھر احناف کے نزدیک جن دو صورتوں میں نماز جنازہ دفن ہونے کے بعد جائز ہے وہ جواز صرف اتنی مدت تک ہے جب تک میت کے سڑنے اور پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو، اور میت کے گلنے سڑنے کی مدت حتمی طور پر متعین نہیں ہے، موسم کے گرم و سرد ہونے، میت کی جسامت اور زمین کی ساخت کے اعتبار سے مختلف علاقوں میں اس کی مدت مختلف ہوسکتی ہے، بعض فقہاء نے اس کی تحدید تین دن سے کی ہے، یعنی تین دن بعد میت گلنا اور سڑنا شروع ہوتی ہے، لہٰذا معتدل علاقوں میں دفن کے وقت سے تین دن بعد تک بھی اگر قبر پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جاسکی تو پھر اس کے بعد نہیں پڑھنی چاہیے۔

رہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخر عمر میں جاکر شہدائے اُحد پر نماز جنازہ پڑھنا، تو علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تاویل یہ کی کہ یہاں صلاۃ سے مراد دعا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہدائے اُحد کے لئے دعا فرمائی، لہٰذا اس حدیث سے شہید کی نماز جنازہ ثابت نہیں ہوئی۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی روایت بخاری و مسلم میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے: ان النبی ﷺ خرج یوما فصلی علی شهداء احد صلاة علی المیت اس میں صلاة علی المیت کے الفاظ اس بات میں نص ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی، پھر کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تاویل کیسے درست ہوسکتی ہے؟ تو علماء کرام فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہداء اُحد پر آٹھ سال بعد نماز جنازہ پڑھی اس کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے جانے والے تھے، تو جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندوں کو الوداع کہا اسی طرح شہداء کو بھی الوداع کہنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی یہ شہداء اُحد کا اکرام اور ان کی ہی خصوصیت تھی۔

كَالْمُوَدِّعِ لِلْأَحْيَاءِ وَالْأَمْوَاتِ: زندوں کا وداع تو ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخیر زندگی کا واقعہ ہے، رہا مُردوں کا وداع تو اس سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں قبرستان کی زیارت فرماتے تھے اور مُردوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے تو اب چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد یہ سلسلہ بند ہوجائے گا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے بھی وداع سے تعبیر کیا۔

فرط اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے سے آگے جاکر اگلی منزل میں قیام وغیرہ کا بندوبست کرتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں کہ میں تمہارے قیام کے انتظام کے لئے تم سے آگے جاتا ہوں۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ

عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَقِيْنَا الْمُشْرِكِيْنَ يَوْمَئِذٍ وَ أَجْلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ جنگ اُحد کے موقع پر جب مشرکین سے مقابلہ کے لیے ہم پہنچے تو نبی کریم ﷺ نے تیر اندازوں کا ایک دستہ

جَيْشًا مِّنَ الرُّمَاةِ وَ أَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْدَ اللهِ وَ قَالَ لَا تَبْرَحُوْا إِنْ رَأَيْتُمُوْنَا ظَهَرْنَا عَلَيْهِمْ

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں (پہاڑی پر) مقرر فرمایا تھا اور انہیں یہ حکم دیا تھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، چاہے تم لوگ دیکھ لو کہ ہم ان پر غالب آ گئے ہیں

فَلَا تَبْرَحُوْا وَ إِنْ رَأَيْتُمُوْهُمْ ظَهَرُوْا عَلَيْنَا فَلَا تُعِيْنُوْنَا فَلَمَّا لَقِيْنَا هَرَبُوْا حَتّٰى رَأَيْتُ النِّسَاءَ

پھر بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور چاہے وہ ہم پر غالب آ جائیں تب بھی تم لوگ ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔ پھر جب ہماری مڈبھیڑ کفار سے ہوئی تو ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ میں نے دیکھا کہ ان کی

يَشْتَدِدْنَ فِي الْجَبَلِ رَفَعْنَ عَنْ سُوْقِهِنَّ قَدْ بَدَتْ خَلَاخِلُهُنَّ فَأَخَذُوْا يَقُوْلُوْنَ الْغَنِيْمَةَ الْغَنِيْمَةَ

عورتیں پہاڑیوں پر بڑی تیزی کے ساتھ بھاگ جا رہی تھیں، انہوں نے پنڈلیوں سے کپڑے اوپر اٹھائے ہوئے تھے، جس سے ان کے پازیب دکھائی دے رہے تھے۔ تو عبداللہ بن

فَقَالَ عَبْدُ اللهِ عَهِدَ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَّا تَبْرَحُوْا فَأَبَوْا فَلَمَّا أَبَوْا صُرِفَ

جبیر کے ساتھی کہنے لگے کہ غنیمت غنیمت، اس پر عبداللہ نے ان سے کہا کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے تاکید کی تھی کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا لیکن ان کے ساتھیوں نے ان کا حکم ماننے سے انکار

وُجُوْهُهُمْ فَأُصِيْبَ سَبْعِيْنَ قَتِيْلًا وَ أَشْرَفَ أَبُوْ سُفْيَانَ فَقَالَ أَ فِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ؟ فَقَالَ

کر دیا۔ ان کی اس حکم عدولی کے نتیجے میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ستر مسلمان شہید ہو گئے، پھر ابوسفیان نے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی، کیا تمہارے ساتھ محمد موجود ہیں؟ آپ ﷺ

لَا تُجِيْبُوْهُ فَقَالَ أَ فِي الْقَوْمِ ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ؟ قَالَ لَا تُجِيْبُوْهُ فَقَالَ أَ فِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ؟

نے فرمایا کہ کوئی جواب نہ دے، پھر اس نے پوچھا، کیا تمہارے ساتھ ابن ابی قحافہ موجود ہیں؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب کی بھی ممانعت فرما دی۔ پھر اس نے پوچھا، کیا تمہارے

فَقَالَ إِنَّ هٰؤُلَاءِ قُتِلُوْا فَلَوْ كَانُوْا أَحْيَاءً لَّأَجَابُوْا فَلَمْ يَمْلِكْ عُمَرُ نَفْسَهُ فَقَالَ كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللهِ

ساتھ ابن خطاب موجود ہیں؟ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ یہ سب قتل کر دیئے گئے، کیونکہ اگر یہ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ اس پر حضرت عمرؓ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے اور فرمایا

أَبْقَى اللهُ لَكَ مَا يُخْزِيْكَ قَالَ أَبُوْ سُفْيَانَ اُعْلُ هُبَلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

کہ اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے، اللہ نے ابھی انہیں تمہیں ذلیل کرنے کے لیے باقی رکھا ہے۔ ابوسفیان نے کہا، ہبل (بت کا نام) بلند رہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا جواب دو۔

أَجِيْبُوْهُ قَالُوْا مَا نَقُوْلُ؟ قَالَ قُوْلُوْا اَللهُ أَعْلٰى وَ أَجَلُّ قَالَ أَبُوْ سُفْيَانَ لَنَا الْعُزّٰى وَ لَا عُزّٰى لَكُمْ

صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا کہ کہو، اللہ سب سے بلند اور برتر ہے۔ ابوسفیان نے کہا، ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَجِيْبُوْهُ قَالُوْا مَا نَقُوْلُ؟ قَالَ قُوْلُوْا اَللهُ مَوْلَانَا وَ لَا مَوْلٰى لَكُمْ

آپ نے فرمایا کہ جواب دو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا جواب دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہو، اللہ ہمارا حامی اور مددگار ہے اور تمہارا کوئی حامی نہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ آج کا دن بدر

قَالَ أَبُوْ سُفْيَانَ يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ وَالْحَرْبُ سِجَالٌ وَ تَجِدُوْنَ مُثْلَةً لَمْ اٰمُرْ بِهَا وَ لَمْ تَسُؤْنِيْ

کے دن کا بدلہ ہے اور لڑائی کی مثال ڈول کی ہوتی ہے۔ تم اپنے مقتولین میں کچھ لاشوں کا مثلہ کیا ہوا پاؤ گے، میں نے اس کا حکم نہیں دیا لیکن مجھے برا نہیں معلوم ہوا

اس روایت میں غزوۂ اُحد کے دوران **جبل الرماۃ** پر عبداللہ جبیر رضی اللہ عنہ کی امارت میں پچاس تیر انداز صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقرری اور ان کے وہاں سے ہٹنے کی وجہ مسلمانوں کو پہنچنے والے نقصان کا تذکرہ ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اختتام جنگ پر سردار قریش کا مکالمہ

وَ أَشْرَفَ أَبُوْ سُفْيَانَ: جب جنگ ختم ہوئی تو ابوسفیان نے جھانکا **اشرف یشرف إشرافا** کے معنی ہوتے ہیں

ہاتھ کو آنکھوں کے اوپر پیشانی پر رکھ کے غور سے دیکھنا، اسے استشراف بھی کہتے ہیں۔ ابوسفیان اُحد پہاڑ کے سامنے اوپر کی طرف کھڑے ہو کر دیکھتے ہوئے کہنے لگا: أَفِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ؟ کیا قوم کے اندر محمد ہیں؟ فَقَالَ لَا تُجِيْبُوْهُ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسے جواب مت دو۔ فَقَالَ أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ؟ پھر ابوسفیان نے پوچھا کہ کیا ابن ابی قحافہ (ابوبکر) ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے جواب مت دو۔ فَقَالَ أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ؟ پھر اس نے پوچھا کہ کیا خطاب کا بیٹا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے جواب مت دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے نزدیک بھی یہ بات طے تھی کہ حضور ﷺ کے بعد ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔

جب ابوسفیان نے دیکھا کہ خاموشی ہے تو وہ کہنے لگا: إِنَّ هٰؤُلَاءِ قُتِلُوْا یہ سب مارے گئے ہیں، فَلَوْ كَانُوْا أَحْيَاءً لَّأَجَابُوْا اگر یہ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ فَلَمْ يَمْلِكْ عُمَرُ نَفْسَهُ اب عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو نہیں روک سکے، انہوں نے زور سے کہا كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللهِ اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ بولتا ہے۔ أَبْقَى اللهُ عَلَيْكَ مَا يُخْزِيْكَ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے ان لوگوں کو باقی رکھا ہے جو تجھے رسوا کریں گے۔

قَالَ أَبُوْ سُفْيَانَ أُعْلُ هُبَلُ! ہبل ان کے بت کا نام تھا، ابوسفیان نے نعرہ لگایا: ہبل زندہ باد۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: أَجِيْبُوْهُ اس کو جواب دو۔ قَالُوْا مَا نَقُوْلُ؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم جواب میں کیا کہیں؟ فرمایا: قُوْلُوْا اَللّٰهُ أَعْلٰى وَ أَجَلُّ اللہ اعلیٰ و برتر ہے، بزرگی والا ہے۔ پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا: لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ہمارے پاس عزّیٰ ہے، تمہارے پاس تو کوئی عزّیٰ نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: اسے جواب دو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کیا جواب دیں؟ فرمایا، کہو: اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَ لَا مَوْلٰى لَكُمْ اللہ ہمارا مولیٰ ہے، تمہارا کوئی مولیٰ اور مددگار نہیں۔ پھر ابوسفیان نے کہا: يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ یہ دن بدر کے دن کے بدلے میں ہے، اور کہا وَالْحَرْبُ سِجَالٌ جنگ تو کنویں کے ڈول کی طرح ہے کبھی تم نے کھینچ لیا، کبھی ہم نے کھینچ لیا، بدر میں تم نے پانی کھینچ لیا تھا اور تم بازی لے گئے تھے، آج اُحد کے دن میں ہم نے پانی کھینچ لیا اور ہم بازی لے گئے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے جملے کا بھی جواب دیا، دوسرے کا بھی جواب دیا، لیکن جب اس نے یہ کہا: يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ وَالْحَرْبُ سِجَالٌ تو نبی کریم ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اَلْحَرْبُ سِجَالٌ جنگ ڈول کی طرح ہے کبھی کوئی پانی کھینچ لیتا ہے، تو کبھی کوئی کھینچ لیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی کسی کو فتح ہوگئی، اگلی دفعہ اسی کو شکست ہوگئی تو یہ دنیا ہے، دنیا میں دن گھومتے رہتے ہیں۔

اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اہل حق کی ہر موقع پر فتح یقینی نہیں، کسی غلطی کی وجہ سے شکست بھی ہو سکتی ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ کافر اگر کوئی درست اور حق بات کہے تو اس کی تردید نہیں کی جائے گی۔

أَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ

مجھے عبداللہ بن محمد نے خبر دی، کہ ہم سے سفیان نے اور ان سے عمرو نے اور ان سے جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ

اصْطَبَحَ الْخَمْرَ یَوْمَ أُحُدٍ نَّاسٌ ثُمَّ قُتِلُوْا شُهَدَاءَ

بعض صحابہ نے غزوہ اُحد کی صبح کو شراب پی (جو ابھی حرام نہیں ہوئی تھی) اور پھر انہیں شہادت کی موت نصیب ہوئی۔

چونکہ شراب اس زمانے میں حلال تھی، اس لیے غزوۂ اُحد کی صبح کئی لوگوں نے شراب پی اور شراب پینے کے بعد انہوں نے جہاد میں حصہ لیا اور جہاد میں اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کر کے شہادت کا عظیم مرتبہ پایا۔ بعد میں جب شراب کی حرمت نازل ہوگئی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ شبہ ہوا کہ کہیں شراب کی وجہ سے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت میں کوئی فرق تو نہیں آیا؟ چنانچہ کتاب التفسیر میں سورۃ المائدۃ کے ذیل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت ذکر فرمائیں گے: قتل قوم وھی فی بطونھم بعض لوگ کہنے لگے کہ کچھ لوگ شہید ہو گئے ہیں، حالانکہ جب وہ شہید ہوئے تھے تو شراب ان کے پیٹ میں تھی، تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وَ اللهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ اس آیت سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان کو کوئی گناہ نہیں ہے اور ان کے درجات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، اس لیے کہ اس وقت میں وہ شراب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام نہیں ہوئی تھی اور وہ اس وقت کے لحاظ سے اعمال صالحہ پر ہی کاربند تھے۔

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِیْمَ عَنْ أَبِیْهِ إِبْرَاهِیْمَ

أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ أُتِیَ بِطَعَامٍ وَكَانَ صَائِمًا فَقَالَ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَیْرٍ وَهُوَ خَیْرٌ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا اور وہ روزے سے تھے تو انہوں نے کہا کہ مصعب بن عمیر (اُحد کی جنگ میں) شہید کر دیئے گئے، اور وہ مجھ سے بہتر

مِنِّیْ كُفِّنَ فِیْ بُرْدَةٍ إِنْ غُطِّیَ رَأْسُهٗ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَإِنْ غُطِّیَ رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهٗ وَأُرَاهُ قَالَ وَقُتِلَ

تھے، انہیں ایسی چادر کا کفن دیا گیا کہ اگر اس سے ان کا سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا کہ اور حمزہ بھی

حَمْزَةُ وَهُوَ خَیْرٌ مِنِّیْ ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْیَا مَا بُسِطَ أَوْ قَالَ أُعْطِیْنَا مِنَ الدُّنْیَا مَا أُعْطِیْنَا

شہید کئے گئے، اور وہ مجھ سے بہتر تھے پھر ہمارے لیے دنیا میں کشادگی کر دی گئی یا انہوں نے یہ کہا کہ پھر جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہمیں دنیا دے دی گئی، اور ہمیں تو اس کا بات کا

وَقَدْ خَشِیْنَا أَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ یَبْكِیْ حَتّٰی تَرَكَ الطَّعَامَ

ڈر ہے کہ کہیں یہی ہماری نیکیوں کا بدلہ نہ ہو جو ہمیں اسی دنیا میں دیا جا رہا ہو۔ اس کے بعد آپ رونے لگے یہاں تک کہ کھانا بھی نہ کھا سکے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، نوجوان تھے، مال دار باپ کے بیٹے تھے، سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ صبح کو ایک جوڑا پہنتے تھے اور شام کو دوسرا جوڑا پہنتے تھے، حالانکہ اس زمانے میں کپڑوں کی

بہت قلت ہوا کرتی تھی، لیکن جب یہ اسلام لے آئے تو والد نے گھر سے نکال دیا اور سب کچھ چھین لیا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں ہجرت مدینہ کے موقع پر شروع ہی میں مدینہ منورہ بھیج دیا تھا کہ وہاں جا کر لوگوں کو قرآن سکھائیں اور دین کی تعلیم دیں، چنانچہ یہ نبی کریم ﷺ کے آنے سے کافی پہلے مدینہ منورہ آ گئے تھے، پھر جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تو یہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے، بدر میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ موجود تھے، اُحد میں بھی ساتھ رہے، غزوۂ اُحد میں مہاجرین کا جھنڈا بھی ان ہی کے ہاتھوں میں تھا اور اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔ جب یہ شہید ہوئے تو اب کفن دینے کا مرحلہ تھا، کفن کے لیے مستحب یہ ہے کہ سفید رنگ ہو، لیکن سفید تو کیا وہاں رنگین کپڑے کا ملنا بھی مشکل تھا، چنانچہ ایک دھاری دار چادر ان کے اوپر ڈال دی گئی لیکن وہ بھی چھوٹی تھی، ایسی چھوٹی تھی کہ اگر پاؤں پر ڈالتے تو سر کھل جاتا تھا اور اگر سر پر ڈالتے تو پاؤں کھل جاتے تھے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کے سر کو چھپا دو اور ان کے پاؤں کے اوپر اذخر گھاس ڈال دو۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، یہ ہجرت کے وقت سارا مال و متاع مکہ مکرمہ چھوڑ کر آئے تھے، لیکن مدینہ منورہ میں آ کر تجارت اور کسب حلال جاری رکھا اور بعد میں بہت مال دار ہو گئے تھے اور اتنے مال دار کہ اندازہ کرنا مشکل ہے، ان کا جب انتقال ہوا ہے تو ان کی چار بیویاں تھیں، بیوی کو وراثت میں ثمن یعنی آٹھواں حصہ ملتا ہے اور اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو ثمن کو ان کے درمیان برابر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اب حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اتنے اموال اور اتنی جائیداد تھی کہ اس کا اندازہ کرنا اور تقسیم کرنا مشکل ہو گیا تھا، چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیویوں کو اس بات کی پیشکش کی کہ چونکہ کل مال کا اندازہ مشکل ہے اس لئے میں تم میں سے ہر ایک کو اسّی، اسّی ہزار دینار دے دیتا ہوں، تو ان کی تمام ازواج اس پر راضی ہو گئیں۔ چنانچہ ہر بیوی کو ثمن کا ایک چوتھائی یعنی کل مال کا بتیسواں حصہ صلح کے طور پر ملا، جو اسّی ہزار دینا تھا۔

تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہر طرح کے افراد تھے، بعض صحابہ بہت مال دار تھے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی بسر کی، تو حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مال دار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ ان ہی عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ذکر روایت میں ہے کہ جب آپ کے سامنے کھانا لایا گیا تو انہیں یہ خیال کر کے رونا آ گیا کہ میرے پاس تو اتنی نعمتیں ہیں اور میرے ساتھی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تو کفن بھی میسر نہ تھا اور چادر بھی پوری نہیں آئی تھی۔ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے۔ اب بہتر تھے یا نہیں یہ تو اللہ ہی جانتا ہے، ویسے اگر درجے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا درجہ بڑھا ہوا ہے، کیونکہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، لیکن ہر صحابی دوسرے کو اپنے سے بہتر ہی سمجھتا تھا۔ اس کے بعد حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر ہمیں دنیا کی آسائشیں اور وسعتیں

دے دی گئیں اور ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں ہمیں جلدی سے نہ دے دیا گیا ہو۔

توصحابہ رضی اللہ عنہم پیسہ، مال، جائیداد سواریاں، ان چیزوں کے آنے سے پریشان ہوتے تھے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہمیں ہماری نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں مل رہا ہو اور آخرت میں جب ہم پہنچیں تو سارا بدلہ پہلے ہی پا چکے ہوں؟ کیونکہ نیکیاں تو کافر بھی کرتے ہیں، کوئی ہسپتال بنا دیتا ہے، کوئی غریبوں کی مدد کرتا ہے، کوئی بھوکے کو کھانا کھلا دیتا ہے، لیکن ان کافروں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ اللہ تعالیٰ دنیا میں عطا کر دیتے ہیں، کیونکہ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا اور ان کافروں سے آخرت میں کہہ دیا جائے گا کہ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں کافر مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ خوش ہیں اور زیادہ آسائشوں میں ہیں، کیونکہ دنیا میں وہ جو اچھے کام کر رہے ہیں انہیں ان اچھے کاموں کا بدلہ دنیا ہی میں مل رہا ہے جبکہ مسلمانوں کی نیکیاں آخرت میں جمع ہو رہی ہیں اور اس کا بدلہ انہیں آخرت ہی میں ملے گا۔

توصحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ دنیا کا زیادہ آنا ہمیشہ خیر کی علامت نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات یہ ہلاکت اور خطرے کی علامت ہوتی ہے، اس لیے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مال دار تھے، جیسے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ وہ اپنی مال داری اور تونگری سے گھبراتے تھے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیکوں کا بدلہ دنیا میں ہی میں دے رہے ہوں؟

الغرض جب صحابہ رضی اللہ عنہم پر دنیا کھول دی جاتی تھی تو ان کو پریشانی ہونا شروع ہو جاتی تھی کہ ہمیں جو یہ اتنا بڑا منصب مل رہا ہے اور پیسوں کی فراوانی ہے، وہ فرماتے تھے، ہمیں ڈر ہے کہ أَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ہماری نیکیاں کہیں ہمیں جلدی دے دی گئی ہیں، یہ فرما کر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ رونے لگے حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ یہاں تک کہ کھانا چھوڑ دیا، یعنی اتنا خوف اور غم طاری ہوا کہ اس وقت میں کھانا نہیں کھا سکے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو

سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے غزوہ اُحد کے موقع پر پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر میں قتل کر دیا گیا

أَ رَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَيْنَ أَنَا؟ قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَأَلْقٰى تَمَرَاتٍ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ

تو میں کہاں جاؤں گا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں، تو انہوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کھجوریں پھینک دیں اور لڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے

ان صحابی کے نام کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لم اقف علی اسمه، جبکہ ابن بشکوال رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ان کا نام عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ ہے، اس طرح کا ایک واقعہ غزوۂ بدر میں بھی پیش آیا تھا، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ

عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ هَاجَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبْتَغِي

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی ، اور ہمارا مقصد صرف اللہ کی رضا تھی،

وَجْهَ اللهِ فَوَجَبَ أَجْرُنَا عَلَى اللهِ وَمِنَّا مَنْ مَضَى أَوْ ذَهَبَ لَمْ يَأْكُلْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا كَانَ مِنْهُمْ

اور اس کا ثواب اللہ کے ذمہ تھا۔ پھر ہم میں سے بعض لوگ تو وہ تھے جو گزر گئے اور اس کا کوئی اجر انہوں نے اس دنیا میں نہیں دیکھا، انہیں میں سے

مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ لَمْ يَتْرُكْ إِلَّا نَمِرَةً كُنَّا إِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رَأْسَهُ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ

مصعب بن عمیر بھی تھے کہ انہوں نے اُحد کی لڑائی میں شہادت پائی تھی۔ ایک دھاری دار چادر کے سوا اور کوئی چیز ان کے پاس نہیں تھی (اور وہی ان کا کفن بنی) جب ہم اس سے ان کا سر

وَإِذَا غُطِّيَ بِهَا رِجْلَاهُ خَرَجَ رَأْسُهُ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَطُّوا بِهَا رَأْسَهُ وَاجْعَلُوا

چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپاتے تو سر کھل جاتا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سر کو چادر سے چھپا دو اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔ یا نبی کریم ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے تھے

عَلَى رِجْلِهِ الْإِذْخِرَ أَوْ قَالَ أَلْقُوا عَلَى رِجْلِهِ مِنَ الْإِذْخِرِ وَمِنَّا مَنْ قَدْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا

کہ پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو اور ہم میں بعض وہ ہیں کہ ان کے لئے ان کا پھل دنیا ہی میں پک چکا ہے اور وہ ان پھلوں کو چن رہے ہیں

فَوَجَبَ أَجْرُنَا عَلَى اللهِ: اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے خود وعدہ فرما کر اپنے اوپر واجب کرلیا ہے۔

أَخْبَرَنَا حَسَّانُ بْنُ حَسَّانٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ عَمَّهُ غَابَ عَنْ بَدْرٍ فَقَالَ غِبْتُ عَنْ أَوَّلِ قِتَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے چچا (انس بن نضر) بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے، تو وہ فرماتے تھے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ پہلی ہی لڑائی میں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ أَشْهَدَنِي اللهُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَرَيَنَّ اللهُ مَا أُجِدُّ فَلَقِيَ يَوْمَ

غیر حاضر رہا، اگر نبی کریم ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی اور لڑائی میں شرکت کا موقع دیا تو اللہ دیکھے گا کہ میں کتنی بے جگری سے لڑتا ہوں۔ پھر غزوہ احد کے موقع پر

أُحُدٍ فَهُزِمَ النَّاسُ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعْتَذِرُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ يَعْنِي الْمُسْلِمِينَ وَأَبْرَأُ

جب مسلمانوں کی جماعت میں افراتفری پیدا ہوگئی تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ! مسلمانوں نے آج جو کچھ کیا میں تیرے حضور اس کے لیے معذرت خواہ ہوں اور مشرکین نے جو کچھ کیا

إِلَيْكَ مِمَّا جَاءَ بِهِ الْمُشْرِكُونَ فَتَقَدَّمَ بِسَيْفِهِ فَلَقِيَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فَقَالَ أَيْنَ يَا سَعْدُ إِنِّي أَجِدُ

میں اس سے اپنی بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ پھر وہ اپنی تلوار لے کر آگے بڑھے۔ راستے میں سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان سے کہا، سعد! کہاں جا رہے ہو؟ میں تو احد

رِيحَ الْجَنَّةِ دُونَ أُحُدٍ فَمَضَى فَقُتِلَ فَمَا عُرِفَ حَتَّى عَرَفَتْهُ أُخْتُهُ بِشَامَةٍ أَوْ بِبَنَانِهِ وَبِهِ بِضْعٌ

پہاڑی کے دامن میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ پھر وہ آگے بڑھے اور شہید کر دیئے گئے، ان کی لاش پہچانی نہیں جا رہی تھی، آخر ان کی بہن نے ایک تل یا ان کی انگلیوں کے

وَّ ثَمَانُونَ مِنْ طَعْنَةٍ وَّضَرْبَةٍ وَّرَمْيَةٍ بِسَهْمٍ

پوروں سے ان کی لاش کو پہچانا، انہیں اسّی سے زیادہ زخم نیزے اور تلوار اور تیروں کے لگے تھے

حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت نقل کر رہے ہیں، گویا بھتیجے کا نام بھی انس تھا، جو مشہور صحابی ہیں اور چچا کا نام بھی انس تھا، جن کا ذکر اس روایت میں آیا ہے۔

إِنِّي أَجِدُ رِيحَ الْجَنَّةِ: حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ **میں جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں** بعض حضرات نے اس کو مجاز پر محمول کیا ہے کہ ایک خاص قسم کی خوشبو محسوس کی جس کو جنت کی خوشبو سے تعبیر فرمایا، یا اپنی شہادت پر جنت کا

تصور فرمایا اور شہیدوں کے لیے جو بشارتیں منقول ہیں اس پر یقین کی بناء پر اسے جنت کی خوشبو سے تعبیر کیا، لیکن بہتر اور انسب یہ ہے کہ ان کے اس قول کو حقیقت پر محمول کیا جائے جیسا کہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے محمول کیا ہے، اس لیے کہ احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ مومن صالح کو موت کے وقت فرشتے رضائے باری تعالیٰ کی خوشخبری سناتے ہیں چنانچہ سنن ابن ماجہ میں منقول ہے: فإذا كان الرجل صالحا قالوا اخرجي ايتها النفس الطيبة كانت في الجسد الطيب اخرجي حميدة وابشري بروح وريحان ورب غير غضبان۔

فَمَا عُرِفَ حَتّٰى عَرَفَتْهُ أُخْتُهُ: حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے قتال کے دوران اتنے زخم کھائے کہ پورا جسم چھلنی ہو گیا تھا حتی کہ کوئی انہیں پہچان نہیں سکا، پھر ان کی بہن نے انہیں پہچانا بِشَامَةٍ اس تل کی وجہ سے جو ان کے جسم پر تھا، کہ اس سے انہوں نے اندازہ کیا کہ یہ میرے بھائی انس بن نضر کی لاش ہے۔ أَوْ بِبَنَانِهِ یا انگلی کے پورے سے پہچانا کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ ان کے جسم پر اسّی سے زیادہ زخموں کے نشانات تھے، مِنْ طَعْنَةٍ نیزے کے زخم وَّضَرْبَةٍ تلوار کے زخم اور وَّرَمْيَةٍ بِسَهْمٍ تیر کے زخم۔ گویا تیر، نیزے اور تلواریں ان کو لگتی رہیں لیکن یہ کافروں سے مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کا مقصود (شہادت) عطا فرمادیا۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ

أَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ فَقَدْتُ آيَةً مِنَ الْأَحْزَابِ حِينَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ

خارجہ بن زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جب ہم قرآن مجید کو جمع کرنے لگے تو مجھے سورۃ الاحزاب کی ایک آیت

كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا مَعَ خُزَيْمَةَ

(لکھی ہوئی) نہیں ملی جسے میں نے رسول اللہ ﷺ کو تلاوت کرتے بارہا سنا تھا۔ پھر جب ہم نے اس کی تلاش کی تو وہ آیت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ

بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى

کے پاس ہمیں ملی مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى

نَحْبَهُ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ فَأَلْحَقْنَاهَا فِي سُورَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ

نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ پھر ہم نے اس آیت کو اس کی سورت میں قرآن مجید میں ملا دیا

اس حدیث کی بحث تو کتاب فضائل القرآن سے متعلق ہے لیکن چونکہ اس آیت میں فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ کا مصداق وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو اُحد میں شہید ہوئے تھے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت یہاں ذکر فرمائی۔

دور صدیقی اور جمع قرآن

قرآن مجید کی آیات کو نسخے یعنی قرآن کی کتابی شکل میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع کیا گیا تھا، چنانچہ آگے یہ پوری بحث آئے گی کہ شروع میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سپرد کی تھی کہ تم قرآن مجید کی آیتوں کو جمع کرنا شروع کرو۔

اب قرآن مجید تو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حفظ تھا، لیکن حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم نے یہ شرط لگائی تھی کہ صرف حفظ پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا بلکہ دیکھا جائے گا کہ جب وہ آیت نازل ہوئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ آیت کس کو لکھوائی تھی؟ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاتبین وحی کو بلاتے اور انہیں کہتے کہ ضعوا اٰية كذا فی سورة كذا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے، اس کو فلاں سورت میں فلاں جگہ میں رکھ دو۔ لہٰذا یہ شرط لگائی گئی کہ ہمیں حفظ کے ساتھ ساتھ لکھی ہوئی آیت بھی چاہئے۔ نیز ساتھ ہی جو بھی کوئی آیت لے کر آتا تھا، اس پر دو گواہ بھی طلب کئے جاتے تھے کہ یہ وہی آیت ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں لکھوائی تھی۔ اب ایک طرف یادداشت تھی، دوسری طرف لکھی ہوئی آیت ملی، پھر اس پر گواہیاں لی گئیں کہ یہ واقعی وہی آیت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھوائی تھی، چنانچہ اس معتمد ترین طریقے سے آیتوں کو جمع کیا جاتا رہا، تو قرآن مجید کی ساری آیتیں مل گئیں، لیکن دو آیتیں کہیں نہیں مل رہی تھیں، یعنی لکھی ہوئی نہیں مل رہی تھیں، یاد تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو تھیں لیکن لکھی ہوئی نہیں مل رہی تھیں۔

❶ ایک سورة الاحزاب کی یہ آیت: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ، جو خوب تلاش کے بعد حضرت خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی۔

❷ دوسری سورة التوبة کی آخری دو آیتیں: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ یہ دونوں آیتیں حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: شبہ یہ ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کے لیے تواتر شرط ہے پھر خبر واحد سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو کس طرح جزء قرآن قرار دیا؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس تواتر ہی سے ثابت تھی، جیسا کہ لفظ فَقَدْتُّ اس پر دلالت بھی کر رہا ہے کہ ایک آیت نہیں ملی جس کو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بار بار سنتا رہا، تو معلوم ہوا کہ صرف ان کو لکھی ہوئی شکل میں آیت کی تلاش تھی، ورنہ اس آیت کے قرآن ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ يَزِيْدَ يُحَدِّثُ

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى أُحُدٍ رَجَعَ
حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ احد کے لیے نکلے تو کچھ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے (منافقین، بہانہ بنا کر) واپس لوٹ گئے، تو صحابہ کی

نَاسٌ مِّمَّنْ خَرَجَ مَعَهٗ وَكَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةٌ تَقُوْلُ
ان واپس ہونے والے منافقین کے بارے میں دو رائے ہوگئیں تھیں، ایک جماعت تو کہتی تھی کہ ہمیں پہلے ان سے جنگ کرنی چاہیے اور دوسری کہتی تھی کہ ان سے ہمیں جنگ نہیں کرنی

نُقَاتِلُهُمْ وَ فِرْقَةٌ تَقُولُ لَا نُقَاتِلُهُمْ فَنَزَلَتْ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ
چاہیے۔اس پر آیت نازل ہوئی (ترجمہ) پس تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ منافقین کے بارے میں تمہاری دو جماعتیں ہوگئیں ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بداعمالی کی وجہ سے انہیں کفر

بِمَا كَسَبُوْا وَ قَالَ إِنَّهَا طَيِّبَةٌ تَنْفِي الذُّنُوبَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْفِضَّةِ
کی طرف لوٹا دیا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ "طیبہ" ہے، یہ گناہوں کو ایسے دور کر دیتا ہے جیسے آگ کی بھٹی چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔

غزوۂ اُحد کے موقع پر اُحد تشریف لے جانے سے پہلے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ مشرکین مکہ کے لشکر سے مدینہ منورہ میں رہ کر مقابلہ کرنا بہتر ہے یا مدینہ سے باہر جانا چاہیے؟ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ ہوئی کہ ہمیں مدینہ منورہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہیے، جبکہ نبی کریم ﷺ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم مدینہ کے اندر رہ کر ہی لڑیں، یہی رائے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی بھی تھی، لیکن بالآخران لوگوں کی رائے پر عمل ہوا جن کی خواہش مدینہ منورہ سے باہر نکل کر لڑنے کی تھی۔

یہ مشورہ جمعہ کے دن ہوا تھا اور اگلے دن آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ منورہ سے باہر اُحد پہنچ گئے۔ شروع میں رئیس المنافقین بھی اپنے ساتھیوں سمیت لشکر کے ساتھ نکلا، لیکن آدھے راستے سے وہ اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس ہو گیا کہ آپ لوگوں نے چونکہ ہماری بات نہیں مانی، لہٰذا ہم واپس جارہے ہیں، چنانچہ اس کڑے وقت میں وہ اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس چلا گیا۔مسلمانوں کی تعداد پہلے ہی ایک ہزار تھی جبکہ کافروں کا تین ہزار کا لشکر تھا، پھر ان ایک ہزار میں سے بھی جب تین سو مزید چلے گئے تو یہ لشکر صرف سات سو کے لگ بھگ مسلمانوں پر مشتمل رہ گیا، البتہ اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ منافقین کا نفاق ظاہر ہو گیا۔

جب یہ تین سو منافقین واپس چلے گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کے بارے میں اختلاف ہو گیا، فِرْقَةٌ تَقُولُ نُقَاتِلُهُمْ ایک جماعت کہتی تھی کہ یہ منافقین جنہوں نے آڑے وقت میں نبی کریم ﷺ کا ساتھ چھوڑا ہے، ہم ان سے بھی قتال کریں گے، وَ فِرْقَةٌ تَقُولُ لَا نُقَاتِلُهُمْ دوسرا فریق کہتا تھا کہ نہیں، یہ بظاہر کلمہ گو ہیں اس لئے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، ہم ان سے قتال نہیں کریں گے۔اس پر آیت نازل ہوئی: فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم منافقوں کے بارے میں دو جماعتیں بن گئے ہو، وَ اللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اللہ نے ان کو ان کے برے اعمال کی وجہ سے واپس کیا ہے۔ کیونکہ یہ پاک راستہ ہے، جہاد ہے، اس میں اچھے لوگ، شریف لوگ اور مسلمان ہی شریک ہونے چاہئیں، اس لئے ان منافقین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے برے اعمال کی وجہ سے واپس کر دیا۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ کی ایک تفسیر وہ ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ یہاں ذکر کی ہے، اس تفسیر کے مطابق یہ آیت منافقین یعنی عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جبکہ

ترمذی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ایک دوسری روایت مذکور ہے۔

وہ روایت یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے کچھ لوگوں نے آکر اسلام قبول کیا، پھر کچھ دن مدینہ منورہ میں رہنے کے بعد وہ مرتد ہو گئے اور واپس مکہ مکرمہ چلے گئے۔ اس وقت میں یہ آیت نازل ہوئی: فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ کہ یہ تھے ہی منافق، ظاہر میں انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، اللہ نے انہیں ان کے اعمال کے سبب واپس کر دیا۔

اس آیت کے شان نزول میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ واقعہ افک کے متعلق جب آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ میرے اہل خانہ کے متعلق مجھے ایذاء پہنچائی گئی، چونکہ عبداللہ بن اُبی نے اس میں بڑا کردار ادا کیا تھا تو اس موقع پر عبداللہ بن اُبی کے بارے میں اوس اور خزرج سے تعلق رکھنے والے صحابہ میں اختلاف ہو گیا، مذکورہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی۔

بہر حال یہ ایک ہی آیت ہے مگر اس سے متعلق مختلف روایتیں ہیں اور یہ ممکن ہے کہ آیت ایک ہو، لیکن شان نزول دو یا دو سے زائد ہوں، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ تین واقعات پیش آئے، پھر ان سب سے متعلق ایک آیت نازل ہو گئی اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آیت پہلے نازل ہو گئی، پھر وہ آیت مختلف واقعات پر صادق آجاتی، تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہر ایک سے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ نزلت فی کذا، نزلت فی کذا۔ یہ اصولی بات اس لیے بتادی کہ جگہ جگہ یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک ہی آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ فلاں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، فلاں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تو دونوں ہی باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہوتی ہیں۔

روایت کے آخر میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّهَا طَيْبَةُ تَنْفِي الذُّنُوبَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْفِضَّةِ کہ یہ مدینہ منورہ پاکیزہ جگہ ہے، یہ گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے آگ چاندی کے میل اور زنگ کو ختم کر دیتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے منافقانہ حرکات کیں اللہ تعالیٰ یقیناً ان کے نفاق کو واضح کر دیں گے اور ان کی حیثیت مشتبہ نہیں رہے گی۔

بَابٌ: إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

یہ باب اس آیت کے بارے میں ہے

ترجمہ: جب تم میں سے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں، حالانکہ اللہ ان کا حامی و ناصر تھا، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

قبیلہ خزرج کی ایک شاخ بنو سلمہ اور قبیلہ اوس کی ایک شاخ بنو حارثہ تھی، جس وقت عبداللہ بن اُبی تین سو آدمیوں کو لے کر مقام شیخین سے واپس ہوا تو بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے دل میں بھی واپسی کا خیال آیا، لیکن یہ لوگ مخلص تھے اس لئے اللہ نے ان کی دستگیری فرمائی اور واپسی کا ارادہ ان کے دل سے نکال دیا، قرآن کی اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِيْنَا إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی تھی إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا

بَنِيْ سَلِمَةَ وَ بَنِيْ حَارِثَةَ وَ مَا أُحِبُّ أَنَّهَا لَمْ تَنْزِلْ وَاللهُ يَقُوْلُ وَاللهُ وَلِيُّهُمَا
یعنی بنی حارثہ اور بنی سلمہ کے بارے میں اور میری خواہش نہیں ہے کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی، کیونکہ اللہ آگے فرما رہا ہے وَاللهُ وَلِيُّهُمَا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی چونکہ بنوسلمہ سے تھا اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ کی یہ آیت ہمارے یعنی بنوسلمہ اور بنو حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی اور میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی کیونکہ اس کے شروع میں اگرچہ ہماری بزدلی کا ذکر ہے،لیکن آگے ایک ایسا جملہ آرہا ہے جو ہمارے لیے باعث فخر ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں فرمایا وَاللهُ وَلِيُّهُمَا یعنی اس آیت میں اگرچہ ان دو قبیلوں کی کمزوری کا ذکر ہے لیکن اس میں وَاللهُ وَلِيُّهُمَا کا زبردست انعام بھی تو ہے اس لئے اس آیت کے نزول پر ہم خوش ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے دل میں غلطی کا خیال آسکتا ہے، وسوسہ شیطانی بھی آسکتا ہے،لیکن اگر آدمی اس وسوسے پر عمل نہ کرے تو اس کی ولایت اور بزرگی میں کوئی فرق نہیں آتا، چنانچہ ان دونوں قبیلوں کو غزوۂ اُحد میں خیال آیا تھا کہ پیٹھ پھیر لیں، جنگ سے الگ ہو جائیں لیکن اللہ نے ان کی مدد کی اور اس خیال پر انہوں نے عمل نہیں کیا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَكَحْتَ يَا جَابِرُ؟
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ جابر! کیا نکاح کر لیا؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا

قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مَاذَا أَبِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟ قُلْتُ لَا بَلْ ثَيِّبًا قَالَ فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُكَ قُلْتُ
کہ کنواری سے یا بیوہ سے؟ میں نے عرض کیا کہ بیوہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی کنواری لڑکی سے کیوں نہ کیا؟ جو تمہارے ساتھ کھیلا کرتی۔ میں نے عرض کیا کہ

يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ أَبِيْ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ وَ تَرَكَ تِسْعَ بَنَاتٍ كُنَّ لِيْ تِسْعَ أَخَوَاتٍ فَكَرِهْتُ أَنْ أَجْمَعَ
یا رسول اللہ! میرے والد اُحد کی لڑائی میں شہید ہو گئے، انہوں نے نو لڑکیاں چھوڑیں۔ میری نو بہنیں موجود ہیں۔ اسی لیے میں نے مناسب نہیں خیال کیا کہ انہیں جیسی

إِلَيْهِنَّ جَارِيَةً خَرْقَاءَ مِثْلَهُنَّ وَلٰكِنِ امْرَأَةً تَمْشُطُهُنَّ وَ تَقُوْمُ عَلَيْهِنَّ قَالَ أَصَبْتَ
ناتجربہ کار لڑکی ان کے پاس لا کر بٹھا دوں، بلکہ ایک ایسی عورت لاؤں جو ان کی دیکھ بھال کر سکے اور ان کی صفائی وستھرائی کا خیال رکھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا۔

اس روایت میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے، ان کے والد عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے، جو غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مناسبت سے یہ حدیث غزوۂ اُحد کے تحت ذکر فرمائی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نو بہنیں تھیں، اور والد کے انتقال کے وقت اُن پر قرضہ بھی کافی تھا یہ اپنے والد کے اکیلے بیٹے تھے، بہر حال! یہ شہید کے بیٹے تھے، کم عمر تھے، محنتی تھے اور اپنی بہنوں کا خاص خیال رکھنے والے بھی تھے، اس لئے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

مذکورہ بالا روایت دراصل ایک لمبی روایت کا حصہ ہے، جسے امام بخاریؒ نے کتاب البیوع میں ذکر کیا ہے، اس میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سفر جہاد (غزوۂ بنو مصطلق) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گئے، جب جہاد سے واپس آرہے تھے تو ان کی سواری سست رفتاری سے چل رہی تھی، قافلے کا ساتھ دینا مشکل ہو رہا تھا، اتنے میں ایک سوار پیچھے سے آیا اور اس نے اونٹ کو چھڑی ماری جس کی وجہ سے اونٹ ایسا تیز ہو گیا کہ اب سنبھالے نہ سنبھلے، انہوں نے پلٹ کر جو دیکھا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

پھر اس رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونٹ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اونٹ ساتھ ساتھ رہا، اس رات کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ لیلۃ البعیر کے نام سے ذکر کرتے تھے اور بڑی ہی محبت سے اس رات کا تذکرہ کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے اس رات میں بہت ساری باتیں کیں اور فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے بات کرتے کرتے پچیس مرتبہ فرمایا کہ غفر اللہ لک یا جابر، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باتیں بھی کر رہے تھے اور بار بار دعا بھی دے رہے تھے۔

اب جب اونٹ تیز جا رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ اتنی جلدی کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں نے شادی کر لی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ باکرہ سے کی ہے یا ثیبہ سے؟ تو کہا کہ میں نے ثیبہ سے شادی کی ہے۔الخ، جیسا کہ یہاں بھی روایت میں آرہا ہے۔

یہاں روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے جابر! تم نے نکاح کر لیا؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں تکلفات نہیں تھے اور نہ ہی وہ شادی بیاہ میں فضول خرچی اور وقت کا ضیاع کیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع بھی نہیں ہوئی، اسی طرح عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی، ان کے کپڑوں پر خوشبو کا نشان دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندازہ ہوا کہ انہوں نے شادی کر لی ہے۔ معلوم ہوا کہ شادی میں کسی بزرگ کو بلانا کوئی ضروری نہیں ہے اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ کسی بزرگ سے ہی نکاح پڑھوایا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نکاح کے لئے کنواری لڑکی کی ترغیب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے کنواری سے نکاح کیا ہے یا ثیبہ سے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے ثیبہ سے نکاح کیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُكَ؟ تم نے ایسی (کنواری) لڑکی سے کیوں شادی نہیں کی جو تم سے کھیلتی؟ یہاں اس روایت میں تلاعبک ہے لیکن دوسری روایت میں تلاعبھا وتلاعبک بھی آیا ہے کہ تم اس لڑکی (اپنی بیوی) سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ إِنَّ أَبِي قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ یہ وہ اصل بات ہے جو کتاب المغازی اور غزوۂ اُحد سے متعلق ہے، یا رسول اللہ! میرے والد شہید ہوگئے، وَ تَرَكَ تِسْعَ بَنَاتٍ اور انہوں نے نو بیٹیاں چھوڑی ہیں، یعنی میری نو بہنیں ہیں، فَكَرِهْتُ أَنْ أَجْمَعَ إِلَيْهِنَّ جَارِيَةً خَرْقَاءَ مِثْلَهُنَّ تو میں نے ناپسند کیا کہ میں ان لڑکیوں کے ساتھ ایک اورلڑکی کو جمع کردوں، جوان ہی کی طرح ناتجربہ کار ہو، (خرقاء ناتجربہ کار کو کہتے ہیں) وَلٰكِنِ امْرَأَةً تَمْشُطُهُنَّ بلکہ ایسی عورت سے شادی کروں جوان بچیوں کی کنگھی کرے وَ تَقُومُ عَلَيْهِنَّ اوران کا خیال کرے۔

غرض، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی چاہت اگرچہ یہی تھی کہ میں باکرہ سے شادی کروں، کیونکہ وہ بے تکلف ہوتی ہے، لیکن انہوں نے سوچا کہ اگر میں نے کسی ناتجربہ کارلڑکی سے شادی کی تو گھر کیسے چلے گا؟ نولڑکیاں تو پہلے سے ہیں، ایک دسویں بھی ان جیسی لڑکی ہی آجائے گی، جبکہ مجھے تو ایک تجربہ کار عورت چاہیے، جو گھر کی دیکھ بھال کرے، کھانا پکائے، چیزوں کا خیال کرے اوران بچیوں کو بھی سمجھائے کہ بیٹا! یہ کام کرو، یہ کام نہ کرو، اس طرح کھانا پکاتے ہیں، اس طرح بال صاف رکھتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، اس لیے انہوں نے محض چھوٹی بہنوں کی خاطر ایک ثیبہ سے شادی کی، تاکہ ان بہنوں کے حقوق ادا ہوسکیں اوران کی صحیح نگرانی اور خیال رکھا جاسکے۔ چنانچہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ وجہ بیان کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَصَبْتَ تم نے بالکل ٹھیک کیا۔

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ أَبِي سُرَيْجٍ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ فِرَاسٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ

حَدَّثَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ أَبَاهُ اُسْتُشْهِدَ يَوْمَ أُحُدٍ وَتَرَكَ عَلَيْهِ دَيْنًا وَ تَرَكَ

شعبیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ان کے والد (عبداللہ رضی اللہ عنہ) اُحد کی لڑائی میں شہید ہو گئے تھے اور قرض چھوڑ گئے تھے

سِتَّ بَنَاتٍ فَلَمَّا حَضَرَ جِزَازُ النَّخْلِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ

اور چھ لڑکیاں بھی۔ جب درختوں سے کھجور اتارے جانے کا وقت قریب آیا تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ

قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ وَالِدِي قَدِ اسْتُشْهِدَ يَوْمَ أُحُدٍ وَتَرَكَ دَيْنًا كَثِيْرًا وَ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ يَّرَاكَ الْغُرَمَاءُ

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ میرے والد اُحد کی لڑائی میں شہید ہو گئے اور قرض چھوڑ گئے ہیں، میں چاہتا تھا کہ قرض خواہ آپ کو دیکھ لیں (اور کچھ نرمی برتیں)

فَقَالَ اذْهَبْ فَبَيْدِرْ كُلَّ تَمْرٍ عَلَى نَاحِيَةٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ دَعَوْتُهُ فَلَمَّا نَظَرُوْا إِلَيْهِ كَأَنَّهُمْ أُغْرُوْا بِي

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اور ہر قسم کی کھجور کا الگ الگ ڈھیر لگا لو۔ میں نے حکم کے مطابق عمل کیا اور پھر آپ کو بلانے گیا۔ جب قرض خواہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو

تِلْكَ السَّاعَةَ فَلَمَّا رَأَى مَا يَصْنَعُوْنَ أَطَافَ حَوْلَ أَعْظَمِهَا بَيْدَرًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ

جیسے اس وقت مجھ پر اور زیادہ بھڑک اٹھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کا یہ طرزِ عمل دیکھا تو آپ پہلے سب سے بڑے ڈھیر کے چاروں طرف تین مرتبہ گھومے۔ اس کے بعد اس پر

ثُمَّ قَالَ أُدْعُ لَكَ أَصْحَابَكَ فَمَا زَالَ يَكِيْلُ لَهُمْ حَتّٰى أَدَّى اللهُ عَنْ وَالِدِي أَمَانَتَهُ وَ أَنَا أَرْضٰى

بیٹھ گئے اور فرمایا اپنے قرض خواہوں کو بلا لاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر انہیں ناپ کے دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کی طرف سے ان کی ساری امانت ادا کردی۔ میں اس

أَنْ يُّؤَدِّيَ اللهُ أَمَانَةَ وَالِدِي وَلَا أَرْجِعُ إِلَى أَخَوَاتِي بِتَمْرَةٍ فَسَلَّمَ اللهُ الْبَيَادِرَ كُلَّهَا حَتّٰى إِنِّي أَنْظُرُ

پر خوش تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کی امانت ادا کرادے اور میں اپنی بہنوں کے لیے ایک کھجور بھی نہ لے جاؤں لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام ڈھیر بچا دیئے بلکہ اس ڈھیر کو بھی جب دیکھا

إِلَى الْبَيْدَرِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّهَا لَمْ تَنْقُصْ تَمْرَةً وَاحِدَةً
جس پر آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ جیسے اس میں سے ایک کھجور کا دانہ بھی کم نہیں ہوا۔

ایک تعارض اور اس کا حل: اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کی بوقت شہادت چھ بیٹیاں تھیں جبکہ اس سے پہلی روایت میں نو بیٹیوں کا ذکر ہے، تو بظاہر تعارض ہو گیا۔ شراح حضرات نے تطبیق یوں دی ہے کہ اصل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کی بوقت شہادت نو بیٹیاں تھیں لیکن ان میں سے تین شادی شدہ تھیں اس لئے اس روایت میں ان تین شادی شدہ بچیوں کا ذکر نہیں ہے اور پہلی روایت میں ان کا بھی ذکر ہے واللہ اعلم۔

ان دونوں روایات میں چونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے جنگ اُحد میں شہید ہونے کا ذکر ہے، اس لئے امام بخاریؒ نے یہ دونوں روایتیں یہاں ذکر فرمائیں ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ
عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ
سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ اُحد کے موقع پر میں نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ کے ساتھ دو اصحاب (جبرئیلؑ اور میکائیلؑ انسانی صورت میں) آئے ہوئے تھے
وَمَعَهُ رَجُلَانِ يُقَاتِلَانِ عَنْهُ عَلَيْهِمَا ثِيَابٌ بِيضٌ كَأَشَدِّ الْقِتَالِ مَا رَأَيْتُهُمَا قَبْلُ وَلَا بَعْدُ
وہ آپ ﷺ کو اپنی حفاظت میں لے کر کفار سے سختی سے لڑ رہے تھے، ان کے جسم پر سفید کپڑے تھے، میں نے انہیں نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد بھی دیکھا۔

عَلَيْهِمَا ثِيَابٌ بِيضٌ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اپنے گھروں سے کھلے میدان میں نکلے ہوئے تھے، ایک، دو دن گزر چکے تھے، اتنے عرصے میں کپڑے مٹی اور گرد وغبار وغیرہ سے میلے ہو ہی جاتے ہیں، لیکن ان دو آدمیوں کے اوپر بالکل سفید کپڑے تھے اور وہ دونوں زور وشور سے قتال کر رہے تھے، **مَا رَأَيْتُهُمَا قَبْلُ وَلَا بَعْدُ** میں نے نہ اس سے پہلے ان دونوں کو دیکھا اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھا۔ **وَمَعَهُ رَجُلَانِ** کے نیچے **بین السطور** لکھا ہے کہ مسلم کی روایت میں ان دو آدمیوں کے بارے میں ہے کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام تھے۔

یہ واضح رہے کہ غزوۂ اُحد میں فرشتوں کا نزول اگرچہ ہوا ہے لیکن انہوں نے عام جنگ میں حصہ نہیں لیا بلکہ وہ صرف آپ ﷺ کے دفاع کے لئے جنگ میں شریک ہوئے۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ هَاشِمٍ السَّعْدِيُّ قَالَ
سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ يَقُولُ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ نَثَلَ لِي
سعید ابن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ غزوہ اُحد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے
النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِنَانَتَهُ يَوْمَ أُحُدٍ فَقَالَ ارْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي
اپنے ترکش کے تیر مجھے نکال کر دیئے اور فرمایا کہ تیر برسائے جا، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ

سَمِعْتُ سَعْدًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ جَمَعَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَوَيْهِ يَوْمَ أُحُدٍ
سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ اُحد کے موقع پر آپ ﷺ نے میرے لئے اپنے والد اور والدہ دونوں کو جمع فرمایا (یعنی فرمایا کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں)۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَحْيَى عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ قَالَ

قَالَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَقَدْ جَمَعَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ
سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ اُحد کے موقع پر اپنے والد اور والدہ دونوں کو میرے لئے جمع فرمایا، ان کی مراد آپ ﷺ کے

أُحُدٍ أَبَوَيْهِ كِلَيْهِمَا يُرِيدُ حِينَ قَالَ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي وَهُوَ يُقَاتِلُ
اس ارشاد سے تھی جو آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب وہ جنگ کر رہے تھے کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔

جب اُحد کی جنگ سنگین موڑ پر آ گئی اور مسلمان دونوں طرف سے کافروں کے بیچ گھیرے میں آ گئے تھے، افراتفری کا عالم تھا، اس وقت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ بہت ہی کم افراد رہ گئے تھے، چاروں طرف سے کفار کا حملہ تھا اور ان کی پوری کوشش تھی کہ کسی طریقے سے نبی کریم ﷺ کو شہید کر دیا جائے، اس مشکل صورت حال میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دشمن کے مدمقابل کھڑے ہو گئے، سینہ سامنے کر کے تیر چلا رہے تھے اور کسی کو قریب نہیں آنے دیتے تھے،، نبی کریم ﷺ انہیں تیر اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے اور فرما رہے تھے: اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي اے سعد! تیر چلاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کو کہتے تھے فداک ابی و امی! لیکن دو صحابی ایسے ہیں، جنہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فداک ابی و امی! ان میں ایک "حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ سَعْدٍ

عَنِ ابْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
ابن شدادؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ سعد کے سوا میں نے نبی کریم ﷺ سے نہیں سنا کہ آپ ﷺ نے

وَسَلَّمَ يَجْمَعُ أَبَوَيْهِ لِأَحَدٍ غَيْرَ سَعْدٍ
اس کے لیے دعا میں ماں باپ دونوں کو جمع کر رہے ہوں۔

حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ أَبَوَيْهِ لِأَحَدٍ
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سعد بن مالک کے سوا میں نے اور کسی کے لیے نبی کریم ﷺ کو اپنے والدین کا ایک ساتھ ذکر کرتے نہیں سنا، میں نے خود سنا کہ

إِلَّا لِسَعْدِ بْنِ مَالِكٍ فَإِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ يَوْمَ أُحُدٍ يَا سَعْدُ ارْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي
اُحد کے دن آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ سعد! تیر برساؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔

یہاں دونوں روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ جملہ فداک ابی و امی!

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے بارے میں فرماتے ہوئے نہیں سنا، حالانکہ بعض روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے بھی فرمایا تھا اس کی کیا وجہ ہے؟

❶ علماء فرماتے ہیں کہ یہ عدم علم ہے، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں سنا، اور عدم علم عدم کو مستلزم نہیں ہوتا، یعنی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسا ہوا ہی نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی اور کے لیے یہ جملہ ارشاد نہ فرمایا ہو۔

❷ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نفس سماع کی نفی کر رہے ہیں کہ میں نے نہیں سنا، وقوع کی نفی نہیں کر رہے۔

❸ تیسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُحد کے موقع کی بات کر رہے ہیں کہ اُحد میں صرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا۔

❹ چوتھا احتمال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلا واسطہ یہ جملہ فداک ابی و امی! میں نے صرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں سنا ہے اور کسی کے بارے میں بلا واسطہ یہ جملہ نہیں سنا۔

بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو الگ الگ مواقع پر دو مختلف صحابہ کے لیے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے ایک حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے اور دوسرا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے لیے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے تو یہ جملہ غزوۂ اُحد کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا جس کا ذکر ابھی ہوا، جبکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ جملہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں غزوۂ خندق کے دوران بنو قریظہ کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا، چنانچہ جب حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس مہم سے کامیابی کے ساتھ واپس لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا: فداک ابی و امی!۔

لِسَعْدِ بْنِ مَالِكٍ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے والد کا نام مالک تھا۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ مُعْتَمِرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ

زَعَمَ أَبُو عُثْمَانَ أَنَّهُ لَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ تِلْكَ الْأَيَّامِ الَّتِي

ابو عثمان فرماتے ہیں ان غزوات میں سے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے قتال کیا، ان میں سے بعض غزوہ (احد) میں ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ

يُقَاتِلُ فِيهِنَّ غَيْرُ طَلْحَةَ وَسَعْدٍ عَنْ حَدِيثِهِمَا

طلحہ اور سعد کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ ابو عثمان نے یہ بات طلحہ اور سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی تھی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ قَالَ

سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ قَالَ صَحِبْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ وَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ

میں نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میں عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ بن عبیداللہ،

وَالْمِقْدَادَ وَسَعْدًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا مِّنْهُمْ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

مقداد بن اسود اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کی صحبت میں رہا ہوں لیکن میں نے ان حضرات میں سے کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

وَسَلَّمَ إِلَّا أَنِّيْ سَمِعْتُ طَلْحَةَ يُحَدِّثُ عَنْ يَوْمِ أُحُدٍ

کوئی حدیث بیان کرتے نہیں سنا۔صرف طلحہ رضی اللہ عنہ سے غزوہ احد کے متعلق حدیث سنی تھی۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صغار (کم عمر) صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ میں بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہا ہوں، ان کی صحبت اختیار کی ہے، ان کے قریب رہنے کا اللہ نے مجھے موقع عطا فرمایا ہے، لیکن یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کیا کرتے تھے۔

بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنا فمن كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار کہ جو شخص میری طرف جان بوجھ کر جھوٹ منسوب کرے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرلے، اس ارشاد گرامی کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم حدیث بیان کرتے ہوئے بہت ڈرتے تھے اور احتیاط برتتے ہوئے کثرت تحدیث سے بچتے تھے، چنانچہ سب سے کم احادیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، حالانکہ وہ سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں، البتہ جب بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم دنیا سے رخصت ہونے لگے، تو صغار صحابہ رضی اللہ عنہم کو فکر ہوئی کہ اگر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں لوگوں تک نہیں پہنچائیں اور احادیث نقل نہیں کیں تو یہ سارا ذخیرہ ختم ہو جائے گا، اس لئے انہوں نے روایات کو نقل کرنا شروع کیا، جس کی بدولت یہ احادیث ہم پڑھ رہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں۔

دوسری بات راوی یہ بیان کرتے ہیں کہ إِلَّا أَنِّيْ سَمِعْتُ طَلْحَةَ يُحَدِّثُ عَنْ يَوْمِ أُحُدٍ ہاں مگر میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ کو سنا ہے کہ وہ اُحد کے بارے میں بیان کرتے تھے، دراصل حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اُحد والے دن کافروں سے لڑائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں سب سے زیادہ کارنامے سرانجام دیئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں ان کا ایک ہاتھ بھی شل ہو گیا تھا، جیسا کہ اگلی روایت میں مذکور ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جملہ اس زمانے میں مشہور تھا كان ذلك اليوم كله لطلحة کہ اُحد کا سارا دن طلحہ کا تھا۔ غزوۂ اُحد کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسے شہید کو دیکھنا چاہے جو اب بھی زمین پر چل رہا ہے تو وہ طلحہ کو دیکھ لے۔ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے کافروں سے لڑائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں اپنی جان لڑا دی تھی اور اتنا لڑے تھے کہ گویا شہید ہی ہو گئے ہوں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے: فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔

حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ

عَنْ قَيْسٍ قَالَ رَأَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ شَلَّاءَ وَقٰى بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ

قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ دیکھا جو شل ہو چکا تھا، اس ہاتھ سے اُنہوں نے غزوہ اُحد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی تھی۔

حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ أُحُدٍ انْهَزَمَ النَّاسُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ اُحد میں جب مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے منتشر ہو کر پسپا ہو گئے

وَ أَبُو طَلْحَةَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُجَوِّبٌ عَلَيْهِ بِحَجَفَةٍ لَهُ وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ
تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے چمڑے کی ڈھال سے حفاظت کر رہے تھے۔ اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ

رَجُلًا رَامِيًا شَدِيْدَ النَّزْعِ كَسَرَ يَوْمَئِذٍ قَوْسَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا وَكَانَ الرَّجُلُ يَمُرُّ مَعَهُ بِجَعْبَةٍ مِّنَ
بڑے تیرانداز تھے اور کمان خوب کھینچ کر تیر چلایا کرتے تھے۔ اس دن انہوں نے دو یا تین کمانیں توڑ دی تھیں۔ مسلمانوں میں سے کوئی اگر تیر کا ترکش لیے گزرتا

النَّبْلِ فَيَقُوْلُ انْثُرْهَا لِأَبِيْ طَلْحَةَ قَالَ وَيُشْرِفُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ إِلَى الْقَوْمِ
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے کہ یہ تیر ابوطلحہ کے لیے یہیں رکھتے جاؤ۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کو دیکھنے کے لیے سر اٹھا کر جھانکتے

فَيَقُوْلُ أَبُو طَلْحَةَ بِأَبِيْ أَنْتَ وَ أُمِّيْ لَا تُشْرِفْ يُصِيْبُكَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ الْقَوْمِ نَحْرِيْ دُوْنَ
تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، سر مبارک اوپر نہ اٹھایئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ادھر سے کوئی تیر آپ کو لگ جائے، میری گردن آپ سے

نَحْرِكَ وَلَقَدْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ أَبِيْ بَكْرٍ وَ أُمَّ سُلَيْمٍ وَ إِنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ أَرَى خَدَمَ سُوْقِهِمَا
پہلے ہے اور میں نے دیکھا کہ جنگ میں عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا اور (انس رضی اللہ عنہ کی والدہ) ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے پائنچے اٹھائے ہوئے ہیں کہ ان کی پنڈلیاں نظر آ رہی

تَنْقُزَانِ الْقِرَبَ عَلَى مُتُوْنِهِمَا تُفْرِغَانِهِ فِيْ أَفْوَاهِ الْقَوْمِ ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلَآنِهَا ثُمَّ تَجِيْئَانِ
تھیں اور مشکیزے اپنی پیٹھوں پر لیے دوڑ رہی ہیں اور اس کا پانی زخمی مسلمانوں کو پلا رہی ہیں پھر (جب اس کا پانی ختم ہو جاتا ہے) تو واپس آتی ہیں اور مشک بھر کر پھر لے جاتی ہیں

فَتُفْرِغَانِهِ فِيْ أَفْوَاهِ الْقَوْمِ وَ لَقَدْ وَقَعَ السَّيْفُ مِنْ يَدَيْ أَبِيْ طَلْحَةَ إِمَّا مَرَّتَيْنِ وَ إِمَّا ثَلَاثًا
اور مسلمانوں کو پلاتی ہیں۔ اس دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے دو یا تین مرتبہ تلوار گر گئی تھی۔

اس روایت میں حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا ہے، ان کا نام زید بن سہل الانصاری تھا، لیکن کنیت ابوطلحہ سے معروف ہیں، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد تھے۔

مُجَوِّبٌ عَلَيْهِ بِحَجَفَةٍ لَهُ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ اُحد میں جب مسلمان منتشر ہو رہے تھے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجفة سے چھپایا ہوا تھا۔ حجفة چمڑے کی ڈھال کو کہتے ہیں، عام طور سے ڈھال لوہے کی ہوا کرتی ہے، لیکن اس زمانے میں چمڑے کی ڈھال بھی ہوا کرتی تھی کہ لکڑیاں لگا کر اس کے اوپر چمڑا منڈھ دیتے تھے، اس سے تیروں سے حفاظت ہو جایا کرتی تھی، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے چمڑے کی ڈھال کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کر رہے تھے۔

وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ رَجُلًا رَامِيًا: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بہترین تیرانداز تھے، شَدِيْدَ النَّزْعِ اور بہت زور سے تیر کھینچتے تھے، جب زیادہ زور سے تیر کھینچا جائے تو کمان کی تانت ٹوٹ جاتی ہے، اس لیے آگے آ رہا ہے کہ كَسَرَ يَوْمَئِذٍ قَوْسَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا اس دن انہوں نے دو یا تین کمانیں توڑ دیں۔

وَكَانَ الرَّجُلُ يَمُرُّ مَعَهُ بِجَعْبَةٍ مِّنَ النَّبْلِ: (جعبة اس تھیلے کو کہتے ہیں جس میں تیر رکھے جاتے ہیں یعنی ترکش) کوئی آدمی ان کے پاس سے اپنا تیروں کا ترکش لے کر گزرتا تو نبی کریم ﷺ اس سے کہتے تھے: **انْثُرْهَا لِأَبِيْ طَلْحَةَ** تم ابوطلحہ کے سامنے یہ تیر پھیلا دو۔

وَلَقَدْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ أَبِيْ بَكْرٍ وَ أُمَّ سُلَيْمٍ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا، **وَ إِنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ** اور ان دونوں نے (زخمی مسلمانوں کی دیکھ بھال میں بھاگ دوڑ کی وجہ سے) اپنے پائنچے چڑھائے ہوئے تھے **أَرَى خَدَمَ سُوْقِهِمَا** میں ان کی پنڈلیوں کے خدم دیکھ رہا تھا خدم خدمة کی جمع ہے، وہ زیور جو پاؤں میں پہنا جاتا ہے، یعنی پازیب۔

معلوم ہوا کہ عورت کے لیے زیور پہننا شرعاً جائز ہے، یہ تقویٰ یا زہد کے خلاف نہیں ہے۔ جیسے یہاں بھی مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے پاؤں میں زیور پہنا ہوا تھا، جو دوڑنے کی وجہ سے نظر آرہا تھا۔

اشکال: ام سلیم رضی اللہ عنہا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے نامحرم تھیں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کا انہیں دیکھنا کیسے جائز ہوا؟ اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں۔

1. اس وقت تک حجاب کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، اس لیے عورتوں کو دیکھنا حرام نہیں تھا۔
2. حضرت انس رضی اللہ عنہ نے قصداً نہیں دیکھا تھا بلکہ ان کی نظر پڑ گئی تھی۔
3. حالت امن کو حالت جنگ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

تَنْقُزَانِ الْقِرَبَ عَلَى مُتُوْنِهِمَا (نقز ینقز یہاں نقل ینقل کے معنی میں ہے، قرب، قربة کی جمع ہے، مشکیزے کو کہتے ہیں)۔ غزوۂ اُحد میں سخت حالت تھی، لوگ زخمی پڑے ہوئے تھے، حرکت کرنا مشکل تھا، سخت پیاس کی حالت میں تھے، ایسے میں مرد حضرات تو سارے ہی زخمی تھے یا اپنے دفاع اور کافروں سے قتال میں مصروف تھے، جبکہ عورتیں تیزی سے دوڑ دوڑ کر ان زخمیوں کے منہ میں پانی ڈال رہی تھیں، اپنے کندھوں پر مشکیزے منتقل کر رہی تھیں، **تُفْرِغَانِهِ فِيْ أَفْوَاهِ الْقَوْمِ** اور ان مشکیزوں کو قوم کے منہ میں انڈیل رہی تھیں۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ حالت اضطرار میں اگر خواتین مردوں کی مدد کرلیں یا مرد خواتین کی مدد کرلیں تو اس کی گنجائش ہے۔ آج کل مسئلہ یہ ہے کہ چاہے دین دار ہوں یا دنیا دار، دونوں ہی حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ دنیا دار اس قسم کی روایات کو لے کر کہتے ہیں کہ عورتوں کے لیے مردوں کی تیمارداری کرنا جائز ہے، چنانچہ عورتوں کے لیے نرس بننا جائز ہے، ہسپتال میں مردوں کی خدمت کرنا جائز ہے، وغیرہ وغیرہ، حالانکہ یہ سب غلط ہے، اس لیے کہ حالت اضطرار پر عام حالت کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، ایسی کوئی دلیل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے کہ عورتیں عام حالات میں نامحرم

مردوں کی خدمت اور تیمارداری کریں۔ دوسری طرف بعض دین دار حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ کسی حال میں بھی اس کام کی اجازت نہیں ہے خواہ حالت اضطرار ہی کیوں نہ ہو، حالانکہ یہ بھی غلط ہے اور شریعت کے خلاف ہے۔

اب یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا تذکرہ آیا ہے اور آگے آجائے گا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع مل گئی تھی تو وہ بھی آگئی تھیں اور آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرہم پٹی کی، اسی طرح ام سلیط رضی اللہ عنہا بھی خدمت میں پیش پیش تھیں۔ بہرحال یہ خواتین حالت اضطرار میں دوڑ کر مدینہ منورہ سے آئیں، تیزی سے زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالا اور زخمیوں کی مدد کی۔

وَلَقَدْ وَقَعَ السَّيْفُ مِنْ يَدَىْ أَبِي طَلْحَةَ إِمَّا مَرَّتَيْنِ وَإِمَّا ثَلَاثًا: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے تلوار گر رہی تھی، بین السطور میں امام مسلمؒ کی طرف سے ان الفاظ کا اضافہ ہے من النعاس یعنی تلوار اونگھ کی وجہ سے گر رہی تھی۔ یہ وہی بات ہے جو پہلے بھی عرض کی گئی کہ اونگھ اگر نماز کی حالت میں ہو تو شیطان کی طرف سے ہے انما النعاس والتثاؤب من الشیطان نماز میں اونگھ کا آنا یا جمائی کا آنا سستی کی علامت ہے اور یہ شیطان کی جانب سے ہے، لیکن اگر یہی اونگھ حالت جنگ کے اندر آئے تو یہ عام طور سے سکینت کی علامت ہوتی ہے کہ آدمی کو اونگھ آئی، ذرا سا سر جھکایا، پھر اس کی آنکھ کھلی تو وہ تازہ دم ہو جاتا ہے۔ اس کو قرآن نے اَمَنَةً نُّعَاسًا فرمایا ہے۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمَ أُحُدٍ هُزِمَ الْمُشْرِكُونَ فَصَرَخَ إِبْلِيسُ لَعْنَةُ اللهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جنگ اُحد کے شروع میں پہلے مشرکین شکست کھا گئے تھے، تو ابلیس اللہ کی اس پر لعنت ہو، دھوکا دینے کے لیے پکارنے لگا۔ اے اللہ کے بندو!

عَلَيْهِ أَيْ عِبَادَ اللهِ أُخْرَاكُمْ فَرَجَعَتْ أُولَاهُمْ فَاجْتَلَدَتْ هِيَ وَأُخْرَاهُمْ فَبَصُرَ حُذَيْفَةُ فَإِذَا هُوَ

اپنے پیچھے والوں سے خبردار ہو جاؤ۔ اس پر جو مسلمان آگے تھے وہ لوٹ پڑے اور پیچھے والوں سے بھڑ گئے۔ حذیفہ بن یمانؓ نے جب دیکھا کہ ان کے والد یمانؓ انہیں میں ہیں

بِأَبِيهِ الْيَمَانِ فَقَالَ أَيْ عِبَادَ اللهِ أَبِي أَبِي قَالَ قَالَتْ فَوَاللهِ مَا احْتَجَزُوا حَتَّى قَتَلُوهُ فَقَالَ

(جنہیں مشرک سمجھ کر مارا جا رہا ہے)۔ تو وہ کہنے لگے مسلمانو! یہ میرے والد ہیں، عروہ کہتے ہیں کہ عائشہؓ نے فرمایا کہ واللہ انہوں نے ان کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک قتل نہ کر

حُذَيْفَةُ يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ قَالَ عُرْوَةُ فَوَاللهِ مَا زَالَتْ فِي حُذَيْفَةَ بَقِيَّةُ خَيْرٍ حَتَّى لَحِقَ بِاللهِ بَصُرْتُ

لیا۔ حذیفہؓ نے صرف اتنا کہا کہ اللہ تمہیں معاف کرے۔ عروہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حذیفہؓ مسلسل ان لوگوں کے لئے دعا کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے۔ بصُرتُ،

عَلِمْتُ مِنَ الْبَصِيرَةِ فِي الْأَمْرِ وَأَبْصَرْتُ مِنْ بَصَرِ الْعَيْنِ وَيُقَالُ بَصُرْتُ وَأَبْصَرْتُ وَاحِدٌ

عَلِمْتُ کے معنی میں ہے، یعنی دل کی آنکھوں سے سمجھنا اور أَبصَرتُ آنکھوں سے دیکھنے کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بصُرتُ اور أَبصَرتُ کے ایک ہی معنی ہیں۔

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب تیراندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت جمع کرنے کے لئے اترے، چنانچہ اس موقع پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، لیکن چونکہ ایسا غلطی سے ہو گیا تھا، اس لئے وہ مسلمانوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے تھے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ اور ایک اور صحابی حضرت ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوڑھا ہونے کی وجہ سے عورتوں اور بچوں کے پاس بٹھایا تھا، لیکن ان دونوں نے جب مسلمانوں کی شکست دیکھی تو شوق شہادت میں جنگ میں شریک ہو گئے، تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو کافروں کے ہاتھوں شہادت ملی جبکہ حضرت یمان رضی اللہ عنہ لاعلمی میں مسلمانوں کی تلواروں کی زد میں آ گئے۔

عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: فَوَاللهِ مَا زَالَتْ فِيْ حُذَيْفَةَ بَقِيَّةُ خَيْرٍ اللہ کی قسم! ہمیشہ حذیفہ کے دل میں کچھ خیر باقی رہی۔ یہ ایک روایت ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کے دل میں ہمیشہ خیر باقی رہی، یعنی غم کے باوجود وہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کے لیے استغفار کرتے رہے، لیکن دوسری روایت ہے: بقية حزن یعنی انہیں غم رہا کہ یہ کیا ہو گیا کہ میرے والد کو مسلمانوں نے ہی شہید کر دیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ چونکہ یہ قتل خطا تھا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی کہ ہم آپ کو دیت ادا کرتے ہیں، لیکن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیت بھی معاف کر دی، ان مسلمان بھائیوں کو بھی معاف کر دیا، بلکہ ان کے لیے دعائے استغفار کرتے رہے۔

بَصُرْتُ عَلِمْتُ مِنَ الْبَصِيْرَةِ: یہاں روایت کے درمیان میں ایک لفظ آیا ہے فَبَصُرَ حُذَيْفَةُ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت مبارکہ ہے کہ وہ اکثر لغت کی بھی تشریح کر دیتے ہیں، چنانچہ یہاں روایت کے آخر میں بصر اور ابصر کے معانی کو بیان فرما رہے ہیں۔

بصر يبصر اگر مجرد سے استعمال ہو تو اس کے معنی بصیرت کے ہوتے ہیں، اور اگر أبصر يبصر باب افعال سے ہو تو اس کے معنی بصارت کے ہوتے ہیں۔ بصارت کا تعلق آنکھوں سے ہے، جبکہ بصیرت کا تعلق دل سے ہے۔ تو بصر عام طور سے بصیرت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور أبصر بصارت یعنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اب یہاں حدیث میں جو بصر کا لفظ آیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بصر دراصل أبصر کے معنی میں ہے، کیونکہ یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دل سے دیکھا، بلکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ لوگ ان کے والد کو شہید کر رہے ہیں، نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بصر اور أبصر دونوں مشترک لفظ ہوں اور بصارت اور بصیرت دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہوں، بہر حال امام بخاریؒ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دونوں توجیہات ذکر کر دیں۔

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى

یہ باب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں ہے

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ پھیری جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے، درحقیقت ان کے بعض اعمال کے نتیجے میں شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کر دیا تھا اور یقین رکھو کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے، یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا بردبار ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق غزوۂ اُحد سے ہے کہ افراتفری کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ صرف تیرہ صحابہ رہ گئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس لغزش کی معافی کا اعلان فرما دیا۔ بعض علماء اس آیت سے غزوۂ بدر مراد لیتے ہیں جو درست نہیں کیونکہ غزوۂ بدر میں کسی مسلمان سے بھی تولی و فرار ثابت نہیں، بظاہر ان حضرات کو يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ کے الفاظ سے اشتباہ ہو گیا کیونکہ سورۂ انفال کی آیت وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ میں يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ سے مراد غزوۂ بدر ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ حَجَّ الْبَيْتَ فَرَأَى قَوْمًا جُلُوسًا فَقَالَ مَنْ هٰؤُلَاءِ

عثمان بن موہبؒ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب بیت اللہ کے حج کے لیے آئے تھے، اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، پوچھا کہ یہ بیٹھے ہوئے کون لوگ ہیں؟

الْقُعُودُ قَالُوا هٰؤُلَاءِ قُرَيْشٌ قَالَ مَنِ الشَّيْخُ قَالُوا ابْنُ عُمَرَ فَأَتَاهُ فَقَالَ إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ شَيْءٍ

لوگوں نے بتایا کہ یہ قریش ہیں۔ اس نے پوچھا کہ ان میں یہ شیخ کون ہیں؟ بتایا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ صاحب ابن عمر کے پاس آئے اور کہا کہ میں آپ سے ایک بات پوچھتا

أَ تُحَدِّثُنِي قَالَ أَنْشُدُكَ بِحُرْمَةِ هٰذَا الْبَيْتِ أَ تَعْلَمُ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَرَّ يَوْمَ أُحُدٍ

ہوں، آپ مجھ سے واقعات (صحیح) بیان کر دیں۔ اس گھر کی حرمت کی قسم دے کر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان نے غزوہ اُحد کے موقع پر راہ فرار اختیار کی

قَالَ نَعَمْ قَالَ فَتَعْلَمُهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَدْرٍ فَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَتَعْلَمُ أَنَّهُ تَخَلَّفَ عَنْ

تھی؟ انہوں نے کہا کہ ہاں صحیح ہے، اس نے پوچھا آپ کو یہ بھی معلوم ہے عثمان بدر کی لڑائی میں شریک نہیں تھے؟ کہا کہ ہاں یہ بھی ہوا تھا، اس نے پوچھا اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ

بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَكَبَّرَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ تَعَالَ لِأُخْبِرَكَ وَلِأُبَيِّنَ لَكَ

وہ بیعت رضوان میں بھی پیچھے رہ گئے تھے اور موجود نہ تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں صحیح ہے اس پر اس نے (بطور خوشی) اللہ اکبر کہا تو ابن عمرؓ نے کہا۔ یہاں آؤ میں تمہیں بتاؤں گا اور جو

عَمَّا سَأَلْتَنِي عَنْهُ أَمَّا فِرَارُهُ يَوْمَ أُحُدٍ فَأَشْهَدُ أَنَّ اللهَ عَفَا عَنْهُ وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَدْرٍ فَإِنَّهُ كَانَ

سوالات تم نے کئے ہیں، میں اس کی تفصیل بیان کر دوں۔ اُحد کی لڑائی میں فرار سے متعلق جو تم نے کہا تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی غلطی معاف کر دی ہے۔ بدر کی

تَحْتَهُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ مَرِيضَةً فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

لڑائی میں ان کے نہ ہونے کے متعلق جو تم نے کہا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نکاح میں آپ ﷺ کی صاحبزادی (رقیہؓ) تھیں اور وہ بیمار تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا

وَسَلَّمَ إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَإِنَّهُ

کہ تمہیں اس شخص کے برابر ثواب ملے گا جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوگا اور اسی کے برابر مال غنیمت سے حصہ بھی ملے گا۔ بیعت رضوان میں ان کی عدم شرکت کا جہاں تک سوال ہے

لَوْ كَانَ أَحَدٌ أَعَزَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ لَبَعَثَهُ مَكَانَهُ فَبَعَثَ عُثْمَانَ وَكَانَ بَيْعَةُ
تو وادی مکہ میں عثمان بن عفان سے زیادہ کوئی شخص ہر دل عزیز ہوتا تو نبی کریم ﷺ ان کے بجائے اسی کو بھیجتے۔ اس لیے عثمان کو وہاں بھیجنا پڑا اور بیعت رضوان اس وقت

الرِّضْوَانِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ عُثْمَانُ إِلٰى مَكَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى
ہوئی جب وہ مکہ میں تھے۔ اور (بیعت لیتے ہوئے) نبی کریم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اٹھا کر فرمایا

هٰذِهٖ يَدُ عُثْمَانَ فَضَرَبَ بِهَا عَلٰى يَدِهٖ فَقَالَ هٰذِهٖ لِعُثْمَانَ اذْهَبْ بِهٰذَا الْاٰنَ مَعَكَ
کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور اسے اپنے (بائیں) ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے، اب اس وضاحت کو سن کر تم جا سکتے ہو۔

اس روایت میں ہے کہ سائل نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تین سوال کئے اور انہوں نے ان کا جواب دیا، جس پر سائل خوشی سے نعرے لگانے لگا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بھانپ لیا کہ اس سائل کا مقصود فتنہ انگیزی ہے، چنانچہ جب وہ پلٹ کر جانے لگا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: **تَعَالَ لِأُخْبِرَكَ وَلِأُبَيِّنَ لَكَ عَمَّا سَأَلْتَنِيْ عَنْهُ** اور پھر اپنے جوابات کی مکمل وضاحت فرمائی اور پھر اس سے کہا: **اِذْهَبْ بِهٰذَا الْاٰنَ مَعَكَ** گویا سائل کو یہ بات سمجھا دی کہ تم جن باتوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تنقیص سمجھ رہے ہو، وہ ان کی تنقیص نہیں بلکہ ان سے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ علماء کرام اور مفتیان کرام کو سائل کے سوال میں غور کرنا چاہئے اور اگر سائل کے سوال سے فتنہ انگیزی کی بُو آ رہی ہو تو جواب مکمل وضاحت کے ساتھ اور اس انداز میں دینا چاہئے کہ ان کے جواب سے فتنہ ختم ہو جائے۔

چونکہ اس روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غزوۂ اُحد میں پیچھے ہٹنے کا ذکر ہے اس مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت یہاں غزوۂ اُحد میں ذکر فرمائی واللہ اعلم۔

بَابٌ

إِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

(وہ وقت یاد کرو) جب تم چلے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے، اور رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے، چنانچہ اللہ نے تمہیں غم کے بدلے غم دیا، تا کہ آئندہ تم غم نہ کیا کرو، نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، اور نہ کسی مصیبت پر جو تمہیں پہنچ جائے اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

تُصْعِدُوْنَ تَذْهَبُوْنَ أَصْعَدَ وَصَعِدَ فَوْقَ الْبَيْتِ

اس آیت کریمہ میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور کفار نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ باقی رہ جانے والے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کر کے مسلمانوں کے لشکر پر اچانک عقب سے حملہ کیا تو اس وقت افراتفری پیدا ہوئی اور بھگدڑ مچی، آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو پکار رہے

تھے لیکن وہ اس عالم میں آپ ﷺ کی آواز نہیں سن پا رہے تھے۔

فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ:

❶ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ پہلے غم سے مراد شکست کا غم ہے اور دوسرے غم سے مراد وہ غم ہے جو رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کی تجویز پر عمل نہ کر کے پہنچایا گیا، حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ مورچہ کسی حال میں نہیں چھوڑنا لیکن انہوں نے چھوڑ دیا، اس سے اللہ کے رسول ﷺ کو غم ہوا، اس غم کی وجہ سے اللہ نے مسلمانوں کو شکست کا غم پہنچایا۔

❷ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم نے بدر میں مشرکین کو غم پہنچایا تھا، اب احد میں تمہیں غم پہنچ گیا۔

❸ تیسرا مطلب یہ ہے کہ باء مصاحبت کے لئے ہے کہ ہم نے تمہیں غم کے ساتھ غم پہنچایا، ایک غم یہ کہ تم نے غلطی کی جس سے حضور ﷺ کو تکلیف ہوئی اور اس کا تمہیں بھی غم ہوا، دوسرا غم یہ کہ تمہیں شکست ہوگئی، گویا دو غم جمع ہو گئے۔

تُصْعِدُوْنَ تَذْهَبُوْنَ أَصْعَدَ وَ صَعِدَ فَوْقَ الْبَيْتِ: امام بخاریؒ لغت بیان فرما رہے ہیں کہ تُصْعِدُوْنَ (چڑھے جارہے تھے) کا معنی ہے: تَذْهَبُوْنَ (چلے جارہے تھے)، أَصْعَدَ اور صَعِدَ ایک ہی معنی میں ہے، فوق البیت یعنی گھر کے اوپر چڑھنا۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ صعد یصعد چاہے مجرد سے ہو یا باب افعال سے اس کے معنی چڑھنے کے بھی ہیں اور جانے کے بھی ہیں، لہٰذا یہ ترجمہ بھی کر سکتے ہیں کہ تم چلے جارہے تھے، بعض اکابرؒ نے یہی ترجمہ کیا ہے، کیونکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے جو اس موقع پر مدینہ منورہ کی طرف گئے ہیں، اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پہاڑ کے اوپر چڑھے تھے، تو تُصْعِدُوْنَ کے معنی جانے کے بھی ہو سکتے ہیں تا کہ یہ سب پر صادق آجائے۔

حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ قَالَ

سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الرَّجَّالَةِ

حضرات براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوہ اُحد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے (تیر اندازوں کے) پیدل دستے کا امیر عبداللہ بن جبیرؓ کو بنایا تھا

يَوْمَ أُحُدٍ عَبْدَ اللهِ بْنَ جُبَيْرٍ وَ أَقْبَلُوْا مُنْهَزِمِيْنَ فَذَاكَ إِذْ يَدْعُوْهُمُ الرَّسُوْلُ فِيْ أُخْرَاهُمْ

لیکن وہ لوگ شکست خوردہ ہو کر آئے۔ اس آیت (جس کا ترجمہ ہے) جبکہ رسول ان کو پیچھے سے پکار رہے تھے میں اسی بات کا ذکر ہے۔

بَابٌ

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

پھر اس غم کے بعد اللہ نے تم پر طمانینت نازل کی، ایک اونگھ جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی اور ایک گروہ وہ تھا جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، وہ لوگ اللہ کے بارے میں ناحق ایسے گمان کر رہے تھے جو جہالت کے خیالات تھے، وہ کہہ رہے تھے: کیا ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے؟ کہہ دو کہ اختیار تو تمام تر اللہ کا ہے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپاتے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔ کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن کا قتل ہونا مقدر میں لکھا جا چکا تھا وہ خود باہر نکل کر اپنی اپنی قتل گاہوں تک پہنچ جاتے اور یہ سب اس لیے ہوا تا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کا میل کچیل دور کر دے اور اللہ دلوں کے بھید کو خوب جانتا ہے۔

اَمَنَةً نُّعَاسًا : **اَمَنَةً نُّعَاسًا** میں ترکیب نحوی کے اعتبار سے چند احتمالات ہیں۔

① ایک احتمال یہ ہے کہ **اَمَنَةً** مبدل منہ ہے اور **نُّعَاسًا** اس سے بدل ہے، اور بدل، مبدل منہ مل کر **اَنْزَلَ** کے لئے مفعول بہ ہے۔

② دوسرا احتمال یہ ہے کہ **اَمَنَةً** حال مقدم ہے اور **نُّعَاسًا** ذو الحال مؤخر ہے۔

③ تیسرا احتمال یہ ہے کہ **اَمَنَةً** مفعول لہ ہے **اَنْزَلَ** کے لئے اور **نُّعَاسًا** مفعول بہ ہے **اَنْزَلَ** کا اور **يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ** صفت ہے **نُّعَاسًا** کے لئے۔

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ: منافقین نے اپنے دلوں میں کیا چھپایا تھا؟

① ایک احتمال تو یہ بتایا گیا ہے کہ شرک اور کفر و تکذیب کو چھپایا تھا۔

② دوسرا احتمال یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دل دل میں کہہ رہے تھے کہ اگر مدینہ ہی میں رہتے تو قتل سے بچ جاتے، زبان سے تو اپنے اس خیال کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن دل میں یہ بات چھپی تھی۔

③ ایک احتمال یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ اُحد میں شرکت پر ان کو ندامت اور افسوس و قلق ہو رہا تھا لیکن زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

④ چوتھی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کے دل میں یہ خیال تھا کہ اللہ کی جانب سے مدد و نصرت نہیں ہوگی۔

لیکن ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں ممکن ہے یہ سب خیالات ان کے دل میں ہوں۔

وَقَالَ لِيْ خَلِيْفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

عَنْ أَبِيْ طَلْحَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ فِيْمَنْ تَغَشَّاهُ النُّعَاسُ يَوْمَ أُحُدٍ حَتّٰى سَقَطَ سَيْفِيْ

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھا جنہیں غزوۂ اُحد کے موقع پر اونگھ نے آگھیرا تھا اور اسی حالت میں میری تلوار کئی مرتبہ (ہاتھ سے چھوٹ کر بے اختیار)

مِنْ يَدِيْ مِرَارًا يَسْقُطُ وَ اٰخُذُهٗ وَ يَسْقُطُ وَ اٰخُذُهٗ

گر پڑی تھی، میں اسے اٹھا لیتا تو وہ پھر گر جاتی اور میں اسے پھر اٹھا لیتا

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انداز بدل دیا حدثنا خلیفة نہیں کہا، بلکہ قال لی خلیفة کہا، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قال لی خلیفة اس لئے کہا کہ خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے تحدیث واخبار کے طور پر نہیں بیان کی تھی بلکہ کوئی علمی مذاکرہ تھا اس میں انہوں نے اس کا تذکرہ کیا تھا۔

روایت باب میں حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

بَابٌ

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ

(اللہ تعالیٰ کا فرمان) (اے پیغمبر) آپ کو اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے کیونکہ یہ ظالم لوگ ہیں۔

یہ بات شروع میں بھی عرض کی جا چکی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کوشش کرتے ہیں کہ آگے آنے والی روایت سے متعلق اگر کوئی قرآنی آیت موجود ہے تو وہ عنوان میں ذکر کر دی جائے، اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ جتنی احادیث ہیں وہ دراصل قرآن مجید ہی کی تفسیر ہیں اور بنیادی درجہ قرآن مجید کو حاصل ہے۔

یہاں لَيْسَ لَكَ میں ”لام“ ”الی“ کے معنی میں ہے یعنی لیس الیک من الأمر شیء اس معاملہ میں آپ کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا یعنی آپ جو ان کے لئے بددعا کر رہے ہیں اس کی اجازت آپ کو نہیں دی گئی ہے۔

أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ میں ”أو“ ”حتی“ کے معنی میں ہے، یعنی یہاں تک کہ اللہ ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمائیں یا پھر ان کو عذاب دیں، یہ اللہ کا کام ہے اور اسی کے اختیار میں ہے۔

قَالَ حُمَيْدٌ وَّثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

شُجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ فَقَالَ كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوْا نَبِيَّهُمْ فَنَزَلَتْ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میں زخمی ہو گیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کو زخمی

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ

کر دیا۔ اس پر (آیت) لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ نازل ہوئی

شج کا اطلاق سر کے زخم پر ہوتا ہے لیکن یہاں صرف سر کا زخم مراد نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے ساتھ ساتھ چہرہ مبارک پر بھی زخم آئے تھے تو اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوْا نَبِيَّهُمْ وہ قوم کیسے کامیاب ہو گی جس نے اپنے نبی کو زخمی کیا تو آیت اتری لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ السُّلَمِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِيْ سَالِمٌ

عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ مِنَ الرَّكْعَةِ

حضرت سالمؒ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی آخری رکعت کے رکوع سے سر

الْاٰخِرَةِ مِنَ الْفَجْرِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَ فُلَانًا وَ فُلَانًا بَعْدَ مَا يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ
مبارک اٹھاتے تو یہ دعا کرتے "اے اللہ! فلاں، فلاں اور فلاں (صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام) کو اپنی رحمت سے دور کردے۔" یہ دعا آپ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ
رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ إِلٰى قَوْلِهٖ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ
حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ کے بعد کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ سے فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ تک نازل کی۔

اسبابِ نزولِ آیت: مذکورہ آیت کے شانِ نزول میں اختلاف ہے۔

❶ ایک قول تو یہی ہے کہ جب کفار نے جنگِ اُحد میں حضور اکرم ﷺ کو زخمی کیا تھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

❷ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جب ان مسلمانوں کے لئے بددعا کا ارادہ کیا تھا جو افراتفری کے عالم میں جنگ کے میدان سے نکل کر مدینہ آ گئے تھے تو اس وقت یہ آیت اتری۔

❸ اس باب کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے (یعنی قومہ میں) سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے اللهم العن فلانا و فلانا و فلانا یہ بددعا آپ ﷺ سمع الله لمن حمده کے بعد کرتے تھے اس پر اللہ نے لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ سے فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ تک آیت نازل فرمائی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد اسی طریق سے حنظلہ بن ابی سفیان سے نقل کیا ہے کہ یہ بددعا حضور ﷺ صفوان بن امیہ، سہل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے حق میں کرتے تھے کیونکہ یہ قریش کے سردار تھے اور ان کی سرکردگی میں مسلمانوں کو نقصان پہنچایا گیا تھا۔ یہاں تین آدمیوں کا ذکر ہے، لیکن ترمذی کی کتاب التفسیر میں ان تین آدمیوں کے ساتھ چوتھے یعنی ابوسفیان بن حرب کا بھی ذکر ہے کہ ان چار افراد کا نام لے کر نبی کریم ﷺ نے بددعا کی۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بعد میں ان چاروں رؤسائے کفار کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور بعد میں یہ چاروں کے چاروں مومنین مخلصین، صادقین صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل ہوئے۔ اسی لیے روایت میں ہے کہ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی کہ (اے پیغمبر) آپ کو اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے کیونکہ یہ ظالم لوگ ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کی ہر دعا قبول تو ہوتی ہے مگر قبولیت کا طریقہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ کس طرح قبول فرمائے؟ اب یہ چاروں افراد نبی کریم ﷺ کے سخت دشمن تھے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ان پر لعنت کی اور اس بات کو چاہا کہ مسلمانوں کو ان کے شر سے نجات ملے، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے نجات اس طرح عطا فرمائی کہ ان چاروں کو نبی کریم ﷺ کا عاشق بنا دیا، چنانچہ ان کی عداوت، محبت میں تبدیل ہو گئی۔

وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُوْلُ

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ عَلَى صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ وَ سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو

رسول اللہ ﷺ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے لیے بددعا کرتے تھے

وَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَزَلَتْ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ إِلَى قَوْلِهِ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ

اس پر یہ آیت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ سے فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ تک نازل ہوئی

بَابُ ذِكْرِ أُمِّ سَلِيْطٍ رضی اللہ عنہا

باب: حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا کا تذکرہ۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَقَالَ ثَعْلَبَةُ بْنُ أَبِي مَالِكٍ

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَسَمَ مُرُوْطًا بَيْنَ نِسَاءٍ مِّنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی خواتین میں چادریں تقسیم کروائیں۔

فَبَقِيَ مِنْهَا مِرْطٌ جَيِّدٌ فَقَالَ لَهُ بَعْضُ مَنْ عِنْدَهُ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَعْطِ هٰذَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللهِ

ایک عمدہ قسم کی چادر باقی بچ گئی تو ایک صاحب نے جو وہیں موجود تھے عرض کیا کہ اے امیرالمؤمنین! یہ چادر آپ رسول اللہ ﷺ کی نواسی کو

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِيْ عِنْدَكَ يُرِيْدُوْنَ أُمَّ كُلْثُوْمٍ بِنْتَ عَلِيٍّ فَقَالَ عُمَرُ أُمُّ سَلِيْطٍ أَحَقُّ

دے دیجئے جو آپ کے نکاح میں ہیں، ان کی مراد اس سے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا تھیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ام سلیط اس چادر کی

بِهٖ وَأُمُّ سَلِيْطٍ مِّنْ نِّسَاءِ الْأَنْصَارِ مِمَّنْ بَايَعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ

ان سے زیادہ مستحق ہیں، اور ام سلیط رضی اللہ عنہا کا تعلق قبیلہ انصار سے تھا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

فَإِنَّهَا كَانَتْ تَزْفِرُ لَنَا الْقِرَبَ يَوْمَ أُحُدٍ

کہ غزوۂ اُحد میں وہ ہمارے لیے پانی کی مشک بھر بھر کر لاتی تھیں

مُروط، مِرْطٌ کی جمع ہے، سوت یا ریشم کی چادر کو کہتے ہیں۔ تزفر کے معنی ہیں کسی چیز کو پشت پر اٹھانا، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تزفر تخیط کے معنی میں ہے۔

حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، ان کے پہلے شوہر ابوسلیط کا انتقال ہوا تو انہوں نے مالک بن سنان رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی تھی اور ان سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ سے بیعت اور جنگ اُحد میں شرکت کا شرف حاصل ہے۔

اس روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آپس کے تعلقات اتنے خوشگوار تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی ان کے عقد میں دے رکھی تھیں، اس خوشگوار تعلق کو دیکھ کر روافض نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہیں تھیں، حالانکہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر صاحبزادی حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہیں تھیں تو پھر ان کو روایت میں بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے کہہ دیا؟ ان کو بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی لئے تو کہا ہے کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، بعض روافض یہ بھی کہتے ہیں کہ ام کلثوم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں پرورش پائی تھی اور وہ آپ کی بیٹی نہیں تھی، بنت علی کہنے سے اس خیال کی بھی تردید ہوگئی۔

بَابُ قَتْلِ حَمْزَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

باب: حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بیان۔

حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا حُجَيْنُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ فَلَمَّا
حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عبیداللہ بن عدی بن خیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ ہوا، جب حمص پہنچے

قَدِمْنَا حِمْصَ قَالَ لِيْ عُبَيْدُ اللهِ هَلْ لَّكَ فِيْ وَحْشِيٍّ نَسْأَلُهُ عَنْ قَتْلِ حَمْزَةَ قُلْتُ نَعَمْ وَكَانَ
تو مجھ سے عبیداللہ نے کہا کہ آپ کو وحشی ابن حرب سے تعارف ہے کہ ہم چل کے ان سے حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں معلوم کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے ضرور

وَحْشِيٌّ يَسْكُنُ حِمْصَ فَسَأَلْنَا عَنْهُ فَقِيلَ لَنَا هُوَ ذَاكَ فِي ظِلِّ قَصْرِهِ كَأَنَّهُ حَمِيتٌ قَالَ فَجِئْنَا
وحشی حمص میں موجود تھے چنانچہ ہم نے لوگوں سے ان کے بارے میں معلوم کیا تو ہمیں بتایا گیا کہ وہ اپنے مکان کے سائے میں بیٹھے ہوئے ہیں، جیسے کوئی بڑا سا کپا ہو۔ فرمایا کہ پھر ہم

حَتّٰى وَقَفْنَا عَلَيْهِ بِيَسِيرٍ فَسَلَّمْنَا فَرَدَّ السَّلَامَ قَالَ وَعُبَيْدُ اللهِ مُعْتَجِرٌ بِعِمَامَتِهِ مَا يَرٰى
ان کے پاس آئے اور تھوڑی دیر ان کے پاس کھڑے رہے، پھر سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ عبیداللہ نے اپنے عمامہ کو چہرے پر اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ وحشی صرف

وَحْشِيٌّ إِلَّا عَيْنَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ يَا وَحْشِيُّ أَتَعْرِفُنِي قَالَ فَنَظَرَ إِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ لَا وَاللهِ
ان کی آنکھیں اور پاؤں دیکھ سکتے تھے، عبیداللہ نے ان سے پوچھا کہ اے وحشی! کیا تم نے مجھے پہچانا؟ راوی فرماتے ہیں کہ اس نے عبیداللہ کو دیکھا اور کہا کہ نہیں، البتہ اللہ کی قسم!

إِلَّا أَنِّي أَعْلَمُ أَنَّ عَدِيَّ بْنَ الْخِيَارِ تَزَوَّجَ امْرَأَةً يُقَالُ لَهَا أُمُّ قِتَالٍ بِنْتُ أَبِي الْعِيصِ فَوَلَدَتْ لَهُ
میں اتنا جانتا ہوں کہ عدی بن خیار نے ایک عورت سے نکاح کیا تھا، اسے ام قتال بنت ابی العیص کہا جاتا تھا پھر مکہ میں اس کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا

غُلَامًا بِمَكَّةَ فَكُنْتُ أَسْتَرْضِعُ لَهُ فَحَمَلْتُ ذٰلِكَ الْغُلَامَ مَعَ أُمِّهِ فَنَاوَلْتُهَا إِيَّاهُ فَلَكَأَنِّي نَظَرْتُ
اور میں اس کے لیے کسی دایا کی تلاش کے لیے گیا تھا، پھر میں اس بچے کو اس کی (رضاعی) ماں کے پاس لے گیا اور اس کی والدہ بھی ساتھ تھی، غالباً میں نے تمہارے پاؤں دیکھے تھے،

إِلٰى قَدَمَيْكَ قَالَ فَكَشَفَ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ قَالَ أَلَا تُخْبِرُنَا بِقَتْلِ حَمْزَةَ قَالَ نَعَمْ إِنَّ
اس پر عبیداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا لیا اور کہا کہ ہمیں تم حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بتا سکتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں،

حَمْزَةَ قَتَلَ طُعَيْمَةَ بْنَ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ بِبَدْرٍ فَقَالَ لِيْ مَوْلَايَ جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ إِنْ قَتَلْتَ
بات یہ ہوئی کہ بدر کی لڑائی میں حمزہ نے طعیمہ بن عدی بن خیار کو قتل کیا تھا، تو میرے آقا جبیر بن مطعم نے مجھ سے کہا کہ اگر تم نے حمزہ کو میرے چچا (طعیمہ) کے بدلے میں

حَمْزَةَ بِعَمِّيْ فَأَنْتَ حُرٌّ قَالَ فَلَمَّا أَنْ خَرَجَ النَّاسُ عَامَ عَيْنَيْنِ وَعَيْنَيْنِ جَبَلٌ بِحِيَالِ أُحُدٍ
قتل کر دیا تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔ انہوں نے بتایا کہ پھر جب قریش عینین کی جنگ کے لیے نکلے، عینین اُحد کی ایک پہاڑی ہے اور اس کے اور اُحد کے درمیان ایک وادی حائل ہے،

بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ وَادٍ خَرَجْتُ مَعَ النَّاسِ إِلَى الْقِتَالِ فَلَمَّا اصْطَفُّوا لِلْقِتَالِ خَرَجَ سِبَاعٌ فَقَالَ هَلْ
تو میں بھی ان کے ساتھ جنگ کے ارادہ سے ہولیا، جب (دونوں فوجیں آمنے سامنے) لڑنے کے لیے صف آراء ہو گئیں تو (قریش کی صف میں سے) سباع بن عبدالعزی نکلا

مِنْ مُّبَارِزٍ؟ قَالَ فَخَرَجَ إِلَيْهِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ يَا سِبَاعُ يَا ابْنَ أُمِّ أَنْمَارٍ مُقَطِّعَةِ
اوراس نے آواز دی، ہے کوئی لڑنے والا؟ اس کی اس دعوت مبارزت پر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نکل کر آئے اور فرمایا، اے سباع! اے ام انمار کے بیٹے! جو عورتوں کے

الْبُظُوْرِ أَ تُحَادُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ شَدَّ عَلَيْهِ فَكَانَ كَأَمْسِ الذَّاهِبِ
ختنے کیا کرتی تھی، تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے؟ پھر حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا (اور اسے قتل کر دیا) اور اس کا حال گزرے ہوئے دن کی طرح ہو گیا۔

قَالَ وَ كَمَنْتُ لِحَمْزَةَ تَحْتَ صَخْرَةٍ فَلَمَّا دَنَا مِنِّيْ رَمَيْتُهُ بِحَرْبَتِيْ فَأَضَعُهَا فِيْ ثُنَّتِهِ حَتّٰى خَرَجَتْ
وحشی نے کہا کہ ادھر میں ایک چٹان کے نیچے حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں تھا اور جوں ہی وہ مجھ سے قریب ہوئے، میں نے ان پر اپنا چھوٹا نیزہ پھینک کر مارا، نیزہ ان کی ناف کے نیچے

مِنْ بَيْنِ وَرِكَيْهِ قَالَ فَكَانَ ذَاكَ الْعَهْدَ بِهِ فَلَمَّا رَجَعَ النَّاسُ رَجَعْتُ مَعَهُمْ فَأَقَمْتُ بِمَكَّةَ حَتّٰى
جا کر لگا اور ان کی سرین کے پار ہو گیا اور یہی ان کی شہادت کا سبب بنا، پھر جب قریش واپس ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس آ گیا اور مکہ میں مقیم رہا، لیکن

فَشَا فِيْهَا الْإِسْلَامُ ثُمَّ خَرَجْتُ إِلَى الطَّائِفِ فَأَرْسَلُوْا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
جب مکہ بھی اسلامی سلطنت کے تحت آ گیا تو میں طائف چلا گیا، طائف والوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد بھیجا

رُسُلًا فَقِيْلَ لِيْ إِنَّهُ لَا يَهِيْجُ الرُّسُلَ قَالَ فَخَرَجْتُ مَعَهُمْ حَتّٰى قَدِمْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى
تو مجھ سے وہاں کے لوگوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قاصدوں پر زیادتی نہیں ہونے دیتے چنانچہ میں بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَآنِيْ قَالَ آنْتَ وَحْشِيٌّ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَنْتَ قَتَلْتَ حَمْزَةَ؟ قُلْتُ قَدْ كَانَ
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو دریافت فرمایا، کیا تمہارا ہی نام وحشی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ہی نے حمزہ کو قتل کیا تھا؟ میں نے عرض کیا

مِنَ الْأَمْرِ مَا بَلَغَكَ قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّيْ قَالَ فَخَرَجْتُ فَلَمَّا قُبِضَ
کہ جو آپ کو اس معاملے میں معلوم ہے وہی صحیح ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ اپنی صورت مجھے کبھی نہ دکھاؤ؟ وحشی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں وہاں

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ مُسَيْلِمَةُ الْكَذَّابُ قُلْتُ لَأَخْرُجَنَّ إِلٰى مُسَيْلِمَةَ لَعَلِّيْ
سے نکل گیا۔ اور پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو مسیلمہ کذاب نے خروج کیا۔ میں نے سوچا کہ مجھے مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں ضرور شرکت کرنی چاہیے۔ ممکن ہے

أَقْتُلُهُ فَأُكَافِئُ بِهِ حَمْزَةَ قَالَ فَخَرَجْتُ مَعَ النَّاسِ فَكَانَ مِنْ أَمْرِهِ مَا كَانَ قَالَ فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ
میں اسے قتل کر دوں اور اس طرح حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا کفارہ ہو سکے۔ وہ کہنے لگے کہ پھر میں بھی اس کے خلاف جنگ کے لیے مسلمانوں کے ساتھ نکلا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے

فِيْ ثُلْمَةِ جِدَارٍ كَأَنَّهُ جَمَلٌ أَوْرَقُ ثَائِرُ الرَّأْسِ قَالَ فَرَمَيْتُهُ بِحَرْبَتِيْ فَأَضَعُهَا بَيْنَ ثَدْيَيْهِ حَتّٰى
دیکھا کہ ایک شخص (مسیلمہ) ایک دیوار کی دراز سے لگا کھڑا ہے، جیسے گندمی رنگ کا کوئی اونٹ ہو اس کے سر کے بال منتشر تھے۔ وحشی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں نے اس پر بھی اپنا

خَرَجَتْ مِنْ بَيْنِ كَتِفَيْهِ قَالَ وَ وَثَبَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَضَرَبَهُ بِالسَّيْفِ عَلٰى هَامَتِهِ
چھوٹا نیزہ پھینک کر مارا، نیزہ اس کے سینے پر لگا اور شانوں کو پار کر گیا، اتنے میں ایک انصاری صحابی اس پر جھپٹے اور تلوار اس کی کھوپڑی پر ماری۔

قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْفَضْلِ فَأَخْبَرَنِيْ سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ
عبدالعزیز بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن فضل نے بیان کیا کہ مجھے سلیمان بن یسار نے خبر دی اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرماتے تھے کہ

فَقَالَتْ جَارِيَةٌ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ وَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَتَلَهُ الْعَبْدُ الْأَسْوَدُ
(مسیلمہ کے قتل کے بعد) ایک باندی نے چھت پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ امیر المؤمنین (مسیلمہ) کو ایک کالے غلام (یعنی وحشی) نے قتل کر دیا۔

یہ باب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں ہے، جو غزوۂ اُحد میں واقع ہوئی تھی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جعفر بن عمرو بن امیہ رحمۃ اللہ علیہ اور عبیداللہ بن عدی بن خیار رحمۃ اللہ علیہ حمص پہنچے،

وہاں انہیں اس بات کا شوق ہوا کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے ان سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ براہ راست سنا جائے، ان دنوں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا قیام حمص میں تھا، بہرحال یہ دونوں حضرات ملاقات کی غرض سے وحشی رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے تو وہ اپنے گھر کے باہر ہی بیٹھے ہوئے تھے، **كَأَنَّهُ حَمِيتٌ** ہم نے انہیں دیکھا، تو ایسا محسوس ہوا کہ وہ حمیت ہیں، حمیت پھولی ہوئی مشک کو کہتے ہیں، جب مشک میں خوب پانی بھرا جائے تو وہ پھول جاتی ہے، اس کو حمیت کہا جاتا ہے، حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا جسم آخری زمانے میں پھول گیا تھا اور وہ تھے بھی کالے رنگ کے، اس لیے انہیں پھولی ہوئی مشک سے تشبیہ دی، کیونکہ مشک بھی چمڑے کی اور کالے رنگ کی ہوتی ہے۔

جعفر بن امیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم ان کے پاس پہنچے، انہیں سلام کیا، **وَعُبَيْدُ اللهِ مُعْتَجِرٌ بِعِمَامَتِهِ** میرے ساتھی عبیداللہ بن عدی نے اپنے عمامے سے اپنا منہ چھپایا ہوا تھا، (اعتجر، یعتجر اعتجارا: عمامہ اپنے سر اور چہرے کے اوپر لپیٹ لینا) گویا حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو عبیداللہ کے پاؤں کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی، تو عبیداللہ بن عدیؒ نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے کہا: **يَا وَحْشِيُّ أَتَعْرِفُنِيْ؟** اے وحشی! کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ تو وحشی نے انہیں دیکھ کر کہا کہ واللہ، میں تمہیں نہیں پہچانتا، ہاں مگر ایک بات مجھے یاد ہے اور وہ یہ کہ عدی بن خیار (یعنی عبیداللہ بن عدی کے والد) نے ایک عورت سے شادی کی تھی، جس کا نام ام قتال بنت ابی العیص تھا، اس ام قتال کے ہاں مکہ مکرمہ میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا، میں اس بچے کو لے کر اس کی ماں کے ساتھ مرضعہ کے پاس گیا تھا۔

فَلَكَأَنِّيْ نَظَرْتُ إِلَى قَدَمَيْكَ: حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ اسی بچے کے پاؤں ہیں، جسے میں نے آج سے اتنا عرصہ پہلے دیکھا تھا اور اس کی ماں سے اٹھا کر مرضعہ کے حوالے کیا تھا۔ عرب کے لوگوں میں قیافہ شناسی کی بڑی خصوصیت پائی جاتی تھی، انگلی دیکھ کر، پاؤں دیکھ کر آدمی کا اندازہ لگا لیتے تھے، تو یہاں عبیداللہ بن عدی بن خیار رحمۃ اللہ علیہ کے صرف پاؤں نظر آ رہے تھے، تو صرف پاؤں دیکھ کر حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے انہیں پہچان لیا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم نے ان سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ سنانے کی درخواست کی تو انہوں نے وہ قصہ ہمیں سنایا، چنانچہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے ہمیں بتایا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بدر والے دن طعیمہ بن عدی بن نوفل کو قتل کیا تھا، چنانچہ میرے آقا جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل (یہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے مجھ سے کہا کہ اگر تم حمزہ کو میرے چچا (یعنی طعیمہ بن عدی) کے بدلے میں قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔

فَلَمَّا أَنْ خَرَجَ النَّاسُ عَامَ عَيْنَيْنِ: عینین اُحد پہاڑ کے بالمقابل ایک پہاڑ ہے، چونکہ مشرکین نے جنگ احد میں جبل عینین کے دامن میں پڑاؤ ڈالا تھا، اس لئے مشرکین کے ہاں اس جنگ کا نام جنگ عینین مشہور ہو گیا تھا، وحشی رضی اللہ عنہ چونکہ اس وقت مشرکین کی جانب سے جنگ میں شریک تھے، اس لئے انہوں نے اُحد کے سال کو عام عینین سے تعبیر کیا۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی عینین کے سال لوگوں کے ساتھ لڑائی کے لیے نکلا اور مقصد یہ تھا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے اپنے آقا جبیر بن مطعم بن عدی سے آزادی حاصل کر سکوں، جب دونوں طرف سے قتال کی صفیں بن گئیں، تو کافروں کی طرف سے سباع بن عبد العزی نکلا، اور اس نے کہا: هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ؟ ہے کوئی سامنے آنے والا؟ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے نکلے اور کہا: يَا سِبَاعُ يَا ابْنَ أُمِّ أَنْمَارٍ مُقَطِّعَةِ الْبُظُوْرِ اے سباع! اے ام انمار کے بیٹے، وہ ام انمار جو عورتوں کے ختنے کیا کرتی تھی! الغرض اسے غصہ اور جوش دلایا۔

جنگ کا یہ بھی ایک طریقہ ہوتا ہے کہ مقابل کو اتنا غصہ دلا دیا جائے کہ وہ اپنے آپے سے باہر ہو جائے اور غلطی کر بیٹھے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی حکمت عملی کے تحت سباع کو غصہ دلایا جس کے نتیجے میں وہ ہلاک ہوا۔

وَكَمَنْتُ لِحَمْزَةَ تَحْتَ صَخْرَةٍ: دراصل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو جنگ سے تو کوئی غرض تھی نہیں، وہ تو صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے آزاد ہونے کے خواہش مند تھے، لہٰذا کہتے ہیں کہ میں حمزہ رضی اللہ عنہ کے انتظار میں ایک چٹان کے نیچے چھپ کر بیٹھ گیا۔ کمن یکمن چھپنا، کمین گاہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اس انتظار میں چھپ کر بیٹھا جائے کہ کب دشمن میری زد میں آئے گا، تو میں اس پر حملہ کروں گا۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ حبشہ کے رہنے والے تھے اور انہیں نیزہ پھینکنے کی بڑی زبردست مہارت حاصل تھی، ان کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا تھا، نیز روایات میں آتا ہے کہ بدر کے بعد ایک سال تک انہوں نے اس نیزے کو زہر پلایا تھا اور یہ انتہائی زہریلا نیزہ تھا، وحشی نیچے چھپے ہوئے بیٹھے تھے، جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ان کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے اس زور سے وہ زہریلا نیزہ مارا کہ نیزہ ان کی ناف کے نیچے سے گزر کر دوسری طرف سے نکل گیا۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ ختم ہوئی تو میں بھی باقی لوگوں کے ساتھ مکہ آ گیا، لیکن جب مکہ میں بھی اسلام پھیل گیا تو پھر میں طائف چلا گیا۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں کو مباح الدم قرار دے دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ یہ جہاں بھی ملیں، جس حال میں بھی ملیں ان کو قتل کر دیا جائے، ان میں ابن خطل، عبداللہ بن ابی سرح، عکرمہ بن ابی جہل، ہبار بن اسود وحشی، ہند (زوجہ ابوسفیان) تقریباً چودہ افراد تھے، جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مباح الدم قرار دیا تھا، ان میں سے بھی صرف چھ کو قتل کیا گیا، باقی کچھ بھاگ گئے، کچھ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امن دے دیا، تو جو بھاگ گئے تھے، ان میں وحشی رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ مکہ سے بھاگ کر طائف چلے گئے تھے۔

فتح مکہ کے بعد لوگ وفود کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر اسلام قبول کر رہے تھے، فَقِيلَ لِي إِنَّهُ لَا يُهِيجُ الرُّسُلَ (هاج، يهيج: ہیجان میں مبتلا ہونا اور اهاج، يهيج: ہیجان میں مبتلا کرنا) تو مجھے یہ بتایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اگر کوئی قاصد بن کر جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتے، کیونکہ وہ وفد میں

ہوتا ہے اور اس کو پہلے سے امن حاصل ہے۔ چنانچہ میں بھی وفود کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا۔ روایات میں ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گئے اور کلمہ پڑھ لیا: أشهد أن لا إله إلا الله، و أشهد أن محمدا عبده و رسوله۔ جب نبی کریم ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: اَنْتَ وَحْشِيٌّ؟ کیا تم ہی وحشی ہو؟ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أَنْتَ قَتَلْتَ حَمْزَةَ؟ تم نے ہی حمزہ کو شہید کیا تھا؟ قُلْتُ قَدْ كَانَ مِنَ الْأَمْرِ مَا بَلَغَكَ میں نے کہا: معاملہ تو وہی ہے جو آپ کو پہنچا۔ یہ نہیں کہا کہ ہاں میں نے قتل کیا تھا، بلکہ حسن تعبیر اختیار کی اور کہا کہ یارسول اللہ! بات تو وہی ہے جو آپ کو پہنچی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ تم اپنے چہرے کو مجھ سے غائب رکھو یعنی مجھے نظر نہ آؤ؟ یعنی اسلام تو یقینا مقبول ہے، چنانچہ آپ صحابی بھی ہو گئے اور رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بھی بن گئے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں تمہیں دیکھوں گا تو مجھے اپنے چچا یاد آ جائیں گے اور مجھے تکلیف ہوگی، کیا تم اس بات کی طاقت رکھتے ہو کہ اپنے چہرے کو مجھ سے چھپا کر رکھو؟ انہوں نے فرمایا کہ یارسول اللہ! بالکل ایسا ہی کروں گا، چنانچہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے چلے گئے۔

شہادت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفارہ: حضرت وحشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا، تو مسیلمة الكذاب جھوٹے مدعی نبوت نے مسلمانوں کے خلاف خروج کیا تو میں نے عزم کیا کہ میں مسیلمة الكذاب کو قتل کر کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے جرم کا کفارہ ادا کروں گا، چنانچہ میں لشکر اسلام کے ساتھ (جنگ یمامہ) میں نکلا، دوران جنگ میں نے ایک آدمی کو دیکھا قَائِمٌ فِي ثَلْمَةِ جِدَارٍ جو ایک دیوار کے سوراخ میں کھڑا ہوا تھا، (ثلمة: درازسوراخ) كَأَنَّهُ جَمَلٌ أَوْرَقُ، (اورق: گندمی اور خاکی رنگ) ایسا لگتا تھا کہ یہ گندمی رنگ کا اونٹ ہے۔

مسیلمة الكذاب بڑا لمبا چوڑا اور موٹا آدمی تھا، جیسے گندمی اونٹ ہو۔ ثَائِرَ الرَّأْسِ (حال ہونے کی صورت میں) یا ثَائِرُ الرَّأْسِ (صفت ہونے کی صورت میں) اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔

وحشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے اپنا نیزہ مارا اور وہ نیزہ ٹھیک اس کے سینے میں جا کر لگا اور اس کے کندھوں کے پیچھے سے نکل گیا، یعنی اتنی طاقت سے نیزہ پھینکا کہ وہ جسم کو کاٹتا ہوا، ہڈیوں کو توڑتا ہوا اور کمر کی پسلیوں کو چیرتا ہوا پیچھے سے نکل گیا۔ وَ وَثَبَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ ادھر سے انصار کے ایک آدمی اس کی طرف کودے، جن کا نام عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی رضی اللہ عنہ تھا، انہوں نے اپنی تلوار اس کی کھوپڑی پر ماری۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے وار سے مسیلمة الكذاب جہنم رسید ہوا؟ اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر میں نے قتل کیا ہے تو میں یہ کہہ سکتا ہوں قتلت خير الناس و قتلت شر الناس کہ میں نے لوگوں میں جو بہترین انسان تھے

یعنی سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کیا اور لوگوں میں جو بد ترین انسان جھوٹا مدعی نبوت تھا، اسے بھی قتل کیا۔

بَابُ مَا أَصَابَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجِرَاحِ يَوْمَ أُحُدٍ

باب: غزوۂ اُحد کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو زخم پہنچے تھے ان کا بیان

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلَى قَوْمٍ فَعَلُوْا بِنَبِيِّهٖ يُشِيْرُ إِلٰى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اس قوم پر انتہائی سخت ہوا جس نے اس کے نبی کے ساتھ یہ کیا (یہ بات کرتے ہوئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آگے کے دندان

رَبَاعِيَتِهٖ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلَى رَجُلٍ يَّقْتُلُهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ

مبارک (کے ٹوٹ جانے) کی طرف اشارہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اس شخص (ابی بن خلف) پر انتہائی سخت ہوا، جسے اس کے نبی نے اللہ کے راستے میں قتل کیا۔

حَدَّثَنِيْ مَخْلَدُ بْنُ مَالِكٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْأُمَوِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس شخص پر انتہائی غضب نازل ہوا جسے اللہ کے نبی نے اللہ کے راستے میں قتل کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا انتہائی

وَسَلَّمَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلٰى قَوْمٍ دَمَّوْا وَجْهَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

غضب اس قوم پر نازل ہوا جنہوں نے اللہ کے نبی کے چہرہ مبارک کو (غزوہ اُحد کے موقع پر) خون آلود کر دیا تھا۔

یہاں روایت میں فِيْ سَبِيْلِ اللهِ کی قید ہے، معلوم ہوا کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو جہاد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے سامنے آتا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قتل کر دیتے ہیں، تو اس پر اللہ کا غضب شدید ہوگا، لیکن اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو قصاص یا حد میں قتل کر دیں تو وہ اس حکم کے تحت داخل نہیں ہوگا۔

اس باب کی یہ دونوں روایتیں مراسیل صحابہ ہیں اور مراسیل صحابہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں، پہلی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور دوسری روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حضرات غزوۂ اُحد میں شریک نہیں تھے۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ

عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنْ جُرْحِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابوحازم نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے (غزوۂ اُحد کے موقع پر ہونے والے) زخموں کے متعلق پوچھا گیا

فَقَالَ أَمَا وَاللهِ إِنِّيْ لَأَعْرِفُ مَنْ كَانَ يَغْسِلُ جُرْحَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ كَانَ

تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو کس نے دھویا تھا اور کون ان پر

يَسْكُبُ الْمَاءَ وَبِمَا دُوْوِيَ قَالَ كَانَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا بِنْتُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

پانی ڈال رہا تھا اور جس دوا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کیا گیا، فرمایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی خون کو

وَسَلَّمَ تَغْسِلُهُ وَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَسْكُبُ الْمَاءَ بِالْمِجَنِّ فَلَمَّا رَأَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا

دھو رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا

أَنَّ الْمَاءَ لَا يَزِيدُ الدَّمَ إِلَّا كَثْرَةً أَخَذَتْ قِطْعَةً مِنْ حَصِيرٍ فَأَحْرَقَتْهَا وَ أَلْصَقَتْهَا فَاسْتَمْسَكَ

کہ پانی ڈالنے سے خون اور زیادہ نکل رہا ہے تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر جلایا اور پھر اسے زخم پر چپکا دیا جس سے خون بند ہو گیا،

الدَّمُ وَ كُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ يَوْمَئِذٍ وَ جُرِحَ وَجْهُهُ وَ كُسِرَتِ الْبَيْضَةُ عَلَى رَأْسِهِ.

اسی دن نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہو گیا تھا اور خود سر مبارک پر ٹوٹ گئی تھی۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **وَ كُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ يَوْمَئِذٍ** اس دن آپ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے، **وَ جُرِحَ وَجْهُهُ** آپ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا، **وَ كُسِرَتِ الْبَيْضَةُ عَلَى رَأْسِهِ** اور آپ ﷺ کے سر مبارک پر جو خود تھا وہ بھی ٹوٹ گیا، الغرض پے در پے حملے ہو رہے تھے، کافر اپنا پورا زور استعمال کر رہے تھے کہ کسی طرح نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) شہید کر دیا جائے۔ ان حملوں کی وجہ سے آپ ﷺ سخت زخمی ہو گئے، آپ ﷺ کا ہونٹ مبارک زخمی ہو گیا اور نیچے کی دائیں داڑھ ٹوٹ گئی، آپ ﷺ کا سر مبارک زخمی ہو گیا اور خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے اور خون بہنے لگا۔

ان احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے اُحد والے دن دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں، سر مبارک پر خود بھی پہنا ہوا تھا، معلوم ہوا کہ جہاد میں احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہیے، بلکہ جہاد ہی میں نہیں عام حالات میں بھی احتیاطی تدابیر اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، اسی طرح علاج معالجہ کرنا اور زخم سے خون بند کرنے کی کوشش کرنا یہ سب جائز ہے۔ اسی طرح اس سارے واقعے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ دنیا ہے، جنت نہیں ہے۔ جب دنیا ہے تو اس میں بڑے بڑے حضرات کو بھی ابتلاء پیش آ جاتا ہے، چوٹ لگ جاتی ہے، سر پھٹ جاتا ہے، چہرے پر زخم آ جاتا ہے، ہونٹ زخمی ہو جاتے ہیں، دانت ٹوٹ جاتے ہیں۔ لہٰذا تکالیف پر دلبرداشتہ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ ہر قسم کی راحت اور آسانیوں کی جگہ صرف جنت ہے، یہ دنیا نہیں ہے۔

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلَى مَنْ قَتَلَهُ نَبِيٌّ وَاشْتَدَّ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی غضب اس شخص پر نازل ہوا جسے اللہ کے نبی نے قتل کیا ہو، اللہ تعالیٰ کا انتہائی غضب

غَضَبُ اللهِ عَلَى مَنْ دَمَّى وَجْهَ رَسُوْلِ اللهِ

اس شخص پر نازل ہوا جس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کو خون آلود کیا

بَابُ: اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

باب: (اللہ تعالیٰ کا فرمان) وہ لوگ جنھوں نے اللہ اور رسول کی پکار کا فرمانبرداری سے جواب دیا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ

حضرت عائشہؓ نے اس آیت (جس کا ترجمہ ہے) وہ لوگ جنھوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرمانبرداری سے جواب دیا، ایسے نیک

لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيْمٌ قَالَتْ لِعُرْوَةَ يَا ابْنَ أُخْتِيْ كَانَ أَبُوْكَ مِنْهُمُ الزُّبَيْرُ

اور متقی لوگوں کے لیے زبردست اجر ہے۔ کے بارے میں عروہ سے کہا کہ اے میرے بھانجے! تمہارے والد زبیر اور (نانا) ابوبکر بھی

وَأَبُوْ بَكْرٍ لَمَّا أَصَابَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَصَابَ يَوْمَ أُحُدٍ فَانْصَرَفَ عَنْهُ

انہیں میں سے تھے۔ اُحد کی لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کو جو کچھ تکلیف پہنچنی تھی جب وہ پہنچی اور مشرکین واپس جانے لگے تو نبی کریم ﷺ کو اس بات کا خطرہ ہوا

الْمُشْرِكُوْنَ خَافَ أَنْ يَرْجِعُوْا فَقَالَ مَنْ يَذْهَبُ فِيْ إِثْرِهِمْ فَانْتَدَبَ مِنْهُمْ سَبْعُوْنَ رَجُلًا

کہ کہیں مشرکین پھر سے لوٹ کر حملہ نہ کریں، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا پیچھا کرنے کون کون جائیں گے، اسی وقت ستر صحابہؓ تیار ہو گئے، راوی نے فرماتے ہیں کہ

قَالَ كَانَ فِيْهِمْ أَبُوْ بَكْرٍ وَ الزُّبَيْرُ

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زبیرؓ بھی ان ہی میں سے تھے

ترجمۃ الباب میں مذکور آیت اور اس کے تحت مذکور روایت ایک خاص واقعے سے متعلق ہے، جسے غزوۂ حمراء الاسد کہا جاتا ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا، ستر کے قریب شہید ہو گئے اور اس کے مقابلے میں کافروں کے لوگ کم مارے گئے تھے، جب مشرکین کسی قدر کامیاب ہو کر واپس مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو کچھ دور جا کر وہ ٹھہرے اور انہوں نے سوچا کہ ہم سے بڑی غلطی ہو گئی، ہمیں چاہیے تھا کہ ہم یہ معاملہ وہیں ختم کر دیتے اور جو مسلمان باقی رہ گئے تھے، جن میں سے اکثر زخمی تھے، ہم انہیں مکمل ہی ختم کر دیتے، ہم واپس کیوں آ گئے؟ چنانچہ وہ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ ہم دوبارہ جانے کی تیاری کرتے ہیں اور مسلمانوں کا قصہ تمام کر دیتے ہیں۔

جب نبی کریم ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ مشرکین مکہ دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ بجائے اس کے کہ وہ مدینہ منورہ آ کر ہم پر حملہ کریں، ہمیں ان کا پیچھا کرنا چاہئے۔ ایسے موقع پر یہ فیصلہ بڑا مشکل فیصلہ تھا کیونکہ مسلمانوں کی تعداد ویسے بھی کم تھی اور ان میں سے ایک بڑی تعداد زخمی تھی اور منافق تو پہلے ہی بھاگ چکے تھے، لیکن اس سب کے باوجود مسلمانوں کے حوصلے پست نہیں تھے، چنانچہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم مشرکین کے تعاقب میں نکلے اور حمراء الاسد مقام تک جا پہنچے۔

اُدھر مکہ مکرمہ کے اطراف میں بنوخزاعہ کے لوگ اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن وہ نبی کریم ﷺ سے محبت رکھنے والے تھے، جب بنوخزاعہ کو یہ اطلاع ملی کہ مسلمانوں کا اُحد میں بڑا نقصان ہوا ہے، تو ان کا ایک سردار ابو معبد

الخزاعی مسلمانوں سے تعزیت کے لیے مدینہ منورہ روانہ ہوا، راستے میں حمراء الاسد کے مقام پر اس کی ملاقات آپ ﷺ سے ہوگئی، اس نے نبی کریم ﷺ سے تعزیت بھی کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں پیچھے مشرکین مکہ کو دیکھ کر آیا ہوں، وہ سارے جمع ہیں اور ان کا واپس آنے کا ارادہ ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں انہیں کسی طرح سے روکوں؟ نبی کریم ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی تو ابومعبد خزاعی تیزی کے ساتھ واپس گیا، راستے میں مشرکین مکہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے ابوسفیان سے کہا کہ تم اپنی خیر مناؤ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی سخت غصے میں ہیں اور تم سے انتقام لینے کے لئے روانہ ہوگئے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے علاوہ انہوں نے اور دوسرے قبائل کو بھی جمع کرلیا ہے اور مدینہ سے بھی لوگوں کو بلالیا ہے اور تمہیں چھوڑیں گے نہیں۔ یہ بات سن کر مشرکین ڈر گئے اور انہوں نے دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کردیا اور مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

نبی کریم ﷺ کو بھی اطلاع مل گئی کہ مشرکین مکہ کا لشکر واپس مکہ جارہا ہے تو نبی کریم ﷺ بھی حمراء الاسد سے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے، اس سفر کو اصحاب السیر نے غزوہ حمراء الاسد کے نام سے ذکر کیا ہے، قرآن مجید نے بھی اس واقعے کو ذکر کیا ہے، جس کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں اشارہ فرمایا ہے: اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ یہ صحابہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اللہ اور رسول کی بات پر لبیک کہا، مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ جبکہ زخم ان کو لگ چکا تھا، لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لیے زبردست اجر ہے۔ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ یہ صحابہ وہ ہیں، جن کو لوگوں نے کہا: اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ وہ لوگ پھر سے تمہارے لیے جمع ہوگئے ہیں اور واپس آنے والے ہیں فَاخْشَوْهُمْ تو ان سے ڈرو، فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا تو ڈرنے کی بجائے ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ اور وہ کہنے لگے اللہ ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ تو جب انہوں نے اللہ پر بھروسا کیا اور زخمی ہونے کے باوجود دوبارہ نکلے، فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ تو نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔

بَابُ مَنْ قُتِلَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَوْمَ أُحُدٍ

باب: جن مسلمانوں نے غزوۂ اُحد میں شہادت پائی ان کا بیان

مِنْهُمْ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَالْيَمَانُ وَالنَّضْرُ بْنُ أَنَسٍ وَمُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ

ان ہی میں حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت یمان، انس بن نضر اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم بھی تھے

حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ

عَنْ قَتَادَةَ رَحِمَهُ اللهُ قَالَ مَا نَعْلَمُ حَيًّا مِّنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ أَكْثَرَ شَهِيْدًا أَعَزَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم عرب کے تمام قبائل میں کوئی قبیلہ انصار کے مقابلے میں زیادہ شہداء والا نہیں دیکھا اور قیامت کے دن سب سے زیادہ عزت کے ساتھ

الْأَنْصَارِ قَالَ قَتَادَةُ رَحِمَهُ اللهُ وَحَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قُتِلَ مِنْهُمْ يَوْمَ أُحُدٍ

اٹھیں گے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہم سے بیان کیا کہ غزوۂ اُحد میں قبیلہ انصار کے ستر آدمی شہید ہوئے

سَبْعُوْنَ وَيَوْمَ بِئْرِ مَعُوْنَةَ سَبْعُوْنَ وَ يَوْمَ الْيَمَامَةِ سَبْعُوْنَ قَالَ وَكَانَ بِئْرُ مَعُوْنَةَ عَلَى عَهْدِ

اور بئر معونہ کے حادثہ میں انصار کے ستر آدمی شہید ہوئے اور یمامہ کی لڑائی میں بھی انصار کے ستر آدمی شہید ہوئے۔ راوی فرماتے ہیں کہ بئر معونہ کا واقعہ رسول اللہ ﷺ

رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يَوْمُ الْيَمَامَةِ عَلَى عَهْدِ أَبِيْ بَكْرٍ يَوْمَ مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ

کے زمانے میں پیش آیا تھا اور یمامہ کی جنگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب سے ہوئی تھی

أَنَّهُ قُتِلَ مِنْهُمْ يَوْمَ أُحُدٍ سَبْعُوْنَ وَيَوْمَ بِئْرِ مَعُوْنَةَ سَبْعُوْنَ: اس روایت میں مذکور ہے کہ غزوۂ اُحد میں شہید ہونے والے انصار کی تعداد ستر تھی، یہ تعداد تغلیباً ہے، اس لیے کہ غزوۂ اُحد میں شہید ہونے والے کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد مشہور روایت کے مطابق ستر تھی، جن میں ایک روایت کے مطابق چار مہاجرین اور باقی انصار تھے، مہاجرین میں حضرت حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہم تھے، البتہ امام حاکم اور ابن حبان رحمہما اللہ کی روایت میں مہاجرین کی تعداد چھ بتائی ہے، وہ ان چار کے ساتھ سعد مولیٰ حاطب بن ابی بلتعہ اور یوسف بن عمر اسلمی رضی اللہ عنہم کا بھی اضافہ کرتے ہیں، پہلی روایت کے مطابق شہداء انصار کی تعداد چھیاسٹھ اور دوسری روایت کی رو سے ان کی تعداد چونسٹھ ہے، اسی طرح غزوۂ بیر معونہ میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے ان میں بھی مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ شامل تھے تو ستر کا عدد تغلیباً بیان کیا ہے، اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ وہ اکثر کسر کا لحاظ نہیں کرتے، بلکہ کسر کو حذف کر دیتے ہیں یا اس میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

بہرحال اس روایت میں انصار کی بہادری اور دین پر جاں نثاری کو بیان کیا گیا ہے، انصار نے بیعت عقبہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جو وعدہ کیا تھا کہ ہم آپ کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے اور مدینہ منورہ میں رکھیں گے اور آپ کا اپنی جان و مال اور اپنے بیوی، بچوں سے بڑھ کر دفاع کریں گے، انہوں نے اپنے اس عہد کو سو فیصد سچ کر دکھایا اور نبی کریم ﷺ کی اپنی جان و مال کی پرواہ کئے بغیر ہر طرح سے نصرت کی

اور بہت سارے حضرات اس کی خاطر شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ

أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اُحد کے شہداء کو ایک ہی کپڑے میں

بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ يَقُولُ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ
دو دو شہیدوں کو کفن دیا اور آپ ﷺ دریافت فرماتے کہ ان میں قرآن کا عالم سب سے زیادہ کون ہے؟ جب کسی ایک کی طرف اشارہ کر کے آپ ﷺ کو بتایا جاتا

إِلَى أَحَدٍ قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ وَ قَالَ أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ أَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَائِهِمْ
تو لحد میں آپ ﷺ ان ہی کو آگے فرماتے، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں ان سب پر گواہ رہوں گا پھر آپ ﷺ نے تمام شہداء کو خون سمیت دفن کرنے کا حکم

وَ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُغَسَّلُوا
فرمایا اور ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور نہ ہی انہیں غسل دیا گیا

كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ: اس سے ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر لاشیں زیادہ ہوں اور کفن کے لئے زیادہ کپڑے میسر نہ ہوں تو ایک ہی کپڑا دو لاشوں کے اوپر بھی بطور کفن ڈالا جا سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کبھی قبر کھودنے میں مشکلات ہوں اور دو، دو شہداء کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا جائے تو اس کی بھی شرعاً گنجائش ہے، نیز ان میں سے جو آدمی زیادہ نیک ہوگا، اللہ والا ہوگا، نمازی ہوگا، قرآن کو یاد کرنے والا ہوگا، اس کو قبلے کی طرف مقدم کیا جائے گا، چنانچہ آپ ﷺ قبر میں شہداء کو اتارتے وقت پوچھتے تھے کہ **أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ** جب آپ ﷺ کو کسی کے بارے میں بتایا جاتا تو آپ ﷺ اسے لحد میں مقدم کرتے تھے۔

وَ أَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَائِهِمْ وَ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُغَسَّلُوا: نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شہید کو ان ہی خون آلود کپڑوں میں دفنایا جائے گا اور اسے غسل اور کفن نہیں دیا جائے گا، البتہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں پڑھی جائے گی؟ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہیں پڑھی جائے گی۔ یہی امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے، جبکہ احناف شہید پر نماز جنازہ کے وجوب کے قائل ہیں۔

شہید پر نماز جنازہ: شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں پڑھی جائے گی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، **ائمہ ثلاثہ** رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ جس طرح شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا اسی طرح شہید کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی، جبکہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے۔

دلائل ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم: ❶ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت سے استدلال کرتے ہیں، اس میں مذکور ہے کہ شہداء اُحد پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی اور نہ ہی انہیں غسل دیا گیا تھا اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔

❷ ان حضرات کی **دوسری دلیل** حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جسے امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں نقل کیا

ہے کہ شہداءِ اُحد کو غسل نہیں دیا گیا، انہیں ان کے خون آلود کپڑوں ہی میں دفنایا گیا اور ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔

③ ان حضرات کی تیسری دلیل یہ ہے کہ جنازے کی نماز اصل میں میت کی شفاعت اور مغفرت کے لیے دعا ہے اور شہید جہاد میں شہادت کی وجہ سے گناہوں سے پاک ہو گیا ہے، لان السیف محاء الذنوب اس لیے اب نماز جنازہ کے ذریعے دعائے مغفرت اور شفاعت کی حاجت نہیں۔

④ ان حضرات کی چوتھی دلیل آیت مبارکہ ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے زندہ ہیں اور ظاہر ہے کہ نماز جنازہ مُردوں پر ہوتی ہے نہ کہ زندوں پر۔

احناف اور فقہاء کوفہ کا مسلک یہ ہے کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور ① ان کی پہلی دلیل وہ حدیث ہے جو ہم شروع میں پڑھ چکے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہداء احد پر آٹھ سال کے بعد نماز جنازہ پڑھی۔

② دوسری دلیل سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ ابوسلام رحمۃ اللہ علیہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے جہینہ کے ایک قبیلے پر حملہ کیا تو ایک مسلمان نے دشمنوں میں سے ایک شخص کا پیچھا کیا اور اس پر وار کیا جو اس دشمن کو نہیں لگا اور خود مارنے والے کو لگ گیا اور وہ شہید ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے مسلمانو! یہ تمہارا بھائی ہے، تو لوگ دوڑے تو وہ شہید ہو چکا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اسی کے خون آلود کپڑوں میں لپیٹ دیا اور اس پر نماز پڑھی اور دفن کیا، لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ شہید ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں یہ شہید ہے اور میں اس کا گواہ ہوں۔

③ تیسری دلیل امام نسائی اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہما نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت شداد بن ہاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایمان لایا اور اس نے کہا کہ میں اسی واسطے ایمان لایا ہوں کہ میرے حلق میں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم نے اللہ سے سچا معاملہ کیا ہے تو وہ تمہاری بات سچ کر دکھائے گا۔ کچھ دیر کے بعد لوگ دشمنوں سے جنگ کے لیے اٹھے، پھر وہ شخص زخمی ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، اس کے حلق میں تیر لگا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ وہی شخص ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں وہی شخص ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے اللہ سے سچ بولا تو اللہ تعالی نے اس کو سچ کر دکھایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو کفن دیا پھر اس پر نماز پڑھی۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علمائے احناف کے مسلک کو کئی وجوہ سے ترجیح حاصل ہے۔

① اول یہ کہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس کے علاوہ جتنی وہ احادیث جس سے نماز جنازہ ثابت ہو رہی ہے وہ مُثبِت ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نافی ہے اور اصول حدیث کے مطابق جب دو حدیثوں کے درمیان تعارض ہو اور ایک مُثبِت ہو اور دوسری نافی ہو تو احادیث مثبتة کو ترجیح حاصل ہوگی۔

❷ دوم یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے والد اور اپنے چچا کے شہید ہونے کی وجہ سے مشغول تھے، چنانچہ وہ ان کی میتوں کو لے کر مدینہ چلے گئے تھے تا کہ انہیں مدینہ لے جا کر ان کے دفن کا انتظام کریں لیکن جب یہ اعلان سنا کہ شہداء کو ان کی شہادت گاہ ہی میں دفن کیا جائے گا تب وہ واپس ہوئے، اس لیے وہ نماز جنازہ کے وقت موجود نہیں تھے۔

❸ سوم یہ کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے لہٰذا روایات کے تعارض کی وجہ سے اس پر عمل کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ رہا یہ سوال کہ غسل کو کیوں چھوڑا گیا؟ تو غسل کو اس لیے چھوڑا گیا کیونکہ اس کے بارے میں روایات میں تعارض نہیں ہے۔

❹ چہارم یہ کہ اگر شہداء پر نماز مشروع نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بیان فرما دیتے جیسا کہ غسل نہ دینے کا حکم فرمایا۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب:

ان حضرات کی پہلی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور دوسری دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جن کے اندر آیا ہے: لم يصلى عليهم یعنی ان شہیدوں پر نماز نہیں پڑھی گئی۔ احناف کہتے ہیں کہ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ لم يصلى عليهم كصلوته على حمزة حيث صلى عليه مرارا یعنی جس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر بار بار نماز پڑھی گئی تھی اس طرح دوسرے شہداء پر نماز نہیں پڑھی گئی اور ان روایات کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے زخمی ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نہ پڑھی ہو اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے پڑھ لی ہو۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کی تیسری دلیل کہ شہادت کی وجہ سے شہید گناہوں سے پاک ہو گیا لہٰذا اسے دعا کی حاجت نہیں رہی، اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ کمالات کے بلند ترین درجے پر کیوں نہ پہنچ جائے، دعا سے بے نیاز نہیں ہوتا کیونکہ مراتب قرب کی کوئی انتہا نہیں ہے لہٰذا یہ کہنا کہ شہادت کی وجہ سے ان کو دعا کی حاجت نہیں رہی یہ بالکل درست نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کی چوتھی دلیل کہ شہداء زندہ ہیں اور نماز جنازہ مُردوں پر ہوتی ہے، اس کا جواب واضح ہے کہ شہداء اخروی احکام کے اعتبار سے باحیات ہیں نہ کہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے، ورنہ شہادت کے بعد ان کی بیویوں کا نکاح کسی سے درست نہ ہوتا اور نہ ہی ان کے اموال ورثاء میں تقسیم ہوتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَقَالَ أَبُو الْوَلِيدِ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ

لَمَّا قُتِلَ أَبِي جَعَلْتُ أَبْكِي وَ أَكْشِفُ الثَّوْبَ عَنْ وَجْهِهِ فَجَعَلَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد عبداللہ شہید کر دیئے گئے تو میں رونے لگا اور بار بار ان کے چہرے سے کپڑا ہٹاتا، صحابہ مجھے روکتے تھے

وَسَلَّمَ يَنْهَوْنِي وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں روکا۔ (فاطمہ بنت عمر رضی اللہ عنہا عبداللہ کی بہن بھی رونے لگیں تو) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رو و مت۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لَا تَبْكِيهِ فرمایا،

لَا تَبْكِيهِ أَوْ مَا تَبْكِيهِ مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتَّى رُفِعَ

یا مَا تَبْكِيهِ (راوی کو شک ہو گیا) فرشتے برابر ان کی لاش پر اپنے پروں کا سایہ کئے ہوئے تھے، یہاں تک کہ ان کو اٹھا لیا گیا

یہ حدیث تعلیقات بخاری میں سے ہے اس حدیث کی ترجمة الباب سے مطابقت ظاہر ہے کیونکہ عبداللہ رضی اللہ عنہ جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد تھے اسی غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔

فَجَعَلَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَوْنِيْ: اس روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو منع کر رہے تھے کہ مت رو، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع نہیں کیا، اب ہوسکتا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا رونا آواز سے نہ ہو بلکہ صرف آنسوؤں سے ہو اور اگر صرف آنسوؤں سے ہو تو یہ شریعت کے منافی نہیں ہے، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے کئی مرتبہ قریبی لوگوں کے انتقال یا شہادت پر آنسو جاری ہوئے ہیں۔ نیز اگر آواز سے رونا ہو تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ❶ اپنے اختیار سے آواز نکال کر روئے تو یہ نوحہ ہے اور حرام ہے، ❷ غیر اختیاری طور پر اچانک کوئی آواز نکل جائے تو غیر اختیاری ہونے کی بناء پر معاف ہے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْكِيْهِ: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ لَا تَبْكِيْهِ میں خطاب حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے اور لَا تَبْكِيْهِ کی بجائے لَا تَبْكِهِ ہے، اسی کی بعض شراح علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تصریح کی ہے، لیکن اکثر محدثین فرماتے ہیں کہ یہ خطاب حضرت فاطمہ بنت عمرو رضی اللہ عنہا سے ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے اور یہی راجح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ أَبِيْ بُرْدَةَ

عَنْ أَبِيْ مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أُرَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُ فِيْ رُؤْيَايَ أَنِّيْ
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار کو ہلایا اور اس سے اس کی

هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهُ فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ أُحُدٍ ثُمَّ هَزَزْتُهُ أُخْرَى
دھار ٹوٹ گئی، اس کی تعبیر مسلمانوں کے اس نقصان کی شکل میں ظاہر ہوئی جو غزوہ اُحد میں انہیں اٹھانا پڑا تھا، پھر میں نے دوبارہ اس تلوار کو ہلایا، تو پھر وہ اس سے بھی

فَعَادَ أَحْسَنَ مَا كَانَ فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ بِهِ اللهُ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَرَأَيْتُ فِيْهَا
زیادہ عمدہ ہوگئی جیسی پہلے تھی، اس کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے فتح اور مسلمانوں کے پھر از سر نو اجتماع کی صورت میں ظاہر کی، میں نے اسی خواب میں ایک گائے دیکھی تھی (جو ذبح ہو رہی تھی)

بَقَرًا وَاللهُ خَيْرٌ فَإِذَا هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ أُحُدٍ
اور اللہ تعالیٰ کے تمام کام خیر کے لیے ہوتے ہیں، اس کی تعبیر وہ مسلمان تھے (جو) اُحد کی لڑائی میں (شہید ہوئے)۔

وَرَأَيْتُ فِيْهَا بَقَرًا وَاللهُ خَيْرٌ یا تو اس کے معنی ہیں و ثواب الله خير یعنی اللہ جو ثواب عطا فرماتے ہیں جیسا کہ ان شہداء کو عطا کیا گیا وہ بہترین چیز ہے اور یا معنی ہیں صنع الله بالشهداء خير اللہ تعالیٰ نے ان شہداء کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے وہ خیر ہے اور ان کے دنیا میں زندہ رہنے کے مقابلے میں وہ معاملہ زیادہ بہتر اور اچھا ہے۔

یہ روایت اور اس پر کلام ماقبل میں گزر چکا ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ

عَنْ خَبَّابٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَبْتَغِي وَجْهَ اللهِ
حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور ہمارا مقصد اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنا تھا،

فَوَجَبَ أَجْرُنَا عَلَى اللهِ فَمِنَّا مَنْ مَضَى أَوْ ذَهَبَ لَمْ يَأْكُلْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا كَانَ مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ
تو ہمارا اجر اللہ تعالیٰ پر لازم ہوگیا، ہم میں سے بعض لوگ تو وہ تھے جو اللہ سے جا ملے اور (دنیا میں) انہوں نے اپنا کوئی ثواب نہیں دیکھا، مصعب بن عمیر بھی ان ہی میں سے تھے،

عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ فَلَمْ يَتْرُكْ إِلَّا نَمِرَةً كُنَّا إِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رَأْسَهُ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ وَإِذَا غُطِّيَ
انہوں نے غزوۂ اُحد میں شہادت پائی اور ایک چادر کے سوا اور کوئی چیز انہوں نے نہیں چھوڑی، اس چادر سے (کفن دیتے وقت) جب ہم ان کا سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں

بِهَا رِجْلَاهُ خَرَجَ رَأْسُهُ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَطُّوا بِهَا رَأْسَهُ وَاجْعَلُوا عَلَى
چھپاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ چادر سے سر چھپا دو اور پاؤں پر اذخر گھاس رکھ دو یا آپ ﷺ نے یوں فرمایا أَلْقُوا عَلَى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخِرِ

رِجْلَيْهِ الْإِذْخِرَ أَوْ قَالَ أَلْقُوا عَلَى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخِرِ وَ مِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا
(دونوں جملوں کا مطلب ایک ہی ہے) اور ہم میں بعض وہ ہیں جنہیں ان کے عمل کا پھل (اسی دنیا میں) دے دیا گیا اور وہ اس سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں

یہ روایت اور اس پر کلام ماقبل میں گزر چکا ہے۔

بَابٌ أُحُدٌ يُحِبُّنَا

باب: ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ اُحد پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں

قَالَهُ عَبَّاسُ بْنُ سَهْلٍ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عباس بن سہل نے ابوحمید سے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے

حَدَّثَنِي نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ قُرَّةَ بْنِ خَالِدٍ عَنْ قَتَادَةَ

سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ (اُحد) پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ فَقَالَ هٰذَا
انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو (خیبر سے واپس ہوتے ہوئے) اُحد پہاڑ دکھائی دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت

جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ اَللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَ إِنِّي حَرَّمْتُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا
کرتے ہیں۔ اے اللہ! ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا تھا اور میں ان دو پتھریلے میدانوں کے درمیان والے علاقے (مدینہ منورہ) کو حرمت والا قرار دیتا ہوں

هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

1. بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اُحد سے مراد اہل اُحد یعنی انصار مدینہ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اہل اُحد یعنی انصار ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہمیں ان سے محبت ہے۔

❷ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر اُحد پہاڑ کی طرف بھی محبت کی نسبت کی جائے تو بھی اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ہر چیز کے اندر حیات رکھی ہے، قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ایک اور جگہ ارشاد ہے وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اسی طرح حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں اس درخت کو پہچانتا ہوں جس کے پاس سے میں گزرتا تھا تو وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا، چنانچہ اس قسم کے بہت سے واقعات جو شرعی اور عرفی طور پر معلوم ہوئے ہیں، وہ اگر سامنے ہوں تو جبل اُحد کی طرف اگر محبت کی اسناد حقیقی ہو تو اس میں کوئی استبعاد معلوم نہیں ہوتا، حضور ﷺ اسی اُحد پر ایک مرتبہ تشریف لے گئے، آپ ﷺ کے ساتھ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم بھی تھے، تو جبل اُحد لرزنے لگا تو آپ ﷺ نے اس پر پاؤں مارا اور فرمایا: اثبت احد فانما علیک نبی و صدیق و شهیدان چنانچہ اُحد ساکن ہو گیا اور اس نے حرکت بند کر دی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام قرار دیا ہے اور میں مدینہ کو حرام قرار دیتا ہوں جو دو پتھریلی زمینوں کے درمیان واقع ہے۔ احناف کے نزدیک یہ حرمت اصطلاحی نہیں ہے بلکہ اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ مدینہ منورہ کے سبزہ زار اور باغات کو ویران نہ کیا جائے اور اس کی رونق اور شادابی کو برقرار رکھا جائے۔

حرم مکہ اور حرم مدینہ میں فرق: یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہے، وہاں اس پر تفصیلی بحث کی جاتی ہے، اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ حرم مکہ اور حرم مدینہ کے احکامات مساوی ہیں یا دونوں کے احکامات میں کچھ فرق ہے؟

❶ مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک حرم مکہ اور حرم مدینہ کے احکامات مساوی ہیں، یعنی ان حضرات کے نزدیک جیسے حرم مکہ میں درخت کاٹنے اور شکار کرنے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح حرم مدینہ میں بھی درخت کاٹنا اور شکار کرنا جائز نہیں ہے، البتہ ان حضرات کے نزدیک بھی حرم مدینہ میں ان کاموں کی وجہ سے ضمان وتاوان لازم نہیں آئے گا، لکن لا ضمان في ذلك لان حرم المدينة ليس محلا للنسك بخلاف حرم مكة۔

❷ حنفیہ کے نزدیک حرم مدینہ کا حکم حرم مکہ کی طرح نہیں ہے، بلکہ حرم مدینہ میں درخت کاٹنا، شکار کرنا جائز ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہجرت کے پہلے سال آنحضرت ﷺ بنی نجار کے باغ کے درختوں کو نہ کٹواتے، البتہ مدینہ نہایت محترم ہے اس لئے اس کی زینت کو برقرار رکھنا چاہئے اور حرم مدینہ کو اجاڑنے اور ویران کرنے کی ممانعت ہے۔

حَدَّثَنِیْ عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ أَبِیْ حَبِیْبٍ عَنْ أَبِی الْخَیْرِ

عَنْ عُقْبَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ یَوْمًا فَصَلّٰى عَلٰى أَهْلِ أُحُدٍ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے اور شہداء اُحد پر نماز جنازہ ادا کی

صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّيْ فَرَطٌ لَكُمْ وَ أَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ وَ إِنِّيْ
جیسے مُردوں پر ادا کی جاتی ہے، پھر آپ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تمہارے آگے جاؤں گا اور میں تمہارے حق میں گواہ رہوں گا، میں اب بھی

لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ وَإِنِّيْ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ وَإِنِّيْ وَاللّٰهِ
اپنے حوض (حوض کوثر) کو دیکھ رہا ہوں، اور مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجی عطا فرمائی گئی ہے یا یوں فرمایا کہ زمین کی کنجیاں دے دی گئی ہیں (دونوں جملوں کا مطلب ایک ہی ہے)۔

مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِيْ وَ لٰكِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا
اللہ کی قسم! میں تمہارے بارے میں اس سے نہیں ڈرتا کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے بلکہ مجھے اس کا ڈر ہے کہ تم دنیا کے لیے حرص کرنے لگو گے

اس حدیث پر غزوۂ اُحد کے شروع میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔

بَابُ غَزْوَةِ الرَّجِيعِ وَرِعْلٍ وَذَكْوَانَ وَبِئْرِ مَعُونَةَ وَحَدِيثِ عَضَلٍ وَالْقَارَةِ

باب: غزوۂ رجیع کا بیان اور رعل وذکوان اور بئر معونہ کے غزوہ کا بیان اور عضل اور قارہ کا قصہ

وَ عَاصِمِ بْنِ ثَابِتٍ وَ خُبَيْبٍ وَ أَصْحَابِهِ قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عُمَرَ أَنَّهَا بَعْدَ أُحُدٍ

اور عاصم بن ثابت اور خبیب اور ان کے ساتھیوں کا قصہ، ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے عاصم بن عمر نے بیان کیا کہ غزوۂ رجیع غزوۂ اُحد کے بعد پیش آیا

یہاں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دو غزوات کا قصہ بیان فرما رہے ہیں، ایک غزوۂ رجیع اور دوسرا غزوۂ بئر معونہ جسے سریة القراء بھی کہا جاتا ہے۔ رجیع ایک جگہ کا نام ہے جو قبیلہ بنو ہذیل کے قبضے میں تھی، چونکہ یہ غزوہ اسی مقام پر پیش آیا تھا اس لئے اسے غزوۂ رجیع کہا جاتا ہے اور معونہ بھی ایک جگہ کا نام ہے جس مقام پر یہ حادثہ پیش آیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمة الباب کی عبارت سے ایک غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، باب میں غزوۂ رجیع کے بعد انہوں نے رعل وذکوان کا ذکر کیا ہے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ رجیع قبیلہ رعل وذکوان کے لوگوں کے ساتھ ہوا، حالانکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تفصیل سے معلوم ہو جائے گا۔ اسی طرح آگے ترجمة الباب کی عبارت ہے وَبِئْرِ مَعُونَةَ وَحَدِيثِ عَضَلٍ وَالْقَارَةِ اس عبارت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ غزوۂ بیر معونہ کا تعلق عضل وقارہ سے ہے، جبکہ یہ بھی درست نہیں، درحقیقت رعل اور ذکوان کا تعلق بیر معونہ سے ہے اور عضل اور قارہ کا تعلق غزوۂ رجیع سے ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں غزوات کو ایک ہی باب میں جمع کیا ہے اس کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں:

❶ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ یہ دونوں غزوات کب پیش آئے، محمد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ غزوۂ رجیع سن ۳ ہجری میں پیش آیا اور غزوۂ بیر معونہ سن ۴ ہجری میں پیش آیا جبکہ ابن سعد اور واقدی رحمۃ اللہ علیہما کا کہنا ہے کہ یہ دونوں غزوات سن ۳ ہجری میں ہی پیش آئے۔ دونوں غزوات کو ایک ساتھ ذکر کرنے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض بظاہر یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ابن سعد اور واقدی رحمۃ اللہ علیہما کی رائے کو ترجیح دے رہے ہیں کہ یہ دونوں غزوات ایک ہی سال یعنی سن ۳ ہجری میں پیش آئے۔

❷ دوسری وجہ دونوں غزوات کو ایک ساتھ ذکر کرنے کی یہ ہوسکتی ہے کہ دونوں واقعات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت کے اسباب ایک جیسے ہیں کیونکہ دونوں واقعات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین کے احکام کی تبلیغ و تعلیم کے لیے اور لوگوں کو دعوت اسلام کے لیے بھیجا تھا اور جن لوگوں کے پاس بھیجا تھا انہوں نے خود اس کی درخواست کی تھی کہ ہمارے پاس کچھ افراد اسلام کی دعوت کے لیے بھیجے جائیں اور دونوں غزوات میں فرمائش کرنے والوں نے غداری کی اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا۔

❸ تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ان دونوں غزوات میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی شہادت پر بہت زیادہ صدمہ ہوا تھا اور اس صدمے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہینے تک قنوت نازلہ پڑھی تھی اس قنوت نازلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں غزوات میں دھوکہ دینے والے لوگوں پر بد دعا فرمائی تھی۔

یہاں پر **ایک اشکال** یہ ہوتا ہے کہ **غزوۃ** اصطلاح سیرت میں اس جہاد کو کہتے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود شریک ہوئے ہوں اور جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرکت نہ فرمائی ہو بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو روانہ فرمایا ہو اس کو **سریۃ** کہتے ہیں اور یہ بات تمام روایات سے ثابت ہے کہ چاہے غزوۂ رجیع ہو یا غزوۂ بیر معونہ ہو کسی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس شریک نہیں ہوئے تھے، تو مذکورہ قاعدے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو **سریۃ الرجیع** اور **سریۃ بئر المعونۃ** کہا جاتا لیکن اس کو **غزوۃ الرجیع** اور **غزوۃ بئر المعونۃ** کہا جا رہا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

اس **اشکال کا جواب** یہ ہے کہ اگرچہ اصحاب سیر نے یہ اصطلاح بیان کی ہے کہ **غزوۃ** اس جہاد کو کہتے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود شریک ہوئے ہوں اور **سریۃ** اس کو جہاد کہتے ہیں کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود شریک نہ ہوئے ہوں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا ہو، لیکن یہ اکثری اصطلاح ہے یعنی اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات اس کے خلاف بھی ہوا ہے اور غزوہ کا لفظ ایسی لڑائی پر بھی بول دیا گیا ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شریک نہ ہوئے ہوں، لیکن اس لڑائی کی اہمیت اور اس کے عظیم الشان ہونے پر دلالت کرنے کے لیے اس کو غزوہ کہا گیا ہے، جیسے غزوۂ موتہ کو غزوہ کہا جاتا ہے حالانکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود تشریف نہیں لے گئے تھے لیکن اس کے باوجود اس کو غزوۂ موتہ کہا جاتا ہے، تو یہاں بھی غزوۂ رجیع اور غزوۂ بیر معونہ کہنے کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کے عظیم الشان ہونے کو بیان کرنے کے لئے انہیں غزوہ کہا جا رہا ہے۔

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد احادیث ذکر فرمائی ہیں، ان میں سے صرف پہلی حدیث غزوۂ رجیع سے متعلق ہے اور باقی تمام احادیث غزوۂ بیر معونہ سے متعلق ہیں، غزوۂ رجیع سے متعلق روایت کی تفصیل غزوۂ بدر کے ذیل بیان کی جا چکی ہے۔

حَدَّثَنِيْ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي سُفْيَانَ الثَّقَفِيِّ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً عَيْنًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جاسوسی (قریش مکہ کی خبر لانے کے لیے) کے لیے ایک جماعت بھیجی اور اس کا امیر

عَاصِمَ بْنَ ثَابِتٍ وَهُوَ جَدُّ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَانْطَلَقُوا حَتَّى إِذَا كَانَ بَيْنَ عُسْفَانَ

عاصم بن ثابت کو بنایا، جو عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا ہیں، یہ جماعت روانہ ہوئی اور جب عسفان اور مکہ کے درمیان پہنچی

وَ مَكَّةَ ذُكِرُوا لِحَيٍّ مِّنْ هُذَيْلٍ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو لِحْيَانَ فَتَبِعُوهُمْ بِقَرِيبٍ مِّنْ مِائَةِ رَامٍ

تو قبیلہ ہذیل کے ایک قبیلے جسے بنولحیان کہا جاتا تھا کو ان کا علم ہو گیا اور قبیلہ کے تقریباً سو تیر اندازوں نے ان کا پیچھا کیا اور ان کے نشانات قدم کو تلاش

فَاقْتَصُّوا آثَارَهُمْ حَتَّى أَتَوْا مَنْزِلًا نَزَلُوهُ فَوَجَدُوا فِيهِ نَوَى تَمْرٍ تَزَوَّدُوهُ مِنَ الْمَدِينَةِ فَقَالُوا

کرتے ہوئے چلے۔ آخر ایک ایسی جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جہاں صحابہ کی اس جماعت نے پڑاؤ کیا تھا۔ وہاں ان کھجوروں کی گٹھلیاں ملیں جو صحابہ مدینہ سے لائے تھے۔

هٰذَا تَمْرُ يَثْرِبَ فَتَبِعُوا آثَارَهُمْ حَتَّى لَحِقُوهُمْ فَلَمَّا انْتَهَى عَاصِمٌ وَّأَصْحَابُهُ لَجَئُوا إِلَى فَدْفَدٍ

قبیلہ والوں نے کہا کہ یہ تو یثرب کی کھجور (کی گٹھلی) ہے اب انہوں نے پھر تلاش شروع کی اور صحابہ کو پا لیا۔ عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے ایک

وَجَاءَ الْقَوْمُ فَأَحَاطُوا بِهِمْ فَقَالُوا لَكُمُ الْعَهْدُ وَالْمِيثَاقُ إِنْ نَّزَلْتُمْ إِلَيْنَا أَنْ لَّا نَقْتُلَ

ٹیلے پر چڑھ کر پناہ لی۔ قبیلہ والوں نے وہاں پہنچ کر ٹیلہ کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور صحابہ سے کہا کہ ہم تم سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ اگر تم نے ہتھیار ڈال دیئے تو ہم تم میں سے کسی

مِنْكُمْ رَجُلًا فَقَالَ عَاصِمٌ أَمَّا أَنَا فَلَا أَنْزِلُ فِي ذِمَّةِ كَافِرٍ اَللّٰهُمَّ أَخْبِرْ عَنَّا رَسُولَكَ فَقَاتَلُوهُمْ

کو بھی قتل نہیں کریں گے۔ تو عاصمؓ نے کہا کہ میں تو کسی کافر کی حفاظت و امان میں خود کو نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! ہمارے ساتھ پیش آنے والے حالات کی خبر اپنے نبی کو پہنچا دے۔

فَرَمَوْهُمْ حَتَّى قَتَلُوا عَاصِمًا فِي سَبْعَةِ نَفَرٍ بِالنَّبْلِ وَبَقِيَ خُبَيْبٌ وَّزَيْدٌ وَّرَجُلٌ آخَرُ فَأَعْطَوْهُمُ

چنانچہ ان صحابہ نے ان سے قتال کیا اور کافروں نے عاصم اور ان کے سات ساتھیوں کو شہید کر دیا۔ خبیب، زید اور ایک اور صحابی ان کے حملوں سے ابھی محفوظ تھے۔ کافروں نے پھر

الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ فَلَمَّا أَعْطَوْهُمُ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ نَزَلُوا إِلَيْهِمْ فَلَمَّا اسْتَمْكَنُوا مِنْهُمْ حَلُّوا

حفاظت و امان کا یقین دلایا۔ جب انہوں نے پھر عہد و پیمان کیا تو یہ حضرات ان کی یقین دہانی پر اتر آئے۔ پھر کافروں نے جب ان پر قابو پا لیا تو ان کی کمان کی تانت اتار کر

أَوْتَارَ قِسِيِّهِمْ فَرَبَطُوهُمْ بِهَا فَقَالَ الرَّجُلُ الثَّالِثُ الَّذِي مَعَهُمَا هٰذَا أَوَّلُ الْغَدْرِ فَأَبَى أَنْ

ان صحابہ کو اس سے باندھ دیا۔ تیسرے صحابی (عبداللہ بن طارق) جو خبیب اور زید کے ساتھ تھے، انہوں نے کہا کہ یہ تمہاری پہلی غداری ہے۔ تو انہوں نے ان کے ساتھ جانے سے

يَّصْحَبَهُمْ فَجَرَّرُوهُ وَعَالَجُوهُ عَلَى أَنْ يَّصْحَبَهُمْ فَلَمْ يَفْعَلْ فَقَتَلُوهُ وَانْطَلَقُوا بِخُبَيْبٍ وَّزَيْدٍ

انکار کر دیا۔ پہلے تو قبیلہ والوں نے انہیں گھسیٹا اور اپنے ساتھ لے جانے کے لیے زور لگاتے رہے لیکن جب وہ کسی طرح تیار نہ ہوئے تو انہیں وہیں قتل کر دیا اور خبیب اور زید کو ساتھ

حَتَّى بَاعُوهُمَا بِمَكَّةَ فَاشْتَرَى خُبَيْبًا بَنُو الْحَارِثِ بْنِ عَامِرِ بْنِ نَوْفَلٍ وَكَانَ خُبَيْبٌ هُوَ قَتَلَ

لے کر روانہ ہوئے۔ پھر انہیں مکہ میں لا کر بیچ دیا۔ خبیبؓ کو تو حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے خرید لیا کیونکہ خبیبؓ نے بدر کی جنگ میں حارث کو قتل کیا تھا۔

الْحَارِثَ يَوْمَ بَدْرٍ فَمَكَثَ عِنْدَهُمْ أَسِيرًا حَتَّى إِذَا أَجْمَعُوا قَتْلَهُ اسْتَعَارَ مُوسًى مِنْ بَعْضِ

وہ ان کے یہاں کچھ دنوں تک قیدی کی حیثیت سے رہے۔ پھر جس وقت ان سب کا خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل پر اتفاق ہو گیا تو انہوں نے حارث کی ایک لڑکی (زینب) سے موئے

بَنَاتِ الْحَارِثِ لِيَسْتَحِدَّ بِهَا فَأَعَارَتْهُ قَالَتْ فَغَفَلْتُ عَنْ صَبِيٍّ لِّي فَدَرَجَ إِلَيْهِ حَتَّى أَتَاهُ

زیر ناف صاف کرنے کے لیے استرہ مانگا اور انہوں نے ان کو استرہ دے دیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ میرا لڑکا میری غفلت میں خبیب کے پاس چلا گیا

فَوَضَعَهُ عَلَى فَخِذِهِ فَلَمَّا رَأَيْتُهُ فَزِعْتُ فَزْعَةً عَرَفَ ذَاكَ مِنِّي وَفِي يَدِهِ الْمُوسَى فَقَالَ أَتَخْشَيْنَ

اور انہوں نے اسے اپنی ران پر بٹھا لیا۔ جب میں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو بہت گھبرائی۔ انہوں نے میری گھبراہٹ کو جان لیا، استرہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے مجھ

أَنْ أَقْتُلَهُ مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ ذٰلِكِ إِنْ شَاءَ اللهُ وَكَانَتْ تَقُولُ مَا رَأَيْتُ أَسِيرًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ
سے کہا، کیا تمہیں خطرہ ہے کہ میں اس بچے کو قتل کردوں گا؟ ان شاءاللہ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر قیدی نہیں دیکھا تھا۔

خُبَيْبٍ لَقَدْ رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ مِنْ قِطْفِ عِنَبٍ وَمَا بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ ثَمَرَةٌ وَإِنَّهُ لَمُوثَقٌ فِي الْحَدِيدِ وَمَا
میں نے انہیں انگور کا خوشہ کھاتے ہوئے دیکھا حالانکہ اس وقت مکہ میں کسی طرح کا پھل موجود نہیں تھا حالانکہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے بھی تھے، بے شک وہ اللہ

كَانَ إِلَّا رِزْقٌ رَزَقَهُ اللهُ فَخَرَجُوا بِهِ مِنَ الْحَرَمِ لِيَقْتُلُوهُ فَقَالَ دَعُونِي أُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ
کی بھیجی ہوئی روزی تھی۔ پھر حارث کے بیٹے قتل کرنے کے لیے انہیں لے کر حرم کی حدود سے باہر گئے۔ حضرت خبیبؓ نے ان سے فرمایا کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دو

انْصَرَفَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ لَوْلَا أَنْ تَرَوْا أَنَّ مَا بِي جَزَعٌ مِّنَ الْمَوْتِ لَزِدْتُّ فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَنَّ
جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے فرمایا کہ اگر تم یہ خیال نہ کرنے لگتے کہ میں موت سے گھبرا گیا ہوں تو اور زیادہ نماز پڑھتا۔ خبیبؓ ہی وہ پہلے شخص ہیں جن سے قتل

الرَّكْعَتَيْنِ عِنْدَ الْقَتْلِ هُوَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدَدًا ثُمَّ قَالَ مَا إِنْ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ
سے پہلے دو رکعت نماز کا طریقہ چلا ہے۔ پھر انہوں نے کافروں کے لیے بددعا کی، اے اللہ! انہیں ایک ایک کرکے ہلاک کردے اور یہ اشعار پڑھے جب کہ میں مسلمان ہونے کی

مُسْلِمًا عَلٰى أَيِّ شِقٍّ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَّشَأْ يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ
حالت میں قتل کیا جارہا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ کس پہلو پر اللہ کی راہ میں مجھے پچھاڑا جائے، یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر وہ چاہے تو جسم کے ہر کٹے ہوئے ٹکڑے

مُمَزَّعٍ ثُمَّ قَامَ إِلَيْهِ عُقْبَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَتَلَهُ وَبَعَثَتْ قُرَيْشٌ إِلٰى عَاصِمٍ لِيُؤْتَوْا بِشَيْءٍ مِّنْ
میں برکت دے گا پھر عقبہ بن حارث نے کھڑے ہو کر انہیں شہید کردیا اور قریش نے عاصمؓ کی لاش کے لیے آدمی بھیجے تاکہ ان کے جسم کا کوئی بھی حصہ لائیں

جَسَدِهِ يَعْرِفُونَهُ وَكَانَ عَاصِمٌ قَتَلَ عَظِيمًا مِنْ عُظَمَائِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ فَبَعَثَ اللهُ عَلَيْهِ مِثْلَ
جس سے انہیں پہچانا جاسکے۔ حضرت عاصمؓ نے قریش کے ایک بہت بڑے سردار کو بدر کی لڑائی میں قتل کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے بھڑوں کی ایک فوج کو بادل کی طرح ان کے اوپر بھیجا

الظُّلَّةِ مِنَ الدَّبْرِ فَحَمَتْهُ مِنْ رُسُلِهِمْ فَلَمْ يَقْدِرُوا مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ
اور ان بھڑوں نے ان کی لاش کو قریش کے آدمیوں سے محفوظ رکھا اور یہ لوگ (ان کے پاس نہ پھٹک سکے) کچھ نہ کر سکے

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو

سَمِعَ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ اَلَّذِي قَتَلَ خُبَيْبًا هُوَ أَبُو سَرْوَعَةَ
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خبیب رضی اللہ عنہ کو ابوسروعہ نے قتل کیا تھا

مذکورہ بالا دونوں روایات کی تفصیل غزوۂ بدر کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے سن ۱۴۳۸ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنات کے امتحان میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ ترجمۃ الباب کی تشریح ❷ رعل و ذکوان کے غزوۂ رجیع اور عضل و قارہ کے بئر معونہ کے متعلق ہونے کی وضاحت ❸ حدیث کا ترجمہ ❹ غزوۂ رجیع کا قصہ۔

یہی سوالات وفاق المدارس کے سن ۱۴۳۸ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنین کے امتحان میں بھی پوچھے گئے۔

غزوۂ بیر معونہ

بئر معونہ کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ قبیلہ بنو عامر کا سردار عامر بن مالک جس کی کنیت ابو براء تھی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضوا کرم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ انکار، بلکہ درخواست کی کہ آپ اپنے آدمی ہمارے قبیلے کی طرف اسلام کی دعوت کی غرض سے بھیجیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد سے اندیشہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھیوں کو تکلیف پہنچائیں گے، عامر بن مالک نے کہا کہ میں آپ کے اصحاب کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس کی درخواست پر ستر قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجنے کا فیصلہ فرمایا، بخاری کتاب الجہاد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ رعل وذکوان کے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کر کے حضور ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ہمارے دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد کیجئے، ان کی مدد کی غرض سے آپ ﷺ نے ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو روانہ فرمایا تھا، بہرحال دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں کہ عامر بن مالک نے جو درخواست کی تھی اسے بھی پورا کرنا تھا اور قبیلہ رعل وذکوان کی امداد بھی مقصود تھی۔ بہرحال یہ حضرات روانہ ہوئے، آپ ﷺ نے ان کا امیر منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے ایک خط بنو عامر کے سردار عامر بن طفیل کے نام دیا، یہ عامر بن طفیل اس عامر بن مالک کا بھتیجا تھا، حضرت حرام رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچے، اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم پیچھے رہو، میں عامر کو خط دیتا ہوں، اگر مجھے اس نے امن دے دیا تو تم یہیں رہنا اور اگر وہ مجھے قتل کر دے تو تم باقی ساتھیوں کے پاس چلے جانا، حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو جیسا کہ آگے روایات میں تفصیل آرہی ہے شہید کر دیا گیا اور عامر بن طفیل نے بنی عامر کو باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کے قتل پر ابھارا، اس کے چچا عامر بن مالک نے اس سے کہا بھی کہ میں نے ان حضرات کو امن دیا ہے لہٰذا ان کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے، مگر عامر بن طفیل نے چچا کی بات نہیں مانی، تاہم بنو عامر نے کہا کہ جب ان کو امن دیا گیا ہے پھر غداری اور عہد شکنی نہیں ہونی چاہئے، جب بنو عامر نے عامر بن طفیل کی بات نہیں مانی تو اس نے رعل وذکوان سے مدد طلب کی، رعل وذکوان نے باوجود اس کے کہ انہوں نے خود آپ ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجنے کی درخواست کی تھی، عہد شکنی کی اور عامر بن طفیل کے ساتھ مل کر صحابہ کرام کو شہید کر دیا۔

صرف تین صحابہ بچ گئے، ایک حضرت کعب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ تھے، جن کے بارے میں کفار یہ سمجھے کہ وہ شہید ہو چکے ہیں حالانکہ وہ زندہ تھے، دوسرے دو صحابہ میں ایک منذر بن محمد رضی اللہ عنہ تھے اور ایک عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ تھے، یہ دونوں مویشی چرانے جنگل گئے ہوئے تھے، اچانک انہیں آسمان میں پرندے اڑتے نظر آئے، پرندوں کو دیکھ کر یہ

دونوں گھبرا گئے اور کہا کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے، جب قریب گئے تو دیکھا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو چکے ہیں، دونوں نے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے، عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مدینہ چل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دیتے ہیں، لیکن منذر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور کفار سے لڑ کر جام شہادت نوش فرمایا، عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو کفار نے زندہ گرفتار کر کے عامر بن طفیل کے حوالہ کیا، عامر نے ان کے سر کے بال کاٹے اور یہ کہہ کر انہیں آزاد کر دیا کہ میری والدہ نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی یہ اس کی طرف سے آزاد ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حادثے کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ماہ تک رعل و ذکوان کے حق میں قنوت نازلہ پڑھ کر بد دعا کرتے رہے۔

حَدَّثَنَا أَبُوْ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ

بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّحَاجَةٍ يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ فَعَرَضَ لَهُمْ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستر صحابہ کی ایک جماعت تبلیغ اسلام کے لیے بھیجی تھی، انہیں قاری کہا جاتا تھا۔ راستے میں بنو سلیم کے دو قبیلے رعل اور ذکوان نے

حَيَّانِ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ رِعْلٌ وَّ ذَكْوَانُ عِنْدَ بِئْرٍ يُقَالُ لَهَا بِئْرُ مَعُوْنَةَ فَقَالَ الْقَوْمُ وَاللهِ مَا
ایک کنویں کے قریب ان کے ساتھ مزاحمت کی۔ یہ کنواں بئر معونہ کے نام سے مشہور تھا۔ صحابہ نے ان سے کہا کہ اللہ کی قسم!

إِيَّاكُمْ أَرَدْنَا إِنَّمَا نَحْنُ مُجْتَازُوْنَ فِيْ حَاجَةٍ لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَتَلُوْهُمْ فَدَعَا النَّبِيُّ
ہم تمہارے خلاف یہاں لڑنے نہیں آئے بلکہ ہمیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک کام پر مامور کیا گیا ہے۔ لیکن کفار کے ان قبیلوں نے تمام صحابہ کو شہید کر دیا۔ اس واقعہ کے

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ شَهْرًا فِيْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَ ذٰلِكَ بَدْءُ الْقُنُوْتِ وَ مَا كُنَّا نَقْنُتُ
بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز میں ان کے لیے ایک مہینہ تک بد دعا کرتے رہے، اسی دن سے دعاء قنوت کی ابتداء ہوئی، ورنہ اس سے پہلے ہم دعاء قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے

قَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ وَ سَأَلَ رَجُلٌ أَنَسًا عَنِ الْقُنُوْتِ أَبَعْدَ الرُّكُوْعِ أَوْ عِنْدَ فَرَاغٍ مِّنَ الْقِرَاءَةِ
اور عبدالعزیز کہتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دعاء قنوت کے بارے میں پوچھا کہ یہ دعا رکوع کے بعد پڑھی جائے گی یا قرآت قرآن سے فارغ ہونے کے بعد

قَالَ لَا بَلْ عِنْدَ فَرَاغٍ مِّنَ الْقِرَاءَةِ
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ قرآت سے فارغ ہونے کے بعد (رکوع سے پہلے)

قنوت نازلہ

فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بیر معونہ کے حادثے کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر میں ان تینوں قبیلوں پر ایک مہینہ تک بد دعا کرتے رہے، روایت میں ہے کہ **وَ ذٰلِكَ بَدْءُ الْقُنُوْتِ** یہ قنوت کی ابتداء تھی، **وَمَا كُنَّا نَقْنُتُ** اس سے پہلے ہم قنوت نہیں پڑھتے تھے، اس سے مراد قنوت نازلہ ہے، ورنہ وتر کی دعائے قنوت کا سلسلہ تو پہلے سے جاری تھا۔

اس قنوت نازلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ قبائل پر بد دعا کی: **رعل، ذکوان اور عصیہ** پر جن کا تعلق بیر معونہ سے تھا اور **عضل اور قارہ** پر جن کا تعلق غزوۂ رجیع سے تھا۔ معلوم ہوا کہ جس طرح ہدایت کی دعا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے

اور وہی اکثر ثابت ہے، اسی طرح کافروں کے لئے بد دعا بھی ثابت ہے کہ جن کافروں کی اصلاح کی امید نہ ہو، یا وہ سخت ظالم ہوں تو ان کے خلاف بد دعا کر سکتے ہیں۔

اگلا مسئلہ یہ ہے کہ یہ قنوت نازلہ صرف ایک مہینہ پڑھی جائے گی، خواہ اس دوران مشکل دور ہو یا نہ ہو، مسئلہ حل ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مہینہ تک یہ قنوت پڑھی، البتہ کچھ عرصہ وقفہ کر کے اگر دوبارہ ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھ لیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ اصل مقصد اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے اور ظلم کا انتقام لینے کی درخواست کرنا ہے، باقی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کب انتقام لیں گے؟ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مہینہ تک قنوت نازلہ پڑھی، دعا کے اثرات ابھی ظاہر نہیں ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود ایک مہینہ پڑھنے کے بعد آپ ﷺ نے قنوت نازلہ پڑھنا چھوڑ دی۔

اس روایت کے آخر میں حضرت عبد العزیز بن صہیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ قنوت رکوع کے بعد ہے یا قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے ہے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے ہے اور ظاہر ہے کہ وتر کی قنوت رکوع سے پہلے ہی ہوتی ہے۔

حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ

قَنَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوْعِ يَدْعُوْ عَلٰى أَحْيَاءٍ مِّنَ الْعَرَبِ

رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد ایک مہینہ تک قنوت پڑھی جس میں آپ ﷺ عرب کے چند قبائل (رعل و ذکوان وغیرہ) کے لیے بددعا کرتے تھے۔

حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْأَعْلٰى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رِعْلًا وَّ ذَكْوَانَ وَ عُصَيَّةَ وَبَنِيْ لِحْيَانَ اسْتَمَدُّوْا رَسُوْلَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رعل، ذکوان، عصیہ اور بنو لحیان نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے دشمنوں کے مقابل مدد چاہی،

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عَدُوٍّ فَأَمَدَّهُمْ بِسَبْعِيْنَ مِنَ الْأَنْصَارِ كُنَّا نُسَمِّيْهِمُ الْقُرَّاءَ فِيْ

تو نبی کریم ﷺ نے ستر انصاری صحابہ کو ان کی مدد کے لیے روانہ کیا، ہم ان حضرات کو قاری کہا کرتے تھے،

زَمَانِهِمْ كَانُوْا يَحْتَطِبُوْنَ بِالنَّهَارِ وَيُصَلُّوْنَ بِاللَّيْلِ حَتّٰى كَانُوْا بِبِئْرِ مَعُوْنَةَ قَتَلُوْهُمْ وَغَدَرُوْا

یہ حضرات اپنی زندگی میں معاش کے لیے دن میں لکڑیاں جمع کرتے تھے اور رات میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب یہ حضرات بئر معونہ پر پہنچے تو ان قبیلے والوں نے انہیں دھوکا دیا

بِهِمْ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَنَتَ شَهْرًا يَدْعُوْ فِي الصُّبْحِ عَلٰى أَحْيَاءٍ مِّنْ أَحْيَاءِ

اور انہیں شہید کر دیا۔ جب نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے صبح کی نماز میں ایک مہینے تک عرب کے انہیں چند قبائل رعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان کے لیے بددعا

الْعَرَبِ عَلٰى رِعْلٍ وَّ ذَكْوَانَ وَ عُصَيَّةَ وَبَنِيْ لِحْيَانَ قَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَرَأْنَا فِيْهِمْ قُرْآنًا

کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان صحابہ کے بارے میں قرآن (آیت) نازل ہوا اور ہم اس کی تلاوت کیا کرتے تھے، پھر وہ آیت منسوخ ہوگئی (جس کا ترجمہ یہ ہے)

ثُمَّ إِنَّ ذٰلِكَ رُفِعَ بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا أَنَّا قَدْ لَقِيْنَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَأَرْضَانَا

ہماری طرف سے ہماری قوم (مسلمانوں) کو خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب کے پاس آ گئے ہیں اور ہمارا رب ہم سے راضی ہے اور ہمیں بھی اس نے خوش رکھا ہے

اس روایت میں بنولحیان کا ذکر ہے حالانکہ بنولحیان کا تعلق غزوۂ رجیع سے ہے، اس لیے بنولحیان کے ذکر کو راوی کا وہم قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس روایت کا تعلق غزوۂ رجیع سے نہیں بلکہ غزوۂ بیر معونہ سے ہے۔

وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ
اور قتادہ سے روایت ہے کہ ان سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مہینے تک

شَهْرًا فِيْ صَلَاةِ الصُّبْحِ يَدْعُوْ عَلٰى أَحْيَاءٍ مِّنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ عَلٰى رِعْلٍ وَّ ذَكْوَانَ وَ عُصَيَّةَ وَبَنِيْ
صبح کی نماز میں عرب کے چند قبائل یعنی رعل، ذکوان، عصیہ اور بنو لحیان کے لیے بددعا کی تھی۔

لَحْيَانَ زَادَ خَلِيْفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ
خلیفہ بن خیاط (امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ) نے یہ اضافہ کیا کہ ہم سے یزید بن زریع نے بیان کیا، کہ ہم سے سعید بن ابی عروبہ نے بیان کیا، ان سے قتادہ نے کہ ہم سے

عَنْهُ أَنَّ أُولٰئِكَ السَّبْعِيْنَ مِنَ الْأَنْصَارِ قُتِلُوْا بِبِئْرِ مَعُوْنَةَ قُرْاٰنًا كِتَابًا نَحْوَهُ
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ ستر صحابہ قبیلہ انصار سے تھے اور انہیں بئر معونہ کے پاس شہید کر دیا گیا تھا۔

اس روایت کی سند ماقبل کے ساتھ ملی ہوئی نہیں ہے، بلکہ یہ علیحدہ ایک تعلیق ہے۔

قُرْاٰنًا كِتَابًا نَحْوَهُ: اوپر روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول آیا تھا **فَقَرَأْنَا فِيْهِمْ قُرْاٰنًا** یہاں **قُرْاٰنًا كِتَابًا** کہہ کر بتادیا کہ قرآن سے مراد کتاب اللہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کی شہادت کے بعد ان کے متعلق آیت نازل ہوئی تھی۔

ان مذکورہ چاروں روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے قنوت پڑھی ہے، عبدالعزیز عن انس والی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ یہ قنوت قبل الرکوع تھی اور قتادۃ عن انس والی روایت میں ہے کہ یہ قنوت بعد الرکوع تھی، دونوں روایتوں میں تطبیق واضح ہے کہ پہلی روایت میں جس قنوت کا ذکر ہے، وہ قنوت وتر ہے اور دوسری روایت میں قنوت نازلہ مراد ہے اور قنوت نازلہ رکوع کے بعد ہوتی ہے، تیسری روایت میں صلاۃ الصبح کی تصریح ہے، آگے ایک اور روایت آرہی ہے اس میں ہے کہ فجر کی نماز میں قنوت صرف ایک مہینے تک پڑھی گئی اور وہ قنوت نازلہ تھی اور اس کے علاوہ جو قنوت ہوا کرتی ہے، وہ قنوت وتر کہلاتی ہے جو رکوع سے پہلے ہوتی ہے۔

حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ قَالَ

حَدَّثَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ خَالَهُ أَخٌ لِّأُمِّ
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے ماموں یعنی ام سلیم (انس کی والدہ) کے بھائی کو

سُلَيْمٍ فِيْ سَبْعِيْنَ رَاكِبًا وَ كَانَ رَئِيْسَ الْمُشْرِكِيْنَ عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ خَيَّرَ بَيْنَ ثَلَاثِ
ان ستر سواروں کے ساتھ بھیجا تھا، اور اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ مشرکوں کے سردار عامر بن طفیل نے نبی کریم ﷺ کے سامنے تین صورتیں رکھی تھیں،

خِصَالٍ فَقَالَ يَكُوْنُ لَكَ أَهْلُ السَّهْلِ وَلِيْ أَهْلُ الْمَدَرِ أَوْ أَكُوْنُ خَلِيْفَتَكَ أَوْ أَغْزُوْكَ بِأَهْلِ
اس نے کہا کہ یا تو یہ کیجئے کہ دیہاتی آبادی پر آپ کی حکومت ہو اور شہری آبادی پر میری ہو، یا پھر مجھے آپ اپنا جانشین مقرر کردیں ورنہ پھر میں ہزاروں غطفانیوں کو لے کر

غَطَفَانَ بِأَلْفٍ وَّأَلْفٍ فَطُعِنَ عَامِرٌ فِيْ بَيْتِ أُمِّ فُلَانٍ فَقَالَ غُدَّةٌ كَغُدَّةِ الْبَعِيْرِ فِيْ بَيْتِ امْرَأَةٍ
آپ پر چڑھائی کردوں گا۔ پھر یہ عامر بن طفیل (واقعہ بئر معونہ کے بعد) ام فلاں کے گھر میں مرض طاعون میں گرفتار ہوا۔ وہ کہنے لگا کہ اس فلاں کی عورت کے گھر کے جوان اونٹ

مِّنْ اٰلِ فُلَانٍ ائْتُوْنِيْ بِفَرَسِيْ فَمَاتَ عَلٰى ظَهْرِ فَرَسِهٖ فَانْطَلَقَ حَرَامٌ أَخُوْ أُمِّ سُلَيْمٍ وَهُوَ رَجُلٌ
کی طرح مجھے بھی غدود نکل آیا ہے، میرا گھوڑا لاؤ۔ چنانچہ وہ اپنے گھوڑے کی پشت پر ہی مر گیا۔ بہرحال ام سلیم کے بھائی حرامؓ، ایک اور صحابی

أَعْرَجُ وَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ فُلَانٍ قَالَ كُوْنَا قَرِيْبًا حَتّٰى اٰتِيَهُمْ فَإِنْ اٰمَنُوْنِيْ كُنْتُمْ وَ إِنْ قَتَلُوْنِيْ
جو پاؤں سے معذور تھے اور تیسرے جن کا تعلق بنی فلاں سے تھا، آگے بڑھے۔ حرامؓ نے ان دونوں سے کہا کہ تم دونوں میرے قریب ہی کہیں رہنا، پہلے میں ان کے پاس جاتا ہوں

أَتَيْتُمْ أَصْحَابَكُمْ فَقَالَ أَ تُؤْمِنُوْنَ أُبَلِّغْ رِسَالَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ
اگر وہ مجھے امن دے دیں تو تم قریب ہی ہوگے اور اگر وہ مجھے قتل کردیں تو تم اپنے ساتھیوں کے پاس چلے جانا۔ قبیلہ میں پہنچ کر انہوں نے کفار سے کہا کہ کیا تم مجھے امان دیتے ہو کہ میں

يُحَدِّثُهُمْ وَ أَوْمَئُوْا إِلٰى رَجُلٍ فَأَتَاهُ مِنْ خَلْفِهٖ فَطَعَنَهٗ قَالَ هَمَّامٌ أَحْسِبُهٗ حَتّٰى أَنْفَذَهٗ بِالرُّمْحِ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تمہیں پہنچادوں؟ پھر وہ انہیں پیغام پہنچانے لگے تو قبیلہ والوں نے ایک شخص کو اشارہ کیا اور اس نے پیچھے سے آ کر ان پر نیزہ سے وار کیا۔ ہمام کہتے ہیں کہ

قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَلُحِقَ الرَّجُلُ فَقُتِلُوْا كُلُّهُمْ غَيْرَ الْأَعْرَجِ كَانَ فِيْ رَأْسِ
میرا خیال ہے کہ نیزہ آر پار ہوگیا تھا۔ حرام نے اس وقت کہا اللہ اکبر، کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک صحابی کو بھی مشرکین نے پکڑ لیا اور پھر اس

جَبَلٍ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْنَا ثُمَّ كَانَ مِنَ الْمَنْسُوْخِ إِنَّا قَدْ لَقِيْنَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَأَرْضَانَا
جماعت کے تمام صحابہ کو شہید کردیا۔ صرف پاؤں سے معذور صحابی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے، ان شہداء کی شان میں اللہ نے آیت إِنَّا قَدْ لَقِيْنَا رَبَّنَا

فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثِيْنَ صَبَاحًا عَلٰى رِعْلٍ وَّ ذَكْوَانَ وَبَنِيْ لِحْيَانَ
فَرَضِيَ عَنَّا وَأَرْضَانَا نازل فرمائی، بعد میں وہ آیت منسوخ ہوگئی ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل رعل، ذکوان، بنو لحیان اور عصیہ کے لیے

وَ عُصَيَّةَ الَّذِيْنَ عَصَوُا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی تیس دن تک صبح کی نماز میں بددعا کی

بَعَثَ خَالَهٗ أَخٌ لِّأُمِّ سُلَيْمٍ: اگر یہ أخا لأم سلیم ہوتا، تب تو معاملہ آسان تھا کہ یہ خالہ مفعول بہ سے بدل بن جاتا لیکن اگر اخ لأم سلیم رفع کے ساتھ ہو، جیسا کہ یہاں ہے، تو اس صورت میں یہ مبتداء محذوف کی خبر ہوگا، یعنی بعث خالہ ھو أخ لأم سلیم۔

وَ كَانَ رَئِيْسَ الْمُشْرِكِيْنَ عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ خَيَّرَ بَيْنَ ثَلَاثِ خِصَالٍ: مشرکین کے سردار عامر بن طفیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزوں کا اختیار دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ يَكُوْنُ لَكَ أَهْلُ السَّهْلِ وَلِيْ أَهْلُ الْمَدَرِ تمہارے لیے سهل کے علاقے ہوجائیں اور میرے لیے مدر کے علاقے۔ سهل سے مراد ہے سیدھی اور نرم زمینیں، جیسے کھیتوں اور باغات کی زمینیں ہوتی ہیں، اور مدر گارے کو کہتے ہیں، گارے سے مراد جہاں مکانات زیادہ ہوتے ہیں، یعنی شہری علاقے، تو عامر بن طفیل نے کہا کہ جو آباد علاقے ہیں، ان کا نبی میں بن جاؤں اور جو زرعی علاقے ہیں ان کے نبی آپ بن جائیں۔ أَوْ أَكُوْنُ خَلِيْفَتَكَ دوسری تجویز یہ پیش کی کہ میں آپ کا خلیفہ بن جاؤں، أَوْ أَغْزُوْكَ بِأَهْلِ غَطَفَانَ بِأَلْفٍ وَّأَلْفٍ اور اگر آپ ان دونوں صورتوں کو نہیں مانتے تو پھر تیسری صورت یہ ہوگی کہ میں ہزاروں

کی تعداد میں غطفان کے لوگ لے کر آؤں گا اور آپ کا خاتمہ کر دوں گا۔ قبیلہ غطفان بہت بڑا قبیلہ تھا، اس کے علاوہ جتنے قبائل تھے ان کی افرادی تعداد بہت زیادہ نہ تھی، چنانچہ عامر بن طفیل نے خاص طور پر قبیلہ غطفان کا ذکر کیا کہ میں ہزاروں غطفانیوں کو لے کر آپ پر چڑھ دوڑوں گا۔

فَطُعِنَ عَامِرٌ فِيْ بَيْتِ أُمِّ فُلَانٍ: یہ جملہ معترضہ کے طور پر یہاں آ گیا ہے، ورنہ حقیقت میں یہ واقعہ بہت بعد کا ہے، واقعہ یہ ہوا کہ بیر معونہ کے حادثے کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ظالموں کے لیے بددعا کی تو اس کے نتیجے میں ان لوگوں میں طاعون کی وباء پھیل گئی، اس میں یہ بدبخت عامر بن طفیل بھی مبتلا ہوا جبکہ یہ آل سلول کی ایک عورت کے گھر میں تھا، تو اس نے کہا: غُدَّةٌ كَغُدَّةِ الْبَعِيْرِ کہ جس طرح جوان اونٹ کے بدن میں گلٹی اور پھوڑا نکلتا ہے، اس کے جسم میں بھی ایسا ہی پھوڑا نکلا تھا، چنانچہ جب وہ اس طاعون کی وجہ سے مرنے کے قریب تھا تو کہنے لگا کہ میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں إِئْتُوْنِيْ بِفَرَسِيْ میرا گھوڑا لے کر آؤ۔ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوا فَمَاتَ عَلٰى ظَهْرِ فَرَسِهِ لیکن موت کا وقت آ گیا اور وہ گھوڑے کی پشت پر ہی مر گیا۔

بہر حال یہ بعد کا قصہ تھا، جو راوی نے پہلے بیان کر دیا، اب اصل قصہ بیان کر رہے ہیں:

فَانْطَلَقَ حَرَامٌ أَخُوْ أُمِّ سُلَيْمٍ وَهُوَ رَجُلٌ أَعْرَجُ وَرَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ فُلَانٍ: یہاں عبارت میں تسامح ہوا ہے، صحیح عبارت ہے فانطلق حرام هو و رجل اعرج و رجل من بنی فلان یہ "واو" "هو" کے بعد ہے کیونکہ اگر و هو رجل اعرج پڑھیں گے تو دو خرابیاں لازم آئیں گی۔

❶ ایک یہ کہ اس صورت میں حضرت حرام رضی اللہ عنہ کا اعرج ہونا ثابت ہوگا حالانکہ وہ اعرج نہیں تھے۔

❷ دوسری یہ کہ اس صورت میں ترجمہ ہوگا کہ ایک حضرت حرام رضی اللہ عنہ گئے جو کہ اعرج تھے اور ایک آدمی بنی فلاں میں سے گئے، حالانکہ جانے والے تین آدمی تھے، ایک حضرت حرام رضی اللہ عنہ، دوسرے رجل اعرج جن کا نام کعب بن زید رضی اللہ عنہ تھا اور تیسرے شخص منذر بن محمد رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ آگے روایت میں حضرت حرام رضی اللہ عنہ کا قول كُوْنَا قَرِيْبًا (تثنیہ کا صیغہ) اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کے ساتھ دو آدمی اور تھے، نیز ایک دوسری روایت میں ہے: فانطق حرام و رجلان معه رجل اعرج و رجل من بنی فلان اس لئے "واو" "هو" کے بعد ہونا چاہئے لیکن غلطی سے "واو" کو مقدم کر دیا گیا۔

آگے روایت میں وہی بات ہے کہ عامر بن طفیل کے پاس جب حضرت حرام رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط لے کر پہنچے تو حضرت حرام رضی اللہ عنہ وہاں شہید کر دیئے گئے اور رعل وذکوان اور عصیہ نے مل کر دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی شہید کر دیا۔

فَلحِقَ الرَّجُلُ:

❶ اس میں ایک صورت تو یہ ہے کہ لحق کو معروف پڑھا جائے اور الرجل سے مراد وہ کافر لیا جائے جس نے حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر شہید کیا اور یہ پھر اپنے کافر ساتھیوں سے جا ملا یعنی مطلب یہ ہوگا: لحق الرجل بالمشرکین بعد قتل حرام بن ملحان۔

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ لحق کو معروف پڑھا جائے اور الرجل سے مراد حضرت حرام رضی اللہ عنہ کا رفیق ہو کہ وہ حضرت حرام رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد اپنے مسلمان ساتھیوں سے جا ملے یعنی لحق الرجل بالمسلمین۔

❸ تیسری صورت یہ ہے کہ لحق کو مجہول پڑھا جائے اور الرجل سے مراد حضرت حرام رضی اللہ عنہ ہوں اس صورت میں مطلب ہوگا کہ جب حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا گیا تو آپ نے اَللّٰہُ أَکْبَرُ فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ کہا اور موت کی آغوش میں چلے گئے یعنی لحق الرجل بالموت۔

❹ ایک اور صورت ہے کہ الرجل (جیم کے سکون کے ساتھ) راجل کی جمع ہو اور الرجل سے مشرکین کی جماعت مراد لی جائے، اس صورت میں مطلب ہوگا، لحق الرجل المشرکین بالمسلمین فقتلوھم یعنی مشرکین کی پیدل جماعت مسلمانوں کے ساتھ مل گئی اور ان کو شہید کر دیا۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے سن ۱۴۴۳ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنات کے امتحان میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ حدیث پر اعراب اور ترجمہ ❷ خال کا نام اور غزوہ کی تعیین ❸ حدیث کی تشریح ❹ غزوہ کا سن اور قصہ۔

یہی سوالات وفاق المدارس کے سن ۱۴۲۹ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنین کے امتحان میں بھی پوچھے گئے۔

حَدَّثَنِيْ حِبَّانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ قَالَ حَدَّثَنِيْ ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ

أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ لَمَّا طُعِنَ حَرَامُ بْنُ مِلْحَانَ وَكَانَ خَالَهُ يَوْمَ بِئْرِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حرامؓ بن ملحان کو جو ان کے ماموں تھے برمعونہ کے موقع پر زخمی کیا گیا

مَعُوْنَةَ قَالَ بِالدَّمِ هٰكَذَا فَنَضَحَهُ عَلٰى وَجْهِهِ وَ رَأْسِهِ ثُمَّ قَالَ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ

تو زخم پر سے خون کو ہاتھ میں لے کر انہوں نے اپنے چہرہ اور سر پر لگا لیا اور کہا کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہوگیا

قَالَ بِالدَّمِ هٰكَذَا: قال اصل میں زبان سے کہنے کے معنی میں آتا ہے، لیکن اگر قال بالید ہو تو اس سے مراد ہوگا: ہاتھ سے اشارہ کیا، تو یہاں جب حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کا خون نکلا، تو انہوں نے اس طریقے سے اپنے خون کے ساتھ کیا فَنَضَحَهُ عَلٰى وَجْهِهِ وَرَأْسِهِ وہ خون اپنے چہرے، داڑھی اور سر پر لگایا اور فرمایا فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ اِسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فِي الْخُرُوجِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مکہ میں مشرک لوگ حضرت ابوبکرؓ کو سخت تکلیف دینے لگے تو ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی۔

حِينَ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْأَذٰى فَقَالَ لَهُ أَقِمْ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَتَطْمَعُ أَنْ يُؤْذَنَ لَكَ فَكَانَ رَسُولُ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ابھی یہیں ٹھہرے رہو۔انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ بھی (اللہ تعالیٰ سے) اپنے لیے ہجرت کی اجازت کے امیدوار ہیں۔آپ ﷺ نے

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنِّي لَأَرْجُو ذٰلِكَ قَالَتْ فَانْتَظَرَهُ أَبُو بَكْرٍ فَأَتَاهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى

فرمایا: ہاں مجھے اس کی امید ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر ابوبکرؓ انتظار کرنے لگے۔ آخر نبی کریم ﷺ ایک دن ظہر کے وقت

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ظُهْرًا فَنَادَاهُ فَقَالَ اخْرُجْ أَخْرِجْ مَنْ عِنْدَكَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّمَا

(ہمارے گھر) تشریف لائے اور ابوبکرؓ کو پکارا اور فرمایا کہ تخلیہ کر لو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہاں تو صرف میری دونوں بیٹیاں موجود ہیں۔

هُمَا ابْنَتَايَ فَقَالَ أَشَعَرْتَ أَنَّهُ قَدْ أُذِنَ لِي فِي الْخُرُوجِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ الصُّحْبَةَ فَقَالَ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دے دی گئی ہے۔ابوبکرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا مجھے بھی ساتھ چلنے کی سعادت حاصل ہوگی؟ آپ

النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّحْبَةَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ عِنْدِي نَاقَتَانِ قَدْ كُنْتُ أَعْدَدْتُهُمَا

ﷺ نے فرمایا کہ ہاں تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں اور میں نے انہیں ہجرت ہی کی نیت سے تیار کر رکھا

لِلْخُرُوجِ فَأَعْطَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَاهُمَا وَهِيَ الْجَدْعَاءُ فَرَكِبَا فَانْطَلَقَا حَتّٰى

ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک اونٹنی جس کا نام الجدعاء تھا آپ ﷺ کو دے دی۔ دونوں حضرات سوار ہو کر روانہ ہوئے

أَتَيَا الْغَارَ وَ هُوَ بِثَوْرٍ فَتَوَارَيَا فِيهِ فَكَانَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ غُلَامًا لِعَبْدِ اللهِ بْنِ الطُّفَيْلِ بْنِ

اور غار پر پہنچے یہ غار ثور پہاڑی کا تھا اس میں جا کر دونوں پوشیدہ ہو گئے۔ عامر بن فہیرہ وعبداللہ بن طفیل بن سخبرہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی) کے غلام تھے

سَخْبَرَةَ أَخُو عَائِشَةَ لِأُمِّهَا وَكَانَتْ لِأَبِي بَكْرٍ مِنْحَةٌ فَكَانَ يَرُوحُ بِهَا وَيَغْدُو عَلَيْهِمْ وَيُصْبِحُ

اور ابوبکرؓ کی ایک دودھ دینے والی اونٹنی تھی تو عامر بن فہیرہؓ شام میں اسے چرانے جنگل لے جاتے اور صبح اہل مکہ کے پاس کرتے،

فَيَدَّلِجُ إِلَيْهِمَا ثُمَّ يَسْرَحُ فَلَا يَفْطُنُ بِهِ أَحَدٌ مِّنَ الرِّعَاءِ فَلَمَّا خَرَجَ خَرَجَ مَعَهُمَا يُعْقِبَانِهِ

تو رات کے آخری حصہ میں ان دونوں کو دودھ پہنچاتے اور پھر اونٹنی کو چرانے کے لیے چلے جاتے، تا کہ کسی چرواہے کو خبر نہ ہو، پھر جب آپ ﷺ اور ابوبکر روانہ ہوئے تو باری باری

حَتّٰى قَدِمَا الْمَدِينَةَ فَقُتِلَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ يَوْمَ بِئْرِ مَعُونَةَ

اپنے پیچھے عامر بن فہیرہ کو بھی بٹھا لیتے۔ آخر دونوں حضرات مدینہ پہنچ گئے۔ بئر معونہ کے حادثہ میں عامر بن فہیرہ بھی شہید ہو گئے تھے

اس روایت کا اصل تعلق ہجرت مدینہ کے واقعے سے ہے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے یہ روایت یہاں ذکر کردی، کیونکہ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا ذکر آ رہا ہے، جو ہجرت کے اس سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے اور بڑی خدمت کی، یہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ چونکہ بیر معونہ کے واقعے میں شامل تھے اور اسی میں ان کی شہادت ہوئی تھی، اس لیے یہ روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے یہاں ذکر کردی۔

فَكَانَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ غُلَامًا لِعَبْدِ اللهِ بْنِ الطُّفَيْلِ: عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن طفیل کے غلام تھے، یہاں

یہی نقل کیا گیا ہے لیکن رجال کی کتابوں میں عام طور پر یہ لکھا ہے یہ عبداللہ بن طفیل نہیں بلکہ طفیل بن عبداللہ ہیں، یہاں قلب ہوگیا ہے۔عبداللہ بن سخبرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر تھے، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے، جب ان کا انتقال ہوگیا تو ام رومان رضی اللہ عنہا سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کرلیا، ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، طفیل رضی اللہ عنہ بھی ام رومان رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے لیکن وہ پہلے شوہر عبداللہ بن سخبرہ کے بیٹے ہیں تو اس طرح طفیل رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخیافی بھائی (ماں شریک بھائی) ہیں، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ طفیل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کردیا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دودھ والی اونٹنی تھی، ہجرت کے سفر کے دوران جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور میں تھے تو عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اس اونٹنی کو چرانے کے لئے شام کو جنگل کی طرف لے جایا کرتے تھے، رات بھر جنگل میں رہ کر آخر شب میں اونٹنی سے دودھ نکال کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دودھ پیش کرتے اور پھر صبح کو مکہ واپس پہنچ جاتے تھے،، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن کے بعد غار ثور سے نکلے اور مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی سفر ہجرت میں ساتھ تھے اور یہ دونوں حضرات اپنی اپنی اونٹنیوں پر ان کو باری باری بٹھایا کرتے تھے، یہاں تک کہ تینوں حضرات مدینہ پہنچ گئے۔

فَقُتِلَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ يَوْمَ بِئْرِ مَعُوْنَةَ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مقصد یہی جملہ ہے کہ غزوۂ بیر معونہ میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے، باقی ہجرت کے قصے کا تعلق غزوۂ بیر معونہ سے نہیں ہے۔

وَعَنْ أَبِي أُسَامَةَ قَالَ قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ فَأَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ

لَمَّا قُتِلَ الَّذِيْنَ بِبِئْرِ مَعُوْنَةَ وَأُسِرَ عَمْرُو بْنُ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيُّ قَالَ لَهُ عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ مَنْ هٰذَا؟ أَشَارَ إِلَى قَتِيْلٍ فَقَالَ لَهُ عَمْرُو بْنُ أُمَيَّةَ هٰذَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ فَقَالَ لَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدَ مَا قُتِلَ رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى إِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْأَرْضِ ثُمَّ وُضِعَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرُهُمْ فَنَعَاهُمْ فَقَالَ إِنَّ أَصْحَابَكُمْ قَدْ أُصِيْبُوْا وَإِنَّهُمْ قَدْ سَأَلُوْا رَبَّهُمْ فَقَالُوْا رَبَّنَا أَخْبِرْ عَنَّا إِخْوَانَنَا بِمَا رَضِيْنَا عَنْكَ وَرَضِيْتَ عَنَّا فَأَخْبَرَهُمْ عَنْهُمْ وَأُصِيْبَ يَوْمَئِذٍ فِيْهِمْ عُرْوَةُ بْنُ أَسْمَاءَ بْنِ الصَّلْتِ فَسُمِّيَ عُرْوَةُ بِهِ وَمُنْذِرُ بْنُ عَمْرٍو وَسُمِّيَ بِهِ مُنْذِرًا

جب بئر معونہ کے حادثہ میں صحابہ شہید کئے گئے اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ قید کئے گئے تو عامر بن طفیل نے ان سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے ایک لاش کی طرف اشارہ کیا۔عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ یہ عامر بن فہیرہ ہیں۔اس پر عامر بن طفیل نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ شہید ہوجانے کے بعد ان کی لاش آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ میں نے اوپر نظر اٹھائی تو لاش آسمان وزمین کے درمیان معلق تھی۔پھر وہ زمین پر رکھ دی گئی۔ان شہداء کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے خبر ملی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شہادت کی خبر صحابہ کو دی اور فرمایا کہ تمہارے ساتھی شہید کردیئے گئے ہیں اور شہادت کے بعد انہوں نے اپنے رب سے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! ہمارے (مسلمان) بھائیوں کو اس کی اطلاع دیدے کہ ہم تجھ سے خوش ہیں اور تو بھی ہم سے راضی ہے۔چنانچہ اللہ نے وحی کے ذریعہ مسلمانوں کو اس کی اطلاع دے دی۔اسی حادثہ میں عروہ بن اسماء بن صلت رضی اللہ عنہما بھی شہید ہوئے تھے تو ان کے نام پر عروہ بن زبیر کا نام رکھا گیا۔منذر بن عمرو بھی اس حادثہ میں شہید ہوئے تھے۔تو ان کے نام پر منذر بن زبیر کا نام رکھا گیا

وَعَنْ أَبِي أُسَامَةَ قَالَ قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ فَأَخْبَرَنِي أَبِيْ: اس روایت اور پچھلی روایت کی سند ایک ہی ہے لیکن اس کو علیحدہ ذکر اس لئے کیا کیونکہ پچھلی روایت موصولہ تھی اور یہ روایت مرسلہ ہے۔ یہاں ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر رہے ہیں اور حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں، اس سند میں صحابی کا واسطہ ذکر نہیں کیا گیا، اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے اس سند کو علیحدہ ذکر کیا۔

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بیر معونہ میں ستر قراء شہید کر دیئے گئے اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ قید کر لئے گئے تو عامر بن طفیل نے ایک شہید کی طرف اشارہ کر کے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا یہ عامر بن فہیرہ ہیں، عامر بن طفیل نے کہا: **لَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدَ مَا قُتِلَ رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ** میں نے انہیں دیکھا کہ جب یہ قتل کر دیئے گئے تو ان کی لاش آسمان کی طرف اٹھائی گئی، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ان کی لاش آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہے پھر وہ لاش زمین پر رکھ دی گئی۔ یہاں بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ لاش زمین پہ رکھ دی گئی، لیکن بعض اہل سیر نے نقل کیا ہے کہ وہ لاش پھر زمین کی طرف نہیں آئی۔

وَ أُصِيبَ يَوْمَئِذٍ فِيهِمْ عُرْوَةُ بْنُ أَسْمَاءَ بْنِ الصَّلْتِ فَسُمِّيَ عُرْوَةُ بِهِ: عروہ بن اسماء بن الصلت رضی اللہ عنہ غزوۂ بیر معونہ میں شہید ہوئے تھے، تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کا نام عروہ بن زبیر ان ہی عروہ بن اسماء کے نام پر (تبرکاً) رکھا، یہاں ایک نکتہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ بیر معونہ میں شہید ہونے والے صحابی کا نام عروہ بن اسماء بن الصلت ہے یعنی ان کے والد کا نام اسماء تھا، جبکہ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کا نام اسماء تھا۔ اسی طرح بیر معونہ کے شہداء میں ایک منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی تھے چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بیٹے کا نام منذر رکھا۔

بچوں کے نام رکھنا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے نام رکھنے کا حکم فرمایا ہے اور برے ناموں سے منع فرمایا ہے، **شعب الایمان للبیھقی** میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى وَالِدِهِ أَنْ يُّحْسِنَ اسْمَهُ** (باپ پر بچہ کا حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے)۔ ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ **اللہ کے ہاں تمہارے ناموں میں سے سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں**۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کا ایسا نام سنتے جس کے معانی درست نہ ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے تبدیل فرما دیا کرتے تھے چنانچہ احادیث مبارکہ میں ایسے کئی واقعات مذکور ہیں جن میں مختلف وجوہات کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام تبدیل فرمائے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیح ناموں کو تبدیل فرما دیا کرتے تھے۔

اسی طرح ناموں کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر کئی چیزوں کے نام بھی تبدیل فرمائے ہیں، چنانچہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ سنن ابی داؤد میں **کتاب الادب** کے تحت ایک حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

عاصی (نافرمانی کرنے والا)، عزیز (غالب/اللہ کی صفت)، عتلة (سختی اور شدت)، شیطان (ابلیس مردود)، حکم (فیصلہ کرنے والا/اللہ کی صفت)، غراب (کوا، خبیث پرندہ)، حباب (شیطان کا نام) جیسے نام تبدیل فرمائے، اسی طرح شھاب (شعلہ، چنگاری) نام تبدیل فرما کر ھشام (فیاضی وسخاوت) رکھا اور حرب (جنگ) کو تبدیل کر کے سلم (صلح وسلامتی) نام رکھا اور مضطجع (لیٹنے والا) کو بدل کر منبعث (اٹھنے والا) رکھا، اسی طرح ایک زمین جو عفرة (بنجر زمین) کہہ کر پکاری جاتی تھی اس کا نام خضرة (سرسبز وشاداب) رکھا اور شعب الضلالة (گمراہی کی گھاٹی) کو بدل کر شعب الھدی (رہنمائی کی گھاٹی) رکھا، اسی طرح بنو الزِنیة (زنا کی اولاد) کو بدل کر بنو الرشدة (بھلائی والے) کیا اور بنو مُغوية (گمراہی والے) کو بدل کر بنو رِشدة کیا۔

اسی طرح آپ ﷺ جب کسی کا اچھا نام سنتے تو اس سے اچھا تصور لیتے تھے، چنانچہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی چیز سے فال نہیں لیتے تھے، لیکن جب کسی خاص شخص کو کسی خاص مہم پر روانہ فرماتے تو اس کا نام دریافت فرماتے، نام اچھا ہوتا تو خوش ہوتے اور وہ خوشی آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر دیکھی جاتی تھی، اور اگر نام اچھا نہ ہوتا تو اس کی کراہیت کے آثار چہرۂ مبارک پر نظر آنے لگتے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کفار کی طرف سے مختلف سفیر آپ ﷺ کے پاس آئے، لیکن بات نہیں بنی، اتنے میں سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) قریش کی طرف سے آئے، تو نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا قَدْ سَهُلَ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ (اب تم پر معاملہ آسان ہوگیا) اور ایسا ہی ہوا۔

اس لیے بچوں کے نام بہت سوچ سمجھ کر اہلِ علم سے مشورے کے بعد رکھنے چاہئیں، کیونکہ ناموں اور کسی بھی قوم کی تہذیب وتمدن کے درمیان گہرا رشتہ ہوتا ہے، ناموں میں غلطیوں کی وجہ سے اور غیروں کی تقلید کی وجہ سے مسلم بچوں کے اخلاق خراب ہو رہے ہیں اور بچے دین سے دور جا رہے ہیں، اس کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب بچہ یا بچی پیدا ہو تو اس کو کسی نیک اور متبعِ سنت بزرگ کے پاس لے کر جائے اور اس سے بچے کے حق میں دعائے برکت کی اور نام رکھنے کی درخواست کرے، تا کہ بچہ پر اچھا اثر پڑے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَنَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا يَدْعُو

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینے تک رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھی، اس میں آپ ﷺ نے

عَلَى رِعْلٍ وَ ذَكْوَانَ وَ يَقُولُ عُصَيَّةُ عَصَتِ اللهَ وَرَسُولَهُ

رعل اور ذکوان نامی قبائل کے لیے بددعا کی، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ قبیلہ عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ

دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الَّذِيْنَ قَتَلُوْا يَعْنِي أَصْحَابَهُ بِبِئْرِ مَعُوْنَةَ ثَلَاثِيْنَ صَبَاحًا

نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے آپ کے اصحاب کو بئر معونہ میں شہید کر دیا تھا، تیس دن تک صبح کی نماز میں بددعا کی تھی جب آپ ﷺ قبائل رعل، بنولحیان اور

حِيْنَ يَدْعُوْ عَلَى رِعْلٍ وَّ ذَكْوَانَ وَّلِحْيَانَ وَعُصَيَّةَ عَصَتِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عصیہ کے لیے بددعا کرتے تھے، جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تھی، انس رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم ﷺ پر ان

قَالَ أَنَسٌ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِيْنَ قُتِلُوْا أَصْحَابِ بِئْرِ مَعُوْنَةَ

اصحاب کے بارے میں جو بئر معونہ میں شہید کر دیے گئے تھے، قرآن مجید کی آیت نازل کی۔ ہم اس آیت کی تلاوت کیا کرتے تھے لیکن بعد میں وہ آیت منسوخ ہوگئی" ہماری قوم کو

قُرْآنًا قَرَأْنَاهُ حَتّٰى نُسِخَ بَعْدُ بَلِّغُوْا قَوْمَنَا فَقَدْ لَقِيْنَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَرَضِيْنَا عَنْهُ

خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے آ ملے ہیں، ہمارا رب ہم سے راضی ہے اور ہم بھی اس سے راضی ہیں"

حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ ن الْأَحْوَلُ قَالَ

سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ الْقُنُوْتِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ كَانَ قَبْلَ

میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نماز میں قنوت کے بارے میں پوچھا کہ قنوت رکوع سے پہلے ہے

الرُّكُوْعِ أَوْ بَعْدَهُ؟ قَالَ قَبْلَهُ قُلْتُ فَإِنَّ فُلَانًا أَخْبَرَنِي عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ بَعْدَهُ قَالَ كَذَبَ إِنَّمَا

یا رکوع کے بعد؟ انہوں نے کہا کہ رکوع سے پہلے۔ میں نے عرض کیا کہ فلاں صاحب نے آپ ہی کا نام لے کر مجھے بتایا کہ قنوت رکوع کے بعد ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا

قَنَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا أَنَّهُ كَانَ بَعَثَ نَاسًا يُقَالُ لَهُمْ

کہ انہوں نے غلط کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد ایک مہینے تک قنوت پڑھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کو

الْقُرَّاءُ وَهُمْ سَبْعُوْنَ رَجُلًا إِلَى نَاسٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ

جو قاریوں کے نام سے مشہور تھی جن کی تعداد ستر تھی، مشرکین کے بعض قبائل کے یہاں بھیجا تھا۔ مشرکین کے ان قبائل نے نبی کریم ﷺ کو ان صحابہ کے بارے میں پہلے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدٌ قِبَلَهُمْ فَظَهَرَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حفظ و امان کا یقین دلایا تھا لیکن بعد میں یہ لوگ صحابہ کی اس جماعت پر غالب آ گئے (اور غداری کی اور انہیں شہید کر دیا) رسول اللہ ﷺ نے

وَسَلَّمَ عَهْدٌ فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا يَّدْعُو عَلَيْهِمْ

اس موقع پر رکوع کے بعد ایک مہینے تک قنوت پڑھی تھی اور اس میں ان مشرکین کے لیے بددعا کی تھی

بَابُ غَزْوَةِ الْخَنْدَقِ وَهِيَ الْأَحْزَابُ

باب: غزوۂ خندق کا بیان جس کا دوسرا نام غزوہ احزاب ہے

قَالَ مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ كَانَتْ فِيْ شَوَّالٍ سَنَةَ أَرْبَعٍ

موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق شوال 4ھ میں ہوا تھا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہود کے قبیلہ بنونضیر کو مدینہ منورہ سے نکالا تو اس قبیلہ کی ایک جماعت جا کر خیبر میں آباد ہوئی اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوگئی۔ مسلمانوں کو جب غزوۂ اُحد میں نقصان ہوا تو ان یہودیوں کو سازش کا بڑا اچھا موقع ملا، چنانچہ ان کے سرداروں میں حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع مکہ معظّمہ گئے اور قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا، کنانہ بن ربیع نے جا کر بنی غطفان کے لوگوں سے کہا کہ خیبر کے نخلستانوں کی سالانہ کھجوروں میں سے نصف حصہ ہم تم کو دیا کریں گے بشرطیکہ تم مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس لالچ میں آ کر یہ لوگ بھی جنگ پر آمادہ ہو گئے، بنو اسد بنو غطفان کے حلیف تھے، بنو غطفان نے ان کو ساتھ دینے کے لئے کہا وہ بھی تیار ہو گئے، اسی طرح بنوسلیم بھی تیار ہو گئے، چنانچہ دس ہزار کے قریب ایک لشکر جرار تیار ہو گیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا، اس میں قریش کے چار ہزار آدمی تھے، ان کے پاس تین سو گھوڑے اور پندرہ سو اونٹ تھے، ابوسفیان پورے لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا، مدینہ منورہ کے تین اطراف میں مکانات اور نخلستان تھے، ادھر سے حملہ کرنا تو کفار کے لئے مشکل تھا، صرف شام کی جانب والا حصہ کھلا ہوا تھا اور دشمن کو اسی طرف سے حملہ کرنا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے کو قبول کیا اور اس جانب خندق کھودنے کا آغاز ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تین ہزار صحابہ خندق کھدائی میں شریک ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس کی حدود قائم فرمائیں اور خط کھینچ کر ہر دس آدمیوں پر دس گز زمین تقسیم کی، خندق کی گہرائی پانچ گز اور لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل مقرر کی گئی۔ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ خندق کی کھدائی کی تقسیم کے وقت مہاجرین اور انصار میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف ہو گیا، ہر فریق ان کو اپنے ساتھ ملانے پر مصر تھا، مہاجرین کا دعویٰ تھا کہ وہ مہاجر ہیں لہٰذا ان کو ہمارے ساتھ ہونا چاہیے، انصار ان کو انصاری کہہ کر اپنے ساتھ رکھنا چاہ رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **سلمان منا اهل البيت** سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود خندق کھودنے میں شریک تھے، انصار و مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم سب

مل کر رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے اور اپنے اپنے حصہ کی کھدائی میں لگے رہے۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق چھ دن میں یہ خندق تیار ہوئی، اس میں اور بھی روایتیں ہیں، بعض کے نزدیک پندرہ دن، بعض کے نزدیک بیس دن ایک روایت میں چوبیس دن اور ایک روایت میں ایک ماہ کا عرصہ بھی بتایا گیا ہے۔

سخت سردی کا موسم تھا، تیز ٹھنڈی ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے اور قحط کا زمانہ تھا، مسلمان کئی دن فاقے سے رہے، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شکم مبارک پر پتھر بندھے ہوئے تھے، لیکن اسلام کے لئے قربانی کا ایک جذبہ تھا، جس کی وجہ سے دنیا کی ہر تکلیف کو برداشت کرنا ان کے لئے آسان تھا۔

مسلمان خندق کھود کر فارغ ہوئے تو کفار کا لشکر پہنچ گیا اور اُحد کے قریب آ کر کفار نے پڑاؤ ڈالا، مسلمان کوہ سلع کے قریب جا کر ٹھہرے، عورتوں اور بچوں کو محفوظ قلعوں میں بھیج کر چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کی حفاظت پر مامور فرمایا۔

لشکر کفار نے آ کر جب خندق دیکھی تو حیران رہ گئے، اس چیز سے ان کو پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا، اس لئے ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیسے حملہ کیا جائے، صرف ایک ہی صورت تھی کہ تیر اندازی کی جائے، چنانچہ دونوں طرف سے تیر اندازی ہوتی رہی، یہ یہ سلسلہ بیس دن تک اور بعض کے نزدیک ایک ماہ تک جاری رہا، کفار نے کئی تدبیریں سوچیں لیکن کوئی کارگر نہ ہوئی، بالآخر ایک دن انہوں نے مشورہ کیا کہ آج مل کر سخت حملہ کیا جائے، چنانچہ کفار نے ایک زبردست حملہ کیا، عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود اور اس کے ساتھ عکرمہ بن ابی جہل، نوفل بن عبداللہ اور ضرار بن خطاب وغیرہ نے ایک جگہ سے خندق عبور کر کے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی، عمرو بن عبدود کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے، عمرو نے کہا تم چھوٹے ہو، ابھی تمہیں زندگی کی کچھ بہاریں دیکھنی ہیں، اس لئے واپس چلے جاؤ اور کسی بڑے آدمی کو میرے مقابلہ میں لاؤ میں تمہارے قتل کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن میں تو تمہارے قتل کو پسند کرتا ہوں۔ عمرو طیش میں آ گیا اور گھوڑے سے اتر کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا وار ڈھال سے روکا لیکن پیشانی پر زخم آیا، جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وار کیا اور پہلے ہی وار میں اسے جہنم رسید کیا اور نعرۂ تکبیر بلند کر کے فتح کا اعلان کیا، عمرو کی موت دیکھ کر اس کے ساتھ آنے والے باقی لوگ بھاگے، نوفل بن عبداللہ بھاگتے ہوئے خندق میں جا گرا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خندق میں اتر کر اس کا کام تمام کیا۔ یہ دن بڑا سخت تھا، پورے دن تیر اندازی ہوتی رہی، کفار تیروں اور پتھروں کی بارش کر رہے تھے، اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار نمازیں بھی قضاء ہوئیں۔

محاصرہ بدستور جاری تھا کہ ایک دن نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! میں ایمان لا چکا ہوں لیکن میری قوم کو میرے ایمان لانے کا علم نہیں، اگر آپ اجازت دیں تو میں کوئی

تدبیر کروں، آپ ﷺ نے اجازت دی اور فرمایا کہ فان الحرب خدعة لڑائی تو حیلہ اور تدبیر ہی کا نام ہے۔ نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ قبیلہ بنی غطفان کے سرداروں میں سے تھے، قریش اور یہود دونوں کا ان پر اعتماد تھا، انہوں نے یہودیوں اور قریش میں پھوٹ ڈالنے کی ایک عجیب تدبیر کی، چنانچہ پہلے وہ یہودیوں کے پاس بنی قریظہ آئے اور ان سے کہا کہ تم لوگ لڑائی میں تو شریک ہو گئے ہو لیکن تم نے سوچا بھی ہے کہ اگر جنگ میں شکست ہوئی تو قریش اور غطفان کے لوگ تو اپنے گھروں کو چلے جائیں گے لیکن تم کہاں جاؤ گے؟ تمہارا واسطہ تو یہیں مدینے میں مسلمانوں کے ساتھ رہے گا، اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ بنی قریظہ نے کہا پھر کیا کرنا چاہئے؟ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قریش اور غطفان کے چند آدمی اپنے پاس رہن رکھو، اگر وہ رہن میں اپنے آدمی تمہارے پاس رکھوادیں تو جنگ میں شرکت کرو ورنہ نہیں، بنی قریظہ کو ان کی یہ بات پسند آئی اور سب نے کہا کہ قریش سے آدمیوں کے رہن رکھنے کا مطالبہ کرنا چاہئے، پھر نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہودی مسلمانوں کے ساتھ جنگ پر پشیمان ہیں اور انہوں نے محمد ﷺ کے پاس پیغام بھیجا ہے کہ اگر ہم قریش اور غطفان کے کچھ سردار گرفتار کر کے آپ کے حوالے کر دیں تو کیا آپ راضی ہو جائیں گے؟ اور محمد ﷺ نے رضامندی ظاہر کر دی ہے، چنانچہ اب یہودیوں کا ارادہ ہے کہ تم سے رہن میں کچھ آدمی طلب کریں گے اور ان کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔ یہ سن کر قریش اور غطفان نے عکرمہ بن ابی جہل کو بنی قریظہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ جنگ کا محاصرہ کافی طویل ہو گیا ہے لہٰذا اب تم باہر نکلو تاکہ ہم سب مل کر حملہ کریں، عکرمہ بنو قریظہ گئے تو یہودیوں نے ان سے کہا کہ ہم جنگ میں اس وقت شرکت کریں گے جب تم اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس بطور رہن رکھ دو تاکہ ہمیں تمہاری طرف سے اطمینان ہو جائے کہ تم ہمیں تنہا چھوڑ کر بھاگ نہیں جاؤ گے، (بنو قریظہ کے اس مطالبے سے قریش اور غطفان کو نعیم بن مسعود کی صداقت کا یقین ہو گیا) عکرمہ نے جواب میں بنو قریظہ سے کہا کہ ہم اپنے آدمی رہن میں نہیں رکھوا سکتے، جب عکرمہ نے اپنے آدمی رہن رکھوانے سے انکار کیا تو بنو قریظہ کو بھی یقین ہو گیا کہ نعیم بن مسعود سچے ہیں اور قریش ہمیں جنگ میں مبتلا کر کے خود فرار ہو جائیں گے، اس طرح احزاب کفار میں پھوٹ پڑ گئی اور اختلافات پیدا ہو گئے۔

ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ایک تیز آندھی بھیجی جس نے لشکر کفار کے خیمے اکھاڑ دئے، ان کی طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں اور دیگر ساز و سامان بکھر گیا، جس کی وجہ سے کفار بدحواس ہوئے ہو گئے اور بالآخر ابوسفیان نے اعلان کیا کہ چونکہ بنو قریظہ نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے، ہمارے جانور ہلاک ہو گئے ہیں، آندھی نے ہمارے خیمے اکھاڑ دیئے ہیں لہٰذا واپس چلو، یہ کہتے ہی ابوسفیان اونٹ پر سوار ہو گیا اور اس طرح قریش اور دوسرے سب لوگ روانہ ہو گئے۔

صبح ہوئی تو حضور اقدس ﷺ بھی یہ کہتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ

الملک و له الحمد و هو علی کل شیء قدیر آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله وعدہ و نصر عبدہ و ہزم الاحزاب وحدہ یہ بدھ کا دن تھا اور ذی قعدہ کی ۲۳ تاریخ تھی۔

اس غزوہ میں چھ مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا ❶ حضرت سعد بن معاذ ❷ حضرت عبداللہ بن سہل ❸ حضرت انس بن اویس ❹ حضرت طفیل بن نعمان ❺ حضرت کعب بن زید ❻ حضرت ثعلبہ بن عنمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

کفار کے تین آدمی قتل ہوئے۔ ❶ عمرو بن عبدود ❷ نوفل بن عبداللہ ❸ عثمان بن منبہ۔

غزوۂ خندق کی تاریخ وقوع میں اختلاف: غزوۂ خندق کے بارے میں ابن اسحاق، قتادہ رحمۃ اللہ علیہما، اور عام اہل سیر کی رائے ہے کہ یہ سن ۵ ہجری کو پیش آیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ سن ۴ ہجری میں پیش آیا، ابن حزم ظاہری کی بھی یہی رائے ہے اور یہ قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل نہیں کیا۔

وجہ تسمیہ: غزوۂ خندق کو غزوۂ خندق اس لئے کہا جاتا ہے کہ جبل سلع کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کھدوائی تھی، پیچھے جبل سلع تھا، سامنے خندق تھی اور اس کے آگے مشرکین کی جماعتیں ٹھہری ہوئی تھیں، اہل عرب کے یہاں خندق کھود کر دشمن کا راستہ روکنے کا طریقہ نہیں تھا البتہ ایرانیوں میں یہ طریقہ رائج تھا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا تعلق چونکہ ایران سے تھا تو وہ اس سے واقف تھے، چنانچہ انہوں نے اس کا مشورہ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمایا۔

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے اور اپنے دفاع کی خاطر اگر دوسری قوموں کے ایجاد کردہ اسلحہ اور تدابیر کو اختیار کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

غزوۂ خندق کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس غزوہ میں مشرکین مختلف قبائل کے لوگوں کو ساتھ لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے مقابلے کے لئے آئے تھے، جن کی تعداد دس ہزار تھی، جبکہ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد کل تین ہزار تھی، تو چونکہ اس میں کفار کی مختلف قومیں اکٹھی ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئیں تھی اس لئے اس کو غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَهُ يَوْمَ أُحُدٍ وَهُوَ ابْنُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے آپ کو غزوۂ اُحد کے موقع پر پیش کیا اس وقت وہ چودہ سال کے تھے

أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَلَمْ يُجِزْهُ وَعَرَضَهُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَهُوَ ابْنُ خَمْسَةَ عَشَرَ فَأَجَازَهُ

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔ لیکن غزوہ خندق کے موقع پر جب انہوں نے اپنے آپ کو پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منظور فرمالیا، اس وقت وہ پندرہ سال کے تھے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے كَانَتْ فِي شَوَّالٍ سَنَةَ أَرْبَعٍ کی تائید میں اس روایت کو پیش کیا ہے، اس روایت میں غزوۂ اُحد

کے موقع پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عمر ۱۴ سال بتائی گئی ہے اور غزوۂ اُحد بالاتفاق سن ۳ ہجری میں پیش آیا ہے، اس کے بعد غزوۂ خندق کے موقع پر ان کی عمر اس روایت میں ۱۵ سال بتائی گئی ہے، معلوم ہوا کہ غزوۂ خندق سن ۴ ہجری میں پیش آیا، لیکن جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ عام اہل سیر ومغازی سن ۵ ہجری میں اس غزوہ کے وقوع کے قائل ہیں وہ اس روایت کے جواب میں کہتے ہیں:

❶ غزوۂ اُحد کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی عمر چودھویں سال کی ابتداء تھی اور غزوۂ خندق کے موقع پر ان کی عمر کے پندرھویں سال کی انتہاء تھی، تو اس طرح دو سال کا فاصلہ ہو جائے گا اور سن ۵ ہجری میں اس کے وقوع سے روایت باب کی رو سے کوئی اعتراض لازم نہیں آئے گا۔

❷ بعض حضرات نے اس روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ غزوۂ خندق میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی عمر پندرہ سال سے زیادہ تھی، لیکن شرکت جہاد کے لئے پندرہ سال کی عمر چونکہ شرط ہے اس لئے روایت میں پندرہ سال کا ذکر کر دیا۔

❸ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی اور اسی سال ربیع الاول سے پہلے جو محرم ہے اس سے سن ہجری کا حساب لگایا گیا یہی اکثر علماء کا قول ہے، البتہ یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا خیال ہے کہ تاریخ سن ہجری کی ابتداء کا حساب ہجرت کے دس ماہ بعد جو محرم ہے اس سے لگایا گیا، اس لحاظ سے غزوۂ بدر ایک ہجری میں، غزوۂ اُحد ۳ ہجری میں اور غزوۂ خندق ۴ ہجری میں ہوگا، تو جو لوگ غزوۂ خندق کے سن ۴ ہجری میں وقوع کے قائل ہیں انہوں نے تاریخ ہجری کی ابتدا میں یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار کیا ہے اور جو حضرات سن ۵ ہجری میں اس کے وقوع کے قائل ہیں انہوں نے سن ہجری کی ابتدا میں جمہور علماء کا قول لیا ہے لہٰذا یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے، سال وقوع کی تعیین پر تو سب متفق ہیں البتہ سن ہجری کی ابتدا میں اختلاف کی وجہ سے سن ۴ ہجری اور سن ۵ ہجری کا فرق پڑ گیا، لیکن سن ہجری کی ابتدا میں یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ٹھیک معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس صورت میں ہجرت کے بعد کے دس ماہ سن ہجری میں شمار نہیں ہوں گے اور اس کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، لہٰذا ٹھیک بات وہی ہے کہ سن ہجری کی ابتدا ہجرت کے مہینے یعنی ربیع الاول سے پہلے والے محرم سے کی جائے گی۔

بچہ کب بالغ ہوتا ہے؟

اس روایت میں ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب غزوۂ اُحد میں شرکت کے لیے پیش کیے گئے تو ان کی عمر چودہ سال تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جنگ میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی اور غزوۂ خندق کے موقع پر پیش کیا گیا اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی تو اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ سال کی عمر میں بچے کو بالغ تصور کیا جائے گا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَنْدَقِ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ خندق میں تھے۔

وَهُمْ يَحْفِرُونَ وَ نَحْنُ نَنْقُلُ التُّرَابَ عَلٰى أَكْتَادِنَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صحابہ رضی اللہ عنہم خندق کھود رہے تھے اور مٹی ہم اپنے کاندھوں پر اٹھا اٹھا کر نکال رہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ نے دعا کی

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرْ لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ

”اے اللہ! آخرت کی زندگی ہی بس آرام کی زندگی ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ عَنْ حُمَيْدٍ

سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْخَنْدَقِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف تشریف لے گئے،

فَإِذَا الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ يَحْفِرُونَ فِي غَدَاةٍ بَارِدَةٍ فَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ عَبِيدٌ يَّعْمَلُونَ ذٰلِكَ لَهُمْ

تو مہاجرین اور انصار صحابہ سردی میں صبح سویرے ہی خندق کھود رہے تھے، ان کے پاس غلام نہیں تھے کہ ان کی بجائے وہ اس کام کو انجام دیتے۔

فَلَمَّا رَاٰى مَا بِهِمْ مِنَ النَّصَبِ وَالْجُوعِ قَالَ اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْأَنْصَارَ

جب آپ ﷺ نے ان کی اس مشقت اور بھوک کو دیکھا تو دعا کی ”اے اللہ! زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے، پس تُو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔“

وَالْمُهَاجِرَةَ فَقَالُوْا مُجِيْبِيْنَ لَهٗ نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَدًا

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے جواب میں کہا ہم ہی ہیں جنھوں نے محمد ﷺ سے جہاد کرنے کے لیے بیعت کی ہے، جب تک ہماری جان میں جان ہے۔

آپ ﷺ کا ان رجزیہ اشعار پڑھنے سے بظاہر مقصد یہ تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس وقتی مشقت اور تکلیف سے بددل نہ ہو جائیں اور گھبرا نہ جائیں اور اپنے سامنے آخرت کی زندگی کو سامنے رکھ کر کام کرتے رہیں اور حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے امیدوار رہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی جواب میں اشعار پڑھ کر یہ ظاہر کر دیا کہ ہم مرتے دم تک جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار ہیں، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محنت و مشقت کے کاموں میں مشغولی کے وقت اشعار پڑھنے سے کام میں جوش و جذبہ پیدا ہوتا ہے اور تھکن کا احساس بھی کم ہو جاتا ہے۔

ایک شبہ اور اسکے جوابات: یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ قرآن شریف میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں آتا ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اور یہاں حضور اکرم ﷺ اشعار پڑھ رہے ہیں؟

❶ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اصل میں یہ اشعار نہیں ہیں بلکہ رجز ہیں اور علماء اشعار کے نزدیک رجز اشعار میں داخل نہیں، اس لئے یہ آیت کے خلاف نہیں ہے۔

❷ بعض حضرات نے کہا ہے کہ آیت میں جو بات ارشاد فرمائی گئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ انشاء شعر آپ ﷺ کی شان کے مناسب نہیں اور یہ انشاء شعر نہیں بلکہ شعر خوانی ہے، لہٰذا قرآن کی آیت سے اس کا کوئی تعارض نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُوْ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ

عَنْ أَنَسٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ جَعَلَ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْأَنْصَارُ يَحْفِرُوْنَ الْخَنْدَقَ حَوْلَ الْمَدِيْنَةِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ کے گرد مہاجرین و انصار خندق کھودنے میں مصروف تھے

وَيَنْقُلُوْنَ التُّرَابَ عَلٰى مُتُوْنِهِمْ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا

اور مٹی اپنی پیٹھ پر اٹھاتے تھے اور اس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اسلام پر بیعت کی ہے جب تک ہماری جان میں جان ہے۔

بَقِيْنَا أَبَدًا قَالَ يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُجِيْبُهُمْ اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی "اے اللہ! خیر تو صرف آخرت ہی کی خیر ہے۔

الْاٰخِرَةِ فَبَارِكْ فِي الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ قَالَ وَ يُؤْتَوْنَ بِمِلْءِ كَفِّيْ مِنَ الشَّعِيْرِ فَيُصْنَعُ لَهُمْ

پس انصار اور مہاجرین کو تو برکت عطا فرما" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مٹھی بھر جو آتا تھا اور اسے ان صحابہ کے لیے ایسے روغن میں جس کا مزہ بھی بگڑ چکا ہوتا ملا کر پکا دیا جاتا۔

بِإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ تُوْضَعُ بَيْنَ يَدَيِ الْقَوْمِ وَالْقَوْمُ جِيَاعٌ وَّهِيَ بَشِعَةٌ فِي الْحَلْقِ وَلَهَا رِيْحٌ مُنْتِنٌ

یہی کھانا ان صحابہ کے سامنے رکھ دیا جاتا۔ صحابہ بھوکے ہوتے تھے۔ یہ ان کے حلق میں چپکتا اور اس میں بدبو ہوتی۔ گویا اس وقت ان کی خوراک کا بھی یہ حال تھا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مٹھی بھر کر جو کو بدبودار چربی میں پکا کر مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، وہ کھانا حلق میں ناگوار ہوتا تھا اور اس میں بدبو بھی ہوتی تھی لیکن بھوک کی وجہ سے پھر بھی مجبوراً کھاتے تھے۔

يُصْنَعُ یعنی يطبخ، اهالة چربی کو کہتے ہیں، سَنِخَة (بفتح السين و كسر النون و فتح الخاء) بدبودار چیز کو کہتے ہیں، بَشِعَةٌ (بفتح الباء و كسر الشين و فتح العين) ایسی سڑی ہوئی چیز جو حلق میں اٹکتی ہو۔

حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ

أَتَيْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ إِنَّا يَوْمَ الْخَنْدَقِ نَحْفِرُ فَعَرَضَتْ كُدْيَةٌ شَدِيْدَةٌ فَجَاؤُوا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودرہے تھے کہ ایک بہت سخت قسم کی چٹان نکلی (جس پر کدال اور پھاوڑے کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا) تو صحابہؓ

النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا هٰذِهِ كُدْيَةٌ عَرَضَتْ فِي الْخَنْدَقِ فَقَالَ أَنَا نَازِلٌ ثُمَّ قَامَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خندق میں ایک چٹان ظاہر ہوگئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اندر اترتا ہوں، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے

وَبَطْنُهُ مَعْصُوْبٌ بِحَجَرٍ وَلَبِثْنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لَا نَذُوْقُ ذَوَاقًا فَأَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور اس وقت آپ کا پیٹ پتھر سے بندھا ہوا تھا۔ ہم نے تین دن سے کچھ نہیں چکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال اپنے ہاتھ میں لی

الْمِعْوَلَ فَضَرَبَ فَعَادَ كَثِيْبًا أَهْيَلَ أَوْ أَهْيَمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ائْذَنْ لِّيْ إِلَى الْبَيْتِ فَقُلْتُ

اور چٹان پر اس سے مارا، چٹان مٹی کے ڈھیر کی طرح بہہ گئی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے گھر جانے کی اجازت دیجیے۔ (گھر آ کر) میں نے

لِامْرَأَتِيْ رَأَيْتُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مَا فِيْ ذٰلِكَ صَبْرٌ فَعِنْدَكِ شَيْءٌ

اپنی بیوی سے کہا کہ آج میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ صبر نہ ہو سکا۔ کیا تمہارے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے؟

قَالَتْ عِنْدِيْ شَعِيْرٌ وَعَنَاقٌ فَذَبَحْتُ الْعَنَاقَ وَطَحَنَتِ الشَّعِيْرَ حَتّٰى جَعَلْنَا اللَّحْمَ فِيْ

انہوں نے بتایا کہ ہاں کچھ جو ہیں اور ایک بکری کا بچہ۔ میں نے بکری کے بچہ کو ذبح کیا اور میری بیوی نے جو پیسے۔ پھر گوشت کو ہم نے چولہے پر

الْبُرْمَةِ ثُمَّ جِئْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَجِيْنُ قَدِ انْكَسَرَ وَالْبُرْمَةُ بَيْنَ الْأَثَافِيِّ
ہانڈی میں رکھا اور پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آٹا گوندھا جا چکا تھا اور گوشت چولہے پر پکنے کے قریب تھا۔
قَدْ كَادَتْ أَنْ تَنْضَجَ فَقُلْتُ طُعَيِّمٌ لِّيْ فَقُمْ أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَرَجُلٌ أَوْ رَجُلَانِ قَالَ كَمْ هُوَ
میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ گھر میں مختصر کھانا تیار ہے۔ تو آپ اپنے ساتھ ایک دو آدمیوں کو لے کر تشریف لے چلیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کتنا ہے؟
فَذَكَرْتُ لَهُ قَالَ كَثِيْرٌ طَيِّبٌ قَالَ قُلْ لَهَا لَا تَنْزِعِ الْبُرْمَةَ وَلَا الْخُبْزَ مِنَ التَّنُّوْرِ حَتّٰى اٰتِيَ
میں نے آپ کو بتا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو بہت ہے اور عمدہ وطیب ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہہ دو کہ چولہے سے ہانڈی نہ اتاریں اور نہ تنور سے روٹی
فَقَالَ قُوْمُوْا فَقَامَ الْمُهَاجِرُوْنَ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَى امْرَأَتِهِ قَالَ وَيْحَكِ جَاءَ النَّبِيُّ
نکالیں میں ابھی آرہا ہوں۔ پھر صحابہ سے فرمایا کہ سب لوگ چلیں۔ چنانچہ تمام انصار و مہاجرین تیار ہوگئے۔ جب جابرؓ گھر پہنچے تو اپنی بیوی سے کہا اب کیا ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ تو
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَمَنْ مَعَهُمْ قَالَتْ هَلْ سَأَلَكَ قُلْتُ نَعَمْ
تمام مہاجرین و انصار کو ساتھ لے کر تشریف لا رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے آپ سے کچھ پوچھا بھی تھا؟ میں نے کہا کہ ہاں۔
فَقَالَ ادْخُلُوْا وَلَا تَضَاغَطُوْا فَجَعَلَ يَكْسِرُ الْخُبْزَ وَيَجْعَلُ عَلَيْهِ اللَّحْمَ وَيُخَمِّرُ الْبُرْمَةَ
آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اندر داخل ہوجاؤ لیکن اژدحام نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ روٹی کا چورا کرنے لگے اور گوشت اس پر ڈالنے لگے۔ ہانڈی اور تنور
وَالتَّنُّوْرَ إِذَا أَخَذَ مِنْهُ وَيُقَرِّبُ إِلَى أَصْحَابِهِ ثُمَّ يَنْزِعُ فَلَمْ يَزَلْ يَكْسِرُ الْخُبْزَ وَيَغْرِفُ حَتّٰى
ڈھکے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اسے لیا اور صحابہ کے قریب کر دیا۔ پھر آپ نے گوشت اور روٹی نکالی، اس طرح آپ روٹی چورا کرتے اور گوشت اس میں ڈالتے جاتے۔
شَبِعُوْا وَبَقِيَ بَقِيَّةٌ قَالَ كُلِيْ هٰذَا وَأَهْدِيْ فَإِنَّ النَّاسَ أَصَابَتْهُمْ مَجَاعَةٌ
یہاں تک کہ سب شکم سیر ہوگئے اور کھانا بچ گیا۔ پھر آپ نے (ان کی بیوی سے) فرمایا کہ اب یہ تم خود کھاؤ اور لوگوں کے یہاں ہدیہ میں بھیجو کیونکہ لوگ فاقہ میں ہیں

حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِيْ سُفْيَانَ أَخْبَرَنَا سَعِيْدُ بْنُ مِيْنَاءَ قَالَ
سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا حُفِرَ الْخَنْدَقُ رَأَيْتُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب خندق کھودی جا رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ انتہائی بھوک کی حالت میں ہیں،
وَسَلَّمَ خَمَصًا شَدِيْدًا فَانْكَفَأْتُ إِلَى امْرَأَتِيْ فَقُلْتُ هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ؟ فَإِنِّيْ رَأَيْتُ بِرَسُوْلِ اللهِ
میں اپنی بیوی کے پاس آیا اور کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ میں نے نبی کریم ﷺ کو انتہائی بھوک کی حالت میں دیکھا ہے،
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمَصًا شَدِيْدًا فَأَخْرَجَتْ إِلَيَّ جِرَابًا فِيْهِ صَاعٌ مِنْ شَعِيْرٍ وَلَنَا بُهَيْمَةٌ
میری بیوی ایک تھیلا نکال کر لائیں جس میں ایک صاع جَو تھے، اور گھر میں ہمارا ایک بکری کا بچہ بھی بندھا ہوا تھا،
دَاجِنٌ فَذَبَحْتُهَا وَطَحَنَتِ الشَّعِيْرَ فَفَرَغَتْ إِلَى فَرَاغِيْ وَقَطَّعْتُهَا فِيْ بُرْمَتِهَا ثُمَّ وَلَّيْتُ إِلَى
میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور میری بیوی نے جَو کو پیسا، جب میں ذبح سے فارغ ہوا تو وہ بھی جَو پیس چکی تھیں، میں نے گوشت کو بوٹیاں کر کے ہانڈی میں رکھ دیا اور آپ ﷺ
رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ لَا تَفْضَحْنِيْ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میری بیوی نے پہلے ہی مجھ سے کہا تھا کہ تم نبی کریم ﷺ اور صحابہ کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کرنا،
وَبِمَنْ مَعَهُ فَجِئْتُهُ فَسَارَرْتُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ذَبَحْنَا بُهَيْمَةً لَّنَا وَطَحَنَتْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ
چنانچہ میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے کان میں یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم نے ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ ذبح کر لیا ہے اور ایک صاع جَو پیس لیے ہیں

كَانَ عِنْدَنَا فَتَعَالَ أَنْتَ وَنَفَرٌ مَعَكَ فَصَاحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَهْلَ الْخَنْدَقِ
جو ہمارے پاس تھے۔اس لیے آپ اپنے ساتھ ایک دو صحابہ کو لے کر تشریف لے چلیں۔آپ ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا کہ اے اہل خندق! جابر نے تمہارے لیے

إِنَّ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ سُوْرًا فَحَيَّ هَلًّا بِكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْزِلُنَّ
کھانا تیار کروایا ہے،بس اب سارا کام چھوڑ دو اور جلدی چلے چلو۔اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک میں نہ آجاؤں ہانڈی چولہے پر سے نہ اتارنا اور پھر آٹے کی روٹی

بُرْمَتَكُمْ وَلَا تَخْبِزُنَّ عَجِيْنَكُمْ حَتّٰى أَجِيْءَ فَجِئْتُ وَ جَاءَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
پکانی شروع کرنا۔ میں اپنے گھر آیا، ادھر آپ ﷺ بھی صحابہ کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے، میں اپنی بیوی کے پاس آیا تو وہ مجھے

يَقْدُمُ النَّاسَ حَتّٰى جِئْتُ امْرَأَتِيْ فَقَالَتْ بِكَ وَبِكَ فَقُلْتُ قَدْ فَعَلْتُ الَّذِيْ قُلْتِ فَأَخْرَجَتْ لَهُ
برا بھلا کہنے لگیں، میں نے کہا کہ تم نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے عرض کر دیا تھا۔میری بیوی نے گندھا ہوا آٹا نکالا اور آپ نے اس میں اپنے لعاب

عَجِيْنًا فَبَصَقَ فِيْهِ وَ بَارَكَ ثُمَّ عَمَدَ إِلٰى بُرْمَتِنَا فَبَصَقَ وَ بَارَكَ ثُمَّ قَالَ ادْعُ خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ
کی آمیزش کر دی اور برکت کی دعا کی۔ہانڈی میں بھی آپ نے لعاب کی آمیزش کی اور برکت کی دعا کی۔پھر فرمایا کہ اب روٹی پکانے والی کو بلاؤ۔وہ میرے سامنے روٹی پکائے

مَعِيْ وَاقْدَحِيْ مِنْ بُرْمَتِكُمْ وَلَا تُنْزِلُوْهَا وَهُمْ أَلْفٌ فَأُقْسِمُ بِاللهِ لَأَكَلُوْا حَتّٰى تَرَكُوْهُ
اور گوشت ہانڈی سے نکالے لیکن چولہے سے ہانڈی نہ اتارنا۔صحابہ کی تعداد ہزار کے قریب تھی،میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ اتنے ہی کھانے کو سب نے کھایا اور کھانا پھر بھی

وَانْحَرَفُوْا وَإِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَا هِيَ وَإِنَّ عَجِيْنَنَا لَيُخْبَزُ كَمَا هُوَ
بچ گیا۔جب تمام لوگ واپس ہو گئے تو ہماری ہانڈی اسی طرح ابل رہی تھی جس طرح شروع میں تھی اور آٹے سے روٹیاں برابر پکائی جا رہی تھیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خندق کھود رہے تھے کہ ایک بڑی چٹان سامنے آ گئی،لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ یہ بڑی چٹان خندق کے بیچ میں آ گئی ہے۔**فَقَالَ أَنَا نَازِلٌ** آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اترتا ہوں،یعنی آ کر اسے توڑتا ہوں۔پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے **وَبَطْنُهُ مَعْصُوْبٌ بِحَجَرٍ** اور حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔پتھر باندھنے کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ بھوک کی شدت سے پیٹ کمر سے مل جاتا ہے اور کمر جھک جاتی ہے تو ایسی حالت میں اہل حجاز میں یہ طریقہ اور رواج تھا کہ وہ پیٹ پر پتھر باندھتے تھے اس پتھر کی برودت کی وجہ سے پیٹ میں بھوک کی حرارت ماند پڑتی تھی اور کمر کو سہارا ملتا تھا تو وہ سیدھی رہتی تھی۔

وَلَبِثْنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لَا نَذُوْقُ ذَوَاقًا اور تین دن گزر چکے تھے،ہم نے کوئی چیز چکھی تک نہیں تھی۔**فَأَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِعْوَلَ** نبی کریم ﷺ نے کدال لی اور زور سے چٹان کو مارا،**فَعَادَ كَثِيْبًا أَهْيَلَ أَوْ أَهْيَمَ** تو وہ سخت چٹان بہتی ہوئی ریت بن گئی۔**اہیل** اور **اہیم** دونوں کے معنی ایک ہی ہیں کہ جیسے بہنے والی ریت ہوتی ہے اس پر پاؤں رکھ دیا جائے تو وہ نیچے کو بہہ جاتی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی ضرب سے وہ چٹان ریت کی طرح بہہ گئی۔ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے جب پہلی بار **بسم اللہ** کہہ کر کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی،تو آپ ﷺ نے فرمایا **اللہ اکبر** مجھ کو ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں،خدا کی قسم شام کے سرخ محلات کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں،پھر آپ ﷺ نے دوبارہ کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹوٹ کر

گرا، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر فارس کی کنجیاں مجھے عطا ہوئیں، خدا کی قسم! مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، تیسری بار آپ ﷺ نے کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر یمن کی کنجیاں مجھے عطا ہوئیں، واللہ! صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

ائْذَنْ لِي إِلَى الْبَيْتِ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں ذرا گھر ہو آؤں۔ معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اگر کبھی ایسے مشکل مواقع پر گھر جانا چاہتے تو وہ نبی کریم ﷺ سے باقاعدہ اجازت لے کر جاتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی مؤمنین کی یہی صفت بیان فرمائی ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اور منافقین کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا یعنی منافقوں کی یہ حالت تھی کہ جب وہ دیکھتے تھے کہ محنت ہو رہی ہے، مشقت کا کام ہو رہا ہے تو نظریں بچا کر چپکے سے نکل جاتے تھے، لیکن مومنین آپ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے تھے۔ چنانچہ یہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے گھر جانے کی اجازت طلب کی۔

فَقُلْتُ لِامْرَأَتِي: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گھر پہنچا اور اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی ایسی کیفیت دیکھی ہے مَا كَانَ فِيْ ذٰلِكَ صَبْرٌ جس کے بعد صبر نہیں ہوسکتا۔ آپ شدید بھوک کی کیفیت میں ہیں، پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے، مجھے یہ دیکھ کر صبر نہیں آیا، فَعِنْدَكِ شَيْءٌ تو کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ بیوی نے کہا: عِنْدِيْ شَعِيْرٌ وَعَنَاقٌ میرے پاس جَو ہے اور ایک بکری کا بچہ ہے۔ فَذَبَحْتُ الْعَنَاقَ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بکری کے بچے کو ذبح کیا وَ طَحَنَتِ الشَّعِيْرَ اور میری بیوی نے جَو پیسے، حَتّٰى جَعَلْنَا اللَّحْمَ فِي الْبُرْمَةِ یہاں تک کہ ہم نے گوشت کو ہنڈیا میں پکانے کے لیے ڈال لیا۔ پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، وَالْعَجِيْنُ قَدِ انْكَسَرَ اور آٹا ٹوٹ چکا تھا، کیونکہ آٹا گوندھنے کے فوراً بعد روٹی نہیں پکائی جاتی بلکہ عورتیں آٹا گوندھ کر تھوڑی دیر چھوڑ دیتی ہیں، یہاں تک کہ اس میں دراڑیں پڑتی ہیں اور پانی اچھی طرح اندر جذب ہو جاتا ہے، اس کے بعد جب روٹی پکائی جائے تو وہ صحیح پکتی ہے۔ اسی کو راوی نے کہا ہے کہ گوندھا ہوا آٹا ٹوٹ کر اس کے ذرات علیحدہ علیحدہ ہوگئے تھے، یا یوں کہا کہ ایک دوسرے میں ٹوٹ کر گھس گئے تھے، وَالْبُرْمَةُ بَيْنَ الْأَثَافِيِّ اور ہنڈیا اثافی کے درمیان تھی۔ اثافی الاثیفۃ کی جمع ہے، (چولہے کے) ان تین پتھروں کو کہتے ہیں، جن کے اوپر ہنڈیا رکھی جاتی ہے، اگر اس کا ایک پتھر بھی ہٹ جائے تو نیچے آگ وغیرہ نہیں جلائی جاسکتی، ہنڈیا ٹیڑھی ہو جائے گی یا گر جائے گی۔ اس لیے عربوں کا محاورہ ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی اہمیت جتانا چاہتا ہے کہ میرے بغیر لوگ یہ کام نہیں کر سکتے تو کہتا

ہے: انا ثالث الأثافی میں چولہے کے تین پتھروں میں سے ایک ہوں، یعنی میرے بغیر اگر تم نے ہنڈیا چڑھائی تو ہنڈیا نہیں چڑھ سکے گی اور تمہارا کام نہیں ہو سکے گا۔

لَا تَفْضَحْنِيْ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِمَنْ مَعَهُ: پھر میں واپس رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹا تو میری بیوی نے جاتے ہوئے مجھ سے کہا: دیکھو! مجھے رسول اللہ ﷺ اور جو آپ کے ساتھ آئیں گے، ان کے سامنے شرمندہ مت کرنا یعنی ایسا نہ ہو کہ بہت سارے لوگوں کو لے آؤ اور کھانا کم پڑ جائے اور پھر مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے۔

چنانچہ میں حضور ﷺ کے پاس پہنچا فَسَارَرْتُهُ اور میں نے چپکے سے آپ ﷺ کے کان میں کہا کہ یا رسول اللہ! ہم نے اپنا چھوٹا سا جانور ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جَو پیسا ہے، فَتَعَالَ أَنْتَ وَنَفَرٌ مَعَكَ تو آپ اور کچھ لوگ ہمارے ساتھ آجائیے۔ میں نے تو چپکے سے کہا تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے زور سے اعلان کیا: يَا أَهْلَ الْخَنْدَقِ إِنَّ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ سُوْرًا اے اہل خندق! جابر نے تمہارے لئے دعوت تیار کی ہے، فَحَيَّ هَلًّا بِهَلِّكُمْ تو جلدی جلدی آجاؤ۔ سور حبشی زبان کا لفظ ہے، دعوت کو کہتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھار کسی جملے میں اگر غیر عربی یا غیر زبان کا لفظ استعمال کر لیا جائے تو یہ تقویٰ یا زہد کے خلاف نہیں ہے اور شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

بہر حال آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے معجزے کو ظاہر فرمایا کہ اس تھوڑے سے کھانے میں ایسی برکت ہوئی کہ سب نے پیٹ بھر کھایا پھر بھی کھانا بچ گیا تو آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سے فرمایا کہ اب تم یہ کھالو، وَأَهْدِيْ اور قریب کے جو پڑوسی ہیں، ان کو بھی پہنچادو، فَإِنَّ النَّاسَ أَصَابَتْهُمْ مَجَاعَةٌ کیونکہ لوگ بھوک میں مبتلا ہیں۔

حَدَّثَنِيْ عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا إِذْ جَاءُوْكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کے بارے میں فرماتی ہیں جس کا ترجمہ ہے: جب مشرکین تمہارے بالائی علاقہ سے اور تمہارے نشیبی علاقہ سے تم پر چڑھ آئے تھے

وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ قَالَتْ كَانَ ذَاكَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ

اور جب مارے ڈر کے آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل حلق تک آ گئے تھے۔ کہ یہ آیت غزوۂ خندق کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِذْ جَاءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ اس وقت کو یاد کرو جب وہ (کفار) تم پر تمہارے اوپر سے بھی چڑھ آئے تھے، وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ اور تمہارے نیچے سے بھی آ گئے تھے، وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں، وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے، وَتَظُنُّوْنَ بِاللهِ الظُّنُوْنَا اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے تھے، هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ اس موقع پر ایمان والوں کی بڑی آزمائش ہوئی، وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا اور انہیں ایک سخت بھونچال میں ڈال کر ہلا ڈالا گیا۔

مِّنْ فَوْقِكُمْ سے مراد مشرکین، غطفان اور دوسرے قبائل ہیں، جو مدینہ منورہ پر باہر سے حملہ آور ہوئے تھے اور وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ سے بنو قریظہ مراد ہیں، جنہوں نے پیچھے سے بغاوت کر دی تھی۔ مسلمان دونوں طرف سے مشکل میں گھر گئے تھے، آنکھیں پتھرا گئی تھیں، کلیجے منہ کو آ گئے تھے اور طرح طرح کے اوہام اور خیالات طاری ہونے لگے۔ معلوم ہوا کہ پریشانی میں اگر ایسی حالت ہو جائے تو یہ ایک طبعی چیز ہے اور یہ تقویٰ، زہد یا شرف صحبت کے خلاف نہیں ہے، یہ انسان کی فطرت ہے کہ خوشی کے موقع پر خوش ہوتا ہے، غم کے موقع پر غمگین ہوتا ہے اور پریشانی کے موقع پر پریشان ہوتا ہے، لیکن جس حالت میں بھی ہو، حدود شریعت کا پابند رہتا ہے، اس سے تجاوز نہیں کرتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ یہ آیت غزوۂ خندق کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ خندق والے دن مسلمان ایسی ہی پریشانی میں مبتلا ہو گئے تھے لیکن اللہ ورسول کے حکم پر ڈٹے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی۔

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ

عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْقُلُ التُّرَابَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مٹی اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے،

حَتّٰى أَغْمَرَ بَطْنَهُ أَوِ اغْبَرَّ بَطْنُهُ يَقُولُ وَاللهِ لَوْلَا اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بطن مبارک غبار سے اٹ گیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے "اللہ کی قسم! اگر اللہ نہ ہوتا تو ہمیں سیدھا راستہ نہ ملتا، نہ ہم صدقہ کرتے

فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا إِنَّ الْأُولٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً

اور نہ نماز پڑھتے پس تو ہمارے دلوں پر سکینت نازل فرما اور اگر ہماری کفار سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدمی عنایت فرما، یہ لوگ ہمارے خلاف چڑھ آئے ہیں جب یہ کوئی فتنہ

أَبَيْنَا وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ أَبَيْنَا أَبَيْنَا

چاہتے ہیں تو ہم ان کی نہیں مانتے، أَبَيْنَا أَبَيْنَا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بلند ہو جاتی۔"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خندق والے دن مٹی منتقل کر رہے تھے، یہاں تک کہ مٹی نے آپ کے پیٹ کو چھپا دیا۔ اگر أَغْمَرَ ہو تو اس میں هو ضمیر مستتر التُّرَاب کی طرف راجع ہوگی، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مٹی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن مبارک کو ڈھانپ لیا تھا اور اگر اِغْبَرَّ ہو تو یہ فعل لازم ہوگا اور بَطْنُهُ اس کا فاعل ہوگا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ غبار آلود ہو گیا۔

وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ أَبَيْنَا أَبَيْنَا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم أَبَيْنَا تک پہنچتے تھے تو اپنی آواز بلند کر دیتے تھے، ہم انکار کرتے ہیں، انکار کرتے ہیں، یعنی ہم کفر و شرک کے سامنے ہرگز سر نہیں جھکائیں گے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ پڑھتے تھے: أَبَيْنَا، أَبَيْنَا، أَبَيْنَا۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَكَمُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَ أُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ صبا ہوا کے ذریعے میری مدد کی گئی اور قوم عاد دبور ہوا سے ہلاک کر دی گئی تھی۔

صَبَا اس ہوا کو کہتے ہیں جو مشرق کی طرف سے آئے، اور دَبُوْر اس ہوا کو کہتے ہیں جو مغرب کی جانب سے آئے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر جو سخت برفانی ہوا آئی تھی جس نے کافروں کو سخت پریشان کر دیا تھا اور ان کے لیے مدینہ کا محاصرہ جاری رکھنا ناممکن ہو گیا تھا اور بالآخر وہ مجبور ہو کر خائب و خاسر واپس لوٹے تھے، تو وہ ہوا مشرق اور شام کی طرف سے آئی تھی۔ اسی کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری مدد صبا کے ساتھ کی گئی ہے، یعنی وہ برفانی ہوا جو شام اور مشرق کی طرف سے آئی تھی اور قوم عاد کو دبور کے ساتھ ہلاک کیا گیا تھا، یعنی اس ہوا کے ساتھ جو مغرب کی طرف سے آئی تھی اور انہیں نیست و نابود کر کے رکھ دیا تھا۔

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ

سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يُحَدِّثُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْأَحْزَابِ وَ خَنْدَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ خندق کھود رہے تھے

وَسَلَّمَ رَأَيْتُهُ يَنْقُلُ مِنْ تُرَابِ الْخَنْدَقِ حَتَّى وَارَى عَنِّي الْغُبَارُ جِلْدَةَ بَطْنِهِ وَكَانَ كَثِيرَ

اور آپ ﷺ خندق کے اندر سے مٹی اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے بطن مبارک کی کھال مٹی سے اٹ گئی تھی، آپ کے (سینے سے پیٹ تک) گھنے بالوں

الشَّعَرِ فَسَمِعْتُهُ يَرْتَجِزُ بِكَلِمَاتِ ابْنِ رَوَاحَةَ وَهُوَ يَنْقُلُ مِنَ التُّرَابِ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ

(کی ایک لکیر) تھی، میں نے خود سنا کہ آپ ﷺ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے رجزیہ اشعار مٹی اٹھاتے ہوئے پڑھ رہے تھے۔ "اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہمیں سیدھا راستہ نہ ملتا

مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا

نہ ہم صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے پس ہم پر تو اپنی طرف سے سکینت نازل فرما اور اگر ہمارا دشمن سے آمنا سامنا ہو جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما، یہ لوگ ہمارے اوپر

إِنَّ الْأُولَى رَغَبُوا عَلَيْنَا وَإِنْ أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا قَالَ ثُمَّ يَمُدُّ صَوْتَهُ بِآخِرِهَا

ظلم سے چڑھ آئے ہیں، جب یہ ہم سے کوئی فتنہ چاہتے ہیں تو ہم ان کی نہیں سنتے۔" راوی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ آخری کلمات کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔

اس روایت میں وہی بات بیان کی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ غزوۂ خندق میں رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے، البتہ اس روایت میں ایک جملہ ہے وَكَانَ كَثِيرَ الشَّعَرِ یعنی آپ ﷺ کے سینۂ مبارک پر بہت بال تھے۔ اس کا بظاہر شمائل ترمذی کی اس روایت سے تعارض معلوم ہوتا ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ طویل المسربة تھے، مسربة بالوں کی اس باریک لکیر کو کہتے ہیں جو سینے سے ناف تک جاتی ہے تو اس روایت کا تقاضہ ہے کہ بال کم ہوں جبکہ یہاں كَثِيرَ الشَّعَرِ کہا گیا ہے۔

❶ دونوں روایتوں میں بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ اگرچہ وہ باریک لکیر تھی جیسا کہ شمائل ترمذی کی روایت میں ہے تاہم اس باریک لکیر میں بال بہت گھنے تھے، جسے یہاں بالوں کی کثرت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

❷ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی چیزوں کو منضبط قرار نہیں دیا جا سکتا، ایک آدمی نے دیکھا اس کو بال کم محسوس ہوئے تو اس نے اپنے مشاہدہ کے مطابق روایت نقل کر دی، دوسرے راوی کو بال زیادہ محسوس ہوئے تو اس نے اپنے مشاہدہ کے مطابق روایت نقل کر دی اور ظاہر ہے کہ ہر آدمی کا مشاہدہ الگ الگ ہوتا ہے واللہ اعلم۔

حَدَّثَنِي عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ أَوَّلُ يَوْمٍ شَهِدْتُّهُ يَوْمُ الْخَنْدَقِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا غزوہ جس میں میں نے شرکت کی وہ غزوہ خندق ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا دن جس میں میں جہاد میں شریک ہوا، وہ خندق والا دن تھا۔ ویسے تو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہما بدر اور اُحد میں بھی موجود تھے، لیکن ان مواقع پر کم عمری کی وجہ سے عملی طور پر جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے، البتہ براہ راست جہاد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خندق والے دن شامل ہوئے ہیں، جبکہ ان کی عمر پندرہ سال پوری ہو چکی تھی۔

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوسٰى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ وَأَخْبَرَنِي ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ وَ نَوْسَاتُهَا

عکرمہ بن خالد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں (اپنی بہن) حفصہ کے یہاں گیا تو ان کے سر کے بالوں سے پانی کے قطرات

تَنْطُفُ قُلْتُ قَدْ كَانَ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ مَا تَرَيْنَ فَلَمْ يُجْعَلْ لِّي مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ فَقَالَتِ الْحَقْ

ٹپک رہے تھے، میں نے ان سے کہا کہ تم دیکھتی ہو لوگوں نے کیا کیا اور مجھے تو حکومت میں سے کچھ بھی نہیں ملا۔ تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مسلمانوں کے مجمع میں جاؤ،

فَإِنَّهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ وَأَخْشٰى أَنْ يَّكُوْنَ فِي احْتِبَاسِكَ عَنْهُمْ فُرْقَةٌ فَلَمْ تَدَعْهُ حَتّٰى ذَهَبَ فَلَمَّا

لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا موقع پر نہ پہنچنا مزید انتشار کا سبب بن جائے۔ آخر حفصہ رضی اللہ عنہا کے اصرار پر عبداللہ رضی اللہ عنہ گئے، پھر جب لوگ

تَفَرَّقَ النَّاسُ خَطَبَ مُعَاوِيَةُ قَالَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ أَنْ يَّتَكَلَّمَ فِي هٰذَا الْأَمْرِ فَلْيُطْلِعْ لَنَا قَرْنَهُ

وہاں سے چلے گئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور کہا کہ خلافت کے مسئلہ پر جسے گفتگو کرنی ہو وہ ذرا اپنا سر تو اٹھائے،

فَلَنَحْنُ أَحَقُّ بِهِ مِنْهُ وَمِنْ أَبِيْهِ قَالَ حَبِيْبُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَهَلَّا أَجَبْتَهُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَحَلَلْتُ

یقیناً ہم اس سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں اور اس کے باپ سے بھی زیادہ۔ حبیب بن مسلمہؓ نے ابن عمرؓ سے اس پر کہا کہ آپ نے اس کا جواب کیوں نہیں دیا؟ عبداللہ بن عمرؓ نے

حُبْوَتِي وَهَمَمْتُ أَنْ أَقُوْلَ أَحَقُّ بِهٰذَا الْأَمْرِ مِنْكَ مَنْ قَاتَلَكَ وَأَبَاكَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَخَشِيْتُ

فرمایا کہ میں نے اسی وقت اپنی چادر کھولی (جواب دینے کو تیار ہوا) اور ارادہ کیا کہ کہوں کہ تم سے زیادہ خلافت کا حقدار وہ ہے جس نے تم سے اور تمہارے باپ سے اسلام کے لیے

أَنْ أَقُوْلَ كَلِمَةً تُفَرِّقُ بَيْنَ الْجَمِيْعِ وَتَسْفِكُ الدَّمَ وَيُحْمَلُ عَنِّي غَيْرُ ذٰلِكَ فَذَكَرْتُ مَا أَعَدَّ اللّٰهُ

جنگ کی تھی، لیکن پھر میں ڈرا کہ کہیں اس سے مسلمانوں میں اختلاف بڑھ نہ جائے اور خونریزی نہ ہو جائے اور میری بات کا مطلب کچھ اور نہ لیا جانے لگے، پھر مجھے جنت کی وہ نعمتیں

فِي الْجِنَانِ قَالَ حَبِيْبٌ حُفِظْتَ وَعُصِمْتَ. قَالَ مَحْمُوْدٌ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَ نَوْسَاتُهَا

یاد آگئیں جو اللہ نے جنت میں تیار کر رکھی ہیں۔ حبیب نے کہا کہ اچھا ہوا آپ محفوظ رہے اور بچا لیے گئے محمود نے عبدالرزاق سے نسوات کے بجائے لفظ نوسات بیان کیا

نوساۃ نوسۃ کی جمع ہے، ناس ینوس کے معنی متحرک ہونے کے ہیں یہاں زلفوں اور بالوں کو نوساۃ سے تعبیر کیا گیا ہے،

غالباً حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے غسل فرمایا تھا اور پانی بالوں سے ٹپک رہا تھا۔

یہاں دو نسخے ہیں، ہمارے نسخہ میں نَوْسَاتُهَا ہے اور بعض نسخوں میں نسواتها ہے، علامہ عینی اور علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہما نے نسواتها ہی نقل کیا ہے لیکن علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نسواتها ليس بشيء۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کے آخر میں فرمایا: قَالَ مَحْمُودٌ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَ نَوْسَاتُهَا یہ تائید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس لئے پیش کی ہے کہ بعض روایات میں اگرچہ نسوات مذکور ہے لیکن صحیح لفظ نوسات ہی ہے۔

روایت کا پس منظر

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مسلمانوں کے درمیان طویل لڑائی ہوتی رہی چنانچہ جنگ جمل ہوئی، جنگ صفین ہوئی، پھر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر آمنے سامنے آ گئے، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے محسوس کیا کہ پہلے ہی مسلمانوں کا بہت خون بہہ چکا ہے اور دونوں طرف مدمقابل مسلمان ہیں جن میں صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہیں، اس لئے اگر اس خانہ جنگی کی روک تھام نہ کی گئی تو یہ معاملہ نہ جانے کہاں جا کر رکے گا، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف وافتراق اور جدال وفساد کی فضا ختم کرنے کے لیے خلافت سے دست برداری کا اعلان کر دیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر دی۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر دی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس زمانے کے خلیفہ برحق ہو گئے، خلیفہ برحق بننے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر کی، جس کا اس روایت میں تذکرہ ہے۔

شرح روایت

فَلَمْ يُجْعَلْ لِي مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ: جب مسلمانوں میں باہمی قتال اور خانہ جنگی کا دور تھا تو لوگ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آتے تھے، کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت ساری دنیا میں مثالی خلافت سمجھی جاتی تھی، تو لوگوں کی خواہش تھی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کسی طرح راضی ہو جائیں تو ہم ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان سے کہتے تھے کہ یہ بتاؤ! کہ کیا سارے مسلمان میری خلافت پر جمع ہو جائیں گے یا اس میں کچھ قتل وقتال کرنا پڑے گا؟ لوگ کہتے کہ کچھ کو قتل کرنا پڑے گا، تو آپ فرماتے کہ میں ایسی خلافت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، جس میں مسلمانوں کا خون بہانا پڑے۔

بہر حال عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بڑے آدمی تھے، ان کو دکھ ہوا کہ اتنا بڑا معاملہ ہو رہا ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح ہو رہی ہے، خلافت کا معاملہ حل ہو رہا ہے، کم از کم مشورے میں ہی مجھے شریک کر لیا جاتا۔

چنانچہ یہ شکایت آپ نے اپنی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کی اور ان سے کہا کہ میں اب وہاں نہیں جانا چاہتا۔ مگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نہیں، اگر تم نہیں گئے تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ عبداللہ بن عمر اس صلح کے خلاف ہیں، اس سے مسلمانوں میں افتراق پیدا ہوگا، تمہیں چاہیے کہ تم مجمع میں ضرور جاؤ، وہاں جا کر ان کے پاس بیٹھو، تاکہ جو بھی صلح ہو، اس میں یہ بات سامنے رہے کہ اس میں عبداللہ بن عمر کی رضامندی بھی ساتھ ہے، تاکہ مسلمانوں میں افتراق و انتشار کی کوئی صورت پیدا نہ ہو، لہٰذا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اِلْحَقْ تم جاؤ، جا کر ان سے ملو، فَإِنَّهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ اس لیے کہ وہ لوگ تمہارے منتظر ہیں، وَأَخْشَى أَنْ يَكُونَ فِي احْتِبَاسِكَ عَنْهُمْ فُرْقَةٌ اور مجھے ڈر ہے کہ اگر تم ان سے رکے رہو گے تو امت میں افتراق پیدا ہوگا اور امت کو افتراق سے بچانا انتہائی ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کا خون محفوظ رہے۔ فَلَمْ تَدَعْهُ حَتّٰى ذَهَبَ چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا مسلسل اصرار فرماتی رہیں یہاں تک کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس مجلس میں چلے گئے جہاں مشورہ ہو رہا تھا۔

فَلَمَّا تَفَرَّقَ النَّاسُ پھر جب صلح ہوگئی اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر دی، معاملہ ختم ہوگیا، لوگ اپنے اپنے کام کی طرف چلے گئے، خَطَبَ مُعَاوِيَةُ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا، اس خطبہ کے دوران انہوں نے دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ ایک بات یہ فرمائی کہ مَنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَتَكَلَّمَ فِي هٰذَا الْأَمْرِ جو شخص اس معاملے میں کوئی بات کرنا چاہتا ہے، یہاں الْأَمْرِ سے خلافت مراد ہے، یعنی اگر کوئی خلافت کے بارے میں بات کرنے کا ارادہ رکھتا ہے کسی کے دل میں اس خلافت کی خواہش ہے، فَلْيُطْلِعْ لَنَا قَرْنَهُ تو وہ اپنا سینگ ہمارے سامنے بلند کرے، یعنی وہ سامنے آجائے۔

بظاہر اس بات کا مقصد یہ تھا کہ جب میں خلیفہ برحق بن گیا ہوں تو اب کوئی آدمی اگر میرے سامنے سر اٹھائے گا، بغاوت کی بات کرے گا تو اس پر باغی کے احکام جاری ہوں گے۔ یہ بات اپنی جگہ ٹھیک تھی، کیونکہ جب ایک مرتبہ کوئی خلیفہ برحق بن جائے اور اس کے بعد اگر کوئی بغاوت کرے تو فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيءَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ، لیکن آگے انہوں نے ایک اور جملہ کہا جو سخت تھا، کہا کہ فَلَنَحْنُ أَحَقُّ بِهِ مِنْهُ وَمِنْ أَبِيهِ ہم اس امر خلافت کے اس سے بھی بڑھ کے حق دار ہیں اور اس کے باپ سے بھی زیادہ حق دار ہیں۔

اصل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ خلافت کا زیادہ حق دار وہ آدمی ہے جو ذی رائے ہو، فضائل کا اس میں اعتبار نہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہرحال عرب کے مشہور مدبرین میں سے تھے، عرب کے چار دھاۃ مشہور ہیں۔ ❶ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ❷ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ❸ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ❹ اور زیاد بن ابی سفیان، یہ لوگ بلا کے ذہین اور سیاسی امور کے حد درجہ ماہر تھے۔

بہر حال اس جملہ میں بظاہر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تعریض کی ہے۔
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بڑی تعریف کرتے تھے، لہٰذا یہ بات ان کی شان سے بڑی بعید ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تعریض کی ہو، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ یہ تعریض حضرت حسن اور حضرت علی رضی اللہ عنہما پر تھی، لیکن امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تعریض کی تصریح ہے چنانچہ روایت کے الفاظ ہیں: فقام معاوية عشية فاثنى على الله بما هو اهله ثم قال اما بعد فمن كان متكلما فى هذا الامر فليطلع لى قرنه فو الله لا يطلع فيه احد الا كنت احق به منه و من ابيه قال يعرض بعبد الله بن عمر ۔ نیز آگے حبیب بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اسی روایت میں آرہا ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تعریض کی تھی۔
اب یہ جملہ بڑا سخت تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر تعریض کی گئی تھی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں پاؤں کھڑے کر کے چادر لپیٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (یہ صغار صحابہ میں سے ہیں) نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: فَهَلَّا أَجَبْتَهُ آپ نے حضرت معاویہ کی بات کا کوئی جواب کیوں نہیں دیا؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فَحَلَلْتُ حُبْوَتِي میں نے اپنی چادر کھول دی تھی۔ حبوة اس چادر کو کہتے ہیں، جس سے احتباء کیا جائے، اور احتباء کہتے ہیں: دونوں پاؤں کھڑے کر کے انہیں ہاتھ سے یا چادر سے باندھنا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے اپنی چادر کھول دی تھی اور میں نے سوچا کہ کھڑا ہو جاؤں اور کھڑے ہو کر کہوں کہ أَحَقُّ بِهٰذَا الْأَمْرِ مِنْكَ مَنْ قَاتَلَكَ وَأَبَاكَ عَلَى الْإِسْلَامِ اس خلافت کا تجھ سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے، جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے اسلام کے لئے قتال کیا تھا، یعنی تم اور تمہارے والد جو ایک طویل عرصے تک کافروں کے سردار رہے اور بدر، اُحد اور غزوۂ خندق میں تم مسلمانوں کے مقابلے میں آئے، اب تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ حق دار ہیں تو کیا تم عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ خلافت کے مستحق ہو؟
تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: فَخَشِيتُ أَنْ أَقُولَ كَلِمَةً لیکن پھر مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں نے یہ بات کہی تو ایسی بات کہوں گا تُفَرِّقُ بَيْنَ الْجَمْعِ جو مسلمانوں کے مجمع میں دوبارہ تفریق ڈال دے گی، وَتَسْفِكُ الدَّمَ اور یہ بات مسلمانوں کا خون بہا دے گی، کچھ لوگ میرا ساتھ دیں گے، کچھ ان کا ساتھ دیں گے، یوں پھر وہی لڑائی شروع ہو جائے گی، جو بڑی مشکلات کے بعد جا کر ختم ہوئی ہے، وَيُحْمَلُ عَنِّيْ غَيْرُ ذٰلِكَ اور میری اس بات کو غلط رخ پر محمول کیا جائے گا، لوگ یہ سمجھیں گے کہ عبداللہ بن عمر کو خلافت کی خواہش ہے، اس لیے وہ ایسی بات کر رہے ہیں، حالانکہ واللہ مجھے خلافت کی کوئی خواہش نہیں ہے، مگر سننے والے یہ سمجھیں گے کہ عبداللہ بن عمر اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتا

ہے اور حضرت معاویہ کے مقابلے میں آنا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں نے کھڑے ہونے کا ارادہ ترک کر دیا، فَذَكَرْتُ مَا أَعَدَّ اللهُ فِي الْجِنَانِ اور میں ان نعمتوں کو یاد کرنے لگا، جو اللہ تعالیٰ نے جنتوں میں تیار کر رکھی ہیں، یعنی میں نے سوچا کہ چلو یہ تو دنیا ہے، کسی نے ہمیں برا کہہ دیا تو کیا فرق پڑتا ہے، اصل تو آخرت ہے، آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت کا معاملہ کرے، بس وہی کافی ہے۔

حبیب بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: حُفِظْتَ وَعُصِمْتَ آپ کو محفوظ رکھا گیا اور آپ کو بچا لیا گیا، یعنی اگر آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات کا جواب دیتے تو واقعی مصیبت کھڑی ہو جاتی اور مسلمانوں میں دوبارہ تفریق پیدا ہو جاتی۔

ترجمۃ الباب سے روایت کی مناسبت: چونکہ حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما غزوۂ خندق کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف کفار کی طرف سے جنگ میں شریک تھے اور حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا مقابلہ کیا تھا اور روایت مذکورہ میں أَحَقُّ بِهٰذَا الْأَمْرِ مِنْكَ مَنْ قَاتَلَكَ وَأَبَاكَ عَلَى الْإِسْلَامِ سے غزوۂ خندق کی طرف اشارہ ہے بظاہر اسی مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت یہاں ذکر فرمائی ہے۔ واللہ اعلم۔

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے موقع پر فرمایا کہ اب سے ہم ان پر چڑھائی کریں گے، آئندہ وہ ہم پر کبھی چڑھائی نہ کر پائیں گے۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ يَقُولُ

سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ صُرَدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عرب کے قبائل (غزوۂ خندق کے موقع پر) ناکام واپس ہو گئے تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا

حِينَ أَجْلَى الْأَحْزَابَ عَنْهُ الْآنَ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ

کہ اب سے ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہ کر پائیں گے بلکہ ہم ہی ان پر فوج کشی کیا کریں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا کہ اب یہ کفار ہم پر حملہ نہیں کر پائیں گے، یعنی اب تک تو یہ کفار بدر، اُحد اور خندق میں ہم پر حملہ آور ہوئے تھے، لیکن اب ان میں ہم پر حملہ آور ہونے کی ہمت نہیں ہوگی بلکہ اب ہماری باری ہے، اب ہم ان پر حملہ کرنے جائیں گے، چنانچہ غزوۂ خندق کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق کفار مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کر پائے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مکہ سے مشرف فرمایا۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ عُبَيْدَةَ

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ مَلَأَ اللّٰهُ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ خندق کے موقع پر فرمایا کہ اللہ تعالی ان کفار کی

عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ

قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے، کہ انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطی (نماز عصر) نہیں پڑھنے دی اور سورج غروب ہو گیا

حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ جَعَلَ يَسُبُّ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے موقع پر سورج غروب ہونے کے بعد واپس ہوئے اور وہ کفار قریش کو

كُفَّارَ قُرَيْشٍ وَ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَغْرُبَ قَالَ

برا بھلا کہہ رہے تھے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سورج غروب ہونے کو ہے اور میں عصر کی نماز اب تک نہیں پڑھ سکا۔ اس پر

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا فَنَزَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُطْحَانَ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! نماز تو میں بھی نہیں پڑھ سکا۔ پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادی بطحان میں اترے،

فَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ

تو آپ ﷺ نے نماز کے لیے وضو کیا، ہم نے بھی وضو کیا، پھر عصر کی نماز سورج غروب ہونے کے بعد پڑھی اور اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی

غزوۂ احزاب کے موقع پر کافروں نے اکٹھے ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، نبی کریم ﷺ کو جب اس کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر مدینہ کے گرد خندق کھودنا شروع کی اور خود بھی بہ نفس نفیس اس میں حصہ لیا، اب کافر بالکل سر پر پہنچ گئے تھے، وقت کم تھا اور خندق کھودنے کا کام بہت زیادہ تھا، اس لیے مسلسل بلا کسی وقفہ کے خندق کھودی جا رہی تھی۔ اس مسلسل عمل کی وجہ سے ایک دن مسلمانوں کی نمازیں قضا ہو گئیں، اسی سے متعلق یہ دو روایتیں ہیں، ان دونوں روایتوں میں ایک نماز یعنی نماز عصر کے قضا ہونے کا ذکر ہے، لیکن سنن کی روایت میں ہے کہ غزوۂ خندق کے دوران ایک دن ظہر، عصر اور مغرب تینوں نمازیں قضا ہو گئی تھیں اور نماز عشاء کے وقت میں نبی کریم ﷺ نے انہیں اکٹھے ادا فرمایا تھا اور یہ الفاظ بھی ہیں: و قضاهن مرتبة کہ آپ ﷺ نے ان کو ترتیب کے ساتھ قضا فرمایا، یعنی پہلے ظہر، پھر عصر، پھر مغرب اور پھر عشاء کی نماز ادا فرمائی۔ اسی بناء پر فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ اگر قضا نمازیں چھ سے کم ہوں اور آدمی صاحب ترتیب ہو تو ان قضا نمازوں کو ترتیب کے ساتھ پڑھنا واجب ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ

سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ مَنْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کفار کے لشکر کی خبریں کون لائے گا؟

يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟ فَقَالَ الزُّبَيْرُ أَنَا ثُمَّ قَالَ مَنْ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟ فَقَالَ الزُّبَيْرُ أَنَا ثُمَّ

حضرت زبیرؓ نے عرض کیا کہ میں تیار ہوں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ کفار کے لشکر کی خبریں کون لائے گا؟ حضرت زبیرؓ نے کہا کہ میں۔ پھر آپ نے تیسری مرتبہ پوچھا کہ

قَالَ مَنْ يَّأْتِيْنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ ؟ فَقَالَ الزُّبَيْرُ أَنَا ثُمَّ قَالَ إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَإِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ

کفار کے لشکر کی خبریں کون لائے گا؟ حضرت زبیرؓ نے اس مرتبہ بھی اپنے آپ کو پیش کیا، اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں

مذکورہ بالا روایت میں نبی کریم ﷺ نے جو اعلان کیا کہ کون ہے جو قوم کی خبر لے کر آئے؟ یہاں قوم سے بنو قریظہ مراد ہیں۔ مسلمان جب خندق کھودنے میں مصروف تھے، سامنے مشرکین تھے، خندق کی دوسری طرف مسلمان تھے، اس وقت مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی کہ پیچھے سے بنو قریظہ نے بھی بغاوت کر دی ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے ہیں اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کو توڑ دیا ہے۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: کون ہے جو (جائے اور) قوم کی خبر لے کر آئے؟ اس موقع پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کیا، چنانچہ وہ بنو قریظہ کے علاقے میں گئے، وہاں جائزہ لیا، تو ان کو اندازہ ہو گیا کہ وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے پوری طرح تیار ہیں، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ واپس آئے اور آ کر نبی کریم ﷺ کو ان کی بغاوت کی اطلاع دی، اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَإِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ بے شک ہر نبی کے مددگار ہوتے ہیں اور میرے مددگار زبیر ہیں۔

حواری: مقدس جماعت کا لقب

یہ حواری دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کا لقب ہے، قرآن میں جگہ جگہ ان کا ذکر آیا ہے۔

حواری کا لفظ حور سے نکلا ہے، اگر باب نصر سے حار یحور ہو تو اس کے معنی رجوع کرنے کے ہوتے ہیں، جیسا کہ قرآن کی آیت إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ میں رجوع کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اور اگر باب سمع سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں: آنکھ کی سفیدی کا بہت سفید ہونا اور آنکھ کی سیاہی کا بہت سیاہ ہونا۔ اس لیے حور اس عورت کو کہتے ہیں جو گورے رنگ کی ہو، جس کی آنکھ کی سفیدی بہت سفید ہو اور آنکھ کی سیاہی بہت سیاہ ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو حواری کہا جاتا تھا، اس کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں:

1. یہ اپنے جسم کو بھی خوب صاف ستھرا رکھتے تھے اور اپنے کپڑوں کو بھی خوب صاف ستھرا رکھتے تھے۔
2. یہ اپنی روح کو بھی پاک صاف رکھتے تھے، یعنی کفر و شرک اور معاصی کی گندگی سے روح کو صاف رکھتے تھے۔
3. یہ لوگوں کو بھی تلقین کرتے تھے کہ تم اپنے کپڑے پاک صاف رکھو اور اپنے جسم اور اپنی روح کو پاک صاف رکھو۔

الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہ اصحاب خود بھی صفائی کا اہتمام کرتے تھے ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی اور دوسروں کی بھی ظاہری و باطنی صفائی کا خیال کرتے تھے، اس لیے انہیں حواری کہا جانے لگا یعنی خوب سفید اور پاک صاف رہنے والے۔ پھر بعد میں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام اصحاب کے لیے استعمال ہونے لگا، اس صورت میں

حواری کا مطلب مددگار ہوگا، چنانچہ یہاں روایت میں بھی مددگار ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ واپس آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا: فداک ابی و امی! یہ بات پہلے بھی عرض کی جاچکی ہے کہ یہ جملہ عام طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کرتے تھے، البتہ دوصحابہ ایسے ہیں جن کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے۔ایک غزوۂ اُحد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیےاور دوسرا غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے لیے، جب وہ پُرخطر راستے سے ہوکر بنوقریظہ کے حالات معلوم کر کے واپس تشریف لائے تھے۔

غزوۂ خندق کے دوران پیش آنے والا ایک اور واقعہ

غزوۂ خندق کے موقع پر ایک دوسرا واقعہ بھی پیش آیا، جو یہاں روایت میں نہیں ہے مگر صحیح مسلم، سیرت ابن ہشام اور دوسری کتابوں میں مذکور ہے، وہ واقعہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے متعلق ہے۔

ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، تو جولوگ پاس بیٹھے تھے، ان میں سے ایک شخص نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اور صحبت کا شرف عطا فرمایا ہے، اگر ہم اس زمانے میں موجود ہوتے تو ہمیں بھی یہ شرف حاصل ہوجاتا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کچھ پتا نہیں کہ اگر تم اس زمانے میں ہوتے تو کیا ہوتے؟ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ان صاحب نے کہا کہ اے حذیفہ! آپ نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور خدمت کی سعادت حاصل کی ہے، اگر ہم اس زمانے میں ہوتے تو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین پر نہ چلنے دیتے، یعنی اپنے کندھوں پر اٹھا کر رکھتے۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کی بات سنی، پھر فرمایا کہ میں تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں اور وہ یہ کہ غزوۂ خندق کے موقع پر ہم بیٹھے ہوئے تھے، سخت سردی تھی، بھوک کے مارے برا حال تھا، رات کا وقت تھا، برفانی ہوا چل رہی تھی، ایسے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو مشرکین مکہ کے لشکر میں جائے، ان کی خبر لے کر آئے وھو معی رفیقی فی الجنۃ اور وہ میرے ساتھ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی کھڑا نہیں ہوا، مسلمان اس قدر تھکے ہوئے تھے اور سردی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ کسی کو کھڑے ہونے کی ہمت نہ ہوئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری مرتبہ فرمایا کہ کون ہے جو جائے اور مشرکین کی خبر لے کر آئے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! کوئی بھی نہیں اٹھا۔تیسری مرتبہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو جائے اور قوم کی خبر لے کر آئے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب بھی کوئی نہیں اٹھا۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قم یا حذیفہ! اے حذیفہ! تم کھڑے ہوجاؤ۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرا نام آیا تو لم یکن لی بد اب میرے پاس کوئی چارا نہیں رہا، چنانچہ میں کھڑا ہوگیا اور حالت یہ تھی کہ

سردی کے مارے میرے دانت بج رہے تھے، سخت برفانی ہوا چل رہی تھی، جسم پر کپڑے پورے نہیں تھے، پیٹ میں کوئی ایسی غذا نہیں تھی، جس سے کچھ طاقت آتی، تو فرماتے ہیں کہ جب میں اٹھا تو سردی کی شدت کی وجہ سے میرے دانت بج رہے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے لگایا، مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے اندر حرارت پیدا ہوگئی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے حذیفہ اب تم جاؤ۔ چنانچہ میں گیا اور کسی طریقے سے خندق پار کی، پھر مشرکین مکہ کے لشکر میں داخل ہوا۔ وہ فرماتے ہیں کہ کمان اور تیر میرے پاس تھا اور میں آہستہ آہستہ اندر گھستا چلا گیا اور میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں ابوسفیان بن حرب موجود تھا اور اگر میں تیر سے اس کا نشانہ بناتا تو بہت آسانی سے اس کو مار سکتا تھا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ ہدایت کی تھی کہ دیکھو، وہاں جا کر کوئی حرکت مت کرنا، صرف ان کی خبر لے کر واپس آجانا۔ ابوسفیان نے سارے لشکر کے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں آپ سب لوگوں سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں مگر ہر شخص دیکھ لے کہ اس کے قریب میں کون بیٹھا ہوا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ کوئی جاسوس آ گیا ہو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جھٹ سے برابر والے آدمی کا ہاتھ پکڑا اور کہا: تو کون ہے؟! اس نے کہا کہ میں فلاں قبیلے کا ہوں۔ میں نے کہا: اچھا، بس ٹھیک ہے۔ اس کے بعد ابوسفیان نے بات شروع کی کہ ہمیں اتنا عرصہ محاصرہ کئے ہوئے ہو گیا ہے لیکن کامیابی کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی، بنو قریظہ نے ابتدا میں ہمارے ساتھ معاہدہ کیا تھا مگر اب وہ بھی ڈگمگا گئے ہیں، تمہارے سامنے ہے کہ انہوں نے ہمارے سرداروں کو بطور رہن طلب کیا ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہمارے سرداروں کو پکڑ کر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حوالے نہ کر دیں، لہٰذا اب حالات بہت خراب ہیں، ہمارے لیے مزید یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں رہا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اتنی تیز برفانی ہوائیں چل رہی تھی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ رہی تھیں، آگ جلائی جاتی تو ہوا کی شدت سے وہ آگ بجھ جاتی تھی، چولہے سے دیگچی الٹ جاتی تھی، تو ابوسفیان نے ان حالات کا ذکر کیا اور کہا کہ میں تو اب واپس مکہ جا رہا ہوں، یہ کہہ کر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا، جب وہ روانہ ہونے لگا تو مکہ کے جتنے لوگ تھے، وہ بھی روانہ ہونا شروع ہو گئے۔ جب مشرکین مکہ روانہ ہوئے تو جو دوسرے قبائل تھے وہ قبائل بھی روانہ ہونا شروع ہو گئے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حالات دیکھ کر میں واپس پلٹا، جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، ایک بڑی سی چادر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا تو وہ چادر میرے اوپر کر دی، میں چادر کے اندر گھس گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کے قریب بیٹھ گیا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو مجھ سے حالات پوچھے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ لوگ ناکام اور نامراد ہو کر واپس جا رہے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا یہ انعام سن کر ہنسنے لگے، یہاں تک کہ تاریکی میں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندانِ مبارک ظاہر ہو رہے تھے۔

تو یہ من يأتيني بخبر القوم کے دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں، اور دونوں ہی کا تعلق غزوۂ خندق سے ہے، ایک کا تعلق بنو قریظہ کے واقعہ سے ہے، جہاں جانے کے لیے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تیار ہوئے تھے اور دوسرا واقعہ مشرکین کے لشکر کی طرف بھیجے جانے کا ہے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود انتخاب کر کے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کے سامنے یہ سارا واقعہ سنایا اس کا مقصد یہ تھا کہ تمہارا یہ کہنا کہ اگر اس وقت میں ہم ہوتے تو ایسا کرتے اور ویسا کرتے، یہ ساری جذباتی باتیں ہیں، حقائق کی دنیا اس سے کچھ اور ہوتی ہے۔ جب مصیبت آئی ہوتی ہے اور پریشانی کھڑی ہوتی ہے، اس وقت میں کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون پھسل جاتا ہے؟ یہ اللہ ہی کو معلوم ہے! اس لیے آدمی کو بلند بانگ دعوے نہیں کرنے چاہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے جس نے اپنے لشکر کو فتح دی،

أَعَزَّ جُنْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَغَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ

اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد کی اور افواج کفار پر تنہا غالب آ گیا، پس اس کے بعد کوئی چیز اس کے مدمقابل نہیں ہو سکتی

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا الْفَزَارِيُّ وَعَبْدَةُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ قَالَ

سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى يَقُولُ دَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْأَحْزَابِ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احزاب (افواج کفار) کے لیے (غزوۂ خندق کے موقع پر) بددعا کی

فَقَالَ اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ اللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ

"اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے! جلدی حساب لینے والے! کفار کے لشکر کو شکست دے۔ اے اللہ! انہیں شکست دے اور ان کی طاقت کو متزلزل کر دے۔"

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ وَّنَافِعٍ

عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَفَلَ مِنَ الْغَزْوِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوہ،

أَوِ الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ يَبْدَأُ فَيُكَبِّرُ ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ

حج یا عمرے سے واپس آتے تو سب سے پہلے تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے، پھر یوں فرماتے "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کے لیے ہے،

الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ

حمد اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (یا اللہ!) ہم واپس ہو رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور اپنے رب کی حمد

صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ وَ نَصَرَ عَبْدَهُ وَ هَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ

کرتے ہوئے، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور کفار کی فوجوں کو اس نے تن تنہا شکست دے دی۔

بَابُ مَرْجِعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَحْزَابِ وَمَخْرَجِهِ إِلَى بَنِيْ قُرَيْظَةَ وَمُحَاصَرَتِهِ إِيَّاهُمْ

باب: غزوۂ احزاب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واپس لوٹنا اور بنوقریظہ پر چڑھائی کرنا اور ان کا محاصرہ کرنا۔

یہاں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ غزوۂ بنی قریظہ بیان فرمارہے ہیں، شوال سن ۵ ہجری میں غزوۂ خندق کا معرکہ پیش آیا تھا، اس کے فوراً بعد ذی القعدہ سن ۵ ہجری میں غزوۂ بنوقریظہ ہوا۔ شروع میں یہ تفصیل گزری ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے یہودیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ کیا تھا، چنانچہ یہودیوں میں سے بنونضیر سے بھی معاہدہ ہوا تھا اور بنوقریظہ بھی معاہدے میں شامل تھے، بنونضیر نے معاہدے کی خلاف ورزی کی جس کے نتیجے میں ان کو جلاوطن کیا گیا، جبکہ بنوقریظہ سے ابھی تک معاہدہ چل رہا تھا اور وہ مدینہ کے قریب اپنی بستیوں میں مقیم تھے لیکن جب غزوۂ خندق کا موقع آیا تو اس موقع پر بنونضیر کا سردار حیی بن اخطب بنوقریظہ کے سرداروں سے ملا اور ان سے کہا کہ قریش کے لوگ اور قبائل عرب مدینہ پر حملہ کررہے ہیں اور اب محمد اور ان کے ساتھیوں کو ختم کرنے کا اچھا موقع ہے اور اس مرتبہ اتنا زبردست لشکر آرہا ہے کہ مسلمان اس کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے، لہٰذا تم بھی اپنا معاہدہ توڑ دو اور لشکر کفار کی معاونت کرو، ہم سب مل کر ان کو ختم کردیں گے۔

شروع میں بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد نے انکار کیا، لیکن حیی بن اخطب مسلسل اس کے پیچھے لگا رہا، یہاں تک کہ وہ راضی ہوگیا اور بنوقریظہ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور مدینہ پر حملہ آور کفار کے لشکر کی مدد کو تیار ہوگئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہوگیا تھا، چنانچہ جب کفار کے لشکر واپس چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے، اس موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے تو ہتھیار اتار دیئے ہیں جبکہ ہم فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر بنو قریظہ تشریف لے گئے اور وہاں ان کی بستیوں کا محاصرہ کیا اور یہود بنوقریظہ اپنے قلعے میں بند ہوگئے۔

محاصرہ کے دوران بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد نے ان کو جمع کیا اور کہا کہ میں تین باتیں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں، ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرلو۔

❶ پہلی بات یہ ہے کہ تم پر یہ امر بالکل واضح ہوچکا ہے کہ یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے وہی نبی اور رسول ہیں جن کا تذکرہ تم اپنی کتاب توریت میں پاتے ہو، لہٰذا سب ایمان لے آؤ اور ان کے متبع اور پیروکار بن جاؤ، اس سے تمہاری جان، مال، بچے اور عورتیں سب مامون و محفوظ ہوجائیں گے۔

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر تمہارا لڑنے کا ارادہ ہے تو پہلے اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دو تا کہ ان کی فکر نہ رہے، اس کے بعد ہم مل کر مسلمانوں پر حملہ کریں، اگر مر گئے تو مر گئے اور اگر فتح مل گئی تو بچے دوبارہ ہو جائیں گے اور عورتوں کی کوئی کمی نہیں۔

❸ تیسری صورت یہ ہے کہ آج ہفتہ کی رات ہے، ممکن ہے مسلمان یہ سمجھ کر کہ ہفتہ کا دن یہود کا محترم دن ہے اور وہ اس میں لڑتے جھگڑتے نہیں ہیں، چنانچہ وہ ہمارے حملہ سے مطمئن اور غافل ہوں گے، لہٰذا سب مل کر آج مسلمانوں پر شب خون مارو اور ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاؤ۔

لیکن بنوقریظہ نے کعب بن اسد کی تینوں باتیں تسلیم نہیں کیں، انہوں نے کہا کہ نہ تو ہم اپنا دین چھوڑ سکتے ہیں، نہ اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر سکتے ہیں اور نہ ہی ہفتہ کی رات حملہ کر کے اس محترم دن کی بے حرمتی کر سکتے ہیں کہ اس دن کی بے حرمتی ہی کی وجہ سے تو ہمارے اسلاف سور اور بندر بنائے گئے تھے۔

بہر حال بنوقریظہ کے لوگوں نے کعب کی کسی بات کو تسلیم نہیں کیا اور مسلمانوں کی طرف سے ان کا محاصرہ جاری رہا، محاصرے کے دوران جب بنوقریظہ نے دیکھا کہ کوئی صورت نہیں بن پا رہی، باہر مسلمانوں نے چاروں طرف سے محاصرہ کیا ہوا ہے اور اندر کھانے پینے اور دوسری ضرورت کی چیزیں ختم ہونے لگی ہیں، تو بنوقریظہ کے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس ہمارے حلیف بنوعمرو کے سردار ابولبابہ کو بھیج دیجیے، ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ قلعے میں گئے تو کعب بن اسد قرظی (بنوقریظہ کا سردار) اور دوسرے لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہوئے اور ان سے کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے، ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سر تسلیم خم کر دو اور ہتھیار پھینک دو۔ انہوں نے کہا کہ پھر ہمارے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا؟ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے گردن کی طرف اشارہ کر دیا، مقصد یہ تھا کہ تمہاری گردن کاٹی جائے گی۔ اب یہ اشارہ تو انہوں نے کر دیا لیکن بعد میں ان کو شدید ندامت ہوئی کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر ایسا کیوں کیا؟ ان کو اندازہ تو تھا کہ ان لوگوں کی بغاوت کی بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاید یہ سخت فیصلہ کریں گے، لیکن اول تو یقین نہیں تھا، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراحتاً یہ بات ارشاد نہیں فرمائی تھی، دوم اگر یہ امکان تھا تب بھی مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر یہ بات آگے نقل نہیں کرنی چاہیے تھی، لہٰذا انہیں سخت ندامت ہوئی، اسی ندامت کی وجہ سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ وہاں سے مسجد نبوی چلے گئے اور وہاں جا کر ایک ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ دیا اور کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف

سے میری معافی کا فیصلہ نہیں ہوگا، اس وقت تک میں اپنے آپ کو اس ستون سے نہیں کھولوں گا، چنانچہ ان کی اہلیہ نماز کے وقت آتیں اور نماز کے لیے ان کو کھول دیتیں، بعد میں دوبارہ انہیں ستون سے باندھ دیتیں۔ چھ یا سات دن تک حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اسی طرح ستون سے بندھے رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اطلاع ملی کہ انہوں نے اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیا ہے تو فرمایا کہ اگر یہ میرے پاس آجاتے تو میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کر لیتا لیکن انہوں نے خود ہی اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے تو اب جب تک اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نازل نہ ہو جائے، میں بھی ان کو نہیں کھولوں گا۔ چھ یا سات دن گزر جانے کے بعد اللہ نے ان کی توبہ کا فیصلہ بذریعہ وحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خود آکر ستون سے کھولا۔ یہ ستون اب بھی اسطوانة أبی لبابة اور اسطوانة التوبة کے نام سے ریاض الجنة میں موجود ہے۔

بہرحال محاصرہ جاری رہا، جب بنوقریظہ کے لوگ اس طویل محاصرے سے تنگ آگئے تو اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فیصلہ صادر فرمائیں گے وہ انہیں منظور ہوگا۔

زمانۂ جاہلیت میں بنوقریظہ انصار کے قبیلہ اوس کے حلیف تھے جبکہ بنونضیر انصار کے قبیلہ خزرج کے حلیف تھے، بنونضیر کا جب معاملہ آیا تو قبیلہ خزرج کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کی تھی کہ آپ ان کو قتل نہ کریں بلکہ انہیں جلاوطن کر دیں، اب اس موقع پر جب بنوقریظہ کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر قلعہ چھوڑنے پر راضی ہوئے تو قبیلہ اوس سے تعلق رکھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جس طرح بنونضیر کے ساتھ خزرج کی سفارش پر معاملہ ہوا تھا اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا گیا تھا، اب یہ ہمارے حلیف ہیں ان کے بارے میں بھی ہماری سفارش قبول کر لیجیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، قبیلۂ اوس کے سردار سعد بن معاذ ہیں، میں معاملہ ان کے حوالے کرتا ہوں، وہ جو بھی فیصلہ کریں گے میں بھی اس کو تسلیم کروں گا اور اسی کے مطابق عمل کروں گا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں غزوۂ خندق کے موقع پر تیر لگا تھا جس سے وہ بہت سخت زخمی ہو گئے تھے، ان کا وہیں قریب ہی مسجد (نماز پڑھنے کی جگہ) میں خیمہ لگایا گیا تھا، چنانچہ انہیں بلایا گیا کہ آپ ان کے بارے میں فیصلہ کیجئے۔ بنوقریظہ کے لوگ اس بات سے خوش اور مطمئن تھے کہ فیصلہ ایسے شخص کے حوالے کیا گیا ہے جو ان کا حلیف رہ چکا ہے، لہٰذا ان کا خیال تھا کہ ہمارے ساتھ نرمی کا معاملہ ہوگا لیکن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے لڑنے کے قابل تمام مرد قتل کئے جائیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنایا جائے اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے، جس کی تفصیل آگے بخاری کی روایت میں بھی آرہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سعد بن معاذ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہے۔ چنانچہ اسی کے اوپر عمل کیا گیا اور بنی قریظہ کے تمام لوگ

گرفتار کر کے مدینہ منورہ لائے گئے اور ایک انصاری خاتون کے مکان میں ان کو محبوس رکھا گیا، قتل گاہ کے طور پر ان کے لئے خندقیں کھودی گئیں اور پھر ان یہودیوں کو لایا جاتا اور ان خندقوں میں ان کی گردنیں ماری جاتیں۔

اس موقع پر قتل کئے جانے والے یہودیوں کی تعداد میں اختلاف ہے: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے چھ سو اور ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ الکامل میں سات سو کی تعداد بتائی ہے، علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اکثر کا قول یہ ہے کہ آٹھ سو اور نو سو کے درمیان ان کی تعداد تھی، جبکہ امام ترمذی، امام نسائی اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے چار سو کی تعداد نقل کی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں مختلف روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ ممکن ہے اصل یہودیوں کی تعداد تو چار سو ہو اور باقی ان کے اتباع ہوں۔

حیئ بن اخطب کو جو ان تمام سازشوں اور فتنوں کا سرخیل تھا جب مقتل میں لایا گیا تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کر کہا: اما واللہ مالمت نفسی فی عداوتک و لکنه من یخذل اللہ یخذل (بخدا میں اپنے نفس کو آپ کی دشمنی کے بارے میں ملامت نہیں کرتا لیکن بات یہ ہے کہ خدا جب کسی کو ذلیل کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے وہ ذلیل ہو ہی جاتا ہے) پھر لوگوں کو مخاطب ہو کر کہنے لگا یا ایھا الناس! انه لا باس بامر اللہ کتاب و قدر و ملحمة کتبھا اللہ علی بنی اسرائیل (اے لوگو! اللہ کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ ایک لکھا ہوا فیصلہ تھا اور ایک سزا تھی جو اللہ نے بنی اسرائیل پر لکھی تھی) اس کے بعد اس کی گردن اڑا دی گئی، عورتوں میں سے کسی کو قتل نہیں کیا گیا سوائے ایک عورت کے جس کا نام سیر کی کتابوں میں بنانة بتایا گیا ہے چونکہ اس نے چھت سے چکی کا پاٹ گرا کر حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اس لئے وہ قصاصاً قتل کی گئی۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بنو قریظہ کے ان قیدیوں میں ایک قیدی زبیر بن باطا کا واقعہ لکھا ہے کہ اس نے زمانہ جاہلیت کی مشہور جنگ بعاث میں انصار کے مشہور صحابی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر کچھ احسان کیا تھا، زبیر بن باطا اس وقت بوڑھا اور اندھا ہو چکا تھا، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے پہچانتے ہو؟ کہنے لگا مجھ جیسا آپ جیسے کو کہاں بھول سکتا ہے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں آج آپ کے احسان کا بدلہ ادا کر دوں۔ اس نے کہا ان الکریم یجزی الکریم حضرت ثابت رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور زبیر کی آزادی کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست پر اس کو آزاد کر دیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے آ کر اسے اطلاع دی تو کہنے لگا کہ ایسے بوڑھے کی حیات میں کیا لطف جس کے اہل وعیال نہ ہوں۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے جا کر دربار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے اہل وعیال کی آزادی کا بھی پروانہ حاصل کیا اور آ کر اسے بتایا تو اس نے کہا کہ حجاز میں کسی کے اہل خانہ ہوں لیکن مال نہ ہو تو زندگی کیسے گزرے گی؟ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے جا کر اس کا مال واپس کروا دیا، تو اب یہ اندھا

یہودی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگا کعب بن اسد کا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ قتل ہوگیا۔ پھر پوچھا کہ حیٔ بن اخطب اور عزال بن شموال کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ دونوں بھی قتل کر دیئے گئے۔ اس نے باقی یہودیوں کے بارے میں پوچھا تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سب قتل کر دیے گئے، تو اس بوڑھے یہودی نے ان سے کہا کہ میرے احسان کا بدلہ یہ ہے کہ آپ مجھے بھی میری قوم کے ساتھ ملا دیں کہ اس کے بعد زندگی میں کیا خیر ہے؟ چنانچہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کو آگے بڑھایا اور اس کی گردن بھی اڑا دی گئی۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا رَجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَنْدَقِ وَوَضَعَ السِّلَاحَ وَاغْتَسَلَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق سے مدینہ منورہ واپس ہوئے اور ہتھیار اتار دیئے اور غسل کیا

أَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام فَقَالَ قَدْ وَضَعْتَ السِّلَاحَ وَاللهِ مَا وَضَعْنَاهُ اخْرُجْ إِلَيْهِمْ

تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے ہتھیار اتار دیئے؟ اللہ کی قسم! ہم نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے۔ چلئے ان پر حملہ کیجئے۔

قَالَ فَإِلَى أَيْنَ؟ قَالَ هَا هُنَا وَأَشَارَ إِلَى بَنِي قُرَيْظَةَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کن پر؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ان پر اور انہوں نے بنوقریظہ کی طرف اشارہ کیا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ پر چڑھائی کی

حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى الْغُبَارِ سَاطِعًا فِي زُقَاقِ بَنِي غَنْمٍ مَوْكِبِ جِبْرِيلَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جیسے اب بھی وہ گردوغبار دیکھ رہا ہوں جو جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ سوار فرشتوں کی وجہ سے قبیلہ بنوغنم کی گلی میں اٹھا تھا،

صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ حِينَ سَارَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى بَنِي قُرَيْظَةَ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو قریظہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بنوقریظہ کی روانگی کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کے لشکر کا منظر یوں بیان فرماتے ہیں **كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى الْغُبَارِ سَاطِعًا فِي زُقَاقِ بَنِي غَنْمٍ** کہ ایسا لگ رہا ہے کہ میں ابھی بھی دیکھ رہا ہوں یعنی وہ واقعہ میرے ذہن میں مستحضر ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بنی غنم کی گلیوں سے گزر رہے ہیں اور اس سے غبار اڑ رہا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں۔

مَوْكِبِ جِبْرِيلَ: موکب ایسی جماعت کو کہتے ہیں جو شان وشوکت کے ساتھ جاتی ہے، جیسے کوئی شاہی سواری ہو اور اس کے ساتھ پہرے دار اور بہت ساری سواریاں ہوتی ہیں۔ موکب کے اعراب میں تین احتمالات ہیں:

1. هو محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے۔
2. یا اس کو الْغُبَارِ سے بدل قرار دے کر مجرور پڑھا جائے۔
3. یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو أری فعل محذوف کا مفعول تسلیم کرلیا جائے تو اس صورت میں منصوب پڑھا جائے۔

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نبی کے علاوہ کوئی اور دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بعض حضرات قول اول کے

قائل ہیں اور بعض قول ثانی کے۔ یہاں حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب انہوں نے اٹھنے والے غبار کو دیکھا اور کوئی شخص انہیں نظر نہیں آیا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دکھائی نہ دیئے جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس وقت اپنی اصلی شکل میں تھے، کیونکہ جب کبھی حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی صورت میں متشکل ہوئے ہیں تو وہاں دوسروں نے ان کو دیکھا ہے جیسا کہ کتاب الایمان میں حدیث جبرئیل میں مذکور ہے: هذا جبرئيل جاء كم يعلمكم دينكم۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَأَدْرَكَ بَعْضُهُمُ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ

کہ سب لوگ عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچنے کے بعد ادا کریں، تو بعض حضرات کی عصر کی نماز کا وقت راستے ہی میں ہو گیا، تو ان میں سے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا

لَا نُصَلِّيْ حَتّٰى نَأْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّيْ لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذٰلِكَ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

کہ ہم راستے میں نماز نہیں پڑھیں گے، بلکہ بنو قریظہ پہنچ کر پڑھیں گے اور بعض صحابہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا منشا یہ نہیں تھا، (بلکہ جلدی جانا مقصد تھا) بعد میں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِّنْهُمْ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر خفگی نہیں فرمائی

اس روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عصر کی نماز قریظہ پہنچ کر پڑھنی ہے، جبکہ مسلم کی روایت میں عصر کی بجائے ظہر کی نماز کا ذکر ہے، عام روایات اور کتب حدیث سے ظہر کی تائید معلوم ہوتی ہے اور اہل سیر اور اہل مغازی عصر کا ذکر کرتے ہیں۔ دونوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ لشکر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہو، ایک حصہ لشکر کا وہ ہو جو ظہر سے پہلے روانہ ہوا، ان سے کہا کہ ظہر بنو قریظہ میں پڑھنا اور دوسرا حصہ وہ ہو جو ظہر کے بعد روانہ ہوا، ان کو کہا کہ عصر بنو قریظہ میں پڑھنی ہے، یا یوں کہا جائے کہ لشکر میں جن لوگوں نے ظہر نہیں پڑھی تھی ان سے کہا گیا کہ تم ظہر وہاں پہنچ کر پڑھنا اور جنھوں نے ظہر پڑھ لی تھی ان سے کہا کہ تم عصر وہاں پہنچ کر پڑھنا۔

فَأَدْرَكَ بَعْضُهُمُ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ: بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عصر کو راستہ میں پایا، یعنی عصر کا وقت راستے میں ہو گیا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم تو بنی قریظہ جا کر عصر پڑھیں گے اور بعضوں نے کہا کہ ہم نماز پڑھ لیتے ہیں اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اگر راستے میں عصر کا وقت ہو جائے تب بھی نماز نہیں پڑھنا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تعجیل تھا کہ جلد از جلد بنو قریظہ پہنچنا ہے، پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر بھی اظہار ناراضگی نہیں فرمایا۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسئلہ اجتہادی ہو اور مجتہدین میں اختلاف ہو جائے تو اس میں کوئی جانب قابل

ملامت نہیں ہوتی، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوگیا، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد پر عمل کر کے راستے میں نماز پڑھی، جبکہ بعض نے نہیں پڑھی، لیکن جنہوں نے پڑھی وہ بھی **مصیب** قرار دیئے گئے اور جنہوں نے نہیں پڑھی، وہ بھی **مصیب** قرار دیئے گئے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی فریق پر کسی قسم کی کوئی ملامت نہیں کی، نہ اُن لوگوں پر جنہوں ظاہر الفاظ کو چھوڑ کر منشائے نبوت کا ادراک کر کے نماز پڑھ لی اور نہ اُن لوگوں پر جنہوں ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے نماز نہیں پڑھی اور قضا کر لی۔

سوال یہ ہے کہ یہاں عمل کس کا بہتر ہے؟ راستے میں نماز پڑھنے والوں کا یا ان حضرات کا جنہوں نے بنوقریظہ جا کر نماز پڑھی؟ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے **زاد المعاد** میں ان لوگوں کے فعل کو ترجیح دی ہے جنہوں نے راستے میں نماز پڑھی اور نماز عصر کو اپنے وقت پر ادا کیا کیونکہ ان لوگوں نے دو فضیلتیں حاصل کی ہیں، ایک فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر فوری لبیک کہتے ہوئے جہاد میں حصہ لینے کی اور دوسری فضیلت نماز کو اپنے وقت میں پڑھنے کی جبکہ جلد سے جلد بنوقریظہ پہنچنے کی فکر تو ان کو بھی دامن گیر تھی، چنانچہ انہوں نے نماز راستے میں پڑھی اور پہنچتے ہی مورچہ بندی کر لی۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ ح وحَدَّثَنِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ يَجْعَلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخَلَاتِ حَتَّى

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے باغ میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چند کھجور کے درخت بطور ہدیہ مقرر کر دیئے تھے یہاں تک کہ

افْتَتَحَ قُرَيْظَةَ وَ النَّضِيرَ وَإِنَّ أَهْلِي أَمَرُونِي أَنْ آتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَهُ الَّذِينَ

بنوقریظہ اور بنونضیر کے قبائل فتح ہو گئے (تو آپ نے وہ درخت واپس کر دیئے) میرے گھر والوں نے بھی مجھے ان تمام درختوں کو یا کچھ درختوں کو لینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

كَانُوا أَعْطَوْهُ أَوْ بَعْضَهُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَعْطَاهُ أُمَّ أَيْمَنَ فَجَاءَتْ

کی خدمت میں بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ درخت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دے دیئے تھے۔ اتنے میں وہ بھی آ گئیں اور میری گردن میں

أُمُّ أَيْمَنَ فَجَعَلَتِ الثَّوْبَ فِي عُنُقِي تَقُولُ كَلَّا وَالَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَا يُعْطِيكَهُمْ

کپڑا ڈال کر کہنے لگیں' قطعاً نہیں۔ اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ درخت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں نہیں دیں گے۔ یہ درخت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے عنایت فرما چکے ہیں۔

وَقَدْ أَعْطَانِيهَا أَوْ كَمَا قَالَتْ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَكِ كَذَا وَتَقُولُ كَلَّا وَاللهِ

یا اسی طرح کے کوئی الفاظ کہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم مجھ سے اس کے بدلے میں اتنے لے لو۔ لیکن وہ اب بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ قطعاً نہیں، اللہ کی قسم!

حَتَّى أَعْطَاهَا حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ عَشَرَةَ أَمْثَالِهِ أَوْ كَمَا قَالَ

یہاں تک کہ آپ نے انہیں، میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس کا دس گنا دینے کا وعدہ فرمایا یا اسی طرح کے الفاظ انس رضی اللہ عنہ نے کہے

روایت کا پس منظر

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد انصار نے یہ طے کیا تھا کہ اپنے باغ کے مثلاً ایک، دو یا تین درخت مقرر کر لئے کہ ان تین درختوں کی جو پیداوار ہوگی، یہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یا اپنے مہاجر بھائی کو پیش کیا کریں گے، یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنونضیر اور بنوقریظہ کے علاقوں کو فتح کر لیا، جب یہ علاقے فتح

ہو گئے اور بنونضیر اور بنوقریظہ کے باغات مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے تو مہاجرین خود کفیل ہو گئے، اب انہیں انصار کے مالی تعاون کی ضرورت نہیں رہی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ درخت ان کو واپس کرنے لگے کہ اب ہمیں ان کی ضرورت نہیں رہی، اللہ تعالیٰ نے ہمیں مالِ غنیمت عطا فرما دیا ہے، جو ہمارے لئے کافی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے گھر والوں نے مجھ سے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جاؤں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن درختوں کی یا ان میں سے کچھ درختوں کی واپسی کی درخواست کروں، جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ درخت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دے دیئے تھے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضنہ تھیں اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش فرمائی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقتاً فوقتاً حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے، ان کا نام برکہ بنت ثعلبہ ہے، حضرت ایمن رضی اللہ عنہ ان کے بیٹے تھے جو ان کے شوہر عبید بن زید سے پیدا ہوئے، حضرت ایمن رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی سعادت اور غزوۂ خیبر میں شرف شہادت حاصل ہے، عبید بن زید کے بعد حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبنیٰ اور مشہور صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا اور ان سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔

بہرحال جب حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں درختوں کی واپسی کے لئے حاضر ہوئے تو ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی آ گئیں، **فَجَعَلَتِ الثَّوْبَ فِيْ عُنُقِيْ** اور وہ کپڑا میری گردن میں ڈال رہی تھیں (یعنی انس رضی اللہ عنہ کی گردن میں) اور کہتی تھیں، ہرگز نہیں، اللہ کی قسم **لَا يُعْطِيْكَهُمْ وَقَدْ أَعْطَانِيْهَا** حضور تمہیں یہ درخت نہیں دیں گے، جبکہ وہ مجھے یہ درخت دے چکے ہیں، **وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَكِ كَذَا** نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں مسلسل کہہ رہے تھے کہ اماں تم ان کو درخت واپس کردو میں اس کے بدلے تمہیں اتنے درخت دے دیتا ہوں، **وَتَقُوْلُ كَلَّا وَاللهِ** اور وہ کہہ رہی تھیں نہیں، ہرگز نہیں! میں یہ درخت واپس نہیں کروں گی، **حَتّٰى أَعْطَاهَا** یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُم ایمن رضی اللہ عنہا کو درخت دیئے، **حَسِبْتُ أَنَّهُ** راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: **عَشَرَةَ أَمْثَالِهِ** کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دس گنا زیادہ درخت دیئے، **أَوْ كَمَا قَالَ** یا اس جیسا کچھ فرمایا۔ تب جا کر اُم ایمن رضی اللہ عنہا راضی ہوئیں، پھر انہوں نے وہ درخت واپس کئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے درخت لے کر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو واپس کئے۔

ہبہ یا عاریت؟

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انصار نے مہاجرین کو جو درخت دیئے تھے، وہ ہبہ تھے یا عاریت؟ حافظ ابن حجر،

علامہ عینی اور اکثر محدثین رحمۃ اللہ علیہم کا خیال ہے کہ یہ بطور عاریت تھے اور عاریت کا حکم یہ ہے کہ جس کو کوئی چیز بطور عاریت دی جائے وہ اس کا مالک نہیں بنتا بلکہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد اس کو واپس کرنا لازم ہوتا ہے، چنانچہ یہ درخت بھی عاریتاً تھے اور عاریت ہونے کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو استعمال کیا، پھر جب ان کی ضرورت پوری ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ذاتی باغات عطا فرمادیئے تو انہوں نے وہ درخت واپس کردیئے۔ اکثر محدثین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

روایت مذکورہ سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انصار نے یہ درخت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہبہ کے طور پر پیش کئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو بھی بطور ہبہ دیئے تھے، اب ان کو واپس کیا جارہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ رجوع فی الھبۃ جائز ہے جو حنفیہ کا مذہب ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ عاریت تھی تو عاریت کو آگے ہبہ کیسے کیا؟ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو یہ ہبہ کئے تھے، اگر آپ یوں کہیں گے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو بھی عاریتاً دیئے گئے تھے تو یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اگر ان کو یہ عاریت کے طور پر ہی دئے گئے تھے تو پھر انہوں نے واپس کرنے سے انکار کیوں کیا؟ ان کا انکار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ہبہ تھا اور ہبہ کرکے واپس لینا یہ دلیل اس بات کی دلیل ہے کہ رجوع فی الھبۃ جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ بڑا اہم اور مشہور مسئلہ ہے کہ رجوع فی الھبۃ جائز ہے یا نہیں؟ تو دیانۃً کسی امام کے نزدیک بھی رجوع فی الھبۃ جائز نہیں ہے، البتہ حنفیہ کے نزدیک قضاءً جائز ہے جبکہ رجوع فی الھبۃ کے لئے موانع نہ پائے جائیں، لیکن باقی علماء کے نزدیک رجوع فی الھبۃ کسی صورت بھی جائز نہیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے انصار کے اس طرح درخت دینے کو ہبہ قرار دیا اور ان کے واپس وصول کرنے سے رجوع فی الھبۃ کا جواز ثابت فرمایا۔

ترجیح راجح

لیکن حقیقت میں اسے رجوع فی الھبۃ کہنا مشکل ہے، بظاہر یہ عاریت ہی معلوم ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

❶ ایک تو رجوع فی الھبۃ کوئی اچھی چیز نہیں ہے، روایت میں اس کے بارے میں سخت الفاظ وارد ہوئے ہیں: کمثل الکلب یعود فی قیئہ۔

❷ دوسری بات یہ کہ اگر وہ ہبہ ہی تھا اور انصار نے وہ درخت ہبہ کے طور پر آپ کو دے دیئے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ درخت بطور ہبہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دے دیئے تھے، تو اُم ایمن سے جو درخت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپس لیے وہ دراصل رجوع فی الھبۃ نہیں تھا بلکہ شراء جدید تھی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت کے بدلے میں انہیں دس

درخت عطا کیے تھے، اگر یہ رجوع فی الهبة ہوتا تو یہ زائد چیز کیسے دی گئی؟ لہٰذا یہ شراء جدید تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آگے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو واپس دینا، یہ هبة مبتدأة تھا۔

اس لیے بہتر تو یہی ہے کہ اسے عاریت قرار دیا جائے، جیسے حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور دوسرے محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے اختیار کیا، اور اگر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ والا قول ہی لیا جائے کہ یہ ہبہ تھا، تو پھر یہ قول اختیار کرنا ہوگا کہ یہ رجوع فی الهبة نہیں تھا، بلکہ شراء جدید اور هبة مبتدأة کا معاملہ تھا، تاکہ رجوع فی الهبة کی قباحت لازم نہ آئے۔

حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ قَالَ

سَمِعْتُ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ نَزَلَ أَهْلُ قُرَيْظَةَ عَلٰى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو قریظہ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ثالث مان کر ہتھیار ڈال دیئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى سَعْدٍ فَأَتٰى عَلٰى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ

انہیں بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا، وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے، جب وہ نماز کی جگہ کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ اپنے سردار کے لیے

لِلْأَنْصَارِ قُوْمُوْا إِلٰى سَيِّدِكُمْ أَوْ خَيْرِكُمْ فَقَالَ هٰؤُلَاءِ نَزَلُوْا عَلٰى حُكْمِكَ فَقَالَ تُقْتَلُ

کھڑے ہو جاؤ، یا فرمایا اپنے بہترین شخص کے لیے کھڑے ہو جاؤ، پھر آپ نے فرمایا کہ بنو قریظہ نے تم کو ثالث مان کر ہتھیار ڈال دیئے ہیں، چنانچہ حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ

مُقَاتِلَتُهُمْ وَ تُسْبٰى ذَرَارِيُّهُمْ قَالَ قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللهِ وَ رُبَّمَا قَالَ بِحُكْمِ الْمَلِكِ

جنگ کے قابل لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا جائے، آپ نے فرمایا کہ تم نے اللہ کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا یا فرمایا کہ جیسے تم نے بادشاہوں جیسا فیصلہ کیا۔

یہ بات پہلے بیان کی جاچکی کہ بنو قریظہ کا معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلۂ اوس کی درخواست پر ان کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا تھا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو فیصلہ کریں گے اسے نافذ کیا جائے گا، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس وقت زخمی تھے، غزوۂ خندق میں ان کو ایک تیر لگا تھا، جس سے وہ سخت زخمی ہو گئے تھے اور خون کسی طرح بند نہیں ہو رہا تھا، ایک جگہ سے خون بند کیا جاتا، دوسری جگہ ورم ہو جاتا اور وہاں سے خون نکل آتا، وہاں سے بند کرتے تو کچھ دیر بعد تیسری جگہ سے خون پھوٹ پڑتا، ایسی حالت میں ان کو بنو قریظہ کا فیصلہ کرنے کے لیے بلایا گیا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان باغیوں میں جتنے بالغ لوگ قتال کرنے والے ہیں، ان کو قتل کر دیا جائے اور باقی مردوں، عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے اور ان کے تمام اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے فیصلے کو پسند اور قبول فرمایا اور فرمایا: **قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللهِ وَرُبَّمَا قَالَ بِحُكْمِ الْمَلِكِ** کہ تم نے وہ فیصلہ کیا ہے، جو اللہ کا فیصلہ تھا، یا یہ فرمایا کہ تم نے مَلِكِ (یعنی بادشاہ) کا فیصلہ کیا ہے، بادشاہ سے بھی مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہیں اور اگر مَلَكِ (فرشتہ) پڑھا جائے تو اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں گے کہ تم نے وہ فیصلہ کیا، جو جبرئیل امین علیہ السلام کا فیصلہ تھا۔

فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْمَسْجِدِ: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے، یہ درست نہیں، بلکہ یہاں

مسجد سے نماز کی وہ عارضی جگہ مراد ہے جو محاصرے کے دوران حضور اقدس ﷺ نے دیار بنی سلمہ میں نماز کی ادائیگی کے لئے بنائی تھی، یہ جگہ بنوقریظہ کے قریب تھی، بنوقریظہ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر آباد تھے۔

قَالَ لِلأَنْصَارِ قُوْمُوْا إِلَى سَيِّدِكُمْ: یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟ کسی کے استقبال کے لیے قیام کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں جن میں صرف ایک صورت یعنی قیام تعظیمی کے حکم میں اختلاف ہے باقی صورتوں کا حکم واضح اور متفق علیہ ہے۔

① پہلی صورت یہ ہے کہ سردار بیٹھا ہوا ہو اور حاضرین اس کی تعظیم وتکریم میں مسلسل مجلس میں کھڑے رہیں، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ یہ عجمیوں کی متکبرانہ اور جاہلانہ رسم ہے۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ آنے والے کے دل میں تکبر اور بڑائی ہو جس کی وجہ سے وہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے۔

③ تیسری صورت یہ ہے کہ آنے والے کے دل میں تکبر اور بڑائی تو نہ ہو، تاہم یہ ڈر ہو کہ لوگوں کے کھڑے ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں تکبر پیدا ہوگا ایسے شخص کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

④ چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی کی آمد پر خوشی اور مسرت کی وجہ سے انسان اس کے استقبال کے لیے کھڑا ہو جائے، یہ صورت نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب اور مندوب ہے اور اس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔

⑤ پانچویں صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی نعمت ملی ہے، اس شخص کو اس نعمت پر مبارکباد دینے کے لیے آدمی کھڑا ہو، یہ صورت بھی مستحب اور مندوب ہے۔

⑥ چھٹی صورت یہ ہے کہ کسی پر کوئی مصیبت آئی ہے، اس کی تسلی کے لیے کوئی کھڑا ہوگیا تو یہ بھی مستحب ومندوب ہے۔

⑦ ساتویں صورت یہ ہے کہ آنے والے کے اکرام میں کوئی آدمی کھڑا ہو رہا ہے، یہ ساتویں صورت مختلف فیہ ہے، اس میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں جبکہ بعض حضرات عدم جواز کے قائل ہیں۔لیکن قول فیصل یہ ہے کہ اہل کرم اور اہل فضل کے احترام میں کھڑے ہونے کی نہ صرف یہ کہ اجازت ہے بلکہ بہتر اور افضل ہے، لیکن یہ اجازت دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔

① ایک یہ کہ جس کے لئے کھڑے ہو رہے ہیں اس کے دل میں یہ طلب نہ ہو کہ لوگ میرے لئے کھڑے ہوں، اگر اس کے دل میں یہ خواہش ہے تو پھر کھڑا ہونا جائز نہیں۔

② دوسری شرط یہ ہے کہ کھڑے ہونے والے کے دل میں اس قیام سے اکرام کا داعیہ ہو، اگر دل میں اس کے اکرام کا داعیہ نہیں، بلکہ محض ریاء اور تملق کی بنا پر کھڑا ہو رہا ہے تو یہ صورت بھی جائز نہیں ہوگی۔

حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ رَمَاهُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ يُقَالُ لَهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر سعد بن معاذ زخمی ہو گئے تھے۔ قریش کے ایک کافر شخص جسے حبان بن عرقہ کہا جاتا تھا

حِبَّانُ بْنُ الْعَرِقَةِ رَمَاهُ فِي الْأَكْحَلِ فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ

اس نے ان پر تیر چلایا تھا اور وہ ان کے بازو کی رگ اکحل میں آ کے لگا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے مسجد میں ایک خیمہ لگا دیا تھا

لِيَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ فَلَمَّا رَجَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَنْدَقِ وَضَعَ السِّلَاحَ

تاکہ قریب سے ان کی عیادت کرتے رہیں۔ پھر جب آپ ﷺ غزوۂ خندق سے واپس ہوئے اور ہتھیار رکھ کر غسل کیا

وَاغْتَسَلَ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ يَنْفُضُ رَأْسَهُ مِنَ الْغُبَارِ فَقَالَ قَدْ وَضَعْتَ السِّلَاحَ

تو جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے، وہ اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ نے ہتھیار رکھ دیئے۔

وَاللهِ مَا وَضَعْتُهُ اُخْرُجْ إِلَيْهِمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَيْنَ فَأَشَارَ إِلَى بَنِي قُرَيْظَةَ

اللہ کی قسم! ابھی میں نے ہتھیار نہیں اتارے ہیں۔ آپ ان کی طرف نکلیں نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کس طرف؟ تو انہوں نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔

فَأَتَاهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلُوا عَلَى حُكْمِهِ فَرَدَّ الْحُكْمَ إِلَى سَعْدٍ قَالَ فَإِنِّي

آپ ﷺ بنو قریظہ تک پہنچے (اور پندرہ دن کے سخت محاصرہ کے بعد) سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ثالث مان کر ہتھیار ڈال دیئے۔ آپ ﷺ نے حضرت سعدؓ کو فیصلے کا اختیار دیا۔

أَحْكُمُ فِيهِمْ أَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ وَأَنْ تُسْبَى النِّسَاءُ وَالذُّرِّيَّةُ وَأَنْ تُقْسَمَ أَمْوَالُهُمْ قَالَ هِشَامٌ

سعدؓ نے کہا کہ میں ان کے بارے میں فیصلہ کرتا ہوں کہ جتنے لوگ ان کے جنگ کرنے کے قابل ہیں وہ قتل کر دیئے جائیں اور ان کی عورتیں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کا مال

فَأَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ سَعْدًا قَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ أَحَبَّ

تقسیم کر لیا جائے۔ ہشام فرماتے ہیں کہ پھر مجھے میرے والد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے خبر دی کہ سعدؓ نے یہ دعا کی تھی" اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ اس سے زیادہ

إِلَيَّ أَنْ أُجَاهِدَهُمْ فِيكَ مِنْ قَوْمٍ كَذَّبُوا رَسُولَكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخْرَجُوهُ اللّٰهُمَّ فَإِنِّي

مجھے کوئی چیز عزیز نہیں کہ میں تیرے راستے میں اس قوم سے جہاد کروں جس نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور انہیں ان کے وطن سے نکالا اے اللہ اب ایسا معلوم ہوتا ہے

أَظُنُّ أَنَّكَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَإِنْ كَانَ بَقِيَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَيْءٌ فَأَبْقِنِي لَهُ

کہ تو نے ہماری اور ان کی لڑائی ختم کر دی ہے۔ تو اگر قریش سے ہماری لڑائی کا کوئی بھی سلسلہ ابھی باقی ہو تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھنا،

حَتّٰى أُجَاهِدَهُمْ فِيكَ وَإِنْ كُنْتَ وَضَعْتَ الْحَرْبَ فَافْجُرْهَا وَاجْعَلْ مَوْتَتِي فِيهَا فَانْفَجَرَتْ مِنْ

یہاں تک کہ میں تیرے راستے میں ان سے جہاد کروں اور اگر لڑائی کے سلسلے کو تو نے ختم ہی کر دیا ہے تو میرے زخموں کو پھر سے ہرا کر دے اور اسی میں میری موت واقع کر دے۔ اس دعا

لَبَّتِهِ فَلَمْ يَرُعْهُمْ وَفِي الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ إِلَّا الدَّمُ يَسِيلُ إِلَيْهِمْ فَقَالُوا يَا أَهْلَ

کے بعد ان کے سینے پر کا زخم پھر سے تازہ ہو گیا۔ مسجد میں قبیلہ بنو غفار کے کچھ صحابہ کا بھی ایک خیمہ تھا۔ جب خون ان کی طرف بہہ کر آیا تو وہ گھبرائے اور انہوں نے کہا: اے خیمہ والو!

الْخَيْمَةِ مَا هٰذَا الَّذِي يَأْتِينَا مِنْ قِبَلِكُمْ فَإِذَا سَعْدٌ يَغْذُو جُرْحُهُ دَمًا فَمَاتَ مِنْهَا

تمہاری طرف سے یہ خون ہماری طرف بہہ کر آ رہا ہے؟ دیکھا تو سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا، ان کی وفات اسی میں ہوئی۔

أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ خندق کے دن زخمی ہوئے، قریش کے ایک آدمی نے ان کو تیر مارا تھا۔ اس روایت سے بعض مستشرقین کے اس دعوے کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تیر مارنے والے کا تعلق بنو قریظہ سے تھا اور اسی کے انتقام کے لئے (نعوذ باللہ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بنوقریظہ کے خلاف اتنا سخت فیصلہ کیا۔تو مستشرقین کا یہ دعویٰ صراحتاً یہاں رد ہو رہا ہے کہ یہاں صراحت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تیر مارنے والا حبان بن عرقہ تھا جس کا تعلق قریش سے تھا۔

قَالَ هِشَامٌ فَأَخْبَرَنِيْ أَبِيْ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: یہ تعلیق نہیں ہے بلکہ ماقبل سند کے ساتھ متصل ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ مجھے کوئی چیز اس بات سے زیادہ محبوب نہیں کہ میں آپ کی ذات کے لیے اُن لوگوں سے جہاد کروں، جنھوں نے آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا ہے اور انہیں مکہ مکرمہ سے نکالا ہے،یعنی مجھے سب چیزوں میں جہاد سب سے زیادہ محبوب ہے اور میں اس قوم قریش سے جہاد کرنا چاہتا ہوں،جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیفیں پہنچائیں اور انہیں مکہ مکرمہ سے نکالا۔

پھر آگے فرمایا کہ اے اللہ! میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کو موقوف کر دیا ہے،یعنی بظاہر اب جنگ ختم ہوگئی ہے،اب قریش کے مشرکین کبھی مدینہ منورہ پر حملہ نہیں کریں گے۔یہ وہی بات تھی، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی غزوۂ خندق کے اختتام پر ارشاد فرمائی تھی کہ **الان نغزوهم ولا يغزوننا نحن نسير إليهم**۔تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ! میرا یہ خیال ہے کہ آپ نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کو ختم کر دیا ہے، اب بھی اگر قریش کی جنگ میں سے کوئی بھی جنگ باقی ہے **فَأَبْقِنِيْ لَهُ حَتّٰى أُجَاهِدَهُمْ فِيْكَ** تو آپ مجھے ان کے لیے زندہ رکھیے، یہاں تک کہ میں ان لوگوں سے آپ کی رضا کے لیے جہاد کروں لیکن اگر آپ نے جنگ کو ختم کر دیا ہے، **فَافْجُرْهَا** تو اس زخم کو کھول دیجیے، **وَاجْعَلْ مَوْتَتِيْ فِيْهَا** اور اس میں میری موت مقدر فرما دیجیے۔

فَانْفَجَرَتْ مِنْ لَّبَّتِهٖ چنانچہ وہ زخم ان کے **لبۃ** سے کھل گیا، **لبۃ** حلق کے گڑھے کی جگہ کو کہتے ہیں، اگرچہ وہ تیر ہاتھ کے اوپر یا ہاتھ کی شہ رگ میں لگا تھا مگر اس کا ورم ہوتے ہوتے حلق تک آ گیا تھا، وہاں سے یہ خون نکلا۔حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے خیمے کے ساتھ بنوغفار کے لوگوں کا ایک خیمہ تھا، انہوں نے دیکھا کہ یہ قریب کے خیمے سے کچھ بہتا ہوا آ رہا ہے، دیکھا تو وہ خون تھا، انہوں نے کہا کہ یہ خون کہاں سے آ رہا ہے!؟ قریب جا کر دیکھا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کے زخم سے یہ خون بہہ رہا تھا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: یہاں کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو دعا کی تھی وہ شاید قبول نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے دعا کی تھی کہ اگر قریش کے ساتھ جنگ کا کوئی سلسلہ باقی ہو تو مجھے زندہ رکھئے جبکہ فتح مکہ کے موقع پر قریش کے ساتھ جنگ ہوئی ہے لیکن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس زخم کی وجہ سے اسی وقت انتقال فرما گئے تھے؟

1. اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ہر دعا کا دنیا میں قبول ہونا ضروری نہیں ہے، بعض دعائیں دنیا میں قبول نہیں ہوتیں بلکہ اللہ ان کو آخرت کی ترقی کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔

❷ لیکن اس سے بہتر بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اس دعا سے مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی ایسی جنگ ہو جس میں قریش مسلمانوں پر اقدام کریں گے تو ایسی جنگ کے لئے مجھے باقی رکھئے، جبکہ فتح مکہ کے موقع پر قریش نے اقدام نہیں کیا تھا بلکہ مسلمانوں نے اقدام کیا تھا اور اس میں بھی قریش کے ساتھ کسی زبردست جنگ کی نوبت بھی نہیں آئی تھی بلکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ماتحت مسلمانوں کی ایک جماعت کو کفار کی معمولی سی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس لئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں قبول فرمائی اور ان کو اپنی طرف بلالیا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک حاکم کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو ان کے لئے آسمان کے تمام دروازے کھولے گئے اور ان کی روح کی آمد سے فرشتے بڑے خوش ہوئے اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البداية و النهاية میں نقل کیا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے آسمان سے آئے جو اس سے پہلے کبھی آسمان سے نازل نہیں ہوئے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت سے اللہ تعالیٰ کا عرش ہل گیا۔

تصحیح تاریخ غزوات

یہ واقعہ ذوالقعدہ سن ۵ ہجری میں پیش آیا، اس سے پہلے شوال ۵ ہجری میں غزوۂ خندق ہوا، اس کے فوراً بعد غزوۂ بنوقریظہ ہوا، جس میں بیس دن سے زائد محاصرہ جاری رہا، بالآخر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فیصلہ صادر فرمایا اور اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال اور شہادت واقع ہوگئی، البتہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے انتقال اور غزوۂ خندق سے قبل شعبان سن ۵ ہجری میں غزوۂ مریسیع ہوا اور اس میں حدیث افک کا واقعہ پیش آچکا تھا، جس میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پُرجوش کلمات کا ذکر ہے، لہٰذا بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال حدیث افک سے پہلے ہو چکا تھا اور حدیث افک میں ان کا ذکر وہم ہے، یہ بات درست نہیں ہے، جیسا کہ آگے حدیث افک میں ان شاء اللہ اس کا ذکر آرہا ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيٌّ

أَنَّهُ سَمِعَ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَسَّانَ اهْجُهُمْ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مشرکین کی ہجو کر یا (اس کے بجائے)

أَوْ هَاجِهِمْ وَ جِبْرِيلُ مَعَكَ

هَاجِهِمْ فرمایا جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں

وَزَادَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ
حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر

لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اهْجُ الْمُشْرِكِينَ فَإِنَّ جِبْرِيلَ مَعَكَ
حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ مشرکین کی ہجو کرو جبرئیل تمہاری مدد پر ہیں

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : یہ جو قریظہ والے دن کا ذکر ہے، یہ قید احترازی نہیں ہے کہ قریظہ والے دن ہی کہا تھا، اس سے پہلے نہیں کہا تھا، وجہ یہ ہے کہ اشعار کا یہ سلسلہ تو بہت پہلے سے ہجرت کے کچھ عرصہ بعد ہی شروع ہو چکا تھا، لہٰذا یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ قید واقعی یا قید اتفاقی ہے کہ قریظہ والے دن بھی آپ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اشعار کہنے کی تاکید کی تھی۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جب مشرکین مکہ کی ہجو کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں بھی قریش سے تعلق رکھتا ہوں لہٰذا اگر کوئی قبیلہ قریش کی ہجو کرے گا، تو نبی کریم ﷺ بھی تو قبیلہ قریش کے ہیں، اسی طرح ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضی، عشرہ مبشرہ اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم یہ سب قریش کے ہیں، تو وہ بھی اس ہجو کی زد میں آجائیں گے؟ تو جواب میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے وہ مشہور جملہ عرض کیا کہ لا سلنک منهم کما تسل الشعرة من العجين یا رسول اللہ! میں آپ کو ان میں سے اس طریقے سے علیحدہ کر کے نکال لوں گا، جیسے آٹے میں سے بال کو نکال لیا جاتا ہے۔

جب حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ عرض کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اچھا پھر ایسا ہے کہ تم ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) سے مدد لو، فإنه نسابة العرب کیونکہ وہ عربوں کے نسب کو خوب جاننے والے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مدد کرتے تھے اور انہیں یہ بتاتے رہتے تھے کہ ہجو کہاں تک کرنی ہے اور کہاں نہیں کرنی ہے؟ کس کی ہجو کرنی ہے اور کس کی نہیں کرنی؟ ایسا نہ ہو کہ ہجو کرتے کرتے تم نبی کریم ﷺ تک پہنچ جاؤ، یا کسی ایسے آدمی کی ہجو کرنا شروع کر دو، جس کا تعلق کبار صحابہ کے آباء واجداد سے ہے، چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رہنمائی میں انتہائی محتاط اور عمدہ اشعار کہے، جو کافروں کے لیے تیر سے زیادہ تیز تھے اور مسلمانوں کا اس میں بھرپور دفاع تھا۔

اسی لیے کتابوں میں لکھا ہے کہ جب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ہجو کرنا شروع کی اور ہجو کے اشعار مکہ مکرمہ پہنچے تو مکہ میں ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بھی تھے، جن کے بارے میں پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، یہ بڑے شاعر تھے اور انہوں نے مسلمانوں کی بدترین ہجو کی ہے، البتہ بعد میں فتح مکہ سے ذرا پہلے

مسلمان ہو گئے تھے۔ بہر حال جب ابوسفیان بن حارث کے پاس حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار پہنچے جن میں قریش کی ہجو کی گئی تھی، مگر ساتھ ہی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی کے نسب پر بھی کوئی حرف نہیں آتا تھا تو ابوسفیان بن حارث یہ اشعار سن کر کہنے لگا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حسان بن ثابت کے پیچھے ابوبکر ہے، وہ سمجھ گئے کہ یہ جو ہجو ہو رہی ہے، یہ بڑی نپی تلی ہو رہی ہے، فلاں کی ہو رہی ہے اور فلاں کی نہیں ہو رہی۔ اب یہ ساری باتیں حسان رضی اللہ عنہ کو تو معلوم نہیں تھیں، کیونکہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ تو مدینہ کے رہنے والے تھے، ان کا تو اہل مکہ سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا، یہ ساری باتیں اگر معلوم تھیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھیں، اس لیے ابوسفیان بن حارث کو جب اشعار پہنچے تو انہوں نے کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کے پیچھے ابوقحافہ کا بیٹا ہے اور وہ اس کو ہدایت دے رہا ہے کہ کس طرح ہجو کرنی ہے؟ اور کس کی کرنی ہے اور کس کی نہیں کرنی۔

بَابُ غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ

باب: غزوۂ ذات الرقاع کا بیان

وَهِيَ غَزْوَةُ مُحَارِبِ خَصَفَةَ مِنْ بَنِي ثَعْلَبَةَ مِنْ غَطَفَانَ فَنَزَلَ نَخْلًا وَّهِيَ بَعْدَ خَيْبَرَ لِأَنَّ أَبَا مُوسَى جَاءَ بَعْدَ خَيْبَرَ

یہ جنگ محارب بنوخصفہ سے ہوئی تھی جن کا تعلق بنوثعلبہ سے تھا، جو غطفان قبیلہ کی ایک شاخ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں مقام نخل پر پڑاؤ کیا تھا، یہ غزوۂ خیبر کے بعد واقع ہوا کیونکہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر کے بعد حبشہ سے مدینہ آئے تھے

غزوۃ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ: رقاع رقعۃ کی جمع ہے پٹی اور چیتھڑے کو کہتے ہیں، اس غزوہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

❶ ایک بات اس سلسلہ میں یہ کہی گئی کہ چونکہ اس غزوہ میں زیادہ چلنے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے، جس کی وجہ سے انہوں نے کپڑے کی پٹیاں اور چیتھڑے پاؤں پر لپیٹ لئے تھے، اس لئے اس غزوہ کو غزوۃ ذات الرقاع کہتے ہیں، چنانچہ اسی باب میں آگے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے، اس میں ہے فسميت غزوة ذات الرقاع لما كنا نعصب من الخرق على ارجلنا۔

❷ بعض حضرات نے کہا کہ اس کو غزوۃ ذات الرقاع اس لئے کہا جاتا ہے کہ انهم رقعوا راياتهم یعنی اس غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رنگا رنگ کپڑوں کے جھنڈے بنائے تھے۔

❸ واقدی اور ابن سعد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے جس میں مختلف رنگوں کے نشانات ہیں چونکہ اس غزوہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام فرمایا تھا، اس لئے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑ گیا۔

④ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس غزوہ کا نام ذات الرقاع اس لئے رکھا گیا کہ ان کے گھوڑے مختلف رنگوں کے تھے، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تصحیف پر مبنی ہے انہوں نے جبل کو خیل پڑھ لیا ہے۔

⑤ بعض علماء مالکیہ نے اس غزوہ کے نام کی ایک عجیب وجہ بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس کو ذات الرقاع اس لئے کہا گیا کیونکہ مسلمانوں نے اس غزوہ میں صلوۃ الخوف ادا کی تھی اور نماز دو ٹکڑوں اور حصوں میں پڑھی گئی تھی، اس لئے اسے غزوۃ ذات الرقاع کہتے ہیں۔

یہ مختلف اقوال ہیں، لیکن ان میں دو اقوال راجح قول ہیں: ① ایک یہ ہے کہ جہاں یہ غزوہ ہوا تھا، وہاں ایک پہاڑ تھا، جس کا نام ذات الرقاع تھا۔ ② دوسرا یہ قول کہ چونکہ اس غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں چلتے چلتے زخمی ہو گئے تھے اور انہوں نے کپڑوں کی دھجیاں اپنے پاؤں پر لپیٹ لی تھیں، اس لیے اسے غزوۃ ذات الرقاع کہا گیا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تمام توجیہات میں کوئی تعارض نہیں، ان تمام اسباب اور وجوہ کی بناء پر اس غزوہ کا یہ نام پڑ گیا ہے۔ واللہ اعلم

غزوۃ ذات الرقاع کا سبب: اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ غطفان کے دو قبیلے بنو محارب اور بنو ثعلبہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کر رہے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر نجد کی طرف پیش قدمی کی، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

وھی غزوۃ محارب خصفة: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں دو دعوے کئے ہیں، ایک یہ کہ غزوۃ ذات الرقاع غزوۂ خیبر کے بعد ہے اور دوسرا دعوی یہ کیا ہے کہ غزوۃ ذات الرقاع اور غزوۃ محارب خصفة دونوں ایک ہی غزوہ ہیں، اور اس باب کے آخر تک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو دعووں کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

محارب لڑنے والے کو کہتے ہیں، مختلف بڑے قبائل میں جو چھوٹا قبیلہ اور لڑنے والی جماعت ہوتی تھی، اس کو محارب کہا جاتا تھا، چنانچہ عرب کے ایک بڑے قبیلے غطفان کی جو لڑنے والی جماعت تھی، اسے محارب خصفة کہا جاتا تھا۔ اب چونکہ مختلف قبائل میں محارب نام کی کئی کئی جماعتیں تھیں، اس لیے راوی نے اس کی شناخت کرتے ہوئے کہا: وھی غزوۃ محارب خصفة یعنی یہ محارب خصفة کا غزوہ تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس غزوہ میں قبیلہ غطفان کی جنگجو جماعت محارب خصفة سے جنگ کی تھی۔

من بنی ثعلبة من غطفان: یہاں من بنی ثعلبة کا لفظی مطلب یہ ہے کہ یہ محارب خصفة بنی ثعلبہ قبیلے کی شاخ تھی، لیکن تمام شراح اس پر متفق ہیں کہ یہ جملہ صحیح نہیں ہے اور اس میں راوی کو وہم ہوا ہے۔

اس وہم کی وجہ یہ ہے کہ محارب خصفة اور ثعلبہ یہ دونوں غطفان کی شاخیں ہیں، چنانچہ آگے عبارت میں آرہا

ہے: وقال بکر بن سوادة حدثنی زیاد بن نافع عن أبی موسی أن جابرا حدثهم صلی النبی صلی الله علیه وسلم بهم یوم محارب وثعلبة کہ جنگ محارب خصفة اور بنوثعلبہ سے تھی، جو دونوں قبیلہ غطفان کی شاخیں ہیں جبکہ محارب خصفة من بنی ثعلبة کا مطلب یہ ہوگا کہ محارب خصفة سے جنگ ہوئی جو کہ بنوثعلبہ کی شاخ ہے، حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے، اس لیے صحیح تعبیر یہ ہونی چاہیے وهی غزوة محارب خصفة وبنی ثعلبة یعنی یہ غزوہ ہے محارب خصفة کا اور بنوثعلبہ کا، گویا من کی جگہ میں و ہونا چاہئے، البتہ آگے من غطفان اپنی جگہ میں صحیح ہے، کیونکہ محارب خصفة اور بنوثعلبہ یہ دونوں غطفان کی شاخیں تھیں۔

فنزل نخلا: جب آپ ﷺ غزوة ذات الرقاع کے لئے تشریف لے گئے تو مقام نخل میں آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا، اس جگہ کو بطن نخل بھی کہتے ہیں اور یہ جگہ بلاد غطفان میں واقع ہے اور مدینہ منورہ سے دو دن کے فاصلے پر ہے، غالباً یہاں کھجور کے درخت کثرت سے تھے، اس لئے اس جگہ کو نخل کہا جانے لگا۔

غزوة ذات الرقاع کی تاریخ وقوع میں اختلاف: اس غزوہ کی تاریخ وقوع میں اہل سیر کا اختلاف ہے۔

❶ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ غزوۂ بنی نضیر کے بعد اور غزوۂ خندق سے پہلے جمادی الاولیٰ ۴ھ میں پیش آیا۔

❷ ابن سعد اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہ غزوہ محرم سن ۵ ہجری میں پیش آیا ہے۔

❸ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ غزوہ سن ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا ہے اور اس بات کو امام بخاریؒ نے دلائل سے ثابت کیا ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وهی بعد خیبر لان ابا موسیٰ جاء بعد خیبر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اس غزوہ میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ شریک تھے جیسا کہ خود ان کی روایت اس باب میں آرہی ہے اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فتح خیبر کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے تھے، لہٰذا غزوة ذات الرقاع میں ان کی شرکت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ غزوۂ خیبر کے بعد واقع ہوا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا استدلال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جو آگے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً ذکر کی ہے، لیکن ابوداؤد، نسائی، طحاوی، مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت موصولا منقول ہے جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی غزوة ذات الرقاع میں شرکت کا بیان ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بالاتفاق غزوۂ خیبر کے بعد آئے ہیں، غزوة ذات الرقاع میں ان کی شرکت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا ہے۔

اشکال: لیکن اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غزوة ذات الرقاع غزوۂ خیبر کے بعد واقع ہوا ہے تو پھر انہوں نے اسے غزوۂ خیبر سے پہلے کیوں ذکر کیا؟

❶ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غزوۃ ذات الرقاع کو خیبر سے پہلے ذکر کر کے تاریخ وقوع میں عام اہل سیر کی بات تسلیم کرنے کی طرف اشارہ کیا۔

❷ دوسری وجہ یہ لکھی گئی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں بلکہ ان سے صحیح بخاری کی روایت کرنے والے بعد کے راویوں نے اس کو خیبر سے پہلے ذکر کیا۔

❸ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دراصل ایک اختلاف کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، وہ اختلاف یہ ہے کہ غزوۃ ذات الرقاع سے متعلق روایتیں مختلف ہیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا ہے، جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا، البتہ بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوۂ خیبر سے پہلے یعنی سن ۵ ہجری میں غزوۂ خندق کے بعد یا اس سے ذرا پہلے پیش آیا ہے۔ اب جو حضرات غزوۃ ذات الرقاع کے سن ۵ ہجری میں واقع ہونے کے قائل ہیں، وہ اس غزوہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی شرکت کے بارے میں یہ جواب دیتے ہیں کہ بسا اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب یوں کہتے ہیں کہ ہم فلاں واقعے میں شریک تھے تو وہاں ان کی اپنی ذات مراد نہیں ہوتی بلکہ جماعت صحابہ مراد ہوتی ہے، چنانچہ غزوۃ ذات الرقاع کے بارے میں ابو موسیٰ اشعری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے جو ذکر فرمایا ہے، یہاں ان کی اپنی ذات مراد نہیں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت مراد ہے۔

اس بارے میں راجح قول یہ ہے، جیسا کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علمائے محققین نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ دراصل غزوۃ ذات الرقاع دو ہوئے ہیں۔ ایک غزوۃ ذات الرقاع سن ۵ ہجری میں اور ایک غزوۃ ذات الرقاع غزوۂ خیبر کے بعد سن ۷ ہجری میں ہوا ہے۔ یہ قول اس لیے راجح ہے کہ اس طرح دو متعارض نصوص کے درمیان تطبیق بھی ہو جاتی ہے، کیونکہ مسلم شریف کی روایت میں غزوۃ ذات الرقاع کے بارے میں آتا ہے: کان فیه قتال شدید کہ غزوۃ ذات الرقاع میں زبردست قتال ہوا تھا اور یہاں بخاری شریف میں آرہا ہے کہ فلم یکن قتال کہ غزوۃ ذات الرقاع میں قتال ہی نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ غزوۃ ذات الرقاع سن ۵ ہجری میں ہوا ہے، وہ بھی درست ہے اور اسی طرف اشارہ کرنے کے لیے امام بخاریؒ نے اسے یہاں غزوۂ خندق کے ساتھ ذکر کر دیا، نیز اس غزوہ میں سخت قتال ہوا جیسا کہ صحیح مسلم میں منقول ہے اور جو حضرات اس کے سن ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر کے بعد ہونے کا قول اختیار کرتے ہیں، وہ بھی ٹھیک ہے، اور اس غزوہ میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما شریک ہوئے ہیں اور اس میں نماز خوف بھی ادا کی گئی ہے، لیکن اس میں کسی قتال کی نوبت نہیں آئی، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں صراحت فرمائی ہے۔

ترجمة الباب كا تسلسل

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ أَخْبَرَنَا عِمْرَانُ الْقَطَّانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ فِي الْخَوْفِ فِي غَزْوَةِ السَّابِعَةِ غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَوْفَ بِذِي قَرَدٍ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز خوف ساتویں غزوہ یعنی غزوہ ذات الرقاع میں میں پڑھی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز خوف ذو قرد میں پڑھی تھی۔

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ: عبداللہ بن رجاء دو ہیں، ایک عبداللہ بن رجاء مکی ہیں اور ایک عبداللہ بن رجاء بصری ہیں، عبداللہ بن رجاء بصری رحمۃ اللہ علیہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سماع ہوا ہے، جبکہ عبداللہ بن رجاء مکی رحمۃ اللہ علیہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سماع ثابت نہیں ہے لہٰذا یہاں عبداللہ بن رجاء بصری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، قال کا صیغہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تعلیق کے لئے استعمال کرتے ہیں، اس لئے بظاہر یہ تعلیق ہے، اس تعلیق کو ابو العباس السراج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں موصولا نقل کیا ہے، البتہ صحیح بخاری کے ابوذر رحمۃ اللہ علیہ والے نسخے میں و قال عبد الله بن رجاء کی بجائے و قال لی عبد الله بن رجاء ہے، اس صورت میں یہ تعلیق نہیں ہوگی، بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث اپنے شیخ ابورجاء رحمۃ اللہ علیہ سے مذاکرۃً سنی ہوگی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ فِي الْخَوْفِ فِي غَزْوَةِ السَّابِعَةِ: یہاں فِي غَزْوَةِ السَّابِعَةِ میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے، اس روایت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے اس دعوے پر کہ غزوۃ ذات الرقاع خیبر کے بعد ہوا ہے، استشہاد مقصود ہے اس لئے کہ اس سے قبل چھ بڑے غزوات ہوئے ہیں۔

❶ غزوۂ بدر ❷ غزوۂ اُحد ❸ غزوۂ خندق ❹ غزوۂ بنوقریظہ ❺ غزوۂ مریسیع ❻ غزوۂ خیبر۔

ان کے بعد ساتواں غزوہ غزوۃ ذات الرقاع ہے۔

بعض حضرات نے غزوۃ السابعۃ سے غزوۃ السنۃ السابعۃ مراد لیا ہے اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ غزوہ سن ۷ ہجری میں پیش آیا ہے، اس صورت میں یہ روایت اس بات پر صراحتاً دلیل ہوگی کہ غزوۃ ذات الرقاع خیبر کے بعد ہوا ہے، کیونکہ غزوۂ خیبر سن ۷ ہجری کے پہلے مہینے محرم میں پیش آیا تو غزوۃ ذات الرقاع کے سن ۷ ہجری میں ہونے کا واضح مطلب ہوگا کہ وہ خیبر کے بعد واقع ہوا ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَوْفَ بِذِيْ قَرَدٍ: قرد بفتح القاف والراء هو موضع على نحو يوم من المدينة مما يلي بلاد غطفان یعنی ذی قرد ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے ایک دن کی مسافت پر بلاد غطفان کے قریب واقع ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقا ذکر کیا ہے، جبکہ امام نسائی اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہما نے اس کو موصولا نقل کیا ہے۔ بظاہر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو صلوۃ الخوف کی مناسبت سے ذکر فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذی قرد میں بھی صلوۃ الخوف ادا فرمائی ہے۔

ترجمۃ الباب کا تسلسل

وَقَالَ بَكْرُ بْنُ سَوَادَةَ حَدَّثَنِيْ زِيَادُ بْنُ نَافِعٍ عَنْ أَبِي مُوسٰى أَنَّ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُمْ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ يَوْمَ مُحَارِبَ وَ ثَعْلَبَةَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ محارب اور بنی ثعلبہ میں اپنے ساتھیوں کو نماز خوف پڑھائی تھی۔

حَدَّثَنِيْ زِيَادُ بْنُ نَافِعٍ عَنْ أَبِي مُوسٰى: ابوموسیٰ سے مراد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نہیں ہے بلکہ یہ ابوموسیٰ تابعی ہیں، جن کا نام علی بن رباح رحمۃ اللہ علیہ ہے، یہ روایت کرتے ہیں کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے انہیں یہ حدیث سنائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز خوف پڑھائی تھی يَوْمَ مُحَارِبَ وَ ثَعْلَبَةَ محارب خصفہ اور ثعلبہ والے دن۔

اب روایت کے یہ الفاظ مُحَارِبَ وَ ثَعْلَبَةَ بتلا رہے ہیں کہ شروع میں میں جو محارب من بنی ثعلبة کے الفاظ آئے تھے، وہ صحیح نہیں تھے بلکہ صحیح تعبیر محارب و ثعلبة من بنی غطفان ہونی چاہیے تھی کیونکہ محارب اور ثعلبہ یہ دونوں قبیلہ غطفان کی شاخیں ہیں۔

ترجمۃ الباب کا تسلسل

وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ سَمِعْتُ وَهْبَ بْنَ كَيْسَانَ سَمِعْتُ جَابِرًا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى ذَاتِ الرِّقَاعِ مِنْ نَخْلٍ فَلَقِيَ جَمْعًا مِنْ غَطَفَانَ فَلَمْ يَكُنْ قِتَالٌ وَأَخَافَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيِ الْخَوْفِ وَقَالَ يَزِيْدُ عَنْ سَلَمَةَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْقَرَدِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ ذات الرقاع کے لیے مقام نخل سے روانہ ہوئے تھے، وہاں آپ کا قبیلہ غطفان کی ایک جماعت سے سامنا ہوا لیکن کوئی جنگ نہیں ہوئی اور دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو خوف زدہ کر رہی تھیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز خوف پڑھائی اور یزید نے سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ ذوالقرد میں شریک تھا۔

وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: اس روایت کے ذکر کرنے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منشاء یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۃ ذات الرقاع میں صلاۃ الخوف ادا کی، تو جن روایات میں غزوۂ نخل میں صلاۃ الخوف کی ادائیگی کا ذکر آتا ہے وہاں غزوۂ نخل سے مراد غزوۃ ذات الرقاع ہی ہے کیونکہ غزوۃ ذات الرقاع غطفان کے لوگوں سے ہوا اور غطفان بطن نخل میں رہتے تھے۔

وَقَالَ يَزِيدُ عَنْ سَلَمَةَ: یہ یزید بن ابی عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ یہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ ذی قرد میں شرکت کی، غزوۂ ذی قرد کا تفصیلی واقعہ صحیح مسلم میں مذکور ہے، اس کی کچھ تفصیل آگے غزوۃ ذات القرد کے بیان میں بھی آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

صلوۃ الخوف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے تحت مختلف روایات بیان فرمائیں ہیں جن میں صلوٰۃ الخوف سے متعلق روایات آرہی ہیں، اس سے متعلق تفصیلی بحث توضیح بخاری جلد اول میں کتاب الصلوۃ کے تحت کی جاتی ہے، یہاں چونکہ مغازی کا ذکر ہے اور غزوۃ ذات الرقاع میں صلوٰۃ الخوف ادا کی گئی تھی، اس مناسبت سے یہاں ضمناً صلوٰۃ الخوف کا تذکرہ آرہا ہے۔

صلوٰۃ الخوف سے متعلق بحث کا خلاصہ

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی مختلف صورتیں روایات میں وارد ہوئی ہیں اور وہ مختلف صورتیں تمام علماء کے نزدیک جائز ہیں، چاہے کوئی بھی صورت اختیار کر لی جائے تمام علماء اس کے جواز کے قائل ہیں، البتہ اختلاف صرف اس بارے میں ہے کہ کون سی صورت اختیار کرنا زیادہ افضل اور بہتر ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وہ صورت بہتر ہے، جس میں ذھاب اور ایاب اگرچہ زیادہ ہو، مگر امام کی نماز تمام مقتدیوں کی نماز سے پہلے ختم ہو جائے، جبکہ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک وہ صورت بہتر ہے جس میں ذھاب اور ایاب کم ہو، چاہے بعض مقتدی امام سے پہلے نماز سے فارغ ہو جائیں۔

صلوٰۃ الخوف سے متعلق مذاہب ائمہ

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلوٰۃ الخوف کے سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت راجح ہے جو بخاری اول میں ابواب صلوٰۃ الخوف کی پہلی حدیث ہے، نیز یہ روایت صحاح ستہ میں بھی موجود ہے:

أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَّعَهُ تُصَلِّي وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ فَجَاءُوا فَرَكَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم نے سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو راجح قرار دیا ہے، جو اسی باب کے تحت آرہی ہے۔

احناف کے نزدیک صلوۃ الخوف کا افضل طریقہ یہ ہے کہ مجاہدین کے دو گروہ کرکے، ایک گروہ کو دشمن کے سامنے کر دیا جائے اور دوسرے گروہ کو امام ایک رکعت پڑھائے، پھر یہ گروہ دشمن کے سامنے چلا جائے اور پہلا گروہ دشمن کے مقابل والا امام کے پیچھے آجائے، اس کو بھی امام ایک رکعت پڑھائے اور پھر امام سلام پھیر دے اور وہ گروہ دشمن کے مقابل چلا جائے اور اول گروہ جس نے سب سے پہلے ایک رکعت امام کے پیچھے پڑھی تھی وہ آ کر ایک رکعت لاحق کی طرح پوری کرے، پھر یہ چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے امام کے ساتھ آخری رکعت پڑھی تھی وہ آ کر اپنی رکعت مسبوق کی طرح پوری کرے، اگر دونوں گروہ ترتیب وار اپنی اپنی جگہ ایک ایک رکعت پوری کر لیں تب بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ نیز یہ کیفیت مؤطا امام محمدؒ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ثابت ہے، معلوم ہوا کہ حنفیہ کا مسلک ابن عمر، ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایات کے مطابق ہے، نیز قرآن کریم میں جو ارشاد الٰہی ہے:

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ

اس سے بھی احناف کا مسلک قریب تر ہے، کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ پہلا گروہ سجدے سے فارغ ہو کر چلا جائے یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے مسلک میں سجدے سے فارغ ہو کر اپنی نماز پوری کرنی ہوتی ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کی وجوہ ترجیح

1. ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم نے سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ اس میں حرکات کی کمی ہے، اس کے برخلاف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے روایت کردہ طریقے میں حرکات کی کثرت ہے، جو شان نماز کے خلاف ہے۔
2. دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کثرت طرق کی وجہ سے قابل ترجیح ہے۔

احناف کی وجوہ ترجیح

❶ احناف کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت آیت قرانی کے زیادہ مطابق ہے رہا کثرت حرکات کا معاملہ تو اس موقع پر شریعت نے کثرت حرکات کو جائز قرار دیا ہے اور خود آیت میں نقل وحرکت کا حکم دیا گیا ہے۔

❷ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت مرفوع اور قوی ہے، بخاری اور مسلم نے اس کو ذکر کیا ہے، بخلاف سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے کہ وہ موقوف ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں کلام ہے، علماء تاریخ کا اتفاق ہے کہ سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت آٹھ سال کے تھے، پھر صلوۃ الخوف جس کا واقعہ سن ۷ ہجری میں پیش آیا ہے اس وقت ان کی عمر کیا ہوگی؟ معلوم ہوا کہ ان کی بیان کردہ روایت یقینا مرسل ہے اور حضرات شوافع مرسل روایت کو حجت تسلیم نہیں کرتے۔

❸ سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مقتدیوں کا امام سے پہلے نماز سے فارغ ہونا لازم آتا ہے، جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

❹ سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں قلب موضوع لازم آتا ہے کہ امام کو مقتدیوں کا انتظار کرنا پڑتا ہے گویا امام کا تابع ہونا لازم آتا ہے جو منصب امامت کے خلاف ہے، برخلاف اس کے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریقے میں صرف نقل وحرکت کی کثرت لازم آتی ہے، جس کی شریعت میں متعدد نظیریں ملتی ہیں، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کی حالت میں دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر امامت فرمائی، اسی طرح نماز کی حالت میں اگر حدث لاحق ہوجائے تو وضو کرنے کے لیے نقل وحرکت کی اجازت ثابت ہے مگر امام کا انتظار کرنا ثابت نہیں۔

جان و مال کا تحفظ شریعت کی اولین ترجیح

صلوۃ الخوف کی اس مشروعیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی جان اور مال کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ اگر نماز ٹکڑے کرکے پڑھنی پڑے تو آپ ٹکڑے ٹکڑے کرکے پڑھ لیں، مگر اپنے ساتھیوں کی جان، مال، آبرو کی حفاظت کریں، اس کے لیے ایک جماعت دشمن کے مقابلے میں کھڑی ہوجائے، دوسری جماعت نماز میں مشغول ہوجائے، پھر یہ جماعت دشمن کے مقابلے میں چلی جائے، پہلی جماعت واپس آجائے، اس میں خواہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ اختیار کریں، خواہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار کریں، خواہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ والا طریقہ اختیار کریں، لیکن بہر حال اس میں نماز کے ٹکڑے تو ہوں گے اور اس ٹکڑے کرنے کو صرف اس لیے گوارا کیا گیا تاکہ مسلمانوں کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی جاسکے۔ اسی طرح غزوۂ خندق کے موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نمازیں قضا ہوئیں، صرف اس لئے کہ مسلمانوں کی جان و مال محفوظ رہ سکے۔ چنانچہ اگر کسی کی جان خطرے میں ہو اور اس کی جان بچانے کی کوشش

میں اگر نماز قضا ہو جائے تو امید ہے کہ آدمی گناہ گار نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا ارادہ وقت پر نماز پڑھنے کا تھا۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا باب اور حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے سن ۱۴۳۸ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنات کے امتحان میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ عبارت کا ترجمہ ❷ غزوۂ ذات الرقاع کو غزوۂ خیبر سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ ❸ ثعلبہ کے جد محارب میں سے ہونے کی وضاحت ❹ غزوۂ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ، سبب اور اسلامی لشکر کی تعداد ❺ غزوہ کے وقوع کی تاریخ میں اختلاف مع الدلائل۔

مذکورہ بالا باب اور حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے سن ۱۴۲۷ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنین کے امتحان میں یہی سوالات پوچھے گئے۔

حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ

عَنْ أَبِيْ مُوسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزَاةٍ وَنَحْنُ سِتَّةُ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ کے لیے نکلے، ہم چھ ساتھیوں کے درمیان

نَفَرٍ بَيْنَنَا بَعِيْرٌ نَعْتَقِبُهُ فَنَقِبَتْ أَقْدَامُنَا وَنَقِبَتْ قَدَمَايَ وَسَقَطَتْ أَظْفَارِيْ وَكُنَّا نَلُفُّ

ایک اونٹ تھا، جس پر ہم باری باری سوار ہوتے تھے۔ اور (پیدل پر مشقت سفر کی وجہ سے) ہمارے پاؤں پھٹ گئے اور میرے بھی پاؤں پھٹ گئے تھے، اور ناخن بھی

عَلٰى أَرْجُلِنَا الْخِرَقَ فَسُمِّيَتْ غَزْوَةَ ذَاتِ الرِّقَاعِ لِمَا كُنَّا نُعَصِّبُ مِنَ الْخِرَقِ عَلٰى أَرْجُلِنَا

جھڑ گئے تھے، چنانچہ ہم نے اپنے قدموں پر کپڑے کی پٹیاں لپیٹ لی تھیں۔ اسی لیے اس کا نام غزوہ ذات الرقاع پڑا، کیونکہ ہم نے اپنے قدموں کو پٹیوں سے باندھ رکھا تھا۔

وَحَدَّثَ أَبُوْ مُوسٰى بِهٰذَا ثُمَّ كَرِهَ ذَاكَ قَالَ مَا كُنْتُ أَصْنَعُ بِأَنْ أَذْكُرَهُ كَأَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يَكُوْنَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث تو بیان کر دی، لیکن پھر ان کو اس کا اظہار اچھا نہیں معلوم ہوا تو فرمانے لگے کہ ہم نے یہ اعمال لوگوں کو بتانے کے لئے نہیں کئے،

شَيْءٌ مِنْ عَمَلِهِ أَفْشَاهُ

گویا ان کو اپنا نیک عمل ظاہر کرنا برا معلوم ہوا

وَحَدَّثَ أَبُوْ مُوسٰى بِهٰذَا ثُمَّ كَرِهَ ذَاكَ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی، یعنی اس مشقت کا ذکر کیا کہ ہم چھ افراد تھے، ایک ہی اونٹ تھا، باری باری اس پر سوار ہوتے تھے، ہمارے پاؤں چھلنی ہو گئے تھے، ہم نے پاؤں پر دھجیاں لپیٹ لی تھیں لیکن یہ بتانے کے بعد ان کو خیال ہوا کہ مجھے یہ ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا، میں نے ایسا کیوں کیا؟ یہ تو ایک تکلیف تھی، جو میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے برداشت کی تھی، یہ نیکی اس لیے تو نہیں کی تھی کہ میں اسے لوگوں کے سامنے بیان کروں، گویا کہ انہوں نے اس بات کو مکروہ سمجھا کہ ان کے کسی عمل صالح کا افشاء ہو، تو واقعہ سنا تو دیا لیکن بعد میں اس پر پشیمانی کا انداز اختیار کیا کہ میں یہ واقعہ نہ سناتا تو بہتر ہوتا تاکہ میرا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے لئے

خالص رہتا اور لوگوں میں اس کی شہرت نہ ہوتی۔

یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ وہ جو کرتے تھے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لیے کرتے تھے، ان کے اعمال دکھلاوے اور نام ونمود کے جذبے سے پاک تھے، اگر کبھی اپنا کوئی واقعہ ذکر بھی کرتے تو بعد میں اس پر پشیمانی کا اظہار کرتے کہ ہم نے لوگوں کے سامنے کیوں ذکر کر دیا؟ ہم نے تو یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا، ایسا نہ ہو کہ لوگ تعریف کریں تو ہمارے ثواب میں کمی آجائے۔

اصحاب سیر اور مغازی میں سے وہ حضرات جو اس بات کے قائل ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع غزوۂ خیبر سے پہلے واقع ہوا ہے، وہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس واقعے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ شریک ہوئے ہیں وہ اور واقعہ ہے اور اپنے دعوے کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جس روایت میں غزوہ ذات الرقاع میں اپنی شرکت کا ذکر کیا ہے اس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ ہم چھ آدمی تھے اور ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے اور جس غزوہ ذات الرقاع کا ذکر اصحاب مغازی نے کیا ہے اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار سو صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ غزوات ہیں، ایک میں چھ صحابہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے میں چار سو صحابہ رضی اللہ عنہم، لیکن ان حضرات کا یہ استدلال بظاہر ضعیف ہے، کیونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے اس طرح کہنے سے کہ ہم چھ آدمی باری باری اونٹ پر سواری کرتے تھے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ساتھ لشکر میں کوئی اور نہ ہو، کیونکہ جب لشکر بڑا ہوتا ہے تو دوران سفر لوگ مختلف جماعتوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور پھر اپنی اپنی ٹولیوں کے ساتھ چلتے ہیں، اس لیے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ ہم چھ آدمی تھے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس لشکر میں کل چھ ہی لوگ تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہماری جو ٹولی بنی تھی اس میں چھ آدمی تھے، لہٰذا حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی اس بات کو دلیل بنا کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دونوں الگ الگ غزوات تھے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ

عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ شَهِدَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَّى

صالح بن خوات ایک ایسے صحابی سے روایت کرتے ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

صَلَاةَ الْخَوْفِ أَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ فَصَلَّى بِالَّتِي مَعَهُ رَكْعَةً ثُمَّ ثَبَتَ

نماز خوف پڑھی تھی اور اس کی صورت یہ تھی کہ پہلے ایک جماعت نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابلے پر کھڑی تھی۔ آپ نے اس جماعت کو ایک

قَائِمًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوا فَصَفُّوا وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى فَصَلَّى

رکعت پڑھائی اور اس کے بعد آپ کھڑے رہے، اور وہ جماعت اپنی نماز پوری کر کے واپس آ کر دشمن کے مقابلے میں کھڑی ہوگئی، پھر دوسری جماعت آئی تو آپ نے انہیں نماز کی

بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ مِنْ صَلَاتِهِ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ

دوسری رکعت پڑھائی جو باقی رہ گئی تھی اور آپ قعدہ میں بیٹھے رہے، پھر ان لوگوں نے جب اپنی نماز (جو باقی رہ گئی تھی) پوری کر لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ سلام پھیرا

عَمَّنْ شَهِدَ کے مصداق کے بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ اس سے سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں، لیکن امام غزالی اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہما نے خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس کا مصداق قرار دیا ہے جو صالح بن خوات رحمۃ اللہ علیہ کے والد ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ ابن مندہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما کی روایات میں عن صالح بن خوات عن ابیه کی تصریح ہے جس سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ عَمَّنْ شَهِدَ کا مصداق صالح بن خوات رحمۃ اللہ علیہ کے والد خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

مذکورہ بالا روایت میں صلوۃ الخوف کی ادائیگی کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اولاً ایک جماعت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صف بنائی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابلے میں کھڑی رہی، جو جماعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی، اس کو ایک رکعت پڑھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے رہے اور اس جماعت نے اپنی نماز پوری کر لی، نماز سے فارغ ہو کر یہ لوگ آ کر دشمن کے مقابل صف آراء ہو گئے اور دوسری جماعت آئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نماز کی باقی ایک رکعت اس جماعت کو پڑھائی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قعدے میں بیٹھے رہے اور طائفہ ثانیہ کے حضرات اپنی نماز پوری کرنے لگے، جب انہوں نے دوسری رکعت پڑھ لی اور تشہد وغیرہ سے فارغ ہو گئے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔

وَقَالَ مُعَاذٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَخْلٍ فَذَكَرَ صَلَاةَ الْخَوْفِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مقام نخل میں تھے، پھر انہوں نے نماز خوف کا ذکر کیا۔

قَالَ مَالِكٌ وَ ذٰلِكَ أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِيْ صَلَاةِ الْخَوْفِ تَابَعَهُ اللَّيْثُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ زَيْدِ

امام مالکؒ نے فرماتے ہیں کہ نماز خوف کے سلسلے میں جتنی روایات میں نے سنی ہیں یہ روایت ان سب میں زیادہ بہتر ہے، معاذ بن ہشام کے ساتھ اس حدیث کو لیث بن سعد نے بھی

بْنِ أَسْلَمَ أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ہشام بن سعد مدنی سے اور انہوں نے زید بن اسلم سے روایت کیا اور ان سے قاسم بن محمد نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فِيْ غَزْوَةِ بَنِيْ أَنْمَارٍ

غزوۂ بنو انمار میں (نماز خوف) پڑھی تھی

تَابَعَهُ اللَّيْثُ عَنْ هِشَامٍ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی متابعت لیث رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، یہاں یہ بات یاد رہے کہ اس متابعت سے مراد متابعت اصطلاحی نہیں ہے بلکہ اس متابعت سے الموافقة فی صفة الصلاة مراد ہے، یعنی جس طرح معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں صلوۃ الخوف کی ادائیگی کی کیفیت اور صورت بیان کی گئی ہے، ٹھیک اسی طرح صلوۃ الخوف کی ادائیگی کی وہی صورت اور کیفیت لیث رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی روایت میں بیان کی ہے، متابعت اصطلاحی اس لئے مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موصولاً منقول

ہے اور لیث کی روایت مرسلا منقول ہے اور متابعت اصطلاحی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی صحابی کی کوئی روایت ایک سند کے ساتھ منقول ہے، وہی روایت اس صحابی سے کسی دوسری سند کے ساتھ آ جائے اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ وَذٰلِكَ أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِيْ صَلَاةِ الْخَوْفِ: مذکورہ روایت میں صلوۃ الخوف کی ادائیگی کی جو صورت بیان کی گئی ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صلوۃ الخوف کے بارے میں جتنی صورتیں میں نے سنی ہیں، ان میں سے یہ صورت مجھے سب سے اچھی معلوم ہوتی ہے کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری رکعت پڑھنے کے بعد طائفہ ثانیہ کی نماز کی تکمیل کا انتظار کیا اور جب طائفہ ثانیہ نے اپنی نماز پوری کر لی تو ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا، لیکن دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پہلے تو اسی صورت کو پسندیدہ قرار دیتے تھے لیکن بعد میں قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے ان کا یہ فیصلہ تھا کہ امام کو طائفہ ثانیہ کی نماز کی تکمیل کا انتظار نہیں کرنا چاہیے بلکہ امام سلام پھیر کر اپنی نماز مکمل کر لے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ يَحْيٰى عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ

عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِيْ حَثْمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ يَقُوْمُ الْإِمَامُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَطَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنْ قِبَلِ الْعَدُوِّ وُجُوْهُهُمْ إِلَى الْعَدُوِّ فَيُصَلِّيْ بِالَّذِيْنَ مَعَهُ رَكْعَةً ثُمَّ يَقُوْمُوْنَ فَيَرْكَعُوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً وَيَسْجُدُوْنَ سَجْدَتَيْنِ فِيْ مَكَانِهِمْ ثُمَّ يَذْهَبُ هٰؤُلَاءِ إِلٰى مَقَامِ أُولٰئِكَ فَيَجِيْءُ أُولٰئِكَ فَيَرْكَعُ بِهِمْ رَكْعَةً فَلَهُ ثِنْتَانِ ثُمَّ يَرْكَعُوْنَ وَيَسْجُدُوْنَ سَجْدَتَيْنِ

صالح بن خوات نے روایت کی ہے کہ حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (نماز خوف میں) امام قبلہ رو ہو کر کھڑا ہوگا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے ساتھ نماز میں شریک ہوگی، اس دوران میں مسلمانوں کی دوسری جماعت دشمن کی طرف منہ کیے ان کے مقابلہ پر کھڑی ہوگی۔ امام اپنے ساتھ والی جماعت کو پہلے ایک رکعت نماز پڑھائے گا پھر یہ جماعت کھڑی ہو جائے گی اور خود (امام کے بغیر) اسی جگہ ایک رکوع اور دو سجدے کر کے دشمن کے مقابلہ پر جا کر کھڑی ہو جائے گی۔ جہاں دوسری جماعت پہلے سے موجود تھی۔ اس کے بعد امام دوسری جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائے گا۔ اس طرح امام کی دو رکعتیں پوری ہو جائیں گی اور یہ دوسری جماعت ایک رکوع اور دو سجدے خود کرے گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مستدل روایت

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (صلوۃ الخوف میں) امام قبلے کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوگا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے ساتھ ہوگی اور دوسری جماعت دشمن کی طرف ہوگی اور ان کے چہرے دشمن کی طرف ہوں گے، فَيُصَلِّيْ بِالَّذِيْنَ مَعَهُ رَكْعَةً پھر امام ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ہیں، ایک رکعت نماز پڑھائے گا، پھر وہ کھڑے ہو جائیں گے اور اسی جگہ میں اپنے لیے ایک رکعت پڑھیں گے اور دو سجدے کریں گے (گویا ان کی دو رکعتیں پوری ہو جائیں گی)، ثُمَّ يَذْهَبُ هٰؤُلَاءِ إِلٰى مَقَامِ أُولٰئِكَ پھر یہ لوگ دوسرے لوگوں کی جگہ چلے جائیں گے اور وہ دوسرے لوگ آئیں گے، امام ان کو ایک رکعت اور پڑھائے گا، یوں امام کی دو رکعتیں (پوری) ہو جائیں گی، ثُمَّ يَرْكَعُوْنَ وَيَسْجُدُوْنَ سَجْدَتَيْنِ پھر یہ کھڑے ہو کر (مسبوق ہونے کی حالت میں دوسری رکعت پڑھیں

گے) رکوع کریں گے اور دو سجدے کریں گے۔

یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، گویا ان کے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں صرف یہ فرق ہوا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام دوسری جماعت کو اپنی دوسری رکعت پڑھانے کے بعد انتظار کرتا ہے، جب وہ دونوں رکعتیں پوری کر لیتی ہے تو ان کے ساتھ سلام پھیرتا ہے، جس کو انہوں نے گزشتہ روایت میں کہا کہ وذلک أحسن ما سمعت فی صلوۃ الخوف جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھا کر اپنا سلام پھیر دے گا اور وہ مسبوق ہونے کی حالت میں اپنی نماز پوری کریں گے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ يَحْيَى سَمِعَ الْقَاسِمَ أَخْبَرَنِي صَالِحُ بْنُ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ قَوْلَهُ

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نجد کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کے لیے گیا تھا،
قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ
وہاں ہم دشمن کے آمنے سامنے ہوئے اور ان کے مقابلے میں صف بندی کی۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِإِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ وَالطَّائِفَةُ الْأُخْرَى مُوَاجِهَةُ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو نماز خوف پڑھائی اور دوسری جماعت اس دوران دشمن کے مقابلے پر
الْعَدُوِّ ثُمَّ انْصَرَفُوا فَقَامُوا فِي مَقَامِ أَصْحَابِهِمْ أُولَئِكَ فَجَاءَ أُولَئِكَ فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَةً
کھڑی تھی۔ پھر یہ جماعت جب اپنے دوسرے ساتھیوں کی جگہ (نماز پڑھ کر) چلی گئی تو دوسری جماعت آئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی ایک رکعت نماز پڑھائی۔
ثُمَّ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثُمَّ قَامَ هَؤُلَاءِ فَقَضَوْا رَكْعَتَهُمْ وَقَامَ هَؤُلَاءِ فَقَضَوْا رَكْعَتَهُمْ
اس کے بعد آپ نے اس جماعت کے ساتھ سلام پھیرا اور اس جماعت نے کھڑے ہو کر اپنی ایک رکعت پوری کی اور پہلی جماعت نے بھی کھڑے ہو کر اپنی ایک رکعت پوری کی۔

احناف کی مستدل روایت

یہ روایت احناف کا مستدل بن سکتی ہے اور وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائی اور وہ دشمن کے مقابلے میں چلی گئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائی اور اپنی نماز کا سلام پھیر لیا، چنانچہ پھر اس دوسری جماعت نے اپنی پہلی رکعت بطور مسبوق پوری کی اور دشمن کے سامنے چلے گئے، پھر پہلی

جماعت آئی اور اس نے اپنی دوسری رکعت بطور لاحق پوری کی۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي سِنَانٌ وَّأَبُو سَلَمَةَ

أَنَّ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخْبَرَ أَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اطراف نجد میں غزوہ کے لیے گئے تھے۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سِنَانِ بْنِ أَبِي سِنَانٍ الدُّؤَلِيِّ

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اطراف نجد میں غزوہ کے لیے گئے تھے،

قِبَلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهُ فَأَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِي وَادٍ

پھر جب نبی کریم ﷺ واپس ہوئے تو وہ بھی واپس ہوئے۔ دوپہر کے وقت ایک وادی میں پہنچے جہاں ببول کے بہت سے درخت تھے،

كَثِيرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ فِي الْعِضَاهِ يَسْتَظِلُّونَ

چنانچہ نبی کریم ﷺ وہیں اتر گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم درختوں کے سائے کے لیے پوری وادی میں پھیل گئے۔

بِالشَّجَرِ وَنَزَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ سَمُرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ قَالَ جَابِرٌ رَضِيَ

آپ ﷺ نے بھی ایک ببول کے درخت کے نیچے قیام فرمایا اور اپنی تلوار اس درخت پر لٹکا دی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

اللهُ عَنْهُ فَنِمْنَا نَوْمَةً ثُمَّ إِذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُونَا فَجِئْنَاهُ فَإِذَا عِنْدَهُ

کہ ابھی تھوڑی دیر ہمیں سوئے ہوئے ہوئی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں پکارا۔ ہم جب خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کے پاس

أَعْرَابِيٌّ جَالِسٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ سَيْفِي وَأَنَا نَائِمٌ

ایک بدوی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے میری تلوار (مجھ ہی پر) تان لی تھی اور میں اس وقت سویا ہوا تھا،

فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِي يَدِهِ صَلْتًا فَقَالَ لِي مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟ قُلْتُ اللهُ فَهَا هُوَ ذَا جَالِسٌ

میری آنکھ کھلی تو میری ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تمہیں میرے ہاتھ سے آج کون بچائے گا؟ میں نے کہا کہ اللہ! اب دیکھو یہ بیٹھا ہوا ہے۔

ثُمَّ لَمْ يُعَاقِبْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

پھر نبی کریم ﷺ نے اسے کوئی سزا نہیں دی۔

وَقَالَ أَبَانُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَاتِ الرِّقَاعِ فَإِذَا أَتَيْنَا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ذات الرقاع میں تھے کہ ہم ایک

عَلَى شَجَرَةٍ ظَلِيلَةٍ تَرَكْنَاهَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَسَيْفُ

گھنے سایہ دار درخت کے پاس آئے۔ وہ درخت ہم نے نبی کریم ﷺ کے لیے مخصوص کر دیا کہ آپ وہاں آرام فرمائیں۔ بعد میں مشرکین میں سے ایک شخص آیا، آپ ﷺ کی

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَلَّقٌ بِالشَّجَرَةِ فَاخْتَرَطَهُ فَقَالَ تَخَافُنِي؟ قَالَ لَا قَالَ

تلوار درخت سے لٹک رہی تھی، اس نے وہ تلوار آپ ﷺ پر تان لی اور پوچھا کہ کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس پر اس نے پوچھا

فَمَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّي؟ قَالَ اللهُ فَتَهَدَّدَهُ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ

کہ میرے ہاتھ سے تمہیں کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ! پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے ڈانٹا دھمکایا اسی دوران نماز کی تکبیر کہی گئی۔

فَصَلَّى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَأَخَّرُوا وَصَلَّى بِالطَّائِفَةِ الْأُخْرَى رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

توآپ ﷺ نے پہلے ایک جماعت کو دو رکعت نماز خوف پڑھائی جب وہ جماعت (آپ ﷺ کے پیچھے سے) ہٹ گئی تو آپ نے دوسری جماعت کو بھی دو رکعت نماز پڑھائی۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ وَلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ وَقَالَ مُسَدَّدٌ عَنْ أَبِي عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ اسْمُ الرَّجُلِ

اس طرح نبی کریم ﷺ کی چار رکعت نماز ہوئی۔ لیکن مقتدیوں کی صرف دو دو رکعت ہوئیں اور مسدد نے بیان کیا کہ ان سے ابوعوانہ نے اور ان سے ابو بشر نے کہ اس شخص کا نام

غَوْرَثُ بْنُ الْحَارِثِ وَ قَاتَلَ فِيهَا مُحَارِبَ خَصَفَةَ

(جس نے آپ پر تلوار تانی تھی) غورث بن حارث تھا اور نبی کریم ﷺ نے اس غزوہ میں قبیلہ محارب خصفہ سے جنگ کی تھی۔

اس سے قبل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں تھا کہ ہم نجد کی طرف غزوہ کرنے گئے تھے اور غزوۂ نجد سے مراد غزوۂ محارب خصفہ تھا، اب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ذات الرقاع کا لفظ استعمال کیا، اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس دعویٰ کی تائید ہوجاتی ہے کہ غزوۂ محارب خصفہ اور غزوۃ ذات الرقاع ایک ہی ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ان دو روایتوں کو پیش کرنے سے بظاہر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مقصد ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابان رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت یہاں تعلیقا ذکر کی ہے، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو موصولا نقل کیا ہے۔

فَتَهَدَّدَهُ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اعرابی کو دھمکایا۔ پہلی روایت میں گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا تھا، ظاہر ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو دھمکایا، تو آپ ﷺ نے ان کو روک دیا ہوگا، واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ یہ اعرابی اس موقع پر مسلمان ہوگیا تھا اور اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کی دعوت دی جس سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے

فَصَلَّى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَأَخَّرُوا ...... وَكَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَرْبَعٌ وَلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ: یہ روایت سب کے لئے ہی قابل اشکال ہے، اس لئے کہ اس بات پر تقریباً تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر امام اور قوم دونوں مسافر ہوں تو اس صورت میں امام ہر طائفہ کو ایک ایک رکعت پڑھائے گا، اس طرح امام کی بھی دو رکعتیں ہوں گی اور قوم بھی اپنی باقی ایک رکعت امام سے الگ مکمل کر کے دو رکعتیں پڑھے گی اور اگر امام اور قوم دونوں مقیم ہوں تو اس صورت میں امام ہر طائفہ کو دو دو رکعت پڑھائے گا، اس طرح امام کی چار رکعتیں ہوں گی اور قوم کی امام کے ساتھ دو رکعتیں ہوں گی، باقی دو رکعتیں وہ لوگ امام سے الگ پوری کریں گے۔

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت میں جو صورتحال بیان کی گئی ہے، اس کی رو سے حضور اقدس ﷺ بھی مسافر تھے اور قوم بھی مسافر، جس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ آپ ﷺ ہر طائفہ کو ایک ایک رکعت پڑھاتے، لیکن آپ ﷺ نے ایک رکعت پڑھانے کی بجائے ہر طائفہ کو دو دو رکعتیں پڑھائیں، اس اشکال کے مختلف جوابات دئے گئے ہیں۔

1. چونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک قول میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے، اس لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے طائفہ کو جو دو رکعتیں پڑھائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دو رکعتوں میں مفترض تھے اور طائفہ اولیٰ بھی مفترض تھا اور طائفہ ثانیہ کو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعت پڑھائی ان میں طائفہ ثانیہ مفترض تھا البتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں متنفل تھے، لیکن اس پر پھر اشکال ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر طائفہ اولیٰ کو مفترض بن کر نماز پڑھائی اور طائفہ ثانیہ کو متنفل بن کر تو درمیان میں سلام کا فاصلہ ہونا چاہیے، جبکہ یہاں روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں، اس کے جواب میں یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ایسی روایات موجود ہیں جن میں دو رکعت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلام کا ذکر ہے، اگرچہ ان میں بعض منقطع اور بعض ضعیف ہیں لیکن چونکہ ان کے طرق متعدد ہیں اس لئے ان سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

❷ حنفیہ چونکہ اقتداء مفترض خلف المتنفل کے قائل نہیں، اس لئے یہ جواب ان کے ہاں نہیں چل سکتا، انہوں نے اس روایت کے دوسرے انداز سے جوابات دیئے ہیں، چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب ایک فرض کو دو مرتبہ پڑھنا جائز تھا۔

❸ بعض حضرات نے کہا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ آپ مفترضین کو بھی نفل کی نیت کے ساتھ نماز پڑھا سکتے تھے، لیکن یہ جواب اطمینان بخش نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی خصوصیت کے ثبوت کے لئے صریح نص اور دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور کوئی صریح دلیل ایسی موجود نہیں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خصوصیت ثابت ہو۔

وَقَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَخْلٍ فَصَلَّى الْخَوْفَ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ نَجْدٍ صَلَاةَ الْخَوْفِ وَإِنَّمَا جَاءَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامَ خَيْبَرَ

اور ابو الزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مقام نخل میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز خوف پڑھائی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز خوف غزوہ نجد میں پڑھی تھی، یہ یاد رہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں (سب سے پہلے) غزوہ خیبر کے موقع پر حاضر ہوئے تھے

غزوۂ نجد سے غزوہ ذات الرقاع مراد ہے اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی شرکت اس بات کی دلیل ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوۂ خیبر کے بعد ہوا ہے، کیونکہ وَإِنَّمَا جَاءَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامَ خَيْبَرَ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خیبر کے دنوں میں تشریف لائے ہیں۔ لہٰذا جس کسی واقعے کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ شریک تھے تو محدثین اس سے یہ اندازہ کر لیتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوۂ خیبر کے بعد سن ۷ ہجری کے آخر یا سن ۷ ہجری کے بعد پیش آیا ہے، کیونکہ یہ دونوں حضرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں غزوۂ خیبر کے دنوں میں تشریف لائے ہیں۔

بَابُ غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ مِنْ خُزَاعَةَ وَهِيَ غَزْوَةُ الْمُرَيْسِيعِ

یہ باب غزوۂ بنی المصطلق کے بارے میں ہے جو قبیلہ بنو خزاعہ سے ہوا تھا اور یہی غزوۂ مریسیع (بھی کہلاتا) ہے۔

قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ وَذٰلِكَ سَنَةَ سِتٍّ وَقَالَ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ سَنَةَ أَرْبَعٍ

وَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ كَانَ حَدِيثُ الإِفْكِ فِي غَزْوَةِ الْمُرَيْسِيعِ

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ غزوہ سن ۶ ہجری میں ہوا تھا اور موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سن 4 ہجری میں ہوا تھا اور نعمان بن راشد رحمۃ اللہ علیہ نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ واقعہ افک غزوۂ مریسیع میں پیش آیا تھا۔

بنو المصطلق قبیلہ بنی خزاعہ کی شاخ ہے، مصطلق صلق سے مشتق ہے، جس کے معنی رفع الصوت کے آتے ہیں، یہ جذیمہ بن سعد کا لقب تھا، چونکہ اس کی آواز عمدہ اور اونچی تھی اس وجہ سے اس کا لقب مصطلق رکھا گیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غزوۃ بنی المصطلق کا نام غزوۂ مریسیع بھی نقل کیا ہے، مریسیع ایک چشمے کا نام ہے جہاں یہ غزوہ ہوا، اس جگہ کی مناسبت سے اس کو غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے اور بنو المصطلق قوم کا نام ہے جس کے ساتھ یہ غزوہ ہوا تھا، اس لئے اس کو غزوۃ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں۔ اس پر تمام اہل سیر کا اتفاق ہے کہ غزوۃ بنی المصطلق اور غزوۂ مریسیع ایک ہی غزوہ کے دو نام ہیں، البتہ کچھ حضرات اس کو الگ الگ غزوہ قرار دیتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ وَذٰلِكَ سَنَةَ سِتٍّ: امام مغازی محمد بن اسحاق، ابن جریر طبری اور خلیفہ بن خیاط رحمۃ اللہ علیہم کی رائے یہ ہے کہ یہ غزوہ سن ۶ ہجری میں پیش آیا، جبکہ ابن سعد، بیہقی، حاکم، قتادہ اور عروہ رحمۃ اللہ علیہم کی رائے یہ ہے کہ یہ غزوہ سن ۵ ہجری میں پیش آیا۔

وَقَالَ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ سَنَةَ أَرْبَعٍ: یہ سبقت قلم ہے کیونکہ حاکم، ابوسعید اور دیگر اصحابِ مغازی رحمۃ اللہ علیہم نے موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول سنۃ خمس نقل کیا ہے اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ غزوہ سن ۵ ہجری میں پیش آیا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سن ۵ ہجری میں اس غزوہ کے وقوع کو راجح قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی اس غزوہ میں شرکت صحیح بخاری میں مذکور ہے اور دوسری طرف احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بنی قریظہ کے زمانے میں وفات پائی ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے اور غزوۂ بنی قریظہ سن ۵ ہجری میں ہوا ہے، اب اگر غزوۂ مریسیع سن ۶ ہجری میں غزوۂ بنی قریظہ کے ایک سال بعد تسلیم کیا جائے تو اس میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شرکت کیسے ہوسکتی ہے۔

اس لیے اکثر اصحاب السیر، محدثین اور حافظ ابن حجر وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ صحیح ترتیب یہ ہے کہ شعبان سن ۵ ہجری میں غزوۃ بنی المصطلق ہوا ہے، اس میں حدیث الافک پیش آئی ہے اور اس میں حضرت سعد بن

معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر اپنی جگہ پر بالکل درست ہے، اس لیے کہ اس وقت وہ حیات تھے، اس کے بعد شوال سن ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب ہوا ہے، جس میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سخت زخمی ہو گئے، پھر ذی القعدہ سن ۵ ہجری میں غزوۂ بنو قریظہ پیش آیا، جس کے فوری بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔

وَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ كَانَ حَدِيثُ الإِفْكِ فِي غَزْوَةِ الْمُرَيْسِيعِ: یہ تعلیق ہے، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں اس کو موصولا ذکر کیا ہے، بتایا یہ جا رہا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا واقعہ غزوۂ مریسیع سے واپسی کے وقت پیش آیا تھا۔

غزوۂ مریسیع کے وقوع کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو المصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار مسلمانوں کے مقابلے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو صورتحال معلوم کرنے کے لئے روانہ فرمایا، انہوں نے آ کر اطلاع دی کہ بات صحیح ہے اور وہ لوگ جنگ کے لئے جمع ہو رہے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت لے کر ان کی طرف پیش قدمی فرمائی، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق یہ دو شعبان بروز پیر سن ۵ ہجری کا واقعہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا، ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں پہنچے تو وہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور بالکل بے خبر تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اچانک حملے کی تاب نہ لا سکے اور شکست کھائی، دو سو گھرانے قید ہوئے، دو ہزار اونٹ غنیمت میں ملے، پانچ ہزار بکریاں قبضے میں آئیں اور ان کے دس کے قریب آدمی مارے گئے۔

قیدیوں میں حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بھی تھیں، وہ حضرت شماس بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھیں، چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی ہیں، وہ آپ ہی کے لئے مناسب ہیں اور بعض روایات میں آتا ہے کہ چونکہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو شماس بن قیس رضی اللہ عنہ نے مکاتبہ بنا لیا تھا، اس لئے وہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں سردار کی بیٹی ہوں، بدل کتابت کی ادائیگی میں میری امداد کی جائے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا کہ میں تمہیں ایک بہترین بات بتاؤں کہ تمہارا بدل کتابت میں ادا کر دیتا ہوں اور اس کے بدلے میں تمہیں اپنی زوجیت میں لے لیتا ہوں، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر خوش ہوئیں اور اس پر اپنی رضامندی ظاہر کی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا بدل کتابت ادا کر دیا اور وہ آزاد ہو گئیں اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے عقد نکاح میں لے لیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار بہت سے اونٹ لے کر اپنی بیٹی کی آزادی کے لئے مدینہ منورہ

آئے، ان اونٹوں میں دو اونٹ بہت عمدہ قسم کے تھے، پہلے تو اسی خیال سے لے کر چلے تھے کہ سب ہی پیش کروں گا اور اس کے عوض اپنی بیٹی کو آزاد کروالوں گا، لیکن راستے میں نیت خراب ہوگئی اور دو اونٹ ایک گھاٹی میں چھپا دیئے، بقیہ اونٹ لے کر حاضر ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے آنے کی وجہ بیان کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو تو انہوں نے کہا: اشهد انک رسول الله واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں، ان دو اونٹوں کا میرے علاوہ کسی کو علم نہ تھا، یقیناً آپ کو اللہ ہی نے وحی کے ذریعے بتایا ہے اور اس طرح انہوں نے اسلام قبول کرلیا، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی بیٹی سے معلوم کرلو، اگر وہ تمہارے ساتھ جانے کے لئے راضی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کیا، تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں اور پھر اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی بھی خواہش وہ نہ رہی تھی، کیونکہ ان کے لئے اس سے بہتر بات اور کیا ہوسکتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے داماد ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جویریہ سے زیادہ کسی خاتون کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا، اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کو اپنی زوجیت میں لیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنو المصطلق کے ان دو سو گھرانوں کو جو قید ہو کر ان کے پاس آئے تھے یہ کہہ کر آزاد کردیا کہ انهم اصهار رسول الله یہ لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔

منافقین کی شرارت

اس سفر میں چونکہ منافقین کی ایک جماعت بھی شامل تھی، جو ہر موقع پر فتنہ پھیلانے کی کوشش کیا کرتے تھے، چنانچہ ابھی مسلمانوں کا لشکر اسی مریسیع (چشمے) کے پانی پر جمع تھا کہ ایک ناگوار واقعہ پیش آیا کہ ایک مہاجر صحابی حضرت جہجاہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجیر تھے اور ایک انصاری صحابی حضرت سنان رضی اللہ عنہ کا پانی بھرنے کے ڈول کے متعلق جھگڑا ہوا، حضرت جہجاہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کو پکارا اور سنان رضی اللہ عنہ نے یا للانصار کہہ کر انصار کو پکارا دونوں جمع ہوگئے اور بات بڑھ گئی، قریب تھا کہ مسلمانوں کے درمیان باہم قتال کی نوبت آجائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موقع پر تشریف لائے اور سخت ناراضگی کے ساتھ فرمایا ما بال دعوی الجاهلية یعنی یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے کہ وطن اور نسبی قومیت کو بنیاد بنا کر امداد اور دفاع کا معاملہ ہونے لگا اور فرمایا کہ دعوها فانها منتنة اس نعرے کو چھوڑو یہ نعرہ بدبودار ہے، نسبی قومیت کی بنیاد پر تعاون کفر اور جاہلیت کا نعرہ ہے اور فرمایا کہ مسلمانوں کو ہر معاملے میں یہ دیکھنا چاہیے کہ مظلوم کون ہے اور ظالم کون؟ پھر ہر مسلمان کا چاہے وہ کسی قبیلے اور خاندان کا ہو اس پر یہ فرض ہوجاتا ہے کہ مظلوم کو ظلم سے چھڑائے اور ظالم کا ہاتھ روکے خواہ وہ ظالم اپنا حقیقی بھائی

اور باپ ہی کیوں نہ ہو، یہ عصبیت کا نعرہ درحقیقت جاہلانہ اور بدبودار نعرہ ہے جس سے گندگی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہو گیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

اس سفر میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بھی تھا اس کو موقع مل گیا، اس نے کہا یہ تو وہی مثال ہو گئی سمن کلبک یاکلک انا و اللہ لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل یعنی کتے کو موٹا کرو کہ تمہیں کھا لے، خدا کی قسم! اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والا ذلیل کو نکال باہر کرے گا، جس وقت وہ یہ بات کر رہا تھا، تو زید بن ارقم رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، وہ غصے میں آ گئے اور کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اجازت دیجئے ابھی اس منافق کو قتل کر دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رہنے دو! لوگ حقیقت حال کو تو سمجھیں گے نہیں اور یہ گمان کریں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔ سخت دھوپ کا وقت تھا ایسے وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر نہیں کیا کرتے تھے مگر اس روز اسی وقت کُوچ کا حکم دیا، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے مؤدبانہ عرض کیا کہ حضور! آپ تو ایسے وقت میں سفر نہیں کیا کرتے آج کیا معاملہ درپیش ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ عبداللہ بن اُبی نے کیا کہا ہے؟ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اس کو چھوڑ دیجیے، وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس کی امارت چھین لی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام دن چلتے رہے کہ شام ہو گئی، پھر تمام رات چلتے رہے کہ صبح ہو گئی، دوسرے روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منزل پر اتر کر محو خواب ہو گئے، رات دن کے سفر سے ہر شخص تھک گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ اس منافق کی گفتگو کا تذکرہ زیادہ نہ ہونے پائے، ورنہ کہیں مہاجرین اور انصار میں اختلاف پیدا نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن اُبی سے انصار نے دریافت کیا کہ تُو نے ایسا کیوں کہا؟ تو اس نے انکار کر دیا کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کر اس نے قسم کھائی کہ میں نے یہ نہیں کہا ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کمسن تھے، لوگوں نے سمجھا کہ ان کی غلطی ہے اور انصار ان سے کہنے لگے کہ تم نے ایک معزز سردار پر تہمت باندھ کر یہ ہنگامہ مچا دیا ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ اس الزام سے بہت افسردہ اور پریشان ہوئے لیکن اس کے بعد سورۂ منافقین کی آیتیں نازل ہوئیں، جن میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قول کی تصدیق ہوئی اور جھوٹ اور سچ ظاہر ہو گیا۔

جب اس منافق کی تکذیب قرآن پاک نے کر دی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو صحیح حال معلوم ہوا، تو یہ مدینہ میں ہر جگہ ذلیل ہوا اور لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ اب اسے اس گستاخی کی بناء پر قتل کر دیا جائے گا، اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی رضی اللہ عنہ جو مخلص مسلمان تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ آپ میرے والد عبداللہ بن اُبی کو قتل کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ کا ایسا ارادہ ہو تو آپ مجھے حکم دیں، میں اس کا سر کاٹ کر

آپ کی خدمت میں پیش کردوں گا، میں اپنے قبیلے خزرج میں باپ کا سب سے مطیع اور فرمانبردار بیٹا مشہور ہوں، لیکن آپ کا حکم ہر چیز پر مقدم ہے، اگر آپ نے کسی اور کو میرے والد کو قتل کرنے کا حکم دیا، تو ممکن ہے کہ باپ کے قاتل کو دیکھ کر مجھ میں حمیت پیدا ہو جائے اور مبادا ایک کافر کے بدلے ایک مسلمان کو قتل کر کے میں گناہ گار ہو جاؤں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اطمینان رکھو، میرا تمہارے والد کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

اسی غزوہ سے واپسی کے سفر میں ام المومنین امی عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعے ان کی پاک دامنی کی گواہی دی، جس کی تفصیل حدیث افک کے ذیل میں آرہی ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ

عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ أَنَّهُ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَرَأَيْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَجَلَسْتُ

ابن محیریزؒ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو دیکھا، تو میں ان کے پاس بیٹھ گیا

إِلَيْهِ فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْعَزْلِ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي

اور میں نے ان سے عزل کے متعلق سوال کیا، انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بنی المصطلق کے لیے نکلے،

غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَأَصَبْنَا سَبْيًا مِنْ سَبْيِ الْعَرَبِ فَاشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ وَاشْتَدَّتْ عَلَيْنَا

اس غزوہ میں ہمیں کچھ عرب کے قیدی ملے (جن میں عورتیں بھی تھیں) پھر اس سفر میں ہمیں عورتوں کی ضرورت محسوس ہوئی اور بے عورت رہنا ہم پر مشکل ہو گیا،

الْعُزْبَةُ وَأَحْبَبْنَا الْعَزْلَ فَأَرَدْنَا أَنْ نَعْزِلَ وَ قُلْنَا نَعْزِلُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ہم عزل کرنا چاہتے تھے ہمارا ارادہ یہی تھا کہ عزل کر لیں لیکن پھر ہم نے سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں،

بَيْنَ أَظْهُرِنَا قَبْلَ أَنْ نَسْأَلَهُ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَّا تَفْعَلُوا مَا مِنْ نَسَمَةٍ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے بغیر عزل کرنا مناسب نہ ہوگا، چنانچہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم عزل نہ کرو پھر بھی کوئی حرج

كَائِنَةٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ

نہیں کیونکہ قیامت تک جو جان پیدا ہونے والی ہے وہ ضرور پیدا ہو کر رہے گی۔

فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْعَزْلِ: راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے عزل کے بارے میں پوچھا کہ عزل کرنا جائز ہے یا جائز نہیں؟ تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے سائل کو صراحتاً جواب دینے کی بجائے مذکورہ بالا حدیث سنائی، صحابہ رضی اللہ عنہم کا اکثر یہ طریقہ تھا کہ وہ یہ جواب نہیں دیتے تھے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے، بلکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث یا واقعہ سنا دیتے تھے۔ اکابر اور سلف صالحین میں سے بھی بہت سے حضرات کا یہی طریقہ رہا ہے۔

عزل اور اس کا حکم

عزل کہتے ہیں کہ آدمی اپنی بیوی یا باندی کے ساتھ ہمبستری کرے، مگر مادہ منویہ فرج میں خارج نہ کرے بلکہ باہر نکالے، تاکہ استقرار حمل نہ ہو۔ عزل کے مسئلہ میں ائمہ کرامؒ کے اقوال مختلف ہیں، چونکہ جس عورت سے صحبت کے وقت عزل کیا جائے گا اس کی تین قسمیں ہیں:

❶ **آزاد عورت:** اس سے عزل بلا اجازت جائز نہیں اور اس پر ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاق ہے۔

❷ **مملوکہ باندی:** اس سے عزل بلا اجازت بھی بالاتفاق جائز ہے۔

❸ **منکوحہ باندی:** اگر باندی منکوحہ ہے، یعنی غیر کی باندی سے شادی کی ہے، اس صورت میں اگر منکوحہ برضا ورغبت اجازت دے دے تو عزل جائز ہے، اس لیے کہ جب آزاد منکوحہ سے بصورت اذن عزل جائز ہے تو باندی سے بطریق اولیٰ جائز ہوگا، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ منکوحہ باندی سے اجازت کی ضرورت ہے یا اس کے مولیٰ سے اجازت کی ضرورت ہے؟

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک باندی کے مولیٰ سے اجازت کی ضرورت ہے اور امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی راجح قول یہی ہے، صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک منکوحہ باندی سے عزل کرنے میں خود باندی سے اجازت کی ضرورت ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما آزاد پر قیاس کرتے ہیں کہ خود بیوی سے اجازت کی ضرورت ہے مگر یہ قیاس درست نہیں کیونکہ منکوحہ باندی پر اس کے مولیٰ کا حق ہے، برخلاف آزاد کے کہ اس پر مولیٰ کا کوئی حق نہیں۔

عزل کرنا خلاف اولیٰ ہے

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عزل کرنا خلاف اولیٰ ہے، یعنی عزل نہ کرنا افضل ہے، اس لیے کہ عزل اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ استقرار حمل نہ ہو، سو اس تدبیر میں کوئی فائدہ نہیں، یہ خام خیالی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے جس روح کا پیدا کرنا مقدر کیا ہے، اس کو عزل روک نہیں سکتا، کبھی منی سبقت کر جاتی ہے اور عزل کرنے والے کو خبر تک نہیں ہوتی، چنانچہ حمل کا استقرار ہو جاتا ہے اور بچہ پیدا ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ نے جو مقدر کر دیا ہے اس کو کوئی پھیر نہیں سکتا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

جذامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزل کو **و أد خفی** فرمایا ہے، حالانکہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ یہود عزل کو **مو ؤدۃ الصغرۃ** کہتے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود پر رد کرتے ہوئے فرمایا **کذبت الیہود**۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ **و أد خفی** والی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ شروع میں جب اس سے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں اہل کتاب کی موافقت فرمائی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا حکم واضح فرما دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: **کذبت الیہود**۔

وَ قُلْنَا نَعْزِلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا: یہاں روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم

نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا تھا، جبکہ دوسری روایت میں وارد ہے کہ کنا نعزل و القرآن ینزل کہ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہورہا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا نہیں تھا، آپ ﷺ سے پوچھے بغیر ہم عزل کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم تھا، اگر ہمارا یہ فعل حرام ہوتا تو اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ پر ممانعت کی وحی نازل فرمادیتے لیکن وحی نازل نہیں ہوئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس فعل کی اجازت دے دی۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عزل سے متعلق آپ ﷺ سے نہیں پوچھا تھا، جبکہ حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے عزل کے متعلق سوال کیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ پوچھا ہو اور انہوں نے یہ دلیل دی ہو کہ کنا نعزل و القرآن ینزل اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا ہو، جیسا کہ یہاں مذکور ہے۔

مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَّا تَفْعَلُوْا: اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک معنی یہ ہے کہ اگر عزل کرو تو تمہارے اوپر کوئی گناہ اور وبال نہیں ہے اور اگر نہ کرو تو کیا برائی ہے؟ گویا بتادیا کہ نہ کرو تو بہتر ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ تمہارے اوپر واجب نہیں ہے کہ نہ کرو یعنی کرنا جائز ہے، یہی معنی اکثر حضرات نے لیے ہیں کہ آپ ﷺ نے اجازت دے دی کہ جو روح روز قیامت تک آنے والی ہے، وہ وجود میں آکر رہے گی چاہے عزل کرو یا نہ کرو، لہٰذا اگر کرنا چاہتے ہو تو کوئی گناہ نہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ انفرادی طور پر کسی عذر کی وجہ سے اگر کوئی شخص عزل کرنا چاہے یا مانع حمل کا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے، البتہ اس کی غرض صحیح ہونی چاہیے، مقصد صحیح ہونا چاہیے، مشروع ہونا چاہیے، غیر مشروع مقصد کے تحت عزل کرنا یا مانع حمل کا کوئی طریقہ اختیار کرنا درست نہیں، غیر مشروع کا معنی یہ ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ میری لڑکی ہوئی تو یہ میرے لیے عار ہوگا، اس واسطے عزل کریں تو یہ حرام ہوگا، یا کوئی اس وجہ سے عزل کرے کہ بچوں کو کہاں سے کھلائیں گے تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔

ضبط ولادت / خاندانی منصوبہ بندی

موجودہ زمانے میں خاندانی منصوبہ بندی یا برتھ کنٹرول کے نام سے جو تحریک چلی ہے، اس کے عدم جواز میں شبہ نہیں اول اس لیے کہ ضبط ولادت کی اجازت جن مقامات پر ثابت ہے ان کا حاصل انفرادی طور پر ضبط ولادت کرنا ہے، لیکن اس کو عام عالمگیر تحریک بنالینا ہرگز درست نہیں۔ دوسرے اس تحریک کی غرض بھی فاسد ہے، کیونکہ اس کا منشاء خشیۃ املاق ہے اور یہ منشاء بنص قرآنی فاسد ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں

بھی) اس آیت میں یہ سمجھنا غلط ہے کہ یہ حکم قتل اولاد کے ساتھ ہی مخصوص ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خشیة املاق کے الفاظ سے اس فعل کی شناعت کا ایک عام حکم بھی بیان فرمایا ہے کہ ہر وہ عمل جس سے بخوف مفلسی تحدید نسل ہوتی ہو تو وہ ناجائز ہے۔ دراصل یہ تحریک اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا (زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمہ نہ لے رکھا ہو اور وہ اس کے مستقل ٹھکانے کو بھی جانتا ہے اور عارضی ٹھکانے کو بھی)۔

اور قانون قدرت یہ ہے کہ ہر زمانے میں پیداوار کی مقدار اس دور کی ضرورت کے مطابق ہوتی ہے مثلا پرانے زمانوں میں تمام سفر گھوڑوں پر ہوتے تھے اس دور میں اس قسم کے سفر میں کام آنے والے جانوروں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی اور اب چونکہ سفر گاڑیوں وغیرہ پر ہونے لگے تو ان کی نسل بھی کم ہوگئی، اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح فرمایا: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے ہمارے پاس خزانے موجود نہ ہوں، مگر ہم اس کو ایک معین مقدار میں اتارتے ہیں۔

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ ضروریات کے مطابق وسائل کی پیداوار کا نظام قدرت ہی کی طرف سے ہے، یہ تو قادر مطلق کے وہ قوانین ہیں جن تک عقل کی رسائی نہیں ہوسکتی ہے، یہ وہ مرحلہ ہے جہاں عقل وفکر جواب دے جاتی ہے، اس لیے یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ آبادی میں اضافہ معاشی تنگی پر منتج ہوگا؟ بلکہ جب آبادی بڑھے گی تو اللہ تعالیٰ وسائل رزق میں وسعت عطا کریں گے، جیسا کہ پہلے سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ضبط ولادت کی تحریک کسی بھی معقول بنیاد پر قائم نہیں، بلکہ محض ایک سیاسی فریب ہے اور اب تو ماہرین معاشیات بھی اسی نتیجے کی طرف آرہے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی کی یہ تحریک نہایت نقصان دہ ہے اور معاشی طور پر اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جو لوگ ضبط ولادت کے حامی ہیں ان سے جب اس مسئلے میں مذہبی نقطہ نظر سے بات کی جاتی ہے تو وہ اپنی دلیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سنا دیتے ہیں کہ اس سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ یہ حضرات احادیث کو انتہائی سرسری نگاہ سے دیکھتے ہیں، یہ ایک زبردست اصولی غلطی ہے کہ محض ایک یا دو حدیثوں کو دیکھ کر کوئی فیصلہ کن رائے قائم کر لی جائے، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس بات کو سمجھا جائے کہ جس زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزل کی اجازت دی تھی، اس زمانے میں اہل عرب مختلف اغراض کے ماتحت انفرادی طور پر عزل کیا کرتے تھے۔

① ایک یہ کہ باندی سے اولاد نہ ہو، تاکہ گھر کے کام کاج میں حرج نہ پیش آئے۔

۲ دوسرا یہ کہ باندی ام ولد نہ بن جائے، کیونکہ اس صورت میں اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا پڑے گا، کیونکہ ام ولد کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔

۳ زمانہ رضاعت میں حمل نہ ٹھہر جائے، کیونکہ ان کا یہ گمان تھا کہ اس سے شیر خوار بچے کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔

پھر چونکہ عزل ناپسندیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ جائز بھی تھا بشرطیکہ اس سے کوئی غیر شرعی یا ناجائز چیز مقصود نہ ہو، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع نہیں فرمایا، البتہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس فعل سے مقصد کوئی ایسی چیز ہوتی جو شریعت میں منع ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے ضرور منع فرماتے۔

اس معاملے کی مزید وضاحت اس واقعے سے بھی ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آئے اور عرض کیا کہ میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ میرا ایک بچہ ہے، جسے میری بیوی دودھ پلاتی ہے، مجھے خطرہ ہے کہ اگر وہ حاملہ ہو گئی تو اس کا دودھ بچے کو نقصان پہنچائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہل روم اور اہل فارس ایسا کرتے ہیں مگر ان کے بچوں کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔

اس واقعے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً جائز یا ناجائز ہونے کا نہیں فرمایا، بلکہ سائل سے پوچھا کہ اس سے تمہاری منشاء کیا ہے، پھر چونکہ اس کا مقصد کوئی ناجائز کام نہ تھا، بلکہ ایک تجربہ اور وہم تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے فضول ہونے کو واضح فرمایا اور اشارتاً کراہت کا بھی اظہار فرمایا، لیکن قطعاً منع نہیں فرمایا، اب عقل خود بخود اس نتیجے کو پاسکتی ہے کہ اگر عزل کرنے والے کا کوئی مقصد ناجائز اور نصوص شرعیہ کے خلاف ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ضرور روکتے۔ اس توضیح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جن حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزل کی اجازت دی، اس سے موجودہ زمانے میں تحریک ضبط ولادت پر عمل کرنے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، اول تو اس لیے کہ ان کا مقصد صحیح تھا، دوسرا اس لیے کہ اس زمانے میں انفرادی حیثیت سے یہ کام کیا جاتا تھا کسی اجتماعی تحریک کی شکل نہیں تھی۔

روایت باب پر ایک اشکال اور اس کے جوابات:

روایت باب کے متعلق کسی کو یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ بنو المصطلق کی جو خواتین باندیاں بن کر مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھیں، وہ تو مشرکات تھیں اور جمہور ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مشرکات سے وطی جائز نہیں ہے، ملک یمین کے ساتھ وطی کرنا صرف اس باندی سے جائز ہے جو مسلمان ہو یا کتابیہ ہو، پھر یہاں مسلمانوں نے بنو المصطلق کی مشرکات باندیوں سے وطی کیوں کی؟ اس اعتراض کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں:

۱ قاضی ابو الولید باجی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مشرکات نہیں تھیں بلکہ کتابیات تھیں لیکن یہ جواب درست نہیں ہے

کیونکہ وہ مشرکات ہی تھیں کتابیات نہیں تھیں۔

❷ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے، جب مشرکات سے وطی کرنے کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی، یہ نزول حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

❷ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ویحتمل انهن کن اسلمن یعنی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے قبضے میں آنے کے بعد وہ خواتین مسلمان ہوگئی ہوں، یہ جواب سب سے راجح معلوم ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف غزوہ کے لیے گئے۔

نَجْدٍ فَلَمَّا أَدْرَكَتْهُ الْقَائِلَةُ وَهُوَ فِي وَادٍ كَثِيرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ تَحْتَ شَجَرَةٍ وَاسْتَظَلَّ بِهَا وَعَلَّقَ

دوپہر کا وقت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگل میں پہنچے جہاں ببول کے بہت سے درخت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھنے درخت کے نیچے سایہ کے لیے قیام کیا اور اپنی تلوار درخت سے

سَيْفَهُ فَتَفَرَّقَ النَّاسُ فِي الشَّجَرِ يَسْتَظِلُّونَ وَبَيْنَا نَحْنُ كَذٰلِكَ إِذْ دَعَانَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

لٹکا دی، صحابہ رضی اللہ عنہم بھی درختوں کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے پھیل گئے، ابھی ہم اسی کیفیت میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پکارا،

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِئْنَا فَإِذَا أَعْرَابِيٌّ قَاعِدٌ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ إِنَّ هٰذَا أَتَانِي وَ أَنَا نَائِمٌ فَاخْتَرَطَ

ہم حاضر ہوئے تو ایک بدوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص میرے پاس آیا اور میں سو رہا تھا، اتنے میں اس نے

سَيْفِي فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ قَائِمٌ عَلَى رَأْسِي مُخْتَرِطٌ صَلْتًا قَالَ مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّي؟ قُلْتُ اَللهُ

میری تلوار تان لی اور میں بھی بیدار ہوگیا، تو یہ میری ننگی تلوار تانے ہوئے میرے سر پر کھڑا تھا اور مجھ سے کہنے لگا کہ آج مجھ سے تمہیں کون بچائے گا؟ میں نے کہا کہ اللہ!

فَشَامَهُ ثُمَّ قَعَدَ فَهُوَ هٰذَا قَالَ وَ لَمْ يُعَاقِبْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(وہ شخص اس سے اتنا مرعوب ہوا کہ) تلوار کو نیام میں رکھ کر بیٹھ گیا اور دیکھ لو یہ بیٹھا ہوا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی سزا نہیں دی۔

بَابُ غَزْوَةِ أَنْمَارٍ

یہ باب غزوۂ انمار کے بیان میں ہے

حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُرَاقَةَ

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ انمار میں دیکھا

فِي غَزْوَةِ أَنْمَارٍ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ مُتَوَجِّهًا قِبَلَ الْمَشْرِقِ مُتَطَوِّعًا

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز اپنی سواری پر مشرق کی طرف منہ کئے ہوئے پڑھ رہے تھے

اکثر اصحاب سیر کے نزدیک غزوۂ انمار اور غزوۂ ذات الرقاع ایک ہی ہیں اور یہاں اس کا ذکر بے موقع ہے، اس لئے کہ غزوۂ مریسیع میں افک کا واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد باب حدیث الافک آرہا ہے، درمیان میں غزوۂ انمار کا ذکر خلاف ترتیب ہے، ابن حجرؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ والذی یظهر ان التقدیم و التاخیر فی ذلک من النساخ۔

بَابُ حَدِيْثِ الإِفْكِ

یہ باب واقعہ افک کے بارے میں ہے۔

الْإِفْكِ وَالْأَفَكُ بِمَنْزِلَةِ النِّجْسِ وَالنَّجَسِ يُقَالُ إِفْكُهُمْ وَأَفْكُهُمْ وَأَفَكُهُمْ

افک بہتان کو کہتے ہیں، افک یا فک کے اصل معنی ہوتے ہیں پھیرنا، بہتان کو بھی اسی لیے افک کہا جاتا ہے کہ اس میں بات کو اپنی جگہ سے پھیر دیا جاتا ہے اور اصل بات کی جگہ خلاف واقعہ بات ذکر کی جاتی ہے۔

الْإِفْكِ وَالْأَفَكُ بِمَنْزِلَةِ النِّجْسِ وَالنَّجَسِ: یعنی یہ لفظ افک (ہمزہ کے کسرہ اور فاء کے سکون کے ساتھ بھی ہے) اور ہمزہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے جیسے کہ نِجس اور نَجَس۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کو اِفک اور اَفک دونوں طرح پڑھا گیا ہے، جیسے نِجس اور نَجَس۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے: وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ یہاں قرائت میں اِفْكُهُمْ بھی پڑھا گیا ہے اور اَفْكُهُمْ بھی پڑھا گیا ہے۔

غزوۃ بنی المصطلق سے مناسبت

حدیث افک کی غزوۃ بنی المصطلق سے مناسبت واضح ہے کہ غزوۃ بنی المصطلق میں فتح و کامرانی کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے تو واپسی کے راستے میں یہ واقعہ افک پیش آیا۔

حدیث افک کا تعارف

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غزوۃ بنی المصطلق سے واپسی کے سفر میں قافلے والوں سے پیچھے رہ گئی تھیں، منافقوں نے اس بات کا بتنگڑ بنالیا اور آپ پر بہتان تراشنا شروع کر دیا، اس پورے واقعے کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود اپنی زبانی ذکر فرمایا ہے، جو بعد میں حدیث افک کے نام سے مشہور ہوئی۔

اسی واقعہ افک سے متعلق قرآن مجید میں سورۃ النور کی سولہ آیتیں بھی نازل ہوئیں: اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ سے اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ تک۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث افک کو تین جگہ مطولاً ذکر کیا ہے، کتاب الشہادات میں، کتاب المغازی میں اور کتاب التفسیر میں، ان تین مقامات کے علاوہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مختصراً بھی بہت سے مقامات میں مختلف مسائل کے پیش نظر ذکر کیا ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَ عَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ

ابن شہابؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص

وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے بیان کی اور انہوں نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوْا وَ كُلُّهُمْ حَدَّثَنِيْ طَائِفَةً مِّنْ حَدِيْثِهَا

کہ جب اہل افک (یعنی تہمت لگانے والوں) نے ان کے متعلق وہ سب کچھ کہا جو انہیں کہنا تھا (ابن شہاب فرماتے ہیں کہ) ان چاروں اساتذہ میں سے ہر ایک نے حضرت عائشہؓ

وَبَعْضُهُمْ كَانَ أَوْعٰى لِحَدِيْثِهَا مِنْ بَعْضٍ وَأَثْبَتَ لَهُ اقْتِصَاصًا وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْ كُلِّ رَجُلٍ

کی حدیث کا کچھ حصہ مجھے نقل کیا اور ان میں سے بعض کو یہ قصہ زیادہ بہتر طریقہ پر یاد تھا اور عمدگی سے یہ قصہ بیان کرتا تھا اور میں نے ان میں سے ہر ایک سے

مِّنْهُمُ الْحَدِيْثَ الَّذِيْ حَدَّثَنِيْ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَبَعْضُ حَدِيْثِهِمْ يُصَدِّقُ بَعْضًا

وہ حدیث محفوظ کی، جو انہوں نے مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہوئے سنائی تھی اور ان میں باہم ایک کی روایت دوسرے کی روایت کی تصدیق کرتی ہے۔

وَإِنْ كَانَ بَعْضُهُمْ أَوْعٰى لَهُ مِنْ بَعْضٍ قَالُوْا قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى

اگر چہ ان میں سے بعض لوگوں کو دوسرے لوگوں کے مقابلے میں روایت زیادہ بہتر طریقہ پر یاد تھی۔ یہ چاروں حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ أَزْوَاجِهِ فَأَيُّهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا رَسُوْلُ اللهِ

کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہراتؓ کے درمیان قرعہ ڈالا کرتے تھے اور جس کا نام قرعہ میں نکلتا انہیں نبی کریم ﷺ اپنے ساتھ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَأَقْرَعَ بَيْنَنَا فِيْ غَزْوَةٍ غَزَاهَا فَخَرَجَ

سفر میں لے جاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک غزوہ کے موقع پر جب آپ ﷺ نے قرعہ ڈالا

فِيْهَا سَهْمِيْ فَخَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا أُنْزِلَ الْحِجَابُ فَكُنْتُ

تو میرا نام نکلا چنانچہ میں آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں روانہ ہوئی۔ یہ واقعہ پردہ کے حکم کے نازل ہونے کے بعد کا ہے۔

أُحْمَلُ فِيْ هَوْدَجِيْ وَ أُنْزَلُ فِيْهِ فَسِرْنَا حَتّٰى إِذَا فَرَغَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَتِهِ

مجھے ہودج سمیت اٹھا کر سوار کر دیا جاتا اور اسی کے ساتھ اتارا جاتا۔ اس طرح ہم روانہ ہوئے، پھر جب نبی کریم ﷺ اس غزوہ سے فارغ ہو گئے

تِلْكَ وَ قَفَلَ دَنَوْنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ قَافِلِيْنَ اٰذَنَ لَيْلَةً بِالرَّحِيْلِ فَقُمْتُ حِيْنَ اٰذَنُوْا بِالرَّحِيْلِ

تو واپس ہوئے۔ واپسی میں ہم مدینہ کے قریب تھے (اور ایک مقام پر پڑاؤ تھا) جہاں سے آپ ﷺ نے رات کے وقت کوچ کا اعلان کیا، تو میں کھڑی ہوئی

فَمَشَيْتُ حَتّٰى جَاوَزْتُ الْجَيْشَ فَلَمَّا قَضَيْتُ شَأْنِيْ أَقْبَلْتُ إِلٰى رَحْلِيْ فَلَمَسْتُ صَدْرِيْ

اور تھوڑی دور چل کر لشکر کی حدود سے آگے نکل گئی، پھر قضائے حاجت سے فارغ ہو کر میں اپنی سواری کے پاس پہنچی، وہاں پہنچ کر جو میں نے اپنا سینہ ٹٹولا

فَإِذَا عِقْدٌ لِّيْ مِنْ جَزْعِ ظَفَارِ قَدِ انْقَطَعَ فَرَجَعْتُ فَالْتَمَسْتُ عِقْدِيْ فَحَبَسَنِي ابْتِغَاؤُهُ قَالَتْ

تو ظفار (یمن کا ایک شہر) کے مہرہ کا بنا ہوا میرا ہار غائب تھا، اب میں پھر واپس ہوئی اور اپنا ہار تلاش کرنے لگی، اس تلاش میں دیر ہوگئی۔ وہ فرماتی ہیں

وَ أَقْبَلَ الرَّهْطُ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُرَحِّلُوْنِيْ فَاحْتَمَلُوْا هَوْدَجِيْ فَرَحَلُوْهُ عَلٰى بَعِيْرِيَ الَّذِيْ كُنْتُ

کہ جو لوگ مجھے سوار کیا کرتے تھے وہ آئے اور میرے ہودج کو اٹھا کر انہوں نے میرے اونٹ پر رکھ دیا، جس پر میں سوار ہوا کرتی تھی۔

أَرْكَبُ عَلَيْهِ وَهُمْ يَحْسِبُوْنَ أَنِّيْ فِيْهِ وَكَانَ النِّسَاءُ إِذْ ذَاكَ خِفَافًا لَمْ يَهْبُلْنَ وَلَمْ يَغْشَهُنَّ

وہ یہ سمجھے کہ میں ہودج کے اندر ہی موجود ہوں اور ان دنوں عورتیں بہت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، ان کے جسم میں زیادہ گوشت نہیں ہوتا تھا

اللَّحْمُ إِنَّمَا يَأْكُلْنَ الْعُلْقَةَ مِنَ الطَّعَامِ فَلَمْ يَسْتَنْكِرِ الْقَوْمُ خِفَّةَ الْهَوْدَجِ حِيْنَ رَفَعُوْهُ
کیونکہ وہ بہت معمولی خوراک کھاتی تھیں، اس لیے اٹھانے والوں نے جب اٹھایا تو ہودج کے ہلکے پن میں انہیں کوئی فرق معلوم نہیں ہوا،

وَحَمَلُوْهُ وَ كُنْتُ جَارِيَةً حَدِيثَةَ السِّنِّ فَبَعَثُوا الْجَمَلَ فَسَارُوْا وَ وَجَدْتُّ عِقْدِيْ بَعْدَ مَا
یوں بھی اس وقت میں ایک کم عمر لڑکی تھی۔ غرض اونٹ کو اٹھا کر وہ بھی روانہ ہو گئے۔ جب لشکر گزر گیا تو مجھے بھی اپنا ہار مل گیا،

اسْتَمَرَّ الْجَيْشُ فَجِئْتُ مَنَازِلَهُمْ وَلَيْسَ بِهَا مِنْهُمْ دَاعٍ وَّلَا مُجِيبٌ فَتَيَمَّمْتُ مَنْزِلِي الَّذِيْ
میں پڑاؤ کی جگہ پر آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا، نہ پکارنے والا نہ جواب دینے والا، چنانچہ میں وہیں ٹھہر گئی

كُنْتُ بِهِ وَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ سَيَفْقِدُوْنِّيْ فَيَرْجِعُوْنَ إِلَيَّ فَبَيْنَا أَنَا جَالِسَةٌ فِيْ مَنْزِلِيْ غَلَبَتْنِيْ عَيْنِيْ
کیونکہ مجھے یقین تھا کہ جلد ہی میرے نہ ہونے کا انہیں علم ہو جائے گا اور وہ مجھے لینے کے لیے واپس لوٹ آئیں گے۔ اسی دوران اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی

فَنِمْتُ وَكَانَ صَفْوَانُ بْنُ الْمُعَطَّلِ السُّلَمِيُّ ثُمَّ الذَّكْوَانِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْجَيْشِ فَأَصْبَحَ عِنْدَ
تو میں سو گئی۔ صفوان بن معطل سلمی الذکوانی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے (تاکہ لشکر کی کوئی چیز گم ہو گئی ہو تو وہ اٹھا لیں) وہ اس جگہ پر پہنچے

مَنْزِلِيْ فَرَاٰى سَوَادَ إِنْسَانٍ نَائِمٍ فَعَرَفَنِيْ حِيْنَ رَاٰنِيْ وَكَانَ رَاٰنِيْ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَيْقَظْتُ
تو انہوں نے ایک سوئے انسان کا سایہ دیکھا اور جب (قریب آ کر) مجھے دیکھا تو پہچان گئے، پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے وہ مجھے دیکھ چکے تھے۔

بِاسْتِرْجَاعِهِ حِيْنَ عَرَفَنِيْ فَخَمَّرْتُ وَجْهِيْ بِجِلْبَابِيْ وَ وَاللّٰهِ مَا تَكَلَّمْنَا بِكَلِمَةٍ وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ
تو ان کے انا للہ پڑھنے کی آواز سے میں جاگ اٹھی اور فوراً اپنی چادر سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اللہ کی قسم! ہم نے کوئی بات چیت نہیں کی اور میں نے ان سے سوائے انا للہ کے

كَلِمَةً غَيْرَ اسْتِرْجَاعِهِ وَ هَوٰى حَتّٰى أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ فَوَطِئَ عَلٰى يَدِهَا فَقُمْتُ إِلَيْهَا فَرَكِبْتُهَا
ایک لفظ بھی نہیں سنا، وہ سواری سے اتر گئے اور انہوں نے اسے بٹھا کر اس کی اگلی ٹانگ کو موڑ دیا (تاکہ بغیر کسی مدد کے ام المؤمنین اس پر سوار ہو سکیں) میں اٹھی اور اس پر سوار ہو گئی۔

فَانْطَلَقَ يَقُوْدُ بِيَ الرَّاحِلَةَ حَتّٰى أَتَيْنَا الْجَيْشَ مُوْغِرِيْنَ فِيْ نَحْرِ الظَّهِيْرَةِ وَهُمْ نُزُوْلٌ قَالَتْ
اب وہ سواری کو آگے سے پکڑے ہوئے لے کر چلے۔ جب ہم لشکر کے قریب پہنچے تو ٹھیک دوپہر کا وقت تھا، لشکر پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔

فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ وَكَانَ الَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَ الْإِفْكِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيِّ ابْنِ سَلُوْلَ قَالَ عُرْوَةُ أُخْبِرْتُ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا۔ اصل میں تہمت کا بیڑا عبداللہ بن ابی ابن سلول (منافق) نے اٹھا رکھا تھا۔ عروہ فرماتے ہیں کہ مجھے

أَنَّهُ كَانَ يُشَاعُ وَ يُتَحَدَّثُ بِهِ عِنْدَهُ فَيُقِرُّهُ وَ يَسْتَمِعُهُ وَ يَسْتَوْشِيْهِ وَقَالَ عُرْوَةُ أَيْضًا لَمْ يُسَمَّ
معلوم ہوا کہ وہ اس تہمت کا چرچا کرتا اور اس کی مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہوا کرتا اور وہ اس کی تصدیق کرتا، خوب غور اور توجہ سے سنتا اور پھیلانے کے لیے خوب کھود کرید کرتا۔

مِنْ أَهْلِ الْإِفْكِ أَيْضًا إِلَّا حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ وَ مِسْطَحُ بْنُ أُثَاثَةَ وَ حَمْنَةُ بِنْتُ جَحْشٍ رَضِيَ اللّٰهُ
عروہ کہتے ہیں کہ تہمت لگانے ولوں میں سے حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کے سوا اگرچہ اس میں شریک ہونے والے

عَنْهُمْ فِيْ نَاسٍ اٰخَرِيْنَ لَا عِلْمَ لِيْ بِهِمْ غَيْرَ أَنَّهُمْ عُصْبَةٌ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَإِنَّ كِبْرَ ذٰلِكَ
بہت سے تھے مگر مجھے کسی کا نام معلوم نہیں البتہ وہ عصبہ یعنی دس سے زیادہ تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے لیکن اس معاملہ میں سب سے بڑھ چڑھ کر

يُقَالُ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيِّ ابْنِ سَلُوْلَ قَالَ عُرْوَةُ كَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَكْرَهُ أَنْ يُّسَبَّ
حصہ لینے والا عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔ عروہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر بڑی خفگی کا اظہار کرتی تھیں کہ اگر ان کے سامنے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

عِنْدَهَا حَسَّانُ وَتَقُوْلُ إِنَّهُ الَّذِيْ قَالَ فَإِنَّ أَبِيْ وَ وَالِدَهُ وَ عِرْضِيْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءُ
کو برا بھلا کہا جائے، آپ فرماتی تھیں کہ یہ شعر حسان ہی نے کہا ہے کہ ”میرے والد اور میرے والد کے والد اور میری عزت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کی حفاظت کے لیے تمہارے سامنے

قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَقَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَاشْتَكَيْتُ حِيْنَ قَدِمْتُ شَهْرًا وَالنَّاسُ
ڈھال بنی رہیں گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر ہم مدینہ پہنچ گئے اور وہاں پہنچتے ہی میں بیمار ہوگئی اور ایک مہینے تک بیمار ہی رہی، اس عرصہ میں لوگوں میں
يُفِيْضُونَ فِيْ قَوْلِ أَصْحَابِ الْإِفْكِ لَا أَشْعُرُ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ وَهُوَ يُرِيْبُنِيْ فِيْ وَجَعِيْ أَنِّيْ لَا أَعْرِفُ
تہمت لگانے والوں کی افواہوں کا بڑا چرچا رہا لیکن مجھے کچھ محسوس بھی نہیں ہو رہا تھا، البتہ اپنے مرض کے دوران ایک چیز سے مجھے شبہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی
مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللُّطْفَ الَّذِيْ كُنْتُ أَرٰى مِنْهُ حِيْنَ أَشْتَكِيْ إِنَّمَا يَدْخُلُ
وہ محبت و عنایت میں محسوس نہیں کرتی تھی جس کو پہلے جب بھی بیمار ہوتی میں دیکھ چکی تھی۔ آپ میرے پاس
عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُسَلِّمُ ثُمَّ يَقُوْلُ كَيْفَ تِيْكُمْ؟ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَذٰلِكَ
تشریف لاتے سلام کرتے اور دریافت فرماتے کیسی طبیعت ہے؟ اور صرف اتنا پوچھ کر واپس تشریف لے جاتے۔
يُرِيْبُنِيْ وَلَا أَشْعُرُ بِالشَّرِّ حَتّٰى خَرَجْتُ حِيْنَ نَقَهْتُ فَخَرَجْتُ مَعَ أُمِّ مِسْطَحٍ قِبَلَ الْمَنَاصِعِ
آپ ﷺ کے اس طرز عمل سے مجھے شبہ ہوتا تھا، لیکن شر (جو پھیل چکا تھا) اس کا مجھے کوئی احساس نہیں تھا۔ مرض سے جب افاقہ ہوا تو میں ام مسطح کے ساتھ مناصع کی طرف گئی۔
وَكَانَ مُتَبَرَّزَنَا وَكُنَّا لَا نَخْرُجُ إِلَّا لَيْلًا إِلٰى لَيْلٍ وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ تُتَّخَذَ الْكُنُفُ قَرِيْبًا مِّنْ
مناصع (مدینہ کی آبادی سے باہر) ہمارے رفع حاجت کی جگہ تھی۔ ہم یہاں صرف رات کے وقت جاتے تھے، یہ اس سے پہلے کی بات ہے جب بیت الخلاء ہمارے گھروں کے
بُيُوْتِنَا وَأَمْرُنَا أَمْرُ الْعَرَبِ الْأُوَلِ فِي الْبَرِّيَّةِ قِبَلَ الْغَائِطِ وَكُنَّا نَتَأَذّٰى بِالْكُنُفِ أَنْ
قریب بن گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابھی ہم عرب قدیم کے طریقے پر عمل کرتے تھے اور میدان میں رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے اور ہمیں اس سے
نَتَّخِذَهَا عِنْدَ بُيُوْتِنَا قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَأُمُّ مِسْطَحٍ وَهِيَ ابْنَةُ أَبِيْ رُهْمِ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ
تکلیف ہوتی تھی کہ بیت الخلاء ہمارے گھروں کے قریب بنائے جائیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں اور ام مسطح (رفع حاجت کے لیے) گئے۔ ام مسطح ابی رہم بن عبدالمطلب
عَبْدِ مَنَافٍ وَأُمُّهَا بِنْتُ صَخْرِ بْنِ عَامِرٍ خَالَةُ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ وَابْنُهَا مِسْطَحُ بْنُ أُثَاثَةَ بْنِ
بن عبد مناف کی بیٹی ہیں، ان کی والدہ صخر بن عامر کی بیٹی تھیں اور وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں، ان ہی کے بیٹے مسطح بن اثاثہ
عَبَّادِ بْنِ الْمُطَّلِبِ فَأَقْبَلْتُ أَنَا وَأُمُّ مِسْطَحٍ قِبَلَ بَيْتِيْ حِيْنَ فَرَغْنَا مِنْ شَأْنِنَا فَعَثَرَتْ أُمُّ
بن عباد بن مطلب رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب میں اور ام مسطح حاجت سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف واپس آ رہے تھے تو ام مسطح اپنی چادر میں
مِسْطَحٍ فِيْ مِرْطِهَا فَقَالَتْ تَعِسَ مِسْطَحٌ فَقُلْتُ لَهَا بِئْسَ مَا قُلْتِ أَتَسُبِّيْنَ رَجُلًا شَهِدَ بَدْرًا
الجھ گئیں اور ان کی زبان سے نکلا کہ مسطح ہلاک ہو۔ میں نے کہا کہ آپ نے بری بات زبان سے نکالی، ایک ایسے شخص کو آپ برا کہہ رہی ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک ہو چکا ہے۔
فَقَالَتْ أَيْ هَنْتَاهُ وَلَمْ تَسْمَعِيْ مَا قَالَ؟ قَالَتْ وَقُلْتُ مَا قَالَ فَأَخْبَرَتْنِيْ بِقَوْلِ أَهْلِ الْإِفْكِ
تو وہ کہنے لگیں کہ کیوں مسطح کی باتیں تم نے نہیں سنیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ انہوں نے ایسا کیا کہا ہے؟ وہ فرماتی ہیں کہ پھر انہوں نے مجھے تہمت
قَالَتْ فَازْدَدْتُ مَرَضًا عَلٰى مَرَضِيْ فَلَمَّا رَجَعْتُ إِلٰى بَيْتِيْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
لگانے والوں کی باتیں سنائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان باتوں کو سن کر میرا مرض اور بڑھ گیا۔ جب میں اپنے گھر واپس آئی تو نبی کریم ﷺ میرے پاس
وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ كَيْفَ تِيْكُمْ؟ فَقُلْتُ لَهُ أَتَأْذَنُ لِيْ أَنْ اٰتِيَ أَبَوَيَّ قَالَتْ وَأُرِيْدُ أَنْ
تشریف لائے اور سلام کے بعد دریافت فرمایا کہ کیسی طبیعت ہے؟ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے؟
أَسْتَيْقِنَ الْخَبَرَ مِنْ قِبَلِهِمَا قَالَتْ فَأَذِنَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لِأُمِّيْ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ ان سے اس خبر کی تصدیق کروں گی۔ وہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی، تو میں نے اپنی والدہ سے

يَا أُمَّتَاهُ مَاذَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ؟ قَالَتْ يَا بُنَيَّةُ هَوِّنِي عَلَيْكِ فَوَاللهِ لَقَلَّمَا كَانَتِ امْرَأَةٌ قَطُّ
(گھر جا کر) پوچھا کہ لوگوں میں کس طرح کی افواہیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ بیٹی! فکر نہ کر، اللہ کی قسم! ایسا شاید ہی کہیں ہوا ہو کہ ایک خوبصورت عورت

وَضِيئَةً عِنْدَ رَجُلٍ يُحِبُّهَا لَهَا ضَرَائِرُ إِلَّا كَثَّرْنَ عَلَيْهَا قَالَتْ فَقُلْتُ سُبْحَانَ اللهِ أَوَ لَقَدْ
کسی ایسے شوہر کے ساتھ ہو جو اس سے محبت بھی رکھتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اور پھر اس پر تہمتیں نہ لگائی گئی ہوں اور اس کی عیب جوئی نہ کی گئی ہو۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

تَحَدَّثَ النَّاسُ بِهٰذَا؟ قَالَتْ فَبَكَيْتُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتّٰى أَصْبَحْتُ لَا يَرْقَأُ لِي دَمْعٌ وَلَا أَكْتَحِلُ
میں نے اس پر کہا کہ سبحان اللہ کیا اس کا عام لوگوں میں چرچا ہے؟ وہ فرماتی ہیں کہ پھر جو میں نے رونا شروع کیا تو رات بھر روتی رہی اسی طرح صبح ہوگئی اور میرے آنسو کسی طرح

بِنَوْمٍ ثُمَّ أَصْبَحْتُ أَبْكِي قَالَتْ وَ دَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ
نہ تھمتے تھے اور نہ ہی نیند آتی تھی، میں صبح تک روتی رہی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

وَّأُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ حِيْنَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْأَلُهُمَا وَ يَسْتَشِيْرُهُمَا فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ قَالَتْ فَأَمَّا
اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنی بیوی کو علیحدہ کرنے کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے بلایا کیونکہ اس سلسلے میں اب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ وہ فرماتی ہیں کہ

أُسَامَةُ فَأَشَارَ عَلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالَّذِي يَعْلَمُ مِنْ بَرَاءَةِ أَهْلِهِ وَ بِالَّذِي
اسامہ نے تو نبی کریم ﷺ کو اسی کے مطابق مشورہ دیا جو وہ آپ ﷺ کی اہلیہ کی پاکیزگی اور آپ ﷺ کی ان سے محبت

يَعْلَمُ لَهُمْ فِي نَفْسِهِ فَقَالَ أُسَامَةُ أَهْلُكَ وَلَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا وَأَمَّا عَلِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ
کے متعلق جانتے تھے، چنانچہ انہوں نے کہا کہ آپ کی اہلیہ میں مجھے خیر و بھلائی کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہے اور علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ!

لَمْ يُضَيِّقِ اللهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيْرٌ وَسَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ قَالَتْ فَدَعَا رَسُولُ اللهِ
اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے اور عورتیں ان کے علاوہ بھی بہت ہیں، آپ ان کی باندی (بریرہ رضی اللہ عنہا) سے دریافت فرمالیں وہ حقیقت حال بیان کردے گی۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرِيْرَةَ فَقَالَ أَيْ بَرِيْرَةُ هَلْ رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يَّرِيْبُكِ؟ قَالَتْ لَهُ بَرِيْرَةُ
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے بریرہ کو بلایا اور ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے کوئی ایسی بات دیکھی ہے جس سے تمہیں (عائشہ پر) شبہ ہوا ہو؟ بریرہؓ نے کہا کہ

وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا رَأَيْتُ عَلَيْهَا أَمْرًا قَطُّ أَغْمِصُهُ غَيْرَ أَنَّهَا جَارِيَةٌ حَدِيْثَةُ السِّنِّ تَنَامُ
اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں نے ان کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو بری ہو، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ایک نوعمر لڑکی ہیں، آٹا گوندھ کر

عَنْ عَجِيْنِ أَهْلِهَا فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ قَالَتْ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ
سو جاتی ہیں اور بکری آ کر اسے کھا جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطاب کیا اور منبر پر کھڑے ہو کر

يَّوْمِهٖ فَاسْتَعْذَرَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ مَنْ يَّعْذِرُنِي
عبداللہ بن أبی (منافق) کا معاملہ رکھا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے گروہ مسلمین! اس شخص کے بارے میں میری کون مدد کرے گا

مِنْ رَّجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي عَنْهُ أَذَاهُ فِي أَهْلِي وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا وَلَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا
جس کی اذیتیں اب میری بیوی کے معاملے تک پہنچ گئی ہیں، اللہ کی قسم! میں نے اپنی بیوی میں خیر کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھی اور نام بھی ان لوگوں نے ایک ایسے شخص (صفوان)

مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا وَمَا يَدْخُلُ عَلٰى أَهْلِي إِلَّا مَعِي قَالَتْ فَقَامَ سَعْدٌ أَخُو بَنِي
کا لیا ہے جس کے بارے میں بھی میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتا، وہ جب بھی میرے گھر آئے تو میرے ساتھ ہی آئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس پر سعد بن معاذؓ

عَبْدِ الْأَشْهَلِ فَقَالَ أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَعْذِرُكَ فَإِنْ كَانَ مِنَ الْأَوْسِ ضَرَبْتُ عُنُقَهُ وَإِنْ كَانَ مِنْ
قبیلہ بنو اشہل کے کھڑے ہوئے اور عرض کیا میں، یا رسول اللہ! آپ کی مدد کروں گا۔ اگر وہ شخص قبیلہ اوس کا ہوا تو میں اس کی گردن مار دوں گا اور اگر وہ ہمارے بھائی

إِخْوَانِنَا مِنَ الْخَزْرَجِ أَمَرْتَنَا فَفَعَلْنَا أَمْرَكَ قَالَتْ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْخَزْرَجِ وَكَانَتْ أُمُّ
خزرج قبیلہ کا ہوا تو آپ کا اس کے متعلق بھی جو حکم ہوگا ہم بجالائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس پر قبیلہ خزرج کے ایک صاحب کھڑے ہوئے، حسان کی والدہ

حَسَّانٍ بِنْتَ عَمِّهِ مِنْ فَخِذِهِ وَهُوَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَهُوَ سَيِّدُ الْخَزْرَجِ قَالَتْ وَكَانَ قَبْلَ ذٰلِكَ
ان کی چچا زاد بہن تھیں یعنی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ وہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور اس سے پہلے

رَجُلًا صَالِحًا وَلٰكِنِ احْتَمَلَتْهُ الْحَمِيَّةُ فَقَالَ لِسَعْدٍ كَذَبْتَ لَعَمْرُ اللّٰهِ لَا تَقْتُلُهُ وَلَا تَقْدِرُ عَلٰى
بڑے نیک آدمی تھے لیکن آج قبیلہ کی حمیت ان پر غالب آگئی، انہوں نے سعد بن معاذ کو مخاطب کر کے کہا: اللہ کی قسم! تم جھوٹے ہو، تم اسے قتل نہیں کر سکتے اور نہ تمہارے اندر

قَتْلِهِ وَلَوْ كَانَ مِنْ رَهْطِكَ مَا أَحْبَبْتَ أَنْ يُّقْتَلَ فَقَامَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ وَهُوَ ابْنُ عَمِّ سَعْدٍ
اتنی طاقت ہے اور اگر وہ تمہارے قبیلہ کا ہوتا تو تم اس کے قتل کا نام نہ لیتے۔ اس کے بعد اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے کھڑے ہوئے

فَقَالَ لِسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ كَذَبْتَ لَعَمْرُ اللّٰهِ لَنَقْتُلَنَّهُ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ تُجَادِلُ عَنِ الْمُنَافِقِيْنَ
اور سعد بن عبادہؓ کو مخاطب کر کے کہا: اللہ کی قسم! تم جھوٹے ہو، ہم اسے ضرور قتل کریں گے، اب اس میں شبہ نہیں رہا کہ تم منافق ہو اور منافقوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہو۔

قَالَتْ فَثَارَ الْحَيَّانِ الْأَوْسُ وَالْخَزْرَجُ حَتّٰى هَمُّوْا أَنْ يَّقْتَتِلُوْا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
اتنے میں اوس و خزرج کے دونوں قبیلے بھڑک اٹھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپس ہی میں لڑ پڑیں گے اور اس وقت تک رسول اللہ ﷺ

وَسَلَّمَ قَائِمٌ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَتْ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَفِّضُهُمْ حَتّٰى
منبر پر ہی تشریف فرما تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ سب کو خاموش کرانے لگے، یہاں تک کہ سب حضرات

سَكَتُوْا وَسَكَتَ قَالَتْ فَبَكَيْتُ يَوْمِيْ ذٰلِكَ كُلَّهُ لَا يَرْقَأُ لِيْ دَمْعٌ وَلَا أَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ قَالَتْ
چپ ہوگئے اور آپ ﷺ بھی خاموش ہوگئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس روز پورا دن روتی رہی، نہ میرا آنسو تھمتا تھا اور نہ آنکھ لگتی تھی۔ صبح کے وقت میرے

وَأَصْبَحَ أَبَوَايَ عِنْدِيْ وَقَدْ بَكَيْتُ لَيْلَتَيْنِ وَيَوْمًا لَا يَرْقَأُ لِيْ دَمْعٌ وَلَا أَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ حَتّٰى إِنِّيْ
والدین میرے پاس آئے۔ دو راتیں اور ایک دن میرا روتے ہوئے گزر گیا تھا، اس پورے عرصہ میں نہ میرا آنسو رکا اور نہ نیند آئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ

لَأَظُنُّ أَنَّ الْبُكَاءَ فَالِقٌ كَبِدِيْ فَبَيْنَا أَبَوَايَ جَالِسَانِ عِنْدِيْ وَأَنَا أَبْكِيْ فَاسْتَأْذَنَتْ عَلَيَّ امْرَأَةٌ
روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ابھی میرے والدین میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے اور میں روئے جارہی تھی کہ قبیلہ انصار کی ایک خاتون نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔

مِّنَ الْأَنْصَارِ فَأَذِنْتُ لَهَا فَجَلَسَتْ تَبْكِيْ مَعِيْ قَالَتْ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
میں نے انہیں اجازت دے دی اور وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم ابھی اسی حالت میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے،

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ قَالَتْ وَلَمْ يَجْلِسْ عِنْدِيْ مُنْذُ قِيْلَ مَا قِيْلَ
آپ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے مجھ پر تہمت لگائی گئی تھی آپ ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے،

قَبْلَهَا وَقَدْ لَبِثَ شَهْرًا لَا يُوْحٰى إِلَيْهِ فِيْ شَأْنِيْ بِشَيْءٍ قَالَتْ فَتَشَهَّدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
ایک مہینہ گزر گیا تھا اور میرے بارے میں آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بیٹھنے کے بعد آپ ﷺ نے

وَسَلَّمَ حِيْنَ جَلَسَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ يَا عَائِشَةُ إِنَّهُ بَلَغَنِيْ عَنْكِ كَذَا وَكَذَا فَإِنْ كُنْتِ بَرِيْئَةً
کلمہ شہادت پڑھا پھر فرمایا "امابعد" اے عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں اس اس طرح کی خبریں ملی ہیں، اگر تم واقعی اس معاملہ میں پاک و صاف ہو

فَسَيُبَرِّئُكِ اللّٰهُ وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوْبِيْ إِلَيْهِ فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ
تو اللہ تمہاری پاکی خود بیان کردے گا لیکن اگر تم نے کسی گناہ کا قصد کیا تھا تو اللہ کی مغفرت چاہو اور اس کے حضور میں توبہ کرو کیونکہ بندہ جب (اپنے گناہوں کا) اعتراف کرلیتا ہے

ثُمَّ تَابَ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ قَالَتْ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهُ قَلَصَ

اور پھر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ اپنی بات پوری فرما چکے تو میرے آنسو اس طرح

دَمْعِيْ حَتّٰى مَا أُحِسُّ مِنْهُ قَطْرَةً فَقُلْتُ لِأَبِيْ أَجِبْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِّيْ فِيْمَا

خشک ہو گئے کہ ایک قطرہ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ میں نے پہلے اپنے والد سے کہا کہ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں۔

قَالَ فَقَالَ أَبِيْ وَاللهِ مَا أَدْرِيْ مَا أَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لِأُمِّيْ أَجِيْبِيْ

والد صاحب نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ مجھے آپ ﷺ سے کیا کہنا چاہیے۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے

رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا قَالَ قَالَتْ أُمِّيْ وَاللهِ مَا أَدْرِيْ مَا أَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللهِ

جو کچھ فرمایا ہے وہ اس کا جواب دیں۔ والدہ نے بھی یہی کہا کہ اللہ کی قسم! مجھے کچھ نہیں معلوم کہ مجھے آپ ﷺ سے کیا کہنا چاہیے۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ وَ أَنَا جَارِيَةٌ حَدِيْثَةُ السِّنِّ لَا أَقْرَأُ مِنَ الْقُرْاٰنِ كَثِيْرًا إِنِّيْ وَاللهِ

اس لیے میں نے خود ہی عرض کیا، حالانکہ میں بہت کم عمر لڑکی تھی اور قرآن مجید بھی میں نے زیادہ نہیں پڑھا تھا کہ اللہ کی قسم!

لَقَدْ عَلِمْتُ لَقَدْ سَمِعْتُمْ هٰذَا الْحَدِيْثَ حَتّٰى اسْتَقَرَّ فِيْ أَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِهِ فَلَئِنْ قُلْتُ

مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگوں نے اس طرح کی افوہوں پر کان دھرا ہے اور یہ باتیں آپ لوگوں کے دلوں میں اتر گئی ہے اور آپ لوگوں نے اس کی تصدیق کر لی ہے، اب اگر میں

لَكُمْ إِنِّيْ بَرِيْئَةٌ لَّا تُصَدِّقُوْنِّيْ وَلَئِنْ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرٍ وَاللهُ يَعْلَمُ أَنِّيْ مِنْهُ بَرِيْئَةٌ لَتُصَدِّقُنِّيْ

یہ کہوں کہ میں اس تہمت سے بری ہوں تو آپ لوگ میری تصدیق نہیں کریں گے اور اگر اس گناہ کا اقرار کر لوں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ لوگ

فَوَاللهِ لَا أَجِدُ لِيْ وَلَكُمْ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوْسُفَ حِيْنَ قَالَ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا

اس کی تصدیق کرنے لگ جائیں گے، پس اللہ کی قسم! مجھے اپنے لئے اور آپ لوگوں کے لئے کوئی مثال نہیں ملتی سوائے یوسف علیہ السلام کے والد کی مثال کہ جب انہوں نے کہا تھا

تَصِفُوْنَ ثُمَّ تَحَوَّلْتُ وَاضْطَجَعْتُ عَلٰى فِرَاشِيْ وَاللهُ يَعْلَمُ أَنِّيْ حِيْنَئِذٍ بَرِيْئَةٌ وَأَنَّ اللهَ مُبَرِّئِيْ

پس صبر جمیل بہتر ہے اور اللہ ہی کی مدد درکار ہے اس بارے میں جو کچھ تم کہہ رہے ہو پھر میں نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا اور اپنے بستر پر لیٹ گئی، اللہ خوب جانتا تھا کہ میں اس

بِبَرَاءَتِيْ وَلٰكِنْ وَاللهِ مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ اللهَ مُنْزِلٌ فِيْ شَأْنِيْ وَحْيًا يُّتْلٰى لَشَأْنِيْ فِيْ نَفْسِيْ كَانَ

معاملہ میں قطعاً بری تھی اور وہ خود میری برأت ظاہر کرے گا، لیکن اللہ کی قسم! مجھے اس کا کوئی وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ قرآن مجید میں میرے معاملے کی صفائی

أَحْقَرَ مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللهُ فِيَّ بِأَمْرٍ وَلٰكِنْ كُنْتُ أَرْجُوْ أَنْ يَّرٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اتارے گا کیونکہ میں اپنے کو اس سے بہت کمتر سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملہ میں خود کوئی کلام فرمائے، مجھے تو صرف اتنی امید تھی کہ آپ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے

فِي النَّوْمِ رُؤْيَا يُبَرِّئُنِيْ اللهُ بِهَا فَوَاللهِ مَا رَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجْلِسَهُ

جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میری برأت کر دے گا لیکن اللہ کی قسم! ابھی نبی کریم ﷺ مجلس سے اٹھے بھی نہیں تھے

وَلَا خَرَجَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ حَتّٰى أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَأَخَذَهُ مَا كَانَ يَأْخُذُهُ مِنَ الْبُرَحَاءِ حَتّٰى إِنَّهُ

اور نہ اور کوئی گھر کا آدمی وہاں سے اٹھا تھا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی اور آپ پر وہ کیفیت طاری ہو گئی جو وحی کے نزول کے وقت طاری ہوتی تھی۔ موتیوں کی طرح

لَيَتَحَدَّرُ مِنْهُ مِنَ الْعَرَقِ مِثْلُ الْجُمَانِ وَهُوَ فِيْ يَوْمٍ شَاتٍ مِنْ ثِقَلِ الْقَوْلِ الَّذِيْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ

پسینے کے قطرے آپ کے چہرے سے گرنے لگے، حالانکہ سردی کا موسم تھا۔ یہ اس وحی کی وجہ سے تھا جو آپ پر نازل ہو رہی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

قَالَتْ فَسُرِّيَ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَضْحَكُ فَكَانَتْ أَوَّلَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا

پھر آپ کی وہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ ہنس رہے تھے، سب سے پہلا کلمہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ!

أَنْ قَالَ يَا عَائِشَةُ أَمَّا اللهُ فَقَدْ بَرَّأَكِ قَالَتْ فَقَالَتْ لِيْ أُمِّيْ قُوْمِيْ إِلَيْهِ فَقُلْتُ وَاللهِ لَا أَقُوْمُ إِلَيْهِ
اللہ نے تمہاری برأت نازل کردی ہے۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس پر میری والدہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے (شکریہ ادا کرنے کے لئے) کھڑی ہوجاؤ۔میں نے کہا:

فَإِنِّيْ لَا أَحْمَدُ إِلَّا اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَتْ وَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى إِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِالإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ
نہیں اللہ کی قسم! میں آپ کے سامنے (شکریہ کے لئے) نہیں کھڑی ہوں گی، میں اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کی حمد وثنا نہیں کروں گی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

الْعَشْرَ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْزَلَ اللهُ هٰذَا فِيْ بَرَاءَتِيْ قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ وَكَانَ يُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحِ بْنِ
إن الذين جاءوا بالإفك سے دس آیتیں اس سلسلہ میں نازل فرمائیں۔جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں میری برات میں نازل فرمائیں تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا: جو مسطح بن

أُثَاثَةَ لِقَرَابَتِهِ مِنْهُ وَفَقْرِهِ وَاللهِ لَا أُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ الَّذِيْ قَالَ لِعَائِشَةَ مَا
اثاثہ کے اخراجات ان سے قرابت اور ان کی محتاجی کی وجہ سے اٹھاتے تھے کہ اللہ کی قسم! مسطح نے جب عائشہ کے متعلق اس طرح کی تہمت تراشی میں حصہ لیا تو میں اس پر اب کبھی

قَالَ فَأَنْزَلَ اللهُ وَلَا يَأْتَلِ أُوْلُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ إِلَى قَوْلِهِ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ بَلٰى
کچھ خرچ نہیں کروں گا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ولا يأتل أولو الفضل منكم سے غفور رحيم تک چنانچہ ابوبکرؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم! میری تمنا ہے کہ

وَاللهِ إِنِّيْ لَأُحِبُّ أَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لِيْ فَرَجَعَ إِلَى مِسْطَحٍ النَّفَقَةَ الَّتِيْ كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ وَقَالَ وَاللهِ
اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے اور مسطح کو جو کچھ دیا کرتے تھے، اسے پھر دینے لگے اور کہا کہ اللہ کی قسم!

لَا أَنْزِعُهَا مِنْهُ أَبَدًا قَالَتْ عَائِشَةُ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَ زَيْنَبَ بِنْتَ
اب اس وظیفہ کو میں کبھی بند نہیں کروں گا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے معاملے میں آپ ﷺ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی

جَحْشٍ عَنْ أَمْرِيْ فَقَالَ لِزَيْنَبَ مَاذَا عَلِمْتِ أَوْ رَأَيْتِ؟ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَحْمِيْ سَمْعِيْ
مشورہ کیا تھا۔آپ نے ان سے پوچھا کہ عائشہ کے متعلق تمہیں کیا معلومات ہیں یا ان میں تم نے کیا چیز دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنی آنکھوں

وَبَصَرِيْ وَاللهِ مَا عَلِمْتُ إِلَّا خَيْرًا قَالَتْ عَائِشَةُ وَهِيَ الَّتِيْ تُسَامِيْنِيْ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ
اور کانوں کو محفوظ رکھتی ہوں اللہ کی قسم! میں ان کے بارے میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زینب ہی تمام ازواج مطہرات میں میرے مقابلہ کی تھیں

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَصَمَهَا اللهُ بِالْوَرَعِ قَالَتْ وَطَفِقَتْ أُخْتُهَا حَمْنَةُ تُحَارِبُ لَهَا
لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے تقویٰ اور پاکبازی کی وجہ سے انہیں محفوظ رکھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ البتہ ان کی بہن حمنہ نے ان کی طرف سے لڑائی شروع کردی

فَهَلَكَتْ فِيْمَنْ هَلَكَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَهٰذَا الَّذِيْ بَلَغَنِيْ مِنْ حَدِيْثِ هٰؤُلَاءِ الرَّهْطِ ثُمَّ قَالَ
اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئی تھیں۔ابن شہاب نے فرماتے ہیں کہ یہ اس حدیث کی وہ تفصیل تھی جو ان اکابر کی طرف سے مجھ تک پہنچی تھی۔عروہ فرماتے ہیں

عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ وَاللهِ إِنَّ الرَّجُلَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُ مَا قِيْلَ لَيَقُوْلُ سُبْحَانَ اللهِ فَوَالَّذِيْ
کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اللہ کی قسم! جن صحابی کے ساتھ یہ تہمت لگائی گئی تھی وہ (اس تہمت کو سن کر) کہتے تھے سبحان اللہ! اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں

نَفْسِيْ بِيَدِهِ مَا كَشَفْتُ مِنْ كَنَفِ أُنْثٰى قَطُّ قَالَتْ ثُمَّ قُتِلَ بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ
میری جان ہے، میں نے آج تک کسی عورت کا پردہ نہیں کھولا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر اس واقعہ کے بعد وہ اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے تھے۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا نقل روایت میں منفرد انداز

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث اپنے چار اساتذۂ کرام سے سنی تھی ① عروہ بن زبیر ② سعید بن مسیب ③ علقمہ بن وقاص اور ④ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ بن مسعود رحمہم اللہ علیہم۔ یہ چاروں اساتذہ بڑے درجے کے تابعی ہیں اور انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی ہے۔امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ان چاروں اساتذہ سے یہ

حدیث مختلف الفاظ میں سن کر انہیں اکٹھا کر کے ایک واقعے کی شکل دے کر نقل کیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ہر استاذ کی حدیث علیحدہ علیحدہ بیان کرتے، لیکن علیحدہ علیحدہ بیان کرنے میں چونکہ بات طویل ہوجاتی اور پوری صورت حال کا سامنے آنا بھی مشکل ہوجاتا، اس لیے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے تفہیم میں آسانی کے لئے ان چاروں اساتذہ کی روایتوں کو جمع کر کے ایک حدیث کی صورت میں بیان فرمایا۔

نیز یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، البتہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث ہے، وہ زیادہ واضح اور تفصیلی ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ان ہی سے متعلق ہے، اس لیے وہ اسے زیادہ بہتر جانتی ہیں، نیز انہوں نے روایت ذکر کرنے میں بھی بڑا شاندار اور بلیغ اسلوب اختیار کیا ہے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آگے روایت نقل کرنے والے کل بارہ افراد ہیں، ان میں سے چار حضرات تو یہی ہیں، جن کا نام اس روایت میں آیا ہے، ان کے علاوہ اور تابعین بھی ہیں، جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت سنی اور آگے نقل کی۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اساتذہ کی روایت کو چونکہ ایک جامع اور مفصل واقعے کی صورت میں آگے نقل کیا ہے، اس لیے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

حدیث افک میں بعض جملوں کی تشریح

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ أَزْوَاجِهِ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرمایا کرتے تھے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے تھے۔ **فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا** اور جس کا بھی تیر نکل آتا سہم تیر کو کہتے ہیں، یہاں مراد نام ہے۔ پرانے زمانے میں جو قرعہ ڈالا جاتا تھا، وہ پرچیوں کے ذریعے نہیں ہوتا تھا بلکہ تیروں کے ذریعے ہوتا تھا، تیر پر کوئی علامت یا نمبر لگا دیا جاتا اور وہ تیر آپس میں ملا دیتے، پھر جو تیر نکل آتا، قرعہ اس کے نام کا ہوجاتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس قرعہ اندازی میں جس زوجہ کا تیر نکل آتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اپنے ساتھ (سفر میں) لے جاتے تھے۔

اس سے کئی مسائل ثابت ہوتے ہیں:

❶ ایک مسئلہ یہ کہ بیویوں کے درمیان قسم اور بیوتۃ حضر میں تو واجب ہے، مگر سفر میں واجب نہیں ہے، یعنی اگر کسی کی دو یا دو سے زائد بیویاں ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہ تین راتیں ایک بیوی کے پاس رہتا ہے تو باقی تین راتیں دوسری بیوی کے پاس رہے، اسے قسم کہا جاتا ہے، جو واجب ہے، البتہ یہ قسم حضر میں واجب ہے اور اگر سفر درپیش ہو چاہے وہ دینی سفر ہو یا دنیاوی، تو سفر میں یہ قسم شرعاً واجب نہیں، اپنی بیویوں میں سے جسے سفر پر لے جانا مناسب سمجھے سفر پر لے جاسکتا ہے۔ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں، بعض عورتیں سفر

کے قابل ہی نہیں ہوتیں، مثلاً حالت حمل میں ان کے لیے سفر تکلیف دہ ہوتا ہے، اسی طرح کسی کا بچہ اگر بہت چھوٹا ہے، تو اس صورت میں بھی لمبا سفر دشوار ہوتا ہے، اس لیے شریعت نے سفر کے اندر قسم کو واجب قرار نہیں دیا۔

البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تطییب قلب اور طیب خاطر کے لیے ان کے درمیان قرعہ ڈال لیتے تھے اور جس کا نام قرعہ میں نکل آتا اسے سفر پر ساتھ لے جاتے تھے۔

❷ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آدمی اگر سفر میں بیوی کو ساتھ لے جائے تو یہ تقویٰ اور زہد کے خلاف نہیں ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر پر تشریف لے جاتے، تو اکثر اپنی کسی نہ کسی اہلیہ محترمہ کو ساتھ لے کر جایا کرتے تھے۔

فَأَقْرَعَ بَيْنَنَا فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا فَخَرَجَ فِيهَا سَهْمِي: الغرض، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ بنی المصطلق کے لیے بھی حسب عادت قرعہ ڈالا تو اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام نکل آیا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تشریف لے گئیں، نیز ایک روایت میں آتا ہے کہ اس سفر میں حضرت ام سلمہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ساتھ تھیں۔

فَخَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا أُنْزِلَ الْحِجَابُ: چنانچہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس سفر پر روانہ ہوئی، یہ نزول حجاب کے بعد کا واقعہ ہے، نزول حجاب کا حکم کب آیا؟ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

❶ واقدی، قتادہ، ابن جریر اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہم کی رائے یہ ہے کہ حجاب کا حکم سن ۵ ہجری میں نازل ہوا۔

❷ حافظ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ ہے کہ حجاب کا حکم سن ۴ ہجری میں نازل ہوا، حافظ ابن حجر اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما کا میلان بھی اسی طرف ہے۔

❸ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی رائے ہے کہ حجاب کا حکم سن ۳ ہجری میں نازل ہوا۔

فَكُنْتُ أُحْمَلُ فِي هَوْدَجِي وَأُنْزَلُ فِيهِ: چنانچہ میں ہودج سمیت اٹھائی جاتی اور ہودج میں بیٹھے ہوئے ہونے کی حالت میں ہی اتاری جاتی، ہودج پالان کو کہتے ہیں۔

اٰذَنَ لَيْلَةً بِالرَّحِيلِ: سفر سے واپسی کے موقع پر ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوچ کرنے کا اعلان کیا (اذن یؤدن ایذانا اعلان کرنا) اس زمانے میں سفر کا یہ طریقہ ہوتا تھا کہ یا تو شروع رات میں چلتے رہتے تھے اور آخر رات میں آرام وغیرہ کے لیے اترتے تھے، یا اس کے برعکس شروع رات میں اتر جاتے تھے اور جب تہجد کا وقت ہوتا تو آخر شب میں دوبارہ سفر شروع کر دیتے تھے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ شروع رات میں پورے قافلے والوں نے آرام کیا اور پھر رات کے آخر حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ سب تیار ہو جائیں، اب روانگی ہے۔

فَإِذَا عِقْدٌ لِي مِنْ جَزْعِ ظَفَارِ قَدِ انْقَطَعَ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اچانک میں نے دیکھا کہ میرا جزع

ظفار کا ہار ٹوٹ چکا تھا، (جزع رنگ برنگے نگینے کو کہتے ہیں اور ظفار یمن کے ایک شہر کا نام ہے، جہاں سے وہ نگینے آتے تھے، جن کا وہ ہار بنا ہوتا تھا، تو ظفار شہر کے رنگ برنگے نگینوں والا میرا وہ ہار ٹوٹ چکا تھا یعنی کہیں غائب ہو گیا تھا، اس کی وجہ سے میں بڑی پریشان ہوئی۔

بعض نسخوں میں من جزع اظفار آیا ہے، اظفار ظفر کی جمع ہے اور ظفر ایک خاص قسم کی خوشبو ہوتی ہے، جزع اظفار کا مطلب یہ ہوگا کہ اس خوشبو سے نگ کی شکل میں وہ مونگے بنائے گئے تھے اور پھر ان سے ہار تیار کیا گیا تھا، نیز بعض روایات کے مطابق وہ ہار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی والدہ نے شادی کے موقع پر دیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی بڑی حفاظت کیا کرتی تھیں کہ یہ میری ماں کی نشانی اور میری شادی کی یادگار ہے اور بعض روایات کے مطابق وہ ہار ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے بطور عاریت لیا تھا۔

وَكَانَ النِّسَاءُ إِذْ ذَاكَ خِفَافًا لَمْ يَهْبُلْنَ وَلَمْ يَغْشَهُنَّ اللَّحْمُ: عورتیں اس زمانے میں دبلی پتلی ہوا کرتی تھیں، موٹی اور بھاری نہیں ہوتی تھیں اور نہ ہی ان پر زیادہ گوشت چڑھا ہوا ہوتا تھا۔ لَمْ يَهْبُلْنَ باء پر تینوں حرکات پڑھی گئی ہیں، نیز باب افعال اور تفعیل سے بھی پڑھا گیا ہے اور معنی سب کے یہی ہیں کہ وہ بھاری نہیں ہوتی تھیں۔

إِنَّمَا يَأْكُلْنَ الْعُلْقَةَ مِنَ الطَّعَامِ: علقة اتنے کھانے کو کہتے ہیں، جس سے سارا دن بس زندگی کا تعلق برقرار رہ سکے، اردو میں اس کا ترجمہ گزارے لائق کر سکتے ہیں، گویا پیٹ بھر کر کھانے کا اس زمانے میں کوئی تصور نہیں تھا۔

فَلَمْ يَسْتَنْكِرِ الْقَوْمُ خِفَّةَ الْهَوْدَجِ حِيْنَ رَفَعُوْهُ: قوم نے جب ہودج (پالان) اٹھایا تو اس کے ہلکا ہونے کو اوپرا نہیں سمجھا، وَكُنْتُ جَارِيَةً حَدِيْثَةَ السِّنِّ اور اس وقت میری عمر بھی کم تھی۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو آدمی خود بخود موٹا ہو جاتا ہے، اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم عمر بھی تھیں اور کھانا بھی کم کھاتی تھیں، لہٰذا وزن کم تھا، اس لیے لوگوں کو اندازہ نہ ہوا کہ یہ ہودج (پالان) میں ہیں یا نہیں، انہوں نے غلط فہمی میں ہودج (پالان) اٹھا کر سواری پر رکھ دیا اور قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔

وَوَجَدْتُّ عِقْدِيْ بَعْدَمَا اسْتَمَرَّ الْجَيْشُ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے میرا ہار مل گیا، جبکہ لشکر جا چکا تھا، فَجِئْتُ مَنَازِلَهُمْ اب جب میں لوگوں کی جگہ پر پہنچی، جہاں قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، وَلَيْسَ بِهَا مِنْهُمْ دَاعٍ وَّلَا مُجِيْبٌ تو اس جگہ میں نہ کوئی پکارنے والا تھا اور نہ ہی کوئی جواب دینے والا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی فصیح زبان بولتی تھیں، ظاہر ہے کہ ہار ڈھونڈنے کے لیے گئی ہوں گی، جب واپس آئیں تو دیکھا کہ سناٹا ہے، کوئی بھی موجود نہیں ہے اور آخر شب ہے، اندھیرا چھایا ہوا ہے۔

فَتَيَمَّمْتُ مَنْزِلِي الَّذِيْ كُنْتُ بِهِ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر میں نے اپنی اس جگہ کا ارادہ کیا، جہاں

میں تھی (تیمم یتیمم ارادہ کرنا)، وَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ سَيَفْقِدُونِي فَيَرْجِعُونَ إِلَيَّ اور مجھے گمان تھا کہ یہ لوگ جب مجھے گم پائیں گے تو وہ میری طرف واپس لوٹ آئیں گے اور یہاں مجھے پالیں گے۔

معلوم ہوا کہ آدمی اگر گم ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ جہاں لوگ چھوڑ کر گئے ہوں وہیں بیٹھ جائے، اس لیے کہ اگر مزید ادھر اُدھر جائے گا تو مزید گم ہونے کا ڈر ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ عقل مندی کی کہ جب انہوں نے دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے اور میں اکیلی رہ گئی ہوں تو جہاں پہلے سے بیٹھی ہوئی تھیں، وہیں بیٹھ گئیں اور یہ سوچا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا میرے والد جب مجھ سے کوئی بات کرنے میرے پاس ہودج (پالان) میں آئیں گے اور مجھے نہیں پائیں گے، تو یقیناً میری تلاش میں وہ واپس آئیں گے اور میں یہاں ان کو مل جاؤں گی۔ فَبَيْنَا أَنَا جَالِسَةٌ فِي مَنْزِلِي میں اپنی جگہ میں بیٹھی ہوئی تھی غَلَبَتْنِي عَيْنِي کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں سوگئی۔ سفر کی تھکن بھی تھی اور رات کا وقت تھا، یہ تھیں بھی کم عمر، چنانچہ اپنی چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں، تو نیند آ گئی۔

حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، جن کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ذمہ داری مقرر کی ہوئی تھی کہ یہ قافلے کے پیچھے رہیں گے اور جب لشکر روانہ ہو جائے تو یہ کچھ دور پیچھے رہ کر چلتے رہیں گے۔ وجہ یہ تھی کہ جب لشکر چلتا ہے اور لوگ اونٹ اور گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں تو بسا اوقات ان کی کوئی چیز نیچے گر جاتی ہے، جس کی انہیں خبر نہیں ہوتی تو حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے چلتے رہتے تھے اور لشکر کی جو چیز انہیں گری ہوئی نظر آتی، وہ اسے اٹھا لیتے، پھر لشکر میں پہنچ کر جو چیز جس کی ہوتی وہ اس کے حوالے کر دی جاتی تھی۔

فَرَأَى سَوَادَ إِنْسَانٍ نَائِمٍ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے۔ یہاں روایت میں نہیں ہے لیکن دوسری جگہ ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے تو انہوں نے زور سے کہا: یا نومان! قم اے سونے والے! اٹھ، تو کہاں سو گیا؟ قافلہ تو آگے چلا گیا ہے۔ فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهِ حِينَ عَرَفَنِي تو جب انہوں نے مجھے پہچان لیا اور إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا تو اس سے میری آنکھ کھل گئی۔ (استرجاع کے معنی إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھنا ہیں)۔ فَخَمَّرْتُ وَجْهِي بِجِلْبَابِي تو میں نے فوراً اپنا چہرہ چادر سے ڈھانپ لیا۔ یعنی جب حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے استرجاع سے وہ بیدار ہوئیں تو فوراً وہ چادر اپنے چہرے پر ڈال لی۔ معلوم ہوا کہ خواتین کے لیے عام حالات میں چہرہ چھپانے کا ہی حکم ہے۔

وَوَاللّٰهِ مَا تَكَلَّمْنَا بِكَلِمَةٍ اللہ کی قسم! ہم نے کوئی بات نہیں کی، وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اسْتِرْجَاعِهِ اور نہ میں نے ان سے کوئی بات سوائے استرجاع کے سنی۔

وَهَوَى حَتَّى أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ جھکے اور انہوں نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا، فَوَطِئَ عَلَى يَدِهَا اور اس

اونٹنی کے ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھا۔ یہ اس لیے کہ جب کوئی آدمی اونٹنی پر سوار ہو رہا ہوتا ہے تو اونٹنی چلانے والا اونٹنی کے ہاتھ پر پاؤں رکھتا ہے تاکہ کہیں ایک دم اونٹنی اٹھ نہ جائے، کیونکہ اگر وہ اٹھنے کی کوشش کرے گی تو جو سوار ہو رہا ہے وہ نیچے جا گرے گا، چنانچہ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا، اس اونٹنی کے ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھا تاکہ وہ اونٹنی اٹھ نہ پائے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس اونٹنی پر سوار ہو گئیں اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ اس اونٹنی کی لگام پکڑے آگے آگے چلنے لگے۔

حَتّٰى أَتَيْنَا الْجَيْشَ مُوغِرِيْنَ فِيْ نَحْرِ الظَّهِيْرَةِ وَهُمْ نُزُوْلٌ: یہاں تک کہ ہم کڑکتی دوپہر میں لشکر کے پاس آئے اور لشکر نے پڑاؤ کیا ہوا تھا۔ موغرین باب افعال اور باب تفعیل دونوں سے مستعمل ہے، دونوں صورتوں میں موغرین کے معنی داخلین فی وقت الظھیرۃ کے ہیں، وغرۃ دوپہر کے وقت کو کہتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ** پس جو لوگ ہلاک ہونے والے تھے، وہ ہلاک ہو گئے، یعنی جنہوں نے اس سادہ سے واقعے کو لے کر الٹی سیدھی باتیں کرنی تھیں، انہوں نے اس پر طرح طرح کے بہتان باندھنے شروع کر دیئے، **وَكَانَ الَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَ الْإِفْكِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيِّ ابْنِ سَلُوْلَ** اور اس سب کا کرتا دھرتا اور سرکردہ عبداللہ بن اُبی بن سلول (رئیس المنافقین) تھا۔

قرآن مجید میں ہے: **وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** جو شخص اس بڑے بہتان کا متولی یعنی کرتا دھرتا ہے، اس کے لیے عذاب عظیم ہے، اس **تَوَلّٰى كِبْرَهٗ** سے بھی عبداللہ بن اُبی بن سلول ہی مراد ہے۔

عبداللہ بن اُبی اگرچہ اس بہتان کا اصل سرغنہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ بڑی چالاکی سے کام لیتا تھا، اس نے ایک مرتبہ بھی اپنی زبان سے ایسے صریح کلمات نہیں نکالے، جس سے اس کی گرفت ہو سکے اور اس پر حد قذف جاری کی جا سکے، اس کی واردات کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی مجلس میں ایسے لوگوں کو بلاتا، جو ذرا غیر محتاط ہوں، پھر ان سے پوچھتا کہ بھئی یہ کیا معاملہ ہوا ہے؟ لوگ اپنی الٹی سیدھی باتیں کرتے، یہ کہتا ہاں! یہ تو بڑی عجیب بات ہے، اور کیا کیا ہوا؟ اس طرح کی حرکتوں سے اس نے اپنی مجلس کو رنگ دیا ہوا تھا۔

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات بتلائی گئی **أَنَّهٗ كَانَ يُشَاعُ** کہ اس (عبداللہ بن اُبی) کے ہاں یہ بات پھیلائی جاتی تھی **وَيُتَحَدَّثُ بِهٖ عِنْدَهٗ** اور اس کے پاس یہ باتیں کی جاتی تھیں، **فَيُقِرُّهٗ** تو یہ اس کا اقرار کرتا کہ ہاں! ایسا ہی لگتا ہے کہ یوں ہوا ہے، **وَيَسْتَمِعُهٗ** اور کان لگا کر سنتا تھا، **وَيَسْتَوْشِيْهِ** استیشاء کے معنی ہیں کسی معاملے کے متعلق استفسار کرنا تاکہ اسے موضوع سخن بنایا جائے، تو یہ عبداللہ بن اُبی دوسروں سے کہتا کہ بتاؤ اور کیا ہوا؟ بتاؤ، اور کیا ہوا؟ اس طرح اس کی مجلس تمام بہتان لگانے والوں کا اڈہ اور گڑھ بنی ہوئی تھی۔

غَيْرَ أَنَّهُمْ عُصْبَةٌ: عروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل افک میں حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کے علاوہ دوسرے لوگوں کا اگرچہ نام نہیں لیا گیا مگر وہ ایک جماعت تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ، عصبة عام طور پر اس جماعت کو کہتے ہیں، جو تین سے زیادہ اور نو سے کم ہو۔

كَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَكْرَهُ أَنْ يُّسَبَّ عِنْدَهَا حَسَّانُ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو ناپسند کرتی تھیں کہ ان کے سامنے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا جائے۔ آپ فرماتی تھیں کہ انہوں نے دین کی بڑی خدمت کی ہے، ان سے اگر ایک غلطی ہوگئی، جس سے انہوں نے توبہ بھی کر لی ہے اور اس غلطی کی وجہ سے ان پر حد بھی جاری ہو چکی ہے، تو اب اس ایک غلطی کی وجہ سے ان کی ساری دینی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا؟ انہوں نے دین کی بڑی خدمت کی ہے، مسلمانوں کا بھرپور دفاع کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبردست تعریف کی ہے، لہٰذا انہیں برا بھلا نہیں کہا جا سکتا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی مجلس میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہیں کہنے دیتی تھیں، وَتَقُوْلُ إِنَّهُ الَّذِيْ قَالَ آپ فرماتی تھیں کہ بے شک حسان ہی تو وہ آدمی ہیں، جنہوں نے کہا ہے:

فَإِنَّ أَبِيْ وَوَالِدَهُ وَعِرْضِيْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر ہم مدینہ آ گئے، جب میں واپس پہنچی تو میں ایک مہینے تک (بخار میں مبتلا ہو کر) بیمار پڑ گئی۔ لوگ اہل افک کے قول کے بارے میں باتیں کر رہے تھے لیکن مجھے اس کا کچھ پتا نہیں تھا، البتہ انہیں شک سا ہوتا تھا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے، چنانچہ وہ فرماتی ہیں کہ وَهُوَ يُرِيْبُنِيْ فِيْ وَجَعِيْ جو چیز مجھے اس بیماری میں شک میں ڈال رہی تھی (وجع درد کو کہتے ہیں، یہاں مراد بیماری ہے)، وہ یہ تھی کہ أَنِّيْ لَا أَعْرِفُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللُّطْفَ الَّذِيْ كُنْتُ أَرٰى مِنْهُ حِيْنَ أَشْتَكِيْ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے وہ مہربانی نہیں دیکھ رہی تھی جو میں عام طور پر اپنی بیماری کے دوران دیکھا کرتی تھی۔

معلوم ہوا کہ اگر بیوی بیمار ہو جائے تو شوہر کو چاہئے کہ اس کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کرے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں بیمار ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہربانی مزید بڑھ جاتی تھی لیکن اس مرتبہ جب میں بیمار ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ خاص مہربانی مجھے نظر نہیں آئی، بلکہ آپ گھر میں تشریف لاتے، سلام کرتے، پھر کہ تمہاری اس خاتون کا کیا حال ہے؟ اور پھر چلے جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرز عمل سے مجھے شبہ سا ہوتا کہ شاید کوئی بات پیش آئی ہے جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے ناراض ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوتے ہوئے سلام کیا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ شوہر کو بھی گھر میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرنا چاہئے، گھر میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرنا سنت ہے اور قرآن کا حکم بھی ہے: فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا

فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو کیونکہ یہ ملاقات کی بابرکت پاکیزہ دعا ہے۔

حَتّٰى خَرَجْتُ حِيْنَ نَقَهْتُ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بیماری میں میری کمزور بڑھ گئی تھی ایک دن میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے گھر سے نکلی، اس زمانے میں بیت الخلاء گھروں میں نہیں بنائے جاتے تھے بلکہ گھر کے قریب بیت الخلاء بنائے جانے کو برا سمجھا جاتا تھا اور عام طور پر قضاء حاجت کے لئے رات کے وقت نکلتے تھے اور یہ عربوں کا پرانا دستور تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں ہی بیت الخلاء گھر کے قریب بن گئے تھے، اسی لیے وہ فرما رہی ہیں کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب بیت الخلاء گھر کے قریب نہیں بنائے جاتے تھے۔

ام مسطح رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن تھیں اور ان کے بیٹے مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب رضی اللہ عنہ ہیں، فَأَقْبَلْتُ أَنَا وَأُمُّ مِسْطَحٍ قِبَلَ بَيْتِي حِيْنَ فَرَغْنَا مِنْ شَأْنِنَا میں اور ام مسطح قضاء حاجت کے بعد اپنے گھر کی طرف چلنے لگے، فَعَثَرَتْ أُمُّ مِسْطَحٍ فِيْ مِرْطِهَا تو ام مسطح کی چادر ان کے پاؤں میں آ گئی، جس سے وہ لڑکھڑا گئیں، تو ام مسطح نے کہا: تَعِسَ مِسْطَحٌ مسطح ہلاک ہوا گویا اپنے ہی بیٹے کو بددعا دی۔ فَقُلْتُ لَهَا بِئْسَ مَا قُلْتِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ان سے کہا، آپ نے بہت بری بات کہی، أَتَسُبِّيْنَ رَجُلًا شَهِدَ بَدْرًا کیا آپ ایسے آدمی کو برا بھلا کہہ رہی ہیں، جو غزوۂ بدر میں شریک ہوا ہے۔ فَقَالَتْ أَيْ هَنْتَاهْ ام مسطح رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: اے بھولی بھالی عورت! کیا تم نے نہیں سنا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایسی کیا بات کہہ دی ہے؟ تو ام سطح رضی اللہ عنہا نے انہیں اہل افک کی ساری بات بتلائی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا امکان ہے کہ شاید حضرت ام مسطح رضی اللہ عنہا جان بوجھ کر پھسلی ہوں اور انہوں نے جان بوجھ کر اپنے بیٹے کو برا بھلا کہا ہو، تاکہ اس کے نتیجے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سارا واقعہ پتا چل سکے اور ان کو اندازہ ہو جائے کہ باہر ان کے بارے میں کیا گفتگو چل رہی ہے، لیکن یہ بھی امکان ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر یہ نہ کیا ہو اور پھسلنے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر ان کے منہ سے اپنے بیٹے کے لیے بددعا کے کلمات نکلے ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خواہ مرد ہوں یا خواتین، انہیں اپنے بیٹے سے محبت کم تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل وعیال سے محبت زیادہ تھی۔

فَازْدَدْتُ مَرَضًا عَلٰى مَرَضِيْ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں نے یہ خبر سنی تو میری بیماری میں اور اضافہ ہو گیا۔ فَلَمَّا رَجَعْتُ إِلٰى بَيْتِيْ جب میں اپنے گھر واپس پہنچی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔

روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات تو ان زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزارتے تھے، جن کی اس رات باری ہوتی

تھی لیکن دن میں آپ ﷺ ایک مرتبہ عام طور پر عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھر میں جاتے، ہر ایک کو سلام کرتے، خیر خیریت دریافت کرتے اور کوئی کام وغیرہ ہوتا تو اس کا پوچھتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، فَسَلَّمَ آپ نے سلام کیا۔ ثُمَّ قَالَ كَيْفَ تِيكُمْ پھر آپ ﷺ نے وہی جملہ فرمایا کہ اس خاتون کا کیا حال ہے؟ فَقُلْتُ لَهُ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ آتِيَ أَبَوَيَّ؟ تو میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں؟ قَالَتْ وَ أُرِيدُ أَنْ أَسْتَيْقِنَ الْخَبَرَ مِنْ قِبَلِهِمَا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دراصل میں چاہتی تھی کہ میں والدین کی طرف سے اس خبر کا یقین حاصل کرلوں۔ فَأَذِنَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر عورت بیمار ہو یا وہ ویسے ہی اپنے میکے جانا چاہے تو اسے شوہر سے اجازت لے کر میکے جانا چاہیے اور شوہر کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو اجازت دے دے۔

الغرض، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے میکے پہنچیں، جاتے ہی اپنی والدہ سے پوچھا کہ امی جان! مَاذَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ؟ لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں؟؟ قَالَتْ يَا بُنَيَّةُ هَوِّنِي عَلَيْكِ ان کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: بیٹی زیادہ رنج مت کرو، اللہ کی قسم بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خوب صورت عورت کسی آدمی کے نکاح میں ہو اور وہ آدمی اس سے محبت بھی کرتا ہو اور اُس خاتون کی سوکنیں بھی ہوں تو وہ سوکنیں اس کے بارے میں اس طرح کی باتیں کر دیتی ہیں۔ یعنی تم خوب صورت بھی ہو اور نبی کریم ﷺ کو محبوب بھی ہو، اس وجہ سے لوگ تمہارے پیچھے پڑ گئے ہیں۔

یہاں روایت میں والد کا کوئی ذکر نہیں، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر کی روایت کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس وقت گھر کے اوپر کی منزل میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، انہوں نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رونے کی آواز سنی تو نیچے تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عائشہ! تم صبر سے کام لو، یہ الزام تو دورِ جاہلیت میں بھی ہم پر نہیں لگا تو دورِ اسلام میں یہ الزام ہم پر کیسے لگ سکتا ہے، یعنی یہ کام تو دورِ جاہلیت میں بھی ہم نے کبھی نہیں کیا، اب اسلام لانے کے بعد اس کام کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے، لہٰذا تم صبر سے کام لو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب میری والدہ نے اس خبر کی تصدیق کر دی تو میں نے کہا: سُبْحَانَ اللهِ أَوَ لَقَدْ تَحَدَّثَ النَّاسُ بِهٰذَا؟ تعجب کی بات ہے کہ لوگوں نے مجھ پر اتنا بڑا الزام لگا دیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں تمام رات روتی رہی، حَتّٰى أَصْبَحْتُ یہاں تک کہ صبح ہوگئی، لَا يَرْقَأُ لِي دَمْعٌ وَلَا أَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ نہ میرے آنسو تھم رہے تھے اور نہ میں نیند کا سرمہ لگا رہی تھی۔ رقأ يرقأ پرسکون ہونا، میرے آنسو پرسکون نہیں ہو رہے تھے، یعنی مسلسل آنسو بہہ رہے تھے، اور میں نیند کا سرمہ نہیں لگا رہی تھی یعنی تھوڑی دیر کے لیے بھی رات میں نہیں سو سکی، ثُمَّ أَصْبَحْتُ أَبْكِي

پھر جب صبح ہوئی تو اس وقت بھی میں رو ہی رہی تھی۔

قَالَتْ وَ دَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ وَّأُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ: نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اپنے قریب کے لوگوں سے مشورہ کیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے گھر کے افراد میں مردوں میں سے حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا اور عورتوں میں سے تین عورتوں سے مشورہ کیا، ایک حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے لیے آیا کرتی تھیں، دوسری حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جو نبی کریم ﷺ کی دایا تھیں، تیسری حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے تھیں، قریش سے تعلق رکھتی تھیں اور آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بھی تھیں، اس طرح آپ ﷺ نے گھر کے دو مردوں اور تین عورتوں سے مشورہ کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **فَأَمَّا أُسَامَةُ** کہ اسامہ نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے گھر والوں سے علیحدگی مت اختیار کیجیے بلکہ ان کو اپنے ساتھ ہی رکھیے، اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس معاملے میں بری ہیں اور آپ کے گھر والوں کے بارے میں ہمیں خیر کے سوا کسی چیز کا علم نہیں ہے۔

وَأَمَّا عَلِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ لَمْ يُضَيِّقِ اللهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيْرٌ اور علی نے کہا: یارسول اللہ! اللہ نے آپ پر کوئی تنگی تو رکھی نہیں ہے، اور عورتیں عائشہ کے علاوہ بھی بہت ہیں، یعنی اگر آپ کسی اور سے شادی کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، **وَسَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ** البتہ آپ خادمہ (یعنی بریرہ) سے پوچھیں وہ آپ کو سچ بات بیان کر دے گی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو مشورہ دیا تھا، وہ بڑی حکمت اور گہرائی پر مشتمل تھا، ایک طرف تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی کہ اگر آپ بالفرض عائشہ سے علیحدگی بھی اختیار کر لیں تو کوئی ایسی بات نہیں ہے، اللہ نے دنیا میں عورتیں بہت رکھی ہیں، گویا فوری تسلی ہوگئی کہ علیحدگی کی صورت میں بھی آپ کے لیے کوئی بڑا مسئلہ پیدا نہیں ہوگا، لیکن دوسری طرف فوراً یہ کہا کہ **وَسَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ**، خادمہ (یعنی بریرہ) سے پوچھیں وہ آپ کو سچ بات بیان کر دے گی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پاکدامن ہیں اور اس معاملے میں بری ہیں، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایسی برائت بیان کی کہ آپ ﷺ کا دل پوری طرح مطمئن ہوگیا۔ تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکمت تھی کہ انہوں نے اس انداز سے بات کی کہ معاملہ بالکل واضح ہوگیا اور آپ ﷺ بھی مطمئن ہوگئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے بریرہ کو بلایا اور کہا کہ کیا تم نے (عائشہ کے بارے میں)

کوئی ایسی چیز دیکھی ہے، جو تمہیں شک میں ڈالتی ہو؟ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے عائشہ میں کوئی عیب کی بات نہیں دیکھی، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ کم عمر ہے، میں آٹا گوندھ کر جاتی ہوں، یہ اسے حفاظت سے نہیں رکھتیں اور پالتو بکری اس آٹے کو کھا لیتی ہے۔ یعنی کم عمری کی وجہ سے جس طرح گھر کی چیزیں سنبھالنی چاہیں، یہ اس طرح نہیں سنبھال پاتیں، کیونکہ یہ ابھی کم عمر او ناتجربہ کار ہیں، گویا اشارہ کیا کہ یہ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ میں سے ہیں یعنی بہت زیادہ سادہ سی عورت ہیں، میں نے ان میں کوئی برائی اور عیب والی بات نہیں دیکھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن مشورے کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے مسلمانوں کے گروہ! مَنْ يَّعْذِرُنِيْ مِنْ رَّجُلٍ قَدْ بَلَغَنِيْ عَنْهُ أَذَاهُ فِيْ أَهْلِي کون ہے؟ جو مجھے اس آدمی کے بارے میں معذور سمجھے، جس سے مجھے میرے گھر والوں کے بارے بہت تکلیفیں پہنچی ہیں۔ یعنی اس آدمی نے میرے گھر والوں کے اوپر بڑے الزام لگائے ہیں اور اس کی مجلس اس قسم کی باتوں کا اڈہ بنی ہوئی ہے، تو اگر میں اس پر کوئی سختی کروں یا کوئی سزا جاری کروں تو تم مجھے اس کے بارے میں معذور سمجھنا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى أَهْلِيْ إِلَّا خَيْرًا اللہ کی قسم! میں اپنے گھر والوں کے بارے میں سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتا، وَلَقَدْ ذَكَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا اور انہوں نے ایسے آدمی کا ذکر کیا ہے کہ میں اس کے بارے میں بھی خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا، وَمَا يَدْخُلُ عَلٰى أَهْلِيْ إِلَّا مَعِيْ اور وہ کبھی میرے گھر میں میرے بغیر نہیں داخل ہوا، یعنی صفوان بن معطل بھی نیک آدمی ہیں اور میری بیوی کے نیک ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فَقَامَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ أَخُوْ بَنِيْ عَبْدِ الْأَشْهَلِ تو سعد بن معاذ کھڑے ہوئے جن کا تعلق بنو عبد الأشهل سے تھا اور انہوں نے کہا کہ فَقَالَ أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَعْذِرُكَ، اے اللہ کے رسول! میں آپ کا عذر ختم کروں گا۔ اب یہاں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر آ رہا ہے، تو جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ غزوۃ بنی المصطلق غزوۂ خندق کے بعد پیش آیا ہے، وہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہاں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر راوی کا وہم ہے، کیونکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال غزوۃ بنی المصطلق سے پہلے ہو چکا تھا، البتہ جمہور علماء کے نزدیک یہاں روایت میں کوئی وہم نہیں ہے اور راوی کا بیان اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے، کیونکہ غزوۃ بنی المصطلق غزوۂ خندق سے مقدم ہے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس وقت حیات تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت تک عبداللہ بن اُبی کا نام نہیں لیا تھا بلکہ جب بات شروع کی تھی تو یہ کہا تھا کہ ایک آدمی نے میرے گھر والوں کے بارے میں مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے، اور کون ہے جو میرا عذر ختم کرے گا؟ تو حضرت سعد

بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کا عذر ختم کروں گا، اگر وہ آدمی جو آپ کو تکلیفیں پہنچا رہا ہے، فَإِنْ كَانَ مِنَ الْأَوْسِ ضَرَبْتُ عُنُقَهُ اگر اس کا تعلق میرے قبیلے یعنی قبیلہ اوس سے ہے تو میں اس کی گردن ماروں گا، وَإِنْ كَانَ مِنْ إِخْوَانِنَا مِنَ الْخَزْرَجِ اور اگر وہ ہمارے بھائی خزرج کے لوگوں میں سے ہے أَمَرْتَنَا فَفَعَلْنَا أَمْرَكَ تو آپ ہمیں حکم دیجیے، ہم آپ کا حکم بجالائیں گے، یعنی اس کی گردن ماریں گے۔

شراح فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جملہ تھوڑا سا غیر محتاط بول دیا۔ کہنا یوں چاہیے تھا کہ اگر وہ آدمی جو آپ کو تکلیف پہنچا رہا ہے، قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تو آپ مجھے حکم دیجیے، میں اس قبیلہ اوس کے آدمی کی گردن ماروں گا (کیونکہ میں اوس کا سردار ہوں) اور اگر اس آدمی کا تعلق خزرج سے ہے تو آپ خزرج کے لوگوں کو حکم دیجیے، وہ اس کی گردن ماریں گے۔ یہ کہنا زیادہ مناسب تھا لیکن آپ نے یہ جملہ کہا کہ اگر وہ قبیلہ خزرج سے ہے تو آپ ہمیں حکم دیجیے، ہم اس کی گردن ماریں گے۔

اب جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو جوش آ گیا، وہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْخَزْرَجِ ادھر سے خزرج کا ایک آدمی کھڑا ہو گیا، حسان بن ثابت کی والدہ اس کی چچازاد بہن تھیں اور وہ سعد بن عبادہ تھے اور خزرج کے سردار تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: وَكَانَ قَبْلَ ذٰلِكَ رَجُلًا صَالِحًا اس سے پہلے وہ نیک آدمی تھے (حقیقت میں تو اس وقت بھی نیک تھے، لیکن امی عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی ناگواری کا اظہار فرما رہی ہیں) وَلٰكِنِ احْتَمَلَتْهُ الْحَمِيَّةُ لیکن عصبیت نے ان کو پکڑ لیا، تو انہوں نے سعد بن معاذ سے کہا: كَذَبْتَ لَعَمْرُ اللهِ لَا تَقْتُلُهُ وَلَا تَقْدِرُ عَلٰى قَتْلِهِ تم غلط بات کر رہے ہو، اللہ کی قسم تم اس کو قتل نہیں کرو گے اور نہ تم اسے قتل کر سکتے ہو۔ مقصد یہ تھا کہ ہمارے آدمی کو قتل کرنے کا تمہیں کیسے حق ہے؟ ہم خود اسے قتل کریں گے، لیکن وہ بھی پوری طرح اپنی بات واضح نہ کر سکے اور آگے مزید یہ کہہ دیا کہ وَلَوْ كَانَ مِنْ رَهْطِكَ مَا أَحْبَبْتَ أَنْ يُّقْتَلَ اگر وہ تمہارے قبیلے سے ہوتا تو تم اس کا قتل کرنا کبھی پسند نہ کرتے۔

جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تو اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے، جو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے، انہوں نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا كَذَبْتَ لَعَمْرُ اللهِ لَنَقْتُلَنَّهُ تم غلط بات کر رہے ہو، اللہ کی قسم! ہم اس کو قتل کریں گے، فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ تُجَادِلُ عَنِ الْمُنَافِقِيْنَ تم منافق ہو اور منافقوں کا دفاع کر رہے ہو۔ اتنا سخت جملہ کہہ دیا، حالانکہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی کبار صحابہ میں سے ہیں، ان کے منافقین میں سے ہونے کا کیا سوال ہے؟ اس طرح سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما بھی کبار صحابہ میں سے ہیں، لیکن ذرسی غیر محتاط گفتگو ہوئی اور اس کے نتیجے میں بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی اور اتنی آگے پہنچ گئی کہ فَثَارَ الْحَيَّانِ الْأَوْسُ

وَالْخَزْرَجُ حَتّٰى هَمُّوْا أَنْ يَّقْتَتِلُوْا کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اوس وخزرج کے دونوں قبیلے ایک دوسرے کی طرف لپک کر کھڑے ہوگئے، یہاں تک کہ انہوں نے لڑنے مرنے کا ارادہ کرلیا۔ نبی کریم ﷺ منبر پر کھڑے تھے اور صحابہ کرام آپ ﷺ کے سامنے باہم دست وگریبان ہونے والے تھے اور آپ ﷺ انہیں مسلسل ٹھنڈا کرتے رہے کہ خاموش ہوجاؤ، خاموش ہوجاؤ، حَتّٰى سَكَتُوْا وَسَكَتَ یہاں تک کہ سب خاموش ہو گئے، تو آپ ﷺ بھی خاموش ہوگئے اور پھر آپ ﷺ منبر سے اتر کر اندر گھر میں تشریف لے گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں پورا دن روتی رہی، میرے آنسو رک نہیں رہے تھے اور میں نیند کا سرمہ نہیں لگا رہی تھی۔ وَأَصْبَحَ أَبَوَايَ عِنْدِيْ میرے ماں، باپ صبح کے وقت میرے پاس تشریف لائے۔

اب یہ جو آگے واقعہ پیش آیا کہ نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور آیات افک نازل ہوئیں، یہ سارا واقعہ کہاں پیش آیا؟ زیر نظر روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں دو احتمال ہیں:

❶ ایک احتمال یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے میکے یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں پیش آیا۔

❷ دوسرا احتمال یہ ہے کہ بعض دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب اوپر کمرے سے نیچے اتر کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تھے اور اپنی بیٹی کو تسلی دی تھی کہ بیٹا! صبر سے کام لو، تو اس وقت آپ نے یہ جملہ بھی فرمایا تھا: أقسمت عليك يا بنية أن ترجعي الى بيتك بیٹی! میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔ یعنی شوہر سے دوری اختیار مت کرو، تم آگئی ہو، تم نے معلومات بھی حاصل کر لی ہیں، ماں باپ نے تمہیں تسلی بھی دے دی ہے، لہٰذا اب تم اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔ چنانچہ اگر اس روایت کو لیا جائے، جسے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے، تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر واپس چلی گئی تھیں، البتہ اگلے دن ان کے والدین ان کے گھر پہنچ گئے تاکہ اپنی بیٹی کی خیر خیریت معلوم کریں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو یہ نصیحت کی کہ بیٹی! میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔ اس نصیحت سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کا قریب رہنا ہی بہتر ہے، میاں بیوی کے دور ہونے سے بدگمانی پیدا ہونے اور بڑھنے کا امکان ہوتا ہے، جیسا کہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے۔

بہر حال آگے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں دونوں احتمالات ہیں کہ یا تو یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں پیش آئے، یا پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں پیش آئے۔

وَقَدْ بَكَيْتُ لَيْلَتَيْنِ وَيَوْمًا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں دو راتیں اور ایک دن سے مسلسل رو رہی تھی، مجھے نیند بھی نہیں آرہی تھی اور میرے آنسو بھی نہیں تھم رہے تھے، یہاں تک کہ میں یہ گمان کر رہی تھی أَنَّ الْبُكَاءَ فَالِقٌ

كَبِدِيْ کہ میرا یہ رونا میرے کلیجے کو پھاڑ دے گا، میرے والدین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی، اسی دوران انصار کی ایک خاتون میرے پاس آئیں اور مجھے روتا دیکھ کر وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگیں۔

قَالَتْ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم اسی حالت میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: وَلَمْ يَجْلِسْ عِنْدِيْ مُنْذُ قِيْلَ مَا قِيْلَ قَبْلَهَا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس اس وقت سے نہیں بیٹھے تھے، جب سے وہ کہا گیا، جو کہا گیا اس سے پہلے۔ گویا ایک مہینہ سے زائد تقریباً سینتیس دن گزر چکے تھے، ان سینتیس دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تھے، سلام کرتے تھے، یہ پوچھتے تھے کہ کیا حال ہے؟ اور چلے جاتے تھے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر بیٹھتے نہیں تھے، سینتیس دن گزرنے کے بعد پہلی بار اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب بیٹھ گئے۔ وَقَدْ لَبِثَ شَهْرًا لَّا يُوْحٰى إِلَيْهِ فِيْ شَأْنِيْ بِشَيْءٍ اور ایک مہینہ گزر گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میرے معاملے میں کوئی وحی نہیں آ رہی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھ کر تشہد یعنی خطبہ مسنونہ پڑھا: أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی اہم بات کرنی ہو تو اس سے پہلے خطبہ مسنونہ یعنی تشہد پڑھنا مستحب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں کوئی عام خطاب نہیں فرما رہے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بات کرنا چاہتے تھے اور چونکہ اہم بات تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پہلے تشہد پڑھا۔

ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ پھر خطبہ مسنونہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! بے شک تمہارے بارے میں مجھے یہ یہ باتیں پہنچی ہیں، فَإِنْ كُنْتِ بَرِيْئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللّٰهُ اب اگر تم بری ہو تو اللہ تمہیں بری کر دے گا، وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوْبِيْ إِلَيْهِ اور اگر تم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لو اور توبہ کر لو، فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کیونکہ بندہ جب گناہ کا اعتراف کرتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر لیتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی گفتگو پوری کر لی قَلَصَ دَمْعِيْ تو میرے آنسو بالکل رک گئے، حَتّٰى مَا أُحِسُّ مِنْهُ قَطْرَةً یہاں تک کہ میں ایک قطرہ بھی محسوس نہیں کر رہی تھی، یعنی کہاں تو یہ حالت تھی کہ مسلسل آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اب بالکل ہی آنسو رک گئے، فَقُلْتُ لِأَبِيْ تو میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیجیے۔ میرے والد نے کہا کہ اللہ کی قسم مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا کہ

میں رسول اللہ ﷺ سے کیا عرض کروں؟ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجیے۔ میری والدہ نے کہا کہ اللہ کی قسم مجھے تو سمجھ نہیں آرہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کیا عرض کروں؟ تو میں نے عرض کیا اور حال یہ تھا کہ میں کم عمر تھی اور میں قرآن بھی اس وقت میں زیادہ پڑھی ہوئی نہیں تھی نیز یہاں روایت میں نہیں ہے، البتہ دوسری روایتوں میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی تھیں، کمزوری بہت تھی، ایک مہینے سے بخار تھا، دودن سے مسلسل رورہی تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں بیٹھ گئی اور میں نے بھی تشہد پڑھا، جس طرح نبی کریم ﷺ نے خطبہ مسنونہ پڑھا تھا، پھر اس کے بعد میں نے بات شروع کی اور عرض کیا کہ إِنِّيْ وَاللهِ لَقَدْ عَلِمْتُ اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں لَقَدْ سَمِعْتُمْ هٰذَا الْحَدِيْثَ آپ لوگوں نے یہ باتیں سنی ہیں، حَتّٰى اسْتَقَرَّ فِيْ أَنْفُسِكُمْ یہاں تک کہ یہ بات آپ سب کے دلوں میں بیٹھ گئی ہیں، وَصَدَّقْتُمْ بِهٖ اور آپ نے گویا اس کی تصدیق کر دی ہے، فَلَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ إِنِّيْ بَرِيْئَةٌ لَا تُصَدِّقُوْنِّيْ اب اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ میں بری ہوں (میں نے کوئی گناہ نہیں کیا) تو آپ میری تصدیق نہیں کریں گے، وَلَئِنْ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرٍ اور اگر میں آپ کے سامنے کسی ایسے گناہ کا اعتراف کرلوں، وَاللهُ يَعْلَمُ أَنِّيْ مِنْهُ بَرِيْئَةٌ حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں، لَتُصَدِّقُنِّيْ تو آپ میری تصدیق کرنے لگو گے۔ فَوَاللهِ لَا أَجِدُ لِيْ وَلَكُمْ مَثَلًا اللہ کی قسم میں اپنے لیے اور آپ کے لیے کوئی مثال نہیں پاتی إِلَّا أَبَا يُوْسُفَ حِيْنَ قَالَ مگر حضرت یوسف کے والد (حضرت یعقوب علیہ السلام) والی مثال جب انہوں نے فرمایا تھا: فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ میں صبر جمیل کروں گا اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اس میں اللہ سے ہی مدد مانگی جائے گی۔

دوسری روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں چونکہ جذبات میں آگئی تھی، اس لیے مجھے اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہی یاد نہ آیا، کتاب التفسير کی روایت میں ہے کہ فالتمست اسم يعقوب فلم اجده میں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام یاد کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ان کا نام یاد ہی نہیں آیا، تو میں نے ابا یوسف کہہ دیا کہ یوسف علیہ السلام کے والد نے جو جملہ کہا تھا، وہی میں بھی آپ سے کہتی ہوں: فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ جملہ اس وقت کہا تھا، جب ان کے بیٹوں نے آکر کہا تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے، بالکل یہی جملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی فرمایا، مقصد یہ تھا کہ یہ بات غلط کہی جارہی ہے، میں کیسے اس کی تصدیق کردوں؟ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتی ہوں۔

یہاں علماء نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ اگر آدمی کی واقعی کوئی غلطی نہ ہو، تو پھر اس کا غلطی کا اعتراف کرنا غلط ہے، جب غلطی ہی نہیں کی تو اسے کیوں مانے؟ البتہ اگر غلطی ہوئی ہے، تو پھر فوراً اعتراف کرلینا چاہیے کہ ہاں، مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ کہنے کے بعد ثُمَّ تَحَوَّلْتُ وَاضْطَجَعْتُ عَلَى فِرَاشِيْ پھر میں واپس پلٹی اور اپنے بستر پر لیٹ گئی، وَاللهُ يَعْلَمُ أَنِّي حِيْنَئِذٍ بَرِيْئَةٌ اور اللہ جانتا تھا کہ میں اس وقت میں بری ہوں، وَأَنَّ اللهَ مُبَرِّئِيْ بِبَرَاءَتِيْ اور مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میری براءت ضرور نازل کرے گا، وَلٰكِنْ وَاللهِ مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ اللهَ مُنْزِلٌ فِيْ شَأْنِيْ وَحْيًا يُتْلٰى لیکن اللہ کی قسم! مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملے میں وہ وحی نازل کرے گا جسے قرآن میں پڑھا جائے گا، لَشَأْنِيْ فِيْ نَفْسِيْ كَانَ أَحْقَرَ مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللهُ فِيَّ بِأَمْرٍ میری حالت میرے اپنے دل میں اس بات سے زیادہ حقیر تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کوئی کلام فرمائے، وَلٰكِنْ كُنْتُ أَرْجُوْ مجھے صرف یہ امید تھی أَنْ يَّرَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ رُؤْيَا يُبَرِّئُنِيَ اللهُ بِهَا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند میں کوئی خواب دیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ اس خواب کے ذریعے مجھے بری قرار دے دیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی اس مجلس سے اٹھے نہیں تھے اور گھر والوں میں سے بھی ابھی کوئی باہر نہیں نکلا تھا، حَتّٰى أُنْزِلَ عَلَيْهِ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہونے لگی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسینہ آنے لگا، جیسے نزول وحی کے وقت پسینہ آتا تھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موتیوں کی طرح پسینہ گرنے لگا، حالانکہ یہ سردی کے دن تھے۔ فَسُرِّيَ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَضْحَكُ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ کیفیت دور ہوگئی اور حال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ تھی اور سب سے پہلی بات جو آپ نے ارشاد فرمائی، وہ یہ تھی: يَا عَائِشَةُ أَمَّا اللهُ فَقَدْ بَرَّأَكِ کہ اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بری کر دیا ہے۔ سورۂ نور کی آیات نازل ہوئیں، جن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے امی عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی براءت کو نازل فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بشارت سنائی تو میری والدہ نے مجھ سے کہا: قُوْمِيْ إِلَيْهِ تم شوہر کے پاس جا کر کھڑی ہو جاؤ۔ میں نے کہا: وَاللهِ لَا أَقُوْمُ إِلَيْهِ اللہ کی قسم میں حضور کے پاس جا کر کھڑی نہیں ہوں گی۔ فَإِنِّيْ لَا أَحْمَدُ إِلَّا اللهَ عَزَّ وَجَلَّ میں تو صرف اللہ ہی کی تعریف کروں گی۔

حافظ ابن حجرؒ نے ایک روایت یہ بھی ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ پر رکھا تو انہوں نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا، فانتهرني أبو بكر تو میرے والد ابوبکر نے مجھے ڈانٹا کہ بیٹی! تم کیا کر رہی ہو؟ مگر اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شوہر سے ناز کا اظہار فرما رہی تھیں۔

دراصل جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت پر وحی نازل ہوئی تو ان پر بے خودی کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ اللہ کے ماسوا سے نظر ہٹ گئی اور صرف اللہ پر نظر باقی رہی، ان پر تو قیامت گزر چکی تھی اور اللہ نے وحی کے ذریعے ان کی براءت کا اعلان کیا، تو ایسی حالت میں اللہ پر نظر کا جم جانا اور ماسوا سے نظر کا ہٹ جانا، کوئی بعید بات نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطور ناز یہ بات فرمائی کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا شکر ادا نہیں کروں گی۔ ناز میں ہوتا یہ ہے کہ دل میں جو کیفیت راسخ اور جاگزیں ہوتی ہے، ظاہر میں اس کے خلاف کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے انتہاء عظمت ومحبت موجود تھی، لیکن ان پر اس وقت ناز کی کیفیت طاری ہوئی، بظاہر ناز ہے اور دل میں صد ہزار نیاز موجود ہے، ورنہ اس میں کیا شک ہے اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہ بات بخوبی جانتی تھیں کہ انہیں یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہی ملا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: إِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ الْعَشْرَ الْاٰيَاتِ دس آیات نازل کیں، پھر اللہ تعالیٰ نے میری براءت میں آیت نازل کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر رشتہ داری اور ان کے فقر کی وجہ سے مال خرچ کرتے تھے، مگر اس واقعے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وَاللّٰهِ لَا أُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ الَّذِيْ قَالَ لِعَائِشَةَ مَا قَالَ اللہ کی قسم! اس نے میری بیٹی عائشہ پر جو الزام لگایا ہے، لہٰذا اب اس کے بعد میں بھی کبھی اس پر کوئی خرچ نہیں کروں گا، تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اور تم میں سے جو لوگ اہل خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور انہیں چاہیے کہ معافی اور درگزر سے کام لیں، اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تمہاری خطائیں بخش دے؟ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بَلٰى وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأُحِبُّ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِيْ کیوں نہیں، اللہ کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے لہٰذا میں مسطح کو معاف کرتا ہوں، پھر آپ نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو دوبارہ وہ نفقہ دینا شروع کر دیا، جو آپ پہلے دیا کرتے تھے اور فرمایا وَاللّٰهِ لَا أَنْزِعُهَا مِنْهُ أَبَدًا کہ اللہ کی قسم! اب میں کبھی اس کو نفقہ دینا بند نہیں کروں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی میرے بارے میں پوچھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہا: مَاذَا عَلِمْتِ أَوْ رَأَيْتِ؟ تم عائشہ کے بارے میں کیا جانتی ہو؟ یا کہا کہ تمہارا کیا گمان ہے؟ تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَحْمِيْ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ اے اللہ کے رسول! میں تو اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں، وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ إِلَّا خَيْرًا اللہ کی قسم مجھے عائشہ کے بارے میں خیر کے سوا کوئی بات معلوم نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **وَهِيَ الَّتِي كَانَتْ تُسَامِيْنِي مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** یہی وہ خاتون ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں میرے مقابلے کی تھیں، **فَعَصَمَهَا اللهُ بِالْوَرَعِ** لیکن اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی وجہ سے ان کی حفاظت فرمائی، وہ پرہیزگار خاتون تھیں، انہوں نے میرے بارے میں کوئی غلط بات نہیں کی اور نہ ہی کوئی الزام لگایا۔

وَطَفِقَتْ أُخْتُهَا حَمْنَةُ تُحَارِبُ لَهَا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ ان کے لیے لڑائی شروع کردی، یہ خیال کرکے کہ اس سے ان کی بہن کو فائدہ ہوگا اور حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نامناسب الفاظ نکل گئے تھے جس کی وجہ سے ان پر حدقذف جاری کی گئی۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَهٰذَا الَّذِيْ بَلَغَنِيْ مِنْ حَدِيْثِ هٰؤُلَاءِ الرَّهْطِ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ روایت ہے، جو مجھے ان لوگوں سے پہنچی ہے، یعنی ان چار اساتذہ عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہم نے مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ طویل حدیث بیان کی ہے۔

عروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی قسم وہ آدمی جس کے بارے میں کہا گیا، جو کہا گیا (یعنی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ) وہ یہ کہتے تھے کہ سبحان اللہ! قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضے میں میری جان ہے **مَا كَشَفْتُ مِنْ كَنَفِ أُنْثٰى قَطُّ** میں نے تو کبھی کسی عورت کا دامن نہیں کھولا۔ **کنف** کپڑے کے اس حصے کو کہتے ہیں، جو ایک جانب میں لٹکا ہوا ہو، اسے آپ دامن بھی کہہ سکتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی عورت کا دامن تک نہیں کھولا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اس وقت میں فرمایا: اللہ کی قسم میں نے یہ کام نہ کبھی حلال طور پر کیا ہے اور نہ ہی حرام طور پر کیا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک صفوان رضی اللہ عنہ کی شادی نہیں ہوئی تھی، چنانچہ وہ کہتے تھے کہ الحمدللہ! میں اس سے بالکل بری ہوں، میں نے نہ کبھی بطور حلال کسی عورت کا دامن کھولا اور نہ بطور حرام۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **ثُمَّ قُتِلَ بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ.** بعد میں انہیں اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہوئی، چنانچہ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ سن ۱۹ ہجری میں غزوۂ ارمینیہ میں شہید ہوئے۔

البتہ یہ واضح رہے کہ روایت کے یہ الفاظ **مَا كَشَفْتُ مِنْ كَنَفِ أُنْثٰى قَطُّ** اس زمانے سے متعلق ہیں، جبکہ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی شادی نہیں ہوئی تھی، لیکن بعد میں وہ رشتہ ازدواج سے منسلک ہو گئے تھے۔

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اور اور ان کی زوجہ کا ایک قصہ ابوداؤد اور دوسری روایات میں آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، ہم آپ کے پاس تھے، وہ کہنے لگیں کہ اے اللہ کے رسول! میرے شوہر صفوان جب نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتے ہیں اور روزہ رکھتی ہوں تو

روزہ تڑوا دیتے ہیں اور فجر کی نماز سورج نکلنے سے پہلے نہیں پڑھتے۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان باتوں کے متعلق پوچھا جو ان کی بیوی نے بیان کیں، تو انہوں نے کہا: اللہ کے رسول! اس کا یہ الزام کہ نماز پڑھنے پر میں اسے مارتا ہوں، تو بات یہ ہے کہ یہ دو دو سورتیں پڑھتی ہے جب کہ میں نے اسے (دو دو سورتیں پڑھنے سے) منع کر رکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لوگ اگر ایک ہی سورت پڑھ لیں تب بھی کافی ہے"۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ اور اس کا یہ کہنا کہ میں اس سے روزہ افطار کرا دیتا ہوں تو یہ روزہ رکھتی چلی جاتی ہے، میں جوان آدمی ہوں صبر نہیں کر پاتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن فرمایا: "کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر (نفل روزہ) نہ رکھے"۔ رہی اس کی یہ بات کہ میں سورج نکلنے سے پہلے نماز نہیں پڑھتا تو ہم اس گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ سورج نکلنے سے پہلے ہم اٹھ ہی نہیں پاتے (صفوان رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ گویا آپ شرعی طور پر اس بات میں معذور تھے، کیونکہ صحابی رسول کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ قصداً و عمداً وہ نماز میں تساہل کریں، رات بھر کی محنت و مزدوری کے بعد آدمی تھک کر چور ہو جاتا ہے اور فطری طور پر آخری رات کی نیند سے خود سے یا جلدی بیدار ہونا مشکل مسئلہ ہے، اگر کبھی ایسی معذوری ہو جائے تو بیداری کے بعد نماز ادا کر لی جائے، ایک بات یہ بھی واضح رہے کہ صفوان اور ان کے خاندان کے لوگ گہری نیند کی عادت میں مشہور تھے، جیسا کہ زیر بحث حدیث میں صراحت ہے، نیز مسند احمد میں صفوان رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ میں گہری نیند والا ہوں، اور ایسے خاندان سے ہوں جو اپنی گہری نیند کے بارے میں مشہور ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب بھی جاگو تو نماز پڑھ لیا کرو۔

معلوم ہوا کہ نفلی عبادات کی ادائیگی کی وجہ سے کسی کی حق تلفی کرنا درست نہیں، مثلاً ماں نے کہا کہ بیٹا مجھے اس چیز کی ضرورت ہے تم بازار سے لے آؤ اور بیٹے نے یہ سن کر فوراً کہا اَللّٰهُ اَكْبَر اور نفل کی نیت باندھ لی اور خوب خشوع وخضوع کے ساتھ نماز شروع کر دی تو اسے درست عمل نہیں کہا جائے گا، اسی طرح شوہر کی بیوی سے لڑائی ہوگئی، شوہر نے کہا کہ میں جا رہا ہوں چلّے پر، اب تم اکیلے رہنا، گویا چلّے سے مقصود تبلیغ دین نہیں ہے بلکہ بیوی کو تنگ کرنے اور سزا دینے کے لیے جا رہا ہے۔ تو لڑائی کے لیے حقوق العباد کو پامال کر کے اپنی نیکیاں مخالف کے سامنے ڈھال کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت شریعت ہرگز نہیں دیتی، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف اعلان کر دیا کہ لا تصوم امرأة إلا بإذن زوجها کہ کوئی عورت بغیر شوہر کی اجازت کے روزہ نہیں رکھ سکتی۔ ورنہ تو بیویاں شوہر کو ستانے کے لئے دن میں روزہ رکھیں گی، ان کا روزہ اللہ کے لیے نہیں ہوگا بلکہ شوہروں کو ستانے کے لیے ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے روزے قضا ہوتے تھے، تو میں شعبان میں جا کر ان کو قضا کرتی تھی، اس لیے کہ شعبان میں نبی

کریم ﷺ کثرت سے روزے رکھتے تھے تو میں بھی اپنے قضا روزے رکھ لیتی تھی، ورنہ عام دنوں میں اگر میں روزہ رکھوں تو مجھے ڈر ہوتا تھا کہ نبی کریم ﷺ کو میرے روزہ رکھنے سے کوئی تکلیف نہ ہو۔

تو اس بات کا خوب خیال رکھنا چاہیئے کہ فرائض اور واجبات میں تو کوئی رعایت نہیں ہے، لیکن جب نوافل و مستحبات کا معاملہ آ جائے تو اس میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے کہ ہماری نفلی عبادات سے دوسرے مسلمانوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ أَمْلَى عَلَيَّ هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ مِنْ حِفْظِهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ قَالَ لِي الْوَلِيدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ أَبَلَغَكَ أَنَّ عَلِيًّا كَانَ فِيمَنْ قَذَفَ عَائِشَةَ

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ولید بن عبدالملک نے پوچھا: کیا تم کو معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں تھے؟

قُلْتُ لَا وَلٰكِنْ قَدْ أَخْبَرَنِي رَجُلَانِ مِنْ قَوْمِكَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ

میں نے کہا کہ نہیں البتہ تمہاری قوم (قریش) کے دو آدمیوں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث نے مجھے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَهُمَا كَانَ عَلِيٌّ مُسَلِّمًا فِي شَأْنِهَا

ان سے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ ان کے معاملے میں خاموش تھے۔ پھر لوگوں نے ہشام بن یوسف (یا زہری) سے دوبارہ پوچھا تو انہوں نے رجوع نہیں کیا

بنوامیہ میں بعد میں جا کر ایسے لوگ آئے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں ادب و احترام کی رعایت نہیں کرتے تھے تو ولید بن عبدالملک نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں؟ (نعوذ باللہ) تو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے پاس اس قسم کی کوئی خبر نہیں پہنچی، البتہ خود تمہاری قوم کے دو آدمیوں ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور ابوبکر بن عبدالرحمن نے مجھے بتایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں سے کہا کہ **كَانَ عَلِيٌّ مُسَلِّمًا فِي شَأْنِهَا**۔ یہ **مسلما** اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں طریقوں سے پڑھا گیا ہے، اسم فاعل کی صورت ترجمہ ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سکوت اختیار کرنے والے تھے، اس صورت میں **تسلیم** سکوت کے معنی میں ہے، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اس معاملے میں بات نہیں کیا کرتے تھے اور اسم مفعول کی صورت میں معنی ہوں گے **کان علیا سالما من الخوض فی شانها** یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں وہ غور وفکر نہیں کرتے تھے، ان کے نزدیک یہ معاملہ ایسا نہیں تھا کہ جس میں غور وفکر کیا جائے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت غور وفکر کی محتاج ہی نہیں تھی یا **مسلما** صیغہ اسم مفعل **محفوظا** کے معنی میں ہے، یعنی وہ تہمت لگانے سے محفوظ تھے۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ سے **مسلما** کی بجائے **مسیئا** کا لفظ نقل کیا ہے، اس صورت میں معنی ہوں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں سوءِ ظن رکھنے والے تھے، اس سے یہ مطلب نکلے گا کہ العیاذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تہمت میں دلچسپی رکھتے تھے اور یہ بالکل ہی غلط ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ

کی روایت کی تردید کی ہے۔ درحقیقت بعض ناصبیوں نے بنوامیہ کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان گھٹانے کے لئے اس روایت میں تحریف کی اور کان علی مسلما فی شانھا میں تصحیف کر کے کان علی مسیئا فی شانھا بنادیا، اسی لئے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جو جلیل القدر محدث ہیں انہوں نے اس تصحیف کی تردید کی اور فرمایا کہ یہ لفظ مسلما ہی ہے، چنانچہ آگے روایت کے الفاظ ہیں: فَرَاجَعُوْهُ فَلَمْ يَرْجِعْ وَقَالَ مُسَلِّمًا بِلَا شَكٍّ فِيْهِ یعنی امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے مراجعت کی یہ لفظ مسلما ہے یا مسیئا، تو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا (یعنی مسیئا کی تائید نہیں کی) اور فرمایا یہ لفظ مسلما ہی ہے، علامہ کرمانی اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما کے مطابق یہ مراجعت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے کی گئی ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ ہشام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں نے ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مراجعت بغرض تحقیق کی ہے، اس طرح بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک کی رائے کے خلاف امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حق بات بیان کی اور روایت میں تصحیف کی نشاندہی کی، فجزاہ اللہ عنا و عن سائر المسلمین خیر الجزاء۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے سن ۱۴۳۹ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنات کے امتحان میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ حدیث پر اعراب وترجمہ ❷ واقعہ افک اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت واضح کریں ❸ یہ واقعہ کس غزوہ اور کس سن میں پیش آیا۔

حَدَّثَنَا أَبُوْ عَبْدِاللهِ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَسْرُوْقُ بْنُ الْأَجْدَعِ قَالَ

حَدَّثَتْنِيْ أُمُّ رُوْمَانَ وَ هِيَ أُمُّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَتْ بَيْنَا أَنَا قَاعِدَةٌ أَنَا وَ عَائِشَةُ

ام رومان رضی اللہ عنہا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہیں فرماتی ہیں کہ میں اور عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں

إِذْ وَلَجَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَتْ فَعَلَ اللهُ بِفُلَانٍ وَفَعَلَ فَقَالَتْ أُمُّ رُوْمَانَ وَ مَا ذَاكِ

کہ ایک انصاری خاتون آئیں اور کہنے لگیں کہ اللہ فلاں، فلاں کو تباہ کرے۔ ام رومان نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟

قَالَتِ ابْنِيْ فِيْمَنْ حَدَّثَ الْحَدِيْثَ قَالَتْ وَمَا ذَاكِ؟ قَالَتْ كَذَا وَ كَذَا قَالَتْ عَائِشَةُ سَمِعَ

انہوں نے کہا کہ میرا لڑکا بھی ان لوگوں کے ساتھ شریک ہوگیا ہے، جنہوں نے اس طرح کی بات کی ہے۔ ام رومانؓ نے پوچھا کہ آخر بات کیا ہے؟ اس پر انہوں نے تہمت لگانے

رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ وَ أَبُوْ بَكْرٍ؟ قَالَتْ نَعَمْ فَخَرَّتْ مَغْشِيًّا

والوں کی باتیں نقل کر دیں، عائشہؓ نے پوچھا: کیا رسول اللہ نے بھی یہ باتیں سنیں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ انہوں نے پوچھا اور ابوبکرؓ نے بھی؟ انہوں نے کہا کہ ہاں یہ سنتے ہی وہ

عَلَيْهَا فَمَا أَفَاقَتْ إِلَّا وَعَلَيْهَا حُمّٰى بِنَافِضٍ فَطَرَحَتْ عَلَيْهَا ثِيَابَهَا فَغَطَّيْتُهَا فَجَاءَ النَّبِيُّ

غش کھا کر گر پڑیں اور جب ہوش آیا تو جاڑے کے ساتھ بخار چڑھا ہوا تھا۔ میں نے ان پر ان کے کپڑے ڈال دیئے اور اچھی طرح ڈھک دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا شَأْنُ هٰذِهِ؟ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَخَذَتْهَا الْحُمّٰى بِنَافِضٍ قَالَ

تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ انہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جاڑے کے ساتھ بخار چڑھ گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غالباً اس نے وہ بات

فَلَعَلَّ فِي حَدِيْثٍ تُحُدِّثَ بِهِ قَالَتْ نَعَمْ فَقَعَدَتْ عَائِشَةُ فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَئِنْ حَلَفْتُ لَا تُصَدِّقُونِّي

سن لی ہے، ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جی ہاں۔ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیٹھ کر کہا کہ اللہ کی قسم! اگر میں قسم کھاؤں کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری تصدیق نہیں کریں گے اور اگر کچھ کہوں تب بھی

وَلَئِنْ قُلْتُ لَا تَعْذِرُونِّي مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ كَيَعْقُوبَ وَ بَنِيهِ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ

میرا عذر نہیں سنیں گے۔ میری اور آپ لوگوں کی یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں جیسی مثال ہے کہ انہوں نے کہا تھا واللہ المستعان علی ما تصفون ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ ﷺ

قَالَتْ فَانْصَرَفَ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عُذْرَهَا قَالَتْ بِحَمْدِ اللّٰهِ لَا بِحَمْدِ أَحَدٍ وَلَا بِحَمْدِكَ

عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ تقریر سن کر لوٹ گئے، کچھ جواب نہیں دیا، تو اللہ نے خود ان کی تلافی نازل کی، تو وہ نبی کریم ﷺ سے کہنے لگیں بس میں اللہ ہی کا شکر ادا کرتی ہوں نہ آپ کا نہ کسی اور کا۔

قَالَتِ ابْنِي فِيمَنْ حَدَّثَ الْحَدِيْثَ: یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ افک کی باتیں کرنے والوں میں انصار میں سے ایک حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرا عبداللہ بن اُبی منافق تھا اور ان میں سے کسی کی بھی اس وقت والدہ موجود نہیں تھیں، تو پھر اس انصاری خاتون نے کیسے کہہ دیا کہ میرے بیٹے نے بھی افک کی باتیں کی ہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ رضاعت کے تعلق سے انصاری خاتون نے اپنا بیٹا کہہ دیا ہو۔

حَدَّثَنِي يَحْيٰى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَتْ تَقْرَأُ إِذْ تَلِقُوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُولُ الْوَلْقُ الْكَذِبُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سورۃ النور کی اس آیت کو إِذْ تَلِقُوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ پڑھتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ الولق جھوٹ کے معنی میں ہے۔

قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ وَ كَانَتْ أَعْلَمَ مِنْ غَيْرِهَا بِذٰلِكَ لِأَنَّهُ نَزَلَ فِيهَا

ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان آیات کو دوسروں سے زیادہ جانتی تھیں کیونکہ وہ خاص ان ہی کے بارے میں اتری تھیں

قرآن شریف کی آیت **إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ** میں مشہور قرات **تَلَقَّوْنَهُ** (باب **تفعل** سے قاف کی تشدید کے ساتھ) ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے **تَلِقُوْنَهُ** (باب **ضرب** سے) پڑھتی تھیں اور فرماتی تھیں **ولق** کے معنی جھوٹ کے ہیں، اس صورت میں آیت کے معنی ہوں گے کہ **جب تم اپنی زبانوں سے یہ جھوٹی بات بول رہے تھے**۔ ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ آیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لئے وہ اس سے زیادہ واقف ہیں۔

البتہ **تَلَقَّوْنَهُ** قراءت متواترہ ہے، جبکہ **تَلِقُوْنَهُ** خبر واحد سے ثابت ہونے کی بناء پر قراءت شاذہ ہے۔

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ

عَنْ أَبِيهِ قَالَ ذَهَبْتُ أَسُبُّ حَسَّانَ عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ لَا تَسُبَّهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُنَافِحُ عَنْ

حضرت ہشام کے والد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو برا کہنے لگا تو انہوں نے کہا کہ انہیں برا نہ کہو کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ

رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ عَائِشَةُ اِسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ

کی طرف سے کفار کو جواب دیتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے مشرکین قریش کی ہجو کہنے کی

هِجَاءِ الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ كَيْفَ بِنَسَبِيْ؟ قَالَ لَأَسُلَّنَّكَ مِنْهُمْ كَمَا تُسَلُّ الشَّعَرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ

اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میرے نسب کا کیا ہوگا؟ حسان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آپ کو ان سے اس طرح الگ کرلوں گا جیسے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ فَرْقَدٍ سَمِعْتُ هِشَامًا عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَبَبْتُ

محمد بن عقبہ نے ہمیں بیان کیا ہم سے عثمان بن فرقد نے کہا کہ میں نے ہشام سے سنا اور انہوں نے اپنے والد سے وہ فرماتے تھے کہ میں نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا کیونکہ

حَسَّانَ وَكَانَ مِمَّنْ كَثَّرَ عَلَيْهَا

انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں بہت حصہ لیا تھا

عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حسان بن ثابت کو برا بھلا کہنے لگا کہ انہوں نے آپ پر تہمت لگائی تھی، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: لَا تَسُبَّهُ کہ تم ان کو برا بھلا مت کہو، کیونکہ حسان بن ثابت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے اشعار کے ذریعے دفاع کیا کرتے تھے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، آپ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا، حضور ﷺ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی میں بیٹھے اشعار پڑھ رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے، انہوں نے آپ کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا، أفي مسجد رسول الله تنشد الشعر کہ آپ مسجد نبوی میں شعر پڑھ رہے ہیں؟ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جواب دیا قد كنت انشد و فيه من هو خير منك یعنی میں مسجد نبوی میں شعر پڑھا کرتا تھا اور اس وقت آپ سے بہتر انسان (حضور ﷺ) اس میں موجود ہوتے تھے، نبی کریم ﷺ نے آپ کے لئے مسجد نبوی میں ایک منبر رکھوایا تھا، آپ اس پر بیٹھ کر مشرکین مکہ کے قصائد کا جواب دیا کرتے تھے، آپ نے ان کے لئے دعا بھی کی تھی کہ اللهم ايده بروح القدس۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ کی اپنے اشعار میں بڑے بلیغ انداز و اسلوب کے ساتھ ہجو بیان کی ہے اور کمال یہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اس ہجو و مذمت کی پرچھائیں بھی نہیں پڑنے دیں۔

جیسے اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حسان بن ثابت نے نبی کریم ﷺ سے مشرکین کی ہجو کرنے کی اجازت طلب کی۔ اب ظاہر ہے کہ مشرکین قریش کے لوگ تھے اور نبی کریم ﷺ کا تعلق بھی قریش سے ہے تو گویا یہ نبی کریم ﷺ کے قبیلے کی ہجو کی اجازت ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: كَيْفَ بِنَسَبِيْ؟ پھر میرے نسب کا کیا

ہوگا؟ مطلب یہ کہ میں بھی تو قریش میں سے ہوں تم قریش کی مذمت کروگے تو اس طرح تو میری بھی مذمت ہوجائے گی۔ تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: لَأَسُلَّنَّكَ مِنْهُمْ كَمَا تُسَلُّ الشَّعَرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ میں ان میں سے آپ کو اس طریقے سے نکال لوں گا، جیسے بال کو گندھے ہوئے آٹے سے نکال لیا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ گندھے ہوئے آٹے سے بال کو کھینچنا جس طرح انتہائی آسان ہے اور وہ بال صفائی کے ساتھ آٹے سے نکل آتا ہے، تو میں مشرکین مکہ کی بھی اسی طرح ہجو کروں گا کہ آپ کے نسب اطہر پر ذرہ برابر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مشرکین کی ہجو کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید کی کہ اگر تم قریش کی ہجو کرنا چاہتے ہو تو پھر ابوبکر بن ابی قحافہ سے مدد لینا فإنه نسابة العرب اس لیے کہ وہ عربوں کے نسب کو خوب جاننے والے ہیں، ان کو پتا ہے کہ کس کا نسب کہاں، کس سے جا کر ملتا ہے، اور کس سے نہیں ملتا۔ چنانچہ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مدد کیا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھے، ان کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بچپن اور جوانی میں بڑی دوستی تھی، لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن بن گئے اور چونکہ شاعر تھے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں مذمت اور ہجو کے اشعار کہا کرتے تھے، بڑی ایذاء رسانی انہوں نے کی ہے، بعد میں فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے اپنی تمام کوتاہیوں اور غلطیوں کی تلافی کی۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ان کی ہجو کی، ان کی ہجو میں مشکل یہ تھی کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، شاعر کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی کی مذمت اور ہجو پر اتر آتا ہے تو باپ، دادا سب کو سمیٹ لیتا ہے، جب حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کی ہجو کا ارادہ کیا، تو ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کی ہجو بھی ہوجائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی اثر بھی نہ پڑے، یہ مشکل کام تھا لیکن حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معاونت سے ایسا کر کے دکھایا۔ جب یہ ہجو یہ اشعار ابوسفیان بن حارث نے سنے تو وہ سمجھ گئے اور کہا هذا شعر لم يغب عنه ابن ابی قحافة یعنی یہ اشعار ابوبکر کی مدد ہی سے کہے گئے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات کے سن میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات میں سن ۴۰ ہجری، بعض میں سن ۵۰ ہجری اور بعض روایات میں سن ۵۴ ہجری میں آپ کی وفات کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابة میں لکھا ہے کہ آپ نے ایک سو بیس سال عمر پائی۔

حَدَّثَنِيْ بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي الضُّحٰى

عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَعِنْدَهَا حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ يُنْشِدُهَا شِعْرًا

مسروق نے فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے یہاں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ موجود تھے اور انہیں اپنے اشعار سنا رہے تھے۔

يُشَبِّبُ بِأَبْيَاتٍ لَّهُ وَقَالَ حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِيْبَةٍ وَتُصْبِحُ غَرْثٰى مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ

اوران اشعار سے حضرت عائشہؓ کی مدح بیان کر رہے تھے ان میں سے ایک شعر یہ تھا (ترجمہ) وہ سنجیدہ اور پاک دامن ہیں جس پر کبھی تہمت نہیں لگائی گئی، وہ ہر صبح بھوکی ہو کر نادان

فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ لٰكِنَّكَ لَسْتَ كَذٰلِكَ قَالَ مَسْرُوْقٌ فَقُلْتُ لَهَا لِمَ تَأْذَنِيْنَ لَهُ أَنْ يَّدْخُلَ

بہنوں کا گوشت نہیں کھاتی۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا لیکن تم تو ایسے نہیں ثابت ہوئے۔ مسروق فرماتے ہیں کہ پھر میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ آپ انہیں اپنے پاس

عَلَيْكِ وَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالٰى وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيْمٌ فَقَالَتْ وَأَيُّ عَذَابٍ

آنے کی اجازت کیوں دیتی ہیں جبکہ اللہ تعالی ان کے متعلق فرما چکا ہے "اوران میں وہ شخص جو تہمت لگانے میں سب سے زیادہ ذمہ دار ہے اس کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔" اس پر

أَشَدُّ مِنَ الْعَمٰى قَالَتْ لَهُ إِنَّهُ كَانَ يُنَافِحُ أَوْ يُهَاجِيْ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نابینا ہو جانے سے سخت عذاب اور کیا ہوگا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ حسان رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا کرتے تھے۔

مسروق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اشعار سنا رہے تھے، يُشَبِّبُ بِأَبْيَاتٍ لَّهُ اپنے اشعار کے ذریعے ان کی تعریف کر رہے تھے۔ اس میں ایک شعر یہ بھی تھا:

حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِيْبَةٍ　　　وَتُصْبِحُ غَرْثٰى مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ

حَصَانٌ کے معنی عفیف اور پاکدامن کے ہیں، رَزَانٌ باوقار کو کہتے ہیں، وَتُصْبِحُ سے صبح کا وقت مراد نہیں ہے بلکہ مطلق وقت مراد ہے، غَرْثٰى کے معنی جائعة کے ہیں

مکمل شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی پاک دامن ہیں، باوقار ہیں، ان کے اوپر کسی بھی قسم کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی اور وہ غافل (بھولی بھالی) عورتوں کے گوشت سے بھوکی رہتی ہیں (یعنی غیبت نہیں کرتیں)۔

یہ قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے: أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ غیبت ایسی ہے، جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ یہ فرمارہے ہیں کہ عورتوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ جہاں چار عورتیں جمع ہوئیں، پانچویں کی غیبت شروع کر دی، گویا غافل (بھولی بھالی) عورتوں کا گوشت کھانا شروع کر دیا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ کے گوشت سے بھوکی رہتی ہیں، ان کی کبھی غیبت یا برائی کے ساتھ تذکرہ نہیں کرتیں۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جب یہ شعر سنایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک جملہ کہا: لٰكِنَّكَ لَسْتَ كَذٰلِكَ لیکن آپ تو ایسے نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے تو آپ کہہ رہے ہیں کہ غافل (بھولی بھالی) عورتوں کے گوشت سے بھوکی رہتی

ہوں لیکن آپ نے تو بھولی بھالی عورتوں کی غیبت بھی کی، چنانچہ بڑے بلیغ انداز میں فرمایا کہ آپ تو ایسے نہیں ہیں آپ نے بھی تو غافل (بھولی بھالی) عورت کا گوشت کھایا تھا، اگرچہ وہ گناہ معاف ہوگیا اور حد بھی جاری ہوگئی۔

آگے روایت میں ہے کہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: لِمَ تَأْذَنِيْنَ لَهُ أَنْ يَّدْخُلَ عَلَيْكِ؟ آپ ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت کیوں دیتی ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

یہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهُ مِنْهُمْ کا مصداق رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی ہے، لیکن حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ بات کہی کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھی ان ہی میں شامل ہیں، جنھوں نے آپ پر بڑا بہتان لگایا تھا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: وَأَيُّ عَذَابٍ أَشَدُّ مِنَ الْعَمٰى؟ کہ نابینا ہونے سے زیادہ سخت عذاب کون سا ہوگا؟ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب علی سبیل التنزل ہے، کیونکہ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهُ مِنْهُمْ کا مصداق عبداللہ بن اُبی ہے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسروق رحمۃ اللہ علیہ کو علی سبیل التنزل جواب دیا کہ بالفرض تمہاری بات مان بھی لی جائے کہ حسان وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهُ مِنْهُمْ کا مصداق ہیں تو نابینا ہونے سے اور سخت عذاب کیا ہوسکتا ہے۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کسی سے کوئی غلطی ہوجائے، تو غلطی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اس کی اگلی، پچھلی ساری خدمات پر پانی پھیر دیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ایک غلطی ہوگئی، سو ہوگئی، اس کی سزا بھی ان کو مل گئی، حد قذف بھی جاری ہوگئی، اب اس غلطی کی وجہ سے ان کی جو دوسری دینی خدمات ہیں، ان کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ اور انہیں کسی طرح طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے؟ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دفاع کرتے تھے، انہوں نے دین کی بڑی خدمات انجام دی ہیں تم انہیں برا بھلا مت کہو۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے سن ۱۴۳۸ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنات کے امتحان میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ حدیث کا ترجمہ ❷ حدیث کی تشریح ❸ ان کلمات: يُشَبِّبُ، حَصَانٌ، رَزَانٌ، مَا تُزَنُّ، غَرْثٰى، الْغَوَافِلِ، يُنَافِحُ، يُهَاجِيْ کی لغوی تحقیق کریں۔

بَابُ غَزْوَةِ الْحُدَيْبِيَةِ

باب: غزوۂ حدیبیہ کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

اسے غزوۂ حدیبیہ اور عمرة الحديبية کہتے ہیں، چونکہ شروع میں یہ سفر عمرے کے لئے ہوا تھا اس لئے اسے عمرة الحديبية کہا جاتا ہے اور آگے جا کر بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا اور جنگ کا نقشہ بنا اس لئے اسے غزوۂ حدیبیہ بھی کہتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیبیہ کا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ کتاب الشروط میں بیان کیا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ میں اور میرے اصحاب کی ایک جماعت امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں اور عمرہ ادا کیا ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے اس خواب کا ذکر کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم جو مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کی محبت میں پہلے ہی سے اس بات کے خواہش مند تھے کہ وہاں جائیں اور طواف وعمرہ کریں، چنانچہ وہ وہاں جانے کے لئے بے تاب ہو گئے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یکم ذی قعدہ بروز پیر سن ۶ ہجری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بقصد عمرہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کتنے صحابہ تھے؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں، تیرہ سو سے لے کر اٹھارہ سو تک کی تعداد نقل کی گئی ہے، خود بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں چودہ سو اور عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت میں تیرہ سو کا عدد منقول ہے، البتہ مشہور قول چودہ سو کا ہے۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا اور بسر بن سفیان رضی اللہ عنہ کو قریش کے حالات کی خبر لینے کے لئے آگے روانہ کیا کہ ان پر ہمارے اس سفر کا ردعمل کیا ہے؟، جب آپ غدیر اشطاط پر پہنچے تو بسر بن سفیان رضی اللہ عنہ نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی کہ قریش لشکر جمع کر رہے ہیں اور انہوں نے یہ تہیہ کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ قریش نے مقدمة الجيش کے طور پر خالد بن ولید (اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کو دوسو سواروں کا دستہ دے کر مسلمانوں کی طرف بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی آمد کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر سفر شروع کیا۔ مکہ مکرمہ کے قریب جب ایک مقام پر آپ پہنچے تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی قصواء بیٹھ گئی اس کو اٹھانے کی بہت کوشش کی گئی، لیکن وہ کسی طرح اپنی جگہ سے نہیں اٹھی، صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے: خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ یعنی قصواء اڑ گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَسْأَلُونِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا خدا کی قسم! میں قریش کی ہر اس بات کو قبول کروں گا جس میں حرم کی تعظیم ہو۔ اس کے بعد قصواء کو اٹھایا تو وہ اٹھ کر چلنے لگی، حدیبیہ پہنچ کر آپ نے قیام فرمایا۔

حدیبیہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کی طرف بھیجا کہ وہ جا کر ان کو بتائیں کہ ہم فقط عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، جنگ کرنا ہمارا مقصود نہیں، مطلب آپ کا یہ تھا کہ بیت اللہ پر تو کسی کی اجارہ داری نہیں ہے، آخر تمام عرب آتے ہیں عمرہ اور حج کرتے ہیں، تو ہم بھی اگر عمرے کے لئے آ گئے تو روکنے کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہئے۔ خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ مکہ گئے تو قریش نے ان کا اونٹ ذبح کر دیا اور انہیں قتل کرنا چاہا لیکن کچھ لوگوں نے بیچ بچاؤ کروا کر انہیں چھڑایا اور وہ واپس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام قصے سے آگاہ کیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کے پاس بھیجنا چاہا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ یا رسول اللہ! اہل مکہ کی میرے ساتھ جو بغض اور دشمنی ہے وہ آپ کو معلوم ہے اور مکہ میں میرا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار بھی نہیں ہے جس کے ہاں میں پناہ لوں، اگر آپ عثمان کو بھیج دیں تو زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ مکہ میں ان کے کافی رشتہ دار موجود ہیں، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بطور قاصد روانہ فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ تشریف لے گئے اور ابان بن سعید کے ہاں ٹھہرے، قریش سے بات کی، لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں داخلے پر راضی نہ ہوئے، البتہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اگر چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر طواف نہیں کروں گا، قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں روک لیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں روکنے کی وجہ یہ تھی کہ قریش نے اپنے پچاس آدمی اس سازش پر مقرر کئے تھے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچیں اور موقع دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نعوذ باللہ) شہید کر دیں، یہ لوگ اسی تاک میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محافظ محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا، قریش کو جب ان کی گرفتاری کی خبر ملی تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

بیعت رضوان: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہادت کی خبر پہنچی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ عثمان کے خون کا قصاص لینا ضروری ہے، یہ کہہ کر وہیں ایک کیکر کے درخت کے سایہ میں بیٹھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جانثاری کی بیعت لی، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور عہد کیا کہ جب تک جان میں جان ہے، ہم کفار سے جہاد وقتال جاری رکھیں گے، یہ اسلامی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے، سب سے پہلے ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، جب تمام صحابہ بیعت سے فارغ ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔

جب اس بیعت کی خبر قریش کو ہوئی تو وہ بڑے مرعوب ہوئے اور مصالحت ومفاہمت کی طرف مائل ہونے لگے، چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں کو لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے

،قبیلہ خزاعہ اگر چہ اب تک مشرف با اسلام نہیں ہوا تھا لیکن اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ تھا، مشرکین مکہ مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں اور منصوبے بناتے تھے، اس قبیلے کے لوگ حضور ﷺ کو اس کی اطلاع کر دیا کرتے تھے، بدیل بن ورقاء نے آکر آپ ﷺ سے عرض کی کہ قریش مکہ پوری قوت کے ساتھ مقابلے کے لئے نکل آئے ہیں اور انہوں نے ارد گرد پانی کے تمام چشموں پر قبضہ کر لیا ہے، وہ آپ کو مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّا لَمْ نَجِئْ لِقِتَالِ أَحَدٍ وَلٰكِنَّا جِئْنَا مُعْتَمِرِيْنَ کہ ہم کسی جنگ کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ ہم تو عمرہ کرنے آئے ہیں، متعدد جنگوں نے قریش کو کمزور کر دیا ہے، اگر وہ چاہیں تو کسی متعین مدت کے لئے ہم سے صلح کر لیں اور ہمیں اور باقی عرب کو چھوڑ دیں، اگر باقی عرب ہم پر غالب آگئے، تو ان کی مراد گھر بیٹھے پوری ہو جائے گی اور اگر ہمیں غلبہ حاصل ہو جائے تو انہیں اختیار ہوگا کہ وہ اسلام قبول کریں یا پھر ہمارے ساتھ جنگ کریں اور اس عرصے میں وہ اپنی قوت کو بھی مجتمع اور مرتب کر لیں گے، تاہم اگر قریش اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں ان سے اس وقت تک قتال کرتا رہوں گا جب تک میری گردن سر سے الگ نہ ہو جائے۔

بدیل آپ ﷺ کی بات سن کر قریش کے پاس آئے اور آپ ﷺ کی یہ بات انہیں سنانا چاہی، تو قریش کے جذباتی نوجوانوں نے تو کسی قسم کی بات سننے سے انکار کر دیا، البتہ سنجیدہ لوگوں نے کہا کہ بات تو سن لینی چاہئے، چنانچہ بدیل نے حضور ﷺ کے آنے کا مقصد بتایا اور آپ کی وہ بات انہیں سنائی جو قریش سے صلح کے متعلق آپ نے فرمائی تھی، تو قریش نے کہا کہ اگر چہ وہ لڑائی کی نیت سے نہیں آئے لیکن ہم انہیں مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

بدیل کی بات سن کر قبیلہ بنی ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود (یہ اس زمانے میں کافر تھے، بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) نے قریش سے کہا کہ محمد نے جو بات کی ہے وہ تمہاری بہتری اور بھلائی کی بات ہے، اس کو قبول کر لو اور مجھے اجازت دو کہ میں جا کر ان سے اس سلسلے میں بات کر لوں، چنانچہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان سے بھی وہی فرمایا جو اس سے پہلے بدیل سے کہہ چکے تھے، تو عروہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ فرض کر لو کہ آپ قریش کا خاتمہ ہی کر دیں، تو یہ کون سی اچھی بات ہوگی، آپ نے کبھی سنا ہے کہ کسی شخص نے اپنی ہی قوم کو ہلاک و برباد کیا ہو اور اگر لڑائی کا رخ بدلا اور قریش کو غلبہ حاصل ہوا تو یہ ادھر ادھر کے لوگ جو آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے ہیں، زیادہ عرصہ نہیں گزر پائے گا کہ یہ سب آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں گے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عروہ کی بات پر سخت غصہ آیا اور انہوں نے عروہ سے کہا: امصص بظر اللات أنفر عنه و ندعه تو جا کر اپنے بت لات کی شرمگاہ کو چاٹ، کیا ہم محمد ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ یہ عربوں کے یہاں سخت قسم کی گالی تھی۔ چونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

نے اپنے چہرے پر ڈھاٹا باندھا ہوا تھا اور عروہ ان کو پہچان نہیں سکا تو عروہ نے کہا کہ یہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر ہیں۔ تو عروہ نے کہا کہ میں ان کی سخت کلامی کا جواب ضرور دیتا لیکن ان کا ایک احسان مجھ پر ہے جس کا بدلہ میں اب تک نہیں دے سکا، اس لئے کچھ نہیں کہتا۔ عروہ بن مسعود پر کسی موقع پر دیت لازم ہوگئی تھی اور اس دیت کی ادائیگی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی معاونت کی تھی، عروہ اسی احسان کا ذکر کررہا تھا۔

عروہ حضور ﷺ کے ساتھ گفتگو کے دوران بار بار آپ ﷺ کی داڑھی مبارک کو ہاتھ لگاتا تھا، یہ بے تکلفانہ گفتگو میں عرب کا ایک انداز ہے، عروہ کے بھتیجے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو مسلمان ہو چکے تھے اور اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ تھے، انہیں اپنے چچا کی یہ جرأت گوارا نہ ہوسکی کہ یہ ناپاک ہاتھ اس مقدس داڑھی تک پہنچے، تو مغیرہ رضی اللہ عنہ تلوار کا دستہ عروہ کے ہاتھ پر مارتے تاکہ وہ ہاتھ آپ ﷺ کی داڑھی سے دور رکھے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ چونکہ خود اور زرہ میں ملبوس تھے اور ان کا چہرہ چھپا ہوا تھا، اس وجہ سے عروہ آپ کو نہ پہچان سکا، تو عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا یہ تیرا بھتیجا مغیرہ ہے، تو عروہ نے کہا کہ او غدار! تجھے یاد نہیں کہ میں نے تیرے غدر کی تلافی کی تھی۔

اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ شاہ مقوقس کے دربار میں مغیرہ بن شعبہ چند دوسرے لوگ کے ساتھ گئے، بادشاہ نے مغیرہ کی بہ نسبت ان کے ساتھیوں کو کچھ زیادہ تحائف دیئے۔ مغیرہ کو اس پر بڑا طیش تھا، واپسی میں ایک مقام پر سب رکے، کھانا پینا کیا اور سو گئے، مغیرہ نے اس موقع پر سب کو قتل کرڈالا اور ان کا مال لے کر مدینہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے، حضور اکرم ﷺ نے آپ کا اسلام تو قبول کرلیا اور مال کو یہ کہہ کر رد کردیا کہ یہ غدر و دھوکے کا مال ہے، ان مقتولین کا خون بہا عروہ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا، عروہ نے اپنے جملہ أَيْ غُدَرُ أَلَسْتُ أَسْعَى فِي غَدْرَتِكَ کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا۔

عروہ بن مسعود حضور ﷺ کے ساتھ گفتگو کے دوران صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانثاری کا مشاہدہ کرتے ہوئے حیران تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے تھوکا بھی تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چہروں سے مل لیتے، جب آپ ﷺ وضو کرتے تو آپ کے وضو سے گرنے والے پانی پر صحابہ رضی اللہ عنہم ٹوٹ پڑتے اور وہ پانی لے کر اپنے چہروں پر ملتے تھے، جب آپ بات شروع فرماتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی آوازیں پست کردیتے اور ہمہ تن گوش بن کر آپ ﷺ کی بات سنتے، عروہ نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے دربار نبوت میں آداب و جانثاری کا یہ عالم دیکھا تو بڑا متاثر ہوا اور واپس جا کر قریش سے کہا: أَيْ قَوْمِ وَاللهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوكِ وَوَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ وَكِسْرَى وَالنَّجَاشِيِّ وَاللهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا اے میری قوم! میں کسریٰ و قیصر اور نجاشی کے درباروں میں ان کے پاس گیا ہوں لیکن خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کو ان کی قوم میں ایسا معزز نہیں

دیکھا، جیسا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے اصحاب میں ہیں ، پھر عروہ نے کہا: وَإِنَّهُ قَدْ عَرَضَ عَلَيْكُمْ خُطَّةَ رُشْدٍ فَاقْبَلُوهَا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تم پر ایک راست معاملہ پیش کیا ہے تم اسے قبول کرلو۔

اس کے بعد قریش کے حلیف ایک حبشی سردار حلیس بن علقمہ نے بھی چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرے اور دیکھے کہ آپ کا کیا ارادہ ہے، یہ لوگ قربانی کے جانوروں کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات معلوم تھی اس لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ حلیس آرہا ہے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ قربانی کے جانور جو تم مدینہ منورہ سے لائے ہو سب کو قطار میں کھڑا کردو، حلیس نے جب قربانی کے جانور قطار میں کھڑے دیکھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے بغیر راستے ہی سے واپس ہوگئے اور جاکر قریش سے کہا، واللہ! وہ لوگ تو عمرہ کی نیت سے آئے ہیں، ان کے پاس ہدی کے جانور ہیں، ان کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے ہرگز نہیں روکنا چاہئے، بعض لوگوں نے ان سے کہا تو گنوار اور جنگلی آدمی ہے، بات سمجھتا نہیں اور رائے دے دیتا ہے، یہ چونکہ حبشی تھا اس لئے قریش کے مغرور لوگوں نے اس کی بے عزتی کی، حلیس نے ان سے کہا کہ ہم نے تم لوگوں کے ساتھ حلف یا معاہدہ اس لئے نہیں کیا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کرنے والوں کو روکیں گے، اس لئے اگر تم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عمرہ کرنے سے روکا تو میں اپنے سارے آدمیوں کو یہاں سے لے جاؤں گا اور ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں رہے گا، اس کی ناراضگی کو دیکھ کر قریش کے بعض سنجیدہ لوگوں نے اس سے کہا کہ آپ تشریف رکھیں، ناراض نہ ہوں، غور وفکر کیا جارہا ہے، چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔

بالآخر قریش نے بات چیت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سہیل بن عمرو کو بھیجا اور ان سے کہا کہ صلح صرف اس شرط پر ہوسکتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سال واپس چلے جائیں، تاکہ قبائل عرب میں یہ مشہور نہ ہو کہ مسلمان مکہ میں زبردستی داخل ہوگئے ہیں، سہیل کو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آتے دیکھا تو فرمایا: لَقَدْ سَهُلَ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ اب تمہارے معاملے کو سہل کردیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے نام سے نیک فال لی۔

صلح حدیبیہ اور اس کی شرائط: سہیل بن عمرو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ادب کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھ گئے، طرفین سے بات چیت شروع ہوئی، سہیل نے قریش کا پیغام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا، قریش نے صلح کے لئے سب سے پہلی شرط یہ رکھی تھی کہ مسلمانوں کو اس سال عمرہ کی اجازت نہیں دی جائے گی، اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر ہرگز راضی نہ تھے کہ عمرہ کئے بغیر احرام کھول دیں اور مدینہ چلے جائیں، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سہیل سے سخت گفتگو کی، اس دوران طرفین سے آوازیں بلند اور پست ہوتی رہیں۔ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے سہیل کو ڈانٹا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آواز بلند مت کر، بہرحال طویل گفتگو کے بعد شرائط صلح طے ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ وہ صلح نامہ لکھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لکھو: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

سہیل بن عمرو نے کہا: یہ جو آپ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھوا رہے ہیں، یہ تو آپ مسلمانوں کی ایجاد ہے، ہم نہیں جانتے کہ رحمن کیا ہوتا ہے؟ بات وہ ہونی چاہیے جو ہمارے اور آپ کے درمیان متفق علیہ ہو، ہم تو باسمک اللھم لکھا کرتے ہیں، اس لیے آپ بھی باسمک اللھم لکھوایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ باسمک اللھم لکھ دو، کیونکہ اصل تو اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے، لہٰذا تنازعہ کی ضرورت نہیں۔

پھر معاہدے کا اگلا جملہ شروع ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھو: هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ وہ معاہدہ ہے، جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا ہے۔ اس پر بھی سہیل نے اعتراض کیا کہ اگر آپ معاہدے میں محمد رسول اللہ لکھوائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو رسول اللہ تسلیم کرلیا ہے، حالانکہ ہم تو آپ کو اللہ کا رسول مانتے ہی نہیں، اس لیے آپ محمد بن عبد اللہ لکھئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَإِنْ كَذَّبْتُمُوْنِيْ اُكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ میں تو اللہ کا رسول ہی ہوں، خواہ تم مجھے جھٹلا دو، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ محمد بن عبد اللہ ہی لکھ دو اور رسول اللہ کا لفظ مٹا دو، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کا نام ہرگز نہیں مٹا سکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بظاہر حضور ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی لیکن یہ خلاف ورزی جس پاک جذبے اور جس عظیم عقیدت و محبت کی بنیاد پر ہو رہی ہے، اس محبت کی قدر و قیمت پہچاننے والے ہی پہچانتے ہیں کہ یہ بے ادبی نہیں تھی، اس میں اختلاف ہے کہ الامر فوق الادب صحیح ہے یا الادب فوق الامر صحیح ہے، بعض حضرات الامر فوق الادب کو اولیٰ کہتے ہیں اور بعض الادب فوق الامر کی اولویت کے قائل ہیں، لیکن اس میں ضروری ہے کہ رعایت ادب میں آمر کی ناراضگی کا اندیشہ نہ ہو، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے اور آپ ﷺ تشریف لے آئے، تو آپ ﷺ نے ان کو نماز پڑھاتے رہنے کا اشارہ کیا تھا، تو انہوں نے الامر فوق الادب پر عمل کیا، جبکہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الادب فوق الامر پر عمل کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکار پر حضور ﷺ ناراض نہیں ہوئے، بلکہ ان سے فرمایا کہ اچھا مجھے بتاؤ کہ میرا نام کہاں لکھا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس جگہ پر انگلی رکھ دی، تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کا لفظ مٹایا۔ اس کے بعد روایات میں اختلاف ہے کہ محمد بن عبد اللہ آپ ﷺ نے خود لکھا، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ بطور معجزہ آپ ﷺ نے خود لکھا اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا اور فکتب رسول اللہ میں اسناد مجازی ہے جیسا کہ کتب الی قیصر و کسری میں اسناد مجازی ہے۔

جن شرائط پر صلح ہوئی وہ یہ تھیں:

1. مسلمان اس سال واپس چلے جائیں گے اور عمرہ کرنے آئندہ سال آئیں گے اور صرف تین دن قیام کر کے واپس

چلے جائیں، جنگی ہتھیار لگا کر نہیں آئیں گے، البتہ صرف نیام میں بند تلوار ساتھ لا سکتے ہیں۔

❷ اہل مکہ میں سے اگر کوئی شخص اپنے ولی و آقا کی اجازت کے بغیر مدینہ آجائے تو واپس کر دیا جائے گا چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مدینہ سے مکہ آجائے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

❸ دیگر قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کی طرف سے معاہدہ میں شریک ہونا چاہے شریک ہو سکتے ہیں، چنانچہ بنوبکر اہل مکہ کے اور بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہو گئے۔

چونکہ یہ شرطیں بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں، اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت ناگواری ہو رہی تھی، ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ سہیل بن عمرو کے بیٹے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ جو مسلمان ہو چکے تھے اور کافروں کی قید میں تھے، وہ کسی طرح وہاں سے بھاگ کر بیڑیوں اور زنجیروں کے بوجھ میں لدے مسلمانوں کے پاس آ پہنچے اور آ کر خود کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔ سہیل بن عمرو نے جب یہ صورت حال دیکھی تو کہا کہ معاہدہ چونکہ طے پا چکا ہے، اس لئے آپ ابوجندل کو میرے حوالے کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا ہے، فریقین کے دستخط ابھی تک نہیں ہوئے۔ اس نے کہا کہ نہیں چونکہ معاہدہ ہو گیا ہے اس لئے آپ کو میرا بیٹا مجھے لوٹانا ہوگا، ورنہ میں آپ سے کسی صلح کا معاہدہ نہیں کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تم میری خاطر اسے چھوڑ دو، وہ میرے پاس رہے گا۔ سہیل نے کہا کہ میں اس کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس رکھنے کے لئے سہیل سے بہت اصرار کیا لیکن وہ نہ مانا، چنانچہ نہایت مجبور ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو کفار کے حوالہ کیا، حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ پر کفار نے ظلم و ستم کے جو پہاڑ ڈھائے تھے اس کے نشانات ان کے جسم پر موجود تھے، انہوں نے مسلمانوں کو اپنے زخم دکھائے اور سسکیوں بھری آواز میں مسلمانوں کو پکار کر کہنے لگے کہ یا معشر المسلمين! ارد الى المشركين يؤذوني في ديني یہ بڑا دلسوز منظر تھا۔ درحقیقت یہ موقع مسلمانوں کے لئے سخت آزمائش کا تھا، ایک طرف شرائط صلح سے مسلمانوں کے جذبات سخت مجروح تھے، عمرہ کئے بغیر واپس جانے کا غم تھا، دوسری طرف ابوجندل رضی اللہ عنہ کی یوں واپسی، ان پر ڈھائے جانے والے مظالم اور پھر ان کی اس دردناک صدا سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبات کا کیا عالم ہوگا اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں، تمام مسلمان اس وقت تڑپ اٹھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے معاہدہ پر برقرار رہے اور ابوجندل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: يا ابا جندل! اصبر واحتسب فان الله جاعل لك ولمن معك من المستضعفين فرجا ومخرجا انا عقدنا بيننا وبين قومنا صلحا وانا لا نغدر بهم ابوجندل! صبر کرو اور اللہ سے ثواب کی امید رکھو، اللہ تمہارے لئے اور تمہارے ساتھ دیگر مظلومین کے لئے آسانی کی کوئی راہ نکال دے گا، چونکہ ہمارے اور ان کے درمیان صلح ہو چکی ہے اس لئے ہم اب بدعہدی نہیں کر سکتے۔

اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہوسکا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا کہ کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں نہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فَلِمَ نُعْطَى الدَّنِيَّةَ فِي دِيْنِنَا إِذًا پھر دین میں ہم یہ ذلت کیوں گوارا کر رہے ہیں؟ حضو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِنِّي رَسُولُ اللهِ وَلَسْتُ أَعْصِيهِ وَهُوَ نَاصِرِيْ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور اللہ ضرور میری مدد فرمائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک یہ کہا تھا، لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال یہ کام کریں گے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی وہی گفتگو کی جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی تھی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: أَيُّهَا الرَّجُلُ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللهِ وَلَيْسَ يَعْصِي رَبَّهُ وَهُوَ نَاصِرُهُ فَاسْتَمْسِكْ بِغَرْزِهِ. "او بندۂ خدا! وہ اللہ کے رسول ہیں، وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور اللہ ان کی مدد فرمائے گا تو اس لئے انہیں کی رکاب تھامے رہو"۔

خواب اور اس کی تعبیر

یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بڑا اہم مسئلہ واضح فرما دیا کہ بسا اوقات خواب سچا ہوتا ہے، نبی برحق کا خواب ہوتا ہے لیکن اس کی جو تعبیر لی جاتی ہے، ضروری نہیں کہ وہی اس کی تعبیر ہو یا یہ کہ وہ تعبیر اسی وقت میں واقع ہو جس وقت میں نبی برحق یا ان کے صحابہ سمجھ رہے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ ہم مکہ مکرمہ جائیں گے اور بیت اللہ کا طواف کریں گے اور اس کے بعد حلق یا قصر کیا جائے گا، تو یہ خواب تو یقیناً سچ تھا، لیکن یہ بات کہ اس خواب کی تعبیر کب ظاہر ہوگی؟ متعین نہیں تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال ہوا کہ شاید اسی سال ظاہر ہو جائے گی، چنانچہ آپ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے، لیکن بعد میں اس سال عمرہ کرنا میسر نہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ نے تو یہ خواب دیکھا تھا اور ہم سے یہ بیان کیا تھا، پھر ہم عمرہ کیوں ادا نہیں کر رہے؟ واپس کیوں جا رہے ہیں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال طواف کریں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں، یہ تو نہیں کہا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بس ٹھیک ہے، ان شاء اللہ تم ضرور طواف کرو گے، اس سال نہیں تو آئندہ سال۔

یہ مسئلہ کتاب الرؤیا اور کتاب التعبیر سے متعلق ہے کہ بسا اوقات خواب سچا ہوتا ہے مگر اس کی تعبیر میں فرق واقع ہوسکتا ہے، یا اگر تعبیر درست بھی لی گئی ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تعبیر فوراً واقع ہو جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام

نے خواب دیکھا: يٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ۔ خواب بالکل سچ تھا، لیکن اس کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی، لہٰذا بسا اوقات خواب سچا ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اس کی تعبیر فوراً ظاہر ہوجائے۔ اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھا کہ مجھے ہجرت کا حکم ملا ہے اور میں ایسی جگہ ہجرت کررہا ہوں، جہاں کھجوروں کے باغات ہیں، تو آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ مجھے ہجر یا یمن کی طرف ہجرت کا حکم ملے گا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ تعبیر یہ نہیں تھی بلکہ ہجرت کی جگہ یثرب یعنی مدینہ تھی۔

بہرحال صلح کی کاروائی مکمل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قدر دل شکستہ تھے کہ آپ ﷺ نے تین بار حکم دیا لیکن کوئی بھی نہیں اٹھا، جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ رنجیدہ خاطر ہوئے، اس سفر میں ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں، آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے اس رنج کا ذکر کیا، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بہت صائب اور مناسب مشورہ دیتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق ہے، جس کی وجہ سے وہ افسردہ ہیں اس لئے آپ ان سے کچھ نہ کہیں، باہر جائیں اور خود اپنا حلق کروا کر احرام کھول دیں، صحابہ از خود آپ کی اتباع کریں گے، چنانچہ حضور ﷺ نے ان کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے خود پہلے اپنا سر منڈایا اور قربانی ذبح کی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب دیکھا تو سب کھڑے ہوئے اور حلق وقربانی کرنے لگے۔

دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے آپ ﷺ کے حکم کی بجا آوری میں تاخیر کی وجہ اطاعت میں کمی نہیں تھی، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ امید تھی کہ شاید احرام کھولنے کا حکم منسوخ ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آجائے کہ یہ صلح کالعدم ہے، اسے مت مانو اور بیعت رضوان پر عمل کرتے ہوئے کفار پر حملہ کردو، چنانچہ وہ اسی امید پر احرام کھولنے سے رکے رہے، لیکن جب انہوں نے آپ ﷺ کو احرام کھولتے ہوئے دیکھا، تو انہیں یقین ہوگیا کہ اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، لہٰذا انہوں نے بھی سر منڈوا کر احرام کھول لیا۔

یہاں آپ ﷺ نے اپنی اہلیہ محترمہ سے مشورہ کیا ہے، اس سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر آدمی کسی خاتون، مثلاً اپنی بیوی سے مشورہ کرلے تو یہ تقویٰ یا زہد کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی اہلیہ تھیں، آپ ﷺ نے ان سے مشورہ کیا اور پھر ہو بہو اس پر عمل بھی فرمایا۔ تو بعض اوقات خواتین کا مشورہ بھی مفید ثابت ہو جاتا ہے، جیسے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا مشورہ یہاں مفید ثابت ہوا۔

حضور اکرم ﷺ نے مقام حدیبیہ میں تقریباً بیس دن قیام فرمایا اور اس کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کا رخ کیا، راستے میں جب واپسی ہورہی تھی، تو سورۂ فتح اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا نازل ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ فتح مبین ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد میں مجھے اپنی ان باتوں پر سخت ندامت ہوتی رہی اور میں مسلسل توبہ واستغفار کرتا رہا اور تلافی کے لئے صدقہ وخیرات کرتا رہا۔

صلح حدیبیہ کے ظاہری ثمرات

❶ اول تو سیاسی طور پر فائدہ ہوا اور وہ اس طرح کہ قریش مسلمانوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں مانتے تھے، ان کا خیال تھا کہ یہ چند سر پھرے نوجوان ہیں، انہوں نے انتشار اور تشویش کو جنم دیا ہے، باپ کو بیٹے سے، بیوی کو شوہر سے، اور بھائی کو بھائی سے لڑوا دیا ہے اور یہ کچھ دن میں اپنے انجام کو پہنچ کر ختم ہوجائیں گے، اس صلح کے ذریعے کفار قریش نے مسلمانوں کو اپنے مدمقابل ایک فریق کی حیثیت سے تسلیم کیا اور باقاعدہ صلح کی۔

❷ دوم اس صلح کے نتیجے میں مسلمانوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا، حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو یا پندرہ سو کی تعداد آپ ﷺ کے ہمراہ تھی اور اتنے ہی کم وبیش اور مسلمان تھے جو اس سفر میں ہمراہ نہ تھے، لیکن تھوڑے ہی عرصے میں سن ۸ ہجری میں جب آپ ﷺ نے فتح مکہ کے لئے سفر کیا، تو تقریباً دس ہزار کا لشکر آپ ﷺ کے ہمراہ تھا، پھر تبوک کے موقع پر سن ۹ ہجری میں تیس ہزار یا اس سے بھی زیادہ مجاہدین آپ ﷺ کے ہمراہ تھے اور اس کے ایک سال بعد سن ۱۰ ہجری میں ایک لاکھ پچیس ہزار افراد حجة الوداع میں شامل ہوئے۔ حدیبیہ کا واقعہ سن ۶ ہجری کا ہے، یعنی تیرہ سال مکہ مکرمہ کے، چھ سال مدینہ منورہ کے، کل انیس سال میں مسلمانوں کی تعداد تین سے چار ہزار تک پہنچ پائی تھی اور صلح حدیبیہ کے بعد صرف چار سال میں یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی، بظاہر وجہ یہ تھی کہ صلح سے پہلے جنگ کی حالت تھی، آپس کی کشیدگی اور نفرت کی وجہ سے آپس میں اختلاط کی نوبت ہی نہیں آتی تھی اور اگر کبھی یہ نوبت آتی بھی تھی تو نفرتوں کی وجہ سے صحیح طریقے پر غور وفکر نہیں کیا جاتا تھا، لیکن جب صلح ہوئی تو اس سے آپس کی نفرتیں کم ہوئیں اور اختلاط کی صورتیں پیش آنے لگیں، مسلمان مکہ جانے لگے، کفار کی مدینہ میں آمد ورفت شروع ہوئی، تو کافروں نے دیکھا اور بار بار آزمایا کہ یہ ہمارے بھائی بہن اسلام میں داخل ہونے کے بعد بالکل ہی بدل گئے ہیں، ان میں تو عجیب ہی انقلاب آیا ہے، یہ صدق ووفا کے پیکر بن گئے ہیں، امانت ودیانت ان کی سرشت میں داخل ہوگئی ہے، شرافت وعظمت ان کی علامت اور پہچان بن گئی ہے، یہ کمزوروں کے محافظ اور ظالموں کی سرکوبی کے لئے طاقتور اور مضبوط ہیں تو اس مشاہدے کے بعد وہ اسلام کی طرف مائل ہوئے اور بکثرت اسلام میں داخل ہونے لگے۔

❸ حدیبیہ کے واقعہ سے پہلے صورت حال یہ تھی کہ مدینہ منورہ کے جنوب میں مکہ تھا اور وہاں قریش جو اسلام کے دشمن تھے وہ رہتے تھے، جن سے کئی جنگیں بھی ہوچکی تھیں اور شمال میں خیبر تھا جہاں یہود آباد تھے، اہل کتاب ہونے کی وجہ

سے وہ بھی زعم میں مبتلا تھے اور سیاست و قیادت کا استحقاق اپنے سوا کسی کے لئے نہیں مانتے تھے، ادھر بنونضیر کے اخراج کا واقعہ پیش آچکا تھا اور یہ لوگ مدینے سے نکل کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے، بنوقریظہ کے غدر کے نتیجے میں ان کے قتل عام کا واقعہ پیش آچکا تھا، ایک طرف قریش مکہ اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے، جن کے ساتھ بدر، اُحد اور خندق جیسے معرکے پیش آچکے تھے اور وہ ان غزوات کی شکست کا غم نہیں بھولے تھے، دوسری طرف خیبر کے یہود تھے جن کو بنونضیر کی جلاطنی اور بنوقریظہ کے قتل کا رنج وغم کھائے جارہا تھا اور اسلام کی ترقی ان کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، پھر قریش اور یہود میں مسلمانوں کے خلاف آپس کا گٹھ جوڑ بھی رہا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخوبی اندازہ تھا کہ مدینہ بالکل بیچ میں ہے، دونوں طرف شمال وجنوب میں دشمن موجود ہیں، یہ بھی خطرہ ہے کہ یہ دونوں مل کر یکبارگی مدینہ پر حملہ آور نہ ہو جائیں اور مکہ پر لشکر کشی کر کے قریش کا بندوبست کرنا بھی ممکن نہیں تھا کیونکہ اس صورت میں خیبر سے یہود کے حملے کا اندیشہ تھا وہ مدینے کو خالی پا کر مدینے پر حملہ آور ہو سکتے تھے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہود کے شر کو رفع کرنے کے لئے خیبر پر چڑھائی کرتے تو خطرہ ہے کہ مدینہ کو خالی دیکھ کر قریش حملہ نہ کر بیٹھیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ دونوں میں سے کسی ایک فریق سے صلح کی جائے چاہے وہ کسی بھی صورت میں ہو اور چاہے کتنی ہی مدت کے لئے ہو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح کے لئے قریش کو ترجیح دی، اس لئے کہ ان سے رشتہ داریاں بھی تھیں، وہ ہم وطن بھی تھے، ان کا خبث باطن بھی شاید یہود سے کچھ کم تھا اور بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال یہ تھا کہ اس صلح کے فوراً بعد یہود پر چڑھائی کر کے ان کے شر سے محفوظ ہونے کا انتظام کر لیا جائے، پھر قریش رہ جائیں گے وہ جب تک صلح کی پابندی کرتے ہیں ٹھیک ہے صلح رہے گی اور جب وہ صلح کی خلاف ورزی کریں گے تو ان کا انتظام پھر مشکل نہ رہے گا، چنانچہ اس مصلحت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بظاہر دب کر صلح کی اور ابھی اس صلح نامہ کی سیاہی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے واپس آکر محرم میں صلح حدیبیہ میں شریک ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کو لے کر خیبر پر چڑھائی کر دی اور یہود کا ایسا انتظام کر دیا کہ وہ پھر سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔

ذی قعدہ کے آخر میں صلح حدیبیہ ہوئی ہے اور درمیان میں ایک ماہ یعنی ذی الحجہ کے بعد محرم میں یہود پر فتح حاصل کر لی گئی، اب قریش رہ گئے کچھ عرصے تک تو انہوں نے صلح کی پاسداری کی، لیکن ابھی دو سال نہیں گزرے تھے کہ قریش نے صلح کی خلاف ورزی کی اور رمضان سن ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بآسانی مکہ مکرمہ فتح کر لیا اور اس طرح پورے عرب کو دار الاسلام بنا لیا گیا، اسی لئے فتح مبین کا مصداق بجائے فتح مکہ کے صلح حدیبیہ کو قرار دیا گیا کیونکہ یہ صلح درحقیقت فتح مکہ کا پیش خیمہ بننے کے ساتھ ساتھ دیگر مصالح پر بھی مشتمل تھی۔

حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ حَدَّثَنِي صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَامَ

زید بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے سال ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تو ایک رات بارش ہوگئی۔

الْحُدَيْبِيَةِ فَأَصَابَنَا مَطَرٌ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَصَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟

ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ أَتَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟ قُلْنَا اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ أَعْلَمُ فَقَالَ قَالَ اللّٰهُ

ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے کچھ بندوں نے اس حالت میں صبح کی کہ ان میں سے

أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كَافِرٌ بِيْ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ وَ بِرِزْقِ اللّٰهِ وَ بِفَضْلِ اللّٰهِ

کچھ کا ایمان مجھ پر تھا اور کچھ میرا انکار کئے ہوئے تھے، تو جس نے کہا کہ ہم پر بارش اللہ کے رزق، اللہ کی رحمت اور اللہ کے فضل سے ہوئی ہے تو وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے

فَهُوَ مُؤْمِنٌ بِيْ كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَ أَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَجْمِ كَذَا فَهُوَ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ كَافِرٌ بِيْ

اور ستارے کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ بارش فلاں ستارے کی تاثیر سے ہوئی ہے تو وہ ستاروں پر ایمان لانے والا اور میرے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔

جاہلیت کے زمانے میں اہل عرب اس طرح کہا کرتے تھے کہ فلاں ستارے کے ٹوٹنے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی اور اس بات کو وہ بارش کی علت تامہ سمجھتے تھے، اسی طرح ان کا عقیدہ تھا کہ فلاں ستارہ طلوع ہو تو وہ بارش کی علت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل عرب کے اس جاہلی عقیدے کی تردید فرمائی۔

محکمہ موسمیات کا کردار اس حکم میں داخل نہیں کیونکہ محکمہ موسمیات صرف علامت بتاتا ہے کہ ظاہری علامتیں ایسی ہیں کہ ان کی وجہ سے بارش ہونے کی توقع ہے یا نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ

أَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَرْبَعَ عُمَرٍ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے

كُلَّهُنَّ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ إِلَّا الَّتِيْ كَانَتْ مَعَ حَجَّتِهِ عُمْرَةً مِّنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةً

اور اس عمرے کے علاوہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے ساتھ کیا، تمام عمرے ذیقعدہ (کے مہینے) میں کئے۔ حدیبیہ کا عمرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذی قعدہ میں کیا

مِّنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةً مِّنَ الْجِعْرَانَةِ حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ

پھر دوسرے سال (اس کی قضاء میں) آپ نے ذی قعدہ میں عمرہ کیا اور ایک عمرہ جعرانہ سے آپ نے کیا تھا جہاں غزوہ حنین کی غنیمت آپ نے تقسیم کی تھی۔

فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةً مَّعَ حَجَّتِهِ

یہ بھی ذی قعدہ میں کیا تھا اور ایک عمرہ حج کے ساتھ کیا (جو ذی الحجہ میں کیا تھا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار عمرے کئے ہیں۔ یہاں عمروں سے ہجرت کے بعد کے عمرے مراد ہیں، اس لیے کہ ہجرت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے عمرے کئے؟ اس کی کوئی تفصیل روایات میں نہیں ہے، البتہ ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کل چار عمرے کئے ہیں، **كُلُّهُنَّ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ** اور وہ سب کے سب

ذوالقعدہ کے مہینے میں کئے ہیں، سوائے اس عمرہ کے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے ساتھ کیا۔

عُمْرَةً مِّنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ یہاں حدیبیہ والے عمرے کو عمرہ شمار کیا گیا، حالانکہ حقیقت میں وہ عمرہ نہیں تھا، بلکہ اس میں احصار ہوگیا تھا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمرہ سے روک دیا گیا تھا لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم عمرہ ہی کی نیت سے گھروں سے نکلے تھے، لیکن غیر اختیاری طور پر عمرہ سے روک دیئے گئے تو قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ عمرہ ہی محسوب ہوگا۔

حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيٰى

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ قَالَ انْطَلَقْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عبداللہ بن ابی قتادہؓ سے ان کے والد نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح حدیبیہ کے سال روانہ ہوئے،

عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فَأَحْرَمَ أَصْحَابُهُ وَ لَمْ أُحْرِمْ

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے احرام باندھ لیا تھا لیکن میں نے احرام نہیں باندھا تھا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے احرام نہ باندھنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کا مکہ مکرمہ جانے اور عمرہ کرنے کا ارادہ ہی نہیں تھا، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صدقات کی وصولی کے لئے بھیجنا تھا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی آدمی کو میقات پار کر کے مکہ مکرمہ جانا ہو (على مذهب أبى حنيفة) یا عمرہ ادا کرنے کے لیے جانا ہو (على مذهب الائمة الثلاثة) تو اس کے لیے تو احرام باندھنا ضروری ہے، لیکن جو نہ مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہے، نہ عمرہ ادا کرنا چاہتا ہے، بلکہ وہ میقات کے اندر لیکن حرم سے باہر کسی اور کام کے لیے جا رہا ہے تو اس کے لیے احرام باندھنا ضروری نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسٰى عَنْ إِسْرَائِيْلَ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ

عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ تَعُدُّوْنَ أَنْتُمُ الْفَتْحَ فَتْحَ مَكَّةَ وَقَدْ كَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فَتْحًا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ (سورۃ فتح میں) فتح سے مراد مکہ کی فتح لیتے ہو۔ فتح مکہ تو بہرحال فتح تھی ہی،

وَنَحْنُ نَعُدُّ الْفَتْحَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ

لیکن ہم غزوۂ حدیبیہ کی بیعت رضوان کو حقیقی فتح سمجھتے ہیں۔ اس دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چودہ سو آدمی تھے۔

عَشْرَةَ مِائَةً وَّالْحُدَيْبِيَةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا فَلَمْ نَتْرُكْ فِيْهَا قَطْرَةً فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ

حدیبیہ نامی ایک کنواں وہاں پر تھا، ہم نے اس میں سے اتنا پانی کھینچا کہ اس کے اندر ایک قطرہ بھی پانی باقی نہ رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ خبر ہوئی (کہ پانی ختم ہوگیا ہے)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَاهَا فَجَلَسَ عَلٰى شَفِيْرِهَا ثُمَّ دَعَا بِإِنَاءٍ مِّنْ مَاءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ مَضْمَضَ وَدَعَا

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں پر تشریف لائے اور اس کی منڈیر پر بیٹھ کر ایک برتن میں پانی طلب فرمایا۔ پھر اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور کلی کی اور دعا فرمائی، پھر وہ سارا پانی اس

ثُمَّ صَبَّهُ فِيْهَا فَتَرَكْنَاهَا غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ إِنَّهَا أَصْدَرَتْنَا مَا شِئْنَا نَحْنُ وَرِكَابُنَا

کنویں میں ڈال دیا، تھوڑی دیر کے لیے ہم نے کنویں کو یوں ہی رہنے دیا پھر اس کنویں نے ہمیں اتنا پانی لوٹایا جتنا ہم نے چاہا اور ہماری سواریوں نے چاہا۔

چونکہ صلح حدیبیہ بہت ساری فتوحات کا مقدمہ اور پیش خیمہ بنی (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی) اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سورۂ فتح کی آیت إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کا مصداق صلح حدیبیہ ہی کو سمجھتے تھے۔

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے الفا و اربع مائة نہیں کہا، بلکہ اربع عشرة مائة کہا جو عام اسلوب کے خلاف ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اصل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مئات میں تقسیم تھے، سو کی ایک جماعت تھی، سو کی دوسری جماعت تھی تو مئات کی اس تقسیم کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہ تعبیر اختیار کی گئی، اگر الفا و اربع مائة فرماتے تو مئات کی اس تقسیم کی طرف اشارہ نہ ہوتا۔

آگے فرماتے ہیں کہ حدیبیہ ایک کنواں تھا جس میں پانی کم تھا، ہم چودہ سو آدمی تھے جب سب نے اس کا پانی استعمال کیا، تو اس کا پانی ختم ہوگیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں پر آ کر اس کے کنارے پر تشریف فرما ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا ایک برتن منگوایا، وضو فرمایا پھر کلی کی اور دعا فرمائی اور اس وضو اور کلی والے پانی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کنویں میں ڈالا۔ فَتَرَكْنَاهَا غَيْرَ بَعِيْدٍ پھر تھوڑی دیر کے لئے ہم نے اس کنویں کو چھوڑے رکھا، یعنی فوراً ہی پانی نکالنا شروع نہیں کیا، اگلی روایت میں آ رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: دعوها ساعة تھوڑی دیر کے لیے اس کو چھوڑے رکھو۔

ثُمَّ إِنَّهَا أَصْدَرَتْنَا مَا شِئْنَا نَحْنُ وَرِكَابُنَا پھر اس کنویں نے ہمیں اتنا پانی دے کر لوٹایا جتنا ہم نے چاہا اور ہماری سواریوں نے چاہا اصدرتنا کے معنی ارجعتنا کے ہیں۔ مقصد اس جملہ کا یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلی کرنے کے بعد اس کنویں میں اتنا پانی آ گیا، جو ہماری ضرورت کے لیے بھی کافی تھا اور ہماری سواریوں کی ضرورت بھی اس سے پوری ہوگئی، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔

حَدَّثَنِي فَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَعْيَنَ أَبُو عَلِيٍّ الْحَرَّانِيُّ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ أَنْبَأَنَا الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُمْ كَانُوا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ (صحابہ) غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ

يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ أَوْ أَكْثَرَ فَنَزَلُوا عَلَى بِئْرٍ فَنَزَحُوهَا فَأَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ

ایک ہزار چار سو کی تعداد میں تھے یا اس سے بھی زیادہ۔ ایک کنویں پر پڑاؤ ہوا، لشکر نے اس کا (سارا) پانی کھینچ لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى الْبِئْرَ وَقَعَدَ عَلَى شَفِيرِهَا ثُمَّ قَالَ ائْتُونِي بِدَلْوٍ مِنْ مَائِهَا فَأُتِيَ بِهِ فَبَصَقَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں کے پاس تشریف لائے اور اس کی منڈیر پر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کہ ایک ڈول میں اسی کنویں کا پانی لاؤ۔ پانی لایا گیا تو آپ نے اس میں کلی کی اور دعا فرمائی،

فَدَعَا ثُمَّ قَالَ دَعُوهَا سَاعَةً فَأَرْوَوْا أَنْفُسَهُمْ وَرِكَابَهُمْ حَتَّى ارْتَحَلُوا

پھر فرمایا کہ اسے یوں ہی تھوڑی دیر کے لیے رہنے دو، اس کے بعد سارا لشکر خود بھی سیراب ہوتا رہا اور اپنی سواریوں کو بھی خوب پلاتا رہا، یہاں تک کہ وہاں سے انہوں نے کوچ کیا

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ سَالِمٍ

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر سارا ہی لشکر پیاسا ہو چکا تھا۔

وَسَلَّمَ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا ثُمَّ أَقْبَلَ النَّاسُ نَحْوَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک چھاگل تھا، اس کے پانی سے آپ ﷺ نے وضو کیا۔ پھر صحابہ ﷺ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا

وَسَلَّمَ مَا لَكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ بِهِ وَلَا نَشْرَبُ إِلَّا مَا فِي رَكْوَتِكَ
کہ کیا بات ہے؟ صحابہ بولے کہ یا رسول اللہ! ہمارے پاس اب پانی نہیں رہا، نہ وضو کرنے کے لیے اور نہ پینے کے لیے، سوائے اس پانی کے جو آپ کے برتن میں موجود ہے۔

قَالَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فِي الرَّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُوْرُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ
راوی فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ اس برتن میں رکھا اور پانی آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر ابلنے لگا۔

كَأَمْثَالِ الْعُيُوْنِ قَالَ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا فَقُلْتُ لِجَابِرٍ كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ
راوی فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے پانی پیا بھی اور وضو بھی کیا۔ (سالم کہتے ہیں کہ) میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ لوگ کتنی تعداد میں تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر ہم

أَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً
ایک لاکھ بھی ہوتے تو بھی وہ پانی کافی ہو جاتا اور اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت، اس سے ماقبل حضرت براء رضی اللہ عنہ والی روایت سے بظاہر متعارض ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے کنویں میں کلی کی، جس کے بعد اس میں پانی بھر آیا اور جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹنے کا ذکر ہے۔

❶ اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کتاب الاشربۃ میں مفصل مذکور ہے، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت والا واقعہ نماز عصر کے وقت کا ہے اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت کا واقعہ نماز کے وقت سے متعلق نہیں، تو یہ دو الگ الگ واقعے ہیں، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

❷ اور دوسرا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ جب چھاگل میں رکھا اور آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی پھوٹ پھوٹ کر نکلنے لگا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پانی سے اپنی ضرورت پوری کر لی، اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جو کچھ پانی بچا ہے اس کو کنویں میں ڈال دو، چنانچہ جب وہ کنویں میں ڈال دیا گیا تو وہ خشک کنواں پانی سے بھر گیا، لہٰذا واقعہ ایک ہی وقت کا ہے البتہ معجزے کا ظہور دو مرتبہ ہوا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں پہلے معجزے کا ذکر ہے اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں دوسرے معجزے کا بیان ہے، اس طرح دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

اصحاب حدیبیہ کی تعداد میں اختلاف روایات اور اس کا حل

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں صلح حدیبیہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد پندرہ سو بتائی گئی ہے اور اس روایت کے متصل

اگلی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے چودہ سو کا عدد منقول ہے، حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی چودہ سو کا ذکر تھا اور آگے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے، اس میں تیرہ سو کا عدد منقول ہے۔

❶ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ اصل تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی، جیسا کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں الفا وا ربع مائۃ کے بعد او اکثر کا لفظ آیا ہے، تو جس نے کسر کو پورا کیا اس نے پندرہ سو کہا اور جس نے کسر کا اعتبار نہیں کیا اس نے چودہ سو کہا۔

❷ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح کا طریقہ اختیار کر کے فرمایا کہ چودہ سو کی تعداد راجح ہے۔

اور جہاں تک عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے، جس میں تیرہ سو کا ذکر ہے، تو اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے انہوں نے اپنے علم کے مطابق کہا ہو اور باقی جن حضرات کو تیرہ سو سے زیادہ کا علم تھا، انہوں نے اپنے علم کے مطابق زیادہ تعداد روایت کی، یا یوں کہا جائے کہ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے خروج کے وقت کی تعداد بتائی ہے، لیکن بعد میں یہ تعداد بڑھ گئی اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اصل مجاہدین کی تعداد تو تیرہ سو تھی اور جن روایات میں زیادہ کا ذکر ہے ان میں خدام، عورتوں اور بچوں کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی کا چشمہ کی طرح پھوٹنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا، اسی معجزے کی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ کائنات کا افضل ترین پانی، وہی پانی تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پھوٹا تھا۔

حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ قَتَادَةَ قُلْتُ لِسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ

بَلَغَنِيْ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ كَانَ يَقُوْلُ كَانُوْا أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً فَقَالَ لِيْ سَعِيْدٌ حَدَّثَنِيْ جَابِرٌ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ (صلح حدیبیہ کے موقع پر) صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد چودہ سو تھی۔ اس پر سعید بن مسیب نے فرمایا کہ مجھ سے جابر رضی اللہ عنہ نے

كَانُوْا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً الَّذِيْنَ بَايَعُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ

یہ کہا تھا کہ اس موقع پر پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیبیہ والے دن بیعت کی تھی۔

تَابَعَهُ أَبُوْ دَاوُدَ حَدَّثَنَا قُرَّةُ عَنْ قَتَادَةَ وَ تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ

حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو

سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ وَ كُنَّا أَلْفًا وَّ أَرْبَعَ مِائَةٍ وَ لَوْ كُنْتُ أُبْصِرُ الْيَوْمَ

غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر فرمایا تھا کہ تم لوگ تمام زمین والوں میں سب سے بہتر ہو۔ ہماری تعداد اس موقع پر چودہ سو تھی، اگر آج میری آنکھوں میں بینائی ہوتی

لَأَرَيْتُكُمْ مَكَانَ الشَّجَرَةِ

تو میں تمہیں اس درخت کا مقام دکھاتا

تَابَعَهُ الْأَعْمَشُ سَمِعَ سَالِمًا سَمِعَ جَابِرًا أَلْفًا وَّ أَرْبَعَ مِائَةٍ

أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ: یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ یوں تو سارے صحابہ كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم ہیں، الصحابة كلهم عدول سارے صحابہ عادل ہیں، سرآنکھوں پر ہیں، ہم کسی میں کوئی تفریق نہیں کرتے، لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فرق مراتب اپنی جگہ پر ہے، یہی جمہور امت اور اهل السنة والجماعة کا مذہب ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم (على ترتيب الخلافة) ہیں، ان کے بعد عشرہ مبشرہ کا درجہ ہے، پھر اصحاب بدر کا درجہ ہے، پھر اصحاب اُحد کا درجہ ہے، اس کے بعد اصحاب بيعة الرضوان کا درجہ ہے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً ارشاد فرمایا: أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ زمین پر جتنے لوگ آباد ہیں، ان میں سب سے بہترتم ہو۔

نیز اگر دیکھا جائے تو جب اصحاب بيعة الرضوان کہا جاتا ہے تو ان میں خود بہ خود اصحاب اُحد بھی آجاتے ہیں، اصحاب بدر بھی آجاتے ہیں، عشرہ مبشرہ بھی آجاتے ہیں اور خلفائے راشدین بھی آجاتے ہیں، کیونکہ یہ سب حضرات بیعت رضوان میں موجود تھے۔

وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى كَانَ أَصْحَابُ الشَّجَرَةِ أَلْفًا وَّثَلَاثَ مِائَةٍ وَكَانَتْ أَسْلَمُ ثُمُنَ الْمُهَاجِرِينَ

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اصحاب الشجرۃ (بیعت رضوان کرنے والوں) کی تعداد تیرہ سو تھی اور قبیلہ اسلم مہاجرین کا آٹھواں حصہ تھے۔

وَكَانَتْ أَسْلَمُ ثُمُنَ الْمُهَاجِرِينَ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کے لوگ مہاجرین کے ثمن یعنی آٹھواں حصہ تھے یہاں حاشیہ میں عبارت ہے: وجزم الواقدى بأن أسلم كانت فى غزوة الحديبية مائة وحينئذ فالمهاجرون كانوا ثمان مائة گویا بیعت رضوان میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی کل تعداد پندرہ سو تھی، جن میں سے مہاجرین کی تعداد آٹھ سو تھی اور انصار کی تعداد سات سو تھی، اور ان پندرہ سو میں سو افراد قبیلہ اسلم کے تھے، تو یہ مہاجرین کی کل تعداد یعنی آٹھ سو کا ثمن ہوئے۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عِيسَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ

أَنَّهُ سَمِعَ مِرْدَاسًا الْأَسْلَمِيَّ يَقُولُ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ يُقْبَضُ الصَّالِحُونَ الْأَوَّلُ

حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ جو اصحاب شجرہ (غزوہ حدیبیہ میں شریک ہونے والوں) میں سے تھے فرماتے ہیں کہ (قیامت کے قریب) نیک لوگوں کو ایک ایک کر کے

فَالْأَوَّلُ وَ تَبْقٰى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ التَّمْرِ وَالشَّعِيرِ لَا يَعْبَأُ اللهُ بِهِمْ شَيْئًا

اٹھا لیا جائے گا، پھر ان کے بعد ردی اور بے کار لوگ رہ جائیں گے جیسے کھجور اور جو کا بھوسہ ہوتا جن کی اللہ کے نزدیک کوئی قدر نہیں ہوگی۔

حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرب قیامت کے وقت نیک لوگ الأول فالأول کے قاعدے کے مطابق دنیا سے رخصت ہوتے رہیں گے اور ان کے بعد وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو بے کار اور فضول ہیں، یعنی کفار

ومشرکین اور فساق وفجار اس دنیا میں باقی رہ جائیں گے۔ اس کی مثال انہوں نے یوں بیان فرمائی کہ جیسے خراب کھجور یا جَو کا بھوسا آخر میں باقی رہ جاتی ہے، اسی طرح آدمی بھی ایسے ہی فضول اور ردی قسم کے رہ جائیں گے، اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ حکمت باری تعالیٰ کے تحت قیامت کے قریب ایمان واسلام بالکل اٹھالیا جائے گا اور تمام روئے زمین پر صرف کفر وشرک اور بدکاری کا چلن رہ جائے گا تاکہ قیامت جو اللہ تعالیٰ کے قہر اور جلال کا مظہر ہوگی وہ نیکوکاروں پر قائم نہ ہو بلکہ صرف بدکاروں پر قائم ہو۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ

عَنْ مَرْوَانَ والْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي
مروان اور مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے موقع پر تقریباً ایک ہزار سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر

بِضْعَ عَشْرَةَ مِائَةً مِنْ أَصْحَابِهِ فَلَمَّا كَانَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَ وَأَحْرَمَ مِنْهَا
روانہ ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور کو ہار پہنایا اور ان پر اشعار (نشان) لگایا اور عمرہ کا احرام باندھا۔

لَا أُحْصِي كَمْ سَمِعْتُهُ مِنْ سُفْيَانَ حَتَّى سَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا أَحْفَظُ مِنَ الزُّهْرِيِّ الْإِشْعَارَ
میں شمار نہیں کرسکتا کہ میں نے یہ حدیث سفیان سے کتنی مرتبہ سنی اور ایک مرتبہ یہ بھی سنا کہ وہ بیان کررہے تھے کہ مجھے زہری سے اشعار (نشان) لگانے اور قلادہ پہنانے کے متعلق

وَالتَّقْلِيدَ فَلَا أَدْرِي يَعْنِي مَوْضِعَ الْإِشْعَارِ وَالتَّقْلِيدِ أَوِ الْحَدِيثَ كُلَّهُ
یاد نہیں رہا۔ اس لیے میں نہیں جانتا کہ اس سے ان کی مراد صرف نشان لگانے اور قلادہ پہنانے سے تھی یا پوری حدیث سے تھی۔

حج وعمرہ میں ہدی کے جانوروں کی گردن میں جوتا یا کوئی چمڑا وغیرہ لٹکا دینے کو **تقلید** کہتے ہیں، یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ یہ ہدی کا جانور ہے اور اس کو حرم میں بطور عبادت یعنی نحر کرنے کے لیے لے جایا جارہا ہے، چنانچہ اب نہ تو اس کا دودھ نکالا جائے گا، نہ ہی اس پر سواری کی جائے گی اور نہ ہی اس کی خرید وفروخت کی جائے گی وغیرہ۔

دوسرا لفظ **إشعار** ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوہان کے اوپر تلوار یا چاقو وغیرہ سے نشان لگا دیتے تھے، یہ بھی اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔

لَا أُحْصِي كَمْ سَمِعْتُهُ مِنْ سُفْيَانَ: علی بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نہ جانے کتنی مرتبہ یہ حدیث سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہے، وہ ہمیشہ **إشعار** اور **تقلید** کا ذکر کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن میں نے انہیں سنا کہ فرمارہے تھے: **لَا أَحْفَظُ مِنَ الزُّهْرِيِّ الْإِشْعَارَ وَالتَّقْلِيدَ** مجھے زہریؒ سے **إشعار** اور **تقلید** محفوظ نہیں ہے۔ گو یا بعد میں وہ بھول گئے۔ یہ اصول حدیث میں سے ہے کہ راوی نے ایک حدیث بیان کی، پھر وہ خود تو بھول گیا لیکن آگے جو روایت کرنے والے ہیں، انہیں یہ یاد تھا کہ ہمارے استاد نے یہ الفاظ کہے تھے یا یہ حدیث بیان کی تھی، چنانچہ وہ اپنی یادداشت کی بناء پر اسے آگے روایت کرتے رہے، تو ان کی یہ روایت قبول کی جائے گی کیونکہ وہ راوی بھی ثقہ تھے اور یہ آگے روایت کرنے والے بھی ثقہ ہیں۔

یہی معاملہ اس حدیث میں بھی ہوا کہ علی بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے إشعار اور تقلید کا ذکر حدیث میں بار بار سنا تھا، پھر آخر میں جا کر سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کو تردد ہو گیا کہ میں نے اپنے استاد امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ اشعار اور تقلید کے الفاظ سنے تھے یا نہیں سنے تھے؟ لیکن علی بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، انہوں نے چونکہ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ الفاظ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بار ہا سنے تھے اور انہیں اپنی یادداشت پر پورا اعتماد تھا، اس لیے وہ یہ حدیث سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کے ساتھ آگے بیان کرتے تھے۔ آگے علی بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فَلَا أَدْرِيْ يَعْنِي مَوْضِعَ الْإِشْعَارِ وَالتَّقْلِيْدِ أَوِ الْحَدِيْثَ كُلَّهُ اب مجھے معلوم نہیں کہ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے اندر صرف اشعار اور تقلید کی بات بھول گئے تھے یا پوری حدیث بھول گئے تھے، یہ علی بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی باقی حدیث اچھی طرح یاد تھی صرف قَلَّدَ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَ کے الفاظ میں انہیں شبہ ہوا تھا کہ میں نے یہ الفاظ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے سنے ہیں یا نہیں۔ بہر حال! اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راویان حدیث نے احادیث بیان کرنے میں کتنی احتیاط فرمائی ہے کہ ایک جملہ میں بھی اگر کچھ شک ہو جاتا تو اپنے شک کو ضرور بیان کر دیتے تا کہ باقی روایت یقینی رہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ خَلَفٍ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ وَرْقَاءَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ

حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي لَيْلٰى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا

رَآهُ وَ قَمْلُهُ يَسْقُطُ عَلٰى وَجْهِهِ فَقَالَ أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ؟ قَالَ نَعَمْ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

کہ جوئیں ان کے چہرے پر گر رہی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے کیڑے مکوڑے تمہیں تکلیف دے رہے ہیں؟ وہ بولے کہ جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّحْلِقَ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ لَمْ يُبَيِّنْ لَّهُمْ أَنَّهُمْ يَحِلُّوْنَ بِهَا وَ هُمْ عَلٰى طَمَعٍ

سر منڈوانے کا حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت حدیبیہ میں تھے (عمرہ کے لیے احرام باندھے ہوئے) اور ان کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ انہیں حدیبیہ ہی میں احرام کھول دینا پڑے گا

أَنْ يَّدْخُلُوا مَكَّةَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ الْفِدْيَةَ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّطْعِمَ فَرَقًا

بلکہ ان کی تو یہ آرزو تھی کہ وہ مکہ میں کسی طرح داخل ہو جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فدیہ کا حکم نازل فرمایا (یعنی احرام کی حالت میں) سر منڈوانے وغیرہ پر، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ أَوْ يُهْدِيَ شَاةً أَوْ يَصُوْمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

کعب کو حکم دیا کہ ایک فرق اناج چھ مسکینوں کو کھلا دیں یا ایک بکری کی قربانی کریں یا تین دن روزے رکھیں

اصل حکم تو یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی احرام باندھنے کے بعد اپنے بال کاٹے یا منڈوائے تو اس کو دم دینا پڑتا ہے، یعنی ایک بکری اللہ کے راستے میں قربان کرنی پڑتی ہے، جسے غرباء، فقراء اور مساکین کھائیں گے، لیکن اگر اس نے کسی عذر کی وجہ سے یہ کام کیا ہو، مثلاً سر میں جوئیں پڑ گئی ہوں اور وہ مجبوری میں اپنے بال کاٹ لے، تو اس وقت شریعت نے

اسے تین اختیار دیئے ہیں کہ یا تو تین دن روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا حدودِ حرم میں بطور دم ایک بکرا یا بکری ذبح کرے۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ

عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِلَى السُّوقِ فَلَحِقَتْ عُمَرَ امْرَأَةٌ شَابَّةٌ

زید بن اسلم کے والد اسلم عدوی (حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام) فرماتے ہیں کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بازار گیا۔عمر رضی اللہ عنہ سے ایک نوجوان عورت نے ملاقات کی

فَقَالَتْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَلَكَ زَوْجِي وَتَرَكَ صِبْيَةً صِغَارًا وَاللهِ مَا يُنْضِجُونَ كُرَاعًا وَلَا لَهُمْ

اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین! میرے شوہر کی وفات ہوگئی ہے اور اس نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں، اللہ کی قسم! وہ بچے بکری کے پائے بھی نہیں پکا سکتے اور ان کے پاس

زَرْعٌ وَلَا ضَرْعٌ وَخَشِيتُ أَنْ تَأْكُلَهُمُ الضَّبُعُ وَأَنَا بِنْتُ خُفَافِ بْنِ إِيمَاءَ الْغِفَارِيِّ وَقَدْ شَهِدَ أَبِي

نہ کھیتی ہے اور نہ ہی دودھ کے جانور ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ میرے بچوں کو بجو (مردار خور جانور) کھا جائیں گے، میں خفاف بن ایماء غفاری کی بیٹی ہوں، میرے والد نبی کریم ﷺ

الْحُدَيْبِيَةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَقَفَ مَعَهَا عُمَرُ وَلَمْ يَمْضِ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِنَسَبٍ

کے ساتھ غزوۂ حدیبیہ میں شریک تھے۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس تھوڑی دیر کے لیے کھڑے ہو گئے آگے نہیں بڑھے۔ پھر فرمایا: مرحبا تمہارا خاندانی تعلق

قَرِيبٍ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى بَعِيرٍ ظَهِيرٍ كَانَ مَرْبُوطًا فِي الدَّارِ فَحَمَلَ عَلَيْهِ غِرَارَتَيْنِ مَلَأَهُمَا طَعَامًا

تو بہت قریبی ہے، پھر آپ ایک بہت قوی اونٹ کی طرف مڑے جو گھر میں بندھا ہوا تھا اور اس پر دو بورے غلے سے بھرے ہوئے رکھ دیئے، ان دونوں بوروں کے درمیان

وَ حَمَلَ بَيْنَهُمَا نَفَقَةً وَّ ثِيَابًا ثُمَّ نَاوَلَهَا بِخِطَامِهِ ثُمَّ قَالَ اقْتَادِيهِ فَلَنْ يَفْنَى حَتّٰى يَأْتِيَكُمُ اللهُ

روپیہ اور دوسری ضرورت کی چیزیں اور کپڑے رکھ دیئے اور اس کی نکیل ان کے ہاتھ میں تھما کر فرمایا کہ اسے لے جا، یہ ختم نہ ہوگا کہ اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ تجھے اس سے بہتر دے گا۔

بِخَيْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَكْثَرْتَ لَهَا قَالَ عُمَرُ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ وَاللهِ إِنِّي لَأَرَى أَبَا هٰذِهِ

ایک صاحب نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ نے تو اسے بہت دے دیا۔عمرؓ نے کہا: تیری ماں تجھے روئے، اللہ کی قسم! اس عورت کے والد اور اس کے بھائی جیسے اب بھی میری نظروں

وَأَخَاهَا قَدْ حَاصَرَا حِصْنًا زَمَانًا فَافْتَتَحَاهُ ثُمَّ أَصْبَحْنَا نَسْتَفِيءُ سُهْمَانَهُمَا فِيهِ

کے سامنے ہیں کہ ایک مدت تک ایک قلعہ کے محاصرے میں وہ شریک رہے اور آخر کار اسے فتح کر لیا، پھر اب ہم ان دونوں کے اس قلعے کے حصے کو آج تک وصول کر رہے ہیں

وَاللهِ مَا يُنْضِجُونَ كُرَاعًا: اللہ کی قسم! وہ بچے کراع بکری کے پائے بھی نہیں پکا سکتے مطلب یہ ہے کہ وہ بچے اس قدر فقیر اور مسکین ہیں کہ بکری کے پائے پکانے پر بھی قادر نہیں ہیں جن کی عرب میں کوئی اہمیت نہیں، ایسی بے قدر و قیمت چیز کے پکانے پر ان کو قدرت نہیں تو اس سے ان کی غربت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

وَخَشِيتُ أَنْ تَأْكُلَهُمُ الضَّبُعُ: ضبع (ضاد کے فتحہ اور باء کے ضمہ کے ساتھ) بجو کو کہتے ہیں، اصل میں ضبع قحط سالی کو کہتے ہیں، قحط سالی میں لوگ کثرت سے مرتے ہیں، کثرت اموات کی وجہ سے سب کے لیے قبر اور دفن کا بندوبست کرنا مشکل ہو جاتا ہے، لاشیں باہر پڑی رہتی ہیں تو یہ بجو آکر ان لاشوں کا گوشت کھاتا ہے، اس مناسبت کی وجہ سے اس کو بھی ضبع کہا جانے لگا۔

مَرْحَبًا بِنَسَبٍ قَرِيبٍ: یہ جملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، اس سے اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ تم بنوغفار

سے تعلق رکھتی ہو اور ہم قریش سے تعلق رکھتے ہیں اور قریش اور بنوغفار کا نسب آگے کنانہ پر جا کر مل جاتا ہے۔

وَاللهِ إِنِّي لَأَرٰى أَبَا هٰذِهِ وَأَخَاهَا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو یہ فرما رہے ہیں کہ اس خاتون کے والد اور بھائی نے قلعے کو فتح کا محاصرہ کیا تھا اور پھر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تھی تھا، اس سے مراد خیبر کا قلعہ ہے اور غزوۂ خیبر میں صرف ان ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے شرکت فرمائی تھی، جو اصحاب حدیبیہ میں سے تھے۔ یعنی اس عورت کے والد اور بھائی کا اونچا مقام ہے، یہ اصحاب حدیبیہ میں سے بھی ہیں اور خیبر کی فتح میں بھی ان کا نمایاں حصہ ہے، آج اگر ان کی بچی کسمپرسی کی حالت میں ہے تو یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان شہداء کے بچوں کا خیال کریں، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہماری شرعی، اخلاقی اور قانونی ذمہ داری ہے۔

حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ أَبُوْ عَمْرٍو الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ الشَّجَرَةَ ثُمَّ أَتَيْتُهَا بَعْدُ فَلَمْ أَعْرِفْهَا

سعید بن مسیب اپنے والد (مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ درخت دیکھا تھا لیکن پھر بعد میں جب آیا تو میں اسے نہیں پہچان سکا۔

قَالَ مَحْمُوْدٌ ثُمَّ أُنْسِيْتُهَا بَعْدُ

محمود فرماتے ہیں کہ پھر بعد میں وہ مجھے بھلا دیا گیا

اس روایت اور آگے آنے والی روایات میں حدیبیہ کے اُس درخت کا ذکر آ رہا ہے، جس کے نیچے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موت تک لڑنے کی بیعت کی تھی اور اس بابرکت درخت کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے: **لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ**۔

کچھ عرصہ تک تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس درخت کی شناخت رہی، مگر چونکہ حدیبیہ کے اس مقام پر کافی سارے درخت تھے اور آپس میں ملتے جلتے تھے، لہٰذا جس درخت کے نیچے وہ بیعت ہوئی تھی، بعد میں وہ درخت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یادداشت سے محو ہو گیا اور اس کی تعیین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ اب چونکہ اس درخت کی بڑی اہمیت اور فضیلت تھی، اس لیے بعض لوگوں نے اجتہاد کر کے ایک درخت متعین کر لیا کہ شاید یہی وہ درخت تھا۔ چنانچہ بعض لوگ وہاں جاتے، برکت کے لیے بیٹھتے اور نماز و دیگر عبادات ادا کرتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو چونکہ وہ درخت یقینی طور پر متعین نہیں تھا، لوگوں نے اپنے گمان سے اسے مقرر کر لیا تھا اور ایک بے اصل بات کی تائید ہو رہی تھی، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ معاملہ حد سے تجاوز ہو رہا ہے تو اس درخت کو ہی کٹوا دیا۔

تبرک بالمشاھد و الآثار جائز ہے

بعض متشددین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس درخت کو کٹوانے کے عمل سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ تبرک بالمشاھد و الآثار جائز نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لئے وہ درخت کٹوا دیا تھا کیونکہ وہ ایک یادگار

تھی، حالانکہ ان کا یہ استدلال بالکل ہی باطل ہے، کیونکہ استدلال تو اس وقت درست ہوتا، جب درخت متعین ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو کٹواتے، جبکہ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات بیعت رضوان میں شامل تھے وہ بھی اس درخت کی تعیین سے عاجز تھے؟ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بنیاد پر درخت کٹوا دیا کہ کسی کو پتہ ہی نہیں کہ کون سا درخت ہے؟ اور ایسے ہی کسی درخت کو اپنی طرف سے شجرۂ بیعت رضوان سمجھ کر وہاں پر عبادتیں کر رہے ہیں تو یہ تو ایک بے اصل بات کی تائید ہو رہی ہے۔

اس سے یہ استدلال ہرگز نہیں کیا جا سکتا کہ کسی بھی یادگار کو باقی رکھنا جائز نہیں۔ آگے روایت آرہی ہے کہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں آیا کہ لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں، تو انہوں نے یہ تو کہا کہ میرے والد تک کو پتہ نہیں تھا کہ کون سا درخت ہے، تم کو کیسے پتہ چل گیا؟ لیکن یہ نہیں کہا کہ بالفرض یہ بیعت رضوان والا درخت ہو بھی تو تمہارا یہ نماز پڑھنا شرک ہے، تم مشرک ہو گے، یہ کہیں نہیں کہا، البتہ یہ ضرور کہا کہ جس درخت کو تم شجرۂ بیعت رضوان سمجھ رہے ہو وہ درخت یہ نہیں ہے، میرے والد تک کو پتہ نہیں چلا، تو تمہیں کہاں سے پتہ لگ گیا۔

اس واقعہ سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہد ہیں، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی عمل کرنا ثابت ہے، اس جگہ کو بطور یادگار محفوظ رکھنا اور اپنا ایمان تازہ کرنے کے لئے وہاں پر جانا اور نفلیں پڑھ لینا اس میں کوئی شرک اور کفر نہیں، بلکہ صحابہ اور تابعین اسی طرح کیا کرتے تھے اور قرآن وسنت کی کوئی دلیل اس عمل کو ناجائز قرار نہیں دیتی۔

لہٰذا اگر کسی مقام کے بارے میں علم ہو جائے، کہ اس مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی عمل کیا تھا، یا اس مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تھے، تو اس متبرک مقام کی برکات حاصل کرنے کے لئے وہاں کی زیارت کرنا اور وہاں جا کر نوافل پڑھنا یقیناً برکت کا سبب بنے گا اور یہ عمل شرعاً پسندیدہ اور محمود ہو گا۔ البتہ اس کو سنت اور ضروری سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ یہ دین کا ایسا حصہ ہے جس کا اہتمام کرنا ضروری ہے تو یہ التزام ما لا یلزم ہے، غیر سنت کو سنت سمجھنا برا ہے اور ہو سکتا ہے یہ اصرار اس عمل کو بدعت بنا دے، لہٰذا ان باتوں سے منع کیا جائے گا، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بالکل ہی اس کے اوپر ہاتھ پھیر دیا جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگاروں کو ختم کر دیا جائے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ

عَنْ طَارِقِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ انْطَلَقْتُ حَاجًّا فَمَرَرْتُ بِقَوْمٍ يُصَلُّوْنَ قُلْتُ مَا هٰذَا

طارق بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ حج کے ارادے سے جاتے ہوئے میں کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جو نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون سی مسجد ہے؟

الْمَسْجِدُ؟ قَالُوا هٰذِهِ الشَّجَرَةُ حَيْثُ بَايَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ

انہوں نے بتایا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی۔

فَأَتَيْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ سَعِيْدٌ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ أَنَّهُ كَانَ فِيْمَنْ بَايَعَ رَسُوْلَ اللهِ
پھر میں سعید بن مسیبؒ کے پاس آیا اور میں نے انہیں اس کی خبر دی، انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے میرے والد مسیب بن حزنؓ نے بیان کیا، وہ ان لوگوں میں تھے جنہوں نے

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ نُسِّيْنَاهَا
نبی کریم ﷺ سے اس درخت کے نیچے بیعت کی تھی، وہ فرماتے تھے کہ جب ہم دوسرے سال وہاں گئے تو اس درخت کی جگہ کو بھول گئے

فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهَا فَقَالَ سَعِيْدٌ إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْلَمُوْهَا
اور وہ درخت ہمیں نہیں ملا، تو سعیدؒ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب تو اس درخت کو پہچان نہ سکے

وَعَلِمْتُمُوْهَا أَنْتُمْ فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ
اور تم لوگوں نے پہچان لیا یعنی تم ان سے زیادہ علم والے ٹھہرے

حَدَّثَنَا مُوْسٰى حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ حَدَّثَنَا طَارِقٌ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ
عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ كَانَ مِمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَرَجَعْنَا إِلَيْهَا الْعَامَ الْمُقْبِلَ فَعَمِيَتْ عَلَيْنَا
سعید بن مسیب کے والد جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس درخت کے نیچے بیعت کی تھی، فرماتے ہیں کہ جب ہم دوسرے سال گئے تو ہمیں پتہ نہیں چلا کہ وہ کون سا درخت تھا۔

حَدَّثَنَا قَبِيْصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ
عَنْ طَارِقٍ قَالَ ذُكِرَتْ عِنْدَ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ الشَّجَرَةُ فَضَحِكَ فَقَالَ أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ وَكَانَ شَهِدَهَا
طارق بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب کی مجلس میں الشجرۃ کا ذکر ہوا تو وہ ہنسے اور کہا کہ میرے والد نے مجھے بتایا کہ وہ بھی اس درخت کے نیچے بیعت میں شریک تھے۔

حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ
سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِيْ أَوْفٰى وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما جو بیعت رضوان میں شریک تھے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں

وَسَلَّمَ إِذَا أَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَةٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ فَأَتَاهُ أَبِيْ بِصَدَقَتِهِ فَقَالَ
جب کوئی صدقہ لے کر حاضر ہوتا تو آپ ﷺ دعا کرتے کہ اے اللہ! اس پر اپنی رحمت نازل فرما، چنانچہ میرے والد بھی اپنا صدقہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دعا کی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ أَبِيْ أَوْفٰى
کہ اے اللہ! آل ابی اوفی پر اپنی رحمت نازل فرما

چونکہ قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ، یہاں وَصَلِّ عَلَيْهِمْ کا مطلب ہے کہ آپ ان کے لیے اللہ سے رحمت کی دعا کیجیے، چنانچہ آپ ﷺ صدقہ کی وصولیابی کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعا دیا کرتے تھے، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کے والد آپ ﷺ کی خدمت میں اپنی زکوۃ لے کر آئے، تو آپ ﷺ نے ان کو دعا دی: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ أَبِيْ أَوْفٰى اے اللہ! آل ابی اوفی پر رحمتیں نازل فرما۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَخِيهِ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى

عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْحَرَّةِ وَالنَّاسُ يُبَايِعُونَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْظَلَةَ

عباد بن تمیم فرماتے ہیں کہ جب حرہ کی لڑائی کا موقع تھا اور لوگ عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔

فَقَالَ ابْنُ زَيْدٍ عَلَى مَا يُبَايِعُ ابْنُ حَنْظَلَةَ النَّاسَ؟ قِيلَ لَهُ عَلَى الْمَوْتِ قَالَ لَا أُبَايِعُ عَلَى ذٰلِكَ

تو عبداللہ بن زیدؓ نے پوچھا کہ ابن حنظلہ کس بات پر بیعت لے رہے ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ موت پر۔ ابن زیدؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اب میں

أَحَدًا بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ شَهِدَ مَعَهُ الْحُدَيْبِيَةَ

کسی سے بھی موت پر بیعت نہیں کروں گا اور وہ آپ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حدیبیہ میں شریک تھے

اس روایت کی سند کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام کے تمام راوی مدنی ہیں۔ یہاں واقعہ حرہ کا تذکرہ ہے۔

واقعہ حرہ کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت میں سن ۶۳ ہجری میں اہل مکہ ومدینہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خلیفة المسلمین تسلیم کرلیا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ میں تھے۔ دوسری طرف اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خلیفة المسلمین تسلیم کرکے یزید کی بیعت فسخ کردی اور مدینہ میں جو بنی امیہ مقیم تھے ان سب کو نکال دیا، جب شام میں یزید کو یہ خبر پہنچی تو اس نے مسلم بن عقبہ کو لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور ہدایت دی کہ پہلے اہل مدینہ کو اطاعت کی دعوت دینا، جب وہ انکار کریں تو اس وقت تلوار اٹھانا اور انہیں شکست دینے کے بعد تین دن تک مدینہ کو لوٹنا۔

مسلم بن عقبہ کے لشکر کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

❶ ایک قول کے مطابق لشکر کی کل تعداد دس ہزار تھی۔

❷ دوسرے قول کے مطابق لشکر میں گھڑسواروں کی تعداد دس ہزار تھی۔

❸ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ لشکر کی تعداد ستائیس ہزار تھی، جس میں بارہ ہزار گھڑسوار اور پندرہ ہزار پیدل تھے۔

اہل مدینہ نے اپنے لشکر کو چار جماعتوں میں تقسیم کردیا اور سب سے بڑی جماعت کا امیر حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما کو جو غسیل الملائکة حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے، ان کو مقرر کردیا، بہرحال تین روز تک یہ خون ریز معرکہ جاری رہا، اہل مدینہ نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن حکومتی لشکر غالب آگیا اور اہل مدینہ شکست سے دوچار ہوئے، اس جنگ میں مہاجرین وانصار کے تقریباً سات سو اکابر اور ان کے علاوہ دس ہزار کے قریب مسلمان شہید ہوئے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ شکست دینے کے بعد شامی فوجیں تین دن تک مدینہ منورہ کو لوٹتی رہیں اور قتل عام کرتی رہیں۔ مدینہ منورہ میں ہنگامہ برپا کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مقابلے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوا، لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس کو موت نے دبوچ لیا۔ بہرحال مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن

زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت قائم رہی یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں حجاج بن یوسف ثقفی نے لشکر لے کر مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس لشکر سے مقابلہ کرتے ہوئے جمادی الثانی سن ۷۳ ہجری میں شہید ہوئے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْلَى الْمُحَارِبِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا إِيَاسُ بْنُ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ

حَدَّثَنِي أَبِي وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ایاس بن سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد جو اصحاب شجرہ میں سے تھے انہوں نے بتایا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھتے تھے،

الْجُمُعَةَ ثُمَّ نَنْصَرِفُ وَلَيْسَ لِلْحِيطَانِ ظِلٌّ يُسْتَظَلُّ فِيهِ

پھر جب ہم جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس پلٹتے تھے، تو دیواروں کا اتنا سایہ نہیں ہوتا تھا کہ جس سے راحت حاصل کی جائے

اس روایت سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ جمعہ کی نماز زوال سے پہلے بھی جائز ہے، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے، کیونکہ یہاں مدینہ منورہ کی دیواریں مراد ہیں اور مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے حجرے ہوا کرتے تھے، چنانچہ جمعہ کی نماز جب زوال کے بعد اول وقت میں ادا کی جاتی تھی تو اس وقت دیواروں کا اتنا سایہ نہیں ہوتا تھا کہ آدمی اس میں آسانی سے چل سکے اور سایہ حاصل کر سکے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دیواروں کا بالکل ہی سایہ نہیں ہوتا تھا، یا جمعہ کی نماز زوال سے پہلے ادا کر لی جاتی تھی، البتہ اس حدیث سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز میں ہر موسم میں تعجیل افضل ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ

عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ قُلْتُ لِسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ بَايَعْتُمْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ

یزید بن ابی عبیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ؟ قَالَ عَلَى الْمَوْتِ

کس چیز پر بیعت کی تھی؟ تو انہوں نے بتلایا کہ موت پر

غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بیعت کا تذکرہ کرتے ہوئے مختلف تعبیرات اختیار فرمایا کرتے تھے، چنانچہ بعض حضرات فرماتے تھے کہ یہ بیعة علی الجهاد تھی، بعض حضرات فرماتے تھے کہ یہ بیعة علی الموت تھی، جبکہ بعض حضرات اسے بیعة علی ان لا نفر سے تعبیر فرماتے تھے، لیکن درحقیقت نتیجے کے اعتبار سے ان تمام تعبیرات میں کوئی فرق اور منافات نہیں، سب کا مفہوم ایک ہی ہے کہ ہم آخری دم تک جہاد کرتے رہیں گے اور بھاگیں گے نہیں یہاں تک کہ یا فتح نصیب ہو یا شہادت مل جائے۔

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِشْكَابٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْمُسَيَّبِ

عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَقِيتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَقُلْتُ طُوبَى لَكَ صَحِبْتَ النَّبِيَّ صَلَّى

علاء بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت براء بن عازبؓ سے ملا، میں نے عرض کیا کہ آپ کو بہت مبارک ہو، آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے اور

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَايَعْتَهُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَقَالَ يَا ابْنَ أَخِي إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثْنَا بَعْدَهُ

آپ نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ تو حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے تم نہیں جانتے کہ ہم نے آپ ﷺ کے بعد کیا کیا ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضل الناس تھے، لیکن تکبر یا عجب ان کے پاس بھی نہیں پھٹکتا تھا، ان پر ہمیشہ تواضع اور عبدیت غالب رہتی تھی، چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے جب کہا گیا کہ آپ تو صحابی رسول ہیں اور اصحاب الشجرۃ میں سے ہیں اور یہ سب بڑی فضیلت کی علامتیں ہیں، تو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے اپنی اسی فطری تواضع کے تحت فرمایا کہ ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ شرف عطا فرمایا لیکن پتا نہیں ہم نے نبی کریم ﷺ کے بعد کیا کچھ کیا ہے اور پتا نہیں ہم سے کیا کیا غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، پتا نہیں وہ نسبت اب باقی بھی ہے یا نہیں۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ هُوَ ابْنُ سَلَّامٍ عَنْ يَحْيَى

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّ ثَابِتَ بْنَ الضَّحَّاكِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

ابوقلابہؒ سے روایت ہے کہ انہیں ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کی تھی

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا قَالَ الْحُدَيْبِيَةُ قَالَ أَصْحَابُهُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس آیت إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ فتح صلح حدیبیہ تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

هَنِيئًا مَرِيئًا فَمَا لَنَا فَأَنْزَلَ اللهُ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

آپ کے لیے مبارک ہو اور خوش گوار ہو لیکن ہمارا کیا ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

الْأَنْهَارُ قَالَ شُعْبَةُ فَقَدِمْتُ الْكُوفَةَ فَحَدَّثْتُ بِهَذَا كُلِّهِ عَنْ قَتَادَةَ ثُمَّ رَجَعْتُ فَذَكَرْتُ لَهُ

الْأَنْهَارُ شعبہ فرماتے ہیں کہ پھر میں کوفہ آیا اور میں نے قتادہ سے پورا واقعہ بیان کیا، پھر میں دوبارہ قتادہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے سامنے اس کا ذکر کیا

فَقَالَ أَمَّا إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَعَنْ أَنَسٍ وَأَمَّا هَنِيئًا مَرِيئًا فَعَنْ عِكْرِمَةَ

تو انہوں نے فرمایا کہ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا کی تفسیر تو انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے لیکن اس کے بعد هَنِيئًا مَرِيئًا کی تفسیر عکرمہ سے منقول ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی، یعنی صلح حدیبیہ کی صورت میں اور آگے آیت ہے: لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: هَنِيئًا مَرِيئًا یا رسول اللہ! آپ کے لیے مبارک ہو اور خوش گوار ہو۔ لیکن ساتھ ہی عرض کیا: فَمَا لَنَا؟ اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے اس میں کیا ہے؟ تو آگے آیت کا یہ ٹکڑا نازل ہوگیا: لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔

قَالَ شُعْبَةُ فَقَدِمْتُ الْكُوفَةَ: قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں یہ حدیث قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے سن کر کوفہ آ گیا اور یہ پوری حدیث میں نے ان کی سند یعنی قتادة عن انس سے بیان کی، پھر جب میں دوبارہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور یہ حدیث ان سے ذکر کی تو اس وقت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِيْنًا کی تفسیر تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے میں نے بلا واسطہ روایت کی ہے اور هَنِيْئًا مَرِيْئًا کے الفاظ کو میں عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے روایت کرتا ہوں۔

دراصل قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تدلیس کی تھی، اس حدیث کے دو جزء ہیں، پہلے جزء میں فَتْحًا مُبِيْنًا کی تفسیر بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے اور دوسرے جزء میں لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ کا سبب نزول بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے لیے تو کوئی بشارت نازل نہیں ہوئی ہمیں کیا ملے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، حدیث کا پہلا جزء قتادہ رحمۃ اللہ علیہ براہ راست حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور دوسرا جزء وہ براہ راست حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں کرتے بلکہ درمیان میں عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ ہے، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب پہلی بار شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ حدیث سنائی تو عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ ذکر نہیں کیا پھر جب وہ دوبارہ ان کے پاس گئے، تو انہوں نے کہا کہ حدیث کا یہ دوسرا جزء میں عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتا ہوں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ مدلسین میں مشہور ہیں، امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما مدلسین کی وہی روایت نقل کرتے ہیں جس میں سماع کی تصریح ہو۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ مَجْزَأَةَ بْنِ زَاهِرٍ الْأَسْلَمِيِّ

عَنْ أَبِيهِ وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ الشَّجَرَةَ قَالَ إِنِّي لَأُوقِدُ تَحْتَ الْقُدُوْرِ بِلُحُوْمِ الْحُمُرِ إِذْ نَادٰى مُنَادِي

مجزاۃ بن زاہر اسلمی اپنے والد سے جو بیعت رضوان میں شریک تھے نقل فرماتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ہانڈی میں گدھے کا گوشت پکا رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے

رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَاكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں گدھے کے گوشت کے کھانے سے منع فرماتے ہیں۔

یہ روایت آگے غزوۂ خیبر کے بیان میں آئے گی کہ خیبر کے غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گدھوں کو ذبح کیا اور ان کا گوشت ہانڈیوں میں پکانے کے لیے ڈالا کہ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہانڈیوں کو الٹ دیا جائے اور فرمایا کہ اللہ اور رسول تمہیں گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں۔ یہاں اس روایت کے لانے سے مقصود صرف یہ ہے کہ مجزاۃ اسلمی رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زاہر اسلمی رضی اللہ عنہ بیعت رضوان میں شریک تھے۔

وَعَنْ مَجْزَأَةَ عَنْ رَجُلٍ مِنْهُمْ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ اسْمُهُ أُهْبَانُ بْنُ أَوْسٍ وَكَانَ اشْتَكٰى

اور مجزاۃ نے اپنے ہی قبیلہ کے ایک صحابی کے متعلق جو بیعت رضوان میں شریک تھے اور جن کا نام اہبان بن اوس رضی اللہ عنہ تھا نقل کیا کہ ان کے گھٹنے میں تکلیف تھی،

رُكْبَتَهُ وَكَانَ إِذَا سَجَدَ جَعَلَ تَحْتَ رُكْبَتِهِ وِسَادَةً

اس لیے جب وہ سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے کے نیچے کوئی نرم تکیہ رکھ لیتے تھے۔

یہ روایت بھی ماقبل کی سند سے متصل ہے، اس روایت کا تعلق کتاب الصلوۃ سے ہے، لیکن یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اہبان بن اوس رضی اللہ عنہ جو نماز میں تکلیف کی وجہ سے اپنے گھٹنے کے نیچے تکیہ رکھا کرتے تھے، وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں بلکہ اصحاب الشجرۃ میں سے ہیں۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے گھٹنے میں تکلیف ہو اور وہ سجدہ کرنے پر صحیح طور پر قادر نہ ہو اور وہ گھٹنے کے نیچے گدی، روئی یا کوئی اور چیز رکھ لے تاکہ سجدہ کرنے میں آسانی رہے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ

عَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ جو بیعت رضوان میں شریک تھے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ستو لایا گیا،

وَ أَصْحَابُهُ أُتُوْا بِسَوِيقٍ فَلَاكُوْهُ تَابَعَهُ مُعَاذٌ عَنْ شُعْبَةَ

جسے ان حضرات منہ ہی منہ میں چبایا۔ اس روایت کی متابعت معاذ نے شعبہ سے کی ہے۔

لَاكُوْهُ یہ لوک سے ہے، جس کے معنی مضغ الشیء وادارته فی الفم ہیں کسی چیز کو چبانا اور منہ میں گھمانا۔

یہ واقعہ غزوۂ خیبر میں جاتے ہوئے راستے میں پیش آیا، چنانچہ آگے غزوۂ خیبر کے بیان میں بھی یہ روایت آجائے گی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ حَدَّثَنَا شَاذَانُ عَنْ شُعْبَةَ

عَنْ أَبِيْ جَمْرَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِذَ بْنَ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

ابوجمرہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور بیعت رضوان میں شریک تھے

وَسَلَّمَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ هَلْ يُنْقَضُ الْوِتْرُ؟ قَالَ إِذَا أَوْتَرْتَ مِنْ أَوَّلِهِ فَلَا تُوْتِرْ مِنْ اٰخِرِهِ

کہ کیا وتر کی نماز (ایک رکعت اور پڑھ کر) توڑی جا سکتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ اگر شروع رات میں تم نے وتر پڑھ لی ہو تو آخر رات میں نہ پڑھو

یہ روایت حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں اور اصحاب الشجرۃ میں سے ہیں، ابو جمرہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ هَلْ يُنْقَضُ الْوِتْرُ؟ کیا وتر کا نقض کیا جائے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ جب تم شروع رات میں وتر پڑھ لو تو آخر رات میں دوبارہ وتر مت پڑھو، گویا حضرت عائذ بن عمر رضی اللہ عنہ نقض وتر کے قائل نہیں تھے، نقض وتر کا مسئلہ کتاب الصلوۃ سے متعلق ہے۔

نقض وتر کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رات کے اول حصے میں وتر پڑھ کر سو گیا اور رات کے آخری حصے میں اس کی آنکھ کھلی اور اب وہ تہجد پڑھنا چاہتا ہے تو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اجعلوا اخر صلوتکم باللیل وترا رات میں وتر کو آخری نماز بناؤ۔ اس لیے اول لیل میں جو وتر کی نماز پڑھی تھی اس کا نقض کر دیا جائے اور یہ نقض وتر اس طرح ہوگا کہ تہجد پڑھنے سے پہلے ایک رکعت، عشاء کے بعد پڑھے ہوئے وتر کی تین رکعات کے ساتھ ملانے کی نیت

سے پڑھ لی جائے تو یہ چار رکعت ہو کر نفل بن جائیں گی اور اول لیل میں جو وتر پڑھے تھے وہ گویا ٹوٹ جائیں گے۔

اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نقض وتر کے قائل ہیں اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ وہ ایسا ہی کرتے تھے۔ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد تھا، جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نکیر کرتے ہوئے فرمایا رحمه الله اباعبد الرحمن انه يوتر في ليلة ثلثة مرات اللہ ابن عمر پر رحم فرمائے وہ ایک رات میں تین مرتبہ وتر پڑھتے ہیں۔ یعنی ایک مرتبہ اول شب میں وتر پڑھی، پھر ایک رکعت نقض وتر کے لئے پڑھی اور آخر میں تہجد کے بعد پھر وتر پڑھی، حالانکہ اس کی کوئی حاجت نہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے استدلال فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اجعلوا اٰخر صلاتكم بالليل وترا یعنی اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ۔

حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ نقض وتر کوئی چیز نہیں ہے، امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا بھی یہی موقف ہے، جبکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل یہی ہے کہ نقض وتر نہ کیا جائے ،لیکن اگر کوئی کرلے تو میرا خیال ہے کہ اس کے لیے جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے کیونکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقض وتر منقول ہے۔

روایت باب میں بھی نقض وتر کی نفی مذکور ہے اور اجعلوا اٰخر صلاتكم بالليل وترا کا مطلب یہ ہے اگر کسی کو یقین ہے کہ وہ تہجد کے وقت بیدار ہوگا تو وہ وتر اس وقت کے لیے چھوڑ دے اور تہجد کے بعد اس کو ادا کرے، لیکن اگر کسی نے اول لیل میں وتر پڑھ لئے تو تہجد کے وقت دوبارہ نہیں پڑھے گا کیونکہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت سنن ابوداؤد میں موجود ہے اور اسے امام نسائی اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے بھی نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا وتران في ليلة یعنی ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ

عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسِيرُ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ

زید بن اسلم کے والد اسلم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر (سفر حدیبیہ) میں تھے، رات کا وقت تھا اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

يَسِيرُ مَعَهُ لَيْلًا فَسَأَلَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ شَيْءٍ فَلَمْ يُجِبْهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

آپ کے ساتھ ساتھ تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ پوچھا لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وَسَلَّمَ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ

انہوں نے پھر پوچھا، آپ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا، آپ نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے دل میں) کہا: اے عمر!

يَا عُمَرُ نَزَّرْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ لَا يُجِيبُكَ قَالَ عُمَرُ

تیری ماں تجھ پر روئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تم نے تین مرتبہ اصرار کرتے ہوئے سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں ایک مرتبہ بھی جواب نہیں دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

فَحَرَّكْتُ بَعِيرِي ثُمَّ تَقَدَّمْتُ أَمَامَ الْمُسْلِمِينَ وَخَشِيتُ أَنْ يَنْزِلَ فِيَّ قُرْاٰنٌ فَمَا نَشِبْتُ

کہ پھر میں نے اپنے اونٹ کو ایڑ لگائی اور مسلمانوں سے آگے نکل گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں میرے بارے میں کوئی وحی نہ نازل ہو جائے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی

صَارِخًا يَصْرُخُ بِي قَالَ فَقُلْتُ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ نَزَلَ فِيَّ قُرْآنٌ وَجِئْتُ
کہ میں نے سنا کہ ایک شخص مجھے آواز دے رہا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ میں تو پہلے ہی ڈر رہا تھا کہ میرے بارے میں کہیں کوئی وحی نازل نہ ہو جائے۔ پھر میں
رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ
آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رات مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے
لَهِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَرَأَ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا
اور وہ مجھے اس تمام کائنات سے زیادہ عزیز ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ پھر آپ نے إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا کی تلاوت فرمائی۔

وَخَشِيتُ أَنْ يَنْزِلَ فِيَّ قُرْآنٌ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار سوال کرنے کے باوجود جب آپ ﷺ نے انہیں جواب نہیں دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تشویش اور پریشانی لاحق ہوئی، دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے قبل چونکہ کچھ جذباتی گفتگو حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کر چکے تھے (جس کا ذکر پہلے ہو چکا) اس لیے ڈر گئے اور انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ میرے بارے میں قرآن کی کوئی آیت اترے گی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ حِينَ حَدَّثَ هٰذَا الْحَدِيثَ حَفِظْتُ بَعْضَهُ وَثَبَّتَنِي مَعْمَرٌ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ يَزِيدُ أَحَدُهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ قَالَا

خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي بِضْعَ عَشْرَةَ مِائَةً مِنْ أَصْحَابِهِ فَلَمَّا أَتَى
نبی کریم ﷺ حدیبیہ کے موقع پر تقریباً ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے، پھر جب آپ ﷺ
ذَا الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَهُ وَأَحْرَمَ مِنْهَا بِعُمْرَةٍ وَبَعَثَ عَيْنًا لَهُ مِنْ خُزَاعَةَ وَسَارَ النَّبِيُّ
ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے قربانی کے جانور کو قلادہ پہنایا اور اس پر نشان لگایا اور وہیں سے عمرہ کا احرام باندھا، پھر آپ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک صحابی کو بطور جاسوس روانہ کیا
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِغَدِيرِ الْأَشْطَاطِ أَتَاهُ عَيْنُهُ قَالَ إِنَّ قُرَيْشًا جَمَعُوا لَكَ
اور خود بھی سفر جاری رکھا، جب آپ ﷺ غدیر الاشطاط پر پہنچے تو آپ ﷺ کے جاسوس بھی خبریں لے کر آ گئے، انہوں نے بتایا کہ قریش نے آپ کے مقابلے کے لیے
جُمُوعًا وَقَدْ جَمَعُوا لَكَ الْأَحَابِيشَ الْأَشْطَاطَ وَهُمْ مُقَاتِلُوكَ وَصَادُّوكَ عَنِ الْبَيْتِ
بہت بڑا لشکر تیار کر رکھا ہے اور بہت سے قبائل کو بلا لیا ہے، وہ آپ سے جنگ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور آپ کو بیت اللہ سے روکیں گے، اس پر نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا
وَمَانِعُوكَ فَقَالَ أَشِيرُوا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيَّ أَ تَرَوْنَ أَنْ أَمِيلَ إِلَى عِيَالِهِمْ وَذَرَارِيِّ هٰؤُلَاءِ
کہ مجھے مشورہ دو! کیا تمہارے خیال میں یہ مناسب ہوگا کہ میں ان قبیلے والوں کی عورتوں اور بچوں پر حملہ کر دوں جو ہمارے بیت اللہ تک پہنچنے میں رکاوٹ بننا چاہتے ہیں؟
الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَصُدُّونَا عَنِ الْبَيْتِ؟ فَإِنْ يَأْتُونَا كَانَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ قَطَعَ عَيْنًا مِنَ
اگر وہ ہمارے مقابلہ کے لئے (لشکر قریش کو چھوڑ کر) آ جاتے ہیں تو اللہ عزوجل مشرکوں کے لشکر کا ایک بڑا حصہ کاٹ دیں گے اور اگر وہ ہمارے مقابلے پر نہیں آتے تو ہم انہیں
الْمُشْرِكِينَ وَإِلَّا تَرَكْنَاهُمْ مَحْرُوبِينَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللهِ خَرَجْتَ عَامِدًا لِهٰذَا الْبَيْتِ
شکست خوردہ حالت میں چھوڑ دیں گے، تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ تو صرف بیت اللہ کے عمرہ کے لیے نکلے ہیں آپ کسی کو قتل کرنا اور کسی سے لڑنا نہیں چاہتے،
لَا تُرِيدُ قَتْلَ أَحَدٍ وَلَا حَرْبَ أَحَدٍ فَتَوَجَّهْ لَهُ فَمَنْ صَدَّنَا عَنْهُ قَاتَلْنَاهُ قَالَ امْضُوا عَلَى اسْمِ اللهِ
اس لیے آپ بیت اللہ تشریف لے چلیں، اگر کوئی بیت اللہ تک جانے سے روکے گا تو ہم اس سے جنگ کریں گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ کا نام لے کر سفر جاری رکھو

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ: مروان بن حکم کے بارے میں چونکہ یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ یہ

صحابی ہیں یا نہیں؟ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی چونکہ ان کے صحابی ہونے کا سو فیصد اطمینان نہیں ہے، اس لیے وہ روایت ذکر کرنے میں احتیاط کرتے ہیں اور جب بھی مروان بن حکم کی روایت لاتے ہیں تو ان کے ساتھ کسی دوسرے صحابی کو بھی ضرور ذکر کرتے ہیں، جنھوں نے وہ روایت براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہو، تاکہ بالفرض مروان بن حکم کے تابعی ہونے کی وجہ سے اگر روایت میں انقطاع ہو تو دوسرے صحابی کی وجہ سے وہ روایت متصل ہو جائے۔

وَبَعَثَ عَيْنًا لَهُ مِنْ خُزَاعَةَ: ان کا نام بعض حضرات نے بسر بن سفیان اور بعض نے بشر بن سفیان نقل کیا ہے۔

حَتّٰى كَانَ بِغَدِيْرِ الْأَشْطَاطِ أَتَاهُ عَيْنُهُ: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ مقام عسفان میں جاسوس آیا تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غدیر اشطاط میں جاسوس آیا، لیکن ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے اس سے وضاحت ہو جاتی ہے، اتاہ عینہ بغدیر الاشطاط وھو قریب من عسفان چونکہ غدیر اشطاط اور عسفان قریب قریب ہیں اس لیے ایک روایت میں ایک کا مقام اور دوسری روایت میں دوسرے مقام کا نام ذکر کر دیا۔

وَقَدْ جَمَعُوا لَكَ الْأَحَابِيْشَ الْأَشْطَاط: احابیش، احبوش کی جمع ہے، اصل میں احبوش جماعت کو کہتے ہیں تو احابیش کے معنی ہوئے بہت ساری جماعتیں۔ الاشطاط یہ لفظ بخاری کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہم ہے، البتہ اگر اس کو درست تسلیم کیا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ شطط کی جمع ہے جس کے معنی تجاوز کے آتے ہیں، اس صورت میں الأحابیش الاشطاط کے معنی ہوں گے ایسی جماعتیں جو تعداد اور شمار سے متجاوز ہیں، یعنی جمعوا لک الجماعات الکثیرۃ۔

بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: **أَشِيْرُوْا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيَّ** اے لوگو! مجھے مشورہ دو تمہاری کیا رائے ہے؟ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم ان قبائل (جو مکہ مکرمہ میں ہمارے خلاف جمع ہو گئے ہیں) کے علاقوں میں جائیں اور وہاں جا کر ان پر حملہ کریں، جب ہم وہاں حملہ کریں گے تو دو باتوں میں سے ایک بات پیش آئے گی، یا تو یہ لوگ وہاں سے نہیں ہٹیں گے اور وہیں مکہ مکرمہ میں جمے رہیں گے، اس طرح ان کے سارے علاقے ہمارے قبضے میں آ جائیں گے اور ان کے مال و جائیداد کے ہم مالک بن جائیں گے اور اگر یہ لوگ وہاں سے بھاگ کر اپنی چیزوں کا دفاع کرنے کے لیے واپس اپنے علاقوں میں پہنچیں گے تو اس طرح وہاں مکہ مکرمہ میں کفار کے لشکر میں کمی آ جائے گی۔

فَإِنْ يَأْتُوْنَا كَانَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ قَطَعَ عَيْنًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ: عین کے معنی جس طرح جاسوس کے آتے ہیں

اسی طرح اس کے معنی جماعت کے بھی آتے ہیں، یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

❶ اگر عین سے مراد جماعت لیا جائے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ قریش کے ساتھ عرب کے مختلف قبائل جمع ہو گئے ہیں اور پیچھے ان کے اہل وعیال سب غیر محفوظ ہیں، لہٰذا اگر ہم ان قبائل کے گھروں پر حملہ کر دیں، تو حملہ کی اطلاع پا کر قبائل کے یہ لوگ اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے یا تو ہم سے لڑنے آجائیں گے، تو قریش کی طاقت کمزور ہو جائے گی کیونکہ ان کا جمع کیا ہوا لشکر منتشر ہو جائے گا، یعنی اللہ جل شانہ مشرکین سے ایک جماعت کو قطع اور جدا کر دیں گے اور اگر وہ لوگ اپنے بچوں اور اہل وعیال کی حفاظت کے لیے نہیں آئے تو ہم ان کو شکست خوردہ کر کے چھوڑیں گے کہ ان کے بچوں، عورتوں اور گھروں پر قبضہ کر لیں گے۔

❷ اگر عین سے مراد جاسوس لیا جائے تو اس صورت میں مطلب ہوگا کہ جب ہم ان کفار کے گھروں پر حملہ کر دیں گے اور وہ اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لیے ہمارے پاس آئیں گے تو پھر ہمیں اہل مکہ کی طرف جاسوس بھیجنے کی ضرورت نہیں رہے گی، کیونکہ جاسوس دشمن کی تعداد وغیرہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے اور جب ہمیں معلوم ہوگا کہ وہاں صرف قریش ہیں اور باقی قبائل چلے گئے ہیں تو جاسوس کی ضرورت نہیں رہے گی، تو قَطَعَ عَيْنًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کا مطلب ہوگا کہ اللہ جل شانہ نے مشرکین کی طرف جاسوس بھیجنے کی ضرورت ہم سے قطع اور ختم کر دی۔

❸ قَطَعَ عَيْنًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ میں عینا کو جاسوس کے معنی میں لیتے ہوئے اس جملے کا ایک مطلب علامہ عینی، علامہ قسطلانی اور محشی رحمۃ اللہ علیہم نے یہاں حاشیہ میں بھی بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ اگر یہ مشرکین ہمارے پاس جنگ لڑنے آئیں تو اس صورت میں ہم نے جو جاسوس ان کی جانب بھیجا ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، جاسوس کے خبر لانے کے بعد بھی مشرکین سے اگر قتال کی نوبت آئی تو اس کا مطلب ہوگا کہ گویا ہم نے جاسوس بھیجا ہی نہیں، اللہ نے ہمارے جاسوس کو جو مشرکین کی خبر لانے کے لیے ہم نے بھیجا تھا قطع کر دیا یعنی بے فائدہ بنا دیا، لیکن اس جملے کا یہ مطلب ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس مطلب کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ جاسوس کا فائدہ جنگ سے بچنا ہوتا ہے، لہٰذا اگر جنگ ہوگئی تو جاسوس کا کوئی فائدہ نہیں، حالانکہ یہ مفروضہ ٹھیک نہیں، کیونکہ کئی مرتبہ جاسوس بھیجنے کے باوجود بھی جنگ چھڑ جاتی ہے۔

قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ خَرَجْتَ عَامِدًا لِهٰذَا الْبَيْتِ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے رکھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ تو بیت اللہ کے ارادے سے نکلے ہیں، لَا تُرِيْدُ قَتْلَ أَحَدٍ وَلَا حَرْبَ أَحَدٍ آپ کی نیت کسی کو قتل کرنے کی یا کسی سے جنگ کرنے کی تو تھی نہیں، ہم نے احرام باندھا ہوا ہے، ہم تو صرف عمرہ کرنے کے ارادے سے نکلے تھے، فَتَوَجَّهْ لَهُ تو آپ بیت اللہ ہی کی طرف متوجہ رہیے، یعنی آپ ان قبائل کے علاقوں پر حملہ نہ کیجیے، فَمَنْ صَدَّنَا عَنْهُ قَاتَلْنَاهُ البتہ جو ہمیں اس بیت اللہ سے

روکے گا، تو ہم اس سے قتال کریں گے۔ نبی کریم ﷺ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے پسند آئی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: امْضُوا عَلَى اسْمِ اللهِ اللہ کے نام پر آگے بڑھو۔

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ حَدَّثَنِي ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ

أَنَّهُ سَمِعَ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ يُخْبِرَانِ خَبَرًا مِّنْ خَبَرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ
مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کے عمرۂ حدیبیہ کے بارے میں بیان فرماتے ہیں،

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُمْرَةِ الْحُدَيْبِيَةِ فَكَانَ فِيمَا أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْهُمَا أَنَّهُ لَمَّا كَاتَبَ رَسُولُ اللهِ
تو عروہ نے مجھے اس میں جو کچھ خبر دی تھی، اس میں یہ بھی تھا کہ جب نبی کریم ﷺ اور (قریش کے نمائندے)

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلَى قَضِيَّةِ الْمُدَّةِ وَكَانَ فِيمَا اشْتَرَطَ
سہیل بن عمرو حدیبیہ میں ایک مقررہ مدت تک کے لیے صلح کی دستاویز لکھ رہے تھے اور اس میں سہیل نے یہ شرط بھی رکھی تھی

سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو أَنَّهُ قَالَ لَا يَأْتِيكَ مِنَّا أَحَدٌ وَّإِنْ كَانَ عَلَى دِينِكَ إِلَّا رَدَدْتَّهُ إِلَيْنَا وَ خَلَّيْتَ
کہ اگر ہمارا کوئی آدمی آپ کے یہاں پناہ لینا چاہے، خواہ وہ آپ کے دین پر ہی کیوں نہ ہو تو آپ اسے ہمارے حوالے کریں گے اور اس کے اور ہمارے درمیان

بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُ وَ أَبَى سُهَيْلٌ أَنْ يُّقَاضِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا عَلَى ذٰلِكَ فَكَرِهَ
رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ سہیل اس شرط پر اڑ گیا اور کہنے لگا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے صرف اسی بات پر صلح کرے گا اور مسلمانوں کو یہ شق بڑی ناگوار تھی

الْمُؤْمِنُونَ ذٰلِكَ وَامْتَعَضُوا فَتَكَلَّمُوا فِيهِ فَلَمَّا أَبَى سُهَيْلٌ أَنْ يُّقَاضِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ
اور وہ اس شرط سے خوش نہیں تھے اور مسلمانوں نے اس کے بارے میں بات چیت بھی کی، لیکن سہیل نے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے صلح صرف اسی بات پر

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا عَلَى ذٰلِكَ كَاتَبَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ
کرے گا، ورنہ صلح نہیں ہوسکتی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے یہ شرط بھی تسلیم کر لی اور ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہ کو

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا جَنْدَلِ بْنَ سُهَيْلٍ يَوْمَئِذٍ إِلَى أَبِيهِ سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو وَلَمْ يَأْتِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى
ان کے والد سہیل بن عمرو کے سپرد کر دیا اور پھر جو بھی مکہ سے آتا

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ مِّنَ الرِّجَالِ إِلَّا رَدَّهُ فِي تِلْكَ الْمُدَّةِ وَإِنْ كَانَ مُسْلِمًا وَجَاءَتِ الْمُؤْمِنَاتُ
نبی کریم ﷺ اسے واپس کر دیتے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوتا۔ اس مدت میں بعض مومن عورتیں بھی

مُهَاجِرَاتٍ فَكَانَتْ أُمُّ كُلْثُومٍ بِنْتُ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ مِمَّنْ خَرَجَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ
ہجرت کر کے مکہ سے آئیں۔ ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط بھی ان میں سے ہیں جو اس مدت میں نبی کریم ﷺ کے پاس ہجرت کر کے آئی تھیں،

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ عَاتِقٌ فَجَاءَ أَهْلُهَا يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّرْجِعَهَا
وہ اس وقت بالغہ ہوچکی تھیں، ان کے گھر والے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے مطالبہ کیا کہ انہیں واپس کر دیں۔

إِلَيْهِمْ حَتّٰى أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى فِي الْمُؤْمِنَاتِ مَا أَنْزَلَ
اس پر اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کے بارے میں وہ آیت نازل کی جو شرط کے مناسب تھی۔

حَدَّثَنِي ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ: ابن شہاب کے بھتیجے کا نام محمد بن عبداللہ ہے۔

لَا يَأْتِيكَ مِنَّا أَحَدٌ وَّإِنْ كَانَ عَلَى دِينِكَ إِلَّا رَدَدْتَّهُ إِلَيْنَا: یہاں الفاظ ہیں لَا يَأْتِيكَ مِنَّا أَحَدٌ ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ یہاں راوی نے روایت بالمعنی کی ہے، ورنہ کتاب الشروط کی روایت میں ہے لا یأتیک منا رجل، اور اسی بنیاد پر آپ ﷺ نے بعد میں مشرکین مکہ سے کہا تھا کہ ہمارے درمیان رجل کے بارے میں معاہدہ طے پایا تھا امراۃ کی کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی، اور پھر قرآن کریم کی آیت مبارکہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ بھی نازل ہوچکی تھی، چنانچہ آپ ﷺ نے مسلمان ہوکر آنے والی عورتوں کو مکہ واپس نہیں کیا تھا، جیسا کہ اس روایت میں بھی مذکور ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا کو اہل مکہ کے مطالبے کے باوجود آپ ﷺ نے واپس مکہ مکرمہ بھیجنے سے انکار فرمادیا، البتہ جو مسلمان مرد مدینہ آتے رہے، ان کو آپ ﷺ واپس کرتے رہے۔

فَكَرِهَ الْمُؤْمِنُونَ ذٰلِكَ وَامْتَعَضُوْا: امْتَعَضُوْا باب افتعال سے ہے، اس کے معنی ہیں، بے مزہ ہونا، ناپسند کرنا، مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اس صلح سے بے مزہ ہوئے اور دل ہی دل میں کڑھتے رہے۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ

أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُ مَنْ هَاجَرَ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ بِهٰذِهِ الْآيَةِ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ وَعَنْ عَمِّهِ قَالَ بَلَغَنَا حِينَ أَمَرَ اللهُ رَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرُدَّ إِلَى الْمُشْرِكِينَ مَا أَنْفَقُوا عَلَى مَنْ هَاجَرَ مِنْ أَزْوَاجِهِمْ وَبَلَغَنَا أَنَّ أَبَا بَصِيرٍ فَذَكَرَهُ بِطُولِهِ

نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ہجرت کرکے آنے والی خواتین کا اس آیت يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ کے ذریعے امتحان لیا کرتے تھے اور ابن شہاب کے چچا سے روایت ہے کہ ہمیں وہ حدیث بھی پہنچی ہے کہ جب اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ مشرکین کو وہ مال واپس کریں، جو انہوں نے اپنی ان عورتوں پر خرچ کیا ہے، جو عورتیں اپنے شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کرکے آئی ہیں اور ہمیں یہ حدیث بھی پہنچی ہے کہ ابو بصیر بھی نکلے اور وہ مدینہ آئے پھر انہوں نے تفصیل کے ساتھ حدیث بیان کی۔

كَانَ يَمْتَحِنُ مَنْ هَاجَرَ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ بِهٰذِهِ الْآيَةِ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ کے ساتھ ہجرت کرکے آنے والی مومن عورتوں کا امتحان لیتے تھے اور ان الفاظ پر بیعت لیا کرتے تھے۔

أَمَرَ اللهُ رَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرُدَّ إِلَى الْمُشْرِكِينَ مَا أَنْفَقُوا: جب آپ ﷺ نے ان مسلمان خواتین کو جو ہجرت کرکے مدینہ منورہ آجاتی تھیں، انہیں کفار کے حوالے کرنے سے انکار کردیا تو اس پر مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم نے ان عورتوں کو جو مہر دیا ہے اور ان پر ہمارا خرچہ ہوا ہے، اس خرچے کا کیا ہوگا؟ اس پر سورۂ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: وَ اٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا کہ ان کافروں نے جو کچھ عورتوں پر خرچ کیا تھا، وہ انہیں دے دو، مثلاً، ان

کافروں نے انہیں مہر کے پیسے دیئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم ان کو پیسے لوٹا دو لیکن جو خواتین اسلام لے آئی ہیں، انہیں کافروں کے پاس واپس نہیں بھیجا جائے گا۔

صلح حدیبیہ سے پہلے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے، جن کے نکاح میں مشرک عورتیں تھیں اور وہ مکہ مکرمہ میں رہتی تھیں، تو اس موقع پر یہ حکم بھی نازل ہوا: وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ کہ تم کسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتے۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے: فطلق عمر يومئذ امرأتين کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس دن اپنی دو بیویوں کو طلاق دے دی تھی، جو شرک میں مبتلا تھیں۔

وَبَلَغَنَا أَنَّ أَبَا بَصِيرٍ : یہ مسلمان عورتوں کی ہجرت کا ذکر تھا، البتہ جو مرد حضرات مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آتے رہے، ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسب معاہدہ واپس کرتے رہے، ان ہی میں ایک حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو سب سے پہلے مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے تھے۔ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ ابھی مدینہ منورہ پہنچے ہی تھے کہ ان کے پیچھے مکہ کے دو مشرک بھی پہنچ گئے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ اسے حسب معاہدہ واپس کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ معاہدہ کے پابند تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو واپس لوٹا دیا۔ راستے میں ایک جگہ پہنچے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں میں سے ایک آدمی کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ تم بھی بڑے اچھے ہو اور تمہاری یہ تلوار بھی بہت شاندار ہے، یہ تم نے کہاں سے خریدی ہے؟ تعریف کرتے کرتے ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے اس سے وہ تلوار لی اور ان دو آدمیوں میں سے ایک کی گردن اڑا دی۔ دوسرا شخص یہ منظر دیکھ کر گھبرا گیا اور وہاں سے بھاگ نکلا، اب وہ آدمی آگے آگے اور حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر پیچھے پیچھے، یہاں تک کہ وہ بھاگتے بھاگتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہا کہ خدا کی قسم میرے ساتھی کو قتل کر دیا گیا ہے، وانی لمقتول اور مجھے بھی قتل کیا جا رہا ہے، یہ ابو بصیر میرے تعاقب میں ہے۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کا ذمہ پورا کر دیا، آپ نے تو مجھے ان کی طرف واپس کر دیا تھا، پھر اللہ نے مجھے ان سے نجات دی ہے، یعنی آپ اپنی ذمہ داری سے بری ہو چکے ہیں، آپ نے مجھے ان کے حوالے کر دیا تھا، آگے جو کچھ کیا، وہ میں نے کیا ہے، میں خود اس کا ذمہ دار ہوں آپ پر اس کی ذمہ داری نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ويل امها مسعر حرب لو كان له أحدا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عجیب جملہ ارشاد فرمایا، اس کا ظاہری مقصد تو یہ تھا کہ ابھی بڑی مشکل سے اتنی جنگیں ہونے کے بعد دس سال کی صلح ہوئی ہے، اب یہ ابو بصیر دوبارہ جنگ کو بھڑکانا چاہتا ہے، لیکن ساتھ ہی لطیف اشارے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو یہ بھی کہہ دیا کہ تم اگر یہاں سے بھاگ جاؤ اور مدینہ کے علاوہ کسی اور جگہ میں جا کر مسعر حرب بن جاؤ اور جنگ شروع کر دو تو تمہیں اس میں کامیابی بھی ملے گی اور تمہارے ساتھ اور ساتھی بھی آملیں گے۔

جب ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ سنا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دوبارہ کافروں کی طرف لوٹا دیں گے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو انہیں پناہ نہیں دے رہے، اس کی وجہ کوئی دشمنی نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ معاہدہ ہے اور مسلمان معاہدے کا پکا اور معاہدوں کو پورا کرنے والا ہوتا ہے، لہٰذا اب ابوبصیر رضی اللہ عنہ نہ مکہ جا سکتے تھے، نہ ہی مدینہ میں رہ سکتے تھے، چنانچہ وہ مدینہ سے نکلے، یہاں تک کہ سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔

دوسری جانب مکہ مکرمہ سے ابوجندل رضی اللہ عنہ بھی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، ان کو پتا چلا کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ سمندر کے کنارے پر ہیں تو وہ بھی ان کے پاس پہنچ گئے اور اب جو آدمی بھی مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے بھاگتا، وہ مدینہ نہیں آتا، بلکہ سیدھا بھاگ کر حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچتا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس ستر افراد کی جماعت تیار ہوگئی۔ اب قریش کا جو قافلہ شام کی طرف جانے کے لیے اس راستے سے گزرتا، یہ جماعت ان پر حملہ کر دیتی اور ان کو قتل کر کے ان کا مال چھین لیتی، گویا مسعر حرب لو کان له أحدا کی پیشین گوئی پوری ہوگئی۔

مشرکین ان کی اس حرکت سے سخت پریشان ہو گئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ آپ انہیں روکئے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو انہیں پناہ ہی نہیں دی تھی۔ بالآخر مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم آپ کو اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیتے ہیں، آپ ان لوگوں کو پیغام بھیجیں اور انہیں اپنے پاس بلا لیں فمن أتاه فهو آمن اب جو بھی آپ کے پاس ہم سے بھاگ کر آئے گا، اس کو امن ہوگا، ہم نہ ان سے کوئی تعرض کریں گے اور نہ آپ پر کوئی اعتراض کریں گے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے راستہ نکال دیا ہے، اب تم ہمارے پاس مدینہ منورہ آجاؤ، جب وہ خط حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ بیمار تھے، انہوں نے وہ خط پڑھا، سینے پر رکھا اور ان کا انتقال ہوگیا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا خَرَجَ مُعْتَمِرًا فِي الْفِتْنَةِ فَقَالَ إِنْ صُدِدْتُ عَنِ
حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فتنہ کے زمانہ میں عمرہ کے ارادہ سے نکلے، تو انہوں نے کہا کہ اگر مجھے بیت اللہ جانے سے

الْبَيْتِ صَنَعْنَا كَمَا صَنَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهَلَّ بِعُمْرَةٍ مِنْ أَجْلِ أَنَّ
روک دیا گیا تو میں وہی کام کروں گا جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی

رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ
صلح حدیبیہ کے موقع پر صرف عمرہ ہی کا احرام باندھا تھا

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَهَلَّ وَقَالَ إِنْ حِيلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ لَفَعَلْتُ كَمَا فَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ
حضرت نافع فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے احرام باندھا اور کہا کہ اگر مجھے بیت اللہ جانے سے روکا گیا تو میں بھی وہی کام کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ حَالَتْ كُفَّارُ قُرَيْشٍ بَيْنَهُ وَتَلَا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
کیا تھا، جب آپ کو کفار قریش نے بیت اللہ جانے سے روکا اور انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَاهُ أَنَّهُمَا كَلَّمَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ ح وَحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ بَعْضَ بَنِيْ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَهُ لَوْ أَقَمْتَ الْعَامَ فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ لَّا تَصِلَ إِلَى الْبَيْتِ
حضرت نافع فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کسی بیٹے نے ان سے کہا کہ اگر اس سال آپ (عمرہ کرنے) نہ جاتے تو بہتر تھا کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ بیت اللہ تک نہیں

قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُوْنَ الْبَيْتِ فَنَحَرَ النَّبِيُّ
پہنچ سکیں گے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تھے تو کفار قریش نے بیت اللہ پہنچنے سے روک دیا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کے جانور وہیں

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدَايَاهُ وَحَلَقَ وَقَصَّرَ أَصْحَابُهُ أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ أَوْجَبْتُ عُمْرَةً فَإِنْ
(حدیبیہ میں) ذبح کر دیئے اور سر کے بال منڈوا دیئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی بال چھوٹے کروا لیے اور انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر

خُلِّيَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ الْبَيْتِ طُفْتُ وَإِنْ حِيْلَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ الْبَيْتِ صَنَعْتُ كَمَا صَنَعَ رَسُولُ اللهِ
عمرہ واجب کر لیا ہے اگر مجھے بیت اللہ تک جانے دیا گیا تو میں طواف کر لوں گا اور اگر مجھے روک دیا گیا تو میں بھی وہی کروں گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ مَا أُرَى شَأْنَهُمَا إِلَّا وَاحِدًا أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ
پھر تھوڑی دور چلے اور کہا کہ میری نظر میں تو حج اور عمرہ دونوں ایک ہی جیسے ہیں تو میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر

قَدْ أَوْجَبْتُ حَجَّةً مَعَ عُمْرَتِيْ فَطَافَ طَوَافًا وَاحِدًا وَّ سَعْيًا وَّاحِدًا حَتّٰى حَلَّ مِنْهُمَا جَمِيْعًا
عمرہ کے ساتھ حج کو بھی لازم کرلیا ہے، پھر انہوں نے ایک طواف کیا اور ایک سعی کی (جس دن مکہ پہنچے) اور دونوں احراموں سے حلال ہوگئے

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تین روایات ذکر فرمائی ہیں اور تینوں روایات کا مضمون مشترک ہے اور تینوں روایات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ وہ ہر سال عمرہ بھی کرتے تھے اور ہر سال حج بھی کرتے تھے، لیکن جب فتنہ کا زمانہ آیا، فتنہ اصطلاح میں اسے کہتے ہیں کہ جب مسلمان مسلمان سے لڑ رہا ہو، یہاں فتنہ سے مراد وہ فتنہ ہے، جب ایک طرف عبدالملک بن مروان، حجاج بن یوسف اور شامی فوجیں تھیں اور دوسری طرف حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے، تو مسلمانوں کے یہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل تھے۔

خَرَجَ مُعْتَمِرًا فِي الْفِتْنَةِ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس فتنہ کے زمانے میں بھی عمرہ کے لیے جانے لگے، تو لوگوں نے اور خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹوں نے بھی ان سے کہا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ وہاں تو حجاج کی فوجوں نے مکہ مکرمہ کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے، جنگ کا سماں ہے، آپ کس طرح اندر جائیں گے اور کس طرح طواف وغیرہ ادا کریں گے؟ لہٰذا اس سال آپ عمرہ موقوف کر دیں، تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر مجھے بیت اللہ سے روک دیا گیا، صَنَعْنَا كَمَا صَنَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو ہم وہی کام کریں گے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نے کیا تھا، یعنی حدیبیہ والے دن جب مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ میں

داخل ہونے سے روک دیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احصار کے حکم پر عمل فرمایا تھا، چنانچہ ہم بھی اسی طرح کریں گے۔

احصار یہ ہے کہ حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد کسی بیماری، یا دشمن وغیرہ کی وجہ سے حج یا عمرہ نہ کر سکے، اس میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ حدود حرم میں ایک جانور بھیج دے، جب وہ جانور ذبح ہو جائے گا تو یہ احرام سے نکل جائے گا۔

فَأَهَلَّ بِعُمْرَةٍ: تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عمرے کا احرام باندھا، مِنْ أَجْلِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حدیبیہ والے سال عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ أهل يهل اهلالا کے معنی ہوتے ہیں: بلند آواز سے تلبیہ کہنا، احرام شروع کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، کیونکہ صرف چادریں پہن لینے کو احرام نہیں کہا جاتا، بلکہ احرام کے لیے عمرہ یا حج کی نیت سے تلبیہ پڑھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

فَسَارَ سَاعَةً: تیسری روایت میں ہے کہ عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تھوڑا سا آگے چلے، پھر فرمایا: ثُمَّ قَالَ مَا أُرَى شَأْنَهُمَا إِلَّا وَاحِدًا کہ عمرہ اور حج کا حال ایک ہی ہے، لہٰذا میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے عمرہ کے ساتھ حج کو بھی واجب کر لیا ہے۔ مطلب یہ کہ خواہ میں عمرہ کا احرام باندھوں یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھوں، نتیجہ تو ایک ہی ہے کہ اگر میں پہنچ گیا تو پہنچ کر دونوں مناسک کی ادائیگی کرلوں گا اور اگر نہ پہنچ سکا تو احصار کی وجہ سے جو کام مجھے عمرے میں کرنا ہوگا، وہی حج میں بھی کرنا ہوگا، چنانچہ انہوں نے عمرہ کی بھی نیت کر لی اور ساتھ ہی حج کی بھی نیت کر لی، گویا حج قران کی نیت کر لی۔ پھر جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حج قران کی نیت سے بیت اللہ پہنچ گئے، فَطَافَ طَوَافًا وَاحِدًا وَّ سَعْيًا وَّاحِدًا تو آپ نے ایک طواف کیا اور ایک سعی کی، یہاں تک کہ عمرہ اور حج دونوں سے حلال ہو گئے۔

اب یہ روایت حنفیہ کے مذہب کے خلاف ہے، جبکہ امام شافعی اور دیگر ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب کی مؤید ہے۔ امام شافعی اور دیگر ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر حج کرنے والا قارن ہو تو وہ ایک طواف کرے گا، جو حج وعمرہ دونوں کے لیے کافی ہو جائے گا، اسی طرح ایک سعی کرے گا اور وہ سعی بھی دونوں کی طرف سے کافی ہو جائے گی، جبکہ حنفیہ کے نزدیک حج قران میں حج وعمرہ دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ طواف اور اسی طرح دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ سعی کی جائے گی۔

حَدَّثَنِي شُجَاعُ بْنُ الْوَلِيدِ سَمِعَ النَّضْرَ بْنَ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا صَخْرٌ

عَنْ نَافِعٍ قَالَ إِنَّ النَّاسَ يَتَحَدَّثُونَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَسْلَمَ قَبْلَ عُمَرَ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ وَلٰكِنْ عُمَرُ

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے، حالانکہ یہ درست نہیں ہے، البتہ عمر رضی اللہ عنہ نے

يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَرْسَلَ عَبْدَ اللهِ إِلَى فَرَسٍ لَهُ عِنْدَ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ يَأْتِي بِهِ لِيُقَاتِلَ عَلَيْهِ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنا ایک گھوڑا لانے کے لیے بھیجا تھا، جو ایک انصاری صحابی کے پاس تھا تاکہ اس پر سوار ہو کر جنگ میں شریک ہوں،

وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَايِعُ عِنْدَ الشَّجَرَةِ وَعُمَرُ لَا يَدْرِي بِذٰلِكَ فَبَايَعَهُ عَبْدُ اللهِ

اسی دوران رسول اللہ ﷺ درخت کے نیچے بیٹھ کر بیعت لے رہے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کو ابھی اس کی اطلاع نہیں ہوئی تھی، چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت کر لی

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى الْفَرَسِ فَجَاءَ بِهِ إِلَى عُمَرَ وَعُمَرُ يَسْتَلْئِمُ لِلْقِتَالِ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى

پھر گھوڑا لینے گئے۔ جس وقت وہ اسے لے کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو عمر رضی اللہ عنہ جنگ کے لیے اپنی زرہ پہن رہے تھے۔ انہوں نے اس وقت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَايِعُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَانْطَلَقَ فَذَهَبَ مَعَهُ حَتّٰى بَايَعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ

نبی کریم ﷺ درخت کے نیچے بیعت لے رہے ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ گئے اور آپ ﷺ سے بیعت کی۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهِيَ الَّتِي يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَسْلَمَ قَبْلَ عُمَرَ

اتنی سی بات تھی جس پر لوگ اب کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لے آئے تھے

وَقَالَ هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعُمَرِيُّ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّاسَ كَانُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے،

الْحُدَيْبِيَةِ تَفَرَّقُوا فِي ظِلَالِ الشَّجَرِ فَإِذَا النَّاسُ مُحْدِقُونَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

مختلف درختوں کے سائے میں پھیل گئے تھے، پھر اچانک بہت سے صحابہ آپ ﷺ کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا

يَا عَبْدَ اللهِ انْظُرْ مَا شَأْنُ النَّاسِ قَدْ أَحْدَقُوا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَهُمْ

کہ بیٹا عبداللہ! دیکھو تو سہی لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس کیوں جمع ہو گئے ہیں؟ انہوں نے دیکھا تو صحابہ بیعت کر رہے تھے۔

يُبَايِعُونَ فَبَايَعَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى عُمَرَ فَخَرَجَ فَبَايَعَ

چنانچہ پہلے انہوں نے خود بیعت کر لی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آکر خبر دی پھر وہ بھی گئے اور انہوں نے بھی بیعت کی

غزوۂ حدیبیہ میں یہ واقعہ ہوا کہ بیعت رضوان والے دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میرا گھوڑا فلاں صاحب کے پاس ہے، وہ گھوڑا لے آؤ، کیونکہ اب ہمیں شاید کافروں سے جہاد کرنا پڑے گا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ بھی کہا کہ ایک تو میرا گھوڑا لے آؤ اور دوسرا یہ بھی کہا کہ دیکھو وہ سارے لوگ وہاں آپ ﷺ کے ارد گرد کیوں جمع ہیں؟

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مجمع میں گئے تو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے **بيعة على الجهاد** لے رہے تھے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے موقع غنیمت جانا اور نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت رضوان کر لی، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گھوڑا ان صحابی سے وصول کیا اور واپس اپنے والد کے پاس پہنچے، وہ جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے گھوڑا ان کے حوالے کیا اور اطلاع دی کہ وہاں تو درخت کے نیچے بیعت ہو رہی ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی وہاں گئے اور جا کر نبی کریم ﷺ سے بیعت رضوان کی، یہ واقعہ ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد کچھ لوگوں نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پہلے مسلمان ہوئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد میں مسلمان ہوئے۔

اب یہ بات تاریخی اعتبار سے کسی طرح ممکن نہیں ہوسکتی کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سب سے پہلے جس غزوہ میں شریک ہوئے ہیں، وہ غزوۂ خندق ہے، جو سن ۵ ہجری میں پیش آیا ہے، اس وقت ان کی عمر ۱۵ سال تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہجرت مدینہ ہوئی تو ان کی عمر ۹ یا ۱۰ سال تھی، جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سن ۵ نبوی میں مسلمان ہو گئے تھے، اس وقت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی عمر بمشکل دو یا تین سال ہوگی، اب یہ کیسے ممکن ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پہلے مسلمان ہوئے ہوں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بعد میں مسلمان ہوئے ہوں۔ بات صرف یہ ہوئی تھی کہ غزوۂ حدیبیہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت رضوان پہلے کر لی تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بعد میں جا کر بیعت کی تھی، جس کو بعد کے لوگوں غلط انداز میں مشہور کر دیا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا يَعْلَى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ

سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ (قضاء) کیا تو ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اعْتَمَرَ فَطَافَ فَطُفْنَا مَعَهُ وَ صَلّٰى وَ صَلَّيْنَا مَعَهُ وَ سَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَكُنَّا نَسْتُرُهُ

طواف کیا تو ہم نے بھی آپ کے ساتھ طواف کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کی سعی بھی کی، تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ لَا يُصِيبُهُ أَحَدٌ بِشَيْءٍ

اہل مکہ سے حفاظت کرتے تھے تا کہ کوئی تکلیف کی بات آپ کو پیش نہ آجائے

اس روایت میں عمرۃ القضاء کا واقعہ مذکور ہے، اس کا تعلق بظاہر صلح حدیبیہ سے نہیں ہے، لیکن چونکہ عمرۃ القضاء کا فیصلہ حدیبیہ کے موقع پر ہوا تھا اس مناسبت سے امام بخاریؒ نے یہ روایت یہاں ذکر فرمائی ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَصِينٍ قَالَ

قَالَ أَبُو وَائِلٍ لَمَّا قَدِمَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ مِنْ صِفِّينَ أَتَيْنَاهُ نَسْتَخْبِرُهُ فَقَالَ اتَّهِمُوا الرَّأْيَ فَلَقَدْ

ابووائل فرماتے ہیں کہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ جب جنگ صفین سے واپس آئے تو ہم ان کی خدمت میں حالات معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوئے، انہوں نے فرمایا کہ اس جنگ کے

رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرَهُ لَرَدَدْتُ

بارے میں تم لوگ اپنی رائے اور فکر پر نازاں مت ہو۔ میں یوم ابوجندل (صلح حدیبیہ) میں بھی موجود تھا، اگر میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ماننے سے انکار ممکن ہوتا تو میں

وَاللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ وَمَا وَضَعْنَا أَسْيَافَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا لِأَمْرٍ يُفْظِعُنَا إِلَّا أَسْهَلْنَ بِنَا إِلَى أَمْرٍ

اس دن ضرور حکم عدولی کرتا۔ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں کہ جب ہم نے کسی مشکل کام کے لیے اپنی تلواروں کو اپنے کاندھوں پر رکھا تو صورت حال آسان ہوگئی اور ہم نے مشکل

نَعْرِفُهُ قَبْلَ هٰذَا الْأَمْرِ مَا نَسُدُّ مِنْهَا خُصْمًا إِلَّا انْفَجَرَ عَلَيْنَا خُصْمٌ مَا نَدْرِي كَيْفَ نَأْتِي لَهُ

حل کر لی، لیکن اب عجیب حال ہے، ہم (فتنے کے) ایک کونے کو بند کرتے ہیں تو دوسرا کونا کھل جاتا ہے، ہم نہیں جانتے کہ ہمیں کیا تدبیر کرنی چاہئے

قَالَ أَبُو وَائِلٍ لَمَّا قَدِمَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ مِنْ صِفِّينَ: ابووائل کا نام شقیق بن سلمہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ جنگ صفین سے واپس آئے، تو ہم ان کے پاس حالات کی خبر لینے کے لئے آئے۔

ایک اشکال اوراس کا جواب: یہاں اشکال ہوتا ہے کہ اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابووائل جنگ صفین میں شریک نہیں تھے اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں شریک تھے، جب وہ جنگ صفین سے واپس ہوئے تو ان سے حالات معلوم کرنے کے لیے ابووائل ان کے پاس گئے، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو کتاب الجہاد میں نقل کیا ہے، اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ ابووائل جنگ صفین میں بذات خود موجود تھے اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے سوال ابووائل نے جنگ صفین ہی میں کیا تھا۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ابووائل جنگ صفین میں موجود تھے، اسی طرح جن روایات میں ہے کہ ابووائل نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین میں سوال کیا تھا، وہ بھی ٹھیک ہے، البتہ یہاں روایت باب میں حضرت ابووائل کا یہ فرمانا کہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ جب جنگ صفین سے واپس آئے تو ہم نے ان سے پوچھا، اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ جنگ سے واپسی کے بعد ابووائل کا ان سے سوال کرنا دوسرے لوگوں کو سنوانے کے لیے تھا، خود تو انہوں نے صفین ہی میں سوال کیا تھا لیکن اب سوال اس لیے کر رہے ہیں تاکہ اور لوگ بھی سن لیں۔

دراصل حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا یہ اعتراض تھا کہ آپ قتال میں اہل شام کے مقابلے میں زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہیں، یہ سوال جب حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: **اِتَّهِمُوا الرَّأْيَ** اپنی رائے کو متہم سمجھو، **فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ** میں نے یوم ابی جندل (صلح حدیبیہ) میں اپنے آپ کو دیکھا، **وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرَهُ لَرَدَدْتُ** اگر اس دن میرے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ رد کرنا ممکن ہوتا تو میں ضرور رد کر دیتا، لیکن اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں کہ فائدہ کس چیز میں ہے۔

سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے اس جواب کا مطلب اور پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ شروع ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو جنگ میں غلبہ حاصل ہونے لگا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی زیادہ قتل ہونے لگے اور قریب تھا کہ جنگ میں انہیں مکمل شکست ہو، اس دوران حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ ایک صورت ایسی ہے کہ اگر ہم اس کو اختیار کریں تو یہ خونریزی رک سکتی ہے اور ان کا غلبہ موقوف ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن بھیجیں اور کہیں کہ یہ ہمارے اور آپ کے درمیان فیصلہ کرے گا، مجھے امید ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پیشکش کو قبول کریں گے اور اس طرح قتال موقوف ہو جائے گا، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان فیصلہ قرآن کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے بہتر اور کیا صورت ہو سکتی

ہے، اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض ساتھیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا اور کہا کہ آپ قرآن کو اس وقت حکم تسلیم نہ کریں، اس وقت قتال جاری رکھنا چاہیے کیونکہ ہمارا پلڑا بھاری ہے اور ہم مکمل غلبہ حاصل کر سکتے ہیں، اس پر حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا کہ اے لوگو! تم اپنے آپ اور اپنی رائے) کو متہم سمجھو، یہ مت سمجھو کہ صرف تمہاری ہی رائے صحیح ہے، ہوسکتا ہے فریق مخالف کی رائے درست ہو، کیونکہ صلح حدیبیہ میں، میں موجود تھا اور اس وقت میری یہی رائے تھی کہ جنگ ہونی چاہیے اور صلح نہیں ہونی چاہیے، لیکن اس وقت ہم نے اپنی رائے چھوڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر عمل کیا، جس کا نتیجہ اچھا اور انجام بخیر ہوا، جبکہ وہاں معاملہ کفر اور اسلام کا تھا اور یہاں تو مسلمانوں کے آپس کا مسئلہ ہے، لہٰذا اس میں اپنی ہی رائے کو درست سمجھ کر قتل مسلم کو بے دریغ جاری رکھنے پر اصرار نہیں ہونا چاہیے۔

وَمَا وَضَعْنَا أَسْيَافَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا لِأَمْرٍ يُفْظِعُنَا إِلَّا أَسْهَلْنَ بِنَا: حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے اس جملے کا مقصد یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی ہم جہاد کرتے رہے ہیں، جب کوئی پریشانی یا مصیبت ہمیں پیش آئی اور ہم نے اس میں اپنے کندھوں پر تلوار اٹھائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجے میں ہمارے لیے فتح اور کشادگی کا راستہ کھول دیا اور ہم نے فتنوں کا خاتمہ کر دیا، لیکن جب سے مسلمان باہم ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہوئے ہیں، اس سے کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا بلکہ اور پریشانی بڑھتی جا رہی ہے، ایک فتنے کا دروازہ بند نہیں ہوتا کہ دوسرے فتنے کا دروازہ کھل جاتا ہے، دوسرا بند نہیں ہوتا کہ تیسرا کھل جاتا ہے، ہم حیران ہیں کہ ان فتنوں کا کیسے مقابلہ کریں؟

خلاصہ یہ کہ اگر کافروں کے خلاف تلوار اٹھائی جائے گی، تو اس سے فتنہ ختم ہوتا ہے، لیکن مسلمان جب مسلمان کے خلاف تلوار اٹھاتا ہے تو اس سے فتنہ ختم نہیں ہوتا بلکہ اس سے اور فتنے پیدا ہوتے ہیں، ایک فتنے کو ختم کریں گے، تو وہ ختم ہو جائے گا، لیکن اس سے دو فتنے اور پیدا ہو جائیں گے، ان دو کو ختم کریں گے تو چار اور پیدا ہو جائیں گے، لہٰذا مسلمانوں کی خانہ جنگی سے کبھی بھی خیر برآمد نہیں ہوتی۔

چونکہ اس روایت میں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ میں اپنی موجودگی کا ذکر فرمایا ہے، اسی مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت یہاں ذکر فرمائی ہے۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ أَتَى عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس آئے تو جوئیں ان کے چہرے پر گر رہی تھی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلَى وَجْهِي فَقَالَ أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاحْلِقْ وَصُمْ

دریافت فرمایا کہ یہ جوئیں تمہیں تکلیف دے رہی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر سر منڈوالو اور تین دن روزہ رکھ لو، یا چھ مسکینوں کا کھانا کھلا دو،

ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ أَوِ انْسُكْ نَسِيْكَةً قَالَ أَيُّوبُ لَا أَدْرِي بِأَيِّ هٰذَا بَدَأَ
یا پھر کوئی قربانی کر ڈالو۔ ایوب سختیانی فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ ان تینوں امور میں سے پہلے نبی کریم ﷺ نے کون سی بات ارشاد فرمائی تھی

حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ هِشَامٍ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِيْ بِشْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ لَيْلٰى

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَ نَحْنُ
حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے

مُحْرِمُوْنَ وَقَدْ حَصَرَنَا الْمُشْرِكُوْنَ قَالَ وَكَانَتْ لِيْ وَفْرَةٌ فَجَعَلَتِ الْهَوَامُّ تَسَّاقَطُ عَلٰى وَجْهِيْ
اور احرام باندھے ہوئے تھے۔ ادھر مشرکین ہمیں بیت اللہ تک جانے نہیں دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میرے سر پر بال بڑے بڑے تھے جن سے جوئیں

فَمَرَّ بِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيُؤْذِيْكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَ أُنْزِلَتْ
میرے چہرے پر گرنے لگیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے تو دریافت فرمایا کہ کیا یہ جوئیں تکلیف دے رہی ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ وہ فرماتے ہیں کہ

هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ بِهٖ أَذًى مِّنْ رَّأْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ
پھر یہ آیت نازل ہوئی فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ بِهٖ أَذًى مِّنْ رَّأْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ

بَابُ قِصَّةِ عُكْلٍ وَّ عُرَيْنَةَ

باب: قبائل عکل اور عرینہ کا قصہ

حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْأَعْلٰى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ

أَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُمْ أَنَّ نَاسًا مِنْ عُكْلٍ وَّ عُرَيْنَةَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مدینہ آئے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَكَلَّمُوْا بِالْإِسْلَامِ فَقَالُوْا يَا نَبِيَّ اللهِ إِنَّا كُنَّا أَهْلَ ضَرْعٍ وَ لَمْ نَكُنْ أَهْلَ رِيْفٍ
اور اسلام میں داخل ہوگئے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! ہم لوگ مویشی رکھتے تھے، کھیت وغیرہ ہمارے پاس نہیں تھے، (اس لیے ہم صرف دودھ پر بسر اوقات کیا کرتے

وَاسْتَوْخَمُوا الْمَدِيْنَةَ فَأَمَرَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَوْدٍ وَّ رَاعٍ وَ أَمَرَهُمْ أَنْ
تھے) اور انہیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی تو نبی کریم ﷺ نے کچھ اونٹ اور چرواہا ان کے ساتھ کر دیا اور انہیں حکم دیا

يَّخْرُجُوْا فِيْهِ فَيَشْرَبُوْا مِنْ أَلْبَانِهَا وَ أَبْوَالِهَا فَانْطَلَقُوْا حَتّٰى إِذَا كَانُوْا نَاحِيَةَ الْحَرَّةِ كَفَرُوْا بَعْدَ
کہ انہیں لے جاؤ اور ان ہی اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو، وہ لوگ (چراگاہ کی طرف) گئے۔ لیکن مقام حرہ کے کنارے پہنچتے ہی وہ اسلام سے کفر کی طرف پھر گئے

إِسْلَامِهِمْ وَ قَتَلُوْا رَاعِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَاقُوا الذَّوْدَ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ
اور نبی کریم ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو لے کر بھاگ گئے۔ اس کی خبر جب آپ ﷺ کو ملی

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ الطَّلَبَ فِيْ اٰثَارِهِمْ فَأَمَرَ بِهِمْ فَسَمَرُوْا أَعْيُنَهُمْ وَ قَطَعُوْا أَيْدِيَهُمْ وَ تُرِكُوْا
تو آپ ﷺ نے چند صحابہ کو ان کے پیچھے دوڑایا۔ (وہ پکڑ کر مدینہ لائے گئے۔) تو آپ ﷺ کے حکم سے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں اور ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ

فِيْ نَاحِيَةِ الْحَرَّةِ حَتّٰى مَاتُوْا عَلٰى حَالِهِمْ قَالَ قَتَادَةُ بَلَغَنَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ
دیئے گئے اور انہیں حرہ کے کنارے چھوڑ دیا گیا۔ آخر وہ اسی حالت میں مر گئے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بعد

ذٰلِكَ كَانَ يَحُثُّ عَلَى الصَّدَقَةِ وَ يَنْهٰى عَنِ الْمُثْلَةِ وَ قَالَ شُعْبَةُ وَ أَبَانُ وَ حَمَّادٌ عَنْ قَتَادَةَ مِنْ
صحابہ کو صدقہ دینے کی ترغیب دیتے تھے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے اور شعبہ، ابان اور حماد نے قتادہ سے روایت کیا ہے

عُرَيْنَةَ وَقَالَ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ وَ أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَدِمَ نَفَرٌ مِّنْ عُكْلٍ
کہ (یہ لوگ) عرینہ قبیلے کے تھے اور یحییٰ بن ابی کثیر اور ایوب نے بیان کیا اور ان سے ابوقلابہ نے اور ان سے انس رضی اللہ عنہ نے کہ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ آئے۔

سن ٦ ہجری میں عکل اور عرینہ کا واقعہ پیش آیا، آٹھ آدمیوں کی جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جن میں چار آدمیوں کا تعلق قبیلہ عرینہ سے تھا، تین آدمی قبیلہ عکل کے تھے اور ایک آدمی کسی دوسرے قبیلہ کا تھا۔ انہوں نے مدینہ آکر اسلام قبول کیا اور وہاں رہنے لگے، لیکن مدینہ منورہ کی آب و ہوا ان کو موافق نہیں آئی اور یہ لوگ بیمار ہوگئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے باہر اپنے اونٹوں کے پاس انہیں جانے کی ہدایت کی اور فرمایا کہ اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پی لو، ٹھیک ہو جاؤ گے، یہ لوگ گئے اور دودھ و پیشاب کے استعمال سے بالکل تندرست ہوگئے۔ جب صحت مند ہوگئے، تو ان اونٹوں کے نگہبان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راعی حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو انہوں نے قتل کر دیا اور اونٹ لے کر بھاگے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس آدمی حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ان کے تعاقب میں روانہ فرمائے، انہوں نے ان سب کو گرفتار کیا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم دیا، چنانچہ ان کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر حرہ (پتھریلی زمین) کی ایک جانب میں ان کو ڈال دیا گیا یہاں تک کہ ان کو موت آگئی۔

فَسَمَّرُوْا أَعْيُنَهُمْ وَ قَطَّعُوْا أَيْدِيَهُمْ: یہاں یہ **اشکال** ہوتا ہے کہ اسلام میں مثلہ جائز نہیں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مثلہ سے منع فرمایا ہے، تو پھر ان لوگوں کا مثلہ کیوں کیا گیا؟

❶ ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مثلہ کی حرمت سے پہلے کا ہے ابھی تک مثلہ کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا تھا، بعد میں مثلہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

❷ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک عام مثلہ تو منسوخ ہو چکا تھا لیکن ابھی تک مثلہ کے بدلے مثلہ کا جواز برقرار تھا اور چونکہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راعی کو قتل کر کے ان کا مثلہ کیا تھا، اس لیے قصاصاً ان کا بھی مثلہ کیا گیا، بعد میں قصاصاً مثلہ بھی حرام کر دیا گیا اور اب مثلہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

وَ قَالَ شُعْبَةُ وَ أَبَانُ وَ حَمَّادٌ عَنْ قَتَادَةَ مِنْ عُرَيْنَةَ: بعض روایات میں صرف عرینہ کا ذکر ہے اور بعض میں صرف عکل کا ذکر ہے، اب جس روایت میں آرہا ہے کہ وہ عرینہ کے لوگ تھے، وہ بھی ٹھیک ہے، اور جس روایت میں آرہا ہے، وہ عکل کے لوگ تھے، وہ بھی ٹھیک ہے، اس لیے کہ دونوں ہی قبیلوں کے افراد اس واقعہ میں شریک تھے۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ أَبُو عُمَرَ الْحَوْضِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ وَالْحَجَّاجُ الصَّوَّافُ قَالَ
حَدَّثَنِي أَبُو رَجَاءٍ مَوْلَى أَبِي قِلَابَةَ وَكَانَ مَعَهُ بِالشَّامِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ اسْتَشَارَ النَّاسَ
ابوقلابہ کے مولیٰ ابورجاء فرماتے ہیں کہ وہ ابوقلابہ کے ساتھ شام میں تھے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک دن لوگوں سے مشورہ کیا

يَوْمًا قَالَ مَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْقَسَامَةِ؟ فَقَالُوْا حَقٌّ قَضٰى بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

کہ "قسامۃ" کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ حق ہے۔ اس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا ہے

وَسَلَّمَ وَقَضَتْ بِهَا الْخُلَفَاءُ قَبْلَكَ قَالَ وَأَبُوْ قِلَابَةَ خَلْفَ سَرِيْرِهِ فَقَالَ عَنْبَسَةُ بْنُ سَعِيْدٍ

اور آپ سے پہلے بھی خلفاء اس کے ذریعے فیصلہ کرتے تھے۔ ابورجاء فرماتے ہیں کہ اس وقت ابوقلابہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے تخت کے پیچھے تھے۔ اتنے میں عنبسہ بن سعید نے

فَأَيْنَ حَدِيْثُ أَنَسٍ فِي الْعُرَنِيِّيْنَ؟ قَالَ أَبُوْ قِلَابَةَ إِيَّايَ حَدَّثَهُ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ

کہا کہ پھر قبیلہ عرینہ کے لوگوں کے بارے میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہاں گئی؟ اس پر ابوقلابہ نے کہا کہ انس رضی اللہ عنہ نے خود مجھ سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔ عبدالعزیز بن صہیب نے انس رضی اللہ عنہ

بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ مِنْ عُرَيْنَةَ وَقَالَ أَبُوْ قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ مِنْ عُكْلٍ ذَكَرَ الْقِصَّةَ

کے حوالہ سے صرف عرینہ کا نام لیا اور ابوقلابہ نے اپنی روایت میں انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صرف عکل کا نام لیا پھر یہی قصہ بیان کیا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس روایت کا کو مختصراً ذکر فرمایا ہے۔ جبکہ کتاب الدیات میں یہ روایت تفصیل سے مذکور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے ایک دن لوگوں کو جمع کیا۔ بڑے بڑے لوگ مجلس میں موجود تھے، ان ہی میں ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، جو کبار تابعین میں سے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ آپ لوگ قسامۃ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

قسامۃ کا مطلب یہ ہے کہ کسی احاطہ یا محلے کے اندر کوئی شخص مقتول پایا جائے اور یہ پتا نہ چل رہا ہو کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ اس صورت میں اس مقتول کا خون ضائع نہیں ہوگا، کیونکہ اسلام کے نظام عدالت میں حتی الامکان کسی بھی مسلمان کا خون بیکار بہنے نہیں دیا جاتا، بلکہ اس کے خون کے بدلہ میں حتی الامکان کوئی نہ کوئی قصاص یا دیت ثابت کی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی چاردیواری میں یا کسی محلے میں کوئی لاش پائی جاتی ہے اور اس کے قاتل کا کچھ پتا نہ چل سکے اور وہاں کے رہنے والے بھی قاتل سے لاعلمی کا اظہار کریں، تو ایسی صورت میں وہاں کے رہنے والوں میں سے پچاس افراد سے یہ قسم لی جاتی ہے کہ باللہ ما قتلناہ و لا نعلم لہ قاتلا اللہ کی قسم! نہ ہم نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔ جب یہ قسم لے لی جائے گی تو اب قصاص ساقط ہو جائے گا، البتہ ان پچاس افراد پر اس مقتول شخص کی دیت لازم کردی جائے گی، جسے وہ تین سال میں ادا کرنے کے پابند ہوں گے۔

یہ اسلام کا نظام عدل ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ لاش کسی چاردیواری اور احاطہ میں پائی جائے، اگر وہ لاش شارع عام پر پائی گئی تو اس کا حکم علیحدہ ہے، اس میں قسامہ جاری نہیں ہوگی بلکہ اس صورت میں حکومت اسلامیہ پر ذمہ داری عائد ہوگی کہ وہ قاتلوں کو تلاش کرے اور اگر قاتل نہ مل سکے تو بیت المال سے اس کی دیت ادا کرے۔

قسامۃ کی تفصیل میں ائمہ کا اختلاف

واضح رہے کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، بعض دوسرے اکابر اس کی بعض صورتوں میں قصاص کے قائل ہیں،

نیز وہ کہتے ہیں کہ یہ پچاس قسمیں اس جگہ کے مکینوں سے نہیں لی جائیں گی، بلکہ مقتول کے ورثاء سے جو مدعی ہیں، ان سے یہ قسمیں لی جائیں گی، وہ یہ تفصیل بیان کرتے ہیں کہ اگر مقتول اور جس علاقے میں وہ مقتول پایا گیا ہے، وہاں پہلے سے ان کے درمیان اختلاف تھا، کچھ گڑبڑ چل رہی تھی، تو اس صورت میں مقتول کے قبیلے کے پچاس افراد یہ کہیں گے کہ انہوں نے ہمارے آدمی کو قتل کیا ہے، چنانچہ پھر ان بعض ائمہ خاص طور پر امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ایسی صورت میں قصاص واجب ہوجائے گا۔

لیکن احناف کے نزدیک قسامہ میں پچاس قسمیں مدعی اور اس کا قبیلہ نہیں اٹھائے گا، بلکہ ہمارے نزدیک اصول یہ ہے کہ البینة على المدعى واليمين على من أنكر، چنانچہ منکر اور جائے مقتول کے پچاس افراد سے قسمیں لی جائیں گی، جب وہ پچاس افراد قسمیں کھالیں گے، تو قصاص ساقط ہوجائے گا لیکن مرنے والے کے خون کو ویسے ہی ضائع نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان پچاس افراد کے اوپر اس مقتول کی دیت واجب کردی جائے گی۔

یہ قسامة سے متعلق بحث ہے۔ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے متعلق مجلس میں سوال کیا کہ آپ لوگ قسامة کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ حاضرین مجلس میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ قسامةمیں قصاص واجب ہوگا۔ یہ کہنے والوں میں عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں عنبسہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ تو ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں، اس میں قصاص واجب نہیں ہوتا بلکہ اس میں دیت واجب ہوتی ہے۔ اس پر عنبسہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ پھر تم عکل اور عرینہ کے قصے کا کیا جواب دو گے؟ وہاں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقتول کے قاتلوں سے قصاص لیا تھا؟

حضرت ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عکل اور عرینہ سے متعلق تو میں نے خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے۔

حضرت ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اس واقعے کا قسامہ سے تعلق نہیں تھا بلکہ اس کا تعلق حرابة سے تھا، یعنی انہوں نے سر عام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راعی کو قتل کیا تھا، اونٹوں کو غصب کر کے لے گئے تھے اور اسلام سے مرتد ہوگئے تھے، ان بڑے بڑے ثابت شدہ جرائم قتل، ڈاکہ، ارتداد کی بناء پر ان سے قصاص لیا گیا تھا اور قتل کیا گیا تھا، اس واقعے کا قسامة سے تعلق نہیں تھا کیونکہ وہاں قاتل واضح طور پر معلوم تھے (جبکہ قسامة میں قاتل متعین نہیں ہوتے)، اور حرابة کی سزا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ بہرحال یہ بحث اس مجلس میں ہوئی، تو عنبسہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف اور ان کی دلیل کو سراہا اور ان کے لیے یہ تعریفی الفاظ بھی فرمائے: لا يزال هذا الجند أى أهل الشام بخير ما عاش هذا الشيخ أى أبو قلابة بين أظهرهم۔

بَابُ غَزْوَةِ ذَاتِ الْقَرَدِ

باب: ذات قرد کی لڑائی کا بیان

وَهِيَ الْغَزْوَةُ الَّتِي أَغَارُوا عَلَى لِقَاحِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ خَيْبَرَ بِثَلَاثٍ

یہ وہی غزوہ ہے جس میں مشرکین غطفان نبی کریم ﷺ کی اونٹنیوں کو بھگا کر لے جا رہے تھے، یہ واقعہ خیبر کی لڑائی سے تین رات پہلے کا ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ

سَمِعْتُ سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ يَقُولُ خَرَجْتُ قَبْلَ أَنْ يُؤَذَّنَ بِالْأُولَى وَكَانَتْ لِقَاحُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى
حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فجر کی اذان سے پہلے (مدینہ سے باہر غابہ کی طرف نکلا) رسول اللہ ﷺ کی دودھ دینے والی اونٹنیاں

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْعَى بِذِي قَرَدٍ قَالَ فَلَقِيَنِي غُلَامٌ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فَقَالَ أُخِذَتْ
ذات القرد میں چرا کرتی تھیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ راستے میں مجھے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے غلام ملے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ

لِقَاحُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ مَنْ أَخَذَهَا؟ قَالَ غَطَفَانُ قَالَ فَصَرَخْتُ ثَلَاثَ
کی اونٹنیاں پکڑ لی گئیں ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کس نے پکڑا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ قبیلہ غطفان والوں نے۔ سلمہؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے تین مرتبہ بڑی زور زور

صَرَخَاتٍ يَا صَبَاحَاهُ قَالَ فَأَسْمَعْتُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ ثُمَّ انْدَفَعْتُ عَلَى وَجْهِي حَتّٰى
سے پکارا یا صباحاہ! وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آواز مدینہ کے دونوں کناروں تک پہنچا دی اور اس کے بعد میں سیدھا تیزی کے ساتھ دوڑتا ہوا آگے بڑھا اور آخر انہیں جا لیا۔

أَدْرَكْتُهُمْ وَقَدْ أَخَذُوا يَسْتَقُونَ مِنَ الْمَاءِ فَجَعَلْتُ أَرْمِيهِمْ بِنَبْلِي وَكُنْتُ رَامِيًا وَأَقُولُ أَنَا
اس وقت وہ جانوروں کو پانی پلانے کے لیے اترے تھے۔ میں نے ان پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ میں تیر اندازی میں ماہر تھا اور یہ شعر کہتا جاتا تھا "میں ابن الاکوع ہوں

ابْنُ الْأَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ وَأَرْتَجِزُ حَتّٰى اسْتَنْقَذْتُ اللِّقَاحَ مِنْهُمْ وَاسْتَلَبْتُ مِنْهُمْ
آج ذلیلوں کی بربادی کا دن ہے" میں یہی رجز پڑھتا رہا اور آخر اونٹنیاں ان سے چھڑا لیں بلکہ تیس چادریں ان کی میرے قبضے میں آ گئیں۔

ثَلَاثِينَ بُرْدَةً قَالَ وَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَدْ حَمَيْتُ
سلمہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نبی کریم ﷺ بھی صحابہؓ کو ساتھ لے کر آ گئے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے تیر مار مار کر ان کو پانی نہیں پینے دیا

الْقَوْمَ الْمَاءَ وَهُمْ عِطَاشٌ فَابْعَثْ إِلَيْهِمُ السَّاعَةَ فَقَالَ يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ مَلَكْتَ فَأَسْجِحْ
اور وہ ابھی پیاسے ہیں۔ آپ فوراً ان کے تعاقب کے لیے فوج بھیج دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن الاکوع! جب تو کسی پر قابو پا لے تو نرمی اختیار کر۔

قَالَ ثُمَّ رَجَعْنَا وَيُرْدِفُنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى نَاقَتِهِ حَتّٰى دَخَلْنَا الْمَدِينَةَ
سلمہؓ فرماتے ہیں پھر ہم واپس آ گئے اور آپ ﷺ مجھے اپنی اونٹنی پر پیچھے بٹھا کر لائے یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آ گئے

قرد مدینہ منورہ سے ایک دن کی مسافت پر بنو غطفان کے علاقے کے قریب واقع ہے۔

غزوہ ذات القرد کب پیش آیا؟

❶ اہل سیر و مغازی کا اس پر اتفاق ہے کہ غزوۂ ذی قرد سن ۶ ہجری میں حدیبیہ سے پہلے پیش آیا ہے۔

❷ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں فرمایا کہ ربیع الاول سن ۶ ہجری میں پیش آیا۔

❸ بعض حضرات نے فرمایا کہ جمادی الاولی سن ۶ ہجری میں پیش آیا۔

❹ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سن ٦ ہجری میں یہ واقعہ پیش آیا۔ یہ تمام اقوال اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ غزوۂ ذی قرد حدیبیہ سے پہلے ہوا ہے کیونکہ حدیبیہ ذی قعدہ سن ٦ ہجری میں پیش آیا ہے اور جب غزوۂ ذی قرد کا وقوع حدیبیہ سے پہلے ہے تو ظاہر ہے خیبر سے بھی پہلے ہوگا کیونکہ غزوۂ خیبر غزوۂ حدیبیہ کے بعد پیش آیا ہے۔

❺ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ یہ غزوۂ خیبر سے صرف تین دن پہلے واقع ہوا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو حدیبیہ کے بعد مان رہے ہیں، ابن قیم اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما نے بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کی ہے، وہ بھی اس کو حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے پہلے مانتے ہیں، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی ایک مفصل روایت ذکر کی ہے اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ خیبر سے تین دن پہلے ہوا ہے۔

بعض حضرات نے ان اقوال میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ واقعات کے تعدد کی وجہ سے اقوال مختلف ہیں۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، یہ اصل میں سلمہ بن عمرو بن الاکوع رضی اللہ عنہ ہیں، اکوع ان کے دادا کا نام ہے، ان کے والد کا نام عمرو تھا، چنانچہ ان کے ایک چچا کا نام روایت میں عامر بن الاکوع آتا ہے، جیسا کہ غزوۂ خیبر کے بیان میں آنے والا ہے، حدیبیہ کے بیان میں ان کے اصحاب الشجرۃ میں سے ہونے کا ذکر گزرا ہے، گویا یہ بیعت رضوان میں بھی شریک ہوئے ہیں اور غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئے ہیں، نیز غزوۂ ذی القرد کے اصل روح رواں بھی سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ یہ نوجوان تھے اور ان کی دوڑ مثالی تھی، کہا جاتا ہے کہ عرب دنیا میں ان سے بہتر دوڑنے والا کوئی پیدا نہیں ہوا۔ یہاں یہ روایت مختصر ہے مگر صحیح مسلم میں ان کا یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

خَرَجْتُ قَبْلَ أَنْ يُؤَذَّنَ بِالْأُوْلٰى: حضرت سلمہ بن عمرو بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فجر کی اذان سے بھی پہلے تہجد کے وقت میں اپنے گھر اور مدینہ منورہ سے نکلا، **وَكَانَتْ لِقَاحُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْعٰى بِذِيْ قَرَدَ** (لقاح لقحۃ کی جمع ہے، دودھ والی اونٹنی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹیاں ذی قرد جگہ میں چر رہی تھیں۔

فَلَقِيَنِيْ غُلَامٌ لِّعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: میری ملاقات حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے غلام سے ہوئی، یہاں غلام کا نام مذکور نہیں، مسلم شریف کی روایت میں ان کا نام رباح آیا ہے، لیکن مسلم کی روایت میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام کہا ہے، تاہم اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ یہ غلام تو عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے لیے بھی حاضر ہوا کرتے ہوں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔

رباح رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کچھ لوگوں نے حملہ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنیاں لے کر بھاگ گئے ہیں۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کون لوگ تھے؟ انہوں نے کہا کہ غطفان کے لوگ تھے۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تین بار زور سے آواز لگائی: یا صباحاہ! تاکہ اہل مدینہ کو پتا چل جائے کہ

غطفان کے لوگوں نے حملہ کیا ہے اور وہ بھی باہر نکل آئیں، دوسری روایت میں ہے کہ وہ ٹیلے پر چڑھ گئے اور زور سے چیخ لگائی یا صباحاہ! یہ ایک خاص جملہ ہے، جو اس وقت بولا جاتا ہے، جب لوگ سو رہے ہوں اور دشمن نے صبح کے وقت میں اچانک حملہ کر دیا ہو۔

اِنْدَفَعْتُ عَلٰی وَجْھِي: پھر میں اپنے چہرے کے رخ پر یعنی ناک کی سیدھ میں آگے بڑھا اور تنہا دشمن کا تعاقب شروع کر دیا، یہاں تک کہ ان لٹیروں تک پہنچ گیا، وَقَدْ أَخَذُوْا یَسْتَقُوْنَ مِنَ الْمَاءِ اور وہ (کنویں وغیرہ سے) پانی لے رہے تھے، فَجَعَلْتُ أَرْمِیْھِمْ بِنَبْلِي تو میں نے ان پر اپنے تیر برسانا شروع کر دیے، وَ کُنْتُ رَامِیًا اور میں بہترین تیر انداز تھا، اور میں یہ کہہ رہا تھا:

أَنَا ابْنُ الْأَکْوَعْ　　وَالْیَوْمُ یَوْمُ الرُّضَّعْ

اَلْیَوْمُ یَوْمُ الرُّضَّعْ کے دو معانی

رضع، رضیع کی جمع ہے، اس کے دو ترجمے کیے گئے ہیں:

❶ رضیع ایسے کمینے شخص کو کہتے ہیں، جو تھنوں سے منہ لگا کر دودھ پئے، تاکہ کسی کو دودھ نکلنے کی آواز نہ جائے اور وہ اس سے دودھ نہ مانگ لے۔ نفحة العرب میں فرزدق اور جریر کا قصہ مذکور ہے، یہ دونوں ہی بڑے کمال کے شاعر تھے۔ فرزدق عالی النسب تھا، جبکہ جریر عالی النسب نہیں تھا۔ لوگوں نے ایک مرتبہ جریر سے پوچھا کہ تم بڑے شاعر ہو یا فرزدق بڑا شاعر ہے؟ اس نے کہا کہ میرے ساتھ آؤ۔ وہ اسے اپنے ساتھ گھر کے اندر لے گیا، وہاں ایک بوڑھا آدمی تھا جو تھنوں سے منہ لگا کر دودھ پی رہا تھا۔ جریر نے کہا جانتے ہو یہ کون ہے؟ یہ میرا باپ ہے، یہ تھنوں سے اس لیے منہ لگا کر دودھ پی رہا ہے کہ دودھ دوہنے کی آواز کہیں محلے والوں کو نہ چلی جائے اور کہیں وہ دودھ لینے نہ آجائیں۔ مقصد یہ تھا کہ میں ایسے باپ کا بیٹا ہو کر فرزدق کا مقابلہ کر رہا ہوں، تو مجھ سے بڑا شاعر اور کون ہوگا؟

تو رضیع کا ایک مطلب ہے کمینہ، اس صورت میں اَلْیَوْمُ یَوْمُ الرُّضَّعْ کا مطلب یہ ہوگا کہ آج کا دن کمینوں کا دن ہے، یعنی آج کے دن میں تم کمینوں کو سبق سکھاؤں گا۔

❷ رضیع کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس مراد ایسا شخص ہے، جس نے اپنی ماں کا دودھ پیا ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آج پتا چل جائے گا کہ کس نے اپنی ماں کا دودھ پیا ہے اور کس نے اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا؟ اشارہ ہے کہ میں نے اپنی ماں کا دودھ پیا ہے اور میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔

اب دشمن اونٹنی پر سوار تھے، جبکہ یہ پیدل دوڑ رہے تھے، ان کی رفتار ان اونٹنیوں سے بھی تیز بھی تھی، وہ کبھی اونٹنیوں سے دائیں نکل جاتے، کبھی بائیں نکل جاتے، کبھی ان سے آگے نکل کر کسی ٹیلے پر کھڑے ہو جاتے اور وہاں سے ان پر

تیر برساتے، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو یہ آسانی تھی کہ ان کے پاس تیر موجود تھے، جنہیں دور سے پھینکا جاسکتا تھا، جبکہ دشمن کے پاس تلواریں تو تھیں، لیکن تیر نہیں تھے، لہٰذا وہ دور سے ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔

الغرض حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ان لٹیروں کی ناک میں دم کرکے رکھ دیا، ان لٹیروں کے پاس اپنی اونٹنیاں بھی تھیں اور ساتھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنیاں بھی تھیں، وہ بڑے پریشان ہوئے کہ اس آدمی سے کیسے جان چھڑائیں؟ وہ چاہتے تھے کہ یہ قریب آئیں تو ہم تلوار سے ان پر حملہ کریں، لیکن یہ قریب جاتے نہیں تھے، دور دور سے ان پر تیر برساتے تھے، بالآخر ان لٹیروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنیاں ایک ایک کرکے چھوڑنا شروع کیں، تاکہ وہ اس میں مشغول ہوجائیں، لیکن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا، وہ اس اونٹنی کی لگام وغیرہ کو کسی چیز سے باندھتے اور پھر ان کے پیچھے چل پڑتے، اس طرح ایک ایک کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری اونٹنیاں ان سے چھڑ والیں، لیکن ان کا تعاقب نہیں چھوڑا۔ اب ان لٹیروں نے اپنی چادریں گرانا شروع کردیں، تاکہ اونٹ کا بوجھ کچھ کم ہو اور یہ چادریں اٹھانے میں لگیں تو ہم تیزی سے آگے نکل جائیں۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہ کوئی چادر گراتے تو میں اس کے اوپر ایک پتھر رکھ دیتا اور پھر ان کے پیچھے دوڑنا شروع کردیتا اور یہ پتھر اس لیے بھی رکھتا تاکہ پیچھے آنے والے میرے ساتھیوں کو پتا چل جائے کہ میں اس راستے پر جارہا ہوں۔

دوسری طرف ڈاکے کی اطلاع ملنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے پانچ سو یا سات سو آدمی لے کر روانہ ہوئے اور تیزی سے مسافت طے کرکے وہاں پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے روانہ ہونے سے پہلے بھی چند سوار آگے روانہ فرمادیئے تھے، ان لوگوں نے پہلے پہنچ کر ان سے مقابلہ کیا، دو آدمی مشرکین کے مارے گئے اور مسلمانوں میں سے ایک صحابی محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ جن کا لقب اخرم تھا عبدالرحمن بن عیینہ سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے، پھر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، وہ شان دار گھڑسوار تھے، انہوں نے اسے قتل کیا اور اپنے ساتھی کا بدلہ لیا۔

آگے روایت میں ہے کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اے اللہ کے نبی! قَدْ حَمَيْتُ الْقَوْمَ الْمَاءَ میں نے ان لوگوں کو پانی سے روک دیا ہے، اگر آپ ان کے پیچھے لشکر بھیجیں گے تو وہ بآسانی شکست کھاجائیں گے اور گرفتار ہوجائیں گے، کیونکہ ان کا پیاس سے برا حال ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابن اکوع! مَلَكْتَ جب تم مالک تو بن گئے ہو، فَأَسْجِحْ تو اب تم نرمی سے کام لو۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا کام ہوگیا، ہماری اونٹنیاں ہمیں واپس مل گئیں، چادریں بھی مال غنیمت میں مل گئیں، دشمن کا سرغنہ عبدالرحمن فزاری بھی قتل کردیا گیا، اب ان کو چھوڑو مزید ان کا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ہم واپس پلٹے وَيُرْدِفُنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى نَاقَتِهِ اور

آپ ﷺ نے مجھے اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے سوار کیا ہوا تھا، یہاں تک کہ ہم مدینہ آ گئے۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے یہ جملہ بھی ارشاد فرمایا: خیر فرساننا قتادة وخیر رجالنا سلمة بن الأکوع ہمارے شہسواروں میں سب سے بہترین شہسوار قتادہ ہیں اور ہمارے پیدل چلنے والوں میں سب سے بہترین سلمہ بن اکوع ہیں۔

بَابُ غَزْوَةِ خَيْبَرَ

باب: غزوۂ خیبر کا بیان

ذوالقعدہ سن 6 ہجری میں نبی کریم ﷺ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے، مگر قریش مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور عمرہ ادا کرنے سے روک دیا اور پھر صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، جس میں یہ بات بھی طے پائی کہ مسلمان اگلے سال مکہ مکرمہ آئیں گے اور عمرہ ادا کریں گے، نیز اب دس سال تک باہم کوئی جنگ نہیں ہوگی۔ اس معاہدے کے بعد آپ ﷺ واپس مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور راستے میں سورۂ فتح نازل ہوئی، جس میں منجملہ دیگر بشارتوں کے خیبر کی فتح اور اس میں ملنے والے مال غنیمت کی بھی خوشخبری دی گئی: وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔ حدیبیہ سے آپ ﷺ ذوالقعدہ کے آخر یا ذوالحجہ کے شروع میں مدینہ منورہ پہنچ گئے، اس کے تقریباً دو ماہ بعد محرم کے آخری عشرہ میں آپ ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔

غزوۂ خیبر کا پس منظر

یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ حضور ﷺ نے بنونضیر اور بنوقینقاع کے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا تھا تو ان کی بڑی تعداد خیبر میں آباد ہوگئی تھی، خیبر کئی بستیوں اور قلعوں کا مجموعہ تھا، اس لئے بعض مرتبہ اسے خیابیر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، یہودیوں کے جتنے بڑے بڑے سردار تھے ان میں سے ہر ایک نے اپنا قلعہ بنا رکھا تھا اور وہ یہاں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے، گویا خیبر کی ہر بستی مسلمانوں کے خلاف ایک مستقل سازش کا مرکز تھی کہ کبھی قریش کو حملہ کرنے پر اکسا رہے ہیں، تو کبھی مدینہ منورہ کے منافقین کی پیٹھ تھپک رہے ہیں، غرض مسلمانوں کو پریشان کرنے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے تھے۔

صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ایک لحاظ سے چکی کے دو پاٹوں کے درمیان تھے، اس لئے کہ مدینہ کے شمال میں یہودی تھے اور جنوب میں قریش مکہ تھے اور دونوں طرف سے حملوں اور سازشوں کا خطرہ منڈلاتا رہتا تھا۔ جب صلح حدیبیہ کی وجہ سے آپ ﷺ کو جنوب کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوگیا کہ اب یہ کوئی حملہ نہیں کریں گے تو آپ ﷺ نے

مناسب سمجھا کہ اب شمال کی طرف پیش قدمی کی جائے اور مسلمانوں کو یہودیوں کی سازشوں سے امن دلایا جائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، ایک ہی وقت میں چاروں طرف نہیں لڑا جاسکتا، انسان اسباب اختیار کرنے کا مکلف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت بھی یہی رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمینی حقائق اور اسباب کا بھرپور خیال کر کے اس کے مطابق جنگی حکمت عملی اختیار فرماتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش مکہ سے صلح کی، جب ادھر سے اطمینان ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر حملہ کیا، اسی طرح مکہ، خیبر، جب یہ سارے علاقے سن ۸ ہجری تک فتح ہو گئے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن ۹ ھ ہجری میں رومی سلطنت کے خلاف ملک شام کی طرف پیش قدمی فرمائی۔

بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سولہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ، جن میں دو سو سوار تھے اور چودہ سو پیدل تھے، خیبر کی طرف روانہ ہوئے، غزوۂ خیبر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف بحکم قرآنی وہی صحابہ رضی اللہ عنہم روانہ ہوئے، جو صلح حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک تھے اور صلح حدیبیہ میں سارے کے سارے مخلصین، صادقین تھے، اس میں کوئی منافق شریک نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ مکرمہ لے کر روانہ ہو رہے تھے تو منافقین نے کہا تھا کہ وہاں تو قریش اور ان کے حلفاء سارے لوگ جمع ہو جائیں گے اور مل کر مسلمانوں کو ختم کر دیں گے، لہٰذا انہوں نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا، چنانچہ اس سفر میں کوئی منافق اور ضعیف الایمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک نہیں ہوا تھا، بلکہ سارے وہ مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أنتم خير أهل الأرض تم اس وقت زمین والوں میں سب سے بہتر ہو، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں صحیح روایت کے مطابق حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی: اللهم رب السموات وما اظللن ورب الأرضين وما اقللن ورب الشياطين وما اضللن ورب الرياح وما ذرين نسالك خير هذه القرية وخير اهلها وخير ما فيها ونعوذبك من شرها وشر اهلها وشر ما فيها پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اقدموا بسم الله۔ خیبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت پہنچے اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ رات کے وقت حملہ کرنے کی نہیں تھی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کا انتظار کرتے تھے، اگر صبح اذان کی آواز سنائی دیتی تو حملہ نہیں کرتے اور اگر اذان کی آواز سنائی نہ دیتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حملہ کر دیتے تھے، اس لیے خیبر پہنچ کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح تک انتظار کیا، صبح کے وقت جب یہودی اپنے باغات اور کھیتوں میں کام کرنے کے لیے نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور مسلمانوں کے

لشکر کو دیکھا تو پکار اٹھے: محمد و الخمیس اور جا کر قلعوں میں محصور ہوئے، آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: الله اکبر خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرین۔

خیبر کے قلعے

خیبر میں کئی قلعے تھے، رسول اللہ ﷺ ان قلعوں کی طرف بڑھے اور انہیں یکے بعد دیگرے فتح کرتے رہے، ان قلعوں کی تعداد اور ان میں فتح کی ترتیب میں روایات مختلف ہیں لیکن اکثر اہل مغازی نے چھ قلعوں کا ذکر کیا ہے۔

❶ سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح ہوا، اس قلعہ کی فتح میں ایک صحابی محمود بن سلمہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، کنانہ بن ربیع نے قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ ان پر گرایا تھا جس سے وہ شہید ہو گئے۔

❷ اس کے بعد مسلمان قلعہ قموص کی طرف بڑھے، یہ قلعہ تمام قلعوں میں سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم تھا، یہود کا مشہور پہلوان مرحب اسی قلعہ میں تھا، اس قلعہ کا محاصرہ تقریباً بیس روز تک جاری رہا، حضور اکرم ﷺ درد شقیقہ کی وجہ سے خود میدان میں نہ آسکے، آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دے کر بھیجا لیکن اس دن قلعہ فتح نہ ہو سکا، پھر آپ ﷺ نے دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دے کر بھیجا، لیکن اس روز بھی باوجود شدید جنگ کے قلعہ فتح نہ ہو سکا، پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا، جس کا واقعہ آگے روایات میں آرہا ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گئے، یہود کا مشہور پہلوان مرحب یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں اترا۔

قد علمت خیبر انی مرحب   شاکی السلاح بطل مجرب

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، سلاح پوش اور تجربہ کار ہوں

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ (جن کا واقعہ آگے روایت میں آرہا ہے) اس کے مقابلہ میں نکلے۔ مرحب نے ان پر وار کیا، حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی ڈھال سے اس کو روکا، پھر حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے تلوار سے اس پر وار کیا، لیکن تلوار پلٹ کر خود ان کے گھٹنے پر آکر لگی، جس سے وہ شہید ہو گئے، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ رجز پڑھتے ہوئے مرحب کے مقابلے کے لیے خود تشریف لائے۔

أنا الذي سمتني امی حیدره   کلیث غابات کریه المنظره

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے، جنگل کے شیر کی طرح نہایت ہی مہیب ہوں۔

مرحب بڑے جوش سے آیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تلوار اس زور سے ماری کہ اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیئے، پھر مرحب کا بھائی یاسر مقابلے کے لئے آیا، مسلمانوں کی جانب سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جا کر اس کا کام تمام کیا، بالآخر اللہ جل شانہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر قموص کا یہ مضبوط قلعہ فتح فرمایا، اس قلعہ سے بہت سے قیدی مسلمانوں کے

ہاتھ آئے، ان ہی قیدیوں میں بنونضیر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں اور انہیں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

③ قلعہ قموص کو فتح کرنے کے بعد مسلمان قلعہ صعب بن معاذ کی طرف بڑھے، یہاں یہود نے خوراک کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا، مسلمانوں نے اسے آسانی کے ساتھ اس کو بھی فتح کر لیا جس سے لشکر اسلام میں اشیاء خورد ونوش کی کمی کی شکایت دور ہوئی۔

④ اس کے بعد مسلمان قلہ نامی قلعہ کی طرف بڑھے، یہ پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، یہ قلعہ بھی کافی مستحکم تھا، تین روز تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا محاصرہ جاری رکھا، اس اثناء میں ایک یہودی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر آپ ایک ماہ بھی ان کا محاصرہ کئے رہیں تب بھی یہ قلعہ فتح نہیں ہوگا کیونکہ کھانے کا سامان ان کے پاس وافر مقدار میں موجود ہے اور پانی یہ لوگ رات کے وقت اتر کر چوٹی کے دامن میں واقع چشمے سے بھر لیتے ہیں، لہٰذا اگر آپ قلعہ کو فتح کرنا چاہتے ہیں تو ان کے پانی کا راستہ بند کر دیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا پانی بند کر دیا جس کی وجہ سے مجبور ہو کر وہ لوگ باہر جنگ کے لیے نکلے، چنانچہ جنگ ہوئی اور تقریباً دس یہودی مارے گئے اور بعض مسلمان بھی شہید ہوئے اور بالآخر قلعہ پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔

⑤، ⑥ اس کے بعد مسلمانوں نے دوسرے چھوٹے قلعوں کو بھی فتح کر لیا اور سب سے آخر میں قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم کی طرف متوجہ ہوئے، یہود دوسرے قلعوں سے نکل کر ان دو میں جمع ہو گئے تھے، مسلمانوں نے تقریباً چودہ دن ان دو قلعوں کا محاصرہ جاری رکھا، بالآخر یہود نے مجبور ہو کر سلام بن ابی الحقیق کو صلح کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صلح تو ہو سکتی ہے لیکن شرط یہ ہوگی کہ ① خیبر کو خالی کرنا پڑے گا، ② دوسری شرط یہ ہوگی کہ یہاں سے نہ سونا ساتھ لے جا سکتے ہو اور نہ چاندی، ③ تیسری شرط یہ ہے کہ کوئی ہتھیار اور سامان حرب اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی چیز چھپانے کی اجازت ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تمام باتوں کو یہودیوں نے قبول کیا لیکن پھر بدعہدی کرتے ہوئے زیورات کے ایک تھیلے کو کہیں چھپا دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنانہ بن الربیع کو بلایا اور اس تھیلے کے بارے میں اس سے دریافت کیا، کنانہ نے کہا کہ وہ تو لڑائی میں خرچ ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں مال زیادہ تھا جبکہ لڑائی کی مدت اتنی طویل نہیں رہی، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دو اور یہودیوں سے بھی دریافت کیا لیکن کسی نے حقیقت ظاہر نہیں کی، بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری صحابی کو حکم دیا کہ تم جا کر فلاں درخت کی جڑ کھودو، وہ تھیلا وہاں ہے، چنانچہ وہ گئے، وہاں زمین کھودی تو دس ہزار دینار کی قیمت پر مشتمل زیورات کا تھیلا وہاں سے برآمد ہوا، چونکہ ان لوگوں نے مال چھپا کر شرائط صلح کی

خلاف ورزی کی تھی اس لیے ان کو قتل کر دیا گیا، کنانہ بن الربیع تو اس لیے بھی قتل کا مستحق تھا کہ اس نے قلعہ ناعم کی فتح کے وقت محمود بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

خیبر کے قریب فدک کا علاقہ بھی تھا، اہل فدک کو جب اطلاع ملی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خیبر فتح کر لیا ہے، تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پیغام بھیجا جس میں انہوں نے صلح کے لیے آمادگی ظاہر کی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اہل فدک سے نصف اموال پر صلح کر لی اور فرمایا کہ جب بھی ہم چاہیں گے تو تمہیں نکال دیں گے اور اس طرح فدک بھی فتح ہو گیا۔ غزوۂ خیبر میں تقریباً چودہ یا پندرہ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور تقریباً انتیس یہودی مارے گئے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ

أَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتَّى إِذَا

سوید بن نعمان ؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خیبر کے لیے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نکلے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ مِنْ أَدْنَى خَيْبَرَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعَا بِالْأَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيقِ فَأَمَرَ

جب ہم مقام صہباء میں پہنچے جو خیبر کے قریب ہے تو آپ نے عصر کی نماز پڑھی پھر آپ نے توشہ سفر منگوایا۔ ستو کے سوا اور کوئی چیز نہیں لائی گئی۔ وہ ستو آپ کے حکم سے بھگویا گیا

بِهِ فَثُرِّيَ فَأَكَلَ وَأَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

اور وہی آپ نے کھایا اور ہم نے بھی کھایا۔ پھر مغرب کی نماز کے لیے آپ کھڑے ہوئے آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی، پھر نماز پڑھی اور نئے سرے سے وضو نہیں کیا۔

فَأَكَلَ وَأَكَلْنَا: معلوم ہوا کہ کھانے میں نہ روٹی تھی، نہ سالن تھا، صرف ستو تھا اور اسی پر گزارا کیا گیا، یہ رزق کی تنگی تھی، جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خیبر کی فتح کے بعد فراخی میں تبدیل فرما دیا۔

فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ: پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔ حالانکہ ستو بھی بھنی ہوئی چیز ہے، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے کھا کر وضو نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ اکل مماست النار کی وجہ سے وضو لازم نہیں ہوتا، اس لئے وضوء مما مست النار کا جو حکم بعض روایات میں آیا ہے، وہ یا تو منسوخ ہے یا اس سے وضوء شرعی مراد نہیں ہے بلکہ وضوء لغوی مراد ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَيْبَرَ

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف نکلے۔

فَسِرْنَا لَيْلًا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ لِعَامِرٍ يَا عَامِرُ أَلَا تُسْمِعُنَا مِنْ هُنَيْهَاتِكَ؟ وَكَانَ عَامِرٌ

رات کے وقت ہمارا سفر جاری تھا کہ ایک صاحب نے عامر سے کہا: عامر! کیا ہمیں اپنے کچھ شعر نہیں سناؤ گے، عامر شاعر تھے۔

رَجُلًا شَاعِرًا فَنَزَلَ يَحْدُو بِالْقَوْمِ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا

اس فرمائش پر وہ سواری سے اتر کر حدی خوانی کرنے لگے۔ کہا "اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہمیں سیدھا راستہ نہ ملتا، نہ ہم صدقہ کر سکتے

وَلَا صَلَّيْنَا فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا أَبْقَيْنَا وَ ثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَّاقَيْنَا وَأَلْقِيَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا إِنَّا
اور نہ ہم نماز پڑھ سکتے، پس ہماری جلدی مغفرت کر، جب تک ہم زندہ ہیں ہماری جانیں تیرے راستے میں فدا ہیں اور ہم پر سکینت نازل فرما اور اگر ہماری مڈبھیڑ ہوجائے تو ہمیں

إِذَا صِيْحَ بِنَا أَبَيْنَا وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوْا عَلَيْنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هٰذَا
ثابت قدم رکھ ہمیں جب (باطل کی طرف) بلایا جاتا ہے تو ہم انکار کر دیتے ہیں، آج چلا چلا کر وہ ہمارے خلاف میدان میں آئے ہیں" نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کون سواریوں کو

السَّائِقُ؟ قَالُوْا عَامِرُ بْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ يَرْحَمُهُ اللهُ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ وَجَبَتْ يَا نَبِيَّ اللهِ
دوڑا رہا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ عامر بن اکوع ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ ایک صاحب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس پر تو واجب ہوگئی

لَوْ لَا أَمْتَعْتَنَا بِهِ فَأَتَيْنَا خَيْبَرَ فَحَاصَرْنَاهُمْ حَتّٰى أَصَابَتْنَا مَخْمَصَةٌ شَدِيْدَةٌ ثُمَّ إِنَّ اللهَ تَعَالٰى
کاش! ابھی اور ہمیں ان سے فائدہ اٹھانے دیتے۔ پھر ہم خیبر آئے اور قلعہ کا محاصرہ کیا، اس دوران ہمیں سخت فاقوں سے گزرنا پڑا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی۔

فَتَحَهَا عَلَيْهِمْ فَلَمَّا أَمْسَى النَّاسُ مَسَاءَ الْيَوْمِ الَّذِيْ فُتِحَتْ عَلَيْهِمْ أَوْقَدُوْا نِيْرَانًا كَثِيْرَةً
جس دن قلعہ فتح ہونا تھا، جب رات ہوئی تو لشکر میں جگہ جگہ آگ جل رہی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذِهِ النِّيْرَانُ؟ عَلٰى أَيِّ شَيْءٍ تُوْقِدُوْنَ؟ قَالُوْا عَلٰى لَحْمٍ
کہ یہ آگ کیسی ہے؟ کس چیز پر اسے جلا رہے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ گوشت پکانے کے لیے،

قَالَ عَلٰى أَيِّ لَحْمٍ؟ قَالُوْا لَحْمِ حُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْرِيْقُوْهَا
آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کس جانور کا گوشت ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ پالتو گدھوں کا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام گوشت پھینک دو

وَاكْسِرُوْهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَوْ نُهَرِيْقُهَا وَنَغْسِلُهَا؟ قَالَ أَوْ ذَاكَ فَلَمَّا تَصَافَّ الْقَوْمُ
اور ہانڈیوں کو توڑ دو۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا نہ کر لیں کہ گوشت تو پھینک دیں اور ہانڈیوں کو دھولیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یوں ہی کر لو پھر جب

كَانَ سَيْفُ عَامِرٍ قَصِيْرًا فَتَنَاوَلَ بِهِ سَاقَ يَهُوْدِيٍّ لِيَضْرِبَهُ وَ يَرْجِعُ ذُبَابُ سَيْفِهِ فَأَصَابَ
جنگ کے لیے صف بندی ہوئی تو عامر رضی اللہ عنہ کی تلوار چھوٹی تھی، اس لیے انہوں نے جب ایک یہودی کی پنڈلی پر وار کرنا چاہا تو خود انہیں کی تلوار کی دھار سے

عَيْنَ رُكْبَةِ عَامِرٍ فَمَاتَ مِنْهُ قَالَ فَلَمَّا قَفَلُوْا قَالَ سَلَمَةُ رَآنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
ان کے گھٹنے کا اوپر کا حصہ زخمی ہوگیا اور ان کی شہادت اسی میں ہوگئی۔ پھر جب لشکر واپس ہو رہا تھا تو سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے آپ ﷺ نے دیکھا

وَسَلَّمَ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِيْ قَالَ مَا لَكَ؟ قُلْتُ لَهُ فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ زَعَمُوْا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ
اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عامر رضی اللہ عنہ کا سارا عمل اکارت ہوگیا۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبَ مَنْ قَالَهُ وَ إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ وَجَمَعَ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ إِنَّهُ
آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو یہ کہہ رہا ہے وہ جھوٹا ہے، انہیں تو دوہرا اجر ملے گا، پھر آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ایک ساتھ ملایا، انہوں نے تکلیف اور مشقت بھی اٹھائی

لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ قَلَّ عَرَبِيٌّ مُشَابِهًا مِثْلَهُ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ قَالَ نَشَأَ بِهَا
اور اللہ کے راستے میں جہاد بھی کیا، شاید ہی کوئی عربی ہو، جس نے ان جیسی مثال قائم کی ہو۔ ہم سے قتیبہ نے بیان کیا' ان سے حاتم نے مشی بھا کی بجائے نشأ بھا نقل کیا ہے

اس روایت میں عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے، حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے چچا تھے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عمرو ہے، لیکن عام طور پر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کے دادا کی طرف کر کے سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں، الاکوع لقب ہے، ان کا نام سنان تھا۔

أَلَا تُسْمِعُنَا مِنْ هُنَيْهَاتِكَ؟: **هنيهات**، **هنيهة** کی جمع ہے اور **هنيهة** **هنة** کی تصغیر ہے، یہاں **هنيهات** سے

مراد رجزیہ اشعار ہیں۔حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے کسی آدمی نے کہا کہ آپ ہمیں کچھ رجزیہ اشعار نہیں سنائیں گے۔وجہ یہ ہے کہ سفر میں کوئی آدمی اگر کچھ نشاط طبع کی بات کرلے،کوئی لطیفہ سنا دے،کوئی اشعار سنا دے،تو سفر کی مشقت محسوس نہیں ہوتی،سفر آسانی اور راحت کے ساتھ گزر جاتا ہے۔روایات میں آتا ہے،ترمذی جلد ثانی میں روایت ہے کہ سفر چل رہا تھا،نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک صحابی نے ایک شعر سنایا،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور سناؤ،پھر دوسرا سنایا،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اور سناؤ،چنانچہ تیسرا سنایا،یہاں تک کہ انہوں نے اس رات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امیہ بن ابی صلت کے سو اشعار سنا دیئے،لہٰذا سفر میں وقت گزارنے کے لیے یا نشاط طبع کے لیے آدمی اگر اشعار پڑھ لے یا سن لے تو یہ تقویٰ یا زہد کے خلاف نہیں،البتہ اعتدال ضروری ہے۔

وَكَانَ عَامِرٌ رَجُلًا شَاعِرًا: عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے جب اشعار کا مطالبہ کیا گیا تو وہ سواری سے نیچے اتر آئے اور قوم کے سامنے حدی خوانی شروع کردی۔

حدا یحدو کا مطلب ہے:اشعار کو ایک خاص لہجے اور ترنم سے پڑھنا۔اردو میں اسے حدی کہا جاتا ہے،اس حدی کا انسان تو انسان،جانوروں پر بھی اثر ہوتا ہے،چنانچہ اونٹوں کے سامنے اگر ایک خاص لہجے میں اشعار پڑھے جائیں تو وہ اونٹ جوش میں آجاتے ہیں اور اپنی رفتار تیز کردیتے ہیں۔آگے ایک روایت میں آئے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اے انجشہ!ذرا ٹھہر جاؤ،رفقا بالقواریر ان شیشیوں (یعنی نازک عورتوں) کے ساتھ نرمی کرو،یعنی تم حدی پڑھ کر اتنی تیز اونٹنیاں مت دوڑاؤ کہ اس سے عورتوں کو تکلیف ہوگی۔

موسیقی کو شریعت نے جو ناجائز قرار دیا،یا شراب کو ناجائز قرار دیا،اس کی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اس میں غیر معمولی تاثیر ہوتی ہے،آدمی جب شراب پیتا ہے تو اس کا دماغ اور عقل متاثر ہوجاتی ہے اور آدمی اپنے آپے میں نہیں رہتا،اسی طرح موسیقی میں بھی غضب کی تاثیر ہے،آدمی کی کیفیت ہی بدل جاتی ہے۔چنانچہ شریعت نے ان کو حرام قرار دیا تاکہ آدمی کی عقل محفوظ رہے،البتہ اگر آلات استعمال نہ کیے جائیں،صرف گنگنا کر ترنم کے ساتھ اشعار پڑھ لیے جائیں اور وہ اشعار بے حیائی پر مشتمل نہ ہوں تو اس کی اجازت ہے،یہ ناجائز نہیں ہے۔

الغرض!یہاں روایت میں ہے کہ حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سفر کی طوالت اور طبیعت کا ملال ختم کرنے کے لیے حدی پڑھنے لگے،اب جب حدی پڑھنا شروع کی تو اونٹوں کی رفتار بھی تیز ہونے لگی،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:**مَنْ هٰذَا السَّائِقُ؟** یہ اونٹوں کو دوڑانے والا کون ہے؟یعنی کون اتنی شاندار حدی پڑھ کر اونٹوں کو مست کررہا ہے اور انہیں تیزی سے دوڑا رہا ہے!؟لوگوں نے کہا:عامر بن اکوع ہیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعا دی اور فرمایا:**يَرْحَمُهُ اللهُ** اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔میدان جنگ میں یا جنگ کے قریب اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو رحمک اللہ یا رحمہ اللہ

فرماتے تو یہ اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ یہ آدمی جنگ میں شہادت کا درجہ پائے گا اور اللہ تعالی اسے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیں گے، کیونکہ اصل اور کامل رحمت آخرت ہی کی ہے، دنیا میں اللہ تعالی کی رحمت پوری نہیں ہوسکتی۔ تو جب آپ ﷺ نے عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کو یہ دعا دی تو قوم کے ایک آدمی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے کہا: وَجَبَتْ يَا نَبِيَّ اللهِ، اے اللہ کے نبی! اس کے لیے تو جنت کی ہوگئی، آپ نے اس کو رحمت کی دعا دی، اس کا مطلب ہے کہ یہ شہید ہوجائیں گے، لَوْلَا أَمْتَعْتَنَا بِهِ، کہ اب تو ان کی شہادت ہوجائے گی، ہم ان کی صحبت سے محروم ہوجائیں گے تو ایسا کیوں نہیں ہے کہ ہم ان سے مزید کچھ عرصہ نفع اٹھاتے رہتے۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کی اپنے بھائی کے فراق پر غم وحسرت تھی۔

بہرحال حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خیبر پہنچے اور ہم نے خیبر کا محاصرہ کرلیا، حَتّٰى أَصَابَتْنَا مَخْمَصَةٌ شَدِيْدَةٌ یہاں تک کہ ہمیں سخت بھوک پہنچی، ثُمَّ إِنَّ اللهَ تَعَالٰى فَتَحَهَا عَلَيْهِمْ پھر اللہ تعالیٰ نے اس خیبر کو ہمارے اوپر فتح کیا، یعنی خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح ہوا، کیونکہ خیبر میں کئی قلعے تھے اور آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے یکے بعد دیگرے تمام قلعوں کو فتح کیا۔

الغرض، جب پہلا قلعہ فتح ہوا، أَوْقَدُوْا نِيْرَانًا كَثِيْرَةً تو لوگوں نے بہت آگ جلائی، تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ یہ آگ کیسی ہے؟ لوگ کیا پکا رہے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کہ گوشت پکا رہے ہیں، فرمایا کس سے چیز کا گوشت ہے؟ بتایا کہ پالتو گدھوں کا گوشت ہے، (کیونکہ اس وقت تک گدھوں کے گوشت کھانے کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔) آپ ﷺ نے فرمایا: أَهْرِيْقُوْهَا تم ان ہانڈیوں کو بہادو، وَاكْسِرُوْهَا اور ان کو توڑ دو کیونکہ ان ہانڈیوں کے اندر حرام گوشت پکا ہے، جس کی وجہ سے کسی درجے میں ان کے اندر نجاست سرایت کرگئی ہے، تو ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! أَوْ نُهَرِيْقُهَا وَنَغْسِلُهَا؟ کیا ہم اس کو بہادیں اور ان ہانڈیوں کو دھودیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أَوْ ذَاكَ اگر یہ کرنا چاہو تو یہ بھی کرسکتے ہو۔

معلوم ہوا کہ وہ برتن جس میں حرام غذا استعمال کی گئی ہو، مثلاً حرام گوشت یا پینے کی کوئی حرام چیز شراب وغیرہ، تو بہتر یہ ہے کہ وہ برتن استعمال ہی نہ کیا جائے اور اسے توڑ دیا جائے، البتہ اگر توڑنے میں نقصان کا ڈر ہو یا یہ کہ دوسرا برتن میسر نہ ہو، جیسا کہ یہاں حالت جنگ تھی، تو وہاں اگر ان برتنوں کو دھوکر استعمال کرلیا جائے تو شرعاً اس کی بھی اجازت ہے۔

فَلَمَّا تَصَافَّ الْقَوْمُ جب قوم نے صف بنائی یعنی کا فرسامنے تھے اور مسلمانوں نے ان کے مقابل صف بنائی، تو یہودیوں کا ایک پہلوان مرحب تھا وہ مقابلے کے لیے باہر نکلا اور مسلمانوں میں سے اس کے مقابلے کے لیے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، لیکن ان کی تلوار چھوٹی تھی، فَتَنَاوَلَ بِهِ سَاقَ يَهُوْدِيٍّ لِيَضْرِبَهُ انہوں نے اپنی تلوار سے اس یہودی کی پنڈلی پر وار کرنا چاہا، لیکن ان کو صحیح اندازہ نہ ہوسکا اور وہ تلوار پوری قوت کے ساتھ واپس پلٹی

وَيَرْجِعُ ذُبَابُ سَيْفِهِ فَأَصَابَ عَيْنَ رُكْبَةِ عَامِرٍ اور حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے اپنے گھٹنے پر آ کر لگی، جس سے ان کے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی، پانی اور خون نکلنے لگا، فَمَاتَ مِنْهُ اور اسی سے ان کا انتقال ہو گیا۔

جب لوگ خیبر سے واپس پلٹے تو سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا اور آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور فرمایا: مَا لَكَ؟ اے سلمہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم اتنے غمگین کیوں نظر آ رہے ہو؟ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو دو باتوں کا غم تھا، ایک بات یہ تھی کہ ان کے چچا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، ان کی جدائی کا غم تھا، دوسری بات یہ تھی کہ لوگ کہہ رہے تھے کہ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوئے ہیں، اس لیے کہ شہادت تو اس وقت ہوتی ہے جب کافر کی تلوار سے موت واقع ہوئی ہو اور وہ تو خود اپنی تلوار سے فوت ہوئے ہیں، یہ تو گویا خودکشی ہے جو کہ سخت گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔ ان دو باتوں کی وجہ سے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ غمگین تھے۔

چنانچہ انہوں نے عرض کیا: فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ عامر کا سارا عمل ضائع ہو گیا ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كَذَبَ مَنْ قَالَهُ جس سے نے یہ بات کہی ہے، اس نے جھوٹ بولا ہے (کذب سے مراد: ما لا یکون مطابقا للواقع) وجہ یہ ہے کہ خودکشی تو اس وقت ہوتی ہے، جب آدمی کا ارادہ خود اپنے آپ کو قتل کرنے کا ہو اور اس میں حبط اعمال کا اندیشہ ہے، لیکن اگر کسی آدمی کا مقصد اپنے آپ کو مارنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد کافر کو مارنا ہے مثلاً کافر پر تیر چلایا یا کافروں پر توپ کا گولہ پھینکنے لگا، لیکن وہ گولہ وہیں پھٹ گیا اور اس میں اس کا انتقال ہو گیا، تو اس کو خودکشی نہیں کہا جائے گا۔ اب عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بھی وہ تلوار اپنے آپ کو قتل کرنے کے لیے ہرگز نہیں چلائی تھی بلکہ انہوں نے یہودی پر وار کیا تھا، صرف اندازے کی غلطی کی وجہ سے وہ یہودی کی ٹانگ پر نہیں لگ سکی اور پلٹ کر ان کے اپنے گھٹنے پر آ کر لگ گئی اور اس میں ان کا انتقال ہو گیا، اس لیے یہ خودکشی نہیں ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو یہ بات کہہ رہے ہیں، وہ سراسر غلط کہہ رہے ہیں۔

إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بشارت بھی دی کہ عامر بن اکوع کے لیے تو دگنا اجر ہے، اور آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو جمع کر کے یہ بات ارشاد فرمائی: إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ بے شک وہ تو جہاد کرنے والے اور مجاہد تھے، کم ہی کوئی عربی ہوگا، جو ان کے مشابہ ہو، یعنی یہ بڑے زبردست عربی تھے، مجاہد تھے، شاعر اسلام تھے، اللہ کے رستے میں انہوں نے قتال کیا اور ان کا ارادہ اپنے آپ کو مارنے کا نہیں تھا بلکہ اندازے کی غلطی تھی، اس کا ان کو کوئی گناہ نہیں ہے، نہ ان کے ثواب میں کوئی کمی ہے بلکہ ان کے نیک اعمال کے سبب دگنا ثواب ہے۔

قَلَّ عَرَبِيٌّ میں تین صورتیں: یہاں جو قل عربی مشابها مثله ہے، اس کو مشابها مثله اور مشی بها مثله دونوں

طرح پڑھا گیا ہے۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کم ہی کوئی عربی ہوگا، جو ان کے مشابہ ہو اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہوگا کم ہی کوئی عربی ہوگا، جو زمین پر ان جیسا چلا ہوا، یعنی زمین پر ان جیسا چلنے والا مجاہد کم ہی پیدا ہوتا ہے۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ قَالَ نَشَأَ بِهَا نیز اس میں ایک تیسری روایت نشأ بها بھی ہے، اس صورت میں مطلب ہوگا کم ہی کوئی عربی ہے، جو زمین میں ان جیسا پیدا ہوا ہو اور پروان چڑھا ہوا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى خَيْبَرَ لَيْلًا وَكَانَ إِذَا أَتَى قَوْمًا
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خیبر رات کے وقت پہنچے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کسی قوم پر حملہ کرنے کے لیے

بِلَيْلٍ لَمْ يَقْرَبْهُمْ حَتَّى يُصْبِحَ فَلَمَّا أَصْبَحَ خَرَجَتِ الْيَهُودُ بِمَسَاحِيهِمْ وَ مَكَاتِلِهِمْ
رات کے وقت پہنچتے تو فوراً ہی حملہ نہیں کرتے بلکہ جب صبح ہو جاتی تب حملہ کرتے تھے۔ چنانچہ صبح کے وقت یہودی اپنے کلہاڑے اور ٹوکرے لے کر باہر نکلے

فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا مُحَمَّدٌ وَاللهِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لیکن جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو شور کرنے لگے کہ محمد، اللہ کی قسم! محمد لشکر لے کر آ گئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ
کہ خیبر برباد ہوا، ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر جاتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔

یہ بات پہلے بھی ذکر کی گئی کہ آپ ﷺ کی عام عادت مبارکہ یہ تھی کہ جنگ کے موقع پر آپ ﷺ نماز فجر اندھیرے میں پڑھتے اور پھر فوراً حملہ کر دیتے تھے اور اگر کسی وجہ سے اس وقت میں حملہ نہ کریں تو پھر ظہر کا انتظار فرماتے تھے اور یہ فرماتے تھے حين تهب رياح النصر کہ اس وقت میں مدد کی ہوائیں چلتی ہیں۔

خَرَجَتِ الْيَهُودُ بِمَسَاحِيهِمْ وَ مَكَاتِلِهِمْ: یہودی اپنے کلہاڑے اور ٹوکرے لے کر باہر نکلے، المساحی مسحاة کی جمع ہے کلہاڑے کو کہتے ہیں اور مکاتل مکتل کی جمع ہے تھیلے اور ٹوکرے کو کہتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ: لشکر کو خمیس اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ لشکر عام طور پر پانچ حصوں میں تقسیم ہوتا ہے:

❶ مقدمة الجيش (اگلا حصہ) ❷ ميمنة (دایاں حصہ) ❸ ميسرة (بایاں حصہ) ❹ ساقة (پچھلا حصہ)

❺ اور بیچ میں قلب، جس میں امیر ہوتا ہے۔

أَخْبَرَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ صَبَّحْنَا خَيْبَرَ بُكْرَةً فَخَرَجَ أَهْلُهَا بِالْمَسَاحِي فَلَمَّا
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خیبر صبح کے وقت پہنچے، خیبر کے رہنے والے یہودی اپنے پھاوڑے وغیرہ لے کر باہر آئے

بَصُرُوا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا مُحَمَّدٌ وَاللهِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى
لیکن جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو چلانے لگے: محمد! اللہ کی قسم محمد (ﷺ) لشکر لے کر آ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ
کہ اللہ کی ذات سب سے بلند و برتر ہے۔ یقیناً جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر جائیں تو پھر ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔

فَأَصَبْنَا مِنْ لُحُومِ الْحُمُرِ فَنَادَى مُنَادِي النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ وَ رَسُوْلَهُ
پھر ہمیں وہاں گدھے کا گوشت ملا تو آپ ﷺ کی طرف سے اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ اللہ اور اس کے رسول

يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ فَإِنَّهَا رِجْسٌ
تمہیں گدھے کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں کہ یہ ناپاک ہے۔

صَبَّحْنَا خَيْبَرَ بُكْرَةً: اس روایت میں مذکور ہے کہ ہم خیبر صبح کے وقت پہنچے جبکہ ماقبل کی روایت میں مذکور تھا کہ مسلمانوں کا لشکر رات کے وقت خیبر پہنچا تھا تو بظاہر تعارض ہے، محدثین کرام اس تعارض کو رفع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لشکر رات ہی کو خیبر پہنچ گیا تھا مگر کچھ فاصلہ پر رات گزار کر صبح کو حملہ کے لئے میدان میں آیا تھا، اس لئے حقیقت میں کوئی تعارض نہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ جَاءٍ فَقَالَ أُكِلَتِ
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک آنے والے نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ گدھے کا گوشت کھایا جا رہا ہے۔

الْحُمُرُ؛ فَسَكَتَ ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ فَقَالَ أُكِلَتِ الْحُمُرُ؛ فَسَكَتَ ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ أُفْنِيَتِ
اس پر آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی پھر وہ دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ گدھے کا گوشت کھایا جا رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ اس مرتبہ بھی خاموش رہے، پھر وہ تیسری مرتبہ آئے

الْحُمُرُ؛ فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى فِي النَّاسِ إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ
اور عرض کیا کہ گدھے ختم ہو گئے۔ تو آپ ﷺ نے ایک منادی کو حکم دیا تو اس نے اعلان کیا کہ اللہ اور اس کے رسول تمہیں پالتو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے منع کرتے ہیں۔

فَأُكْفِئَتِ الْقُدُوْرُ وَإِنَّهَا لَتَفُوْرُ بِاللَّحْمِ
چنانچہ تمام ہانڈیاں الٹ دی گئیں حالانکہ وہ گوشت کے ساتھ جوش مار رہی تھیں۔

مذکورہ بالا دو روایتوں میں حمر اهلية (پالتو گدھے) کی حرمت بیان کی گئی ہے، حمر کی دو قسمیں ہیں: حمر اهلية اور حمر وحشية، حمر وحشية (زیبرا) کا گوشت بالاتفاق جائز ہے، جیسا کہ حدیبیہ کے بیان میں گزرا کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے حمار وحشی کا شکار کیا تھا اور حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس گوشت کو کھایا تھا، حمر اهلية کا گوشت جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام کے نزدیک حرام ہے، البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں اس کی حلت منقول ہے۔

حمر اهلية (پالتو گدھے) کی حرمت کی مختلف علتیں بیان کی گئی ہیں، کسی نے یہ علت بیان کی کہ یہ سواری اور بار برداری کا جانور ہے، اگر اس کا گوشت کھانا شروع کر دیا جائے گا تو سواری اور بار برداری کے کام میں مشکل پیش آئے گی، کسی نے کہا کہ چونکہ یہ گندگی کھاتا ہے اس وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے لیکن اصل علت وہی ہے جو حدیث مذکور

میں بیان کی گئی ہے **فَإِنَّهَا رِجْسٌ** کہ یہ نجس ہے اس وجہ سے حرام ہے۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ قَرِيبًا مِنْ خَيْبَرَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صبح کی نماز خیبر کے قریب پہنچ کر اندھیرے میں ادا کی،

بِغَلَسٍ ثُمَّ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ

پھر فرمایا: اللہ کی ذات سب سے بلند و برتر ہے۔خیبر برباد ہوا، یقیناً جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر جاتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔

فَخَرَجُوا يَسْعَوْنَ فِي السِّكَكِ فَقَتَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُقَاتِلَةَ وَسَبَى الذُّرِّيَّةَ

پھر یہودی گلیوں میں دوڑتے ہوئے نکلے۔آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنگ کرنے والے لوگوں کو قتل کرا دیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔

وَكَانَ فِي السَّبْيِ صَفِيَّةُ فَصَارَتْ إِلَى دِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ ثُمَّ صَارَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قیدیوں میں ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں۔ پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آ گئیں۔

فَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا فَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ لِثَابِتٍ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ آنْتَ قُلْتَ لِأَنَسٍ

چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا اور مہر میں انہیں آزاد کر دیا۔عبدالعزیز بن صہیب نے ثابت سے پوچھا: ابو محمد! کیا تم نے حضرت انس سے یہ پوچھا تھا

مَا أَصْدَقَهَا فَحَرَّكَ ثَابِتٌ رَأْسَهُ تَصْدِيقًا لَهُ

کہ نبی کریم ﷺ نے صفیہؓ کو مہر کیا دیا تھا؟ ثابت نے اثبات میں سر ہلایا۔

حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ قَالَ

سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ سَبَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَفِيَّةَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے قیدیوں میں سے تھیں پھر آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا تھا۔

فَأَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَقَالَ ثَابِتٌ لِأَنَسٍ مَا أَصْدَقَهَا؟ قَالَ أَصْدَقَهَا نَفْسَهَا فَأَعْتَقَهَا

ثابت رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں مہر کیا دیا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ خود انہیں کو ان کے مہر میں دیا تھا یعنی انہیں آزاد کر دیا تھا۔

وَكَانَ فِي السَّبْيِ صَفِيَّةُ: غزوۂ خیبر میں جب قلعہ قموص فتح ہوا تو اس میں صفیہ بنت حی بن اخطب اور ان کی دو چچا زاد بہنیں بھی قید ہوئیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا یہودی سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں سے تھیں اور جب نبی کریم ﷺ خیبر پر حملہ آور ہوئے تو اس وقت یہ کنانہ بن ربیع کے نکاح میں تھیں۔

جب خیبر میں مسلمانوں کو فتح ملی تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور آ کر عرض کیا کہ مجھے کوئی باندی عطا فرما دیجئے، آپ ﷺ نے کہا کہ جا کر لے لو، چنانچہ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا، چونکہ یہ سردار کی بیٹی اور سردار کی بیوی تھیں اور ان کا شوہر کنانہ بن ربیع اس جنگ میں مارا گیا تھا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یہ سردار کی بیٹی ہیں اس لئے یہ آپ ہی کے پاس ہونی چاہئے تاکہ کسی کو بھی اعتراض نہ ہو، آپ ﷺ کو بھی یہ رائے مناسب معلوم ہوئی، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو واپس لے لیا اور اس کے بدلے میں انہیں کئی باندیاں عطا کیں، جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر نیلا داغ تھا، اس کی وجہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بتائی کہ چند روز پہلے میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ چاند میری گود میں آ گیا ہے، جب میں نے اپنے شوہر کنانہ سے اس خواب کا ذکر کیا تو اس نے مجھے طمانچہ مارا کہ تو بادشاہ مدینہ کی تمنا کرتی ہے، حالانکہ مجھے آپ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام زینب تھا، چونکہ مال غنیمت میں سے کوئی چیز اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص کر دی جائے تو اسے صفی کہتے ہیں اس وجہ سے یہ صفیہ کے نام سے مشہور ہوئیں، جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں آ گئیں تو مسند احمد کی روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پیشکش کی کہ اگر تم چاہو تو تمہیں آزاد کر کے تمہارے گھر والوں کے پاس بھیج دوں اور اگر تم چاہو تو پھر میں تم سے نکاح کر لوں تو انہوں نے دوسری صورت یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کرنے کو ترجیح دی، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا، فَجَعَلَ عِتْقَهَا صِدَاقَهَا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر ان کی آزادی کو مقرر فرمایا۔

اس واقعہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ استدلال فرماتے ہیں کہ آزادی کو بھی مہر بنایا جا سکتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اعتاق کو مہر کے طور پر متعین نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ اعتاق میں زوال ملک ہے، جو مال نہیں ہے اور قرآن مجید نے مہر کے بارے میں کہا ہے: أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم (تم (بیویوں) کو مال دے کر ان سے نکاح کرو)۔ لہٰذا احناف کے نزدیک اعتاق کو مہر متعین نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں جو روایت میں آ رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اعتاق کو ان کا مہر متعین کیا، اس کی دو توجیہ کی گئی ہیں:

❶ ایک یہ کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی، جیسا کہ سورۂ احزاب میں ہے: وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔

❷ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو مکاتبہ بنایا اور پھر بدل کتابت کو مہر مقرر فرمایا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْتَقَى هُوَ

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین (یعنی) یہود خیبر سے مقابلہ کیا۔

وَالْمُشْرِكُونَ فَاقْتَتَلُوا فَلَمَّا مَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَسْكَرِهِ وَمَالَ

دونوں طرف سے لوگوں نے جنگ کی، پھر جب آپ اپنے خیمے کی طرف واپس ہوئے اور یہودی بھی

الْآخَرُونَ إِلَى عَسْكَرِهِمْ وَفِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ لَا يَدَعُ لَهُمْ

اپنے خیموں میں واپس چلے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں میں ایک آدمی تھا کہ اسے یہودیوں کا کوئی بھی آدمی اگر مل جائے تو وہ اس کا پیچھا کر کے

شَاذَّةً وَّلَا فَاذَّةً إِلَّا اتَّبَعَهَا يَضْرِبُهَا بِسَيْفِهِ فَقَالَ مَا أَجْزَأَ مِنَّا الْيَوْمَ أَحَدٌ كَمَا أَجْزَأَ فُلَانٌ

اسے قتل کئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ تو کہا گیا کہ آج فلاں شخص ہماری طرف سے جتنی بہادری اور ہمت سے لڑا ہے شاید اتنی بہادری سے کوئی بھی نہیں لڑا ہو گا

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ أَنَا
تو نبی کریم ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا کہ وہ اہل دوزخ میں سے ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا

صَاحِبُهُ قَالَ فَخَرَجَ مَعَهُ كُلَّمَا وَقَفَ وَقَفَ مَعَهُ وَإِذَا أَسْرَعَ أَسْرَعَ مَعَهُ قَالَ فَجُرِحَ الرَّجُلُ
کہ پھر میں اس کے ساتھ ساتھ رہوں گا، راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ ان کے پیچھے ہولئے جہاں وہ ٹھہرتا یہ بھی ٹھہر جاتے اور جہاں وہ دوڑ کر چلتا یہ بھی دوڑنے لگتے۔ راوی کہتے ہیں

جُرْحًا شَدِيْدًا فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ سَيْفَهُ بِالْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَى
کہ پھر وہ انتہائی زخمی ہوگیا اور اس نے چاہا کہ جلدی موت آ جائے۔ اس لیے اس نے اپنی تلوار زمین میں گاڑ دی اور اس کی نوک سینہ کے مقابل کر کے اس پر گر پڑا

سَيْفِهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَخَرَجَ الرَّجُلُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ
اور اس طرح خودکشی کر لی۔ اب دوسرے صحابی (جو ان کی جستجو میں لگے ہوئے تھے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں

رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ وَمَا ذَاكَ؟ قَالَ الرَّجُلُ الَّذِيْ ذَكَرْتَ آنِفًا أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَأَعْظَمَ النَّاسُ
کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ ان صحابی نے عرض کیا کہ جن کے متعلق ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ وہ اہل دوزخ میں سے ہیں تو لوگوں پر آپ کا یہ فرمانا

ذٰلِكَ فَقُلْتُ أَنَا لَكُمْ بِهِ فَخَرَجْتُ فِيْ طَلَبِهِ ثُمَّ جُرِحَ جُرْحًا شَدِيْدًا فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ
بڑا شاق گزرا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں تمہارے لیے اس کے پیچھے پیچھے جاتا ہوں۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ ساتھ رہا۔ ایک موقع پر جب وہ شدید زخمی ہوگیا تو اس خواہش میں

نَصْلَ سَيْفِهِ فِي الْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَيْهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
کہ موت جلدی آ جائے اپنی تلوار اس نے زمین میں گاڑ دی اور اس کی نوک کو اپنے سینہ کے سامنے کر کے اس پر گر پڑا اور اس طرح اس نے خود اپنی جان کو ہلاک کر دیا۔ اسی موقع پر

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيْمَا يَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَهُوَ
آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان زندگی بھر لوگوں کے سامنے جنت والوں کے عمل کرتا ہے

مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيْمَا يَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ
حالانکہ وہ اہل دوزخ میں سے ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرا شخص زندگی بھر لوگوں کے سامنے اہل دوزخ کے جیسے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو روایتیں ذکر فرمائی ہیں اور دونوں روایات کا مضمون قدرے مشترک ہے، پہلی روایت میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ ایک آدمی کی خودکشی کا واقعہ نقل کر رہے ہیں اور اس روایت سے متصل اگلی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ایک آدمی کی خودکشی کا واقعہ نقل کر رہے ہیں، سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں خیبر کا ذکر نہیں ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں شهدنا خيبر کی تصریح موجود ہے، یہ دونوں روایتیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں یا یہ دو الگ الگ واقعات ہیں اس بارے میں شراح کرام کے اقوال مختلف ہیں:

❶ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں بظاہر غزوۂ خیبر کا کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے اس حدیث کو یہاں ذکر کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

❷ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق علامہ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ خیبر سے متعلق نہیں ہے، بلکہ یہ کسی دوسرے غزوہ کا واقعہ ہے۔

❸ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق غزوۂ اُحد سے ہے۔

❹ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ دونوں کی روایتوں میں درحقیقت ایک ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے جو خیبر سے متعلق ہے، البتہ دونوں روایات میں معمولی سا فرق یہ ہے کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس آدمی نے تلوار سے خودکشی کی تھی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس نے تیر سے اپنے آپ کو ختم کیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے پہلے اس نے تیر سے خودکشی کی کوشش کی ہو لیکن جب اس سے کامیابی نہ ہوئی ہو تو پھر تلوار سے اپنے آپ کو ختم کر دیا ہو، تو ایک حدیث میں ایک چیز کا ذکر ہوا ہے اور دوسری حدیث میں دوسری چیز کا۔

❺ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی روایت غزوۂ خیبر کے تحت ذکر فرمائی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رجحان بھی یہی ہے کہ یہ واقعہ خیبر کا ہی ہے اور دونوں روایتیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔

لَا یَدَعُ لَهُمْ شَاذَّةً وَّلَا فَاذَّةً: جوان کافروں کے لیے نہ کسی شاذۃ کو چھوڑتا تھا اور نہ کسی فاذۃ کو، مگر یہ کہ اس کے پیچھے لگ جاتا اور تلوار سے اس کا کام تمام کر دیتا۔ شاذۃ اس جانور کو کہتے ہیں جو ریوڑ کے ساتھ چلتے چلتے اس سے علیحدہ ہو جائے اور فاذۃ اس جانور کو کہتے ہیں جو شروع ہی سے ریوڑ سے علیحدہ علیحدہ چل رہا ہو۔

أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ: جن صاحب سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہنمی ہونے کی پیشین گوئی فرمائی، ان کا نام قزمان اور کنیت ابو الغیداق تھی، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ منافق تھا، لیکن ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ وہ منافق ہی ہو۔ اسی طرح حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: لا یستلزم نفاقه کہ اس سے اس کا منافق ہونا لازم نہیں آتا، صرف یہ لازم آتا ہے کہ اس کا جنت میں دخول اولی نہیں ہوگا، بہر حال علماء نے دونوں قول اختیار کئے ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قزمان کے متعلق جہنمی ہونے کی پیشین گوئی فرمائی تو ایک آدمی نے جن کا نام اکثم بن ابی الجون خزاعی تھا کہا: أَنَا صَاحِبُهُ میں اس کے ساتھ ساتھ رہوں گا، تاکہ میں معلوم کر سکوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اس کے جہنم میں جانے کی وعید سنائی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ وہ قزمان کے ساتھ ساتھ رہے یہاں تک کہ قزمان نے زخموں سے چور ہونے کے بعد خودکشی کر لی، تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول برحق ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ہوا؟ تو انہوں نے سارا واقعہ سنایا اور قزمان کی موت اور خودکشی کی خبر سنائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيْمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيْمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔ بے شک ایک آدمی لوگوں کے سامنے جنت والے اعمال کرتا ہے، لیکن وہ اہل جہنم میں سے ہوتا ہے اور ایک آدمی لوگوں کے سامنے جہنم والے اعمال کرتا ہے

لیکن وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔

یہ وہ بات ہے جو دوسری روایت میں اس انداز میں مذکور ہے کہ إنما الأعمال بالخواتيم اعمال کا دارو مدار خاتمے پر ہوتا ہے۔ اس سے بہت ڈرنا چاہئے کہ ایک آدمی ساری زندگی نیکی کرتا رہتا ہے، لوگ بڑی تعریفیں کرتے ہیں کہ بڑا حضرت ہے، بڑا بزرگ ہے، بہت نیک آدمی ہے، لیکن آخر میں وہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے کہ اس کے سارے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں، اعاذنا الله من ذلک اور کبھی اس کے الٹ ہوجاتا ہے کہ آدمی ساری عمر گناہ کے کام کرتا رہتا ہے، لوگ کہتے ہیں، یہ تو فاسق، فاجر ہے، جہنمی ہے لیکن اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے اس کو ایسی سچی توبہ کی اور نیک اعمال کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں کہ اس کے اگلے، پچھلے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اس کا خاتمہ بالخیر ہوجاتا ہے اور وہ سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے۔

لہٰذا یہ حدیث بہت ڈرنے کی ہے، آدمی کو کبھی بھی اپنی نیکی پر ناز اور عجب نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے توفیق خداوندی سمجھنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے استقامت اور حسن خاتمہ کی دعا مانگتے رہنا چاہئے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ شَهِدْنَا خَيْبَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خیبر کی جنگ میں شریک تھے، رسول اللہ ﷺ نے ایک صاحب کے متعلق

مِمَّنْ مَعَهُ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ هٰذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ أَشَدَّ الْقِتَالِ

جو آپ کے ساتھ تھے اور خود کو مسلمان کہتے تھے فرمایا کہ یہ شخص اہل دوزخ میں سے ہے۔ پھر جب لڑائی شروع ہوئی تو وہ صاحب بڑی بہادری سے لڑے

حَتّٰى كَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحَةُ فَكَادَ بَعْضُ النَّاسِ يَرْتَابُ فَوَجَدَ الرَّجُلُ أَلَمَ الْجِرَاحَةِ فَأَهْوٰى بِيَدِهِ

اور بہت زیادہ زخمی ہو گئے۔ ممکن تھا کہ کچھ لوگ شبہ میں پڑ جاتے لیکن ان صاحب کے لیے زخموں کی تکلیف ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ انہوں نے

إِلٰى كِنَانَتِهِ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهَا أَسْهُمًا فَنَحَرَ بِهَا نَفْسَهُ فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالُوْا

اپنے ترکش میں سے تیر نکالے اور اس سے اپنی گردن کاٹ دی، یہ منظر دیکھ کر مسلمان دوڑتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ صَدَّقَ اللهُ حَدِيْثَكَ انْتَحَرَ فُلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ قُمْ يَا فُلَانُ فَأَذِّنْ

یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کا فرمان سچ کر دکھایا۔ اس شخص نے خود اپنی گردن کاٹ کر خودکشی کر لی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے فلاں! تم جاؤ اور اعلان کر دو

أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ إِنَّ اللهَ يُؤَيِّدُ الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ تَابَعَهُ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ

کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فاجر شخص سے بھی لے لیتا ہے۔ اس روایت کی متابعت معمر نے زہری سے کی۔

وَقَالَ شَبِيبٌ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابَعَهُ صَالِحٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ كَعْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ كَعْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ شَهِدَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَأَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَسَعِيدٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ شَهِدْنَا خَيْبَرَ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ **شَهِدْنَا خَيْبَرَ** اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم شریک ہوئے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر تک مدینہ منورہ میں آئے ہی نہیں تھے، بلکہ وہ تو جب اپنے قبیلہ دوس (یمن) سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں پتا چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خیبر گئے ہوئے ہیں، تو یہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیبر پہنچ گئے مگر اس وقت تک خیبر فتح ہو چکا تھا، اس لیے آگے روایت میں آرہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا گیا تھا، لہٰذا یہاں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ہم خیبر میں شریک ہوئے، یہ **مجازاً** ہے اور مراد ہے کہ ہم مسلمان خیبر میں شریک ہوئے۔

فَاسْتَخْرَجَ مِنْهَا أَسْهُمًا فَنَحَرَ بِهَا نَفْسَهُ: پچھلی روایت میں آیا تھا کہ تلوار کی نوک اپنے سینے پر رکھی اور اس پر زور دے کر خودکشی کی اور یہاں آرہا ہے کہ ترکش سے تیر نکالے اور اس سے اپنی رگوں کو کاٹا، اسی وجہ سے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں، جبکہ وہ حضرات جو اس بات کے قائل ہیں کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں باتوں کے درمیان جمع ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ قزمان نے ابتداء میں ایک طریقے سے خودکشی کی کوشش کی لیکن جب اس میں کامیاب نہیں ہوا تو پھر دوسرا طریقہ اختیار کیا۔

قُمْ يَا فُلَانُ فَأَذِّنْ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے فلاں! کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کر دو۔ یہ اعلان کرنے والے کون تھے؟ بعض روایتوں کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، بعض روایتوں کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اور بعض روایات کے مطابق عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے تینوں کو بھیجا ہو، ایک نے ایک طرف اعلان کیا، دوسرے نے دوسری طرف اعلان کیا اور تیسرے نے تیسری طرف جا کر اعلان کیا۔

أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ: اگر دخول سے **مطلقاً** دخول مراد ہے تو پھر مومن سے بھی **مطلقاً** مومن مراد ہوگا، کیونکہ کافر پر جنت حرام ہے، صرف مومن ہی جنت میں داخل ہو سکتا ہے، چاہے دخول اولی کے ساتھ یا اپنے اعمال کی سزا بھگت کر جنت میں جانا نصیب ہو، لیکن اگر دخول سے **مطلقاً** دخول مراد نہ ہو بلکہ دخول اولی مراد ہو تو پھر مومن سے مومن کامل مراد ہوگا۔

إِنَّ اللهَ يُؤَيِّدُ الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ: دوسرا اعلان یہ کیا گیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بدکار آدمی کے ذریعے سے بھی دین کی مدد کرتا ہے کیونکہ دین اللہ کا ہے اور چاہے نیک ہوں یا بدکار رب اللہ کے بندے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لیے جس سے مدد لینا چاہتے ہیں مدد لے لیتے ہیں۔ نیک لوگوں سے بھی اللہ تعالیٰ اپنے دین کا کام کروا سکتا ہے اور بدکار اور فاسق و فاجر لوگوں سے بھی اپنے دین کا کام کروا سکتا ہے **إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**۔

یہ بہت ڈرنے کی بات ہے، اس لیے اگر کسی کو دین کی خدمت کی توفیق کسی بھی میدان میں نصیب ہو رہی ہو تو اسے

اپنے دل میں کبھی بھی تکبر اور عجب کو جگہ نہیں دینی چاہئے، بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے مجھے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی اور ساتھ ہی ڈرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ میرا خاتمہ خیر پر فرمانا۔

تَابَعَهُ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے متابعات ذکر فرما رہے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اکثر روایات کے مطابق یہ واقعہ غزوۂ خیبر میں پیش آیا ہے، لیکن بعض روایات میں خیبر کا ذکر نہیں ہے بلکہ حنین کا ذکر ہے۔ تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ واقعہ خیبر میں پیش آیا یا حنین میں پیش آیا؟ اور اگر دونوں میں پیش آیا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ واقعہ ایک مرتبہ پیش نہیں آیا بلکہ دو مرتبہ دو مختلف افراد کے ساتھ پیش آیا؟

چنانچہ آگے جو روایتیں ذکر کیں، اس میں فرمایا **تَابَعَهُ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ**، یہ غزوۂ خیبر کا پہلا متابع ذکر کیا۔

وَقَالَ شَبِيبٌ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ .....أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا یہ دوسرا متابع ذکر کیا، جس میں بجائے خیبر کے حنین منقول ہے۔

وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اس سے پہلی تعلیق شبیب عن یونس تھی، یہ تعلیق ابن المبارک عن یونس ہے، البتہ وہ موصولا تھی اور یہ مرسلا ہے کیونکہ سعید کے بعد صحابی کا ذکر نہیں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح شبیب عن یونس کی روایت میں حنین کا ذکر ہے اسی طرح ابن المبارک عن یونس کی روایت میں بھی حنین کا ذکر ہے۔

تَابَعَهُ صَالِحٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: یعنی ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کی متابعت صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، مطلب یہ ہے کہ ابن المبارک عن یونس عن الزهری کی روایت مرسلا منقول ہے اسی طرح زہری رحمۃ اللہ علیہ سے صالح رحمۃ اللہ علیہ بھی اس روایت کو مرسلا ذکر کرتے ہیں۔

وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ ...قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ شَهِدَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ خَيْبَرَ: اس سے پہلے ایک تعلیق قال شبیب گزری ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قال الزبیدی سے دونوں کے درمیان فرق بیان کرنا چاہتے ہیں، کہ وہاں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام کی تصریح ہے اور یہاں کسی صحابی کے نام کی تصریح نہیں بلکہ من شهد مع النبي صلى الله عليه وسلم خيبر کہا ہے، البتہ وہاں حنین کی تصریح تھی اور یہاں خیبر کی تصریح ہے۔

قَالَ الزُّهْرِيُّ وَأَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَسَعِيدٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: یہ روایت بھی مرسل ہے۔

ان تعلیقات سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے مختلف طرق کی طرف اشارہ کر کے معمر رحمۃ اللہ علیہ اور شعیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو ترجیح دینا چاہتے ہیں، معمر رحمۃ اللہ علیہ اور شعیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں خیبر کی تصریح آئی ہے، جبکہ یونس رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں حنین کا ذکر ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد زبیدی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق ذکر کی جس میں عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ

نے خیبر کی تصریح کی ہے،، علامہ ذہلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معمر رحمۃ اللہ علیہ اور شعیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو راجح قرار دیا ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف کی شرح میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا کہ حنین کی بجائے خیبر ہی صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا غَزَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ أَوْ
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر لشکر کشی کی یا یوں بیان کیا

قَالَ لَمَّا تَوَجَّهَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْرَفَ النَّاسُ عَلَى وَادٍ فَرَفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ
کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خیبر کی طرف) روانہ ہوئے تو (راستے میں) لوگ ایک وادی میں پہنچے اور بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہنے لگے

بِالتَّكْبِيرِ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْبَعُوا عَلَى
اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر رحم کرو،

أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَأَنَا خَلْفَ
تم کسی بہرے کو یا ایسے شخص کو نہیں پکار رہے ہو جو تم سے غائب ہو، بلکہ جسے تم پکار رہے ہو وہ سب سے زیادہ سننے والا اور تمہارے بہت نزدیک ہے بلکہ وہ تمہارے ساتھ ہے۔

دَابَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَنِي وَأَنَا أَقُولُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ فَقَالَ لِي
میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا کہ میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ پڑھ رہا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ كَنْزٍ مِنْ كُنُوزِ
عبداللہ بن قیس! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک کلمہ نہ بتا دوں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے؟

الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ
میں نے عرض کیا ضرور بتایئے، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کلمہ یہی ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ

أَشْرَفَ النَّاسُ عَلَى وَادٍ فَرَفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالتَّكْبِيرِ: اونچی جگہ پر چڑھتے ہوئے اللہ اکبر کہنا مستحب ہے، اور نیچے اترتے ہوئے سبحان اللہ کہنا مستحب ہے، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اونچی جگہ پر چڑھتے ہوئے تکبیر کہی، مگر ان کی آواز کچھ بلند ہوگئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر تنبیہ فرمائی۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ذکر میں اصل ذکر بالسر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً** تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ** بے شک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، لہٰذا ذکر اللہ میں اور دعا میں اصل تضرعا و خفیۃ ہے، البتہ جہر دو صورتوں میں جائز ہے:

1. ایک اس جگہ جہاں جہر سنت سے ثابت ہو، جیسے اذان یا جن نمازوں میں قراءت جھرًا کی جاتی ہے۔
2. دوسرا یہ کہ جہر کسی عارض کی بنا پر کیا جائے، مثلاً دل کو ذکر اللہ پر جمانے کے لیے، جیسا کہ صوفیاء کرام تلقین فرماتے ہیں، لیکن اس جہر کے لیے شرط یہ ہے کہ اس جہر کو مقصود اصلی نہ سمجھا جائے اور اس جہر سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ كَنْزٍ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

سواری کے پیچھے تھا، رسول اللہ ﷺ نے جب مجھے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہتے سنا تو فرمایا: عبداللہ بن قیس! میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتادوں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، میں نے کہا، کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کا ورد ننانوے ۹۹ بیماریوں کے لیے شفا ہے اور ان میں سے ہلکی اور کم سے کم بیماری هم ہے، جس میں آدمی کو پریشانی ہوتی ہے اور انسان کے دل کا سکون زائل ہوجاتا ہے اور اس هم کی وجہ سے اور بھی بہت سی بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں، حضور اقدس ﷺ نے اس کو جنت کے خزانے سے تعبیر فرمایا، لہٰذا اس کے ورد کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔

حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ

رَأَيْتُ أَثَرَ ضَرْبَةٍ فِي سَاقِ سَلَمَةَ فَقُلْتُ يَا أَبَا مُسْلِمٍ مَا هٰذِهِ الضَّرْبَةُ؟ فَقَالَ هٰذِهِ ضَرْبَةٌ

یزید بن ابی عبید فرماتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں ایک زخم کا نشان دیکھ کر ان سے پوچھا: اے ابو مسلم! یہ زخم کا نشان کیسا ہے؟ انہوں نے بتایا

أَصَابَتْهَا يَوْمَ خَيْبَرَ فَقَالَ النَّاسُ أُصِيبَ سَلَمَةُ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَفَثَ

کہ غزوۂ خیبر میں مجھے یہ زخم لگا تھا، لوگ کہنے لگے کہ سلمہ زخمی ہو گیا، چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ نے

فِيهِ ثَلَاثَ نَفَثَاتٍ فَمَا اشْتَكَيْتُهَا حَتَّى السَّاعَةِ

تین مرتبہ اس پر دم کیا، اس کی برکت سے آج تک مجھے اس زخم سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

یہ حدیث ثلاثیات بخاری میں سے ہے، بخاری شریف میں بائیس ثلاثیات ہیں۔ ثلاثیات کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضور اقدس ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں ایک تبع تابعی، دوسرا تابعی اور تیسرا صحابی کا، یہ حدیث کی بہت ہی اعلیٰ نوع شمار کی جاتی ہے کیونکہ صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں اور تابعین اور تبع تابعین سب خیر القرون کے حضرات ہیں اور اسی عظمت و اہمیت کی وجہ سے بخاری شریف کے حاشیہ پر جلی اور موٹے قلم سے هذا الحديث الرابع عشر من ثلاثيات الامام البخاري لکھ کر اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ بخاری شریف میں بائیس ثلاثی روایات ہیں، ان بائیس میں سے بیس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حنفی ہیں اور دو کے بارے میں معلوم نہیں، ممکن ہے کہ وہ بھی حنفی ہی ہوں، اس سے فقہ حنفی کی اہمیت و عظمت بخوبی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایات ثنائی ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ سَهْلٍ قَالَ الْتَقَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُشْرِكُونَ فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ فَاقْتَتَلُوا

حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ (خیبر) میں نبی کریم ﷺ اور مشرکین کا مقابلہ ہوا اور خوب جم کر جنگ ہوئی،

فَمَالَ كُلُّ قَوْمٍ إِلَى عَسْكَرِهِمْ وَفِي الْمُسْلِمِينَ رَجُلٌ لَا يَدَعُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ شَاذَّةً وَلَا فَاذَّةً

آخر دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں کی طرف واپس ہوئے اور مسلمانوں میں ایک آدمی تھا جنہیں مشرکین کی طرف کا کوئی شخص کہیں مل جاتا تو اس کا پیچھا کر کے

إِلَّا اتَّبَعَهَا فَضَرَبَهَا بِسَيْفِهِ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَجْزَأَ أَحَدُهُمْ مَا أَجْزَأَ فُلَانٌ فَقَالَ إِنَّهُ مِنْ
قتل کئے بغیر وہ نہ رہتے۔ تو کہا گیا کہ یا رسول اللہ! جتنی بہادری سے آج فلاں شخص لڑا ہے، اتنی بہادری سے تو کوئی نہ لڑا ہو گا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا

أَهْلِ النَّارِ فَقَالُوا أَيُّنَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِنْ كَانَ هٰذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ
کہ وہ اہل دوزخ میں سے ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اگر یہ دوزخی ہے تو پھر ہم میں سے کون جنت والوں میں سے ہوگا۔ اس پر ایک صحابی بولے

لَأَتَّبِعَنَّهُ فَإِذَا أَسْرَعَ وَ أَبْطَأَ كُنْتُ مَعَهُ حَتّٰى جُرِحَ فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ نِصَابَ سَيْفِهِ
کہ میں ان کے پیچھے پیچھے رہوں گا۔ چنانچہ جب وہ دوڑتے یا آہستہ چلتے تو میں ان کے ساتھ ساتھ ہوتا۔ آخر وہ زخمی ہوئے اور چاہا کہ موت جلد آجائے، اس لئے وہ تلوار کا قبضہ زمین

بِالْأَرْضِ وَ ذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَيْهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَجَاءَ الرَّجُلُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ
میں گاڑ کر اس کی نوک سینے کے مقابل کر کے اس پر گر پڑے اور اس طرح سے اس نے خودکشی کر لی۔ اب وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ؟ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ
اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے تفصیل بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص بظاہر

بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَ إِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ النَّارِ وَ يَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا
لوگوں کے سامنے جنتیوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ اہل دوزخ میں سے ہوتا ہے، اسی طرح ایک دوسرا شخص

يَبْدُو لِلنَّاسِ وَ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ
بظاہر لوگوں کے سامنے دوزخیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيدٍ الْخُزَاعِيُّ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ الرَّبِيعِ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ قَالَ

نَظَرَ أَنَسٌ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَرَأَى طَيَالِسَةً فَقَالَ كَأَنَّهُمُ السَّاعَةَ يَهُودُ خَيْبَرَ
حضرت انسؓ نے (بصرہ کی مسجد میں) جمعہ کے دن لوگوں کو دیکھا کہ (ان کے سروں پر) طیلسان ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ لوگ اس وقت خیبر کے یہودیوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں

روایت میں جو واقعہ مذکور ہے، یہ حضور ﷺ کے وصال سے بھی کافی عرصہ بعد کا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کافی طویل عمر پائی ہے، ان کا انتقال حضور ﷺ کے وصال کے ۸۳ سال کے بعد سن ۹۳ ہجری میں ہوا ہے۔

طیالسة، طیلسان کی جمع ہے، چادر کو کہتے ہیں، چونکہ یہ ایک خاص قسم کی سیاہ چادر تھی جو یہود استعمال کرتے تھے اس لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوئی کہ ان کے ساتھ مسلمان مشابہت اختیار کریں، تو انہوں نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا، جہاں تک مطلق چادر کے استعمال کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج اور کراہت نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ

عَنْ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ
حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ جا سکے تھے،

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَيْبَرَ وَكَانَ رَمِدًا فَقَالَ أَنَا أَتَخَلَّفُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَحِقَ بِهِ
کیونکہ وہ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ (جب آپ ﷺ جا چکے) تو انہوں نے کہا میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوے سے پیچھے رہوں (ایسا نہیں ہو سکتا)؟ چنانچہ وہ بھی آ گئے۔

فَلَمَّا بِتْنَا اللَّيْلَةَ الَّتِي فُتِحَتْ قَالَ لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا أَوْ لَيَأْخُذَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلٌ يُحِبُّهُ
جس دن خیبر فتح ہونا تھا، جب اس کی رات آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل میں (اسلامی) علم اس شخص کو دوں گا یا فرمایا کہ علم وہ شخص لے گا جسے اللہ اور اس کا رسول عزیز رکھتے ہیں

اللّٰهُ وَرَسُولُهُ يُفْتَحُ عَلَيْهِ فَنَحْنُ نَرْجُوهَا فَقِيلَ هٰذَا عَلِيٌّ فَأَعْطَاهُ فَفُتِحَ عَلَيْهِ
اورجس کے ہاتھ پر فتح حاصل ہوگی۔ہم سب ہی اس سعادت کے امیدوار تھے لیکن کہا گیا کہ یہ ہیں علی اور آپ ﷺ نے انہیں کو جھنڈا دیا اور انہیں کے ہاتھ پر خیبر فتح ہوا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ
أَخْبَرَنِي سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ
حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا
لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ
کہ کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی اسے عزیز
قَالَ فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوكُونَ لَيْلَتَهُمْ أَيُّهُمْ يُعْطَاهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلَى
رکھتے ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ وہ رات سب کی اس فکر میں گزر گئی کہ جھنڈا کسے دیا جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو سب خدمت نبوی میں
رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَرْجُونَ أَنْ يُعْطَاهَا فَقَالَ أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ؟
حاضر ہوئے اور اس امید کے ساتھ کہ جھنڈا انہیں کو ملے لیکن نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟
فَقَالُوا هُوَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ قَالَ فَأَرْسَلُوا إِلَيْهِ فَأُتِيَ بِهِ فَبَصَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ تو آنکھوں کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انہیں بلا لاؤ۔ جب وہ لائے گئے تو آپ ﷺ نے اپنا لعاب
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَيْنَيْهِ وَدَعَا لَهُ فَبَرَأَ حَتّٰى كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ عَلِيٌّ
ان کی آنکھوں میں لگایا اور ان کے لیے دعا کی۔اس دعا کی برکت سے ان کی آنکھیں اتنی اچھی ہوگئیں جیسے پہلے کوئی بیماری ہی نہیں تھی۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا
يَا رَسُولَ اللّٰهِ أُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُونُوا مِثْلَنَا؟ فَقَالَ انْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ
تو حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ان سے اس وقت تک جنگ کروں گا جب تک وہ ہمارے جیسے نہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یوں ہی چلتے رہو، ان کے میدان
ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيهِ فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ
میں اتر کر پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو اور بتاؤ کہ اللہ کا ان پر کیا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی
بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ
ہدایت مل جائے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

كَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي خَيْبَرَ: حضرت علی رضی اللہ عنہ جہاد میں کبھی پیچھے نہیں رہے تھے، لیکن غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ بیمار تھے، آنکھیں آئی ہوئی تھیں، سفر میں ویسے ہی مٹی، دھول وغیرہ آنکھوں میں جائے تو تکلیف بڑھتی ہے، اس لیے ابتداء وہ آپ ﷺ کے ساتھ خیبر نہیں گئے، لیکن بعد میں طبیعت بے چین ہوگئی اور وہ بیمار ہونے کے باوجود مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں خیبر جا پہنچے۔

روایات میں ہے کہ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ خیبر پہنچے اس وقت آپ ﷺ نے **قلعہ قموص** کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ خیبر میں بہت سارے قلعے تھے لیکن سب سے زیادہ دشواری اس قلعے میں پیش آئی تھی، یہ سب سے بڑا قلعہ تھا اور اس کی حفاظت کے انتظامات بھی یہودیوں نے بہت شاندار کئے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے پہلے دن جھنڈا حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا، وہ تشریف لے گئے لیکن قلعہ فتح نہیں ہو سکا۔ دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا، وہ تشریف لے گئے مگر قلعہ فتح نہ ہوا، اگلے دن کی رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں ایک ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا، جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ یہ قلعہ فتح کر دے گا اور وہ اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ ورسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تیسرے شخص کی صفت بیان کی، مگر یہ صفت احترازی نہیں ہے بلکہ یہ صفت واقعی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر شخص ہی یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ کا مصداق ہے۔

بہر حال صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ؟ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کو بلاؤ چنانچہ ان کو لایا گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دونوں آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک ڈالا، وَدَعَا لَهُ اور ان کے لیے دعا کی، فَبَرَأَ اس سے وہ صحت مند ہو گئے حَتّٰى كَأَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ یہاں تک کہ ایسا لگ رہا تھا جیسے ان کو کوئی تکلیف ہی نہیں تھی۔

فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جھنڈا اعنایت فرمایا۔

أُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُونُوا مِثْلَنَا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کہ یا رسول اللہ! میں ان سے قتال کروں گا، یہاں تک کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ میں ان سے لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ سب کو جہنم میں بھیج دوں، بلکہ یہ کہا کہ یہاں تک کہ وہ ہم جیسے ہو جائیں، یعنی یا تو وہ مسلمان ہو جائیں، ورنہ کم از کم وہ ہماری ماتحتی قبول کر لیں، اسلام غالب ہو اور کفر مغلوب ہو جائے، معلوم ہوا کہ جہاد کا مقصد کافروں کو دنیا سے ناپید کرنا یا ختم کرنا نہیں ہے، بلکہ جہاد سے مقصود اعلاء کلمۃ اللہ ہے کہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو اور اس کا نظام عدل غالب آ جائے۔

فَقَالَ انْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم احتیاط سے جاؤ۔ معلوم ہوا کہ جنگ کے اندر احتیاط سے کام لینا بہت ضروری ہے، کیونکہ اگر احتیاط سے کام نہیں لیں گے تو جلد بازی سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ: پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ اللہ کا ان پر کیا حق واجب ہے؟ پھر آپ نے فرمایا: فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ يَّكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ اللہ کی قسم اللہ تمہارے ذریعے سے ایک آدمی کو ہدایت دے دے، یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تمہارے لیے سرخ اونٹنیاں ہوں، سرخ اونٹنیاں عالم عرب میں سب سے قیمتی مال سمجھا جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے بھی زیادہ بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے سے کسی ایک آدمی کو ہدایت دے دے۔ معلوم ہوا کہ کافر کو جہنم رسید کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصود کافر کو جنت میں پہنچانے کی کوشش کرنا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پہلے ان کفار کو اسلام کی دعوت دینا اس کے بعد جزیہ کی پیشکش کرنا، اگر وہ پھر بھی نہ مانیں تو پھر قتال کی اجازت ہوگی۔

قتال سے قبل اسلام کی دعوت دینا: اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ کفار کو اسلام کی دعوت دینے سے قبل جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں، عام طور پر اس مسئلہ میں تین مذاہب بیان کئے جاتے ہیں۔

❶ قتال سے پہلے اسلام کی طرف دعوت دینا مطلقاً واجب ہے اور اس وقت تک کافروں سے قتال جائز نہیں ہے، جب تک انہیں اسلام کی دعوت نہ دی جائے، چاہے ان کو اسلام کی دعوت اس سے پہلے پہنچی ہو یا نہیں، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

❷ قتال سے پہلے اسلام کی طرف دعوت دینا مطلقاً واجب نہیں، یعنی چاہے اسلام کی دعوت کافروں تک پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو، یہ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں منقول ہے۔

❸ تیسرا مذہب جمہور ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی قوم کو قتال سے پہلے اسلام کی دعوت نہیں پہنچی تو ایسی صورت میں قتال سے پہلے اسلام کی طرف دعوت دینا واجب ہے اور بغیر اس کے قتال جائز نہیں ہے اور اگر اس قوم کو اسلام کی دعوت قتال سے پہلے پہنچ چکی ہے تو قتال سے قبل انہیں اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے، احناف کا یہی مذہب ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْغَفَّارِ بْنُ دَاوُدَ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ح وحَدَّثَنِي أَحْمَدُ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الزُّهْرِيُّ عَنْ عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمْنَا خَيْبَرَ فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْحِصْنَ ذُكِرَ لَهُ جَمَالُ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيِّ بْنِ أَخْطَبَ وَقَدْ قُتِلَ زَوْجُهَا وَكَانَتْ عَرُوسًا فَاصْطَفَاهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فَخَرَجَ بِهَا حَتّٰى بَلَغْنَا سَدَّ الصَّهْبَاءِ حَلَّتْ فَبَنٰى بِهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ صَغِيرٍ ثُمَّ قَالَ لِي اٰذِنْ مَنْ حَوْلَكَ فَكَانَتْ تِلْكَ وَلِيمَةً عَلٰى صَفِيَّةَ ثُمَّ خَرَجْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَوِّي لَهَا وَرَاءَهُ بِعَبَاءَةٍ ثُمَّ يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيرِهٖ فَيَضَعُ رُكْبَتَهُ وَ تَضَعُ صَفِيَّةُ رِجْلَهَا عَلٰى رُكْبَتِهٖ حَتّٰى تَرْكَبَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خیبر آئے پھر جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خیبر کی فتح عنایت فرمائی تو آپ ﷺ کے سامنے صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا کے جمال کا کسی نے ذکر کیا، ان کے شوہر قتل ہو گئے تھے اور ان کی شادی ابھی نئی نئی ہوئی تھی، تو آپ ﷺ نے انہیں اپنے لیے پسند فرمالیا اور انہیں ساتھ لے کر آپ ﷺ روانہ ہوئے۔ آخر جب ہم مقام سد الصہباء میں پہنچے تو ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا حیض سے پاک ہوئیں اور نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ خلوت فرمائی پھر آپ ﷺ نے حیس (حلوہ) بنوایا اور اسے چھوٹے سے ایک دسترخوان پر رکھ کر مجھے حکم فرمایا کہ جو لوگ تمہارے قریب ہیں انہیں بلا لو۔ ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کا نبی کریم ﷺ کی طرف سے یہی ولیمہ تھا۔ پھر ہم مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک عبا اونٹ پر باندھ دی تاکہ پیچھے سے وہ اسے پکڑے رہیں اور اپنے اونٹ کے پاس بیٹھ کر اپنا گھٹنا اس پر رکھا اور صفیہ رضی اللہ عنہا اپنا پاؤں آپ ﷺ کے گھٹنے پر رکھ کر سوار ہوئیں

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ

سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَامَ عَلٰى صَفِيَّةَ بِنْتِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کے لیے خیبر کے راستہ میں

حُيَيٍّ بِطَرِيقِ خَيْبَرَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتَّى أَعْرَسَ بِهَا وَكَانَتْ فِيمَنْ ضُرِبَ عَلَيْهَا الْحِجَابُ
تین دن تک قیام فرمایا اور آخری دن ان سے خلوت فرمائی اور وہ ان خواتین میں تھیں جن سے پردے کا حکم دیا گیا (یعنی وہ امہات المؤمنین میں شامل ہوگئیں)

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ أَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ ثَلَاثَ
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ اور خیبر کے درمیان تین دن تک قیام فرمایا

لَيَالٍ يُبْنَى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ وَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ
اور وہیں صفیہ رضی اللہ عنہا سے خلوت کی تھی پھر میں نے نبی کریم ﷺ کی طرف سے مسلمانوں کو ولیمہ کی دعوت دی۔ آپ ﷺ کے ولیمہ میں نہ روٹی تھی، نہ گوشت تھا صرف اتنا ہوا کہ

وَمَا كَانَ فِيهَا إِلَّا أَنْ أَمَرَ بِلَالًا بِالْأَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ فَأَلْقَى عَلَيْهَا التَّمْرَ وَالْأَقِطَ وَالسَّمْنَ فَقَالَ
آپ ﷺ نے بلال ؓ کو دستر خوان بچھانے کا حکم دیا اور وہ بچھا دیا گیا۔ پھر اس پر کھجور، پنیر اور گھی (کا ملیدہ) رکھ دیا۔ مسلمانوں نے آپس میں کہا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا امہات المؤمنین

الْمُسْلِمُونَ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُهُ قَالُوا إِنْ حَجَبَهَا فَهِيَ إِحْدَى أُمَّهَاتِ
میں سے ہیں یا باندی ہیں؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ اگر نبی کریم ﷺ نے انہیں پردے میں رکھا تو وہ امہات المؤمنین میں سے ہوں گی اور اگر آپ نے انہیں پردے میں نہیں رکھا تو پھر یہ

الْمُؤْمِنِينَ وَإِنْ لَمْ يَحْجُبْهَا فَهِيَ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُهُ فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطَّأَ لَهَا خَلْفَهُ وَمَدَّ الْحِجَابَ
اس کی علامت ہوگی کہ وہ باندی ہیں۔ آخر جب روانگی کا وقت ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے اپنی سواری پر پیچھے بیٹھنے کی جگہ بنائی اور ان کے لیے پردے کا اہتمام کیا۔

ان روایات میں ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا قصہ مذکور ہے جس کی تفصیل نیز اس نکاح کے نتیجے میں دیئے جانے والے مہر کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

فَاصْطَفَاهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ: اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ عام مسلمانوں کو مال غنیمت میں جتنا حصہ ملتا تھا، رسول اللہ ﷺ کو بھی خمس کے علاوہ مال غنیمت میں اتنا ہی حصہ ملتا تھا تو جو حصہ خیبر کے مال غنیمت سے آپ ﷺ کو ملنا تھا اس میں آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا۔

اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے صفی کے طور پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے متعین کیا، رسول اللہ ﷺ کو مال غنیمت کی تقسیم سے قبل یہ اختیار ہوتا تھا کہ جو چیز آپ ﷺ کو پسند ہو، وہ آپ ﷺ لے سکتے ہیں، جس کو اصطلاح میں صفی کہا جاتا ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نام زینب تھا، جب آپ ﷺ نے صفی کے طور پر ان کا انتخاب اپنے لیے کیا تو اس وقت سے ان کا نام صفیہ ہوگیا۔

حَتَّى بَلَغْنَا سَدَّ الصَّهْبَاءِ حَلَّتْ فَبَنَى بِهَا: واپسی پر جب آپ ﷺ مقام سد الصھباء پر پہنچے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا (ماہواری سے) پاک ہوئیں، اس مقام پر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ شب زفاف گزاری اور تین دن وہاں قیام فرمایا اور سادہ سا ولیمہ کیا گیا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی عاقلہ خاتون تھیں، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابۃ میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ مقام سد الصھباء سے پہلے ان کے پاس تشریف لائے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ابھی حضور ﷺ ان کے پاس تشریف نہ لائیں، چنانچہ آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے، بعد میں

جب ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمانے لگیں کہ چونکہ وہ مقام خیبر کے قریب تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرے قریب پا کر یہودی سازش کر سکتے تھے، اس خطرہ کی وجہ سے میں نے چاہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے قریب وہاں نہ رہیں۔

ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِيْ نِطَعٍ صَغِيْرٍ: حیس پنیر، کھجور اور گھی سے بنا ہوا ایک مخصوص کھانا ہوتا تھا، جو عربوں کے ہاں بہت پسندیدہ ہوتا تھا۔ نطع چمڑے کے دسترخوان کو کہتے ہیں، اس کی جمع انطاع ہے۔

فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ إِحْدٰى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُهُ: جب یہ تمام واقعہ ہوا تو مسلمان ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا امہات المؤمنین میں شامل ہوگئیں ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بطور باندی اپنے لئے پسند فرمایا ہے؟ تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا إِنْ حَجَبَهَا فَهِيَ إِحْدٰى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پردہ کرایا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ امہات المؤمنین یعنی ازواج مطہرات میں سے ہیں اور اگر پردہ نہیں کیا تو پھر یہ باندی ہوں گی کیونکہ پردہ آزاد عورت کے لئے ہے، باندی یا کنیز کے لئے نہیں۔ فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطَّأَ لَهَا خَلْفَهُ وَمَدَّ الْحِجَابَ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے چادر پیچھے پالان پر بچھائی اور پردہ کھینچ دیا، تو معلوم ہوا کہ یہ امہات المؤمنین میں سے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ح وحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَهْبٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مُحَاصِرِيْ خَيْبَرَ فَرَمٰى إِنْسَانٌ بِجِرَابٍ فِيْهِ

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خیبر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے کہ کسی شخص نے چمڑے کی ایک کپی پھینکی جس میں چربی تھی

شَحْمٌ فَنَزَوْتُ لِآخُذَهُ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَحْيَيْتُ

میں اسے اٹھانے کے لیے دوڑا لیکن میں نے جو مڑ کر دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے، تو میں نے شرم محسوس کی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجهاد میں ایک باب قائم کیا ہے باب ما يصيب من الطعام فى أرض الحرب اور اس بات کو ثابت فرمایا ہے کہ اگر کافروں سے جنگ کے دوران کھانے کی کوئی چیز مل جائے تو اسے کھانا جائز ہے، یعنی مال غنیمت کی تقسیم پہلے اسے استعمال کر سکتے ہیں، پھر وہاں یہی روایت ذکر فرمائی ہے اور ایک دوسری روایت بھی نقل فرمائی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں كنا نصيب فى مغازينا العسل و العنب فناكله و لا نرفعه کہ ہم جنگ کے دوران شہد، انگور وغیرہ کھانے کی چیز پاتے تو اسے کھا لیتے تھے، انہیں اٹھا کر نہیں رکھتے تھے یعنی اسے مال غنیمت میں شامل نہیں کرتے تھے، لہٰذا کھانے کی اور فوری استعمال کی چیز مجاہدین کے لئے استعمال کرنے کی گنجائش ہے، البتہ باقی تمام چیزیں مال غنیمت میں جمع کی جائیں گی۔

حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ وَسَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

أَنّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ أَكْلِ الثُّوْمِ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ
غزوۂ خیبر کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے لہسن اور پالتو گدھوں کے کھانے سے منع فرمایا تھا۔

الْأَهْلِيَّةِ نَهٰى عَنْ أَكْلِ الثُّوْمِ هُوَ عَنْ نَافِعٍ وَحْدَهٗ وَ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ عَنْ سَالِمٍ
لہسن کھانے کی ممانعت کا ذکر صرف نافع سے منقول ہے اور پالتو گدھوں کے کھانے کی ممانعت سالم سے منقول ہے۔

نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ أَكْلِ الثُّوْمِ: اس سلسلہ میں احادیث وروایات مختلف ہیں، خود بخاری شریف میں مختلف روایات مذکور ہیں، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لہسن کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری روایت منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پیاز اور لہسن کھائے وہ ہماری مسجد سے الگ رہے۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لہسن اور پیاز کھانا مطلقاً ممنوع نہیں ہے، بلکہ انہیں کھا کر منہ سے آنے والی بدبو کو دور کئے بغیر مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے۔ جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں هذا النهى انما هو عن حضور المسجد لا عن أكل الثوم و البصل و نحوهما فهذه البقول حلال باجماع من يعتد به۔ نیز مسلم شریف میں روایت مذکور ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی کراہت ونفرت دیکھی تو انہیں اس کی حرمت کا شک ہوا، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ليس لى تحريم ما احل الله لى ولكنها شجرة اكره ريحها یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے میرے لئے جائز نہیں کہ میں اسے حرام قرار دوں لیکن مجھے اس کی بُو پسند نہیں۔ معلوم ہوا کہ کچا لہسن اور پیاز کھانا جائز ہے، البتہ اسے کھا کر اس کی بدبو زائل کئے بغیر مسجد جانا یا حدیث کے درس وتدریس میں جانا مکروہ تحریمی ہے اور یہ حکم ہر بدبودار چیز کا ہوگا، جیسے بیڑی، سگریٹ وغیرہ پی کر مسجدوں میں جانا بلاشبہ مکروہ تحریمی ہے، واللہ اعلم۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَالْحَسَنِ ابْنَيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِمَا

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ

النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ
کی ممانعت کی تھی اور پالتو گدھوں کے کھانے سے بھی منع فرما دیا تھا۔

نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ: نکاح متعہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے کہے اتمتع بك كذا مدة بكذا من المال یعنی میں تم سے اتنی مدت اتنے مال کے عوض فائدہ اٹھاؤں گا اور وہ عورت اس کو قبول کر لے۔

نکاح متعہ اور نکاح موقت میں فرق

نکاح متعہ کے معنی ہیں کچھ مدت کے لئے نکاح کرنا اور نکاح موقت بھی نکاح متعہ ہی ہوتا ہے، صرف نام کا فرق ہے۔

چنانچہ اگر ایجاب وقبول میں لفظ متعہ استعمال کیا گیا تو وہ نکاح متعہ ہے اور اگر وقت کی تحدید کی گئی کہ اتنے دن، اتنے مہینے یا اتنے سالوں کے لئے نکاح کرتا ہے تو وہ نکاح مؤقت ہے۔ نکاح متعہ اور نکاح مؤقت بالا جماع حرام ہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ صرف اثنا عشری شیعہ اختلاف کرتے ہیں، ان کے یہاں متعہ نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض راتوں میں متعہ بڑا اکار ثواب ہے۔ ان کے علاوہ پوری امت متفق ہے کہ متعہ حرام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعہ کی حرمت سے متعلق متعدد روایات منقول ہیں، مگر پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے یہ جھوٹے دعویدار متعہ کے ایسے شیدائی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی نہیں سنتے اس لئے ان کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں۔

نکاح موقت اور متعہ روافض میں فرق

ابتدائے اسلام میں جو متعہ جائز تھا درحقیقت وہ نکاح مؤقت تھا، لیکن جو متعہ روافض کے ہاں رائج ہے یہ نکاح مؤقت نہیں، زنا ہے، نکاح مؤقت اور متعہ روافض میں فرق یہ ہے کہ نکاح مؤقت میں گواہ ہوتے ہیں، ولی کی اجازت ہوتی ہے، استبراء (بحیضة واحدة) ہوتا ہے، جبکہ روافض کے ہاں رائج متعہ میں نہ گواہ ہوتے ہیں، نہ اذن ولی ہے اور نہ ہی استبراء۔ یہاں روایت میں جس متعہ کی حرمت کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ سے ممانعت فرمائی اس متعہ سے روافض کا متعہ مراد نہیں، جیسا کہ بتا دیا گیا کہ روافض جسے متعہ کہتے ہیں وہ صریح زنا ہے اور زنا کی اجازت اسلام میں کبھی بھی نہیں دی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور جواز متعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف یہ بات بعض روایات میں منسوب ہے کہ وہ جواز متعہ کے قائل تھے، لیکن ان کی طرف یہ نسبت ان کے اقوال شاذہ کی بنیاد پر ہے، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رجوع بھی ثابت ہے، چنانچہ روایت میں وارد ہوا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک زمانہ تک متعہ کو جائز کہتے تھے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ذریعہ متعہ کی حرمت کا اعلان کرایا ہے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

اسی طرح حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ نے کیا فتوی دیا ہے سارت بها الركبان و قالت فيها الشعراء کہ آپ کے اس فتوے کو لوگ شہرت دے رہے ہیں، شعراء نے بھی اس فتوے کے بارے میں طبع آزمائی کی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا کہ شعراء نے کیا کہا ہے تو سعید بن جبیر نے کسی شاعر کے یہ شعر سنائے، جس کا ترجمہ ہے: میں نے شیخ سے کہا کہ جب اس کا ٹھہرنا کافی طویل ہو گیا کہ صاحب! آپ کو (جواز متعہ کے متعلق) ابن عباس کے فتوی میں کوئی دلچسپی ہے اور کیا نرم ونازک اطراف والی دوشیزہ

میں آپ کو کچھ رغبت ہے، جو لوگوں کے جانے پر آپ کا ٹھکانا بنے (اور آپ اس سے متعہ کریں)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب یہ شعر سنے تو استغفار پڑھنے کے بعد فرمایا: وما هي الا كالميتة والدم والخنزير۔ غرض یہ کہ ان سے رجوع ثابت ہے۔ باقی یہ کہ متعہ کی حلت کے وہ ابتداء میں کیوں قائل تھے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ کی حرمت کا جس وقت اعلان فرمایا اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کم عمر تھے اس لیے ان کو اس کی اطلاع نہ ہوسکی، اس کے ساتھ ساتھ یہاں یہ بات یاد رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جس متعہ کے جواز کے قائل تھے وہ نکاح مؤقت تھا، رافضیوں والا متعہ نہیں تھا۔

حرمت متعہ کا حکم کب نازل ہوا

اس بات پر تو روایات میں اتفاق ہے کہ متعہ حرام قرار دیا جاچکا ہے، البتہ اس میں روایات مختلف ہیں کہ کب اور کس موقع پر یہ قرار دیا گیا؟ بعض روایات سے غزوۂ خیبر میں، بعض سے فتح مکہ میں، بعض سے غزوۂ اوطاس میں، بعض سے تبوک میں اور کچھ روایات سے حجۃ الوداع میں اس کی حرمت کا اعلان معلوم ہوتا ہے۔

تبوک والی روایات ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ہیں اور جن روایات میں حجۃ الوداع کے موقع پر متعہ کی حرمت کے اعلان کا ذکر ہے وہ روایات صحیح ہیں، تاہم حجۃ الوداع کے موقع پر چونکہ مسلمانوں کا مجمع بہت بڑا تھا اس لیے اعلاماً للناس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی حرمت کا دوبارہ اعلان فرمایا تھا، یعنی حرمت کا اعلان تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے کر چکے تھے، اس موقع پر تحریم سابق سے لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے دوبارہ اعلان فرمایا، جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ اوطاس میں متعہ کی حرمت کا علان کیا گیا ہے تو ان روایات میں غلط فہمی کا دخل ہے، چونکہ غزوۂ اوطاس فتح مکہ کے متصل بعد واقع ہوا ہے، اس لیے بعض راویوں نے فتح مکہ کی بجائے غزوۂ اوطاس کا ذکر کردیا۔

اب دو قسم کی روایات رہ جاتی ہیں جن میں بعض سے غزوۂ خیبر میں اس کی حرمت کا اعلان معلوم ہوتا ہے اور بعض میں فتح مکہ کے موقع پر متعہ کی حرمت کے اعلان کا ذکر ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ متعہ کی حرمت اولاً خیبر میں ہوئی، اس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر تین دن کے لیے اس کو مباح قرار دیا گیا اور تین دن کے بعد ابدالآباد تک اس کو حرام کردیا گیا، اس طرح اس کی حرمت وابا حت دونوں مکرر ہوئیں ہیں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو راجح اور مختار قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر پالتو گدھے کا گوشت کھانے کی ممانعت فرما دی تھی۔

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ وَسَالِمٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے ممانعت فرما دی تھی۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر پالتو گدھے کا گوشت کھانے کی

عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ وَرَخَّصَ فِي الْخَيْلِ

ممانعت فرما دی تھی اور گھوڑوں کے گوشت کھانے کی اجازت دی تھی

وَرَخَّصَ فِي الْخَيْلِ: گھوڑے کے گوشت کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

❶ امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اور اکثر علماء کے نزدیک گھوڑے کا گوشت جائز اور مباح ہے۔

❷ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مکروہ ہے۔

بعض مالکیہ نے اس کو مکروہ تحریمی کہا ہے اور بعض نے مکروہ تنزیہی، حنفیہ میں صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے مکروہ تحریمی ہونے کی طرف مائل ہیں اور امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا میلان کراہت تنزیہی کی طرف ہے۔

جمہور کا استدلال حدیث باب سے ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں **وَرَخَّصَ فِي الْخَيْلِ**۔

اور امام اعظم اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل: ❶ آیت مبارکہ ہے **وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً**۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے موضع امتنان میں یعنی احسانات میں شمار کرتے ہوئے یہ بتایا کہ یہ چیزیں تو سواری اور زینت کے لئے پیدا کی گئی، اگر کھانا جائز ہوتا تو کھانے کا بھی ذکر ہوتا۔

❷ دوسری دلیل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں مذکور ہے **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اكل لحوم الخيل والبغال والحمر**۔

❸ ان حضرات کی تیسری دلیل یہ ہے کہ گھوڑا **ارهاب عدو** یعنی دشمن کو ڈرانے کا آلہ ہے اور قابل احترام ہے گھوڑے کا قابل احترام ہونا مختلف روایتوں سے ثابت ہے، نیز اس کے قابل احترام ہونے کی وجہ سے ہی مال غنیمت میں گھوڑے کو حصہ ملتا ہے تو قابل احترام ہونے کی وجہ سے **لحوم خيل** کا کھانا ممنوع و مکروہ کہا گیا۔

❹ ان حضرات کی چوتھی دلیل ارشاد خداوندی ہے: **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ**۔

اس آیت سے گھوڑے کا آلہ جہاد ہونا ثابت ہوتا ہے اگر اس کو حلال کہا جائے تو تقلیل الات حرب ہوگی، اس لئے گھوڑے کا کھانا مکروہ ہوگا۔

جمہور کے دلائل کا جواب

① حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے جو اباحت معلوم ہوتی ہے، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ خبر واحد بمقابلہ قرآن حجت نہیں ہے کیونکہ آیت قرآنی میں خیل کو بغال و حمیر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جو حرام ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ خیل بھی حرام ہے، مگر روایت کی وجہ سے تخفیف ہوگی اور بجائے حرام کے خیل مکروہ ہوگا۔

② محرم اور مبیح میں اگر تعارض ہو جائے تو اصول کے مطابق محرم کو ترجیح دی جائے گی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جمہور کے قول کی طرف رجوع بھی نقل کیا گیا ہے کہ لحوم خیل مباح ہے، واللہ اعلم۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا عَبَّادٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ

سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَصَابَتْنَا مَجَاعَةٌ يَوْمَ خَيْبَرَ فَإِنَّ الْقُدُورَ لَتَغْلِي قَالَ

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوہ خیبر میں ایک موقع پر ہم بہت بھوک کی حالت میں تھے، ادھر ہانڈیوں میں ابال آ رہا تھا (گدھے کا گوشت پکایا جا رہا تھا)

وَبَعْضُهَا نَضِجَتْ فَجَاءَ مُنَادِي النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَأْكُلُوا مِنْ لُحُومِ الْحُمُرِ شَيْئًا

اور کچھ پک بھی گئیں تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ گدھے کے گوشت بالکل بھی نہ کھاؤ

وَ أَهْرِيقُوهَا قَالَ ابْنُ أَبِي أَوْفَى فَتَحَدَّثْنَا أَنَّهُ إِنَّمَا نَهَى عَنْهَا لِأَنَّهَا لَمْ تُخَمَّسْ وَقَالَ بَعْضُهُمْ

اور اسے پھینک دو۔ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پھر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت اس لیے کی ہے کہ ابھی اس میں سے خمس نہیں نکالا گیا تھا

نَهَى عَنْهَا الْبَتَّةَ لِأَنَّهَا كَانَتْ تَأْكُلُ الْعَذِرَةَ

اور بعض کا خیال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت (ہمیشہ کے لیے) کر دی ہے کیونکہ یہ گندگی کھاتا ہے۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے سن ۱۴۴۲ ہجری میں ہونے والے شعبۂ بنات کے امتحان میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ روایات کا ترجمہ ❷ پالتو گدھے کے گوشت کی حرمت و اباحت کے متعلق ائمہ کے اقوال لکھیں، نیز حنفیہ کے موقف کی مؤید حدیث تحریر کریں ❸ ان روایات میں گدھے کے گوشت کی حرمت کی جو وجوہات مذکور ہیں ان کی وضاحت کر کے بتائیں کہ کیا گدھے کے حرام ہونے کی یہی وجوہات ہیں اور کیا یہ حرمت کی علت بن سکتی ہیں؟ نیز اگر یہ نہ پائی جائیں تو کیا گدھے کا گوشت حرام نہ ہوگا؟ ❹ اس کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کیا رائے تھی؟

حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ

عَنِ الْبَرَاءِ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت براء اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ وہ لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، تو انہیں گدھے

فَأَصَابُوا حُمُرًا فَطَبَخُوهَا فَنَادَى مُنَادِي النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْفِئُوا الْقُدُورَ

(بطور غنیمت) ملے تو انہوں نے ان کا گوشت پکایا تو نبی کریم ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ ہانڈیاں انڈیل دو

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ

سَمِعْتُ الْبَرَاءَ وَابْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ يُحَدِّثَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت براء اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے

أَنَّهُ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ وَ قَدْ نَصَبُوا الْقُدُورَ أَكْفِئُوا الْقُدُورَ

غزوۂ خیبر کے موقع پر جس وقت ہانڈیاں چولہے پر رکھی جا چکی تھیں تو فرمایا تھا کہ ہانڈیاں انڈیل دو

حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ عَنْ عَامِرٍ

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ہم پالتو گدھوں کا گوشت پھینک دیں،

أَنْ نُلْقِيَ لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ نِيئَةً وَ نَضِيجَةً ثُمَّ لَمْ يَأْمُرْنَا بِأَكْلِهِ بَعْدُ

چاہے وہ کچا ہو اور چاہے پکا ہوا ہو، پھر ہمیں اس کے کھانے کا کبھی آپ ﷺ نے حکم نہیں دیا

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي الْحُسَيْنِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عَامِرٍ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ لَا أَدْرِي أَنَهَى عَنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَجْلِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ آیا نبی کریم ﷺ نے گدھے کا گوشت کھانے سے اس لیے منع کیا تھا کہ اس سے بار برداری کا کام لیا جاتا ہے

أَنَّهُ كَانَ حَمُولَةَ النَّاسِ فَكَرِهَ أَنْ تَذْهَبَ حَمُولَتُهُمْ أَوْ حَرَّمَهُ فِي يَوْمِ خَيْبَرَ لَحْمَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ

اور آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا کہ بار برداری والے جانور ختم ہو جائیں یا آپ ﷺ نے صرف غزوۂ خیبر کے موقع پر پالتو گدھوں کے گوشت کی ممانعت کی تھی۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَسَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ خیبر میں (مال غنیمت سے)

لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًا قَالَ فَسَّرَهُ نَافِعٌ فَقَالَ إِذَا كَانَ مَعَ الرَّجُلِ فَرَسٌ فَلَهُ ثَلَاثَةُ

گھوڑے کو دو حصے دیئے تھے اور پیدل سپاہیوں کو ایک حصہ، اس کی تفسیر حضرت نافع نے اس طرح کی ہے اگر کسی شخص کے ساتھ گھوڑا ہوتا تو اسے تین حصے ملتے تھے

أَسْهُمٍ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ فَرَسٌ فَلَهُ سَهْمٌ

اور اگر گھوڑا نہ ہوتا تو صرف ایک حصہ ملتا تھا۔

لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًا: مال غنیمت میں گھڑسوار کو کتنے حصے دیئے جائیں گے، یہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔

❶ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، عمر بن عبد العزیز، حسن بصری اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ سوار کے تین حصے ہوں گے، ایک سوار کا، دو اس کے گھوڑے کے۔

❷ جبکہ صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم، نیز امام اعظم امام ابو حنیفہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ سوار کے دو حصے ہوں گے، ایک اس کا، ایک گھوڑے کا۔

البتہ راجل (پیادے) کے حکم میں کوئی اختلاف نہیں، تمام ائمہ کے نزدیک اسے ایک ہی حصہ ملے گا۔

جمہور کے دلائل

اس باب میں جمہور کی مستدل وہ احادیث ہیں جن میں لفرس سهمان وللراجل سهم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، مثلاً باب کے تحت مذکور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے اور اس حدیث کے تحت حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر بھی ہے: فقال إذا كان مع الرجل فرس فله ثلاثة أسهم فإن لم يكن له فرس فله سهم ۔ یہی روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجهاد میں بھی ذکر کی ہے، نیز ان کی دلیل وہ روایت بھی ہے، جسے طبرانی اور دار قطنی رحمۃ اللہ علیہما نے ابو رہم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: شهدت أنا وأخي خيبر ومعنا فرسان فأسهم لنا ستة أسهم۔

مستدلات امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی اس مسئلہ میں کئی دلیلیں ہیں، جن میں احادیث اور آثار بھی ہیں، نیز قیاس بھی ان کا مؤید ہے۔

❶ ان کی سب سے مشہور دلیل حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے، جسے امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے، اس حدیث میں حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فقسمت خيبر على اهل الحديبية فقسمها رسول الله صلى الله عليه وسلم على ثمانية عشر سهما وكان الجيش الفا وخمس مائة فيهم ثلاث مائة فارس فاعطى الفارس سهمين واعطى الراجل سهما کہ اہل حدیبیہ پر غزوۂ خیبر کی غنیمت تقسیم کی گئی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غنیمت کے اٹھارہ حصے کئے، لشکر کی تعداد پندرہ سو تھی، جن میں تین سو فارس تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فارس کو دو حصے اور راجل (پیادے) کو ایک حصہ دیا۔

❷ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کی ہے عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم جعل للفارس سهمين وللراجل سهما ۔ یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بخاری میں مذکور روایت کے صریح معارض ہے اور اس کے راوی بھی ثقہ ہیں۔

❸ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے ایک عامل منذر بن ابی حمصہ رحمۃ اللہ علیہ نے مال غنیمت کی تقسیم میں فارس کو دو حصے اور راجل (پیادے) کو ایک حصہ دیا، جس پر حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے کسی قسم کی نکیر نہیں فرمائی، چنانچہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: روي مثل قول أبي حنيفة عن المنذر بن أبي حمصة عامل عمر رضي الله عنه أنه جعل للفارس سهمين وللراجل سهما فرضيه عمر۔

❹ چوتھی دلیل یہ ہے کہ قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ گھوڑے کو ایک ہی حصہ دیا جائے، دو حصے نہ دیئے جائیں، کیونکہ فرس دو حصے دینے کی صورت میں فرس کی مسلم پر برتری ظاہر ہوتی ہے، حالانکہ مسلمان افضل ہے۔

ایک اہم تنبیہ

غزوۂ خیبر سے قبل غنائم کی تقسیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صواب دید پر ہوا کرتی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رائے کے مطابق جس کو جتنا چاہتے عطا فرماتے تھے، سب سے پہلے غنائم کی تقسیم مجاہدین کے استحقاق کے رو سے غزوۂ خیبر میں ہوئی، جس میں یہ طے پایا تھا کہ فارس کو اتنے حصے ملیں گے اور راجل کو اتنے۔

ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان فارس کو ملنے والے حصے میں جو اختلاف ہوا ہے، اس کا بنیادی سبب شرکاء خیبر کی تعداد میں اختلاف کا ہونا ہے، اس سلسلے میں روایات میں شدید تعارض پایا جاتا ہے کہ شرکاء خیبر کی تعداد کیا تھی؟

شرکاء خیبر کی تعداد میں تقریباً دس قسم کے اقوال ہیں، جن میں تین زیادہ مشہور ہیں:

❶ حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کی روایت (جو ابھی گزری) سے معلوم ہوتا ہے کہ شرکائے خیبر کی تعداد پندرہ سو تھی، جن میں تین سو سوار اور بارہ سو پیادے تھے۔

❷ حضرت براء بن عازب اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چودہ سو تعداد تھی، جن میں دو سو سوار اور بارہ سو پیادے تھے۔

❸ امام مغازی موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے تعداد سولہ سو بتلائی ہے۔

جمہور نے چودہ سو کی تعداد کو راجح قرار دیا ہے اور احناف پندرہ سو کی تعداد کو راجح قرار دیتے ہیں۔

غنائم خیبر کے اولاً چھتیس ٣٦ حصے کئے گئے تھے، جن میں اٹھارہ ١٨ حصے مسلمانوں کی عام ضروریات کے لئے مختص کر دیئے گئے اور باقی اٹھارہ ١٨ حصوں میں سے ہر ہر حصہ سو مجاہدین میں تقسیم کیا گیا گویا مجاہدین میں تقسیم کئے جانے والے حصوں کی تعداد اٹھارہ سو ١٨٠٠ ہوگئی۔

اب غنائم خیبر کی تقسیم میں اختیار کی گئی صورتیں مندرجہ ذیل ہوسکتی ہیں:

❶ جمہور کے قول کے مطابق لشکر اسلام چودہ سو افراد پر مشتمل تھا، جس میں دو سو فارس تھے، چنانچہ فارس کو تین حصے دیئے گئے یعنی دو سو فارس کو ٦٠٠ حصے دیئے گئے اور راجل جن کی تعداد بارہ سو تھی، انہیں ایک ایک حصہ دیا گیا، تو یہ کل میزان ١٨٠٠ ہوگئی۔

۲ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق لشکر اسلام پندرہ سو افراد پر مشتمل تھا، جس میں تین سو فارس تھے، چنانچہ فارس کو دو دو حصے دیئے گئے یعنی تین سو فارس کو ۶۰۰ حصے دیئے گئے اور راجل جن کی تعداد بارہ سو تھی، انہیں ایک ایک حصہ دیا گیا تو یہ کل میزان ۱۸۰۰ ہوگئی۔

دلائل جمہور کے جوابات

جمہور کی سب سے قوی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، لیکن یہ حدیث بوجوہ جمہور کا مستدل نہیں بن سکتی:

۱ اس میں جو تقسیم غنائم کا بیان ہے، اس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ یہ تقسیم غزوۂ خیبر سے قبل ہوئی تھی یا بعد میں ممکن ہے کہ غزوۂ خیبر سے قبل کا واقعہ ہو، جو خیبر کے موقع پر منسوخ ہوگیا۔

۲ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں جو فرس کو دو حصے دیئے جانے کا ذکر ہے وہ بطور نفل (زائد) تھا ورنہ عام قانون وضابطہ تو یہی ہے کہ ایک حصہ سوار کو دیا جائے اور ایک حصہ سواری کو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجاہدین کو بطور نفل، استحقاق سے زائد حصے دینا ثابت ہے، جیسا کہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ ذی قرد میں دو حصے عطا فرمائے تھے، ایک فارس کا اور ایک راجل کا، حالانکہ وہ راجل تھے۔

۳ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دونوں طرح کی روایات مروی ہیں کچھ میں فارس کے لئے تین حصوں کا ذکر ہے، کچھ میں دو کا، یعنی دونوں قسم کی روایتوں میں تعارض ہے، لہٰذا ان دونوں سے استدلال نہیں کیا جائے گا،، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث راجح ہوگی، جس میں فارس کو دو حصے دیئے جانے کا ذکر ہے۔

۴ مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد کی شرح بذل المجهود میں فرماتے ہیں کہ بسا اوقات عربی کتابت میں الف کو حذف کردیا جاتا ہے، چنانچہ جن روایات میں للفرس ہے وہ دراصل للفارس تھا، الف کو حذف کردیا گیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں مقابلے میں راجل ذکر کیا گیا ہے، جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ صحیح لفظ فارس تھا نہ کہ فرس، لیکن راوی نے فارس کو فرس سمجھا، اس لئے للفارس کی بجائے للفرس روایت کردیا اور ظاہر بات ہے کہ راوی کا فہم حجت نہیں اور اس دعوے کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کے تحت ذکر کیا: عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم جعل للفارس سهمين والراجل سهما چنانچہ یہ وہی روایت ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرس کے لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۵ اس باب میں باعتبار مجموع دو قسم کی متعارض احادیث ہیں، ایک تو وہ ہیں جن میں للفارس سهمين آیا ہے، جب کہ دوسری قسم کی روایات میں للفارس ثلثة أسهم مروی ہے، لیکن پہلی قسم کی روایات قیاس کے موافق ہیں،

اس لئے کہ جہاد کے معاملے میں راجل اصل ہے اور فرس آلۂ جہاد ہونے کی وجہ سے اس کا تابع ہے، کیونکہ فرس کے بغیر تنہا راجل سے جہاد کا کام چل جاتا ہے، لیکن تنہا فرس سے کام نہیں چلتا، اس لئے فرس تابع ہوا اور تابع کو اصل پر فضیلت دینا عقل وقیاس کے خلاف ہے، چنانچہ جب احادیث میں تعارض ہے تو وہ حدیث راجح ہوگی جو قیاس کے موافق ہوگی۔

جمہور کی دوسری دلیل کا جواب

جہاں تک حضرت ابورہم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ہے، اس سے بھی جمہور کا استدلال بوجوہ درست نہیں:

❶ اس حدیث کی سند میں ایک راوی قیس بن ربیع ہیں جو مختلف فیہ ہیں اور دوسرے اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ ہیں، جن کو ضعیف راویوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

❷ حضرت ابورہم رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ صحابی ہیں یا نہیں؟

❸ اس حدیث شریف میں بھی وہی نفل والا احتمال موجود ہے کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اور ان کے بھائی کو جو دو حصے زائد دیئے تھی وہ بطور نفل ہوں، اس لئے اس سے استدلال درست نہیں ہوسکتا۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ

أَنَّ جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ قَالَ مَشَيْتُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور عثمان بن عفان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

وَسَلَّمَ فَقُلْنَا أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ وَتَرَكْتَنَا وَنَحْنُ بِمَنْزِلَةٍ وَّاحِدَةٍ مِنْكَ

ہم نے عرض کیا کہ آپ نے بنو مطلب کو تو خیبر کے خمس میں سے عنایت فرمایا ہے اور ہمیں نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ آپ سے قرابت میں ہم اور وہ برابر ہیں۔

فَقَالَ إِنَّمَا بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَّاحِدٌ قَالَ جُبَيْرٌ وَلَمْ يَقْسِمِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

وَسَلَّمَ لِبَنِي عَبْدِ شَمْسٍ وَبَنِي نَوْفَلٍ شَيْئًا

بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو (خمس میں سے) کچھ نہیں دیا تھا۔

اس حدیث کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شجرہ نسب سامنے ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شجرہ نسب ہے:

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد میں عبدمناف تھے، جن کے چار بیٹے تھے: ❶ ہاشم ❷ مطلب ❸ نوفل اور ❹ عبد شمس۔

ان میں ہاشم کی نسل سے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

عبد مناف کے دوسرے بیٹے مطلب وہی ہیں، جو اپنے بھتیجے شیبہ بن ہاشم (عبد المطلب) کو مدینہ منورہ میں ان کی والدہ سے لے کر مکہ مکرمہ آئے تھے اور جن کا نام بعد میں شیبہ سے عبد المطلب پڑ گیا تھا۔ مطلب کی نسل میں حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ ہیں۔ عبد مناف کے تیسرے بیٹے نوفل تھے، ان کی نسل میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ہیں۔ عبد مناف کے چوتھے بیٹے عبد شمس تھے، ان کی نسل میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

خمس خیبر کی تقسیم اور بنو نوفل و بنو عبد شمس کی خفگی

خیبر کا مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم ہو گیا اور اس میں سے خمس علیحدہ کر لیا گیا، وہ خمس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اپنے رشتے داروں کو دیا کرتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے بنو ہاشم کو بھی دیا اور بنو المطلب کو بھی دیا، لیکن بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو کچھ نہیں دیا، حالانکہ یہ سب بنو عبد مناف میں سے ہیں۔ یہ بات حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما نے محسوس کی، چنانچہ یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے بنو ہاشم کو تو اپنے رشتے داروں میں شامل کیا، ہاشم کے بھائی مطلب کی اولاد (بنو المطلب) کو بھی آپ نے اپنے رشتے داروں میں شمار کیا، لیکن عبد مناف کے باقی دو بیٹوں یعنی بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو آپ نے کچھ نہیں دیا؟ گویا ان دونوں حضرات کو بنو ہاشم کے دینے پر اعتراض نہیں تھا، اس لیے کہ بنو ہاشم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے براہ راست رشتے دار تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بنو ہاشم میں سے ہیں، انہیں اصل اعتراض یہ تھا کہ ہاشم کے ایک بھائی مطلب کے بیٹوں کو تو آپ نے اپنے رشتے داروں میں شمار کیا ہے، مگر باقی دو بھائیوں نوفل اور عبد شمس کی اولاد کو اپنے رشتے داروں میں شمار نہیں کیا، حالانکہ سب بنو عبد مناف ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات سے فرمایا کہ نہیں! ایسا نہیں ہے، یہ سب برابر نہیں ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے خاندان بنو ہاشم کو شعب ابی طالب میں محصور کیا، تو اس وقت میں بنو ہاشم کا ساتھ دینے والے صرف بنو مطلب تھے، نہ بنو عبد شمس نے اس وقت ساتھ دیا تھا اور نہ ہی بنو نوفل نے ساتھ دیا تھا، تو پریشانی کے وقت میں بنو ہاشم اور بنو المطلب اکٹھے تھے، تو اب مال کی تقسیم میں بھی بنو ہاشم اور بنو المطلب ایک ساتھ ہوں گے، یعنی جب بنو نوفل او بنو عبد شمس پریشانی میں ہمارے ساتھ نہیں تھے، تو مال غنیمت میں بھی یہ ہمارے ساتھ نہیں ہوں گے۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَلَغَنَا مَخْرَجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ بِالْيَمَنِ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے متعلق خبر ملی تو ہم یمن میں تھے۔

فَخَرَجْنَا مُهَاجِرِينَ إِلَيْهِ أَنَا وَأَخَوَانِ لِي أَنَا أَصْغَرُهُمْ أَحَدُهُمَا أَبُو بُرْدَةَ وَالْآخَرُ أَبُو رُهْمٍ إِمَّا

اس لیے ہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کی نیت سے نکل پڑے۔ میں اور میرے دو بھائی، میں دونوں سے چھوٹا تھا۔ میرے ایک بھائی کا نام ابوبردہ تھا

قَالَ بِضْعٌ وَّ إِمَّا قَالَ فِيْ ثَلَاثَةٍ وَّ خَمْسِيْنَ أَوِ اثْنَيْنِ وَ خَمْسِيْنَ رَجُلًا مِّنْ قَوْمِيْ فَرَكِبْنَا سَفِيْنَةً
اور دوسرے کا ابورہم۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم پچاس سے کچھ زیادہ یا انہوں نے فرمایا کہ ترپن (۵۳) یا باون (۵۲) میری قوم کے لوگ ساتھ تھے۔ ہم کشتی پر سوار ہوئے

فَأَلْقَتْنَا سَفِيْنَتُنَا إِلَى النَّجَاشِيِّ بِالْحَبَشَةِ فَوَافَقْنَا جَعْفَرَ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ فَأَقَمْنَا مَعَهُ حَتّٰى
لیکن ہماری کشتی ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں لے آئی۔ وہاں ہماری ملاقات جعفر بن ابی طالب سے ہوگئی (جو پہلے ہی مکہ سے ہجرت کر کے وہاں پہنچ چکے تھے) ہم نے وہاں ان

قَدِمْنَا جَمِيْعًا فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ افْتَتَحَ خَيْبَرَ وَكَانَ أُنَاسٌ مِّنَ
کے ساتھ قیام کیا، پھر ہم سب مدینہ ساتھ روانہ ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب آپ ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے۔ کچھ لوگ ہم کشتی والوں سے کہنے لگے

النَّاسِ يَقُوْلُوْنَ لَنَا يَعْنِيْ لِأَهْلِ السَّفِيْنَةِ سَبَقْنَاكُمْ بِالْهِجْرَةِ وَدَخَلَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ
کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے ، اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جو ہمارے ساتھ مدینہ آئی تھیں، ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں

وَهِيَ مِمَّنْ قَدِمَ مَعَنَا عَلٰى حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَةً وَقَدْ كَانَتْ هَاجَرَتْ
ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئیں، وہ بھی نجاشی کے ملک میں ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہجرت کر کے چلی گئی تھیں۔

إِلَى النَّجَاشِيِّ فِيْمَنْ هَاجَرَ فَدَخَلَ عُمَرُ عَلٰى حَفْصَةَ وَ أَسْمَاءُ عِنْدَهَا فَقَالَ عُمَرُ حِيْنَ رَأٰى
اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے، اس وقت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا وہیں تھیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا

أَسْمَاءَ مَنْ هٰذِهِ؟ قَالَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ قَالَ عُمَرُ الْحَبَشِيَّةُ هٰذِهِ الْبَحْرِيَّةُ هٰذِهِ قَالَتْ
تو دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ اسماء بنت عمیس ہیں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا اچھا وہی جو حبشہ سے بحری سفر کر کے آئی ہیں۔

أَسْمَاءُ نَعَمْ قَالَ سَبَقْنَاكُمْ بِالْهِجْرَةِ فَنَحْنُ أَحَقُّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْكُمْ
اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جی ہاں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ہم تم لوگوں سے ہجرت میں آگے ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ سے ہم تمہارے مقابلہ میں زیادہ قریب ہیں۔

فَغَضِبَتْ وَ قَالَتْ كَلَّا وَاللّٰهِ كُنْتُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْعِمُ جَائِعَكُمْ
اسماء رضی اللہ عنہا اس پر بہت غصہ ہوگئیں اور کہا ہرگز نہیں: اللہ کی قسم! تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ہو، تم میں جو بھوکے ہوتے تھے انہیں آپ ﷺ کھانا کھلاتے تھے

وَيَعِظُ جَاهِلَكُمْ وَ كُنَّا فِيْ دَارِ أَوْ فِيْ أَرْضِ الْبُعَدَاءِ الْبُغَضَاءِ بِالْحَبَشَةِ وَ ذٰلِكَ فِي اللّٰهِ وَفِيْ رَسُوْلِهِ
اور جو ناواقف ہوتے انہیں آپ ﷺ وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ لیکن ہم بہت دور حبشہ میں غیروں اور دشمنوں کے ملک میں رہتے تھے، یہ سب کچھ ہم نے اللہ اور اس کے رسول

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ ايْمُ اللّٰهِ لَا أَطْعَمُ طَعَامًا وَ لَا أَشْرَبُ شَرَابًا حَتّٰى أَذْكُرَ مَا قُلْتَ
کے راستے ہی میں تو کیا اور اللہ کی قسم! میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک تمہاری بات رسول اللہ ﷺ سے نہ کہہ لوں۔

لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ كُنَّا نُؤْذٰى وَ نُخَافُ وَسَأَذْكُرُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
ہمیں اذیت دی جاتی تھی، ڈرایا دھمکایا جاتا تھا۔ میں نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کروں گی اور آپ سے اس کے متعلق پوچھوں گی۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسْأَلُهُ وَاللّٰهِ لَا أَكْذِبُ وَ لَا أَزِيْغُ وَلَا أَزِيْدُ عَلَيْهِ فَلَمَّا جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
اللہ کی قسم نہ میں جھوٹ بولوں گی، نہ کج روی اختیار کروں گی اور نہ کسی (خلاف واقعہ بات کا) اضافہ کروں گی۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے عرض کیا:

وَسَلَّمَ قَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ إِنَّ عُمَرَ قَالَ كَذَا وَ كَذَا قَالَ فَمَا قُلْتِ لَهُ؟ قَالَتْ قُلْتُ لَهُ كَذَا وَ كَذَا
یا نبی اللہ! عمر اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ پھر تم نے انہیں کیا جواب دیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے انہیں یہ یہ جواب دیا تھا۔

قَالَ لَيْسَ بِأَحَقَّ بِيْ مِنْكُمْ وَلَهُ وَلِأَصْحَابِهِ هِجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ وَلَكُمْ أَنْتُمْ أَهْلَ السَّفِيْنَةِ هِجْرَتَانِ
نبی کریم ﷺ نے اس پر فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ مجھ سے قریب نہیں ہیں۔ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو صرف ایک ہجرت حاصل ہوئی اور تم کشتی والوں نے دو ہجرتوں کا شرف

قَالَتْ فَلَقَدْ رَأَيْتُ أَبَا مُوسَى وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ يَأْتُونِي أَرْسَالًا يَسْأَلُونِّي عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ
حاصل کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور تمام کشتی والے میرے پاس گروہ درگروہ آنے لگے اور مجھ سے اس حدیث

مَا مِنَ الدُّنْيَا شَيْءٌ هُمْ بِهِ أَفْرَحُ وَلَا أَعْظَمُ فِي أَنْفُسِهِمْ مِمَّا قَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
کے متعلق پوچھنے لگے۔ ان کے لیے دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے متعلق اس ارشاد سے زیادہ خوش کن اور باعث فخر اور کوئی چیز نہیں تھی۔

وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو بُرْدَةَ قَالَتْ أَسْمَاءُ فَلَقَدْ رَأَيْتُ أَبَا مُوسَى وَإِنَّهُ لَيَسْتَعِيدُ هٰذَا الْحَدِيثَ مِنِّي
حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ابوموسیٰ کو دیکھا کہ وہ بار بار مجھ سے یہ حدیث سنا کرتے تھے

روایت کا پس منظر

غزوۂ خیبر سے دوڈھائی ماہ قبل صلح حدیبیہ ہوئی تھی، اس صلح کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا تھا کہ دس سال کے عرصے تک جنگ بندی ہوگئی تھی اور اطراف کے راستے کھل گئے تھے، چنانچہ جن مسلمانوں کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچنا دشوار تھا، وہ صلح کے بعد آسان ہوگیا تھا، کیونکہ جب تک صلح نہیں ہوئی تھی تو راستے پر خطر تھے، مسلمان اور کافر ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے تیار رہتے تھے، اس صلح کے نتیجے میں راستے پُرامن ہوگئے تھے اور لوگوں کی آزادانہ نقل وحرکت شروع ہوگئی تھی، لہٰذا وہ مسلمان جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے حبشہ کی طرف ہجرت کرکے گئے ہوئے تھے، ان کو جب صلح کا علم ہوا، تو انہوں نے مدینہ منورہ آنے کی تیاری شروع کردی۔ اسی طرح یمن کے لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آنا چاہتے تھے، ان کو جب صلح کا علم ہوا تو انہوں نے بھی مدینہ منورہ آنے کا ارادہ کیا، چنانچہ یمن سے قافلہ روانہ ہوا جس میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، ان کے دو بھائی اور پچاس سے زائد افراد تھے، یہ مدینہ منورہ جانے کے لیے ایک کشتی میں سوار ہوئے لیکن ہوا کے تھپیڑوں کے سبب کشتی نے انہیں حبشہ پہنچا دیا، جب یہ حبشہ پہنچ گئے تو وہاں حبشہ کے مہاجرین سے ان کی ملاقات ہوئی، وہ بھی مدینہ منورہ جانا چاہ رہے تھے، چنانچہ حبشہ کے مہاجرین اور یہ یمن کے اشعریین، سب اکٹھے مدینہ منورہ روانہ ہوئے، جب یہ مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کے غزوہ کے لیے گئے ہوئے ہیں، چنانچہ یہ حضرات بھی خیبر روانہ ہوگئے۔

اس سفر میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں، اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن ہیں اور بالکل ابتداء میں اسلام لے آئیں تھیں، ان کا نکاح حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوگیا تھا، چنانچہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو یہ بھی ان کے ساتھ تھیں، سن ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر کے موقعہ پر مدینہ منورہ آئیں، جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ غزوۂ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد (جس کا واقعہ ان شاء اللہ آگے آئے گا) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا، حجۃ الوداع کے موقع پر ان سے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مرض

وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم پر ان کی تیمارداری اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہی کرتی تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لے کے نکاح میں آئیں اور ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے ہوئے۔

قَالَ أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْرِفُ أَصْوَاتَ رُفْقَةِ

حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اشعری احباب رات میں آتے ہیں

الْأَشْعَرِيِّينَ بِالْقُرْآنِ حِينَ يَدْخُلُونَ بِاللَّيْلِ وَ أَعْرِفُ مَنَازِلَهُمْ مِنْ أَصْوَاتِهِمْ بِالْقُرْآنِ

تو میں ان کی قرآن کی تلاوت کی آواز پہچان جاتا ہوں کہ وہ کہاں موجود ہیں مجھے اس جگہ کا ان کی تلاوت کی آواز کی وجہ سے معلوم ہوجاتا ہے

بِاللَّيْلِ وَ إِنْ كُنْتُ لَمْ أَرَ مَنَازِلَهُمْ حِينَ نَزَلُوا بِالنَّهَارِ وَ مِنْهُمْ حَكِيمٌ إِذَا لَقِيَ الْخَيْلَ

اگرچہ دن میں، میں نے ان کی اقامت گاہوں کو نہ دیکھا ہو۔ ان ہی اشعری احباب میں ایک حکیم بھی ہے کہ جب کہیں اس کی سواروں سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے

أَوْ قَالَ الْعَدُوَّ قَالَ لَهُمْ إِنَّ أَصْحَابِي يَأْمُرُونَكُمْ أَنْ تَنْظُرُوهُمْ

یا آپ نے فرمایا کہ دشمن سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے تو وہ ان سے کہتا ہے کہ میرے دوستوں نے کہا ہے کہ تم تھوڑی دیر کے لیے ان کا انتظار کرلو

اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یمن کے قبیلہ اشعریین کے لیے کی جانے والی تعریف کا ذکر ہے۔ اشعریین کا لہجہ بڑا شان دار تھا، خصوصا جب یہ حضرات قرآن پڑھتے تو بڑی میٹھی آواز میں پڑھتے تھے اور اس میں بلا کی تاثیر ہوتی تھی۔ روایت میں وارد ہوا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، وہ قرآن پڑھ رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے اور دیر تک قرآن سنتے رہے، اگلے دن صبح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم رات کو گزرے تھے اور اس وقت تم تہجد پڑھ رہے تھے، میں کافی دیر تک تمہارا قرآن سنتا رہا، لقد أوتيت مزمارا من مزامير ال داؤد تمہیں تو آل داؤد کی سُروں میں سے سُر دیئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے تم بہت شان دار قرآن پڑھتے ہو۔ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر مجھے پتا ہوتا کہ آپ میری تلاوت سن رہے ہیں تو میں قرآن کو اور زیادہ سنوار کر پڑھتا۔ معلوم ہوا کہ طیب قلب مومن کے لیے اگر قرآن سنوار کر پڑھا جائے تو یہ تقویٰ، زہد یا اخلاص کے خلاف نہیں ہے، بشرطیکہ کوئی غرض فاسد شامل نہ ہو۔

وَ أَعْرِفُ مَنَازِلَهُمْ مِنْ أَصْوَاتِهِمْ بِالْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ: یعنی اگر یہ اشعریین کسی خیمے میں ٹھہرے ہوئے ہوں تو مجھے نہیں پتا ہوتا کہ یہ اس خیمے میں ٹھہرے ہوئے ہیں، لیکن رات کو جب میں گزرتا ہوں اور تہجد میں ان کی قرآن کی آواز آتی ہے، تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ اشعریین اس خیمے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

وَ مِنْهُمْ حَكِيمٌ : حکیم یا تو قبیلہ اشعریین کے کسی فرد کا نام ہے یا کسی کی فرد کی صفت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اشعریین کے لوگ قرآن کے بھی ماہر ہیں اور ان میں حکمت والے لوگ بھی ہیں جو جنگ میں ہوش مندی اور بہادری

سے کام لیتے ہیں۔

إِذَا لَقِيَ الۡخَيۡلَ سے اگر دشمن مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ حکیم دشمن کے مقابلہ سے بھاگتا نہیں ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ ذرا صبر کرو ہم تم سے لڑنے کے لئے حاضر ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ وہ بڑا حکمت و دانائی والا ہے، دشمنوں کو اس طرح ڈرا کر اپنے آپ کو ان سے بچا لیتا ہے، دشمن اس کی اس بات سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اکیلا نہیں ہے بلکہ اس کے اور ساتھی بھی پیچھے آرہے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ **إِذَا لَقِيَ الۡخَيۡلَ** سے مسلمان مراد لئے جائیں تو مطلب ہوگا کہ جب وہ مسلمان سواروں سے ملتا ہے تو کہتا ہے کہ ذرا ٹھہرو! ہمارے پیدل ساتھیوں کو آجانے دو پھر ہم سب مل کر کافروں سے لڑیں گے۔

حَدَّثَنِيۡ إِسۡحَاقُ بۡنُ إِبۡرَاهِيۡمَ سَمِعَ حَفۡصَ بۡنَ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا بُرَيۡدُ بۡنُ عَبۡدِ اللهِ عَنۡ أَبِيۡ بُرۡدَةَ

عَنۡ أَبِيۡ مُوسٰى قَالَ قَدِمۡنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ بَعۡدَ أَنِ افۡتَتَحَ خَيۡبَرَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خیبر کی فتح کے بعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے تھے، تو نبی کریم ﷺ نے (مال غنیمت میں) ہمارا بھی حصہ لگایا

فَقَسَمَ لَنَا وَ لَمۡ يَقۡسِمۡ لِأَحَدٍ لَمۡ يَشۡهَدِ الۡفَتۡحَ غَيۡرِنَا

اور آپ ﷺ نے ہمارے سوا کسی بھی ایسے شخص کا حصہ مال غنیمت میں نہیں لگایا جو فتح کے وقت (اسلامی لشکر کے ساتھ) موجود نہیں تھا

فَقَسَمَ لَنَا وَلَمۡ يَقۡسِمۡ لِأَحَدٍ: اگر کوئی شخص غزوہ میں شریک ہوتا ہے، تو اسے مال غنیمت میں حصہ ملتا ہی ہے، اسی طرح جہاد ختم ہونے سے پہلے اگر کوئی شخص لشکر کے ساتھ آکر مل جاتا ہے تو بالاتفاق اس کا بھی مال غنیمت میں حصہ ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص جہاد ختم ہونے کے بعد اور مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے لشکر سے آکر مل جاتا ہے تو اس کو مال غنیمت میں حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے:

❶ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے اس میں دو قول ہیں:

① ایک قول یہ ہے کہ اس شخص کو حصہ نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ وہ جہاد میں شریک نہیں ہوا۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو حصہ ملے گا کیونکہ وہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے پہنچ گیا ہے۔

❷ احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب تک مال غنیمت دار الاسلام کی سرحدوں میں داخل نہیں ہو جاتا، اس سے پہلے پہلے اگر کوئی آکر لشکر سے مل جائے تو اس کو حصہ دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

اب اس حدیث کا ایک حصہ شافعیہ کے موافق ہے اور دوسرا حصہ حنفیہ کے موافق ہے۔ غیر اشعرین کو تقسیم نہیں فرمایا یہ بظاہر شافعیہ کے مطابق ہے اور اشعرین کو تقسیم فرمایا تو بظاہر یہ حنفیہ کے مطابق ہے، لہٰذا دونوں جانب کے علماء اس میں تاویل کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ کیا قصہ ہے اشعرین کو دیا اور غیر اشعرین کو نہیں دیا اس کی کیا وجہ ہے؟

شراح نے اس میں کافی لمبی چوڑی توجیہات بیان فرمائی ہیں، لیکن جو زیادہ واضح بات معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ

جب خیبر فتح ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت وہاں قائم ہو گئی تو وہ دارالاسلام بن گیا، لہٰذا جو مال غنیمت ہے وہ دارالاسلام میں ہے اور جب دارالاسلام میں ہے تو اب آنے والے اس کے حصہ دار نہیں ہو سکتے، لہٰذا غیر اشعریین کو جو نہیں دیا گیا وہ اسی عام قاعدہ کے مطابق نہیں دیا گیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو جو مال دیا گیا وہ خمس میں سے دیا گیا، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکمل اختیار تھا کہ جس کو چاہے دیدیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اشعریین کو مال ان کی خصوصیت کی بناء پر دیا گیا ہو کیونکہ انہوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دیں کہ پہلے یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے، تو کشتی انہیں حبشہ لے گئی اور حبشہ میں ایک عرصہ تک جلاوطنی کی زندگی گزاری، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طیب خاطر کے لئے انہیں حصہ دیا، ورنہ عام حکم یہ نہیں تھا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ حَدَّثَنِي ثَوْرٌ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمٌ مَوْلَى ابْنِ مُطِيعٍ

أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ افْتَتَحْنَا خَيْبَرَ وَلَمْ نَغْنَمْ ذَهَبًا وَلَا فِضَّةً إِنَّمَا غَنِمْنَا
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے خیبر فتح کیا تو مال غنیمت میں سونا اور چاندی نہیں ملا تھا بلکہ مال غنیمت میں

الْبَقَرَ وَالْإِبِلَ وَالْمَتَاعَ وَالْحَوَائِطَ ثُمَّ انْصَرَفْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى
گائے، اونٹ، سامان اور باغات ملے تھے، پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وادی القریٰ کی طرف لوٹے۔

وَادِي الْقُرَى وَمَعَهُ عَبْدٌ لَهُ يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ أَهْدَاهُ لَهُ أَحَدُ بَنِي الضِّبَابِ فَبَيْنَمَا هُوَ يَحُطُّ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک مدعم نامی غلام تھا جو بنی ضباب کے ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ میں دیا تھا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

رَحْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ حَتَّى أَصَابَ ذَلِكَ الْعَبْدَ
کجاوہ اتار رہا تھا کہ کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آ کر ان کے لگا (جس سے ان کی موت واقع ہو گئی)۔

فَقَالَ النَّاسُ هَنِيئًا لَهُ الشَّهَادَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَى وَالَّذِي نَفْسِي
لوگوں نے کہا کہ اسے شہادت مبارک ہو، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں نہیں، لیکن اس ذات کی قسم!

بِيَدِهِ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَصَابَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ
جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چادر اس نے خیبر میں تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے چرائی تھی وہ اس پر آگ کا شعلہ بن کر بھڑک رہی ہے۔

نَارًا فَجَاءَ رَجُلٌ حِينَ سَمِعَ ذَلِكَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِرَاكٍ أَوْ بِشِرَاكَيْنِ فَقَالَ
یہ سن کر ایک دوسرے صحابی ایک یا دو تسمے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا

هَذَا شَيْءٌ كُنْتُ أَصَبْتُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِرَاكٌ أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ
کہ یہ میں نے اٹھا لیے تھے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بھی جہنم کا تسمہ یا دو تسمے ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **افْتَتَحْنَا خَيْبَرَ** کہ ہم نے خیبر فتح کیا۔ اگرچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر میں شریک نہیں ہوئے تھے، بلکہ فتح خیبر کے بعد آئے تھے، لیکن متکلم کا صیغہ المسلمون کے معنی میں ہے کہ ہم مسلمانوں نے خیبر فتح کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ افتتحنا أي: افتتح المسلمون

خیبر یعنی جب مسلمانوں نے خیبر فتح کیا۔

ثُمَّ انْصَرَفْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى وَادِي الْقُرٰى: خیبر کے دائیں طرف (مشرق کی طرف) فدک ہے، اور بائیں طرف (مغرب کی جانب) وادی القریٰ ہے، جب آپ ﷺ نے خیبر کے قلعوں کو فتح کیا، تو اس کے بعد آپ دائیں طرف فدک کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور فدک کا محاصرہ کیا، جس کے نتیجے میں فدک کا پورا علاقہ بطریق صلح آپ کے قبضے میں آ گیا، پھر اس کے بعد آپ بائیں طرف یعنی وادی القری کی طرف تشریف لے گئے اور وہ علاقہ بھی فتح ہوا۔

بَلٰى وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِيْ أَصَابَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ: یہاں ہمارے نسخوں میں بَلٰی ہے، جبکہ بعض نسخوں میں بل ہے حافظ ابن حجر اور علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہما نے بل کو صحیح قرار دیا، مؤطا امام مالکؒ کی روایت میں بَلٰی کی بجائے کلا ہے۔ کلا اور بل دونوں صورتوں میں مفہوم اور معنی صحیح بنتے ہیں، لیکن بَلٰی کی صورت میں معنی بظاہر صحیح نہیں ہوتے، اس لیے کہ بظاہر حضور ﷺ لوگوں کو اس کی شہادت پر مبارکباد دینے کی تردید کرنا چاہتے ہیں اور وہ تردید کلا اور بل کی صورت میں ہوسکتی ہے، لفظ بَلٰی کی صورت میں تو شہادت کی تردید نہیں ہوگی بلکہ تائید ہوگی جو بظاہر آپ ﷺ کے مدعا کے خلاف ہے، اس لیے جن نسخوں میں بَلٰی ہے بعض حضرات نے اسے وہم قرار دیا ہے۔ جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر بَلٰی ہو تو بھی اس کے معنی بن سکتے ہیں، وہ اس طرح کہ یہاں آپ ﷺ شہادت کی تردید نہیں فرما رہے، بلکہ شہادت کی تائید فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی اس بات کا اظہار فرما رہے ہیں کہ شہادت کی وجہ سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے اور چونکہ ان صاحب سے حقوق العباد میں کمی پائی گئی، اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِيْ أَصَابَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا۔ جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی شہید ہوتا ہے تو وہ شہادت اس کے ہر گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ تو جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا کہ یہ بھی فرما دیجیے إلا الدين کہ شہادت سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی بندے کا حق دبایا ہو تو وہ معاف نہیں ہوتا۔

دین کا مفہوم

دین صرف قرض کو نہیں کہتے، بلکہ دین اور قرض کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، دین اعم ہے اور قرض اخص ہے۔ دین ہر اس حق کو کہا جاتا ہے، جو کسی انسان کے ذمہ کسی بھی وجہ سے واجب ہو، جبکہ قرض صرف مالی حق سے متعلق ہے۔ اس لیے اگر کسی بندے کا کسی شہید نے حق دینا ہے، تو اس کی شہادت سے وہ حق معاف نہیں ہوتا، باقی جتنے گناہ ہیں وہ معاف ہو جائیں گے، لیکن اگر کسی کی حق تلفی کی ہے تو وہ شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتی۔

فَجَاءَ رَجُلٌ حِيْنَ سَمِعَ ذٰلِكَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ بِشِرَاكٍ أَوْ بِشِرَاكَيْنِ: ایک آدمی نے جب نبی کریم ﷺ سے یہ سخت وعید سنی تو وہ ایک تسمہ یا دو تسمے لے کر آیا اور کہا: **هٰذَا شَيْءٌ كُنْتُ أَصَبْتُهُ** کہ یا رسول اللہ! یہ وہ تسمہ ہے جو تقسیم سے پہلے میں نے لے لیا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: **شِرَاكٌ أَوْ شِرَاكَيْنِ مِنْ نَّارٍ** کہ یہ ایک تسمہ یا دو تسمے آگ کے ہیں۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد **شِرَاكٌ أَوْ شِرَاكَيْنِ مِنْ نَّارٍ** کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

١ ایک یہ کہ اگر تم واپس نہ کرتے تو یہ آگ کے تسمے ہوتے۔

٢ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے، جو سنن ابوداؤد کی روایت میں صراحتاً آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو آگ کے تسمے ہیں، یہ تم قیامت کے دن ہی لے کر آنا۔ یعنی میں یہ واپس نہیں لوں گا، کیونکہ یہ میرا ذاتی مال تو ہے نہیں، یہ تو مجاہدین میں تقسیم ہونا تھا، لیکن تم نے تقسیم سے پہلے اسے لے لیا، اب یہ کیسے ممکن ہوگا کہ مال غنیمت جو پندرہ سو افراد میں تقسیم ہو چکا ہے، اس کو دوبارہ واپس جمع کیا جائے، پھر اس میں یہ دو تسمے شامل کیے جائیں، پھر از سرِ نو تقسیم کی جائے، یہ تو عملاً ناممکن ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آگ کے تسمے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي زَيْدٌ عَنْ أَبِيْهِ

أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ لَا أَنْ أَتْرُكَ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر اس کا خطرہ نہ ہوتا کہ بعد کی نسلیں

اٰخِرَ النَّاسِ بَبَّانًا لَيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مَا فُتِحَتْ عَلَيَّ قَرْيَةٌ إِلَّا قَسَمْتُهَا كَمَا قَسَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

بے جائیداد رہ جائیں گی اور ان کے پاس کچھ نہ ہوگا تو جو بھی بستی میرے زمانہ خلافت میں فتح ہوتی، میں اسے اسی طرح تقسیم کر دیتا جس طرح نبی کریم ﷺ نے خیبر کی زمین تقسیم کی

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ وَ لٰكِنِّي أَتْرُكُهَا خِزَانَةً لَّهُمْ يَقْتَسِمُوْنَهَا

تھی، لیکن میں ان مفتوحہ اراضی کو بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے محفوظ چھوڑے جا رہا ہوں تاکہ وہ اسے تقسیم کرتے رہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيْهِ

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَوْ لَا اٰخِرُ الْمُسْلِمِيْنَ مَا فُتِحَتْ عَلَيْهِمْ قَرْيَةٌ إِلَّا قَسَمْتُهَا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر بعد میں آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو جو بستی بھی میرے دور میں فتح ہوتی، میں اسے اسی طرح تقسیم کر دیتا

كَمَا قَسَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ

جس طرح نبی کریم ﷺ نے خیبر کی تقسیم کر دی تھی

زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: **لَوْ لَا أَنْ أَتْرُكَ اٰخِرَ النَّاسِ بَبَّانًا** اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ بعد میں آنے والے لوگوں کو میں خالی چھوڑ دوں گا۔ **بَبَّان** کے معنی ہیں: خالی، فقیر، جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ یہ نہ ہوتا کہ میں آخر میں آنے والے لوگوں کو فقیر بنا کر چھوڑوں گا تو جب بھی کوئی بستی فتح ہوتی تو اسے مجاہدین کے درمیان تقسیم کرتا جیسے آپ ﷺ نے

خیبر کی زمین تقسیم فرمائی۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام اور عراق کے زمینوں کے بارے فرمائی تھی۔

جب شام اور عراق فتح ہوئے تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ ان کی زمین بھی مسلمانوں کے درمیان اسی طرح تقسیم کی جائے، جس طرح خیبر کی زمین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقسیم فرمائی تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں اس طرح تقسیم کرتا رہا تو پھر آگے آنے والوں کے لئے کچھ بھی نہیں بچے گا، لہٰذا انہوں نے زمینوں کو تقسیم کرنے کی بجائے ان کے مالکان کو ان پر برقرار رکھا اور ان پر خراج عائد کر دیا، اس خیال سے کہ وہ خراج بیت المال میں جمع ہو جائے گا اور اس سے سارے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ واقعہ بہت اہم ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ اسلام کے نظام اراضی میں نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں عام طور سے یہ طریقہ تھا کہ جب جہاد کے ذریعے کوئی شہر یا ملک فتح ہوتا تھا تو اس کی زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی جاتی تھیں، چنانچہ جب خیبر فتح ہوا تو خیبر کے فتح ہونے کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کی زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم فرما دیں، اسی طرح بعد میں جب بحرین فتح ہوا، تو بحرین کی فتح کے بعد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم فرمائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی یہی طریقہ برقرار رہا کہ جب کوئی بستی یا ملک فتح ہوتا تو اس کی زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو فتوحات کا دائرہ مزید وسیع ہوا اور عراق فتح ہوا، اس کے بعد شام فتح ہوا، جب یہ علاقے فتح ہوئے، تو عام خیال یہی تھا کہ پرانے دستور اور معمول کے مطابق یہ زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوں گی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں تردد ہوا، ان کی رائے یہ تھی کہ زمینوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کی بجائے اگر ان زمینوں پر ان کے پرانے مالکوں کو ہی برقرار رکھا جائے اور ان پر خراج عائد کیا جائے تو یہ مسلمانوں کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر ساری زمینیں اسی طرح تقسیم کی جاتی رہیں کہ جب بھی کوئی ملک فتح ہوا اور اس کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی جائیں گی، تو ساری زمینوں کا مجاہدین کے درمیان ارتکاز ہو جائے گا اور سب مجاہدین بڑی بڑی زمینوں اور رقبوں کے مالک ہو جائیں گے اور آنے والی نسلیں یا جو لوگ نئے مسلمان ہوں گے تو ان کے لئے کوئی زمین باقی ہی نہیں رہے گی، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ایسا کرنے کی بجائے اگر ہم یہ کریں کہ جن ممالک کو ہم نے فتح کیا ہے ان کے مالکان سے کہیں کہ آپ بدستور ان پر کاشت جاری رکھیں، البتہ ہمیں خراج دیں اور وہ خراج بیت المال میں جمع کر دیا جائے اور بیت المال چونکہ سارے مسلمانوں کا حق ہے، لہٰذا اس کا فائدہ سارے مسلمانوں کو پہنچے گا اور ان میں بعد میں آنے والے مسلمان بھی داخل ہوں گے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ میری رائے یہ ہے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ جو اس رائے کے حق میں نہیں تھے اور وہ چاہتے تھے کہ زمینوں کے اندر وہی طریقہ جاری رہنا چاہئے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جاری تھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی جاری تھا، چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ زمینیں اور ان کے باشندے سب مال غنیمت ہی کا حصہ ہیں اور انہیں عام قاعدے کے مطابق مجاہدین ہی میں تقسیم ہونی چاہئے کیونکہ یہ ان کا حق ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بات تو آپ کی صحیح ہے کہ یہ زمینیں مال غنیمت کا حصہ ہیں، لیکن میری رائے یہ نہیں ہے کہ انہیں مجاہدین میں تقسیم کیا جائے، کیونکہ میرے بعد کوئی ایسا شہر فتح نہیں ہوگا جس سے کچھ زیادہ مال و جائیداد حاصل ہو اور اگر میں نے عراق و شام کی زمینیں ان کے زمینداروں سمیت تقسیم کر دیں تو سرحدوں کی حفاظت کے لئے رقم کہاں سے آئے گی؟ شام و عراق کے علاقوں میں جو یتیم اور بیوائیں موجود ہیں ان کی دیکھ بھال کیسے ہوگی؟

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں مہاجرین اولین سے مشورہ فرمایا، ان میں سے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ مجاہدین کے حقوق ان ہی میں تقسیم کئے جائیں، جبکہ بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بھی داخل ہیں، یہ حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے سے متفق تھے کہ اگر اسی طرح زمینیں تقسیم کی جاتی رہیں تو آنے والوں کے لئے کوئی زمین نہیں رہے گی۔

اب جب یہ اختلاف سامنے آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کے بڑے بڑے حضرات کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے تفصیلی طور پر اپنے مؤقف کو پیش کیا، جس کے نتیجے میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کر لیا اور کہا کہ آپ کی رائے صائب ہے، یوں اس مجلس شوریٰ کے بعد یہ بات تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے طے پائی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بات چونکہ واضح ہوگئی ہے، لہٰذا اب کون ایسا شخص ہے جو مہارت اور تجربہ رکھتا ہو، جو زمینوں کا صحیح انتظام کرے اور زمینداروں پر اتنا خراج عائد کرے جو اُن کے لئے قابل برداشت ہو؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے نام پر اتفاق کیا اور کہا کہ ان کو اس کام کے لئے مقرر فرما دیجئے، ان کو اس معاملے میں بصیرت اور تجربہ حاصل ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ان زمینوں کی پیمائش کا حکم دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمینیں وہاں کے کاشتکاروں کو کاشت کے لئے دیدیں اور ان پر خراج عائد کر دیا اور وہ خراج بیت المال میں جمع ہوتا رہا، پھر یہی معاملہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شام کی زمینوں کے ساتھ بھی کیا۔

اس سے یہ مسئلہ متفق علیہ طور پر مستنبط ہوتا ہے کہ اگر جہاد کے ذریعے کوئی علاقہ فتح ہو تو اس میں امام کو اختیار ہے:

❶ اگر چاہے تو وہاں کی زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم کردے، پھر مجاہدین ان زمینوں کے ساتھ جو چاہیں کریں۔

❷ دوسرا یہ کہ اگر چاہے تو وہاں کے زمینداروں کو برقرار رکھ کر ان پر خراج عائد کردے۔

امام کو یہ دونوں اختیار حاصل ہیں، جس میں مصلحت سمجھے اس کو اختیار کرے، چنانچہ اس پر سارے فقہاء کا اتفاق ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ وَسَأَلَهُ إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ قَالَ

أَخْبَرَنِي عَنْبَسَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ

عنبسہ بن سعید فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے (خیبر کی غنیمت میں سے) حصہ مانگا۔ سعید بن عاص

قَالَ لَهُ بَعْضُ بَنِي سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ لَا تُعْطِهِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ هَذَا قَاتِلُ ابْنِ قَوْقَلٍ

کے ایک لڑکے (ابان بن سعید رضی اللہ عنہ) نے کہا: یا رسول اللہ! انہیں نہ دیجئے۔ اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ شخص تو ابن قوقل کا قاتل ہے۔

فَقَالَ وَا عَجَبَاهُ لِوَبْرٍ تَدَلَّى مِنْ قَدُومِ الضَّأْنِ

تو ابان رضی اللہ عنہ اس پر بولے حیرت ہے اس وبر پر جو ضان پہاڑی سے اتر آیا ہے۔

وَيُذْكَرُ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَنْبَسَةُ بْنُ سَعِيدٍ

أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يُخْبِرُ سَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَانَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو بتا رہے تھے کہ ابان کو نبی کریم ﷺ نے کسی سریہ پر

عَلَى سَرِيَّةٍ مِّنَ الْمَدِينَةِ قِبَلَ نَجْدٍ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقَدِمَ أَبَانُ وَأَصْحَابُهُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

مدینہ سے نجد کی طرف بھیجا تھا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ابان اور ان کے ساتھی آپ ﷺ کی خدمت میں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَيْبَرَ بَعْدَ مَا افْتَتَحَهَا وَإِنَّ حُزُمَ خَيْلِهِمْ لَلِيفٌ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ

خیبر کی فتح کے بعد حاضر ہوئے۔ ان لوگوں کے گھوڑے کے کمر بند کھجور کی چھال کے تھے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ!

اللهِ لَا تَقْسِمْ لَهُمْ قَالَ أَبَانُ وَأَنْتَ بِهَذَا يَا وَبْرُ تَحَدَّرَ مِنْ رَأْسِ ضَأْنٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ

غنیمت میں ان کا حصہ نہ لگایئے۔ اس پر ابان بولے اے وبر! تیری حیثیت تو صرف یہ ہے کہ قدوم الضان کی چوٹی سے اتر آیا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَانُ اجْلِسْ فَلَمْ يَقْسِمْ لَهُمْ

کہ ابان! بیٹھ جا! پھر نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کا حصہ نہیں لگایا

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ

أَخْبَرَنِي جَدِّي أَنَّ أَبَانَ بْنَ سَعِيدٍ أَقْبَلَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ

عمرو بن یحییٰ بن سعید کے دادا فرماتے ہیں کہ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا، تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا

أَبُو هُرَيْرَةَ يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا قَاتِلُ ابْنِ قَوْقَلٍ وَقَالَ أَبَانُ لِأَبِي هُرَيْرَةَ وَاعَجَبًا لَكَ وَبْرٌ تَدَأْدَأَ

کہ یا رسول اللہ! یہ تو ابن قوقل کا قاتل ہے اور ابان رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا حیرت ہے اس وبر پر جو قدوم الضان سے ابھی اترا ہے

مِنْ قَدُومِ ضَأْنٍ يَنْعَى عَلَيَّ امْرَأً أَكْرَمَهُ اللهُ بِيَدِي وَ مَنَعَهُ أَنْ يُهِينَنِي بِيَدِهِ

اور مجھ پر عیب لگاتا ہے ایک ایسے شخص پر کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے عزت دی اور ان کے ہاتھ سے مجھے ذلیل کرنے سے روک دیا

مذکورہ بالا تینوں روایتوں میں ایک مکالمہ ہے، جو نبی کریم ﷺ کے سامنے ہوا۔ ابھی پیچھے گزرا ہے کہ آپ ﷺ

نے خیبر کا مال غنیمت صرف مجاہدین اور اصحاب السفینۃ کو دیا تھا اور ان کے علاوہ کسی کو مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا گیا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی قبیلہ دوس سے خیبر کی فتح کے بعد پہنچے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مال غنیمت میں شریک نہیں کیا، اسی طرح صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لانے والے صحابی ابان بن سعید رضی اللہ عنہ بھی نجد کی ایک مہم سے اس موقع پر واپس تشریف لائے تھے انہیں بھی مال غنیمت میں شریک نہیں دیا گیا۔

یہ سب حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! مال غنیمت میں ہمیں بھی حصہ دے دیجیے۔ تو ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! لَا تُعْطِهِ ان کو نہ دیجیے، اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو ابن قوقل کا قاتل ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ غزوۂ اُحد میں ابان بن سعید بن رضی اللہ عنہ کافروں کی طرف سے شریک ہوئے تھے اور انہوں نے ایک صحابی حضرت نعمان بن مالک بن قوقل رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر جب ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ابو ہریرہ کو غنیمت نہ دیجیے، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کیسے بول رہا ہے، یہ تو ایک مسلمان کا قاتل ہے، اس نے تو غزوۂ اُحد میں مسلمان کو شہید کیا تھا؟ تو ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نے ان کے جواب میں کہا: وَا عَجَبَاهُ لِوَبْرٍ تَدَلّٰى مِنْ قَدُوْمِ الضَّأْنِ بڑا تعجب ہے اس وبر پر جو ضان پہاڑ کی چوٹی سے نیچے آ گیا ہے۔

وبر (بفتح الواو وسکون الباء) بلی کی طرح ایک جانور ہوتا ہے جس کو عام طور پر پہاڑی بلّا کہا جاتا ہے۔

تَدَلّٰى: پہلی روایت میں تَدَلّٰى مِنْ قَدُوْمِ الضَّأْنِ ہے، دوسری روایت میں تَحَدَّرَ مِنْ رَأْسِ ضَأْنٍ ہے اور موسیٰ بن اسماعیل کی روایت میں تَدَأْدَأَ مِنْ قَدُوْمِ الضَّأْنِ ہے، معنی تقریباً تمام کے گرنے، اترنے اور لٹکنے کے ہیں۔

قَدُوْمِ: چوٹی کو کہتے ہیں اور الضَّأْنِ یہ قبیلہ دوس کے علاقہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔

اور موسیٰ بن اسماعیل کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس موقع پر حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: يَنْعٰى عَلَيَّ امْرَأً أَكْرَمَهُ اللّٰهُ بِيَدِي وَمَنَعَهُ أَنْ يُهِيْنَنِيْ بِيَدِهٖ یعنی یہ مجھ پر ایک ایسے شخص کے متعلق عیب لگاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے عزت (شہادت) دی اور اس کو روک دیا کہ وہ مجھے اپنے ہاتھ سے ذلیل کرتا۔

حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کی بات کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اگر نعمان بن توقل رضی اللہ عنہ کو اپنے زمانہ کفر میں شہید کیا تو وہ اس کی وجہ سے شہادت کے بلند رتبہ پر فائز ہوئے اور ساتھ ساتھ اللہ کا یہ احسان و فضل ہوا کہ اللہ نے مجھے ان سے بچایا، کیونکہ اگر وہ مجھے اس وقت قتل کر دیتے تو میں آخرت میں ذلیل ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس ذلت سے بچا لیا، تو اس میں طعنہ دینے کی کیا بات ہے؟

بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ان دونوں حضرات کے درمیان تکرار ہوئی، بعض روایات کے مطابق ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

نے مال غنیمت میں حصہ مانگا اور ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حصہ نہ دیا جائے اور بعض روایات کے مطابق ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت میں حصہ مانگا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کو حصہ نہ دیا جائے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی تعارض نہیں ممکن ہے دونوں ہی نے مطالبہ کیا ہو، البتہ دونوں کو حصہ نہیں دیا گیا۔

وَيُذْكَرُ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ: یہ تعلیق ہے، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی سنن میں موصولا نقل کیا ہے۔ اس میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کو نجد کی جانب کسی خاص مہم پر روانہ کیا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **فَقَدِمَ أَبَانُ وَأَصْحَابُهُ** ابان اور ان کے ساتھی فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس مہم سے واپس ہو کر حاضر ہوئے، **وَإِنَّ حُزُمَ خَيْلِهِمْ لَلِيفٌ** اس حال میں کہ ان کے گھوڑوں کی پیٹی (بیلٹ) کھجور کی چھال کے بنے ہوئے تھے۔ **حُزُمَ** (بضم الحاء وسكون الزاء) **حزام** کی جمع ہے، **حزام** اس رسی (بیلٹ) کو کہتے ہیں جو کمر کے ساتھ باندھی جاتی ہے اور **لیف** کھجور کی چھال کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ گھوڑے کے پیٹ اور کمر پر جو رسی کمر پر باندھی جاتی ہے وہ کھجور کی چھال کی بنی ہوئی تھی، مطلب یہ ہے کہ بالکل بے سروسامان اور شکستہ حالت میں یہ حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ وہی ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں پناہ دی تھی اور انہیں اپنے ہاں مہمان رکھا تھا، یہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے ہیں۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کو بھیجا اور ان سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا

مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَيْهِ بِالْمَدِينَةِ وَفَدَكَ وَمَا بَقِيَ مِنْ خُمُسِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مال سے جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ اور فدک میں عنایت فرمایا تھا اور خیبر کا جو پانچواں حصہ رہ گیا تھا۔

خَيْبَرَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ

تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ارشاد فرمایا تھا کہ ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے،

إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ فِي هَذَا الْمَالِ وَإِنِّي وَاللهِ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ

البتہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے کھاتی رہے گی اور میں اللہ کی قسم! جو صدقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے ہیں اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کروں گا،

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حَالِهَا الَّتِي كَانَ عَلَيْهَا فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَأَعْمَلَنَّ

جس حال میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا اب بھی اسی طرح رہے گا اور اس میں وہی طرز عمل اختیار کروں گا

فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبَى أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى فَاطِمَةَ مِنْهَا

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی زندگی میں تھا۔ غرض ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ بھی دینا منظور نہ کیا۔

شَيْئًا فَوَجَدَتْ فَاطِمَةُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ فِي ذَٰلِكَ فَهَجَرَتْهُ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتَّى تُوُفِّيَتْ وَعَاشَتْ بَعْدَ
اس پر فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے خفا ہو گئیں اور ان سے ترک ملاقات کر لی اور اس کے بعد وفات تک ان سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا
النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ دَفَنَهَا زَوْجُهَا عَلِيٌّ لَيْلًا وَلَمْ يُؤْذِنْ بِهَا
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں۔ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں رات میں ہی دفن کر دیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی
أَبَا بَكْرٍ وَصَلَّى عَلَيْهَا وَكَانَ لِعَلِيٍّ مِنَ النَّاسِ وَجْهٌ حَيَاةَ فَاطِمَةَ فَلَمَّا تُوُفِّيَتِ اسْتَنْكَرَ عَلِيٌّ
خبر نہیں دی اور خود ان کی نماز جنازہ پڑھ لی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب تک زندہ رہیں علی رضی اللہ عنہ پر لوگ بہت توجہ رکھتے رہے لیکن ان کی وفات کے بعد انہوں نے دیکھا
وُجُوهَ النَّاسِ فَالْتَمَسَ مُصَالَحَةَ أَبِي بَكْرٍ وَمُبَايَعَتَهُ وَلَمْ يَكُنْ يُبَايِعُ تِلْكَ الْأَشْهُرَ فَأَرْسَلَ
کہ اب لوگوں کے منہ ان کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں۔ اس وقت انہوں نے ابوبکرؓ سے صلح کر لینا اور ان سے بیعت کر لینا چاہا۔ اس سے پہلے چھ ماہ تک انہوں نے ابوبکرؓ سے
إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنِ ائْتِنَا وَلَا يَأْتِنَا أَحَدٌ مَّعَكَ كَرَاهِيَةً لِيَحْضُرَ عُمَرُ فَقَالَ عُمَرُ لَا وَاللهِ لَا تَدْخُلُ
بیعت نہیں کی تھی پھر انہوں نے ابوبکرؓ کو بلا بھیجا اور کہلا بھیجا کہ آپ صرف تنہا آئیں اور کسی کو اپنے ساتھ نہ لائیں ان کو یہ منظور نہ تھا کہ عمرؓ ان کے ساتھ آئیں۔ حضرت عمرؓ نے
عَلَيْهِمْ وَحْدَكَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَمَا عَسَيْتَهُمْ أَنْ يَّفْعَلُوا بِي وَاللهِ لَآتِيَنَّهُمْ فَدَخَلَ عَلَيْهِمْ
ابوبکرؓ سے کہا کہ اللہ کی قسم! آپ تنہا ان کے پاس نہ جائیں۔ تو ابوبکرؓ نے کہا کیوں وہ میرے ساتھ کیا کریں گے میں تو اللہ کی قسم! ضرور ان کی پاس جاؤں گا۔ بہر حال آپ
أَبُو بَكْرٍ فَتَشَهَّدَ عَلِيٌّ فَقَالَ إِنَّا قَدْ عَرَفْنَا فَضْلَكَ وَمَا أَعْطَاكَ اللهُ وَلَمْ نَنْفَسْ عَلَيْكَ خَيْرًا
حضرت علیؓ کے پاس گئے۔ حضرت علیؓ نے اللہ کو گواہ کیا اور پھر فرمایا کہ ہمیں آپ کے فضل وکمال اور جو کچھ اللہ تعالی نے آپ کو بخشا ہے ان سب باتوں کا ہمیں اقرار ہے، جو خیر وامتیاز
سَاقَهُ اللهُ إِلَيْكَ وَلٰكِنَّكَ اسْتَبْدَدْتَ عَلَيْنَا بِالْأَمْرِ وَكُنَّا نَرَى لِقَرَابَتِنَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى
آپ کو اللہ تعالی نے دیا تھا ہم نے اس میں کوئی حسد بھی نہیں کیا لیکن آپ نے ہمارے ساتھ زیادتی کی کہ خلافت کے معاملہ میں ہم سے کوئی مشورہ نہیں لیا، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصِيبًا حَتَّى فَاضَتْ عَيْنَا أَبِي بَكْرٍ فَلَمَّا تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي
ساتھ اپنی قرابت کی وجہ سے اپنا حق سمجھتے تھے (کہ آپ ہم سے مشورہ کرتے) حضرت ابوبکرؓ ان باتوں کو سن کر رونے لگے اور پھر فرمایا کہ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں
بِيَدِهِ لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي وَأَمَّا الَّذِي شَجَرَ
میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی مجھے اپنی قرابت سے صلہ رحمی سے زیادہ عزیز ہے۔ لیکن میرے اور تم لوگوں کے درمیان ان اموال کے سلسلے میں
بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِنْ هٰذِهِ الْأَمْوَالِ فَإِنِّي لَمْ آلُ فِيهَا عَنِ الْخَيْرِ وَلَمْ أَتْرُكْ أَمْرًا رَأَيْتُ
جو اختلاف ہوا ہے تو میں اس میں حق اور خیر سے نہیں ہٹا ہوں اور اس سلسلہ میں جو راستہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیکھا
رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ فِيهَا إِلَّا صَنَعْتُهُ فَقَالَ عَلِيٌّ لِأَبِي بَكْرٍ مَوْعِدُكَ
خود میں نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ حضرت علیؓ نے اس کے بعد ابوبکرؓ سے کہا کہ دوپہر کے بعد میں آپ سے بیعت کروں گا۔
الْعَشِيَّةَ لِلْبَيْعَةِ فَلَمَّا صَلَّى أَبُو بَكْرٍ الظُّهْرَ رَقِيَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَتَشَهَّدَ وَذَكَرَ شَأْنَ عَلِيٍّ وَتَخَلُّفَهُ
چنانچہ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت ابوبکرؓ منبر پر آئے اور خطبہ کے بعد علیؓ کے معاملے کا اور ان کے اب تک بیعت نہ کرنے کا ذکر کیا اور وہ عذر بھی بیان کیا
عَنِ الْبَيْعَةِ وَعُذْرَهُ بِالَّذِي اعْتَذَرَ إِلَيْهِ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَتَشَهَّدَ عَلِيٌّ فَعَظَّمَ حَقَّ أَبِي بَكْرٍ وَحَدَّثَ
جو حضرت علیؓ نے پیش کیا تھا پھر حضرت علیؓ نے استغفار اور شہادت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا حق اور ان کی بزرگی بیان کی اور فرمایا کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کا باعث ابوبکرؓ سے
أَنَّهُ لَمْ يَحْمِلْهُ عَلَى الَّذِي صَنَعَ نَفَاسَةٌ عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَلَا إِنْكَارٌ لِلَّذِي فَضَّلَهُ اللهُ بِهِ وَلٰكِنَّا كُنَّا
حسد نہیں تھا اور نہ ہی ان کے اس فضل وکمال کا انکار مقصود تھا جو اللہ تعالی نے انہیں عنایت فرمایا البتہ یہ بات ضرور تھی کہ ہم اس معاملہ خلافت میں اپنا حق سمجھتے تھے (کہ ہم سے مشورہ

نَرٰى لَنَا فِيْ هٰذَا الْأَمْرِ نَصِيْبًا فَاسْتَبَدَّ عَلَيْنَا فَوَجَدْنَا فِيْ أَنْفُسِنَا فَسُرَّ بِذٰلِكَ الْمُسْلِمُوْنَ
لیا جاتا) ہمارے ساتھ یہی زیادتی ہوئی تھی جس سے ہمیں رنج پہنچا، مسلمان اس واقعہ پر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپ نے درست فیصلہ کیا،

وَقَالُوْا أَصَبْتَ وَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ إِلٰى عَلِيٍّ قَرِيْبًا حِيْنَ رَاجَعَ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ
اور مسلمان حضرت علیؓ سے خوش ہو گئے اور ان سے اور زیادہ محبت کرنے لگے جب دیکھا کہ انہوں نے اچھی بات اختیار کر لی ہے

مذکورہ بالا حدیث حضور ﷺ کے ترکہ سے متعلق ہے، جس کی تفصیل غزوۂ بنونضیر کے ذیل میں گزر چکی ہے، البتہ کچھ باتیں اس میں زائد ہیں، جن کی وضاحت ضروری ہے۔

أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَتْ إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ تَسْأَلُهُ مِيْرَاثَهَا: حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ رسول اللہ ﷺ کی میراث میں سے ان کو ان کا حصہ دیا جائے، حضور ﷺ کے تصرف میں تین قسم کے اموال تھے، ❶ مدینہ میں اموال بنی نضیر جو اللہ جل شانہ نے آپ کو بطور فئی عطا فرمائے تھے، ❷ دوسرے نمبر پر فدک کی زمینیں تھیں، اہل فدک سے رسول اللہ ﷺ نے نصف اراضی پر صلح کی تھی، چنانچہ نصف اراضی اہل فدک کے پاس رہی تھی اور نصف حضور ﷺ کو ملی تھی اور چونکہ یہ بھی مال فئی تھا اس لیے فدک کی وہ اراضی حضور اکرم ﷺ کے تصرف میں رہی، ❸ تیسرے نمبر پر خیبر کی وہ زمینیں اور باغات جو خمس خیبر میں سے بچے ہوئے تھے اور خود آپ ﷺ کا وہ حصہ جو عام مسلمانوں کی طرح آپ کو ملا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ ﷺ کے پاس دراہم و دنانیر تو نہیں تھے، لیکن آپ ﷺ کی ملکیت میں زمینیں موجود تھیں، چنانچہ خیبر کی بھی زمینیں تھیں، فدک کی بھی زمینیں تھیں، اسی طرح مدینہ منورہ کی بہت ساری زمینیں تھیں، اسی طرح آپ ﷺ کے پاس سواریاں بھی تھیں، ہتھیار بھی تھے۔ اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فقر اضطراری نہیں تھا، بلکہ اختیاری تھا، آپ ﷺ کی آمدنی کافی تھی، چنانچہ ان سب زمینوں سے پیداوار آتی تھی اور آپ ﷺ اسے اللہ کے راستے میں غرباء و مساکین میں، یا اقرباء اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں خرچ فرما دیتے تھے، تو ان زمینوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے میراث کا مطالبہ کیا اور صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہی مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی بحیثیت عصبہ مطالبہ کیا تھا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی اپنے ثمن کا مطالبہ کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں اس مطالبے سے روک دیا تھا جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس مطالبے کی وجہ یہ تھی کہ میراث برحق ہے اور اسلام کے احکام میں سے ہے، لہٰذا وارث شرعی کے لیے اپنا حصہ میراث طلب کرنے میں کسی قسم کی کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے میراث کا مطالبہ کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لا نورث ما ترکنا صدقة ہمارا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، البتہ آل محمد اس سے اپنی ضروریات پوری کریں گے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ کئے ہوئے مال میں اپنی طرف سے کوئی تصرف نہیں کرسکتا اور جس مصرف میں یہ مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صرف کیا جاتا تھا میں بھی اسے اسی مصرف میں خرچ کروں گا۔

فَوَجَدَتْ فَاطِمَةُ عَلَى أَبِيْ بَكْرٍ فِيْ ذٰلِكَ: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم کرنے سے منع فرمایا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوگئیں، یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میراث تقسیم نہ کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ لا نورث ما ترکنا صدقة اور ساتھ ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں ان اموال میں ٹھیک اسی طرح تصرف کروں گا، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تصرف فرمایا کرتے تھے اور میں ان میں وہی عمل کروں گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی زندگی میں معمول تھا، تو اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض کیوں ہوئیں۔ اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

❶ **فَوَجَدَتْ فَاطِمَةُ** کے معنی بعض حضرات نے حزنت فاطمة بیان کئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح وجدت کے معنی غصہ ہونے اور ناراض ہونے کے آتے ہیں، اسی طرح اس کے معنی غمگین ہونے کے بھی آتے ہیں، چنانچہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے میراث طلب کی اور جواب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا غمگین ہوگئیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے باوجود میں نے میراث کا مطالبہ کیوں کیا۔

لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آگے کا جملہ **فَهَجَرَتْهُ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ** سے تو اس معنی کی تائید نہیں ہورہی ہے تو اس کے متعلق مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **فَهَجَرَتْهُ** کی ضمیر مطالبہ میراث کی طرف راجع ہے اور اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک سننے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے میراث کا مطالبہ ترک کر دیا اور وفات تک میراث کے متعلق پھر کوئی بات نہیں کی۔ اس توجیہ کی تائید امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے عمر بن شبہ رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ المدینة میں ذکر کیا ہے، جس کے الفاظ ہیں: فلم تکلمه فی ذلك المال حتی ماتت اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات تک اس مال اور میراث کے سلسلہ میں پھر مطالبہ نہیں کیا، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قطع کلامی کرلی تھی۔

❷ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ **فَوَجَدَتْ فَاطِمَةُ عَلَى أَبِيْ بَكْرٍ فِيْ ذٰلِكَ فَهَجَرَتْهُ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ** یہ

اصل روایت کا حصہ نہیں ہے، بلکہ یہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مدرج ہے اور امام زہریؒ ادراج میں مشہور ہیں، وہ حدیث بیان کرتے کرتے درمیان میں اپنی رائے داخل کر دیتے ہیں اور وہ بسا اوقات اس کی نشاندہی بھی نہیں کرتے جس کی وجہ سے ان کے ادراج کو بھی روایت کا حصہ سمجھا جانے لگتا ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ امام ربیعۃ الرای رحمۃ اللہ علیہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کرتے تھے۔ یا ابابکر اذا حدثت الناس برایک فاخبرھم انه رایك و اذا حدثت الناس بشیء من السنة فاخبرھم انه سنة فلا یظنون انه رایک، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ و کذا کان الزھری یفسر الاحادیث کثیراً وربما اسقط اداة التفسیر۔

ان الفاظ کے مدرج ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا میراث کے سلسلہ میں مراجعت کا یہ واقعہ تقریباً چھتیس طرق سے مروی ہے، ان چھتیس میں سے پچیس طرق کا مدار امام زہری رحمۃ اللہ علیہ پر ہے اور گیارہ طرق امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے راویوں سے مروی ہیں، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جو گیارہ طرق ہیں، ان میں کہیں بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کے قطع تعلق کا ذکر نہیں ہے، اس لیے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ادراج ہے، ورنہ ان کے علاوہ جن گیارہ طرق سے یہ قصہ منقول ہے ان میں کسی ایک میں تو اس کا ذکر ہوتا۔ اب اگر یہ ادراج امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طرف سے کیا ہے تب تو اس کا اعتبار نہیں اور اگر انہوں نے کسی سے سن کر یہ ادراج کیا ہے تو اس صورت میں یہ ارسال ہوگا اور مراسیل الزھری محدثین کے نزدیک قوی اور معتبر نہیں خصوصاً جب اس کے خلاف روایات بھی موجود ہوں، چنانچہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں روایت نقل کی ہے، جس میں تصریح ہے، ان فاطمة لم تمت الا راضیة عن أبي بكر، اسی طرح امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں بھی اس مفہوم کی روایت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے۔ تو ان روایات کی موجودگی میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے ادراج کی کوئی خاص حیثیت نہیں رہتی۔

۳ تمام روایات کو پیش نظر رکھ کر جو بات صحیح اور فیصلہ کن معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اولاً میراث کا مطالبہ کیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سنایا، جسے سن کر وہ میراث کے مطالبہ سے تو دستبردار ہوگئیں، تاہم انہوں نے ان اموال کی تولیت کا مطالبہ کیا کہ چونکہ ان اموال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بیت کے سالانہ نفقات ادا کیا کرتے تھے اور اہل بیت کی ضروریات کا جتنا علم خود اہل بیت کو ہوسکتا ہے، دوسروں کو اتنا علم نہیں ہوسکتا، اس لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ان اموال کی تولیت، ان کا انتظام اور ان کی دیکھ بھال علی اور عباس کے حوالہ کر دیں۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس بات کے پیش نظر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا حادثہ ابھی تازہ ہے، اگر اہل بیت ان اموال کے منتظم بن جائیں گے تو بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوجائیں گے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم ہوئی ہے، چنانچہ لوگوں کو اس مغالطہ سے بچانے کے لیے آپ نے تولیت ان کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا اور اس بات کی یقین دہانی کراوائی کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اہل بیت کی ضروریات ان سے پوری کرتے تھے، میں بھی اسی نہج اور طریقہ کے مطابق اہل بیت کے اخراجات ان اموال سے پورے کروں گا، تو تولیت کے انکار کر دینے سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا خیال تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی اس جائز خواہش کو پورا کرنے پر قادر ہیں لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو مذکورہ مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے، دونوں اپنی رائے میں مجتہد تھے اور دونوں کے پاس دلائل تھے اور دونوں ہی حق بجانب تھے۔

البتہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی ایسی نہیں تھی جیسا کہ یہاں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے ادراج سے ظاہر ہو رہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قطع تعلق کر لیا، بلکہ کسی مسئلہ میں اجتہادی رائے کے اختلاف سے بسا اوقات انسان کے دل میں جو تھوڑی بہت شکر رنجی پیدا ہو جاتی ہے بس اس ناراضگی کی حیثیت بھی اس سے زیادہ نہیں تھی، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری صاحبزادی کی اس معمولی سی ناراضگی نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بے چین کر دیا اور انہوں نے جب تک انہیں راضی نہیں کر لیا، اس وقت تک وہ بے چین رہے، چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں وہ روایات نقل کی ہیں، جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کی تصریح ہے اور یہی بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بلند مقام اور ان کے منصب اور خاندان نبوت کے ساتھ ان کی غیر معمولی محبت اور وفاداری کے مطابق ہے، جس کا اعلان انہوں نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا کہ والذي نفسي بيده لقرابة رسول الله احب الى ان اصل من قرابتي واما الذي شجر بيني وبينكم من هذه الأموال فاني لم أل فيها عن الخير ولم اترك امرا رايت رسول الله يصنعه فيها الا صنعته۔

فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ دَفَنَهَا زَوْجُهَا عَلِيٌّ لَيْلًا : حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ انہیں رات کے وقت دفن کیا جائے کیونکہ دن کی بہ نسبت رات میں تستر (پردہ) زیادہ ہوتا ہے اور رات کے وقت دفن کرنے کی وصیت سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہی مقصد تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں تصریح کی ہے۔

وَلَمْ يُؤْذِنْ بِهَا أَبَا بَكْرٍ : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی اطلاع نہیں دی، اس وجہ سے نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ناراض تھے، بلکہ اس وجہ سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقین تھا کہ وفات کے حادثہ کی اطلاع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہو چکی ہوگی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس بات پر تمام محدثین اور اصحاب السیر متفق ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کرنے والی ایک ہی خاتون تھیں، وہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھیں، جو حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں، چنانچہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور ان کو خیال ہوا کہ میرے انتقال کا وقت قریب ہے تو انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ میرا جنازہ لوگوں کے سامنے جائے گا، تو جسم کسی نہ کسی درجے میں ظاہر ہوگا، کیونکہ اوپر صرف چادر پڑی ہوگی، تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں حبشہ گئی تھی تو وہاں میں نے دیکھا تھا کہ وہ عورت کی میت پر اس انداز میں لکڑی رکھ دیتے ہیں کہ جس کی وجہ سے عورت کا جسم چھپ جاتا ہے، تو اگر آپ کا انتقال ہوگیا تو میں اسی طرح کروں گی، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کرنے والی، ان کو غسل دینے والی، ان کو کفن دینے والی اور ان کا جنازہ تیار کرنے والی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہی تھیں اور یہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں، تو اب یہ کیسے ممکن ہے کہ شوہر کے علم میں لائے بغیر وہ یہ سارے کام کر رہی ہوں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری بھی کر رہی ہوں، ان کو غسل بھی دے رہی ہوں، کفن بھی دے رہی ہوں، جنازہ بھی تیار کر رہی ہوں اور شوہر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہی نہ ہو، یہ ممکن نہیں ہے، اس لیے راجح بات یہی ہے کہ اس بات کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع دیتے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیماری سے لے کر وفات تک کے سارے معاملات سے اپنی اہلیہ کی موجودگی کی وجہ سے بخوبی آگاہ تھے، اسی طرح روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کے دوران پانچوں نمازوں کے لیے مسجد نبوی میں آتے تھے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ان سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیمار پرسی کیا کرتے تھے۔

وَصَلّٰی عَلَیْھَا: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی، اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، یہاں تو ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی ہے اور بہت سی روایات میں آتا ہے کہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں روایت ذکر کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مغرب اور عشاء کے درمیان ہوا، انتقال کی خبر سن کر حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم تشریف لائے، جب جنازہ لایا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نماز پڑھائیے، انہوں نے فرمایا کہ آپ کی موجودگی میں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں! واللہ آپ کے سوا کوئی نماز نہیں پڑھائے گا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور رات ہی کو تدفین عمل میں آئی۔

قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی ہے، کیونکہ بنوہاشم اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ ان کی اموات کی نماز جنازہ خلیفہ اور والی شہر پڑھائیں، چنانچہ حضرت ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے پڑھائی جو اس وقت مدینہ کے امیر تھے، اس لیے اس پس منظر میں وہ روایات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہیں، جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نماز جنازہ پڑھانے کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم

وَكَانَ لِعَلِيٍّ مِنَ النَّاسِ وَجْهٌ حَيَاةَ فَاطِمَةَ....الخ: اب یہ بھی سب ادراج اور اپنے خیالات ہیں کہ جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حیات تھیں، تو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عزت کرتے تھے، ان کی وجاہت تھی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منہ پھیر لیا اور وہ ان کے ساتھ اس عزت واحترام کے ساتھ ویسے پیش نہیں آتے تھے جیسے پہلے پیش آیا کرتے تھے۔ یہ بات بھی بالکل عجیب بھی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ مزاج ہی نہیں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اپنی ایک حیثیت تھی اور ان کی اپنی شخصیت تھی، تو یہ سمجھنا کہ اب لوگوں نے ان کے ساتھ برتاؤ بدل دیا تو یہ ہرگز درست نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس جملہ سے نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو کردار سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حیات تھیں، تو اس وقت تک انہوں نے اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مستغنی سمجھا اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی، تو لوگوں کا رویہ بدلا ہوا دیکھا تو بیعت کر لی، یعنی نعوذ باللہ ناراضگی بھی اپنی ذات کے لئے تھی اور مصالحت بھی اپنی ذات کے لئے کی۔

یہ روایت چونکہ صحیح بخاری میں ہے اور روایت میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے ادراج کی صراحت بھی کہیں موجود نہیں، لہٰذا عام طور پر لوگ سمجھتے رہے کہ یہ سب باتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا حصہ ہیں، اس وجہ سے یہ بات لوگوں میں مشہور ہوگئی کہ چھ ماہ تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، لیکن حقیقتاً واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ابتداء میں ہی دو تین دن کے اندر اندر بیعت کر لی تھی، چنانچہ ابوداؤد طیالسی، ابن سعد، ابن جریر، ابن ابی شیبہ، بیہقی اور ابن حبان رحمہم اللہ نے روایات نقل کی ہیں، جن میں تصریح ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے اگلے دن مسجد نبوی میں جو عام بیعت ہوئی، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کر لی تھی، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ میں اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب عام بیعت ہونے لگی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما موجود نہیں ہیں، تو آپ نے ان دونوں کو طلب کیا، یہ حضرات تشریف لائے اور کہا کہ ہمیں سوائے اس کے اور کوئی شکایت نہیں ہے کہ کل سقیفہ بنی ساعدہ میں معاملہ طے ہوگیا اور آج یہاں مسجد نبوی میں بیعت ہو رہی ہے، لیکن اس سلسلے میں ہم سے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ خلافت کا سب سے زیادہ حق ابوبکر کا ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی ابا

بکر لدیننا افلا نرضاه لدنیانا، اسی طرح ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ان علیا بایع ابابکر في اول الامر، یہ تمام روایات اور اقوال اس بات پر صراحتاً دلالت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے میں تاخیر نہیں کی تھی بلکہ دوسرے روز عام لوگوں کے ساتھ آپ نے بھی بیعت کرلی تھی۔ اب رہی یہ بات کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بیعت کرلی تھی، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد دوبارہ بیعت کرنے کا کیا مقصد تھا، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی تیمارداری میں مشغول رہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ربط وملاقات میں کمی آگئی تھی، اس لیے پہلی بیعت کی توثیق وتجدید کے لیے آپ نے دوبارہ بیعت کی، اکثر اہل علم کا رجحان اسی طرف ہے۔

البتہ اتنی بات رہ جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیعت کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مشورہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صورتحال بہت ہی کٹھن اور پیچیدہ ہوگئی تھی، حضرات انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوگئے تھے اور قریب تھا کہ اوس اور خزرج میں سے کسی ایک قبیلہ کے سردار کے ہاتھ پر بیعت ہوجاتی اور اس طرح مسلمانوں کے اتفاق واتحاد کا شیرازہ ہی بکھر جاتا کیونکہ اوس اور خزرج میں سے کسی بھی ایک کے ہاتھ میں امارت آجاتی تو ممکن تھا کہ دوسرا قبیلہ اس پر رضامند نہ ہوتا، اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خداداد بصیرت، بالغ نظری اور دوربینی سے اس نازک صورتحال کا اندازہ کرلیا اور سمجھ لیا کہ مسلمان جس صورتحال سے دوچار ہیں اس میں ایک دن کی تاخیر کی بھی گنجائش نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بھی جانتے تھے کہ جزیرۃ العرب کے لوگ صرف قریش ہی کو اپنا سربراہ مان سکتے تھے کیونکہ قریش کی قائدانہ حیثیت مسلم تھی، اس لیے انہوں نے انتہائی عجلت میں اپنی خداداد ذہانت سے کام لیتے ہوئے، سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر جمع کرلیا اور دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی، تو چونکہ صورتحال نے انتہائی پیچیدہ شکل اختیار کرلی تھی، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی حضرات سے مشورے کا وقت اور موقع نہیں ملا۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ یہ کہ اس روایت میں درمیان میں جو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا ادراج آگیا ہے اس سے دھوکہ میں نہیں پڑنا چاہیے، حضرت ابوبکر، حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی آپس میں کسی قسم کی ناراضگی نہیں تھی، شروع میں کچھ باتوں میں اختلاف رائے ضرور ہوا، لیکن اس کی وجہ سے کسی قسم کے قطع تعلق کی نوبت نہیں آئی تھی اور یہ سب حضرات دنیا سے اس حال میں گئے کہ ایک دوسرے سے راضی تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا حَرَمِيٌّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عُمَارَةُ عَنْ عِكْرِمَةَ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا فُتِحَتْ خَيْبَرُ قُلْنَا اَلْآنَ نَشْبَعُ مِنَ التَّمْرِ

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا کہ اب ہم کھجوریں پیٹ بھر کر کھائیں گے

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ حَبِيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ أَبِيْهِ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ مَا شَبِعْنَا حَتّٰى فَتَحْنَا خَيْبَرَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم پیٹ بھر کر نہیں کھا سکتے تھے یہاں تک کہ خیبر فتح ہوگیا

بَابُ اسْتِعْمَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَهْلِ خَيْبَرَ

باب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر والوں پر عامل مقرر فرمانا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے اوپر عامل یعنی اپنا نمائندہ مقرر فرمایا، تاکہ وہ اہل خیبر سے وہاں کی پیداوار وصول کرے اور پیداوار کا حساب کتاب رکھے، ایک روایت کے بعد اگلا باب آرہا ہے: باب معاملة النبی صلی اللہ علیہ و سلم اهل خیبر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ معاملہ کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح ہونے کے بعد اہل خیبر سے زمینوں سے متعلق جو معاملہ کیا تھا، اس کی کیا نوعیت تھی؟

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد خیبر کی زمینوں سے کافروں کی ملکیت ختم ہوگئی تھی اور وہ زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں آگئی تھیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو مسلمانوں میں تقسیم کردیا اور ان زمینوں میں خیبر میں آباد یہودیوں سے مزارعت کا معاملہ کیا، یعنی یہ زمینیں اب ہماری ہیں مگر چونکہ تم لوگ پہلے سے ان زمینوں پر کام کرتے رہے ہو، لہٰذا تم کام کرتے رہو، جو پیداوار ہوگی، اس میں ہمارا اتنا حصہ ہوگا اور تمہارا اتنا حصہ ہوگا۔

حضرات ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اور حنفیہ میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا یہی مذہب ہے کہ وہ زمینیں مسلمانوں کی ملکیت تھیں اور مزارعت کے معاہدے کے تحت یہودیوں کے حوالے کی گئی تھیں۔

البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خیبر کی زمینوں پر یہودیوں کی ملکیت باقی رکھی گئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا، وہ مزارعت نہیں تھا بلکہ خراج مقاسمہ تھا۔ خراج مقاسمہ کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری زمینوں میں جو پیداوار ہوگی، اس پیداوار میں سے اتنا حصہ تم ہمیں دیا کروگے، مثلاً تیس فیصد، چالیس فیصد، یا آدھی پیداوار۔

مزارعت کا حکم

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مزارعت کے جواز کے قائل نہیں تھے اور وہ فرماتے تھے کہ خیبر کے یہودیوں سے مزارعت کا معاملہ نہیں ہوا تھا، بلکہ وہ خراج مقاسمہ تھا، جبکہ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اور حنفیہ میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ مزارعت جائز

ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے مزارعت کا معاملہ کیا تھا، بعض روایات کے مطابق اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا۔

یہ مختصر خلاصہ ہے، جس پر تفصیلی بحث عام طور پر کتاب المزارعة میں کی جاتی ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيْدِ بْنِ سُهَيْلٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ

ایک صحابی کو خیبر کا عامل مقرر کیا، تو وہ وہاں سے عمدہ قسم کی کھجوریں لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا خیبر کی

تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ

تمام کھجوریں ایسی ہی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، اللہ کی قسم یا رسول اللہ! ہم اس طرح کی ایک صاع کھجور کو دو یا تین صاع ردی کھجور کے بدلے میں ان سے لے لیتے ہیں،

وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح نہ کیا کرو، بلکہ (اگر عمدہ کھجور لانی ہوتو) پہلے دراہم کے بدلے ردی کھجوریں بیچ دیا کرو، پھر ان دراہم سے اچھی کھجور خرید لیا کرو

وَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيْدِ عَنْ سَعِيْدٍ أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَاهُ

اور عبدالعزیز بن محمد نے بیان کیا، ان سے عبدالمجید نے بیان کیا، ان سے سعید نے بیان کیا اور ان سے ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَخَا بَنِيْ عَدِيٍّ مِّنَ الْأَنْصَارِ إِلَى خَيْبَرَ فَأَمَّرَهُ عَلَيْهَا

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے خاندان بنی عدی کے بھائی کو خیبر بھیجا اور انہیں وہاں کا عامل مقرر کیا

وَعَنْ عَبْدِ الْمَجِيْدِ عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَأَبِيْ سَعِيْدٍ مِثْلَهُ

اور عبدالمجید سے روایت ہے کہ ان سے ابوصالح سمان نے اور ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر پر ایک آدمی کو عامل بنایا، یہ قبیلہ بنی عدی کے حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ تھے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک خاص قسم کی کھجور جس کو جنیب کہتے ہیں اور جو بہت عمدہ ہوتی ہے، وہ لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا خیبر کی ساری ہی کھجوریں ایسی عمدہ ہوتی ہیں؟ انہوں نے کہا، نہیں، بلکہ ہم اس قسم کی عمدہ کھجور کا ایک صاع دوسری کھجوروں کے دو صاع کے بدلے لیتے ہیں اور دو صاع تین صاع کے بدلے میں لیتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا مت کرو، بلکہ ناقص کھجور پہلے دراہم کے عوض بیچ دیا کرو اور پھر ان دراہم سے عمدہ کھجور خرید لیا کرو۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ متحد الجنس اشیاء میں خرید و فروخت کے وقت کمی زیادتی جائز نہیں ہے، کھجور اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، انہیں باہم کمی و زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا یہ سود ہے جو کہ حرام ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود سے بچنے کا یہ طریقہ تعلیم فرمایا کہ اس معاملے کو دو حصوں میں تقسیم کردو کہ پہلے ردی کھجوروں کو دراہم کے بدلے فروخت

کرواور پھران دراہم کے بدلے عمدہ قسم کی کھجوریں خریدلو۔

بَابُ مُعَامَلَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ خَيْبَرَ

باب: خیبروالوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا معاملہ طے کرنا

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ

عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ أَعْطَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ الْيَهُودَ أَنْ يَعْمَلُوهَا

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر (کی زمین و باغات وہاں کے) یہودیوں کے پاس ہی رہنے دیئے تھے کہ وہ ان میں کام کریں

وَ يَزْرَعُوهَا وَ لَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا

اور کھیتی باری کریں اور انہیں وہاں کی پیداوار کا آدھا حصہ ملے گا

بَابُ الشَّاةِ الَّتِي سُمَّتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَيْبَرَ

باب: اس بکری کا گوشت جس میں نبی کریم ﷺ کو خیبر میں زہر دیا گیا تھا۔

رَوَاهُ عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس کو عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اورانہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي سَعِيدٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ

لَمَّا فُتِحَتْ خَيْبَرُ أُهْدِيَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاةٌ فِيهَا سُمٌّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خیبر کی فتح کے بعد نبی کریم ﷺ کو بکری کے گوشت کا ہدیہ پیش کیا گیا جس میں زہر ملا ہوا تھا

خیبر فتح کرنے کے بعد چند روز تک حضور ﷺ نے خیبر ہی میں قیام فرمایا، اس دوران سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب بنت حارث نے ایک بھنی ہوئی بکری آپ ﷺ کے پاس بطور ہدیہ ارسال کی، جس میں اس نے زہر ملادیا تھا، حضور ﷺ نے جب چکھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ رک جاؤ، اس میں زہر ہے، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے کھانے سے رک گئے، البتہ حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے کچھ کھالیا تھا، بہرحال زینب کو بلا کر اس سازش کا سبب دریافت کیا گیا، تو وہ اعتراف کرکے کہنے لگی کہ میں نے زہر اس لیے ملادیا تھا کہ میرا خیال تھا کہ آپ اگر نبی برحق ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع کردے گا اور اگر آپ نبی برحق نہیں ہیں تو لوگوں کو آپ سے نجات مل جائے گی۔

حضور ﷺ اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے زینب کو کچھ نہیں کہا، لیکن بعد میں جب اس زہر کے اثر سے حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، تو آپ ﷺ نے زینب کا معاملہ بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے وارثوں کے سپرد کردیا اور ان کے مطالبے پر زینب کو قصاص میں قتل کردیا گیا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق زینب اقرار جرم کرنے کے بعد اسلام لے آئیں تھیں۔ نیز روایات میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے مرض وصال میں فرمایا کہ اے عائشہ! جو زہر میں نے خیبر میں چکھا تھا، اس کا اثر میں محسوس کررہا ہوں۔

بَابُ غَزْوَةِ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ

باب: غزوۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا بیان

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ أَمَّرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسَامَةَ عَلَى قَوْمٍ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ایک جماعت کا امیر مقرر کیا،

فَطَعَنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَالَ إِنْ تَطْعَنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ طَعَنْتُمْ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلِهِ وَايْمُ اللهِ

تو کچھ لوگوں کو ان کی امارت پر اعتراض ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج تمہیں اس کی امارت پر اعتراض ہے تو تم وہی ہو جو کچھ دن پہلے اس کے باپ کی امارت پر اعتراض

لَقَدْ كَانَ خَلِيقًا لِلْإِمَارَةِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَإِنَّ هَذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ

کر چکے ہو۔ حالانکہ اللہ کی قسم وہ امارت کے مستحق و اہل تھے اور وہ مجھے سب سے زیادہ عزیز تھے اور یہ اسامہ ان کے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے

یہ غزوہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی طرف بظاہر اس لئے منسوب ہے کیونکہ اس میں انہیں امیر بنایا گیا تھا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ غزوۂ موتہ سے قبل سات مواقع پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر لشکر بنا کر بھیجا تھا، اس لیے یہ تعیین مشکل ہوگئی ہے کہ یہاں جس غزوہ کا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ذکر کر رہے ہیں، یہ کس سن میں واقع ہوا ہے اور کون سا غزوہ ہے؟ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان سن ٦ ہجری میں پیش آنے والا وہ غزوہ ہے، جس میں بنوفزارہ کے ساتھ مقابلہ ہوا تھا اور اس میں ام قرفة (بکسر القاف) کو قتل کیا گیا تھا، ام قرفة قبیلہ بنی فزارہ کی سردار تھی، اس لئے اس غزوہ کو غزوۃ ام قرفة بھی کہا جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہوا کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض سے شام گئے تھے، دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مال بھی ساتھ تھا، واپسی کے دوران اس قافلے پر بنی فزارہ نے حملہ کیا اور سارا مال چھین لیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ زخمی حالت میں مدینہ آئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی امارت میں ایک لشکر روانہ کیا، جس نے بنی فزارہ پر حملہ کیا اور فتح نصیب ہوئی، اس میں بنوفزارہ کے سردار بھی مارے گئے، جس میں ام قرفة نامی سردار عورت بھی شامل تھی۔

ام قرفة کے قتل کا ذکر کئی جگہ آتا ہے، بعض روایات میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام قرفة کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یوم الردة میں ام قرفة کے قتل کا حکم دیا تھا اور مذکورہ غزوۂ فزارہ میں بھی ام قرفة کے قتل کا ذکر ہے، اس تعارض کا حل یہ ہے کہ ممکن ہے ام قرفة نامی کئی عورتیں ہوں جن کو مختلف اوقات میں مسلمانوں نے قتل کیا ہو۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے تحت جو روایت ذکر فرمائی ہے، اس میں اس غزوہ کی کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے، بلکہ صرف اس کی طرف اشارہ موجود ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں جو روایت ذکر کی ہے، اس میں جیش

اسامة کا تذکرہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی وفات سے چند روز قبل حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا امیر بنایا تھا، اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ کمسن لڑکا ہے اور ان کو کبار مہاجرین جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں ان کا امیر بنا دیا گیا، یہ بات حضور اکرم ﷺ تک پہنچی، تو آپ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا: إِنْ تَطْعَنُوْا فِيْ إِمَارَتِهِ فَقَدْ طَعَنْتُمْ فِيْ إِمَارَةِ أَبِيْهِ مِنْ قَبْلِهِ آج تم اسامہ کی امارت پر اعتراض کر رہے ہو اور تم اس سے پہلے اس کے والد (زید) کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، حالانکہ وہ مجھے لوگوں میں زیادہ محبوب تھے اور اس کے بعد مجھے یہ زیادہ محبوب ہیں۔ چونکہ اس روایت میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امارت کا ذکر بھی ضمناً آ گیا ہے، اسی مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت اس باب میں ذکر فرمائی ہے، واللہ اعلم۔

بَابُ عُمْرَةِ الْقَضَاءِ

باب: عمرۂ قضاء کا بیان

ذَكَرَهُ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہوئے اس کا ذکر کیا ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی کے تحت عمرة القضاء کا باب قائم کیا ہے حالانکہ یہ کتاب الحج سے متعلق ہے وہیں اس کا ذکر ہونا چاہئے تھا، تو بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ عمرة القضاء کی نوبت غزوۂ حدیبیہ کے نتیجہ میں آئی تھی، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کتاب المغازی میں ذکر فرمایا ہے۔

لیکن پھر اس پر اشکال ہوگا کہ اس صورت میں تو عمرة القضاء کو غزوۂ حدیبیہ کے ساتھ ہی بیان کرنا چاہیے تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ سن ۷ ہجری میں واقع ہوا ہے اور غزوۂ حدیبیہ سن ۶ ہجری میں پیش آیا، اس لیے اسے حدیبیہ کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا، بلکہ سن ۷ ہجری کے واقعات میں ذکر فرمایا۔

یہ عمرہ چار ناموں سے معروف ہیں:

❶ اس کا ایک نام عمرة القضاء ہے، عمرة القضاء کے نام کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قضاء کے معنی فیصلہ کے ہیں، چونکہ ایک سال پہلے صلح حدیبیہ کے موقع پر فیصلہ ہوا تھا کہ ایک سال بعد مسلمان آ کر عمرہ کریں گے، اس لیے اسے عمرة القضاء کہا جاتا ہے، جبکہ احناف کہتے ہیں کہ اس عمرہ کو عمرة القضاء اس لیے کہتے ہیں کہ یہ گزشتہ سال والے عمرہ کی قضاء تھی۔ عمرة القضاء کی وجہ تسمیہ میں یہ اختلاف دراصل ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ اگر نفل عبادت شروع کی جائے تو آیا وہ نفل لازم ہو جاتا ہے، یا لازم نہیں ہوتا؟ احناف

کے نزدیک اگر کوئی عبادت نفلی ہو، تو اس کو شروع کرنے یا شروع نہ کرنے میں تو اختیار ہوتا ہے، لیکن جب کسی نے ایک مرتبہ نفلی عبادت شروع کر دی تو پھر اس کو پورا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ قرآن مجید میں ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو)۔ احناف یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر نفل کی نذر صرف زبان سے مان لی جائے تو اسے پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے، تو عمل تو زبان سے اقویٰ ہے کہ نفل کو شروع ہی کر دیا گیا ہے، گویا یہ عملاً نذر ہے، اس لیے اس عمل کو باطل نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ نفل عبادت شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ عبادت نفل تھی، اگر آپ اس کو واجب کر دیں گے تو پھر وہ نفل کہاں رہے گی۔

❷ اس عمرہ کا دوسرا نام عمرة القصاص ہے، قصاص کے معنی بدلے کے آتے ہیں اور یہ عمرہ چونکہ عمرة الحديبية کے بدلے میں تھا اس لیے اسے عمرة القصاص بھی کہتے ہیں۔

❸ اس کا عمرہ تیسرا نام عمرة الصلح ہے اس لئے کہ صلح حدیبیہ میں اس عمرہ کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

❹ اس عمرہ کا چوتھا نام عمرة القضية ہے، قضية کے معنی فیصلہ کے ہیں اور یہ عمرہ فیصلہ کے بموجب کیا گیا تھا۔

عمرے کی ادائیگی

صلح حدیبیہ میں کفار مکہ سے معاہدہ ہوا تھا کہ آئندہ سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں آکر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں گے، نیز مسلمان مکہ میں اپنے ساتھ ہتھیار نہیں لائیں گے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذی قعدہ کا چاند دیکھنے کے بعد عمرہ کی ادائیگی کا اعلان کر دیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے ان میں سے کوئی رہ نہ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احتیاطاً اسلحہ بھی ساتھ لیا کہ کہیں مشرکین کی جانب سے جنگ کی نوبت پیش آ جائے تو مسلمان خالی ہاتھ نہ ہوں، مکہ مکرمہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع بطن یاجج میں وہ اضافی اسلحہ رکھ دیا اور اس کی حفاظت کے لیے دو سو سواروں کا دستہ متعین کیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلبیہ پڑھتے ہوئے حرم مکہ میں داخل ہوئے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس موقع پر بلند آواز سے اشعار پڑھ رہے تھے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اشعار پڑھتے ہوئے سنا تو کہا کہ تُو اللہ کے رسول کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شاعری کر رہا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے اشعار پڑھنے دو، یہ اشعار ان کافروں کے لیے تیروں سے بھی زیادہ اذیت ناک ہیں۔

روسائے قریش بغض و عداوت کی وجہ سے حرم مکہ میں مسلمانوں کی آمد کے اس منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے تھے، اس لیے اکثر لوگ مکہ چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے گئے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ ادا کر لیا اور تین دن گزر گئے، تو قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس پیغام کے ساتھ چند آدمی بھیجے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہہ دو کہ معاہدہ کی

مدت پوری ہوچکی ہے، لہٰذا آپ تشریف لے جائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسب معاہدہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ

عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذِي الْقَعْدَةِ فَأَبَى أَهْلُ

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذی قعدہ میں عمرہ کا احرام باندھا، تو مکہ والے آپ کے مکہ میں

مَكَّةَ أَنْ يَدَعُوهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ حَتَّى قَاضَاهُمْ عَلَى أَنْ يُقِيمَ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا كَتَبُوا الْكِتَابَ

داخل ہونے سے مانع ہوئے۔ آخر معاہدہ اس پر ہوا کہ (آئندہ سال) مکہ میں تین دن آپ قیام کر سکتے ہیں۔ جب معاہدہ یوں لکھا جانے لگا

كَتَبُوا هٰذَا مَا قَاضَانَا عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ قَالُوا لَا نُقِرُّ لَكَ بِهٰذَا لَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ

کہ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا، تو کفار قریش کہنے لگے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے، اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے

مَا مَنَعْنَاكَ شَيْئًا وَلٰكِنْ أَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ أَنَا رَسُولُ اللهِ وَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ

تو روکتے ہی کیوں؟ آپ تو بس محمد بن عبداللہ ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔

ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ امْحُ رَسُولَ اللهِ قَالَ عَلِيٌّ لَا وَاللهِ لَا أَمْحُوكَ أَبَدًا

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! میں یہ لفظ کبھی نہیں مٹا سکتا۔

فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكِتَابَ وَلَيْسَ يُحْسِنُ يَكْتُبُ فَكَتَبَ هٰذَا مَا قَاضَى

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تحریر اپنے ہاتھ میں لے لی۔ آپ اچھی طرح لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن آپ نے اس کے الفاظ اس طرح کر دیئے کہ یہ معاہدہ ہے

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ لَا يُدْخِلُ مَكَّةَ السِّلَاحَ إِلَّا السَّيْفَ فِي الْقِرَابِ وَأَنْ لَا يَخْرُجَ مِنْ

جو محمد بن عبداللہ نے کیا کہ وہ ہتھیار لے کر مکہ میں نہیں آئیں گے، البتہ ایسی تلوار جو نیام میں ہو ساتھ لا سکتے ہیں اور یہ کہ اگر مکہ والوں میں سے کوئی

أَهْلِهَا بِأَحَدٍ إِنْ أَرَادَ أَنْ يَتَّبِعَهُ وَأَنْ لَا يَمْنَعَ مِنْ أَصْحَابِهِ أَحَدًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ بِهَا

ان کے ساتھ جانا چاہے گا تو اسے اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے، لیکن اگر ان کے ساتھیوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے گا تو اسے نہیں روکیں گے۔ پھر جب (آئندہ سال)

فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْأَجَلُ أَتَوْا عَلِيًّا فَقَالُوا قُلْ لِصَاحِبِكَ اخْرُجْ عَنَّا فَقَدْ مَضَى الْأَجَلُ فَخَرَجَ

آپ اس معاہدہ کے مطابق مکہ میں داخل ہوئے (اور تین دن کی) مدت پوری ہوگئی تو مکہ والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے ساتھی سے کہو کہ اب یہاں سے چلے جائیں،

النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبِعَتْهُ ابْنَةُ حَمْزَةَ تُنَادِي يَا عَمِّ يَا عَمِّ فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَأَخَذَ

کیونکہ مدت پوری ہوگئی ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے نکلنے لگے تو آپ کے پیچھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی چچا چچا کہتی ہوئی آئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں لے لیا

بِيَدِهَا وَقَالَ لِفَاطِمَةَ دُونَكِ ابْنَةَ عَمِّكِ حَمَلَتْهَا فَاخْتَصَمَ فِيهَا عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ قَالَ عَلِيٌّ

اور ہاتھ پکڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے اور کہا کہ اپنے چچا کی بیٹی کو سنبھال لو چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں لے لیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہوا۔

أَنَا أَخَذْتُهَا وَهِيَ بِنْتُ عَمِّي وَقَالَ جَعْفَرٌ ابْنَةُ عَمِّي وَخَالَتُهَا تَحْتِي وَقَالَ زَيْدٌ ابْنَةُ أَخِي فَقَضَى

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اسے لیا ہے اور یہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا

بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا وَقَالَ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ وَقَالَ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مِنِّي

یہ میرے بھائی کی لڑکی ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی خالہ کے حق میں فیصلہ فرمایا (جو جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں) اور فرمایا کہ خالہ ماں کے درجے میں ہوتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

وَأَنَا مِنْكَ وَقَالَ لِجَعْفَرٍ أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي وَقَالَ لِزَيْدٍ أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا وَقَالَ عَلِيٌّ

فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم صورت و شکل اور اخلاق میں مجھ سے مشابہ ہو اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولا ہو۔

أَ لَا تَتَزَوَّجُ بِنْتَ حَمْزَةَ؟ قَالَ إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ

(بعد میں ایک موقع پر) حضرت علیؓ نے آپ سے کہا کہ حمزہ کی بیٹی کو آپ اپنے نکاح میں لے لیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔

فَكَتَبَ هٰذَا مَا قَاضٰى مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ:

❶ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ چونکہ اُمّی تھے، لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور آپ ﷺ کا اُمّی ہونا آپ ﷺ کا اعزاز اور اعجاز تھا، اس لیے یہاں لکھنے کی جو نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کی گئی ہے، یہ اسناد مجازی ہے یعنی آپ ﷺ نے خود کتابت نہیں فرمائی تھی، لیکن چونکہ آپ ﷺ نے کتابت کا حکم دیا تھا، اس لیے نسبت آپ کی طرف کردی گئی

❷ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضور اکرم ﷺ نے بطور معجزہ کتابت فرمائی تھی۔

❸ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اُمّی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ اپنا نام بھی نہ لکھ سکتے ہوں، لہٰذا اس موقع پر آپ ﷺ کا اپنا نام لکھنا، آپ ﷺ کے اُمّی ہونے کے منافی نہیں۔

فَتَبِعَتْهُ ابْنَةُ حَمْزَةَ تُنَادِي يَا عَمِّ يَا عَمِّ: حضور ﷺ جب عمرہ سے فارغ ہو کر مکہ سے روانہ ہونے لگے، تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کمسن صاحبزادی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے آئیں اور آپ ﷺ کو یا عم یا عم کہہ کر پکارنے لگیں، یہ رشتہ میں حضور اکرم ﷺ کی چچازاد بہن تھیں، اس کے باوجود ان کا یا عم کہنا عرب کے محاورے کے مطابق تھا کہ چھوٹا بڑے کو عم کہتا ہے، یا عم کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نسبی طور پر اگرچہ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، تاہم رضاعت کے تعلق سے وہ آپ ﷺ کے بھائی تھے۔

فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کردیا کہ وہ اپنی چچازاد بہن کا خیال رکھیں، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا انہیں اپنی سواری پر بٹھا کر اپنے ساتھ لے آئیں۔

فَاخْتَصَمَ فِيهَا عَلِيٌّ، وَ زَيْدٌ وَ جَعْفَرٌ: حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کس کی پرورش میں رہیں گی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: **أَنَا أَخَذْتُهَا وَهِيَ بِنْتُ عَمِّي** کہ میں نے انہیں سب سے پہلے لیا تھا اور یہ میرے چچا کی بیٹی بھی ہے، اس لئے میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: **ابْنَةُ عَمِّي وَ خَالَتُهَا تَحْتِي** کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میری زوجہ ہے، اس بچی کی والدہ کا نام سلمٰی بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے رشتہ ازدواج میں ان کی بہن اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھیں، اس لیے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔

وَقَالَ زَيْدٌ ابْنَةُ أَخِي: حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حمزہ میرے بھائی تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس لیے بھائی کہا کہ

ہجرت سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کے درمیان مواخات قائم فرمائی تھی، اس میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم ہوئی تھی، چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ میری بھتیجی ہے، نیز ایک دوسری وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شہادت سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا وصی مقرر کیا تھا، ان دو وجوہات کی بناء پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی پرورش کا میں حق دار ہوں۔

حق حضانت عورتوں کا حق ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تینوں حضرات کی بات سن کر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے حق میں فیصلہ فرماتے ہوئے فرمایا: **اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ** کہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچی کی پرورش کا فیصلہ خالہ کے حق میں فرمایا، جو اس وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بچی ان تینوں حضرات میں سے کسی کو نہیں ملی، کیونکہ حق حضانت مردوں کو نہیں، بلکہ عورتوں کو ملتا ہے۔

اب ان تینوں حضرات نے چونکہ اس بچی سے اپنائیت اور محبت کا اظہار کیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تینوں حضرات سے محبت کے کلمات فرمائے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا: **أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ** تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَ خُلُقِي** تم اپنی صورت اور اخلاق میں میرے مشابہ ہو اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا** تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولا ہو۔

أَلَا تَتَزَوَّجُ بِنْتَ حَمْزَةَ؟: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ان ہی صاحبزادی کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ حمزہ کی بیٹی سے شادی نہیں کیوں نہیں کر لیتے؟

بظاہر اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں بنو ہاشم سے کسی کا تعلق نہیں تھا، یعنی اپنے قریبی خاندان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی شادی نہیں کی، اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے قریش میں شادیاں کی ہیں لیکن بنو ہاشم میں کوئی شادی نہیں کی، تو ایسا کریں کہ آپ حمزہ کی بیٹی سے شادی کر لیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ** کہ وہ تو میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہیں، میں ان سے شادی کیسے کر سکتا ہوں؟ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دونوں رضاعی بھائی بھی ہیں، ابولہب کی آزاد کردہ باندی حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں حضرات کو اپنا دودھ پلایا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ان سے کیسے نکاح ہو سکتا ہے، وہ تو میری رضاعی بھتیجی ہیں اور رضاعی بھتیجی بھی اسی طرح حرام ہے، جس طرح نسبی بھتیجی حرام ہے۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا سُرَيْجٌ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ ح وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ نَافِعٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَحَالَ كُفَّارُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ کے ارادے سے نکلے، لیکن کفار قریش ان کے

قُرَيْشٍ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْبَيْتِ فَنَحَرَ هَدْيَهُ وَحَلَقَ رَأْسَهُ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَ قَاضَاهُمْ عَلَى أَنْ يَعْتَمِرَ

اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہوگئے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنا قربانی کا جانور حدیبیہ میں ہی ذبح کردیا اور وہیں سر بھی منڈوایا اور فریقین نے یہ معاہدہ کیا کہ آپ آئندہ سال

الْعَامَ الْمُقْبِلَ وَلَا يَحْمِلَ سِلَاحًا عَلَيْهِمْ إِلَّا سُيُوفًا وَلَا يُقِيمَ بِهَا إِلَّا مَا أَحَبُّوا فَاعْتَمَرَ مِنَ

عمرہ کرسکتے ہیں لیکن (نیام میں) تلواروں کے سوا اور کوئی ہتھیار ساتھ نہیں لاسکتے اور جتنے دن مکہ والے چاہیں گے، اس سے زیادہ وہاں ٹھہر نہیں سکیں گے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ

الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَدَخَلَهَا كَمَا كَانَ صَالَحَهُمْ فَلَمَّا أَنْ أَقَامَ بِهَا ثَلَاثًا أَمَرُوهُ أَنْ يَخْرُجَ فَخَرَجَ

نے آئندہ سال عمرہ کیا اور معاہدہ کے مطابق مکہ میں داخل ہوئے اور تین دن وہاں مقیم رہے، پھر قریش نے آپ سے جانے کے لیے کہا تو آپ مکہ سے چلے آئے

حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ فَإِذَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ جَالِسٌ إِلَى

امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیر مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے۔

حُجْرَةِ عَائِشَةَ ثُمَّ قَالَ كَمِ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ أَرْبَعًا ثُمَّ سَمِعْنَا

تو عروہ نے سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے کل کتنے عمرے کئے تھے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ چار، پھر ہم نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے (گھر کے اندر سے)

اسْتِنَانَ عَائِشَةَ قَالَ عُرْوَةُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَ لَا تَسْمَعِينَ مَا يَقُولُ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟

مسواک کرنے کی آواز سنی تو عروہ نے ان سے پوچھا کہ اے ام المؤمنین! کیا آپ نے سنا نہیں کہ ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن عمرؓ) کیا کہہ رہے ہیں؟

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ فَقَالَتْ مَا اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وہ کہہ رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے چار عمرے کئے تھے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے جب بھی عمرہ کیا

وَسَلَّمَ عُمْرَةً إِلَّا وَ هُوَ شَاهِدُهُ وَمَا اعْتَمَرَ فِي رَجَبٍ قَطُّ

تو عبداللہ بن عمرؓ آپ کے ساتھ تھے لیکن آپ ﷺ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا

یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے، البتہ ہمارے نسخے میں یہاں اس روایت میں احداهن فی رجب کے الفاظ نہیں ہیں جس کی وجہ سے بظاہر سوال وجواب میں عدم مطابقت محسوس ہورہی ہے، جبکہ دوسرے نسخوں میں احداهن فی رجب کے الفاظ موجود ہیں۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ

سَمِعَ ابْنَ أَبِي أَوْفَى يَقُولُ لَمَّا اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَرْنَاهُ مِنْ غِلْمَانِ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کیا تو ہم آپ ﷺ پر آڑ کئے ہوئے مشرکین کے لڑکوں

الْمُشْرِكِينَ وَ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْذُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور مشرکین سے آپ ﷺ کی حفاظت کرتے رہے تاکہ وہ آپ ﷺ کو کوئی ایذا نہ دے سکیں

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ (عمرہ کے لیے مکہ) تشریف لائے

فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ إِنَّهُ يَقْدَمُ عَلَيْكُمْ وَفْدٌ وَهَنَهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ وَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
تو مشرکین نے کہا کہ تمہارے یہاں وہ لوگ آ رہے ہیں جنہیں یثرب (مدینہ) کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے حکم دیا

وَسَلَّمَ أَنْ يَّرْمُلُوا الْأَشْوَاطَ الثَّلَاثَةَ وَأَنْ يَّمْشُوا مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ وَلَمْ يَمْنَعْهُ أَنْ يَّأْمُرَهُمْ
کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کر کے چلا جائے اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان حسب معمول چلیں۔ تمام چکروں میں رمل کر کے چلنے کا حکم آپ ﷺ نے اس لیے

أَنْ يَّرْمُلُوا الْأَشْوَاطَ كُلَّهَا إِلَّا الْإِبْقَاءُ عَلَيْهِمْ وَزَادَ ابْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ
نہیں دیا کہ کہیں یہ (امت پر) دشوار نہ ہو جائے اور حماد بن سلمہ نے ایوب سے اس حدیث کو روایت کر کے یہ اضافہ کیا ہے کہ ان سے سعید بن جبیر نے

جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَامِهِ الَّذِي اسْتَأْمَنَ
اور ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ اس سال عمرہ کرنے آئے جس میں مشرکین نے آپ کو امن دیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا

قَالَ ارْمُلُوا لِيَرَى الْمُشْرِكُونَ قُوَّتَهُمْ وَالْمُشْرِكُونَ مِنْ قِبَلِ قُعَيْقِعَانَ
کہ رمل کرتے ہوئے چلو تاکہ مشرکین تمہاری قوت کو دیکھیں، مشرکین جبل قعیقعان کی طرف کھڑے ہو کر دیکھ رہے تھے

حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدٌ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ إِنَّمَا سَعَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَيْتِ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ کے طواف میں رمل اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑ

وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِيُرِيَ الْمُشْرِكِينَ قُوَّتَهُ
مشرکین کے سامنے اپنی طاقت دکھانے کے لیے کی تھی

نبی کریم ﷺ جب **عمرۃ القضاء** کے لیے تشریف لائے، تو مشرکین مکہ ایک پہاڑ **قعیقعان** پر جا کر بیٹھ گئے اور وہ وہاں سے حضور ﷺ اور مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے، مسلمان کئی سال بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے، تو مشرکین کہنے لگے کہ ان لوگوں کو یثرب کے بخار نے دبلا کر دیا ہے، یعنی یہ کمزور ہو گئے ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم رمل کرو۔ مطلب یہ ہے کہ کندھوں کو ہلا ہلا کر، اکڑ کر پہلوانوں کی طرح چلو، تاکہ مشرکوں کو پتا چل جائے کہ ہم کمزور نہیں ہیں، بلکہ ہم اب بھی تمہارے مقابلے کے لیے تیار ہیں۔

رمل کرنا ہر اس طواف میں سنت ہے، جس کے بعد سعی کرنی ہو، نیز طواف کے شروع کے تین چکروں میں رمل کیا جائے گا اور بقیہ چار چکروں میں رمل نہیں کیا جائے گا بلکہ عام حالت کے مطابق چلا جائے گا۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ

تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَبَنَى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ وَمَاتَتْ بِسَرِفَ
نبی کریم ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا تو آپ محرم تھے اور جب ان سے خلوت کی تو آپ احرام کھول چکے تھے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی سرف میں ہوا

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَزَادَ ابْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ وَأَبَانُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَطَاءٍ وَمُجَاهِدٍ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُونَةَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے عمرہ قضاء میں نکاح کیا تھا

جب نبی کریم ﷺ عمرۃ القضاء کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو راستے میں سرف مقام پر آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، حالانکہ آپ ﷺ اس وقت حالت احرام میں تھے۔

یہ مسئلہ کتاب الحج اور کتاب النکاح سے متعلق ہے اور وہیں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حالت احرام میں محرم کے لئے نکاح کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

1. امام اعظم امام ابوحنیفہ، صاحبین، ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حالت احرام میں نکاح درست ہے البتہ حالت احرام میں ہمبستری کرنا درست نہیں، صحابہ میں سے حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس اور ام المومنین حضرت عائشہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اسی کی تائید مروی ہے۔

2. ائمہ ثلاثہ، امام اوزاعی اور سعید بن مسیب وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک محرم کے لئے حالت احرام میں نکاح درست نہیں بلکہ ایسا نکاح باطل ہے، صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے اسی کی تائید مروی ہے۔

اس اختلاف کی اصل اور بنیاد اس بات پر ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح بحالت احرام کیا تھا یا بحالت حلال؟ البتہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح عمرۃ القضاء میں کیا تھا۔

فریق اول (احناف) کا دعویٰ ہے کہ یہ نکاح حالت احرام میں ہوا تھا اور فریق ثانی (ائمہ ثلاثہ) کا دعویٰ ہے کہ یہ نکاح بحالت حلال ہوا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان و میلان فریق اول کی طرف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے کتاب الحج میں مستقل باب باندھا ہے: باب تزويج المحرم، اسی طرح کتاب النکاح میں باب ہے: باب نكاح المحرم اور وہاں صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کی ہے تزوج النبي صلى الله عليه وسلم وهو محرم، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث منع میں سے کسی حدیث کو بخاری میں ذکر نہیں کیا ہے، جس سے ان کے رجحان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا رجحان جواز کی طرف ہے۔

مقام سرف کی یہ خصوصیت ہے کہ عمرۃ القضاء کے سفر میں بحالت احرام سرف میں آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور اسی سفر میں واپسی کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بناء فرمائی اور کافی عرصہ بعد اسی سرف نامی مقام پر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اور وہیں ان کی قبر بنی۔

بَابُ غَزْوَةِ مُوتَةَ مِنْ أَرْضِ الشَّامِ

باب: غزوۂ موتہ کا بیان جو سرزمین شام میں سن ۸ ہجری میں ہوا تھا

موتہ ملک شام کے علاقے بلقاء میں واقع ایک مقام کا نام ہے جہاں یہ غزوہ پیش آیا۔

اس کا پس منظر یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مختلف امراء اور سلاطین کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو ایک خط حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دے کر قیصر روم کی جانب روانہ فرمایا، عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب حکمران تھے، ان میں ایک شرحبیل بن عمرو بھی تھا، جو بلقاء کا رئیس اور قیصر کا ماتحت تھا، شرحبیل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا، قاصد اور سفیر کا قتل ہر زمانے اور ہر قوم میں بدترین بدعہدی اور گری ہوئی حرکت شمار ہوتی ہے اور اگر کسی غیرت مند قوم کا قاصد قتل کر دیا جائے تو وہ اسے اپنے خلاف اعلان جنگ سمجھتی ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس کا بدلہ لینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر روانہ فرمایا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں، تو جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں، تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمانوں کو اختیار ہوگا جس کو چاہیں اپنا امیر بنالیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس طرح یکے بعد دیگرے تین امیروں کو نامزد فرمانا ایک غیر معمولی بات تھی اور اس میں بظاہر یہ اشارہ بھی تھا کہ یہ تینوں حضرات اس معرکے میں شہادت سے سرفراز ہوں گے، چنانچہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات ارشاد فرما کر لشکر کو روانہ کر رہے تھے، تو ایک یہودی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گفتگو سن رہا تھا، اُس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور تھی کہ جب کوئی نبی کسی لشکر کو مہم پر بھیجتے وقت یکے بعد دیگرے کئی آدمیوں کے بارے میں یہ کہے کہ اگر فلاں شخص شہید ہو جائے تو ایسا کرنا، تو وہ ضرور شہید ہوتا تھا۔ لہٰذا اے زید! اگر محمد واقعی نبی ہیں تو تم اب واپس لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ یہودی شاید یہ سمجھتا ہوگا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ یہ سن کر خوف زدہ ہو جائیں گے، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ پھر سن لو! کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچے اور پاکباز نبی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل لشکر اس طرح مدینہ سے روانہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس اور مدینہ طیبہ کے باشندوں کا ایک بڑا مجمع اسے الوداع کہنے کے لئے ثنية الوداع تک آیا، جب لشکر وہاں سے روانہ ہوا تو مجمع نے دعا دی: صحبكم الله و دفع عنكم وردكم صالحين غانمين اللہ تمہارا ساتھی ہو، اللہ تم سے بلائیں دور کرے، اللہ تمہیں صحیح سلامت

کامیاب وکامران واپس لائے۔

ادھر شرحبیل کو جب مسلمانوں کے لشکر کی اطلاع ملی تو اس نے تقریباً ایک لاکھ افراد پر مشتمل لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع کیا اور مزید ایک لاکھ فوج لے کر ہرقل خود شرحبیل کی مدد کے لیے پہنچا، مقام معان پر پہنچ کر جب مسلمانوں کو خبر ملی کہ دو لاکھ سپاہیوں کا لشکر مقابلے کے لیے آیا ہے تو مسلمان متردد ہوئے کہ تین ہزار کی قلیل تعداد کے ساتھ ان کے مقابلہ میں جانا چاہیے یا نہیں؟ لشکر اسلام دو دن تک معان میں ٹھہر کر مشورہ کرتا رہا، اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صورتحال سے آگاہ کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا انتظار کیا جائے، اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے ایک پرجوش تقریر کی جس میں انہوں نے فرمایا:

اے قوم! جس چیز سے تم اس وقت گھبرانے لگے ہو، خدا کی قسم! یہ وہی چیز ہے جس کی تلاش میں تم وطن سے نکلے تھے اور وہ شہادت ہے، یاد رکھو! ہم نے جب بھی کوئی جنگ لڑی ہے، تو نہ تو کثرت تعداد کی بنیاد پر لڑی ہے اور نہ ہی ہتھیاروں اور گھوڑوں کی بنیاد پر، میں بدر میں شریک تھا تو خدا کی قسم! ہمارے پاس صرف دو گھوڑے تھے، میں اُحد میں شریک تھا تو ہمارے پاس صرف ایک گھوڑا تھا۔ ہاں ہم نے جس بنیاد پر ہمیشہ جنگ لڑی ہے وہ ہمارا دین ہے، جس کا اعزاز اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطاء فرمایا ہے، لہٰذا میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ آگے بڑھو، دو سعادتوں میں سے ایک سعادت یقینا تمہارا مقدر ہے، یا تو تم دشمن پر غالب آجاؤ گے اور اس طرح اللہ اور اللہ کے رسول کا وہ وعدہ پورا ہوگا جو کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا، یا پھر تم شہید ہو کر جنت کے باغات میں اپنے بھائیوں سے جا ملو گے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی پرجوش تقریر سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا صدق و اللہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شوق شہادت سے سرشار ہو کر جہاد کے لئے کمربستہ ہو گئے، لشکر معان سے روانہ ہو کر پہلے مشارف اور پھر موتہ میں مقیم ہوا اور موتہ کے میدان میں جنگ کا آغاز ہوا، اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، وہ آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے انہوں نے جام شہادت نوش کیا، ان کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا، جب دشمن چاروں طرف سے حملہ آور ہوئے تو وہ گھوڑے سے اتر گئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ تیروں، نیزوں اور تلواروں سے چور چور ہو کر گر پڑے، اس باب میں روایت ہے کہ ان کے جسم میں نوے سے زیادہ زخم لگے تھے اور سب کے سب سامنے کی جانب تھے، پشت کی جانب کوئی زخم نہیں تھا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور آگے بڑھے اور شہید ہوئے ان کی شہادت کے بعد حضرت ثابت بن ارقم انصاری رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں سے کہا یا معشر المسلمین! اصطلحوا علی رجل منکم مسلمانو! اپنے میں سے کسی آدمی پر

اتفاق کرلو،لوگوں نے کہا،آپ ہی پر ہم راضی ہیں،فرمایا میں یہ کام نہیں کرسکتا،تو مسلمانوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا وہ علم اسلام نے کر بڑھے اور بڑی شجاعت سے لڑتے رہے،آگے اس باب میں ان سے روایت ہے کہ موتہ میں لڑتے لڑتے میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ میدان جنگ کو سمجھنے اور لشکر کو ترتیب دینے میں غیر معمولی صلاحیت و مہارت رکھتے تھے، جنگ کے دوسرے روز انہوں نے لشکر کے مختلف حصوں میں تبدیلیاں کیں اور ایک دستہ میدان جنگ سے باہر رکھا کہ وہ دوران جنگ نمودار ہوکر اس طرح میدان میں آئے،جس سے دشمن کو یہ تاثر ملے کہ نئی امداد اور کمک آ پہنچی ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا،لشکر میں تبدیلی دیکھ کر اور پھر مقرر کردہ دستہ کی آمد سے دشمن سمجھے کہ شاید ان کے پاس نئی مدد آ پہنچی ہے،اس لیے وہ مرعوب ہوکر میدان چھوڑنے لگے،حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مسلمانوں کی جماعت لے کر مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح کیسے ہوئی؟ اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں،بعض میں یہ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی اور دشمن بھاگ گیا،جبکہ بعض روایتوں میں ہے کہ فتح یہی تھی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ باقی مسلمانوں کو باحفاظت واپس لانے میں کامیاب ہوگئے اور یہی زیادہ راجح ہے۔

دوسری طرف مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جنگ کے حالات سے بے خبر نہ تھے،ابھی شام سے کوئی ایلچی جنگ کی خبر لے کر نہیں آیا تھا،البتہ بذریعہ وحی خبریں مل رہی تھیں،چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ زید بن حارثہ شہید ہوگئے،پھر فرمایا کہ جعفر ابن ابی طالب بھی شہید ہوگئے ہیں،پھر فرمایا کہ عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہوگئے اور یہ فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں آنسو بھر آئے،پھر فرمایا کہ اب جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (خالد بن ولید رضی اللہ عنہ) نے اُٹھالیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح سے نوازا۔

غزوۂ موتہ جمادی الاولی سن ۸ ہجری میں پیش آیا،ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہما کی یہی رائے ہے،بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ سن ۷ ہجری کا واقعہ ہے لیکن راجح اول ہی ہے۔اس غزوہ میں تقریباً بارہ مسلمان شہید ہوئے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرٍو عَنِ ابْنِ أَبِي هِلَالٍ قَالَ وَأَخْبَرَنِي نَافِعٌ

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ وَقَفَ عَلَى جَعْفَرٍ يَوْمَئِذٍ وَ هُوَ قَتِيلٌ فَعَدَدْتُ بِهِ خَمْسِينَ بَيْنَ طَعْنَةٍ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوۂ موتہ میں جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی لاش پر کھڑے ہوکر میں نے شمار کیا تو نیزوں اور تلواروں کے پچاس زخم

وَ ضَرْبَةٍ لَيْسَ مِنْهَا شَيْءٌ فِي دُبُرِهِ

ان کے جسم پر تھے ان زخموں میں سے ایک بھی زخم پیچھے نہیں تھا

أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ نَافِعٍ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ أَمَّرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ موتہ کے لشکر کا امیر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔

مُوْتَةَ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ قُتِلَ زَيْدٌ فَجَعْفَرٌ وَإِنْ قُتِلَ
نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر امیر ہوں گے اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں

جَعْفَرٌ فَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ كُنْتُ فِيهِمْ فِي تِلْكَ الْغَزْوَةِ فَالْتَمَسْنَا جَعْفَرَ بْنَ أَبِي
تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس غزوہ میں، میں بھی شریک تھا۔ بعد میں جب ہم نے جعفر رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا

طَالِبٍ فَوَجَدْنَاهُ فِي الْقَتْلٰى وَوَجَدْنَا مَا فِي جَسَدِهِ بِضْعًا وَّ تِسْعِينَ مِنْ طَعْنَةٍ وَرَمْيَةٍ
تو ان کی لاش ہمیں شہداء میں ملی اور ان کے جسم پر نوے سے زیادہ زخم نیزوں اور تیروں کے تھے

پہلی روایت میں پچاس زخم، جبکہ اس روایت میں نوے سے اوپر زخم بتائے گئے، دونوں میں بظاہر تعارض ہے۔

❶ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا۔

❷ دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے پچاس نشان تو بالکل سامنے ہوں اور باقی دائیں بائیں جانب ہوں، پہلی روایت میں صرف سامنے کے نشان شمار کئے گئے ہیں اور دوسری روایت میں جسم کے کل زخم بتائے گئے ہیں۔

❸ تیسرا جواب یہ دیا گیا کہ پہلی روایت میں طعنة اور ضربة کا ذکر تھا، جبکہ اس روایت میں رمية کا بھی ذکر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی روایت میں صرف نیزوں اور تلواروں سے لگے ہوئے زخم بیان کئے گئے ہیں اور اس روایت میں نیزوں اور تلواروں کے ساتھ ساتھ تیروں سے لگے ہوئے زخموں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ وَاقِدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى زَيْدًا وَ جَعْفَرًا وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زید، جعفر اور عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی خبر اس وقت صحابہ کو دے دی تھی جب ابھی ان کے متعلق

قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ فَقَالَ أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ
کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب زید نے جھنڈا اٹھایا، وہ شہید ہو گئے، اب جعفر نے جھنڈا اٹھا لیا، وہ بھی شہید ہو گئے، اب ابن رواحہ نے جھنڈا اٹھا لیا،

رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ حَتّٰى أَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
وہ بھی شہید ہو گئے اور آپ کی آنکھ سے آنسو جاری تھے، آخر اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار خالد بن ولید نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر فتح عنایت فرمائی

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ فرمایا اور اللہ کی تلوار جب کسی پر چلنے لگے تو اس سے کوئی بچ نہیں سکتا اور بظاہر یہی وجہ تھی کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری عمر شہادت کی تمنا میں جہاد وقتال میں گزاری لیکن کوئی انہیں شہید نہیں کر سکا، کیونکہ جسے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی تلوار بتایا ہوا، اسے نہ کوئی توڑ سکتا ہے اور نہ ہی موڑ سکتا ہے، اللہ کی تلوار کا توڑنا ناممکن اور محال ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَتْنِي عَمْرَةُ قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَقُولُ لَمَّا جَاءَ قَتْلُ ابْنِ حَارِثَةَ وَجَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر آئی تھی،

بْنِ رَوَاحَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ جَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرَفُ فِيهِ الْحُزْنُ قَالَتْ

تو نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے چہرے سے غم ظاہر ہو رہا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

عَائِشَةُ وَأَنَا أَطَّلِعُ مِنْ صَائِرِ الْبَابِ تَعْنِي مِنْ شَقِّ الْبَابِ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَيْ رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ

کہ میں دروازے کی اوٹ سے جھانک رہی تھی۔ اتنے میں ایک آدمی نے آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! جعفر کے گھر کی عورتیں!

نِسَاءَ جَعْفَرٍ قَالَ وَذَكَرَ بُكَاءَهُنَّ فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْهَاهُنَّ قَالَ فَذَهَبَ الرَّجُلُ ثُمَّ أَتَى فَقَالَ قَدْ

اور ان کے رونے کا ذکر کیا تو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں منع کرو وہ صاحب گئے اور پھر واپس آ کر کہا

نَهَيْتُهُنَّ وَذَكَرَ أَنَّهُ لَمْ يُطِعْنَهُ قَالَ فَأَمَرَ أَيْضًا فَذَهَبَ ثُمَّ أَتَى فَقَالَ وَاللّٰهِ لَقَدْ غَلَبْنَنَا فَزَعَمَتْ

کہ میں نے انہیں روکا اور یہ بھی کہا کہ انہوں نے بات نہیں مانی۔ تو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں منع کرو، وہ صاحب گئے اور پھر واپس آ کر کہا اللہ کی قسم! وہ تو ہم پر غالب آ گئی ہیں

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاحْثُ فِي أَفْوَاهِهِنَّ مِنَ التُّرَابِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ پھر ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا:

أَرْغَمَ اللّٰهُ أَنْفَكَ فَوَاللّٰهِ مَا أَنْتَ تَفْعَلُ وَمَا تَرَكْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَنَاءِ

اللہ تیری ناک غبار آلود کرے نہ تو تو عورتوں کو روک سکا نہ تو نے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینا چھوڑا

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

وَذَكَرَ أَنَّهُ لَمْ يُطِعْنَهُ: یہاں کسی کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ کا حکم سن کر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے تعمیل کیوں نہیں کی؟ اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

❶ ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس شخص نے حضور اکرم ﷺ کی طرف نسبت کر کے ممانعت کو ذکر نہیں کیا ہوگا، اس لیے انہوں نے تعمیل نہیں کی۔

❷ ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ شدت غم کی وجہ سے وہ خواتین بکاء کو موقوف کرنے پر قادر نہیں تھیں، اس لیے روتی رہیں اور یہ رونا ان کے اختیار میں نہیں تھا اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

❸ ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ انہوں نے نوحہ کرنے کا جاہلیت والا طریقہ ترک کر دیا تھا، لیکن نفس بکاء باقی تھی اور یہ شخص چاہتا تھا کہ یہ عورتیں رونا بالکل ہی موقوف کر دیں اور اس نے آ کر حضور ﷺ سے کہا کہ وہ بات نہیں مان رہی ہیں، حالانکہ انہوں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں نوحہ کا ممنوعہ طریقہ ترک کر دیا تھا اور مطلقاً رونا اسلام میں ممنوع نہیں ہے، لہٰذا ان خواتین نے آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ واللہ اعلم بالصواب

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ

عَنْ عَامِرٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَيَّ ابْنَ جَعْفَرٍ قَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ ذِي الْجَنَاحَيْنِ

عامر شعبی فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو سلام کرتے تو السلام علیک یا ابن ذی الجناحین کہتے

اس روایت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے جنگ موتہ میں دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں ان کے دو بازوؤں کی جگہ دو پر عنایت کیے ہیں یطیر حیث شاء ان کے ذریعے وہ جنت میں جہاں چاہیں اُڑ کر جا سکتے ہیں، تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا لقب ذو الجناحین (دو پروں والا) بھی ہے، اسی طرح ان کا لقب طیار (اُڑنے والا) بھی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ

سَمِعْتُ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ يَقُولُ لَقَدِ انْقَطَعَتْ فِي يَدِي يَوْمَ مُوتَةَ تِسْعَةُ أَسْيَافٍ فَمَا بَقِيَ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ موتہ میں میرے ہاتھ نو تلواریں ٹوٹی تھیں، پھر میرے ہاتھ میں

فِي يَدِي إِلَّا صَفِيحَةٌ يَمَانِيَةٌ

صرف ایک یمن کا بنا ہوا چوڑے پھل کا تیغہ باقی رہ گیا تھا

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسٌ قَالَ

سَمِعْتُ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ يَقُولُ لَقَدْ دُقَّ فِي يَدِي يَوْمَ مُوتَةَ تِسْعَةُ أَسْيَافٍ وَ صَبَرَتْ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ موتہ میں میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹی تھیں اور میرے ہاتھ میں

فِي يَدِي صَفِيحَةٌ لِي يَمَانِيَةٌ

صرف ایک یمنی تیغہ باقی رہ گیا تھا

چوڑی تلوار عام طور سے جنگ میں استعمال نہیں کی جاتی، بلکہ ایسی تلوار استعمال کی جاتی ہے، جس کی دھار تیز ہو اور وہ آسانی سے گردن اڑا دے، لیکن چونکہ ان کے پاس موجود ساری تلواریں ٹوٹ گئی تھیں، صرف یہ موٹی اور چوڑی تلوار ہی رہ گئی تھی، اس لیے آخر میں اسی تلوار سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قتال فرمایا۔

حَدَّثَنِي عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عَامِرٍ

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ أُغْمِيَ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ رَوَاحَةَ فَجَعَلَتْ أُخْتُهُ

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پر ایک مرتبہ بے ہوشی طاری ہوئی تو ان کی بہن عمرہ (والدہ نعمان) یہ سمجھ کر کہ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے، پکار کر

عَمْرَةُ تَبْكِي وَا جَبَلَاهُ وَا كَذَا وَا كَذَا تُعَدِّدُ عَلَيْهِ فَقَالَ حِينَ أَفَاقَ مَا قُلْتِ شَيْئًا

رونے لگیں کہ ہائے میرا پہاڑ جیسا بھائی، ہائے میرے ایسا بھائی، ان کے محاسن ایک ایک کر کے گننے لگیں، پھر جب عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو انہوں نے کہا کہ تم جب میری خوبی بیان

إِلَّا قِيلَ لِي أَنْتَ كَذَاكَ

کرتیں تو مجھ سے پوچھا جاتا کہ کیا تم ایسے ہی تھے

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْثَرٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ أُغْمِيَ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ بِهٰذَا فَلَمَّا مَاتَ لَمْ تَبْكِ عَلَيْهِ

نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہؓ کو بے ہوشی ہوگئی، پھراوپر کی حدیث کی طرح بیان کیا، پھر جب (غزوۂ موتہ) میں وہ شہید ہوئے تو ان کی بہن ان پر نہیں روئیں

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جو غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے ہیں، غزوۂ موتہ سے کافی پہلے ایک مرتبہ سخت بیمار ہو گئے تھے، اس بیماری میں ان پر غشی طاری ہوگئی، گھر والوں نے سمجھا کہ یہ ان کا آخری وقت ہے، چنانچہ ان کی بہن عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں اور وَا جَبَلَاہْ وغیرہ الفاظ سے ان کی صفات بیان کرنے لگیں، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو جب ہوش آیا تو انہوں نے اپنی بہن سے کہا کہ تم جو کچھ کہتی تھیں تو مجھ سے پوچھا جاتا تھا کہ کیا واقعی تم ایسے ہی ہو؟ کیا تم واقعی پہاڑ ہو؟ سمندر ہو؟ اور ظاہر ہے کہ میں نہ پہاڑ تھا نہ سمندر، ابونعیم کی روایت میں یہ اضافہ ہے، فنهاها عن البكاء عليه، لہٰذا جب غزوۂ موتہ میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو ان کی بہن نے ان کی اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے بین نہیں کیا۔

بَابُ بَعْثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ إِلَى الْحُرَقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ

باب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو قبیلہ جہینہ کے حرقات کے مقابلہ پر بھیجنا۔

حرقة (بضم الحاء والراء وبفتح القاف) یمن میں ایک جگہ کا نام ہے اور قبیلہ جہینہ کے ایک شخص جہیش بن عامر بن ثعلبہ نامی شخص کی طرف منسوب ہے جس کا لقب حرقة تھا، اس لقب کے پڑنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک مرتبہ اپنے مخالفین کو زندہ جلا دیا تھا، اس لئے اس کا نام حرقة پڑ گیا، پھر یہ جس بستی میں رہتا تھا، اس بستی کو لوگوں نے الحرقات کہنا شروع کر دیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف ایک سریہ بھیجا تھا، اس سریہ کو بھیجنے کا کیا سبب ہوا، اس کی تفصیل روایات میں نہیں آئی البتہ صرف اتنا مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سریہ بھیجا، جس کا قصہ اس باب کے تحت روایت میں مذکور ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اس لشکر کے امیر تھے، لیکن اہل مغازی کے نزدیک اس لشکر کے امیر غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ تھے اور وہ اس سریہ کو سرية غالب بن عبد الله ليثی کے نام سے ذکر کرتے ہیں، سرية غالب بن عبد الله ليثی کے بارے میں اہل سیر کی رائے یہ ہے کہ یہ رمضان سن ۷ ہجری کا واقعہ ہے، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے غزوۂ موتہ کے بعد ذکر کر رہے ہیں اور غزوۂ موتہ سن ۸ ہجری میں ہوا ہے، لہٰذا یہ واقعہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سن ۷ ہجری کا نہیں ہے بلکہ سن ۸ ہجری کا ہوگا۔

بہرحال امام بخاریؒ رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب سے بظاہر تو یہ لگتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما امیر تھے لیکن ظاہر ہے کہ

یہاں انہوں نے امارت کی تصریح نہیں کی ہے، صرف یہ کہا ہے کہ بعث النبي اسامة بن زيد، لہٰذا اس لحاظ سے دونوں میں کوئی خاص تعارض نہیں ہے۔

حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ أَخْبَرَنَا أَبُوْ ظَبْيَانَ قَالَ

سَمِعْتُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حرقہ کی طرف بھیجا،

الْحُرَقَةِ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَاهُمْ وَ لَحِقْتُ أَنَا وَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ رَجُلًا مِنْهُمْ

ہم نے صبح کے وقت ان پر حملہ کیا اور انہیں شکست دے دی، پھر میں اور ایک انصاری صحابی اس قبیلہ کے ایک شخص (مرداس بن عمر) سے بھڑ گئے۔ جب ہم نے اس پر غلبہ پا لیا

فَلَمَّا غَشِيْنَاهُ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَكَفَّ الْأَنْصَارِيُّ فَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِي حَتّٰى قَتَلْتُهُ فَلَمَّا قَدِمْنَا

تو وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگا۔ انصاری تو فوراً ہی رک گیا، لیکن میں نے اسے اپنے برچھے سے قتل کر دیا، جب ہم لوٹے

بَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أُسَامَةُ أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟ قُلْتُ كَانَ

تو نبی کریم ﷺ کو بھی اس کی خبر ہوئی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اسامہ کیا اس کے لا الہ الا اللہ کہنے کے باوجود تم نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا کہ وہ قتل سے بچنا

مُتَعَوِّذًا فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ

چاہتا تھا۔ اس پر آپ ﷺ باربار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں آج سے پہلے اسلام نہ لاتا

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حرقة کی طرف بھیجا۔ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ تو ہم نے صبح کے وقت قوم پر حملہ کیا فَهَزَمْنَاهُمْ اور ان کو شکست دے دی، پھر میں اور انصار کا ایک آدمی ان کافروں کے ایک آدمی کے پیچھے لگے، جب وہ کافر ہماری تلواروں کی زد میں آ گیا، تو وہ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے لگا، تو جب اس نے لا الہ الا اللہ پڑھا تو میرے انصاری ساتھی نے اپنی تلوار پیچھے کر لی، فَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِي لیکن میں نے اپنے نیزے سے اس کو مارا اور اس کو قتل کر دیا، جب غزوہ ختم ہو گیا اور ہم مدینہ منورہ واپس آ گئے اور نبی کریم ﷺ کو یہ خبر ملی کہ ایسا ایسا ہوا تھا، تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟ اے اسامہ کیا تم نے اس کو قتل کر دیا، حالانکہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ چکا تھا؟ قُلْتُ كَانَ مُتَعَوِّذًا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ تو محض بچاؤ کے لیے کلمہ پڑھ رہا تھا، یعنی اس نے کلمہ اپنے آپ کو قتل سے بچانے کے لیے پڑھا تھا، کیونکہ اگر اس واقعی کلمہ پڑھنا ہوتا تو وہ ہم پر حملہ نہ کرتا، پھر جب وہ بھاگا اور ہم اس کے پیچھے لگے، تب بھی اس نے کلمہ نہیں پڑھا، جب بالکل ہماری تلوار کی زد میں آ گیا تو اس وقت کہتا ہے لا الہ الا اللہ تو یہ اس نے محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا، حقیقت میں وہ اسلام نہیں لایا تھا۔ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا لیکن نبی کریم ﷺ اپنا وہی جملہ بار بار دہراتے رہے، کہ أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟ اسامہ تم نے لا الہ الا اللہ کہنے کے باوجود اس قتل کر دیا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ مسلسل بار بار یہ جملہ دہراتے رہے، یہاں تک کہ مجھے تمنا ہونے لگی:

أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَلِكَ الْيَوْمِ کہ آج کے دن سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔

حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَلِكَ الْيَوْمِ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے جملے کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ انہیں نعوذ باللہ اسلام پر کوئی حسرت وندامت ہے یا وہ نعوذ باللہ کفر کی تمنا کر رہے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا جو انداز میں نے دیکھا تو اس کی بناء پر مجھے یہ خیال ہوا کہ اگر میں اب اسلام لاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی سے بچ جاتا اور میری یہ سنگین غلطی بھی معاف ہوجاتی کیونکہ الاسلام یهدم ما کان قبله اسلام کی وجہ سے زمانہ کفر کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ

سَمِعْتُ سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ يَقُولُ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سات غزوات میں شریک رہا ہوں

وَخَرَجْتُ فِيمَا يَبْعَثُ مِنَ الْبُعُوثِ تِسْعَ غَزَوَاتٍ مَرَّةً عَلَيْنَا أَبُو بَكْرٍ وَمَرَّةً عَلَيْنَا أُسَامَةُ

اور نو ایسے لشکروں میں شریک ہوا ہوں جو آپ نے روانہ کئے (مگر آپ خود ان میں نہیں گئے) کبھی ہم پر ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر ہوئے اور کسی فوج کے امیر اسامہ رضی اللہ عنہ ہوئے

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ

سَمِعْتُ سَلَمَةَ يَقُولُ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ وَخَرَجْتُ فِيمَا

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہا ہوں اور نو ایسی لڑائیوں میں گیا ہوں

يَبْعَثُ مِنَ الْبَعْثِ تِسْعَ غَزَوَاتٍ عَلَيْنَا مَرَّةً أَبُو بَكْرٍ وَ مَرَّةً أُسَامَةُ

جن کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تھا، کبھی ہمارے امیر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوتے اور کبھی اسامہ رضی اللہ عنہ ہوتے

غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ: حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے جن سات غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شرکت کی وہ یہ ہیں:

❶ غزوۂ حدیبیہ ❷ غزوۂ ذی قرد ❸ غزوۂ خیبر ❹ غزوۂ حنین ❺ فتح مکہ ❻ غزوۂ طائف ❼ غزوۂ تبوک۔

اور نو ایسے غزوات میں شرکت کی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس شریک نہیں ہوئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی اور کو امیر مقرر فرما کر روانہ کیا، اس بات کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے کہ متقدمین کی اصطلاح میں خواہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنگ میں تشریف لے گئے ہوں یا تشریف نہ لے گئے ہوں، دونوں پر غزوہ کا اطلاق ہوتا ہے جبکہ متاخرین اس جنگ کو جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت نہ کی ہو اس پر سریہ کا اطلاق کرتے ہیں، اس لیے متاخرین کی اصطلاح کے مطابق یہاں روایت میں تِسْعَ غَزَوَاتٍ دراصل تسع سرایا کے معنی میں ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہا ہوں اور میں نے

غَزَوَاتٍ وَغَزَوْتُ مَعَ ابْنِ حَارِثَةَ اسْتَعْمَلَهُ عَلَيْنَا

ابن حارثہ (یعنی اسامہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بھی غزوہ کیا ہے، نبی کریم ﷺ نے انہیں ہم پر امیر بنایا تھا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ فَذَكَرَ خَيْبَرَ

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی، پھر انہوں نے غزوۂ خیبر،

وَالْحُدَيْبِيَةَ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ وَيَوْمَ الْقَرَدِ قَالَ يَزِيدُ وَ نَسِيتُ بَقِيَّتَهُمْ

غزوۂ حدیبیہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ ذات القرد کا ذکر کیا، یزید کہتے ہیں کہ باقی غزوات کے نام میں بھول گیا

بَابُ غَزْوَةِ الْفَتْحِ

باب: غزوہ فتح مکہ کا بیان

وَمَا بَعَثَ حَاطِبُ بْنُ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِغَزْوِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور وہ خط جو حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو نبی کریم ﷺ کے غزوہ کے ارادہ سے آگاہ کرنے کے لیے بھیجا تھا اس کا بیان

یہاں سے فتح مکہ سے متعلق احادیث شروع ہو رہی ہیں، غزوۂ فتح مکہ رمضان المبارک سن ۸ ہجری میں پیش آیا، اس میں نبی کریم ﷺ دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

قریش مکہ کی معاہدۂ صلح سے مخالفت

اس کا پس منظر یہ ہے کہ سن ٦ ہجری میں جب قریش مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صلح حدیبیہ کا معاہدہ ہوا، تو اس میں یہ بات بھی طے پائی تھی کہ اگر عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ بھی اس معاہدہ میں شریک ہونا چاہے تو شریک ہو سکتا ہے۔ لہٰذا صلح حدیبیہ کے بعد ہی بنوبکر قریش کی طرف سے اس معاہدہ میں شریک ہو گئے اور بنوخزاعہ مسلمانوں کی طرف سے شریک ہو گئے، بنوبکر اور بنوخزاعہ مکہ مکرمہ کے قریب آباد تھے اور ان کے درمیان قدیم زمانہ سے عداوت چلی آ رہی تھی، لیکن ظہور اسلام کے بعد ان دونوں کی توجہ اسلام اور مسلمانوں کی طرف ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے ان کی آپس کی جنگ کچھ سرد پڑ گئی تھی، صلح حدیبیہ کے بعد جنگ کے شعلے دوبارہ بھڑکے اور بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا، قریش کے بہت سے لوگوں نے اس حملہ میں بنوبکر کی امداد کی، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو وغیرہ (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) خود اس حملہ میں شریک ہوئے، بنوخزاعہ نے حرم میں پناہ لینا چاہی، لیکن وہاں بھی ان کو پناہ

نہ مل سکی اوران کوقتل کیا گیااورلوٹا گیا۔قریش کی طرف سے یہ صلح حدیبیہ کی صریح خلاف ورزی تھی، کیونکہ شرائط صلح میں یہ بات داخل تھی کہ نہ مسلمان قریش کے حلیف قبائل سے جنگ کریں گے اور نہ ہی قریش مسلمانوں کے حلیف قبائل کے خلاف کارروائی میں حصہ لیں گے، یہاں قریش نے اس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ کے خلاف جنگ میں باقاعدہ حصہ لیااوراس طرح دس سال کے لیے جومعاہدہ صلح ہوا تھااس کوتوڑ دیا۔

اس واقعے کے بعد عمرو بن سالم خزاعی چالیس افراد پر مشتمل ایک وفد لے کر قریش کی معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کی شکایت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طلب امداد کی غرض سے مدینہ منورہ حاضر ہوا اور بڑے دردناک اشعار پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امداد طلب کی، سیرت ابن ہشامؒ میں یہ اشعار مذکور ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے سے اطلاع ہوگئی تھی کہ یہ واقعہ پیش آ گیا ہے، چنانچہ جب عمرو بن سالم نے یہ اشعار پڑھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموشی سے سنتے رہے، پھر فرمایا: نصرت یا عمرو بن سالم اے عمرو بن سالم تمہاری مدد کی جائے گی۔

اس واقعہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے پاس پیغام بھیجا کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک اختیار کرلیں:

1. بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کریں۔
2. یا پھر بنوبکر کے معاہدہ سے علیحدگی اختیار کرلیں۔
3. یا پھر معاہدہ صلح کے منسوخ ہونے کا اعلان کردیں۔

قرط بن عمرو نے قریش کی طرف سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم تیسری بات اختیار کرتے ہیں، چنانچہ قاصد ان کا جواب لے کر مدینہ منورہ واپس ہوا، قاصد کی روانگی کے بعد قریش کو اندازہ ہوا کہ ان سے غلطی ہوگئی ہے اور انہیں اپنی حماقت درحماقت پر ندامت اور پشیمانی ہوئی۔

ابوسفیان بن حرب کی تجدید صلح کے لئے کوششیں

ابوسفیان بن حرب جو قریش کے سردار تھے اور ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، وہ قریش کے باہمی مشورے سے تجدید صلح کے لئے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے، مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں تھیں، گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بچھا ہوا تھا، ام المومنین رضی اللہ عنہا نے وہ بستر لپیٹ دیا، ابوسفیان نے حیرت زدہ ہوکر دریافت کیا: یابنية! ما أدري أرغبت به عني ام رغبت بي عنه بیٹی! تم نے یہ بستر لپیٹ دیا؟ اس بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا، یا مجھے اس بستر کے قابل نہیں سمجھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو اس بستر کے لائق نہیں سمجھا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر ہے، اس پر ایک مشرک کیسے بیٹھ سکتا ہے؟ ابوسفیان نے یہ غیر متوقع جواب سن کر کہا: لقد اصابک یابنية بعدی شر بیٹی! تم میرے بعد شر میں مبتلا ہوگئی، ام المومنین

رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بل هدانی الله للاسلام شر میں نہیں بلکہ ظلمت کفر سے نکل کر نور اسلام میں داخل ہوگئی ہوں۔

ابوسفیان وہاں سے مسجد نبوی پہنچے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ابوسفیان نے جا کر کہا کہ ہمارے لوگوں سے غلطی ہوئی ہے اور میں اس لیے یہاں آیا ہوں کہ اس معاہدہ صلح کی تجدید کرلوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی سے ان کی بات سن لی مگر جواب میں کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی۔

ابوسفیان نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی جواب نہیں دے رہے تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ اے ابن ابی قحافہ! میں تمہارے پاس آیا ہوں کہ تم ہماری مدد کرو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہماری سفارش کرو کہ معاہدے کی تجدید کرلیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ما أنا بفاعل میں یہ کام نہیں کرسکتا۔ وہ وہاں سے ناامید ہو کر اٹھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ تم میری مدد کرو اور معاہدے کی تجدید میں میری سفارش کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: انا اشفع لکم الی رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ والله لو لم اجد الا الذر لجاهدتکم به میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمہاری سفارش کروں؟ خدا کی قسم! اگر میرے پاس صرف چیونٹیاں ہی ہوں تو میں ان چیونٹیوں کے ساتھ بھی تمہارا مقابلہ کرتا رہوں گا۔ یہ وہاں سے بھی ناامید ہوگئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، وہاں ان کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ابوسفیان نے کہا کہ تمہارا یہ بیٹا بہت خوب صورت ہے، میں تمہیں اس بیٹے کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری سفارش کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں کیسے سفارش کرسکتا ہوں، یہ میرے بس میں نہیں ہے، یہ معاملہ تمہارا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے، میں بیچ میں نہیں پڑ سکتا۔ ابوسفیان نے کہا کہ اچھا، پھر مجھے کوئی مشورہ ہی دے دو کہ میں کروں کیا؟ کیونکہ میں ابوبکر کے پاس گیا تھا انہوں نے انکار کردیا، عمر کے پاس گیا تھا انہوں نے تو بہت ہی سخت جواب دیا، اب میں تمہارے پاس آیا ہوں تم بھی انکار کر رہے ہو تو میں کیا کروں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اور تو کچھ سمجھ نہیں آتا، البتہ تم ایسا کرو کہ تم مسجد نبوی چلے جاؤ اور وہاں جا کر یہ اعلان کردو کہ میں نے دس سال کے لیے معاہدہ کی تجدید کردی ہے۔ تو ابوسفیان وہاں سے اٹھے، مسجد نبوی گئے اور وہاں جا کر اعلان کردیا کہ میں نے اس معاہدے کی دس سال کے لیے تجدید کردی ہے، مگر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا اور سب خاموش ہی رہے۔ اس کے بعد یہ وہاں سے روانہ ہوگئے۔

جب ابوسفیان واپس مکہ مکرمہ پہنچے، تو لوگوں نے کہا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے ساری کارگزاری سنائی اور یہ بھی بتایا کہ میں نے علی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے مسجد جا کر معاہدہ کی تجدید کا اعلان کردیا، پھر میں واپس آگیا۔

لوگوں نے کہا کہ علی نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہے، کیونکہ معاہدے اس طرح نہیں ہوتے کہ ایک آدمی اٹھ کر اعلان کردے کہ میں نے معاہدہ کرلیا ہے اور دوسرا خاموش بیٹھا رہے بلکہ معاہدہ تو جانبین سے ہوتا ہے۔ الغرض قریش کو یہ

فکر دامن گیر ہوگئی کہ معاملہ خراب ہو گیا ہے، اور اب معاہدہ صلح ختم ہو چکا ہے اور اس کی تجدید کی کوئی صورت نہیں۔

دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اب تم مکہ مکرمہ کی طرف چلنے کی خاموشی کے ساتھ تیاری کرو اور اس معاملے کو پوشیدہ رکھو، تاکہ اہل مکہ کو معلوم نہ ہو سکے کہ ہم یہاں سے نکلے ہیں اور مکہ فتح کرنے کے لیے آرہے ہیں۔ اسی دوران حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان اور عکرمہ بن ابی جہل کے نام ایک خفیہ خط روانہ کر دیا، مگر راستے میں وہ خط پکڑا گیا، جس سے متعلق تفصیلی روایت پہلے بھی گزر چکی ہے اور اس روایت کو یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ

أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ أَبِي رَافِعٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد کو روانہ کیا

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالْمِقْدَادَ فَقَالَ انْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ فَإِنَّ بِهَا

اور ہدایت کی کہ (مکہ کے راستے پر) چلے جانا جب تم مقام روضہ خاخ پر پہنچو تو وہاں تمہیں ایک عورت ملے گی۔

ظَعِينَةً مَعَهَا كِتَابٌ فَخُذُوا مِنْهَا قَالَ فَانْطَلَقْنَا تَعَادَى بِنَا خَيْلُنَا حَتَّى أَتَيْنَا الرَّوْضَةَ

وہ ایک خط لئے ہوئے ہے، تم اس سے وہ خط لے لینا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم روانہ ہوئے، ہمارے گھوڑے ہمیں تیزی کے ساتھ لیے جارہے تھے، جب ہم روضہ خاخ پر پہنچے

فَإِذَا نَحْنُ بِالظَّعِينَةِ قُلْنَا لَهَا أَخْرِجِي الْكِتَابَ قَالَتْ مَا مَعِيَ الْكِتَابُ فَقُلْنَا لَتُخْرِجِنَّ

تو واقعی وہاں ہمیں ایک عورت ملی، ہم نے اس سے کہا کہ خط نکال، وہ کہنے لگی کہ میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے لیکن جب ہم نے اس سے یہ کہا کہ اگر تم نے خود سے خط نکال کر

الْكِتَابَ أَوْ لَنُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ قَالَ فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا فَأَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ

ہمیں نہیں دیا تو ہم تیرے کپڑے اتار کر تلاشی لیں گے، تب اس نے اپنی چوٹی میں سے وہ خط نکالا، ہم وہ خط لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس ہوئے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا فِيهِ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى نَاسٍ بِمَكَّةَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ يُخْبِرُهُمْ

اس میں یہ لکھا تھا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام ہے، جس میں انہوں نے مشرکین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض بھیدوں کی خبر بھی دی تھی۔

بِبَعْضِ أَمْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے حاطب! تو نے یہ کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا

يَا حَاطِبُ مَا هٰذَا؟ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مُلْصَقًا فِي قُرَيْشٍ يَقُولُ

یارسول اللہ! میرے بارے میں فیصلہ کرنے میں آپ جلدی نہ فرمائیں، میں اس کی وجہ عرض کرتا ہوں، بات یہ ہے کہ میں دوسرے مہاجرین کی طرح قریش کے خاندان سے

كُنْتُ حَلِيفًا وَلَمْ أَكُنْ مِنْ أَنْفُسِهَا وَكَانَ مَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ مَنْ لَهُمْ قَرَابَاتٌ يَحْمُونَ

نہیں ہوں، صرف ان کا حلیف بن کر ان سے جڑ گیا ہوں اور دوسرے مہاجرین کے وہاں عزیز و اقرباء ہیں جو ان کے گھر بار مال و اسباب کی نگرانی کرتے ہیں،

أَهْلِيهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِي ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيهِمْ أَنْ أَتَّخِذَ عِنْدَهُمْ يَدًا

میں نے چاہا کہ جب میں خاندان کی رو سے ان کا شریک نہیں ہوں تو کچھ احسان ہی ان پر ایسا کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے کنبہ والوں کو نہ ستائیں، میں نے یہ کام

يَحْمُونَ قَرَابَتِي وَلَمْ أَفْعَلْهُ ارْتِدَادًا عَنْ دِينِي وَلَا رِضًا بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ

اپنے دین سے پھر کر نہیں کیا اور نہ ہی اسلام لانے کے بعد میرے دل میں کفر کی حمایت کا جذبہ ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دَعْنِيْ أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا

کہ واقعی انہوں نے تمہارے سامنے سچی بات کہہ دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اجازت ہو تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں، لیکن نبی کریم ﷺ

الْمُنَافِقِ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى مَنْ شَهِدَ بَدْرًا قَالَ اعْمَلُوْا

نے فرمایا کہ یہ غزوۂ بدر میں شریک رہے ہیں اور تمہیں کیا معلوم اللہ تعالیٰ غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کے کام سے واقف ہے اس نے ان کے متعلق فرمادیا ہے کہ جو چاہو کرو

مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ السُّوْرَةَ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ

میں نے تمہارے گناہ معاف کر دیئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ

وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُوْنَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ إِلٰى قَوْلِهٖ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ

تُلْقُوْنَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ سے فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ تک

بَابُ غَزْوَةِ الْفَتْحِ فِيْ رَمَضَانَ

باب: فتح مکہ کا بیان جو رمضان سن ۸ ہجری میں ہوا تھا۔

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ فتح مکہ کا واقعہ رمضان میں پیش آیا، اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے لیے مدینہ منورہ سے کس تاریخ کو روانہ ہوئے تھے، واقدی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم نے لکھا ہے کہ رمضان کی دس تاریخ کو آپ ﷺ کی روانگی ہوئی تھی، بعض روایات میں ۱۲، ۱۶ اور ۱۸ تاریخوں کا تذکرہ بھی وارد ہوا ہے اور ایک روایت میں تردد کے ساتھ ۱۷ اور ۱۹ کا بھی ذکر ہے، البتہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت مشہور ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسلم شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ۱۰ رمضان کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اور ۱۹ رمضان کو مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ اس سفر میں دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر آپ کے ساتھ تھا، راستے میں مختلف مسلمان قبائل بھی شریک ہوتے رہے، روایات میں آتا ہے کہ آخر میں یہ تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ

أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے

وَسَلَّمَ غَزَا غَزْوَةَ الْفَتْحِ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَ سَمِعْتُ ابْنَ الْمُسَيِّبِ يَقُوْلُ مِثْلَ ذٰلِكَ

غزوۂ فتح مکہ رمضان میں کیا تھا اور فرمایا کہ میں نے سعید بن مسیب سے سنا کہ وہ بھی اسی طرح بیان کرتے تھے۔

وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَخْبَرَنِيْ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

زہری نے عبیداللہ سے روایت کیا اور ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ (غزوۂ فتح کے سفر میں جاتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ روزے سے تھے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى إِذَا بَلَغَ الْكَدِيْدَ الْمَاءَ الَّذِيْ بَيْنَ قُدَيْدٍ وَّعُسْفَانَ أَفْطَرَ

لیکن جب آپ ﷺ مقام کدید پہنچے، جو قدید اور عسفان کے درمیان ایک چشمہ ہے تو آپ ﷺ نے روزہ توڑ دیا۔

فَلَمْ يَزَلْ مُفْطِرًا حَتَّى انْسَلَخَ الشَّهْرُ

پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے روزہ نہیں رکھا یہاں تک کہ رمضان کا مہینہ ختم ہو گیا

حَتَّى إِذَا بَلَغَ الْكَدِيْدَ الْمَاءَ الَّذِيْ بَيْنَ قُدَيْدٍ وَّعُسْفَانَ أَفْطَرَ: چونکہ غزوۂ فتح مکہ کا سفر رمضان میں ہوا، چنانچہ راستے میں آپ ﷺ روزے رکھتے رہے، لیکن جب مکہ مکرمہ قریب آ گیا اور آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ اب کسی بھی وقت جہاد اور قتال کی نوبت آ سکتی ہے تو پھر آپ ﷺ نے روزہ رکھنا چھوڑ دیا۔

اسی بناء پر سے امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے کتاب الصوم میں باب قائم کیا ہے کہ اگر مسافر روزہ رکھ لے تو بھی جائز ہے اور اگر روزہ نہ رکھے تو بھی جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے دونوں باتیں ثابت ہیں، آپ ﷺ نے بعض مرتبہ حالت سفر میں روزہ رکھا ہے اور بعض مرتبہ روزہ نہیں رکھا، لہٰذا دونوں باتیں شریعت وسنت سے ثابت ہیں۔

البتہ افضل اور غیر افضل کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مسافر کا خیال ہو کہ میرے لیے ابھی روزہ رکھنا آسان ہے، بعد میں قضا کرنا مشکل ہوگا تو اس صورت میں عزیمت یہ ہے کہ وہ روزہ رکھ لے، لیکن اگر قتال ہے یا کوئی مشکلات ہیں اور اندازہ یہ ہے کہ میرے لیے روزہ پورا کرنا مشکل ہوگا، یا جہاد یا ضروری کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوگی، تو اس صورت میں رخصت پر عمل کرتے ہوئے روزہ چھوڑ دینا افضل ہوگا، البتہ بعد میں اس کی قضا کر لے۔

چنانچہ اگلی روایت کے اخیر میں امام زہری رحمہ اللہ علیہ کا مقولہ مذکور ہے: **وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ مِنْ أَمْرِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ الْآخِرُ فَالْآخِرُ** امام زہری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے معمولات میں سے ان پر عمل کیا جائے گا جو آخری عمل ہے۔ بظاہر ان کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جب مدینہ سے سفر شروع کیا، تو روزے سے تھے اور بعد میں نبی کریم ﷺ نے افطار کیا، گویا آپ ﷺ کا آخری عمل افطار فی السفر ہے اور آخری عمل ہی پر مسئلہ کی بنیاد رکھی جائے گی کہ سفر میں افطار جائز ہے۔

حَدَّثَنِيْ مَحْمُوْدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ قَالَ أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِيْ رَمَضَانَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (فتح مکہ کے لیے) مدینہ سے روانہ ہوئے۔

وَمَعَهُ عَشَرَةُ الْآلَافِ وَذٰلِكَ عَلٰى رَأْسِ ثَمَانِ سِنِيْنَ وَنِصْفٍ مِنْ مَقْدَمِهِ الْمَدِيْنَةَ فَسَارَ هُوَ وَمَنْ

آپ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا۔ اس وقت آپ کو مدینہ میں تشریف لائے ساڑھے آٹھ سال پورے ہونے والے تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھ جو مسلمان تھے

مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِلٰى مَكَّةَ يَصُوْمُ وَيَصُوْمُوْنَ حَتّٰى بَلَغَ الْكَدِيْدَ وَهُوَ مَاءٌ بَيْنَ عُسْفَانَ وَقُدَيْدٍ

مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ نبی کریم ﷺ بھی روزے سے تھے اور تمام مسلمان بھی، لیکن جب آپ مقام کدید پر پہنچے جو قدید اور عسفان کے درمیان ایک چشمہ ہے

أَفْطَرَ وَأَفْطَرُوْا قَالَ الزُّهْرِيُّ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ مِنْ أَمْرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْآخِرُ فَالْآخِرُ

تو آپ ﷺ نے روزہ توڑ دیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی روزہ توڑ دیا۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سب سے آخری عمل پر ہی عمل کیا جائے گا

وَ مَعَهُ عَشَرَةُ الَافٍ: بخاری شریف کی اس روایت میں کے مطابق فتح مکہ کے لیے روانگی کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تھی، جبکہ امام مغازی محمد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی روایات کے مطابق لشکرِ اسلام کی تعداد بارہ ہزار تھی، اس لئے بظاہر تعارض ہے لیکن یہ تعارض اس طرح دور ہوسکتا ہے کہ مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دس ہزار افراد تھے، پھر راستے میں مختلف قبائل سے لوگ آ کر شامل ہونے لگے تو یہ تعداد بڑھ کر بارہ ہزار بن گئی۔

وَذٰلِكَ عَلٰى رَأْسِ ثَمَانِ سِنِيْنَ وَنِصْفٍ مِنْ مَقْدَمِهِ الْمَدِيْنَةَ: بظاہر یہ راوی کا وہم ہے، اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ ہجرت کے ساڑھے سات سال گزرنے کے بعد روانہ ہوئے تھے، کیونکہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی ہے اور اسی سال کے محرم سے ہجری سن شمار کیا جاتا ہے، تو اس اعتبار سے ہجرت کے بعد فتح مکہ تک کا یہ عرصہ ساڑھے سات سال بنتا ہے، ساڑھے آٹھ سال نہیں بنتا، جبکہ مذکورہ روایت میں ساڑھے آٹھ سال بتایا جارہا ہے۔ اس قسم کے اوہام بعض اوقات ثقہ راویوں سے بھی ہوجاتے ہیں، لیکن اس کی وجہ سے حدیث پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حَدَّثَنِيْ عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلٰى حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ إِلٰى حُنَيْنٍ وَالنَّاسُ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان میں حنین کی طرف تشریف لے گئے، مسلمانوں میں سے بعض حضرات

مُخْتَلِفُوْنَ فَصَائِمٌ وَمُفْطِرٌ فَلَمَّا اسْتَوٰى عَلٰى رَاحِلَتِهِ دَعَا بِإِنَاءٍ مِّنْ لَبَنٍ أَوْ مَاءٍ فَوَضَعَهُ عَلٰى
روزے سے تھے اور بعض نے روزہ نہیں رکھا تھا، پھر جب نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر پوری طرح بیٹھ گئے تو آپ نے برتن میں دودھ یا پانی طلب فرمایا اور اسے اپنی اونٹنی پر

رَاحَتِهِ أَوْ عَلٰى رَاحِلَتِهِ ثُمَّ نَظَرَ النَّاسُ فَقَالَ الْمُفْطِرُوْنَ لِلصُّوَّمِ أَفْطِرُوْا
یا اپنی ہتھیلی پر رکھا (اور پھر پی لیا) پھر آپ نے لوگوں کو دیکھا تو افطار کرنے والوں نے روزہ داروں سے کہا کہ روزہ توڑ دو

خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ إِلٰى حُنَيْنٍ: بظاہر یہ وہم ہے کیونکہ حضور ﷺ غزوۂ حنین کے لیے رمضان میں نہیں بلکہ شوال میں گئے تھے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہاں لفظ حنین کی بجائے مکۃ ہونا چاہئے اور بعض حضرات نے یہ تاویل کی ہے کہ چونکہ خروج الی مکۃ غزوۂ حنین کا پیش خیمہ تھا اور مکہ کی طرف خروج رمضان میں ہوا تھا تو حنین کی جانب خروج کو بھی مجازاً رمضان کی طرف ہی منسوب کردیا، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں ایک تاویل یہ ذکر فرمائی ہے کہ روایت میں خروج سے مراد قصدِ خروج ہے اور یہ بیان کیا جارہا ہے کہ آپ ﷺ نے حنین کی جانب خروج کا ارادہ رمضان میں فرمالیا تھا، البتہ اس کا وقوع رمضان کے بعد شوال میں ہوا، واللہ اعلم۔

وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ عِكْرِمَةَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ وَقَالَ حَمَّادُ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے سال خروج فرمایا اور حماد نے

بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ایوب سے روایت کیا، انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں (فتح مکہ کا) سفر شروع کیا۔ آپ ﷺ روزے سے تھے لیکن جب مقام عسفان پر پہنچے

عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِإِنَاءٍ مِنْ مَاءٍ فَشَرِبَ نَهَارًا لِيُرِيَهُ النَّاسَ فَأَفْطَرَ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ

تو ایک برتن میں پانی طلب فرمایا۔ دن کا وقت تھا اور آپ نے وہ پانی پیا تاکہ لوگوں کو دکھلا سکیں پھر آپ ﷺ نے روزہ نہیں رکھا یہاں تک کہ مکہ میں داخل ہوئے۔

قَالَ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ صَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ وَأَفْطَرَ

راوی فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے سفر میں (بعض اوقات) روزہ بھی رکھا تھا اور بعض اوقات روزہ نہیں بھی رکھا۔

فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ

اس لیے (سفر میں) جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔

بَابُ أَيْنَ رَكَزَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّايَةَ يَوْمَ الْفَتْحِ

باب: فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ نے جھنڈا کہاں گاڑا تھا؟

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ

عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا سَارَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَبَلَغَ ذَلِكَ قُرَيْشًا خَرَجَ

حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو قریش کو اس کی خبر مل گئی تھی،

أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ وَحَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ وَبُدَيْلُ بْنُ وَرْقَاءَ يَلْتَمِسُونَ الْخَبَرَ عَنْ رَسُولِ اللهِ

چنانچہ ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء نبی کریم ﷺ کے بارے میں معلومات کے لیے مکہ سے نکلے،

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقْبَلُوا يَسِيرُونَ حَتَّى أَتَوْا مَرَّ الظَّهْرَانِ فَإِذَا هُمْ بِنِيرَانٍ كَأَنَّهَا نِيرَانُ

یہ لوگ چلتے چلتے مقام مر الظہران پر جب پہنچے، تو انہیں جگہ جگہ آگ جلتی ہوئی دکھائی دی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مقام عرفات کی آگ ہے۔

عَرَفَةَ فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ مَا هَذِهِ لَكَأَنَّهَا نِيرَانُ عَرَفَةَ فَقَالَ بُدَيْلُ بْنُ وَرْقَاءَ نِيرَانُ بَنِي عَمْرٍو

ابوسفیان نے کہا یہ آگ کیسی ہے؟ یہ عرفات کی آگ کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ اس پر بدیل بن ورقاء نے کہا کہ یہ بنی عمرو کی آگ ہے

فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ عَمْرٌو أَقَلُّ مِنْ ذَلِكَ فَرَآهُمْ نَاسٌ مِنْ حَرَسِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابوسفیان نے کہا کہ بنی عمرو کی تعداد اس سے بہت کم ہے۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ کے محافظ دستے نے انہیں دیکھ لیا

فَأَدْرَكُوهُمْ فَأَخَذُوهُمْ فَأَتَوْا بِهِمْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ أَبُو سُفْيَانَ

اور ان کو پکڑ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے، پھر ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا رضی اللہ عنہ،

فَلَمَّا سَارَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ احْبِسْ أَبَا سُفْيَانَ عِنْدَ حَطْمِ الْخَيْلِ حَتَّى يَنْظُرَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ

اس کے بعد جب نبی کریم ﷺ آگے (مکہ کی طرف) بڑھے تو عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو ایسی جگہ پر روکے رکھو جہاں گھوڑوں کا جاتے وقت ہجوم ہوتا کہ وہ مسلمانوں

فَحَبَسَهُ الْعَبَّاسُ فَجَعَلَتِ الْقَبَائِلُ تَمُرُّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَمُرُّ كَتِيبَةً كَتِيبَةً

کی فوجی قوت کو دیکھ لیں چنانچہ عباس رضی اللہ عنہ انہیں ایسے ہی مقام پر روک کر کھڑے ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبائل کے دستے ایک ایک کر کے

عَلَى أَبِيْ سُفْيَانَ فَمَرَّتْ كَتِيْبَةٌ قَالَ يَا عَبَّاسُ مَنْ هٰذِهِ؟ قَالَ هٰذِهِ غِفَارُ قَالَ مَا لِيْ وَ لِغِفَارَ؟
ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگے۔ ایک دستہ گزرا تو انہوں نے پوچھا: عباس! یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ قبیلہ غفار ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ مجھے غفار سے کیا سروکار،

ثُمَّ مَرَّتْ جُهَيْنَةُ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ مَرَّتْ سَعْدُ بْنُ هُذَيْمٍ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَمَرَّتْ سُلَيْمُ
پھر قبیلہ جہینہ گزرا تو ان کے متعلق بھی انہوں نے یہی کہا، پھر قبیلہ سعد بن ہذیم گزرا تو ان کے متعلق بھی یہی کہا، پھر قبیلہ سلیم گزرا

فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى أَقْبَلَتْ كَتِيْبَةٌ لَمْ يَرَ مِثْلَهَا قَالَ مَنْ هٰذِهِ؟ قَالَ هٰؤُلَاءِ الْأَنْصَارُ عَلَيْهِمْ
تو ان کے متعلق بھی یہی کہا۔ آخر ایک دستہ سامنے آیا، اس جیسا فوجی دستہ نہیں دیکھا گیا تھا، ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ انصار کا دستہ ہے۔

سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ مَعَهُ الرَّايَةُ فَقَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ يَا أَبَا سُفْيَانَ الْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ الْيَوْمَ
سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اس کے امیر ہیں اور انہیں کے ہاتھ میں انصار کا جھنڈا ہے، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوسفیان! آج کا دن قتل عام کا دن ہے

تُسْتَحَلُّ الْكَعْبَةُ فَقَالَ أَبُوْ سُفْيَانَ يَا عَبَّاسُ حَبَّذَا يَوْمُ الذِّمَارِ ثُمَّ جَاءَتْ كَتِيْبَةٌ وَ هِيَ أَقَلُّ
آج کعبہ میں لڑنا حلال کر دیا گیا ہے، ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس پر بولے: اے عباس! قریش کی ہلاکت و بربادی کا کیا ہی اچھا دن ہے۔ پھر ایک اور دستہ آیا یہ سب سے چھوٹا دستہ تھا،

الْكَتَائِبِ فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ وَرَايَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
اس میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ نبی کریم ﷺ کا جھنڈا

وَسَلَّمَ مَعَ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ فَلَمَّا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَبِيْ سُفْيَانَ قَالَ
زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ ابوسفیان کے قریب سے گزرے تو انہوں نے کہا

أَلَمْ تَعْلَمْ مَا قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ؟ قَالَ مَا قَالَ؟ قَالَ كَذَا وَ كَذَا فَقَالَ كَذَبَ سَعْدٌ وَ لٰكِنْ
آپ کو معلوم نہیں کہ سعد بن عبادہ کیا کہہ گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ تو ابوسفیان نے بتایا کہ وہ اس طرح کہہ کر گئے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا

هٰذَا يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيْهِ الْكَعْبَةَ وَ يَوْمٌ تُكْسٰى فِيْهِ الْكَعْبَةُ قَالَ وَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
کہ سعد نے غلط کہا ہے بلکہ آج کا دن وہ ہے جس میں اللہ کعبہ کی عظمت اور زیادہ کر دے گا۔ آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔ عروہ فرماتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا

وَسَلَّمَ أَنْ تُرْكَزَ رَايَتُهُ بِالْحَجُوْنِ قَالَ عُرْوَةُ وَأَخْبَرَنِيْ نَافِعُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ
کہ آپ کا جھنڈا مقام جحون میں گاڑ دیا جائے۔ عروہ فرماتے ہیں کہ مجھے نافع بن جبیر بن مطعم نے بتایا کہ میں نے

الْعَبَّاسَ يَقُوْلُ لِلزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ هَا هُنَا أَمَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے کہا (فتح مکہ کے بعد) کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو

أَنْ تَرْكُزَ الرَّايَةَ قَالَ وَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ أَنْ يَّدْخُلَ
یہیں جھنڈا گاڑنے کے لیے حکم فرمایا تھا۔ راوی فرماتے ہیں کہ اس دن نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ مکہ کے

مِنْ أَعْلٰى مَكَّةَ مِنْ كَدَاءٍ وَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كُدًا فَقُتِلَ مِنْ خَيْلِ خَالِدِ بْنِ
بالائی علاقہ کداء کی طرف سے داخل ہوں اور خود نبی کریم ﷺ کُداء (نشیبی علاقہ) کی طرف سے داخل ہوئے، اس دن خالد رضی اللہ عنہ کے دستہ کے

الْوَلِيْدِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ رَجُلَانِ حُبَيْشُ بْنُ الْأَشْعَرِ وَ كُرْزُ بْنُ جَابِرٍ الْفِهْرِيُّ
دو صحابی حبیش بن اشعر اور کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہما شہید ہوئے تھے۔

فتح مکہ واقعات کا تسلسل

پہلے بیان ہو چکا کہ قریش کی بدعہدی کے بعد آپ ﷺ نے تجدید معاہدہ سے انکار فرما دیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

خاموشی سے مکہ مکرمہ روانگی کے لئے تیاری کا حکم صادر فرمایا تھا، چنانچہ حضور ﷺ دس ہزار فوج کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے یہ رمضان کی دسویں تاریخ سن ۸ ہجری کا واقعہ ہے، اس سفر میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ ذو الحلیفة یا جحفة (جگہ کا نام) میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال سمیت مدینہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے ملے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ پہلے ہی ایمان لا چکے تھے لیکن آپ ﷺ کے حکم سے مکہ میں رہتے رہے اور قریش کی خبریں آپ ﷺ تک پہنچاتے رہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سامان مدینہ منورہ بھیجا اور خود لشکر اسلام کے ساتھ مکہ روانہ ہو گئے، مقام ابواء میں آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اور پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے آ ملے اور مشرف باسلام ہوئے، مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم روزہ سے تھے، کدید (جگہ کا نام) پہنچ کر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مشقت کے خیال سے روزہ افطار کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپ ﷺ کی اتباع میں روزہ توڑ دیا، عشاء کے وقت اسلامی لشکر مر الظھران پہنچا اور وہاں پڑاؤ ڈالا، حضور ﷺ نے حکم دیا کہ سارے قبائل اپنی اپنی آگ الگ الگ روشن کریں، اس طرح سارا صحرا روشنیوں کی جلوہ گاہ بن گیا۔

ابوسفیان کی گرفتاری اور قبول اسلام

چونکہ قریش کو اپنی بدعہدی کی وجہ سے یہ فکر لاحق ہوگئی تھی کہ کسی بھی وقت مسلمان مکہ پر چڑھائی کر سکتے ہیں، اس لیے رات کو ابوسفیان، بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام تحقیق حال کے لیے مکہ سے نکلے، مر الظھران کے قریب پہنچ کر جب آگ دیکھی تو ابوسفیان نے کہا کہ یہ آگ یہاں کیسی ہے؟ لَكَأَنَّهَا نِيْرَانُ عَرَفَةَ؛ یہ تو میدان عرفات کی آگ کی طرح محسوس ہورہی ہے۔ بدیل نے کہا نِيْرَانُ بَنِيْ عَمْرٍو یہ بنی عمرو کی آگ ہے، تو ابوسفیان نے کہا: عَمْرٌو أَقَلُّ مِنْ ذٰلِكَ کہ بنی عمرو کی آگ نہیں ہوسکتی، ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ابھی یہ لوگ آگ کے بارے میں قیاس آرائی کر رہے تھے کہ پہرے پر مقرر چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں دیکھ کر گرفتار کرلیا۔

دوسری طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بڑی پریشانی تھی کہ مسلمانوں کا اتنا بڑا لشکر جا رہا ہے، یہ تو جا کر مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا اور مکہ مکرمہ میں سارے قریش کے لوگ ہیں، اس طرح تو سارا قبیلۂ قریش ہی نیست و نابود ہو جائے گا، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے آپ ﷺ کی اونٹنی لی اور اس اونٹنی پر سوار ہوئے اور دور تک گئے کہ کوئی آدمی ملے تو اس کو اطلاع کریں کہ سب لوگ مکہ کو چھوڑ کر کہیں چلے جائیں، یا یہاں آ کر مسلمان ہو جائیں، تاکہ ان کی جان بچ سکے، اسی دوران حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ دور اندھیرے میں کچھ لوگ کھڑے ہوئے ہیں، یہ وہاں پہنچے، دیکھا تو ابوسفیان کی آواز تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا کہ اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے

ہوتو میری اونٹنی پر سوار ہوجاؤ، حضور ﷺ اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، چنانچہ انہوں نے ابوسفیان کو اونٹنی پر پیچھے بٹھایا اور لشکر کی طرف واپس پلٹے، یہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی تھی تو لوگ اونٹنی کو دیکھ کر دائیں بائیں ہوجاتے اور اسے آگے جگہ دے دیتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہیں سے دیکھ لیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر جارہے ہیں، انہوں نے آواز لگائی کہ یہ تو اللہ کا دشمن ہے میں اسے چھوڑوں گا نہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے عمر کو قریب آتے دیکھا تو اونٹنی کو ایڑھ لگائی اور تیزی سے آگے لے گیا، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے ابوسفیان کو پناہ دے دی ہے۔ اُدھر سے عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے، انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ مجھے اجازت دیجیے، میں اس دشمن کی گردن مارتا ہوں، نبی کریم ﷺ خاموش رہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر یہ بنوعدی میں سے ہوتا تو تم اس طرح کی تمنا نہ کرتے، لیکن چونکہ اس کا تعلق بنوعبدمناف سے ہے، اس لیے تم اس کے قتل پر اصرار کر رہے ہو، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مهلا يا عباس فو الله لاسلامك يوم اسلمت كان احب الي من اسلام الخطاب لو اسلم و ما بي الا اني قد عرفت ان اسلامك كان احب الى رسول الله من اسلام الخطاب اے عباس ٹھہر جاؤ! اللہ کی قسم مجھے تمہارا اسلام لانا اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب تھا اس لیے کہ میں جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تمہارا اسلام لانا خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج رات ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جاؤ، کل صبح انہیں میرے پاس لانا، چنانچہ ابوسفیان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ خیمہ میں چلے گئے اور حکیم بن حزام (یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے، سن ۵۴ ہجری میں ان کا انتقال بھی مدینہ میں ہوا) اور بدیل بن ورقاء دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے، اگلے دن صبح کے وقت ابوسفیان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے، مذکورہ بالا حدیث میں اس ساری تفصیل کی بجائے اختصار ہے کہ فَأَسْلَمَ أَبُو سُفْيَانَ۔ شروع شروع میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اسلام کے متعلق کچھ تذبذب تھا، لیکن بعد میں وہ تذبذب دور ہوگیا تھا اور پھر اسلام کے لیے انہوں نے بڑی قربانیاں دیں، ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا نام صخر بن حرب بن امیہ تھا، ۸۸ برس کی عمر میں سن ۳۱ ہجری میں مدینہ منورہ میں انہوں نے وفات پائی ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ابوسفیان اپنے علاقے کے بڑے سردار ہیں، لہٰذا آپ ان کے لیے کوئی اعلان کردیں تاکہ اسلام لانے کے بعد ان کی عزت افزائی ہوجائے، تو آپ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ من دخل دار ابی سفیان فهو أمن جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا، اسے امن

ہے۔ابوسفیان نے کہا یارسول اللہ! میرے گھر میں سب آدمی کہاں آسکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا، اس کے لیے بھی امن ہے۔ابوسفیان نے کہا کہ مسجد میں بھی زیادہ گنجائش نہیں ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا جو آدمی اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے گھر میں بیٹھ جائے گا اس کے لیے بھی امن ہے۔

اِحۡبِسۡ أَبَا سُفۡيَانَ عِنۡدَ حَطۡمِ الۡخَيۡلِ حَتّٰى يَنۡظُرَ إِلَى الۡمُسۡلِمِيۡنَ: پھر آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عباس! ابوسفیان کو ایسی جگہ پر روک لو، جہاں گھوڑے ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوں (حطم یحطم کے معنی روندنا، ٹکرانا) دو پہاڑوں کے درمیان جو جگہ ذرا تنگ ہوتی ہے، جسے درہ اور گھاٹی کہتے ہیں، وہاں گھوڑے ایک دوسرے سے ٹکرانے لگتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں راستہ تنگ ہو جاتا ہے اور گھوڑے ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، اس کے نزدیک ابوسفیان کو روک لو۔ایک نسخہ کے مطابق یہاں عند خطم الجبل ہے، خطم ناک کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہوگا کہ پہاڑ کے اوپر جو ناک جیسی چٹان نکلی ہوئی ہے، اس چٹان پر ابوسفیان کو لے کر کھڑے ہو جاؤ، تاکہ وہ اسلامی لشکر کا بغور معائنہ کر سکیں۔

بہرحال لشکر اسلام مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا اور جماعت در جماعت ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگا، جب بھی کسی جماعت کا گزر ہوتا تو ابوسفیان پوچھتے: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بتلاتے جاتے تھے کہ یہ قبیلہ غفار ہے، یہ سعد بن ہذیم ہے، پھر ایک بڑی جماعت کا گزر ہوا، ابوسفیان اسے دیکھ کر متحیر ہو گئے، پوچھا، یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ انصار ہیں، ان کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، ابوسفیان کو دیکھ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی حمیت بھڑک اٹھی اور انہوں نے فرمایا: **اَلۡيَوۡمَ يَوۡمُ الۡمَلۡحَمَةِ اَلۡيَوۡمَ يَوۡمُ الۡمَلۡحَمَةِ اَلۡيَوۡمَ تُسۡتَحَلُّ الۡكَعۡبَةُ** (ملحمة لحم (گوشت) سے نکلا ہے، اس قتال کو کہتے ہیں جس میں گوشت فضا میں اڑتا ہے، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ آج کا دن گوشت اُڑنے، یعنی سخت جنگ وقتال کا دن ہے، آج کے دن کعبہ حلال کر دیا جائے گا، مطلب یہ ہے کہ آج مکہ والوں کی خیر نہیں ہے۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات سن کر ابوسفیان کا دل دہل گیا اور انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: **حَبَّذَا يَوۡمُ الذِّمَارِ** اے عباس بہت ہی اچھا ہے ہلاکت کا دن، مطلب یہ ہے کہ یہ اچھی ہلاکت ہے کہ حضور پورے مکہ اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو ہی ختم کر دیں گے۔اتنے میں حضور ﷺ کی جماعت ابوسفیان کے پاس سے گزرنے لگی، ابوسفیان نے کہا: **أَلَمۡ تَعۡلَمۡ مَا قَالَ سَعۡدُ بۡنُ عُبَادَةَ؟** یارسول اللہ! آپ نے سنا کہ سعد نے کیا کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا کہا؟ ابوسفیان نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات دہرائی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: **كَذَبَ سَعۡدٌ وَلٰكِنۡ هٰذَا يَوۡمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيۡهِ الۡكَعۡبَةَ وَيَوۡمٌ تُكۡسٰى فِيۡهِ الۡكَعۡبَةُ** سعد نے ٹھیک نہیں کہا، آج کے دن تو اللہ تعالیٰ کعبہ کی تعظیم کا انتظام کریں گے اور کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔

یہاں روایت میں نہیں ہے لیکن دوسری روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر ان ہی کے بیٹے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو دے دیا جائے۔ یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے دیا، تا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تنبیہ بھی ہو جائے اور بیٹے کے ہاتھ میں جھنڈا آجانے سے رنجیدگی بھی نہ ہو۔ اس موقع پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا بیٹا نوجوان ہے، ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی غلطی ہو جائے، اس لئے آپ ایسا کیجیے کہ ہم سب کو ایک ہی جھنڈے میں جمع کر دیجیے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کو ایک ہی جھنڈے میں جمع کر دیا اور وہ جھنڈا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

ابوسفیان چونکہ سردار مکہ تھے اس لیے ان کو اہل مکہ کی فکر تھی، وہ یہ حالات دیکھ کر عجلت میں لشکر اسلام سے آگے نکلتے ہوئے مکہ پہنچے اور اعلان کیا کہ لشکر اسلام آرہا ہے، اسلام لے آؤ تو سلامت رہو گے، یا میرے گھر میں داخل ہو جاؤ، یا اپنے گھروں کے دروازے بند کر دو، یا مسجد حرام میں چلے جاؤ تو مامون و محفوظ رہو گے، ابوسفیان کا یہ اعلان سن کر ان کی بیوی ہندہ آئی اور ابوسفیان کو داڑھی سے پکڑتے ہوئے کہا: یا آل غالب! اقتلوا هذا الشيخ الاحمق اے آل غالب اس احمق بوڑھے کو قتل کر دو، تو ابوسفیان نے بیوی سے کہا: ارسلی لحیتی و اقسم لئن لم تسلمی انت لتضربن عنقك ادخلی بیتک میری داڑھی چھوڑ! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تو اسلام نہیں لائی تو تیری گردن مار دی جائے گی، گھر میں داخل ہو جا۔

وَأَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُرْكَزَ رَايَتُهُ بِالْحَجُوْنِ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر جھنڈا حجون (جگہ کا نام) میں گاڑھ دیا گیا۔ یہ روایت کا یہ وہ حصہ ہے، جس کی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت اس ترجمۃ الباب کے تحت ذکر فرمائی ہے۔

وَأَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ أَنْ يَّدْخُلَ مِنْ أَعْلٰى مَكَّةَ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ والے دن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے بالائی حصے یعنی کداء سے داخل ہوں، **وَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كُدًا** اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے زیریں حصے کدیٰ سے داخل ہوئے۔ یہ مرجوح روایت ہے، راوی کو وہم ہوا ہے۔ بقیہ روایات کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے بالائی حصے کداء سے داخل ہوئے تھے، اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق مکہ کے زیریں حصے کدیٰ سے داخل ہوئے۔

کداء اور کدیٰ دو مقام ہیں، پہلا الف ممدودہ اور کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے اور دوسرا الف مقصورہ اور کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے، کداء مکہ کے اوپر کا حصہ ہے، جہاں مکہ کا مشہور قبرستان جنة المعلیٰ بھی ہے اور وہیں حجون مقام بھی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرف سے تشریف لائے تھے، جبکہ کدیٰ مکہ کے نیچے والا حصہ ہے، جسے مسفلة بھی

کہتے ہیں، یہاں سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تھے، پھر بیت اللہ کے قریب آ کر یہ دونوں لشکر آپس میں مل گئے تھے۔

فَقُتِلَ مِنْ خَيْلِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ رَجُلَانِ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ کسی سے تعرض نہ کیا جائے، لیکن اگر کوئی مقابلہ پر آئے تو پھر اس سے قتال کیا جائے، چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جس جانب سے داخل ہو رہے تھے، وہاں قریش کے چند اوباش جمع ہو گئے تھے اور مقابلہ کرنے لگے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کوشش کی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے، لیکن وہ لوگ باز نہ آئے اور چھوٹی سی جنگ ہوئی جس میں مذکورہ بالا روایت کے مطابق دو مسلمان اور ایک روایت کے مطابق تین مسلمان حضرت کرز بن جابر فہری، حضرت حبیش بن اشعر اور حضرت مسلمہ بن میلاء رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور کفار کے بارہ اور ایک روایت کے مطابق چوبیس آدمی مارے گئے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو تقدیر میں تھا اسی میں خیر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آج کا دن خوشی اور مسرت کا دن تھا، جس سرزمین سے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا کر آپ کو نکالا گیا، جہاں آپ کے مظلوم ساتھیوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا اور جہاں توحید کی آواز بلند کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، آج اللہ تعالیٰ نے طویل اور صبر آزما مراحل طے کرنے کے بعد اس سرزمین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاتحانہ انداز سے داخل ہونے کا موقع دیا اور وہ وقت آپہنچا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم مکہ کو کفر وشرک کی آلودگیوں سے پاک کریں اور اللہ کے اس گھر میں پھر توحید کے زمزمے بلند ہوں، لیکن مسرت اور خوشی کے اس موقع پر بھی انکساری اور عاجزی کا یہ عالم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے، دل شکر کے جذبات سے معمور تھا اور زبان پر سورۂ فتح کی تلاوت جاری تھی اور سر مبارک تواضع کی وجہ سے جھک کر پالان کی لکڑی سے لگ جاتا تھا۔

مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی چچازاد بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور غسل فرما کر آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے لیے خیمہ اسی شعب ابی طالب میں نصب کیا گیا، جہاں ابتداء اسلام میں قریش اور کنانہ نے مل کر بنی ہاشم اور بنی المطلب کو محصور کیا تھا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں آئے، خانہ کعبہ کا طواف کیا، خانہ کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بتوں کا انبار لگا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک بت کو اپنی چھڑی کی نوک سے الٹتے جاتے اور قرآن کی آیت **جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا** پڑھتے جاتے تھے، طواف سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور ان سے خانہ کعبہ کی کنجی منگوائی، بیت اللہ کو کھلوایا اور اس کے اندر بنی ہوئی تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں سب مٹا دیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ سے باہر نکلے، تو مسجد حرام کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، لوگوں کو انتظار تھا کہ آج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان مخالفین کے لیے کیا حکم صادر فرماتے ہیں، جنہوں نے اپنی ساری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینے اور دین اسلام کی تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بننے کے لیے وقف کر رکھی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا، جو رسوم جاہلیت کے خاتمے کے اعلان اور مساوات انسانی کے درس پر مشتمل تھا، خطبہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش مکہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: یا معشر قریش ! ما ترون انی فاعل بکم؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ قریش نے کہا: خیر اخ کریم و ابن اخ کریم بھلائی کا، آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا افانتم الطلقاء تم پر آج کوئی عتاب نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں اور عورتوں سے بیعت لینا شروع کی، مردوں سے اسلام اور جہاد پر بیعت لیتے تھے اور عورتوں سے جن امور پر بیعت لی وہ سورۂ ممتحنہ میں بیعت النساء والی آیت میں مذکور ہیں: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ.... اَلْاٰيَة۔

فتح مکہ کے موقع پر چند حضرات ایسے تھے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مباح الدم قرار دیا تھا، ان کی تعداد میں اصحاب سیر کی روایات مختلف ہیں، عام اہل سیر نے دس، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ اور بعض نے پندرہ ذکر فرمائی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ قَالَ

سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مُغَفَّلٍ يَقُولُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ عَلٰى

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر اپنے اونٹ پر سوار ہیں اور ترجیع کے ساتھ سورۂ فتح کی تلاوت فرما رہے ہیں،

نَاقَتِهِ وَهُوَ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفَتْحِ يُرَجِّعُ وَقَالَ لَوْ لَا أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ حَوْلِي لَرَجَّعْتُ كَمَا رَجَّعَ

معاویہ بن قرہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کا خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ مجھے گھیر لیں گے تو میں بھی اسی طرح ترجیع کر کے دکھاتا جیسے عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ترجیع کر کے دکھایا تھا

وَهُوَ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفَتْحِ يُرَجِّعُ: فتح مکہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۂ فتح پڑھ رہے تھے اور ترجیع کر رہے تھے۔ ترجیع کے معنی لغت میں لوٹانے اور حلق میں آواز کے گھمانے کے آتے ہیں۔

ایک ترجیع فی الاذان ہوتی ہے اور ایک ترجیع في القران ہوتی ہے، ترجیع فی الاذان کا مطلب ہے کہ شہادتین کو دو دو مرتبہ آہستہ سے کہہ کہ پھر بلند آواز سے کہنا، یہ ترجیع فی الاذان شوافع اور مالکیہ کے نزدیک سنت ہے، جبکہ فقہاء احناف و حنابلہ اس کی سنیت کے قائل نہیں ہیں۔ ترجیع في القران کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے آواز کے میں اتار چڑھاؤ پایا جائے، جس کی کیفیت بخاری شریف کتاب التوحید کی ایک روایت میں مذکورہ بالا حدیث کے راوی معاویہ بن قرہ رحمۃ اللہ علیہ سے ترجیع کی کیفیت منقول ہے، ءاء آءآ ثلث مرات

یعنی ہمزہ مفتوحہ کے بعد الف کو دراز کر کے پڑھنا۔

مذکورہ بالا حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترجیع کرنے کا ذکر ہے اس کی شراح نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں:

❶ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر سوار تھے، اس لیے اس اونٹ کی حرکت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں تمدید اور اتار چڑھاؤ ہو رہا تھا۔

❷ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یرجع سے مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک آیت کو بار بار لوٹا کر پڑھ رہے تھے۔

❸ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یرجع سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کر رہے تھے۔

یہ بات تو تمام علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ حسن صوت سے قرآن کی تلاوت کرنا مستحب ہے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں: اجمع العلماء علی استحباب تحسین الصوت بالقراءۃ و ترتیلھا، لیکن یہ اس وقت ہے جب خوش الحانی کی وجہ سے قرآن کے حروف کے اندر کوئی کمی بیشی واقع نہ ہوتی ہو اور مخارج پر اثر نہ پڑتا ہو، لیکن اگر گانے کے تال وسر کی طرح آواز کو دراز کر کے تلاوت کی جائے تو یہ جائز نہیں۔

لَوْ لَا أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ حَوْلِي لَرَجَّعْتُ كَمَا رَجَّعَ: معاویہ بن قرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ لوگ جمع ہو جائیں گے تو میں تمہیں اسی طرح ترجیع کر کے دکھاتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترجیع فرمائی تھی، کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے جب انہیں یہ حدیث سنائی تھی تو انہیں ترجیع کر کے دکھائی تھی۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سَعْدَانُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ

عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ قَالَ زَمَنَ الْفَتْحِ

علی بن حسین عمرو بن عثمان سے اور وہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سفر میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا:

يَا رَسُولَ اللهِ أَيْنَ تَنْزِلُ غَدًا؟ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مِنْ

یا رسول اللہ! کل (مکہ میں) آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے لیے عقیل نے کوئی گھر ہی کہاں چھوڑا ہے؟ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

مَنْزِلٍ؟ ثُمَّ قَالَ لَا يَرِثُ الْمُؤْمِنُ الْكَافِرَ وَ لَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُؤْمِنَ قِيلَ لِلزُّهْرِيِّ وَمَنْ وَرِثَ

کہ مومن، کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور نہ کافر مومن کا وارث ہو سکتا ہے، زہریؒ سے پوچھا گیا کہ پھر ابوطالب کی وراثت کسے ملی تھی؟

أَبَا طَالِبٍ؟ قَالَ وَرِثَهُ عَقِيلٌ وَّ طَالِبٌ قَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَيْنَ تَنْزِلُ غَدًا فِي حَجَّتِهِ؟

انہوں نے بتایا کہ ان کے وارث عقیل اور طالب ہوئے تھے۔ معمر نے زہریؒ سے (اسامہ رضی اللہ عنہ کا سوال یوں نقل کیا ہے کہ) آپ اپنے حج کے دوران کہاں قیام فرمائیں گے؟

وَلَمْ يَقُلْ يُونُسُ حَجَّتِهِ وَ لَا زَمَنَ الْفَتْحِ

اور یونس نے (اپنی روایت میں) نہ حج کا ذکر کیا ہے اور نہ فتح مکہ کا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! **أَيْنَ تَنْزِلُ غَدًا؟** آپ مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے ہیں، تو وہاں جا کر آپ کل کس جگہ قیام فرمائیں گے؟ تو نبی

کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: وَهَلۡ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مِنۡ مَنۡزِلٍ؟ کہ کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی منزل، کوئی گھر چھوڑا ہے کہ جس میں جا کر ہم قیام کریں؟ یعنی ہمارے جتنے گھر تھے وہ سارے عقیل نے فروخت کر دیئے۔

عقیل سے مراد عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی اور حضور اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بلکہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔

آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ اور چچا ابوطالب آپس میں سگے بھائی تھے، یعنی ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد تھے، جب آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کا انتقال ہو گیا، تو آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کی جائیداد وغیرہ کی کفالت پہلے آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے اور پھر ان کے انتقال کے بعد چچا ابوطالب نے کی۔

ابوطالب کے چار بیٹے تھے: ❶ جعفر بن ابی طالب ❷ علی بن ابی طالب ❸ عقیل اور ❹ طالب، ان میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شروع ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، اس لئے جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو یہ دونوں بھی آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ چلے گئے، باقی دو بیٹے عقیل اور طالب جو مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ مکہ ہی میں رہے، طالب غزوۂ بدر میں کافروں کی طرف سے شریک ہوئے تھے، پھر کچھ پتا نہیں کہ مارے گئے یا گم ہو گئے، جبکہ عقیل مکہ میں اکیلے رہ گئے، ابوطالب کا چونکہ انتقال ہو چکا تھا اس لئے ساری جائیداد عقیل ہی کے قبضے میں تھی، اپنے والد ابوطالب کی بھی اور ان کے بھائی عبداللہ کی بھی اور حضور ﷺ کی بھی، پھر بعد میں عقیل نے وہ ساری جائیداد ابوسفیان کے ہاتھ فروخت کر دی۔ چنانچہ جب فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ اپنے آبائی وطن مکہ مکرمہ آئے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کل کہاں قیام کریں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وَهَلۡ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مِنۡ مَنۡزِلٍ؟ کیا عقیل نے ہمارا کوئی گھر چھوڑا بھی ہے یعنی سب کچھ بیچ دیا، ساری جائیداد ختم کر دی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم خیف بنو کنانہ میں جا کر اتریں گے، جیسا کہ اگلی روایت میں آ رہا ہے، خیف بنی کنانہ کے سامنے شعب ابی طالب ہے، جس میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کو تین سال تک سماجی مقاطعہ کر کے محصور رکھا گیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اظہار کے لیے اس گھاٹی کے بالکل سامنے خیف بنو کنانہ میں پڑاؤ ڈالا، کہ ایک وہ وقت تھا، جب ہمیں اس گھاٹی میں محصور کیا گیا تھا اور آج الحمدللہ! اللہ تعالیٰ وہ وقت لے آئے ہیں کہ پورا مکہ ہمارے زیر نگیں ہے۔

استیلاء الکفار علی اموال المسلمین

آپ ﷺ کے اس ارشاد: وَهَلۡ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مِنۡ مَنۡزِلٍ؟ سے احناف کا ایک مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اگر کفار مسلمانوں کے مال پر قابض ہو جائیں تو وہ مال مسلمانوں کی ملکیت سے نکل کر کافروں کی ملکیت میں داخل

ہو جاتا ہے، چنانچہ اگر وہ جائیدادیں یا چیزیں دوبارہ مسلمانوں کے قبضے میں آ جائیں تو وہ سابقہ مالکوں کو نہیں ملیں گی، بلکہ مال غنیمت میں شامل ہو کر مجاہدین میں تقسیم ہوں گی۔

لَا يَرِثُ الْمُؤْمِنُ الْكَافِرَ الخ: یہ میراث کا مشہور مسئلہ ہے کہ اختلاف دین مانع ارث ہے، یعنی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوتی، بلکہ مسلمان مسلمان کا وارث بنتا ہے اور کافر کافر کا وارث بنتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ ارشاد فرمایا، بظاہر اس کی وجہ یہ تھی آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ چونکہ ابو طالب کا انتقال حالت کفر میں ہوا ہے لہٰذا ہم ان کی میراث کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتے، چنانچہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا مَنْ وَرِثَ أَبَا طَالِبٍ؟ کہ ابو طالب کا وارث کون بنا تھا تو فرمایا کہ ابو طالب کے وارث طالب اور عقیل بنے تھے۔

قَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَيْنَ تَنْزِلُ غَدًا فِيْ حَجَّتِهِ؟ وَلَمْ يَقُلْ يُونُسُ حَجَّتِهِ وَلَا زَمَنَ الْفَتْحِ: یہ روایت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے تین راویوں محمد بن ابی حفصہ، معمر اور یونس رحمۃ اللہ علیہم نے نقل کی ہے، محمد بن ابی حفصہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں تو یہ تصریح ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال أَيْنَ تَنْزِلُ غَدًا؟ فتح مکہ کے موقع پر کیا تھا اور معمر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ سوال کیا تھا، جبکہ یونس رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں فتح مکہ اور حج دونوں کا ذکر نہیں ہے۔ تو اصل تعارض معمر اور محمد بن ابی حفصہ رحمۃ اللہ علیہما کی روایتوں میں ہے، شراح فرماتے ہیں کہ معمر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت راجح ہے کیونکہ معمر رحمۃ اللہ علیہ ابن ابی حفصہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں اوثق ہیں، لیکن اس صورت میں اس کا محل کتاب الحج ہوگا اور اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو کتاب الحج میں بھی ذکر کیا ہے، لیکن چونکہ ابن ابی حفصہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق میں زمن الفتح کی صراحت ہے، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس احتمال پر اس کو یہاں بھی ذکر کر دیا کہ ممکن ہے کہ حجۃ الوداع کی طرح فتح مکہ کے موقع پر بھی یہ سوال ہوا ہو۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْزِلُنَا إِنْ شَاءَ اللهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے فتح عنایت فرمائی تو ان شاء اللہ ہماری قیام گاہ

إِذَا فَتَحَ اللهُ الْخَيْفُ حَيْثُ تَقَاسَمُوْا عَلَى الْكُفْرِ

خیف بنی کنانہ میں ہوگی، جہاں قریش نے کفر کی حمایت کے لیے ایک دوسرے کے سامنے قسم کھائی تھی

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ أَرَادَ حُنَيْنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حنین کا ارادہ کیا تو فرمایا

مَنْزِلُنَا غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ بِخَيْفِ بَنِيْ كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمُوْا عَلَى الْكُفْرِ

کہ ان شاءاللہ کل ہمارا قیام خیف بنی کنانہ میں ہو گا جہاں قریش نے کفر کے لیے ایک دوسرے کے سامنے قسم کھائی تھی

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے

وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلْهُ

توسر مبارک پر خود تھی، آپ ﷺ نے اسے اتارا ہی تھا کہ ایک صحابی نے آکر عرض کیا کہ ابن خطل کعبہ کے پردہ سے چمٹا ہوا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے (وہیں) قتل کردو۔

قَالَ مَالِكٌ وَلَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا نُرَى وَاللهُ أَعْلَمُ يَوْمَئِذٍ مُحْرِمًا

امام مالک ؒ فرماتے ہیں کہ جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں نبی کریم ﷺ اس دن احرام باندھے ہوئے نہیں تھے، واللہ اعلم

وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ: حضور ﷺ کے سر مبارک پر مغفر (خود) تھی، اس پر کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ، تو پھر مغفر کے استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اعتماد اور پختہ یقین تھا، لیکن چونکہ یہ دنیا دار الاسباب ہے، اس لیے آپ ﷺ اسباب اختیار کیا کرتے تھے اور جنگ کے وقت مغفر حفاظت کا ایک سبب ہے، نیز اس میں امت کو یہ تعلیم دینا مقصود تھا کہ آدمی چاہے کتنا ہی محفوظ کیوں نہ ہو، اسے اپنے تحفظ کے اسباب اختیار کرنے چاہئیں۔

قَالَ مَالِكٌ وَلَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ فِيمَا نُرَى وَاللهُ أَعْلَمُ يَوْمَئِذٍ مُحْرِمًا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے اس بات پر استدلال کررہے ہیں کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ ﷺ نے سر پر مغفر پہنا ہوا تھا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ آپ ﷺ عمرہ کے ارادے سے تشریف نہیں لائے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے احرام نہیں باندھا تھا، لہٰذا اگر کوئی شخص میقات کے باہر سے مکہ مکرمہ آئے اور اس کی عمرہ کرنے کی نیت نہ ہو، تو اس کے لئے احرام باندھنا ضروری نہیں ہے، یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، جبکہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخلے کے وقت (جبکہ کوئی میقات کے باہر سے آرہا ہو) ہر حال میں احرام باندھنا ضروری ہے، چاہے عمرے کی نیت ہو یا نہ ہو اور اس حدیث کے بارے میں احناف یہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک استثنائی واقعہ تھا کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر پورے حرم کو حلال قرار دے دیا گیا تھا، لہٰذا اس واقعہ سے استدلال کرنا استدلال تام نہیں ہے۔

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی تین صورتیں ہیں:

❶ ایک یہ کہ کوئی شخص اداءِ نسک کے لیے داخل ہورہا ہو، اس صورت میں بالاتفاق بغیر احرام کے داخلہ جائز نہیں ہے۔

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص حرب وقتال کے لیے داخل ہورہا ہے، اس صورت میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے احناف کا مسلک نقل کیا ہے کہ بلا احرام داخلہ جائز نہیں، جبکہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے جواز نقل کیا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی تائید میں ہے۔

۳ تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص حاجت متکررہ کی وجہ سے داخل ہو رہا ہے، جیسے ٹیکسی اور بس کے ڈرائیور حضرات کہ ان کو باہر سے سواریاں لیکر بار بار حدودِ حرم کے اندر آنا پڑتا ہے، تو فقہاء حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں بھی بلا احرام داخلہ جائز نہیں ہے، جبکہ باقی ائمہ اس صورت میں بغیر احرام کے داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں، لیکن چونکہ ڈرائیور وغیرہ حضرات کے لیے احرام کی پابندی مشکل ہے، اس لیے اب حنفی علماء بھی اس قسم کے لوگوں کے لئے دوسرے فقہاء کے مسلک کے مطابق جواز کا فتوی دیتے ہیں، واللہ اعلم۔

فَقَالَ، ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُهُ: فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کردیا تھا، لیکن چند گستاخ اور دریدہ دہن مردوں اور عورتوں کے متعلق آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ یہ جہاں کہیں ملیں قتل کردیئے جائیں، ان ہی مجرمین میں سے ایک عبداللہ بن خطل بھی تھا، یہ شخص مسلمان ہو گیا تھا، پھر حضور ﷺ نے اسے عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا اور ایک مسلمان بھی اس کے ساتھ کردیا، اس نے اپنے ساتھی مسلمان کو ناحق قتل کردیا اور مرتد ہو کر صدقات کے جانوروں کے ساتھ مدینہ سے بھاگ کر مکہ آ گیا تھا، یہ وہ بدبخت شخص تھا جو حضور اقدس ﷺ کی شانِ اقدس میں ہجویہ قصیدے کہتا تھا اور اس نے دو باندیاں اسی کام کے لئے رکھی ہوئی تھیں کہ وہ یہ ہجویہ اشعار پڑھتی رہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر اس نے یہ سوچا کہ میرے لئے تو کوئی پناہ نہیں ہے، مکہ مکرمہ فتح ہو چکا، تو جا کر کعبہ کے پردوں سے لٹک گیا۔ حضور اقدس ﷺ کو اس کی اطلاع ملی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ چاہے وہ کعبہ کے پردے سے لٹکا ہوا ہو، اس کو پکڑو اور مار دو، چنانچہ اسے وہاں سے نکالا گیا اور پھر ملتزم اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کو قتل کیا گیا۔ عبداللہ بن خطل نے تین بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کیا تھا ۱ مسلمان کا ناحق قتل ۲ مرتد ہونا ۳ آپ ﷺ کی ہجو میں شعر کہنا۔ ان تین جرائم کی وجہ سے اسے مباح الدم قرار دیا گیا۔

حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جب نبی کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے

وَ حَوْلَ الْبَيْتِ سِتُّونَ وَ ثَلَاثُ مِائَةِ نُصُبٍ فَجَعَلَ يَطْعُنُهَا بِعُودٍ فِيْ يَدِهِ وَيَقُولُ

تو بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے، نبی کریم ﷺ ایک چھڑی سے جو دست مبارک میں تھی، انہیں مارتے جاتے تھے اور اس آیت کی تلاوت کرتے جاتے

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ

جَاءَ　الْحَقُّ　وَزَهَقَ　الْبَاطِلُ　جَاءَ　الْحَقُّ　وَمَا　يُبْدِئُ　الْبَاطِلُ　وَمَا　يُعِيدُ

فَجَعَلَ يَطْعُنُهَا بِعُودٍ: مذکورہ بالا روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ان بتوں کو لاٹھی مارتے جس سے یہ گر جاتے جبکہ بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ جیسے ہی کسی بت کی طرف اشارہ کرتے تو وہ از خود اوندھے منہ گر پڑتا، ممکن ہے

دونوں ہی صورتیں پیش آئی ہوں کہ کچھ تو لاٹھی مارنے کی وجہ سے گرے اور کچھ صرف اشارے سے گر گئے ہوں۔

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَبَى

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ آئے تو بیت اللہ میں اس وقت تک داخل ہونے سے انکار فرما دیا

أَنْ يَّدْخُلَ الْبَيْتَ وَ فِيهِ الْآلِهَةُ فَأَمَرَ بِهَا فَأُخْرِجَتْ فَأُخْرِجَ صُورَةُ إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ

جب تک اس میں بت باقی رہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا تو بتوں کو باہر نکال دیا گیا، ان ہی میں ایک تصویر ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی بھی تھی

فِيْ أَيْدِيهِمَا مِنَ الْأَزْلَامِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتَلَهُمُ اللهُ لَقَدْ عَلِمُوا

اور ان کے ہاتھوں میں قرعہ کے تیر تھے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے، انہیں خوب معلوم تھا کہ ان بزرگوں نے

مَا اسْتَقْسَمَا بِهَا قَطُّ ثُمَّ دَخَلَ الْبَيْتَ فَكَبَّرَ فِيْ نَوَاحِي الْبَيْتِ وَ خَرَجَ وَ لَمْ يُصَلِّ فِيهِ

کبھی قرعہ نہیں نکالا، پھر آپ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور اندر چاروں طرف تکبیر کہی پھر باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے اندر نماز نہیں پڑھی تھی،

تَابَعَهُ مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ وَقَالَ وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس حدیث کو معمر نے بھی ایوب سے روایت کیا اور وہیب بن خالد نے یوں کہا کہ ہم سے ایوب نے بیان کیا، ان سے عکرمہ نے اور وہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں

فِيْ أَيْدِيهِمَا مِنَ الْأَزْلَامِ: الأزلام جمع ہے زلم کی، جس کے معنی ہیں بغیر پَر والا تیر، زمانہ جاہلیت میں عربوں کا طریقہ تھا کہ بے پر تیروں کے ذریعے فال نکالتے تھے، جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کسی تیر پر افعل اور کسی پر لا تفعل لکھتے اور کسی تیر کو سادہ چھوڑ دیتے، پھر ان تمام تیروں کو ایک ترکش میں جمع کر دیتے تھے، پھر جب کسی سفر کا قصد کرتے یا شادی کا ارادہ کرتے یا اور کسی بھی کام ارادہ کرتے تو اس ترکش سے ایک تیر نکال لیتے تھے، اگر افعل والا تیر نکلتا تو وہ کام کرتے تھے اور اگر لا تفعل والا تیر نکلتا تو اس کو بدفالی شمار کرتے اور اس کام کو چھوڑ دیتے تھے اور اگر کوئی سادہ تیر نکلتا تو پھر بار بار تیر نکالتے رہتے یہاں تک کہ کام کرنے، یا نا کرنے کا تیر نکل جاتا۔ استقسام بالازلام کا دوسرا طریقہ یہ رائج تھا کہ کوئی جانور ذبح کرتے اور پھر ان تیروں کے ذریعے اس کا گوشت تقسیم کرتے، جس کے نتیجے میں کسی کو زیادہ ملتا اور کسی کو کم ملتا اور کسی کے حصے میں کچھ بھی نہیں آتا، گویا یہ قمار اور جوے کی ایک قسم تھی، قرآن کریم نے استقسام بالازلام سے منع فرمایا اور اسے فسق اور بڑا گناہ بتلایا۔

وَ خَرَجَ وَلَمْ يُصَلِّ فِيهِ: اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ شریف کے اندر نماز نہیں پڑھی، لیکن آگے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے، جس میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور وہی راجح ہے، کیونکہ جب نافی اور مثبِت میں تعارض ہوجائے تو اصول المثبِت مقدم علی النافی کے تحت مثبِت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

بَابُ دُخُولِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَعْلَى مَكَّةَ

باب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر کے بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہونا

وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ يَوْمَ الْفَتْحِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر فتح مکہ کے دن

مِنْ أَعْلَى مَكَّةَ عَلَى رَاحِلَتِهِ مُرْدِفًا أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَمَعَهُ بِلَالٌ وَمَعَهُ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ

مکہ کے بالائی علاقہ کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ اور کعبہ کے حاجب

مِنَ الْحَجَبَةِ حَتَّى أَنَاخَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْتِيَ بِمِفْتَاحِ الْبَيْتِ فَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ نے مسجد کے باہر اپنے اونٹ کو بٹھایا اور بیت اللہ کی کنجی لانے کا حکم دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے،

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَ بِلَالٌ وَ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ فَمَكَثَ فِيهِ نَهَارًا طَوِيلًا

اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ کافی دیر تک اندر ٹھہرے رہے،

ثُمَّ خَرَجَ فَاسْتَبَقَ النَّاسُ فَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ أَوَّلَ مَنْ دَخَلَ فَوَجَدَ بِلَالًا وَرَاءَ الْبَابِ

پھر جب باہر تشریف لائے تو لوگ جلدی سے آگے بڑھے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اندر جانے والوں میں تھے، انہوں نے بیت اللہ کے دروازے کے پیچھے بلال رضی اللہ عنہ کو

قَائِمًا فَسَأَلَهُ أَيْنَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَأَشَارَ لَهُ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي

کھڑے ہوئے دیکھا اور ان سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی تھی، انہوں نے اشارے سے وہ جگہ بتلائی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی،

صَلَّى فِيهِ قَالَ عَبْدُ اللهِ فَنَسِيتُ أَنْ أَسْأَلَهُ كَمْ صَلَّى مِنْ سَجْدَةٍ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعت نماز پڑھی تھی

یہ وہی روایت مثبتة ہے جس کا ذکر پہلے گزرا، جس میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے اندر نماز پڑھی تھی۔

فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْتِيَ بِمِفْتَاحِ الْبَيْتِ: یہاں روایت میں تفصیل نہیں ہے، البتہ سیرت کی کتابوں میں اس کی تفصیل ہے ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ چابی لے کر آؤ، وہ چابی ان کے گھر کی بڑی خاتون کے پاس تھی اور یہ لوگ اپنی جان سے زیادہ اس چابی کی حفاظت کرتے تھے، بڑی اماں کو یہ خیال ہوا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چابی لے لیں گے تو پھر یہ ہمیں واپس نہیں ملے گی اور ہمارا یہ خاندانی اعزاز ہم سے چھن جائے گا، اس لئے وہ ٹال مٹول کرنے لگیں، لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا اس لئے بالآخر انہیں چابی دینی پڑی، بہر حال عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ چابی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت وہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب یہ چابی آپ ہمیں دے دیجیے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چابی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ہی کو واپس دے دی اور انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ یہ چابی ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی اور سوائے ظالم اور غاصب کے کوئی تم سے یہ چابی چھین نہیں سکے گا، چنانچہ یہ چابی آج تک اسی خاندان کے پاس ہے۔

قَالَ عَبْدُ اللهِ فَنَسِيتُ أَنْ أَسْأَلَهُ كَمْ صَلَّى مِنْ سَجْدَةٍ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھنا بھول گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنی رکعت نماز پڑھی؟ لیکن اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ بعض روایات میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صلی ر کعتین کی تصریح وارد ہوئی ہے، اس لئے بظاہر دونوں روایات میں تعارض معلوم ہوتا ہے، اس تعارض کو دور کرنے کے لئے شراح کرام نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں:

❶ بعض حضرات نے فرمایا کہ صلی ر کعتین والی روایت وہم ہے، لیکن یہ بات بظاہر ٹھیک معلوم نہیں ہوتی کیونکہ صلی ر کعتین والی روایت کے راوی یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور ان جیسے حافظ حدیث اور ثقہ راوی کی طرف وہم کی نسبت کرنا ممکن نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد بھی نہیں ہیں۔

❷ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کرنا بھول گئے تھے، تاہم حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کے پوچھے بغیر اشارے سے بتادیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعت پڑھی ہیں، لہٰذا جس روایت میں ہے کہ میں پوچھنا بھول گیا تھا اس سے صراحتاً پوچھنا مراد ہے اور جن روایات میں صلی ر کعتین وارد ہوا ہے اس سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اشارۃً بتانا مراد ہے۔

❸ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رکعت کے سلسلہ میں سوال کرنا واقعی بھول گئے تھے اور جن روایات میں ان سے صلی ر کعتین کے الفاظ منقول ہیں، تو چونکہ نماز کم از کم دو ہی رکعت ہوتی ہے، اس لیے اقل متیقن پر محمول کرتے ہوئے انہوں نے اپنی طرف سے یہ کہا ہے۔

حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَارِجَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ

أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ کے بالائی علاقہ کداء سے شہر میں داخل ہوئے تھے،

مِنْ كَدَاءٍ الَّتِي بِأَعْلَى مَكَّةَ تَابَعَهُ أَبُو أُسَامَةَ وَ وُهَيْبٌ فِي كَدَاءٍ

اس روایت کی متابعت ابواسامہ اور وہیب نے کداء کے ذکر کے ساتھ کی ہے

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ

عَنْ أَبِيهِ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ مِنْ أَعْلَى مَكَّةَ مِنْ كَدَاءٍ

حضرت ہشام کے والد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ کے بالائی علاقہ کداء کی طرف سے داخل ہوئے تھے

بَابُ مَنْزِلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ

باب: فتح مکہ کے دن قیام نبوی کا بیان

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو

عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى مَا أَخْبَرَنَا أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى غَيْرُ

ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں کسی نے نہیں بتایا کہ اس نے آپ ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے

أُمِّ هَانِئٍ فَإِنَّهَا ذَكَرَتْ أَنَّهُ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اغْتَسَلَ فِي بَيْتِهَا ثُمَّ صَلَّى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ

سوائے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے، وہ فرماتی ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ان کے گھر غسل کیا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی،

قَالَتْ لَمْ أَرَهُ صَلَّى صَلَاةً أَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ

وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو میں نے اتنی ہلکی (مختصر) نماز پڑھتے کبھی نہیں دیکھا تھا، البتہ اس میں آپ ﷺ رکوع اور سجدہ پوری طرح کرتے تھے

پیچھے روایات میں گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا: منزلنا غدا ان شاء اللہ بخیف بنی کنانة اور وہیں آپ ﷺ نے قیام فرمایا تھا، جبکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا قیام حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان میں تھا جو حضرت علی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کی سگی بہن اور آپ ﷺ کی چچازاد بہن تھیں اور وہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھیں، اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اصلاً حضور ﷺ کا خیمہ تو خیف بنی کنانہ میں نصب کیا گیا تھا، البتہ آپ ﷺ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان پر بھی تشریف لائے تھے اور کچھ دیر وہاں قیام بھی فرمایا تھا اس لیے اسے بھی منزل النبی صلی اللہ علیہ و سلم سے تعبیر کر دیا گیا۔

ثُمَّ صَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ: آپ ﷺ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان پر نماز ادا فرمائی، بعض محدثین کرام اسے صلوۃ الفتح سے بھی تعبیر کرتے ہیں، جبکہ بعض حضرات اسے صلاۃ الضحی یعنی چاشت کی نماز قرار دیتے ہیں، چاشت کی نماز جمہور احناف، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مستحب جبکہ اکثر شوافع کے نزدیک سنت ہے۔

بَابٌ

یہ باب بلا ترجمہ متعلقات فتح مکہ یعنی کالفصل من الباب السابق کی قبیل سے ہے۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ پڑھتے تھے

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي

سُبْحَانَكَ　اللّٰهُمَّ　رَبَّنَا　وَ　بِحَمْدِكَ　اللّٰهُمَّ　اغْفِرْ　لِي

فتح مکہ کے بعد سورۃ النصر نازل ہوئی اور اس سورت کے آخر میں ہے: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ تو اس آیت مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ دوران نماز رکوع اور سجود میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي پڑھنے کا اہتمام کیا کرتے تھے، جیسا کہ کتاب التفسیر کی روایت میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے، یہ آپ ﷺ کا عادت مبارکہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی حکم آتا، آپ ﷺ اس پر فوراً عمل پیرا ہوجاتے، چنانچہ جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اجعلوها فی رکوعکم اور جب حکم آیا: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى تو آپ ﷺ نے فرمایا: اجعلوها فی سجودکم، اسی طرح جب آیت نازل ہوئی: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ تو آپ ﷺ نے اپنے رکوع وسجود میں یہ پڑھنا شروع کردیا: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آدمی کو یہ اندازہ ہوجائے کہ اب زندگی ختم ہونے کے قریب ہے، تو اسے تسبیح، تحمید، استغفار اور توبہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ عُمَرُ يُدْخِلُنِي مَعَ أَشْيَاخِ بَدْرٍ فَقَالَ بَعْضُهُمْ

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ مجھے اپنی مجلس میں اس وقت بھی بلا لیتے جب وہاں بدر کی جنگ میں شریک ہونے والے بزرگ صحابہ ؓ بیٹھے ہوتے، اس پر بعض لوگ کہنے لگے

لِمَ تُدْخِلُ هٰذَا الْفَتٰى مَعَنَا وَ لَنَا أَبْنَاءٌ مِثْلُهُ؟ فَقَالَ إِنَّهُ مِمَّنْ قَدْ عَلِمْتُمْ قَالَ فَدَعَاهُمْ ذَاتَ

کہ اس نوجوان کو آپ ہماری مجلس میں کیوں بلاتے ہیں؟ ہمارے بچے بھی تو اس کے جیسے ہی ہیں، اس پر عمر ؓ نے کہا کہ وہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کا علم وفضل تم جانتے ہو،

يَوْمٍ وَ دَعَانِي مَعَهُمْ قَالَ وَمَا رُئِيتُهُ دَعَانِي يَوْمَئِذٍ إِلَّا لِيُرِيَهُمْ مِنِّي فَقَالَ مَا تَقُولُونَ إِذَا جَاءَ

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ پھر ان صحابہ ؓ کو ایک دن عمر ؓ نے بلایا اور مجھے بھی بلایا، وہ فرماتے ہیں کہ میں خیال ہے کہ مجھے آپ نے اسی لیے بلایا تھا تاکہ آپ میرا علم ان کے سامنے

نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللهِ أَفْوَاجًا حَتّٰى خَتَمَ السُّورَةَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ

ظاہر کرسکیں، پھر حضرت عمر ؓ نے دریافت کیا کہ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللهِ أَفْوَاجًا (ختم سورت تک) کے متعلق تم لوگوں کا

أُمِرْنَا أَنْ نَحْمَدَ اللهَ وَ نَسْتَغْفِرَهُ إِذَا نُصِرْنَا وَفُتِحَ عَلَيْنَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نَدْرِي وَ لَمْ يَقُلْ

کیا خیال ہے؟ تو کسی نے کہا کہ ہمیں اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کی حمد بیان کریں اور اس سے استغفار کریں کہ اس نے ہماری مدد کی اور ہمیں فتح عنایت فرمائی اور بعض نے کہا

بَعْضُهُمْ شَيْئًا فَقَالَ لِي يَا ابْنَ عَبَّاسٍ أَ كَذَاكَ تَقُولُ؟ قُلْتُ لَا قَالَ فَمَا تَقُولُ؟ قُلْتُ هُوَ أَجَلُ

کہ ہمیں اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے اور بعض نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر حضرت عمر ؓ نے مجھ سے دریافت کیا کہ ابن عباس! کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ تو میں نے کہا کہ نہیں، تو انہوں نے

رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَمَهُ اللهُ لَهُ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ فَتْحُ مَكَّةَ فَذَاكَ عَلَامَةُ

پوچھا کہ پھر تم کیا کہتے ہو؟ تو میں نے کہا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر دی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح حاصل ہوگئی یعنی فتح مکہ، تو یہ آپ کی وفات کی

أَجَلِكَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا قَالَ عُمَرُ مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَعْلَمُ

نشانی ہے، اس لیے آپ اپنے رب کی حمد اور تسبیح اور اس کی مغفرت طلب کریں کہ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ جو اس بارے میں جو تمہارا علم ہے وہی میرا بھی ہے

مذکورہ بالا روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس کا تعلق اگرچہ براہ راست فتح مکہ سے نہیں ہے بلکہ یہ واقعہ فتح مکہ

کے کافی عرصے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آیا، لیکن چونکہ اس واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے ارباب شوریٰ سے سورۃ النصر سے متعلق سوال کرنا مذکور ہے اور سورۃ النصر میں إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَ الْفَتْحُ میں اَلْفَتْحُ سے مراد فتح مکہ ہے، اس مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو فتح مکہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

لِمَ تُدْخِلُ هٰذَا الْفَتٰى مَعَنَا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک مجلس شوریٰ بنائی ہوئی تھی جو بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی اور آپ جو کام کرتے تھے، وہ ان اصحاب شوریٰ کے مشورے کے مطابق کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جن کی عمر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت صرف تیرہ سال تھی، وہ خود فرماتے ہیں: و أنا یومئذ قد ناهزت الاحتلام گو یا ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ بالغ ہونے کے قریب تھے، لیکن اس کم عمری میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے ان کو تفقه في الدين عطا فرمایا تھا، جس سے سب واقف تھے، ان کی اسی علمی فضیلت کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں اپنی مجلس مشاورت میں شریک کیا کرتے تھے، لیکن چونکہ وہ کم عمر تھے اس لئے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر یہ اعتراض کیا کہ جس مجلس شوریٰ میں بڑے بڑے صحابہ شریک ہوتے ہیں اس میں ایک نوجون کو کیوں شریک کیا جاتا ہے؟ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس طلب فرمائی اور ایک سوال پوچھ کر سب کے سامنے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی علمی حیثیت کو واضح فرمایا اور مجلس شوریٰ میں ان کی شرکت کی وضاحت فرمائی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مجلس شوریٰ میں شریک کرنے کی وجہ ان کی علمی سمجھ بوجھ اور قرآن فہمی ہے۔

حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ شُرَحْبِيْلَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ

عَنْ أَبِيْ شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيْدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوْثَ إِلٰى مَكَّةَ ائْذَنْ لِيْ أَيُّهَا

ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے (مدینہ کے امیر) عمرو بن سعید سے کہا جب کہ عمرو بن سعید (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف) مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر!

الْأَمِيْرُ أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ يَوْمَ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ

مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ سے ایک حدیث بیان کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن ارشاد فرمائی تھی۔

أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِيْ وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهِ إِنَّهُ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ

جس حدیث کو میرے کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے محفوظ کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حدیث بیان کرتے میری آنکھوں نے دیکھا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے اللہ کی حمد وثناء

إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ لَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ يَّسْفِكَ

بیان کی اور پھر فرمایا کہ بلاشبہ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرمت والا شہر قرار دیا ہے کسی انسان نے اسے حرمت والا قرار نہیں دیا، اس لیے کسی شخص کے لیے بھی جو اللہ اور یوم آخرت پر

بِهَا دَمًا وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرًا فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا

ایمان رکھتا ہو، یہ جائز نہیں کہ اس میں کسی کا خون بہائے اور کوئی اس سرزمین کا کوئی درخت کاٹے اور اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (فتح مکہ کے موقع پر) جنگ سے اپنے لیے بھی

فَقُوْلُوْا لَهُ إِنَّ اللهَ أَذِنَ لِرَسُوْلِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ وَإِنَّمَا أَذِنَ لِيْ فِيْهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَقَدْ عَادَتْ

رخصت نکالے، تو تم اس سے کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی، تمہارے لیے بالکل اجازت نہیں ہے اور مجھے بھی اس کی اجازت دن کے

حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ وَ لْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِيلَ لِأَبِيْ شُرَيْحٍ مَاذَا قَالَ

تھوڑے سے حصے کے لیے ملی تھی اور آج پھر اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے، جس طرح کل تھی، پس جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ (ان کو میرا کلام) پہنچا دیں جو موجود نہیں۔

لَكَ عَمْرٌو؟ قَالَ قَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنْكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ إِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيذُ عَاصِيًا

ابوشریح سے پوچھا گیا کہ عمرو بن سعید نے آپ کو پھر کیا جواب دیا تھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ اس نے کہا کہ میں یہ مسائل تم سے زیادہ جانتا ہوں، حرم کسی گناہ گار کو پناہ نہیں دیتا نہ کسی کا

وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ

خون کر کے بھاگنے والے کو پناہ دیتا ہے، اور نہ ہی مفسد کو پناہ دیتا ہے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب یزید بن معاویہ کی حکومت قائم ہوئی، تو ایک طرف تو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے یزید سے بیعت کرنے سے انکار فرمادیا، جس کے نتیجے میں واقعۂ کربلا پیش آیا، دوسری طرف حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی یزید سے بیعت نہیں کی بلکہ مکہ مکرمہ اور بعض دوسرے شہروں میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت قائم ہوگئی تھی، چنانچہ یزید نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مقابلہ کرنے کے لئے لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا اور مختلف جگہوں پر اپنے عمال اور گورنروں سے کہا کہ وہ سب اپنی اپنی فوجیں بھیج کر مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر حملہ آور ہوں، یہ عمرو بن سعید مدینہ منورہ میں یزید کی طرف سے حاکم تھا، چنانچہ اس کو بھی حکم دیا کہ تم بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر چڑھائی کرنے کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف فوج روانہ کرو، جس وقت عمرو بن سعید مکہ مکرمہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا، اس وقت حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے اسے نصیحت فرمائی: ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الْأَمِيرُ اے امیر مجھے اجازت دیجئے أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ يَوْمَ الْفَتْحِ کہ میں آپ کو ایک ایسی بات سناؤں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے اگلے دن ارشاد فرمائی تھی۔

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ چونکہ نصیحت فرمارہے ہیں اس لئے انہوں تلطف کا راستہ اختیار کیا، کیونکہ یہ اسلوب دعوت ہے کہ جب کسی کو نصیحت کی جائے یا کسی اچھے کام کی طرف دعوت دی جائے تو اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا، تو ان کو حکم دیا: فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى۔

تو حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں اور اونچے درجہ کے بزرگ ہیں، عمرو بن سعید کی ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے، وہ یزید کی طرف سے مدینہ منورہ کا گورنر تھا اور تاریخ میں لئیم الشیطان کے لقب سے مشہور ہے، علم اور تقویٰ وطہارت کے اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور ایک انتہائی برا کام یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ کے لئے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کررہا ہے، لیکن جب حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے اس کو نصیحت کرنی چاہی، تو نہ اسے ڈانٹا نہ ہی گالی دی بلکہ یہ الفاظ استعمال فرمائے: ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الْأَمِيرُ امیر کا لفظ

اس کے خطاب کے لئے استعمال کیا اور پہلے اجازت طلب کی کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ سے بات کروں، تو گویا حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے یہ ادب سکھایا کہ چاہے کتنا ہی برا آدمی ہو اور کتنا ہی برا کام کررہا ہو، اسے جب نصیحت کرنی ہو، یا دعوت دینی ہو، تو نصیحت اور دعوت میں ایسا عنوان اختیار کیا جائے جس سے اس کا دل نرم پڑ جائے اور اس کے لئے نصیحت قبول کرنا آسان ہو جائے۔

سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِيْ وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهٖ: یہ کہہ کر حدیث سنانے سے مقصد یہ باور کرانا ہے کہ مجھے کسی قسم کا ذہول نہیں ہوا اور نہ ہی سنتے ہوئے مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ: یہاں ہے کہ بے شک مکہ کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، لوگوں نے حرام قرار نہیں دیا، جبکہ دوسری روایت میں ہے: إن إبراهيم حرم مكة دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے، اس میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اصل تحریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اجتہاد سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی ہے، گویا إن إبراهيم حرم مكة کا مطلب ہے: إن إبراهيم حرم مكة بأمر الله تعالى لا باجتهاده۔

أَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا: اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرًا: مکہ مکرمہ کے اشجار و نباتات کی تین قسمیں ہیں:

❶ ایک وہ جو کسی شخص نے اپنی محنت سے اُگائے ہوں، ان کو کاٹنا یا اکھیڑنا بالاتفاق جائز ہے۔

❷ دوسرے وہ جن کو کسی نے اُگایا تو نہیں لیکن وہ ان ہی نباتات کی جنس میں سے ہیں، جنہیں لوگ عام طور سے اُگاتے ہیں، اس دوسری قسم کے نباتات کو بھی کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے۔

❸ تیسری قسم خودرو پودوں اور گھاس وغیرہ کی ہے، اس قسم میں سے صرف اذخر گھاس کا کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے، باقی کسی چیز کا اکھیڑنا یا کاٹنا جائز نہیں، البتہ خودرو گھاس یا پودوں اور درختوں میں سے اگر کوئی پودا مرجھا گیا ہو، یا جل گیا ہو، یا ٹوٹ گیا ہو تو اس کو کاٹنا بھی جائز ہے۔

حاصل یہ کہ وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرًا میں شجر سے مراد وہ گھاس اور پودے وغیرہ ہیں جو خود اُگے ہوں، وہ نہ تو ماأنبته الناس کی جنس میں سے ہوں، نہ ٹوٹے ہوئے ہوں، نہ جلے ہوئے ہوں اور نہ مرجھائے ہوئے ہوں، نیز اذخر بھی نہ ہو، ایسے پودوں اور گھاس کا کاٹنا جائز نہیں اور کاٹنے کی صورت میں جزاء واجب ہوگی، واللہ اعلم۔

فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: یعنی اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرنے سے استدلال کرے اور یہ کہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چڑھائی کی ہے، لہٰذا ہمارے لئے بھی جائز ہے تو تم اس کو یہ بتا دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اجازت دی تھی اور اللہ تعالیٰ

نے تمہیں اس کی اجازت نہیں دی ہے، لہٰذا تم ایسا نہیں کر سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مکہ پر چڑھائی کرنا اور وہاں قتال کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے، یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مسلک ہے۔

یہ روایت اس بات پر صراحتاً دلالت کر رہی ہے کہ مکہ مکرمہ عنوۃً فتح ہوا تھا، یہی جمہور علماء رحمۃ اللہ علیہم کی رائے ہے، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ صلحًا فتح ہوا تھا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس بارے میں دو قول ہیں، ایک قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ہے اور ایک قول جمہور کے موافق ہے۔

وَإِنَّمَا أَذِنَ لِيْ فِيْهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ: أَذِنَ معروف بھی پڑھا گیا ہے یعنی ای أذن الله لی اور أُذِنَ مجہول بھی مروی ہے۔ سَاعَةً وقت کی ایک مقدار کو کہتے ہیں، فتح مکہ کے دن صبح طلوع شمس سے لے کر عصر تک کا وقت مستثنیٰ تھا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتال کی اجازت دی گئی تھی۔

وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ: یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہد کو حکم دیا کہ وہ غائب تک ان باتوں کو پہنچائے، لہٰذا حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ گویا عمرو سے کہہ رہے ہیں کہ اے عمرو تو اس وقت غائب تھا اور میں حاضر تھا، اس لئے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کی پیروی کرتے ہوئے تم تک یہ بات پہنچا دی۔

فَقِيْلَ لِأَبِيْ شُرَيْحٍ مَاذَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو؟ یعنی جب ابوشریح رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی، تو ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی اس بات پر عمرو نے کیا جواب دیا؟ تو انہوں نے کہا کہ عمرو نے میری بات سن کر کہا: **قَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنْكَ** کہ مجھے تم مت سمجھاؤ، میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

إِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيْذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ: عاصی، عصیان سے ہے، خروج عن الطاعة کو عصیان کہتے ہیں، گویا عاصی سے باغی مراد ہے۔ فار بالدم سے مراد قتل کر کے بھاگنے والا ہے۔

خربة (بفتح الخاء والراء) ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خربة دراصل عیب کو کہتے ہیں۔ اسی طرح خربة کے معنی سرقة کے بھی ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر جنایت سے کی ہے۔ بعض حضرات نے اس کو خربة (بفتح الخاء وسکون الراء) بتایا ہے، ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی فساد کے ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ویروی ولا فارا بخزية یعنی اس لفظ کو خاء مکسورہ اور زاء ساکنہ اور اس کے بعد یاء کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے، جس کے معنی رسوائی اور باعث عار امر کے ہیں۔

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے، لیکن عمرو بن سعید نے اس پر انکار کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ تم اس کو عام سمجھ رہے ہو، حالانکہ یہ حدیث خاص ہے، مجرم اور عاصی جو جرم کر کے حرم میں پناہ لے تو اُسے وہاں پناہ نہیں ملتی۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن سعید کا کلام قول بالموجب کی

قبیل سے ہے، گویا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ آپ نے یہ حدیث سنی ہے اور آپ کو یاد ہے، لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اس کے خلاف نہیں ہے، حدیث کا تعلق مکہ پر عنوة فتح کی نیت سے چڑھائی کرنے سے ہے، یہ میرا مقصود نہیں بلکہ میرا مقصود ایسے شخص کے خلاف لشکر کشی ہے جو باغی ہے اور حرم کسی عاصی اور خطا کار کو پناہ نہیں دیتا۔

لیکن عمرو بن سعید کا یہ جواب غلط ہے اور کلمة حق ارید به الباطل کی قبیل سے ہے، کیونکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نہ تو باغی تھے، نہ ہی عاصی تھے اور نہ ہی انہوں نے کسی کا قتل کیا تھا۔

فقہی مسائل

❶ اگر کوئی شخص کوئی جنایت کر کے حرم میں پناہ لے لے، تو اگر اس کی جنایت مادون النفس ہو تو بالاتفاق اس کا قصاص حرم میں لیا جاسکتا ہے۔

❷ اگر جنایت قتل کی ہو تو دیکھا جائے گا کہ اس نے جنایت کہاں کی ہے؟ اگر جنایت قتل حرم میں کی ہے تو اس کے بارے میں بھی اتفاق ہے کہ اس سے بھی حرم ہی میں قصاص لیا جاسکتا ہے۔

❸ اگر جنایت قتل کا ارتکاب حرم سے باہر کیا ہے اور پھر قاتل نے حرم میں پناہ لی ہے تو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ اس کے بارے میں بھی استیفاء قصاص کے قائل ہیں، جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اس سے حدود حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ حرم سے خود ہی باہر آجائے اور پھر اس کے بعد اس سے قصاص لیا جائے گا۔

شافعیہ اور مالکیہ کا مستدل إِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ ہے، نیز وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن خطل کے قتل کا حکم دیا تھا، جبکہ وہ غلاف کعبہ سے چمٹا ہوا تھا، لہٰذا اگر قاتل قتل کرنے کے بعد حرم میں پناہ لے لے تو اسے وہیں حرم میں قصاصاً قتل کیا جاسکتا ہے۔

احناف اور حنابلہ کا استدلال آیت قرآنی وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا سے ہے، اسی طرح حدیث باب لَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

شوافع اور مالکیہ کے استلال کا جواب

ان حضرات کا إِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ سے استدلال کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ کوئی حدیث نہیں ہے بلکہ یہ عمرو بن سعید کا قول ہے اور جہاں تک ابن خطل کے قتل کا تعلق ہے، سو وہ اس رخصت میں داخل ہے جس کا ذکر حدیث باب میں آیا ہے وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ۔

یہاں پر احناف پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ قتل کے معاملے میں تو آپ حرم میں قصاص لینے سے منع کرتے ہیں جبکہ ما دون النفس جنایت میں آپ حضرات حرم میں قصاص کی اجازت دیتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک ما دون النفس جنایات کا تعلق ہے سو اس کی سزا حرم میں ہی نافذ ہوگی، اگرچہ جنایت غیر حرم میں ہی کیوں نہ ہوئی ہو، کیونکہ حضور اکرم ﷺ سے حرم میں قتل کی نہی تو ثابت ہے، ما دون النفس کی نہی ثابت نہیں چنانچہ فرمایا: لَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا اور سفك دم قتل ہی سے کنایہ ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ما دون النفس اور اطراف کا معاملہ اموال کی طرح ہے، جس طرح مالی معاملات کا وہاں تصفیہ ہوسکتا ہے اسی طرح ما دون النفس کا تصفیہ بھی وہاں ہوسکتا ہے، واللہ اعلم۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِيْ رَبَاحٍ

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَامَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ نے فتح مکہ کے موقع پر

الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ

مکہ مکرمہ میں فرمایا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب کی خرید و فروخت حرام قرار دے دی ہے

شراب کی حرمت کا حکم تو پہلے نازل ہو چکا تھا، جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا کہ اُحد کے واقعے کے بعد شراب کی حرمت کا حکم نازل ہو گیا تھا، لیکن آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر دوبارہ یہ اعلان اس لیے کیا تا کہ تمام لوگوں کو اس کی اطلاع ہو جائے، نیز یہ بھی معلوم ہو جائے کہ جس طرح شراب پینا ناجائز ہے، اسی طرح اس کی خرید و فروخت بھی ناجائز اور حرام ہے، چنانچہ اگر کوئی مسلمان شراب کی خرید و فروخت کرے گا تو یہ بیع باطل ہوگی۔

بَابُ مَقَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ زَمَنَ الْفَتْحِ

باب: فتح مکہ کے زمانہ میں نبی کریم ﷺ کا مکہ میں قیام کرنا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں تشحید اذھان کے لیے مختلف روایتیں جمع کر دی ہیں اور اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں فتح مکہ کے موقع پر بھی قیام فرمایا تھا اور حجۃ الوداع میں بھی قیام فرمایا تھا، فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اُنیس دن قیام فرمایا تھا، اس کے بعد آپ ﷺ حنین کی طرف چلے گئے تھے، پھر وہاں سے طائف کی طرف چلے گئے تھے اور وہاں سے واپس آ کر آپ ﷺ نے جعرانہ میں غزوۂ حنین سے حاصل ہونے والا مال غنیمت تقسیم کیا اور پھر وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ تشریف لائے اور عمرہ ادا کیا اور پھر مدینہ منورہ تشریف لائے، الغرض فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اُنیس دن قیام فرمایا تھا، جبکہ حجۃ

الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے تھے اور چودہ ذی الحجہ کو واپس مدینہ منورہ روانہ ہو گئے تھے، گویا حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس دن مکہ مکرمہ میں ٹھہرے تھے، ان دس دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ، عرفات اور مزدلفہ بھی تشریف لے گئے۔

چنانچہ اس باب کی روایات میں جہاں دس دن ٹھہرنے کا ذکر آرہا ہے، اس سے حجۃ الوداع کا قیام مراد ہے اور جن روایات میں آرہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنیس دن قیام فرمایا تو اس سے فتح مکہ کے موقع پر قیام مراد ہے، نیز ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں چار دن قیام فرمایا، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں مسلسل قیام چار دن فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار ذی الحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک مکہ مکرمہ میں رہے، آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ تشریف لے گئے اور پھر حج کے ارکان وافعال ادا فرمائے۔

خلاصہ یہ کہ تین طرح کی روایتیں ہوگئیں: ❶ ایک انیس دن: اس سے مراد فتح مکہ ہے، ❷ دوسری دس دن: اس سے مراد حجۃ الوداع ہے (جس میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کا قیام بھی شامل ہے) اور ❸ تیسری چار دن: اس سے مراد حجۃ الوداع میں مکہ کرمہ میں مسلسل قیام ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں عنوان تو یہ ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں کتنا قیام کیا؟ لیکن تشحیذ اذہان کے لیے یہ مختلف روایات جمع کر دی ہیں، جن میں سے بعض فتح مکہ کے قیام سے متعلق ہیں اور بعض حجۃ الوداع کے قیام والی روایات ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ح حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَقَمْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرًا نَقْصُرُ الصَّلَاةَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مکہ میں) دس دن ٹھہرے تھے اور اس مدت میں ہم نماز قصر کرتے تھے

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ عَنْ عِكْرِمَةَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ أَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں انیس دن قیام فرمایا تھا اور اس مدت میں نماز دو رکعتیں (یعنی قصر) پڑھتے تھے

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَقَمْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ تِسْعَ عَشْرَةَ نَقْصُرُ الصَّلَاةَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں انیس دن تک نماز قصر پڑھتے تھے

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَنَحْنُ نَقْصُرُ مَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَ تِسْعَ عَشْرَةَ فَإِذَا زِدْنَا أَتْمَمْنَا

اور بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم سفر میں انیس دن کے اندر اندر تو نماز قصر پڑھتے تھے، لیکن جب اس سے زیادہ مدت گزر جاتی تو پھر پوری نماز پڑھتے تھے

یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے کہ اگر کسی شخص کی کسی جگہ اُنیس دن تک قیام کی نیت ہو تو وہ شخص مسافر ہوگا اور قصر نماز ادا کرے گا لیکن اگر اُنیس دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت ہو تو وہ مقیم شمار ہوگا اور نمازوں میں اتمام کرے گا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جو فتح مکہ کے موقع سے متعلق وارد ہوئی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اُنیس دن قیام کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں قصر نماز ادا فرماتے رہے۔

مدت اقامت میں ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب

احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلسل پندرہ دن قیام کی نیت سے کسی آباد جگہ میں ٹھہرے تو وہ مقیم شمار ہوگا، جبکہ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم تقریباً اس بات پر متفق ہیں کہ چار دن تک قیام کی نیت ہو تو مسافر شمار ہوگا جبکہ چار دن سے زیادہ قیام کی نیت کی صورت میں مقیم بن جائے گا، گویا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو نہ تو ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم نے اختیار کیا ہے اور نہ ہی احناف نے اختیار کیا ہے۔

19 دن کے قیام میں قصر کی توجیہ

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں اُنیس دن کے قیام کے باوجود قصر نماز پڑھنے کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں باقاعدہ اُنیس دن کے قیام کی نیت نہیں کی تھی، بلکہ ہر وقت یہ امکان تھا کہ شاید کل چلے جائیں یا پرسوں چلے جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالات کا جائزہ لے رہے تھے کہ مکہ مکرمہ کے کیا حالات ہیں، حنین سے کیا اطلاعات آ رہی ہیں، کب ہمارا آگے کوچ کرنا مناسب ہے؟ الغرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی طے شدہ مدت کے قیام کی نیت نہیں کی تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنیس دن کے قیام کے باوجود قصر نماز ادا کرتے رہے اور یہ مسئلہ معروف ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی بستی میں ٹھہرا رہے اور اس کی نیت یہ ہو کہ میں کل چلا جاؤں گا، پرسوں چلا جاؤں گا اور اسی سوچ میں چھ مہینے بھی گزر جائیں تو وہ اتمام نہیں کرے گا بلکہ قصر ہی ادا کرتا رہے گا، کیونکہ اقامت کے احکام اس وقت جاری ہوتے ہیں، جب وہ کسی جگہ مسلسل مدت اقامت ٹھہرنے کی نیت کرے۔

نیز ان روایات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنا وطن اصلی بالکلیہ یعنی اہل وعیال سمیت ترک کر دے اور وہاں واپس آنے کا ارادہ نہ رہے تو وہ وطن اصلی باطل ہو جاتا ہے اور دوسرا وطن وطن اصلی بن جاتا ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں قیام کی نیت ترک کر دی، تو پھر جب فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ دوبارہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں مسافروں والی نماز پڑھی، حالانکہ مکہ مکرمہ

آپ کی جائے پیدائش تھی، ترپین سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں رہے تھے لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر بھی اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی مقیم کی نماز نہیں پڑھی بلکہ مسافر کی نماز پڑھی، البتہ اگر آدمی پہلا وطن بالکلیہ ترک نہ کرے اور کسی اور جگہ قیام کی نیت کرلے تو اس سے اس کا وطن اصلی باطل نہیں ہوگا بلکہ وہ وطن اصلی برقرار رہے گا اور یہ وطن اقامت ہوگا، لہٰذا جب کبھی اپنے وطن اصلی واپس جائے گا تو وہاں پوری نماز پڑھے گا، چاہے وہاں تھوڑی دیر ہی قیام کی نیت ہو۔

نیز وطن اصلی ایک سے زیادہ بھی ہوسکتے ہیں، چنانچہ ایک آدمی ایک جگہ پیدا ہوا، وہ اس کا وطن اصلی ہے، پھر کہیں جا کر اس نے شادی کرلی اور وہیں قیام کرلیا تو یہ دوسرا وطن اصلی بن گیا، پھر ایک اور جگہ جا کر شادی کرلی اور وہاں گھر بنالیا تو یہ تیسرا وطن اصلی بن جائے گا۔ یہ سب باتیں کتاب الصلوۃ سے متعلق ہیں، یہاں مختصراً کچھ باتیں ذکر کردی ہیں۔

بَابٌ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جیسے فقہاء حضرات کسی کتاب کے آخر میں کوئی فصل یا باب مسائل شتی بیان کرنے کے لیے قائم کرتے ہیں، اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غزوۂ فتح کے آخر میں یہ باب فتح مکہ سے متعلق مختلف امور بیان کرنے کے لیے قائم فرمایا ہے۔

وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ ثَعْلَبَةَ بْنِ صُعَيْرٍ وَكَانَ النَّبِيُّ
حضرت لیثؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یونس نے اور انہیں ابن شہاب نے اور انہیں حضرت عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر رضی اللہ عنہ خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَسَحَ وَجْهَهُ عَامَ الْفَتْحِ
فتح مکہ کے دن (بطور شفقت) ان کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لیث رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق ذکر کی ہے، اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں موصولاً نقل کیا ہے اور اس کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ان کے چہرے پر دست مبارک پھیرا تھا۔

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ
عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سُنَيْنٍ أَبِي جَمِيلَةَ قَالَ أَخْبَرَنَا وَنَحْنُ مَعَ ابْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ وَزَعَمَ
امام زہری فرماتے کہ جب ہم سے ابوجمیلہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی تو ہم سعید بن مسیب کے ساتھ تھے وہ فرماتے ہیں کہ ابوجمیلہ رضی اللہ عنہ نے یہ دعویٰ کیا

أَبُو جَمِيلَةَ أَنَّهُ أَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجَ مَعَهُ عَامَ الْفَتْحِ
کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ فتح مکہ کے لیے نکلے تھے

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ

قَالَ قَالَ لِي أَبُو قِلَابَةَ أَلَا تَلْقَاهُ فَتَسْأَلَهُ قَالَ فَلَقِيتُهُ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ كُنَّا بِمَاءٍ مَمَرَّ النَّاسِ

ایوب سختیانی فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوقلابہ نے کہا کہ عمرو بن سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ قصہ کیوں نہیں پوچھتے؟ ابوقلابہ فرماتے ہیں کہ پھر میں عمرو بن سلمہ کی خدمت میں گیا

وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا الرُّكْبَانُ فَنَسْأَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ؟ مَا لِلنَّاسِ؟ مَا هٰذَا الرَّجُلُ؟ فَيَقُولُونَ يَزْعُمُ

اوران سے سوال کیا، توانہوں نے کہا کہ جاہلیت میں ہمارا قیام ایک چشمہ پرتھا جو لوگوں کی گزرگاہ تھی، سوار ہمارے قریب سے گزرتے تو ہم ان سے پوچھتے کہ لوگوں کا کیا خیال ہے،

أَنَّ اللهَ أَرْسَلَهُ أَوْحٰى إِلَيْهِ أَوْ أَوْحَى اللهُ كَذَا فَكُنْتُ أَحْفَظُ ذٰلِكَ الْكَلَامَ فَكَأَنَّمَا يُقَرُّ فِي صَدْرِي

اس شخص (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا معاملہ ہے؟ لوگ بتاتے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ ان پر وحی نازل کرتا ہے، یا اللہ نے ان پر وحی نازل کی ہے

وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِإِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ فَيَقُولُونَ اتْرُكُوهُ وَقَوْمَهُ فَإِنَّهُ إِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ

(وہ قرآن کی کوئی آیت سناتے) میں وہ فوراً یاد کرلیتا، گویا وہ کلام میرے سینے میں پڑھا جاتا ہے، ادھر سارے عرب والے فتح مکہ پر اپنے اسلام کو موقوف کئے ہوئے تھے، ان کا کہنا

فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ أَهْلِ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِإِسْلَامِهِمْ وَبَدَرَ أَبِي قَوْمِي

یہ تھا کہ اس نبی کو اور اس کی قوم (قریش) کو نمٹنے دو، اگر وہ ان پر غالب آ گئے تو پھر واقعی وہ سچے نبی ہیں، چنانچہ جب مکہ فتح ہوگیا تو ہر قوم نے اسلام لانے میں پہل کی اور میرے والد

بِإِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَاللهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا

نے بھی میری قوم کے اسلام میں جلدی کی، پھر جب (مدینہ) سے واپس آئے تو کہا کہ میں اللہ کی قسم ایک سچے نبی کے پاس سے آ رہا ہوں

فَقَالَ صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا وَصَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ

اور انہوں نے فرمایا ہے کہ فلاں نماز اس طرح فلاں وقت پڑھا کرو اور فلاں نماز اس طرح فلاں وقت پڑھا کرو اور جب نماز کا وقت ہو جائے

فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا فَنَظَرُوا فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ قُرْآنًا مِنِّي لِمَا كُنْتُ

تو تم میں سے کوئی ایک شخص اذان دے اور امامت وہ کرے جسے قرآن سب سے زیادہ یاد ہو، لوگوں نے تلاش کیا کہ کسے قرآن سب سے زیادہ یاد ہے تو کوئی شخص ان کے قبیلے میں

أَتَلَقَّى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُونِي بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ أَوْ سَبْعِ سِنِينَ وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ

مجھ سے زیادہ قرآن یاد کرنے والا انہیں نہیں ملا، کیونکہ میں آنے جانے والے سواروں سے سن کر قرآن مجید یاد کرلیا کرتا تھا، اس لیے مجھے لوگوں نے امام بنایا، حالانکہ اس وقت

كُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّي فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْحَيِّ أَلَا تُغَطُّونَ عَنَّا اسْتَ قَارِئِكُمْ؟

میری عمر چھ یا سات سال کی تھی اور میرے پاس ایک ہی چادر تھی، جب میں سجدہ کرتا تو وہ چادر اوپر ہو جاتی (اور پیچھے کا جسم) کھل جاتا، تو قبیلہ کی ایک عورت نے کہا کیا تم

فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوا لِي قَمِيصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَيْءٍ فَرَحِي بِذٰلِكَ الْقَمِيصِ

اپنے قاری کی سرین ہم سے چھپا نہیں سکتے، تو انہوں نے کپڑا خریدا اور میرے لیے ایک قمیص بنائی، میں جتنا خوش اس قمیص سے ہوا اتنا کسی اور چیز سے نہیں ہوا تھا

فَكُنْتُ أَحْفَظُ ذٰلِكَ الْكَلَامَ فَكَأَنَّمَا يُقَرُّ فِي صَدْرِي: میں اس کلام الٰہی کو یاد کرتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ کلام میرے دل میں پڑھا جا رہا ہے میرے سینہ میں پیوست ہو رہا ہے۔ **يُقَرُّ** میں چار روایتیں ہیں:

❶ ایک **یقر** قرار سے، اس صورت میں ترجمہ ہوگا کہ گویا وہ کلام میرے دل میں پیوست ہو رہا ہے۔

❷ دوسری روایت **یقرأ** قراءت سے مجہول کا صیغہ ہے، یعنی گویا کہ وہ کلام میرے دل میں پڑھا جا رہا ہے۔

❸ تیسری **یقرّی** باب **تفعیل** سے، جس کے معنی جمع کرنے کے آتے ہیں۔ **قريت الماء اذا جمعته، يقرى في صدري اى: يجمع في صدري**۔

۴ چوتھی روایت یغرّی باب تفعیل سے، جس کے معنی چپکانے کے آتے ہیں، یغری فی صدری کا مطلب یہ ہوگا کہ گویا وہ کلام میرے سینہ میں چپکا دیا جاتا اور دل پر نقش ہو جاتا۔

وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِإِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ: اور عرب اپنے اسلام لانے کے لیے فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے۔

تَلَوَّمُ: تنتظر، مطلب یہ ہے کہ مختلف قبائل عرب تھے وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اگر مکہ فتح ہو گیا تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے اور اگر مکہ فتح نہ ہوا تو مسلمان ہونے کا ارادہ نہیں تھا، اس لئے وہ انتظار میں تھے کہ مکہ فتح ہو، کیونکہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا غالب ہو جانا یہ ان کے سچے نبی ہونے کی دلیل ہوگا۔

نابالغ کی امامت

اس حدیث سے حضرات شوافع نے نابالغ کی امامت کے جواز پر استدلال کیا ہے، بظاہر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے، جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نابالغ کی امامت جائز نہیں۔

جمہور کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامام ضامن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام مقتدی کی نماز کو اپنی نماز کے ضمن میں لے لیتا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی چیز اپنے سے زائد یا بڑی چیز کو اپنے اندر نہیں لے سکتی ہے، اس لئے احناف کہتے ہیں: لا یجوز اقتداء المفترض خلف المتنقل اور چونکہ نابالغ پر نماز فرض نہیں ہے، تو نابالغ کی نماز نفل ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ ضعیف پر قوی کی بناء درست نہیں۔

روایت باب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے، جمہور اس کا یوں جواب دیتے ہیں کہ یہ عمل ان لوگوں نے خود سے کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر اس عمل کو حاصل نہیں، لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں۔

اسی طرح جمہور فرماتے ہیں کہ اس روایت ہی کو اگر نابالغ کی امامت کے جواز پر مستدل بنانا ہے، تو اس میں یہ بھی آیا ہے کہ سجدہ کے وقت ان کا کشف عورت ہو جاتا تھا، جبکہ کشف عورت سے بالاتفاق نماز فاسد ہو جاتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ نابالغ کی امامت کے جواز کے لئے اس روایت سے استدلال درست نہیں ہے، دراصل یہ لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، نماز کے احکام سے پوری طرح باخبر نہیں تھے، ان میں سب سے زیادہ قرآن چونکہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو یاد تھا اس لیے انہوں نے ان کو اپنا امام بنالیا، واللہ اعلم۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ

أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدٍ أَنْ يَقْبِضَ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص نے (مرتے وقت) اپنے بھائی (سعد بن ابی وقاصؓ) کو وصیت کی تھی کہ وہ زمعہ کی باندی سے پیدا ہونے والے بچے کو اپنے قبضے میں

وَقَالَ عُتْبَةُ إِنَّهُ ابْنِيْ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ فِي الْفَتْحِ أَخَذَ سَعْدُ بْنُ
لے لیں اور عتبہ نے کہا تھا کہ وہ میرا بیٹا ہے، چنانچہ جب فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس بچے کو لے کر

أَبِيْ وَقَّاصٍ ابْنَ وَلِيْدَةِ زَمْعَةَ فَأَقْبَلَ بِهِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَقْبَلَ مَعَهُ
نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ عبد بن زمعہ بھی آئے،

عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ سَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ هٰذَا ابْنُ أَخِيْ عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّهُ ابْنُهُ قَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے میرے بھائی نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ یہ اس کا بیٹا ہےاورعبد بن زمعہ نے کہا

يَا رَسُوْلَ اللهِ هٰذَا أَخِيْ هٰذَا ابْنُ زَمْعَةَ وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
کہ یا رسول اللہ! یہ میرا بھائی ہے (میرے والد) زمعہ کا بیٹا ہے کیونکہ ان ہی کے بستر پر پیدا ہوا ہے، نبی کریم ﷺ نے

إِلَى ابْنِ وَلِيْدَةِ زَمْعَةَ فَإِذَا أَشْبَهُ النَّاسِ بِعُتْبَةَ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
زمعہ کی باندی کے بیٹے کو دیکھا تو وہ واقعی (سعد کے بھائی) عتبہ بن ابی وقاص کی شکل کے مشابہ تھا، تو نبی کریم ﷺ نے فیصلے میں یہ کہا

وَسَلَّمَ هُوَ لَكَ هُوَ أَخُوْكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى
کہ اے عبد بن زمعہ! تم ہی اس بچے کو رکھو، یہ تمہارا بھائی ہے، کیونکہ یہ تمہارے والد کے فراش پر یعنی اس کی باندی کے بطن سے پیدا ہوا ہے

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبِيْ مِنْهُ يَا سَوْدَةُ لِمَا رَأَى مِنْ شَبَهِ عُتْبَةَ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ ابْنُ
اور حضرت سودہؓ سے جو زمعہ کی بیٹی تھیں فرمایا کہ اے سودہ! تم اس لڑکے سے پردہ کرنا کیونکہ آپ نے اس لڑکے میں عتبہ بن ابی وقاص کی شباہت دیکھی تھی ابن شہاب فرماتے ہیں

شِهَابٍ قَالَتْ عَائِشَةُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ
کہ ان سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ لڑکا اسی کا ہوتا ہے جس کے فراش پر پیدا ہوا ہو اور زنا کرنے والے کے حصے میں پتھر ہی ہیں،

وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَكَانَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ يَصِيْحُ بِذٰلِكَ
ابن شہاب نے فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو پکار پکار کر بیان کیا کرتے تھے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث دوسندوں سے نقل فرمائی ہے، سند اول کا متن یہاں ذکر نہیں کیا، یہاں صرف سند کا ذکر ہے، اس کا متن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الوصایا میں ذکر کیا ہے۔ دوسری سند لیث رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جو امام بخاریؒ نے یہاں تعلیقاً ذکر کی ہے، آگے متن لیث رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے متعلق ہے۔

كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَى أَخِيْهِ سَعْدٍ أَنْ يَّقْبِضَ ابْنَ وَلِيْدَةِ زَمْعَةَ: زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ اپنے پاس باندیاں رکھتے تھے اور ان سے بدکاری کروا کر مال کماتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ خود بھی ان سے وطی کرتے تھے، جب اس باندی سے بچہ پیدا ہوتا تو بسا اوقات آقا اس بچہ کے بارے میں دعویٰ کرتا کہ یہ میرا ہے اور کبھی زانی دعوی کر دیتا کہ میرا ہے، جو دعویٰ کرتا بچہ اسی کا سمجھا جاتا، ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد زمعہ بن قیس جو مکہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے، اس کی ایک باندی تھی جس کا نام سریفہ تھا، یہ اس باندی سے پیشہ کراتا تھا، لوگ زنا کے لیے اس باندی کے پاس آتے تھے، عتبہ بن ابی وقاص جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا وہ اس باندی کے پاس آتا تھا، چنانچہ اس نے بھی سریفہ سے زنا کیا، جس سے حمل ٹھہر گیا اور بچہ پیدا ہو گیا۔ یہ عتبہ بن ابی وقاص وہی

ہے، جس نے غزوۂ اُحد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخمی کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بددعا دی تھی کہ یا اللہ ایک سال نہ گزرے کہ یہ مرجائے، چنانچہ ایک سال کے اندر ہی اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔

بہر حال عتبہ بن ابی وقاص نے موت سے کچھ پہلے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ اگر تم کبھی مکہ مکرمہ آؤ تو زمعہ کی باندی (سریفہ) کا جو بیٹا ہے، وہ تم لے لینا، کیونکہ وہ زمعہ کا بیٹا نہیں ہے بلکہ میرا بیٹا ہے، چنانچہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو ان کو اپنے بھائی کی یہ وصیت یاد تھی، وہاں ان کو زمعہ کی باندی کا وہ لڑکا نظر آگیا اور اس کی شکل وصورت اور شباہت سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ ان کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص ہی کا بیٹا ہے، تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آگئے، کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے، میرا بھتیجا ہے، لہٰذا میں اس کا زیادہ حق دار ہوں۔

اُدھر زمعہ کا تو انتقال ہو چکا تھا، مگر زمعہ کے بیٹے عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ تھے، جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے، وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے آئے، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ میرا بھائی ہے اور میرے والد زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا ہے، لہٰذا میں اس کا زیادہ حق دار ہوں، بہر حال سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ دونوں میں اختلاف ہوا اور معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمعہ کی باندی (سریفہ) کے بیٹے کی طرف نظر کی، تو دیکھا کہ اس کا چہرہ عتبہ بن ابی وقاص کے بہت مشابہ تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **هُوَ لَكَ هُوَ أَخُوكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ** اے عبد بن زمعہ یہ تمہارے لیے ہے، یہ تمہارا بھائی ہے، (یہ فیصلہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ) **مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ** اس لیے کہ یہ بچہ زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا تھا۔

الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ: **حجر** کے ایک معنی پتھر کے ہیں اس صورت میں مطلب ہوگا کہ بچہ فراش کے لیے ہوتا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے، اسے سنگسار کیا جائے گا، اسی طرح **حجر** کے ایک معنی محرومی کے ہیں، یعنی بچے کا نسب اس شخص سے ثابت ہوگا جس کے بستر پر بچہ پیدا ہوا ہے اور زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا، بلکہ وہ ثبوت نسب سے محروم رہتا ہے، لہٰذا یہاں عتبہ بن ابی وقاص کے لیے نسب ثابت نہیں کیا گیا، کیونکہ اس باندی کا فراش اس کے آقا زمعہ کے لیے ثابت تھا۔

فراش کی اقسام مع احکام

فراش کی تین قسمیں ہیں: ❶ فراش ضعیف ❷ فراش متوسط ❸ فراش قوی۔

❶ **فراش ضعیف:** فراش ضعیف یہ ہے کہ کوئی باندی ہو اور آقا اس کے ساتھ ہمبستری کرے اور بچہ پیدا ہو، تو اس کا حکم

یہ ہے کہ آقا اگر اس کے نسب کو اپنے سے ثابت کرے گا تو بچہ اس کا سمجھا جائے گا لیکن اگر ثابت نہیں کرے گا تو بچہ اس کا نہیں سمجھا جائے گا۔

❷ **فراش متوسط:** فراش متوسط ام ولد کے فراش کو کہتے ہیں، باندی کے ایک بچے کا نسب جب آقا نے خود سے ثابت کر دیا تو وہ باندی اس کی ام ولد ہوگئی، اب ام ولد کے ہاں جب دوسرا یا تیرا بچہ پیدا ہوگا، تو اس کا نسب خود بخود آقا سے ثابت ہوتا چلا جائے گا، سوائے اس کے کہ آقا اس دوسرے یا تیسرے بچے کے نسب کی نفی کر دے تو اس کے نفی کرنے سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔

فراش ضعیف اور فراش متوسط میں فرق یہ ہے کہ فراش ضعیف میں نسب کا دعویٰ کرنا شرط ہے، اس کے بغیر بچے کا نسب ثابت نہیں ہوتا، جبکہ فراش متوسط میں دعویٰ شرط نہیں ہے، اس کے بغیر بھی نسب ثابت ہو جائے گا، البتہ آقا نسب کی نفی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

❸ **فراش قوی:** فراش قوی بیوی کا فراش ہے، بیوی کے ہاں جتنے بچے پیدا ہوں گے، ان کا نسب شوہر سے ہی ثابت ہوگا، اس میں شوہر کو اختیار نہیں ہے کہ کسی بچے کے نسب کی نفی کر دے، بلکہ سب بچوں کا نسب اس سے ثابت ہوگا، اس میں نہ دعویٰ شرط ہے اور نہ ہی نسب کی نفی کا اختیار ہے، البتہ اگر وہ نسب کی نفی کرے گا تو اس کو لعان کے معاملے سے گزرنا پڑے گا، یعنی پھر وہ عدالت جائے گا، وہاں لعان کے مکمل طریقے سے گزرنے کے بعد بیوی سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے گی، پھر کہیں جا کر نسب ختم ہوگا، البتہ اگر بیوی سے بچہ پیدا ہوا اور پھر اس کو طلاق دے دی ہو اور وہ بائنہ ہو کر اس کے نکاح سے خارج ہوگئی ہو، اب وہ اس کے بچے کی نفی کسی صورت نہیں کر سکتا، کیونکہ نسب کی نفی کے لیے لعان ضروری ہے اور لعان میاں، بیوی کے درمیان ہوتا ہے جبکہ وہ بیوی کو بائن کر چکا ہے، لہٰذا ایسے بچے کا نسب کسی حال میں منتفی نہیں ہو سکتا۔

اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ نسب ثابت کرنے کے لیے فراش کا ہونا ضروری ہے، اگرچہ ہر فراش کے الگ الگ احکام ہیں، لیکن اگر کسی درجے میں بھی فراش ثابت نہ ہو تو کسی صورت نسب ثابت نہیں ہو سکتا، لہٰذا یہاں عتبہ بن ابی وقاص سے نسب ثابت کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی، جبکہ زمعہ کے لیے اس باندی کا فراش ثابت تھا، اس لیے اس بچے کا فیصلہ عبد بن زمعہ کے حق میں کر دیا گیا۔

اِحْتَجِبِيْ مِنْهُ يَا سَوْدَةُ: آگے روایت میں ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زوجہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے سودہ! تم اس سے پردہ ہی کرنا۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں سے ہیں، یہ اس زمعہ بن قیس بن عبد شمس کی بیٹی اور عبد بن زمعہ کی بہن ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگرچہ اس بچے کا فیصلہ قانون شریعت

کے تحت عبد بن زمعہ کے حق میں کیا، اس لحاظ سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس لڑکے کی بہن ہوگئیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے سودہ! تم اس سے پردہ کرنا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ لِمَا رَاى مِنْ شَبَهِهِ عُتْبَةَ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ وجہ یہ تھی کہ اس بچے کی عتبہ بن ابی وقاص کے ساتھ بڑی مشابہت تھی، جس سے صاف معلوم ہورہا تھا کہ یہ بچہ حقیقت میں عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے اور اس کی صحبت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

یہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس بچے سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا، اس بارے میں ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم احتیاطاً دیا تھا، ورنہ جب وہ لڑکا عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ کا بھائی ہوگیا تو وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا بھی بھائی ہوگیا اور بھائی سے پردہ شرعاً فرض نہیں ہے، کیونکہ وہ محرم ہے، لیکن اس کے باوجود چونکہ اس کی عتبہ بن ابی وقاص سے مشابہت تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احتیاطاً یہ حکم ارشاد فرمایا۔ لیکن احناف فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچے کا نسب زمعہ سے ثابت نہیں کیا تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اسے عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: هُوَ لَكَ هُوَ أَخُوْكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ اے عبد بن زمعہ یہ تمہارے لیے ہے، یہ تمہارا بھائی ہے۔ چنانچہ بھائی ہونا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت کیا، مگر زمعہ کی بنوت یعنی زمعہ کا بیٹا ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت نہیں کیا، لہٰذا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بدستور اس کے لیے غیر محرم رہیں۔

تحميل النسب على الغير

یہ مسئلہ دراصل تحميل النسب على الغير کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے حق میں تو نسب ثابت کر سکتا ہے، لیکن کسی دوسرے کے حق میں نسب ثابت کرنے کی اسے اجازت نہیں ہے۔ مثلاً ایک آدمی کا انتقال ہوگیا، اس کے تین بیٹے ہیں، جب وراثت تقسیم ہونے لگی تو ایک بیٹے نے کہا کہ ہمارے والد نے ایک اور شادی کی تھی اور ان سے بھی ایک بیٹا ہوا تھا اور وہ فلاں جگہ میں رہتا ہے، لہٰذا وہ بھی اس وراثت میں شریک ہوگا، جبکہ باقی دو بھائی کہتے ہیں کہ نہیں، ہمیں تو علم نہیں ہے، ہم تو نہیں مانتے کہ وہ ہمارا بھائی ہے، تو جو بیٹا یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کا بیٹا ہے، اسے کہا جائے گا کہ کیونکہ تم نے یہ دعوی کیا ہے، اس لیے تمہارے لیے تو اخوت ثابت ہوجائے گی، لہٰذا تمہارا جو میراث کا حصہ بنتا ہے، اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، آدھا تم لوگے اور آدھا اسے دوگے، لیکن باقی جو دو بھائی ہیں، ان کو ان کا حصہ پورا پورا ملے گا، اس میں وہ چوتھا بھائی شریک نہیں ہوگا۔

تو احناف یہاں یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فیصلہ کیا تھا، وہ یہ نہیں تھا کہ زمعہ کے لیے بنوت ثابت ہوگئی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ کے لیے اخوت ثابت کی تھی، اس لیے کہ زمعہ تو موجود ہی نہیں تھا اور نہ ہی وہ دعوے دار تھا، چنانچہ جب زمعہ کے لیے بنوت ثابت نہیں ہوئی تو وہ زمعہ کا بیٹا نہ ہوا، جب زمعہ کا بیٹا نہ ہوا تو حضرت

سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی بھی نہ ہوا، جب بھائی ہی نہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **اِحْتَجِبِيْ مِنْهُ يَا سَوْدَةُ** اے سودہ! تم اس سے پردہ کرنا، اس لیے کہ یہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔ عبد بن زمعہ نے اگرچہ دعوی کیا اور اس کے دعوے کو قبول بھی کرلیا گیا ہے، لیکن یہ دعویٰ اگر زمعہ کرتا تو بنوت ثابت ہوجاتی اور تم بھی اس کی بہن ہوجاتی لیکن یہ دعویٰ زمعہ نہیں کررہا، بلکہ اس کا بیٹا کررہا ہے، اس سے بنوت ثابت نہیں ہوگی، البتہ زیادہ سے زیادہ صرف اس کے حق میں اخوت ثابت ہوجائے گی۔ روایت میں بھی اس توجیہ کی طرف صاف اشارہ موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **هُوَ لَكَ هُوَ أَخُوكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ** آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ زمعہ کا بیٹا ہے بلکہ یہ کہا کہ اے عبد بن زمعہ! یہ تمہارے لیے ہے اور تمہارا بھائی ہے، یعنی تمہارا یہ دعویٰ تمہاری حد تک قبول ہے، لیکن زمعہ کا بیٹا ہونا اس وقت ثابت ہوتا جب زمعہ کی طرف سے دعویٰ پایا جاتا اور وہ یہاں نہیں پایا گیا، لہٰذا اس کا زمعہ کا بیٹا ہونا اور اس کے نتیجے میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہونا ثابت نہیں ہوا، اس لیے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے اس سے پردہ بدستور فرض ہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس سے پردے کا حکم وجوبی طور پر دیا تھا، یہ محض احتیاطی حکم نہیں تھا۔

باندی سے ہونے والے بچے کا نسب

پھر یہاں ایک اور فقہی مسئلہ یہ ہے کہ باندی سے جو بچہ پیدا ہوگا، آیا اس کا نسب ثابت ہونے کے لیے دعویٰ شرط ہے یا نہیں ہے؟ تو احناف کے نزدیک دعویٰ شرط ہے، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دعویٰ شرط نہیں ہے، اس لیے وہ یہاں کہتے ہیں کہ زمعہ کا دعویٰ نہیں تھا، پھر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے بنوت ثابت کردی۔

احناف کہتے ہیں کہ بنوت ثابت ہی نہیں ہوئی، صرف عبد بن زمعہ کے حق میں اس کے دعوے کی وجہ سے اخوت ثابت ہوئی ہے۔ پھر احناف شافعیہ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ آپ کے نزدیک بھی بغیر دعوے کے باندی کے بچے کا نسب اس وقت ثابت ہوتا ہے جبکہ وہ محصنہ ہو، جبکہ روایات سے ثابت ہے کہ زمعہ اپنی باندی سے پیشہ کرواتا تھا، لہٰذا وہ محصنہ ہی نہیں تھی، جب محصنہ نہیں تھی تو آپ کے نزدیک بھی محض اس کے بستر پر پیدا ہونے کی وجہ سے نسب ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ غیر محصنہ میں آپ کے نزدیک بھی آقا کی طرف سے دعویٰ شرط ہے۔

یہ خلاصہ عرض کردیا گیا، عام طور پر اس پر تفصیلی بحث کتاب العتق اور کتاب النسب میں کی جاتی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ

أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ امْرَأَةً سَرَقَتْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ

عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں غزوۂ فتح (مکہ) کے موقع پر ایک عورت نے چوری کر لی،

الْفَتْحِ فَفَزِعَ قَوْمُهَا إِلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ يَسْتَشْفِعُونَهُ قَالَ عُرْوَةُ فَلَمَّا كَلَّمَهُ أُسَامَةُ فِيهَا

اس عورت کی قوم گھبرائی ہوئی اسامہ بن زید کے پاس آئی تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی سفارش کردیں (کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے)۔ عروہ فرماتے ہیں کہ جب اسامہ نے اس کے

تَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَ تُكَلِّمُنِيْ فِيْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللهِ
بارے میں نبی کریم ﷺ سے گفتگو کی تو غصہ کی وجہ سے آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھ سے اللہ کی قائم کی ہوئی حد کے بارے میں سفارش

قَالَ أُسَامَةُ اسْتَغْفِرْ لِيْ يَا رَسُولَ اللهِ فَلَمَّا كَانَ الْعَشِيُّ قَامَ رَسُولُ اللهِ خَطِيبًا فَأَثْنٰى عَلَى اللهِ
کرنے آئے ہو، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ میرے لیے دعاء مغفرت کیجئے، پھر جب شام ہوئی تو نبی کریم ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے،

بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ النَّاسَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ
اللہ تعالیٰ کی اس کی شان کے مطابق حمد وثناء کرنے کے بعد فرمایا: امابعد! تم میں سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ اگر ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا

الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ
تو اسے چھوڑ دیتے لیکن اگر کوئی کمزور چوری کر لیتا تو اس پر حد قائم کرتے اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے،

لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا ثُمَّ أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کر لے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹوں گا، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس عورت کے بارے میں حکم دیا

بِتِلْكَ الْمَرْأَةِ فَقُطِعَتْ يَدُهَا فَحَسُنَتْ تَوْبَتُهَا بَعْدَ ذٰلِكَ وَتَزَوَّجَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَتْ تَأْتِيْ
اور ان کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر اس عورت نے صدق دل سے توبہ کر لی اور شادی بھی کر لی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بعد میں وہ میرے یہاں آتی تھیں اور انہیں

بَعْدَ ذٰلِكَ فَأَرْفَعُ حَاجَتَهَا إِلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
کوئی ضرورت ہوتی تو میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے وہ ضرورت پیش کر دیتی

أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: یہ حدیث بظاہر مرسل ہے کیونکہ اسے روایت کرنے والے عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو تابعی ہیں اور وہ بغیر کسی صحابی کے واسطے کے روایت نقل کر رہے ہیں، لیکن حدیث کے آخری حصہ **قَالَتْ عَائِشَةُ** سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ حدیث عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی ہے۔

حدود زواجر ہیں

أَنَّ امْرَأَةً سَرَقَتْ: اس حدیث میں واقعہ مذکور ہے کہ ایک خاتون نے چوری کی تھی، ان کا نام فاطمہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا تھا اور یہ چوری کا واقعہ فتح مکہ کے موقع پر پیش آیا، اسی مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث یہاں ذکر فرمائی ہے، ورنہ اس حدیث کا تعلق کتاب الحدود سے ہے، وہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے۔

مسند احمدؒ کی روایت میں ہے کہ اس عورت نے خود آپ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آج تو ایسی ہے جیسے اس دن تھی جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اقامت حدود معاصی کے لئے کفارہ نہیں ہیں بلکہ حدود سے مقصود زجر و توبیخ اور انسداد جرائم ہے، اس لئے اگر کسی جرم کی وجہ سے کسی پر حد قائم کی جائے تب بھی گناہ کی معافی کے لئے توبہ ضروری ہے جیسا کہ کتاب الحدود کی روایت میں اضافہ ہے فتابت و حسنت توبتها کہ اس عورت نے حد قائم ہونے کے بعد توبہ بھی کی۔ نیز اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ حدود اللہ میں شفارش کرنا جائز نہیں۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ قَالَ

حَدَّثَنِيْ مُجَاشِعٌ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَخِيْ بَعْدَ الْفَتْحِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

حضرت مجاشعؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بھائی (مجالد) کو لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اسے اس لیے لے کر

جِئْتُكَ بِأَخِيْ لِتُبَايِعَهُ عَلَى الْهِجْرَةِ قَالَ ذَهَبَ أَهْلُ الْهِجْرَةِ بِمَا فِيْهَا فَقُلْتُ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ

حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ ہجرت پر اس سے بیعت لے لیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہجرت کرنے والے اس کی فضیلت وثواب کو حاصل کر چکے، تو میں نے عرض کیا کہ پھر آپ

تُبَايِعُهُ قَالَ أُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْإِيْمَانِ وَالْجِهَادِ فَلَقِيْتُ أَبَا مَعْبَدٍ بَعْدُ وَكَانَ أَكْبَرَهُمَا

اس سے کس چیز پر بیعت لیں گے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان، اسلام اور جہاد پر۔ ابوعثمان فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد میری ملاقات معبد سے ہوئی، وہ دونوں بھائیوں

فَسَأَلْتُهُ　فَقَالَ　صَدَقَ　مُجَاشِعٌ

سے بڑے تھے، میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجاشع نے سچ کہا

یہ روایت اور آگے جو روایات آرہی ہیں، ان کا پس منظر یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہر مسلمان پر ہجرت فرض تھی، ہر عاقل، بالغ صحت مند مسلمان کے ذمے یہ بات فرض تھی کہ وہ اسلام لانے کے بعد مکہ مکرمہ چھوڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ جائے، چنانچہ اگر وہ بغیر کسی عذر شرعی کے مکہ مکرمہ میں ہی رہتا تو سخت گناہ گار ہوتا، فتح مکہ سے پہلے تک یہی حکم تھا لیکن جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمادیا: **لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ** اب فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہے، یعنی اب ہجرت فرض نہیں ہے، چنانچہ آگے تمام روایتوں میں قدرے مشترک مضمون یہی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد وہ فرض ہجرت ختم ہو گئی، جو فتح مکہ سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں فرض ہوتی تھی، البتہ ہجرت کی دو قسمیں اب بھی باقی ہیں: ❶ ایک ہجرت واجبہ ❷ اور دوسری ہجرت مستحبہ۔

مثال کے طور پر کوئی شخص کسی ایسے علاقے میں رہتا ہے، جہاں اس کے لیے نماز پڑھنا، با جماعت نماز ادا کرنا، روزہ رکھنا، زکوۃ دینا، داڑھی رکھنا یا اسلام کے شعائر اختیار کرنا ممکن نہیں ہے، جان، مال ہر وقت خطرے میں ہے، ایسی صورت میں وہ علاقہ چھوڑ کر کسی قریبی علاقے میں منتقل ہو جانا کہ جہاں اطمینان سے فرائض وواجبات ادا کر سکے، یہ آدمی کے ذمے بعض صورتوں میں واجب ہے اور بعض صورتوں میں مستحب ہے۔ الغرض، ہجرت واجبہ اور ہجرت مستحبہ اب بھی ہو سکتی ہے، لیکن جو ہجرت فرض عین تھی ہر مسلمان پر وہ ہجرت منسوخ ہو گئی ہے۔

ذَهَبَ أَهْلُ الْهِجْرَةِ بِمَا فِيْهَا: مطلب یہ ہے کہ مدینہ کی طرف ہجرت کے جو فضائل تھے وہ سارے فضائل جن لوگوں نے پہلے ہجرت کی وہ لے جا چکے اب فتح مکہ کے بعد ہجرت کرنے پر وہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

فَلَقِيْتُ أَبَا مَعْبَدٍ: بخاری شریف کے بعض نسخوں میں **أَبَا مَعْبَدٍ** ہے اور بعضوں میں **مَعْبَدًا** ہے لیکن شراح نے **أَبَا مَعْبَدٍ** والے نسخہ کو اصح قرار دیا ہے، ابو معبد حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی مجالد رضی اللہ عنہ کی کنیت تھی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ

عَنْ مُجَاشِعِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ انْطَلَقْتُ بِأَبِي مَعْبَدٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُبَايِعَهُ عَلَى

حضرت مجاشع بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بھائی ابومعبد کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا تاکہ آپ اس سے ہجرت پر بیعت کر لیں،

الْهِجْرَةِ قَالَ مَضَتِ الْهِجْرَةُ لِأَهْلِهَا أُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَ الْجِهَادِ فَلَقِيتُ أَبَا مَعْبَدٍ فَسَأَلْتُهُ

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت کا ثواب تو ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ختم ہو چکا، البتہ میں اسلام اور جہاد پر بیعت لیتا ہوں۔ ابوعثمان فرماتے ہیں کہ پھر میں ابومعبدؓ سے ملا

فَقَالَ صَدَقَ مُجَاشِعٌ وَقَالَ خَالِدٌ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ مُجَاشِعٍ أَنَّهُ جَاءَ بِأَخِيهِ مُجَالِدٍ

اور ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجاشع نے ٹھیک کہا اور خالد حذاء ابوعثمان سے اور وہ مجاشعؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے بھائی مجالد کو لے کر آئے تھے

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ

عَنْ مُجَاهِدٍ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُهَاجِرَ إِلَى الشَّامِ قَالَ لَا هِجْرَةَ

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں ملک شام کی طرف ہجرت کروں، تو انہوں نے فرمایا کہ اب ہجرت باقی نہیں رہی،

وَلٰكِنْ جِهَادٌ فَانْطَلِقْ فَاعْرِضْ نَفْسَكَ فَإِنْ وَجَدْتَّ شَيْئًا وَ إِلَّا رَجَعْتَ

جہاد ہی باقی رہ گیا ہے، اس لیے جاؤ اور خود کو پیش کرو، اگر تم نے کچھ پا لیا تو بہتر ورنہ واپس آ جانا

وَقَالَ النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ فَقَالَ لَا هِجْرَةَ

نضر فرماتے ہیں کہ ہمیں شعبہ نے اور انہیں ابوبشر نے اور انہوں نے مجاہد سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا تو انہوں نے کہا کہ اب ہجرت باقی

الْيَوْمَ أَوْ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ

نہیں رہی یا (فرمایا کہ) رسول اللہ ﷺ کے بعد پھر ہجرت کہاں رہی

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ عَبْدَةَ بْنِ أَبِي لُبَابَةَ

عَنْ مُجَاهِدِ بْنِ جَبْرٍ الْمَكِّيِّ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقُولُ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ

حضرت مجاہد بن جبر مکی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الْأَوْزَاعِيُّ

عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ زُرْتُ عَائِشَةَ مَعَ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ فَسَأَلَهَا عَنِ الْهِجْرَةِ فَقَالَتْ

حضرت عطا بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں عبید بن عمیر کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، تو عبید نے ان سے ہجرت کا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا

لَا هِجْرَةَ الْيَوْمَ كَانَ الْمُؤْمِنُ يَفِرُّ أَحَدُهُمْ بِدِينِهِ إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُولِهِ مَخَافَةَ أَنْ يُّفْتَنَ عَلَيْهِ

کہ اب ہجرت باقی نہیں رہی، پہلے مسلمان اپنا دین بچانے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پناہ لینے کے لیے آتے تھے، اس خوف سے کہ کہیں دین کی وجہ سے فتنہ میں نہ

فَأَمَّا الْيَوْمَ فَقَدْ أَظْهَرَ اللهُ الْإِسْلَامَ فَالْمُؤْمِنُ يَعْبُدُ رَبَّهُ حَيْثُ شَاءَ وَ لٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ

پڑ جائیں اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا ہے تو مسلمان جہاں بھی چاہے اپنے رب کی عبادت کر سکتا ہے، تو اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے

عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ زُرْتُ عَائِشَةَ مَعَ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ : حضرت عطا ابن ابی رباح رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں عبید بن عمیر رحمہ اللہ علیہ کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گیا اور ہجرت کے بارے میں پوچھا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اب ہجرت نہیں ہے اور اس بات کی وضاحت یوں کی کہ **كَانَ الْمُؤْمِنُ يَفِرُّ أَحَدُهُمْ بِدِينِهِ إِلَى**

اللّٰہِ وَإِلَى رَسُوْلِہٖ پہلے مومن اپنے دین کو لے کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بھاگا کرتا تھا، مَخَافَةَ أَنْ يُّفْتَنَ عَلَيْهِ اس ڈر سے کہ کہیں اسے آزمائش میں نہ ڈال دیا جائے، فَأَمَّا الْيَوْمَ فَقَدْ أَظْهَرَ اللّٰهُ الْإِسْلَامَ اب جبکہ اللہ نے دین اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے تو مومن اپنے پروردگار کی عبادت جہاں چاہے کر سکتا ہے، لہٰذا اب وہ ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔

جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اس بات کی نیت رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کام فرض ہوگا تو میں وہ انجام دوں گا، اگر پھر کبھی دوبارہ ہجرت کی ضرورت پیش آ گئی تو دوبارہ ہجرت کروں گا، جہاد کی ضرورت پیش آئی تو جہاد کروں گا اور جو بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا اس پر عمل کرتا رہوں گا، یہ نیت قیامت تک باقی رہے گی۔

خلاصۂ کلام

ان حدیثوں کی روشنی میں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہ حکم صرف مکہ سے ہجرت کے متعلق ہے، چونکہ فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ دارالاسلام بن گیا، اس لئے مکہ معظّمہ سے ہجرت کا حکم ختم ہو گیا، لیکن مسلمانوں کے لئے کسی بھی ملک میں اگر مکہ جیسے حالات پیدا ہو جائیں تو دار الحرب سے ہجرت کا حکم قیامت تک باقی رہے گا، شرط یہ ہے کہ ہجرت کا مقصد دین کی حفاظت و بقاء اور اصلاح ہو۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ حَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ

عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَكَّةَ

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا، اسی دن سے

يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فَهِيَ حَرَامٌ بِحَرَامِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ

اس نے مکہ کو حرمت والا شہر قرار دے دیا تھا، تو یہ شہر اللہ کے حکم کے مطابق قیامت تک حرمت والا رہے گا، جو مجھ سے پہلے کبھی کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے

وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِيْ وَلَمْ تَحْلِلْ لِيْ قَطُّ إِلَّا سَاعَةً مِّنَ الدَّهْرِ لَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا يُعْضَدُ

حلال ہوگا اور میرے لیے بھی صرف ایک گھڑی کے لیے حلال ہوا تھا، یہاں حدود حرم میں شکار کے قابل جانور نہ چھیڑے جائیں، یہاں کے کانٹے دار درخت نہ کاٹے جائیں،

شَوْكُهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا وَلَا تَحِلُّ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ فَقَالَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

نہ ہی یہاں کی گھاس اکھاڑی جائے اور یہاں پر گری پڑی چیز اس شخص کے سوا جو اعلان کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور کسی کے لیے اٹھانی جائز نہیں، تو عباس بن عبد المطلب رضی اللہ نے

إِلَّا الْإِذْخِرَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَإِنَّهُ لَا بُدَّ مِنْهُ لِلْقَيْنِ وَالْبُيُوْتِ فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّهُ

عرض کیا: یارسول اللہ! اذخر (گھاس) کی اجازت دے دیجئے کیونکہ سناروں کے لیے اور مکانات (کی تعمیر وغیرہ) کے لیے یہ ضروری ہے، تو آپ ﷺ خاموش ہو گئے پھر فرمایا

حَلَالٌ وَعَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الْكَرِيْمِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِمِثْلِ هٰذَا أَوْ نَحْوِ

کہ اذخر کا (کاٹنا) حلال ہے۔ اور ابن جریج عبدالکریم سے روایت کرتے ہیں اور وہ عکرمہ سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کرتے ہیں

هٰذَا رَوَاهُ أَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی نبی کریم ﷺ سے ایسے ہی روایت کی ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث یہاں مرسلاً ذکر فرمائی ہے کیونکہ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اور وہ بغیر کسی صحابی کے واسطے کے روایت نقل فرما رہے ہیں البتہ یہی روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحج اور کتاب الجهاد میں موصولاً عن مجاهد عن طاؤس عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذکر فرمائی ہے۔

لَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا: حرم کے شکار کو بھگایا نہیں جا سکتا، یعنی شکار کرنا تو جائز نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ کوئی آدمی شکار کو بھگائے اور بھگا کر یہ چاہے کہ جب یہ حرم سے نکل جائے گا تو میں اس کا شکار کرلوں گا۔

وَلَا يُعْضَدُ شَوْكُهَا: اور اس کا کانٹا بھی نہ توڑا جائے، حرم مکی کی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ شان بیان کی ہے کہ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا یعنی حرم میں ہر ایک کو امن حاصل ہے، یہاں تک کہ حرم کے کانٹوں کو بھی امن دیا گیا ہے۔

وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا: خلا سے مراد خودرو گھاس ہے جو خود بخود اُگتی ہے اس کو اُکھاڑنا بھی جائز نہیں ہے۔

وَلَا تَحِلُّ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ: اور اس میں کوئی شخص اگر لقطہ چھوڑ کر چلا گیا تو دوسرے کے لئے اٹھانا جائز نہیں ہے مگر سوائے اس شخص کے کہ جو اعلان کرلے، معلومات کرلے کہ یہ کس کی چیز رہ گئی ہے تو اعلان کرنے والے کے علاوہ کسی اور کے لئے لقطہ اٹھانا بھی حلال نہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لقطہ کا تو حرم کے علاوہ بھی یہی حکم ہے، یعنی حرم سے باہر بھی اگر کسی کو کوئی لقطہ ملے تو حکم یہی ہے کہ اعلان کرنے والے کے علاوہ کسی اور کے لئے لقطہ اٹھانا حلال نہیں، تو پھر یہ خاص طور سے حرم کے بارے میں کیوں ارشاد فرمایا گیا ہے؟

فقہاء کرام نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں، جن کا خلاصہ اور صحیح توجیہ یہ ہے کہ یہ مقصد نہیں ہے کہ یہ حکم حرم کے ساتھ خاص ہے، بلکہ خاص طور سے حرم میں اس کی اہمیت زیادہ ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حرم میں اس کی اہمیت زیادہ ہے، اس لئے کہ حرم میں عام طور سے لوگ باہر یعنی بیرونِ مکہ مکرمہ سے آتے ہیں، کوئی حج کرنے آتا ہے، کوئی عمرہ کرنے آیا تو تقریباً سب ہی مسافر ہوتے ہیں، ان کا مستقل کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا، اگر ان کی کوئی چیز کہیں گم ہو جائے تو ایک تو یہ کہ ان کو بنسبت مقیم لوگوں کے پریشانی زیادہ ہوگی، دوسرا یہ کہ عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ جب آدمی کا کوئی سامان گم ہو جائے، تو جو مسافر آدمی ہے اس کو اور جگہوں کا تو پتہ نہیں ہوتا کہ کہاں جا کر تلاش کرے اس لئے وہ لوٹ کر وہیں جائے گا جہاں اس نے چھوڑا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی چیز ملے تو اسے وہاں سے مت اٹھاؤ، بلکہ وہیں چھوڑ دو کیونکہ تلاش کرنے والا کبھی نہ کبھی تلاش کرتے ہوئے وہاں آئے گا اور اسے وہ چیز مل جائے گی۔ البتہ جہاں یہ خیال ہو کہ وہ لوٹ کر نہیں آئے گا، یا کوئی چیز بہت دیر سے پڑی ہوئی ہو اور کوئی اسے لینے نہ آرہا ہو، تو پھر اعلان کی غرض سے اٹھایا جا سکتا ہے، تو حکم اگرچہ عام ہے، حرم اور غیر حرم دونوں میں یکساں ہے، لیکن حرم میں اس

کی اہمیت زیادہ ہے اور ضروری ہے کہ اس میں زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم **وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا** بیان فرمایا کہ اس کی خودرو گھاس کو نہ اکھاڑا جائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ **إِلَّا الْإِذْخِرَ يَا رَسُوْلَ اللهِ** اے اللہ کے رسول! اس حکم سے **اذخر** کو مستثنٰی فرما دیجئے، **فَإِنَّهُ لَا بُدَّ مِنْهُ لِلْقَيْنِ وَالْبُيُوْتِ** کیونکہ **اذخر** کی لوہار کو ضرورت ہوتی ہے اور گھروں میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ **فَسَكَتَ** یہ بات سن کر تھوڑی دیر کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، پھر فرمایا: **إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّهُ حَلَالٌ** کہ ٹھیک ہے **اذخر** حلال ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف حلت وحرمت کی نسبت

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض روایتوں میں حلت اور حرمت کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف فرمائی ہے کہ میں حلال کرتا ہوں میں حرام کرتا ہوں، تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال وحرام کرنے کا اختیار تھا یا اختیار نہیں تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کی حلت یا حرمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نص آجاتا تھا تو وہاں پر تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی اختیار نہیں ہوتا تھا بلکہ جو اللہ تعالیٰ نے حکم فرما دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی کے مطابق حکم دیتے تھے، اسی طرح اگر اس حکم کے بارے میں نص آنے کی توقع ہوتی تھی کہ اس بارے میں کوئی حکم آجائے گا تو اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی بات اپنی طرف سے ارشاد نہیں فرماتے تھے، بلکہ انتظار فرماتے اور جب حکم آجاتا تو اسے بیان فرما دیتے تھے، لیکن جہاں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتی تھیں کہ نہ تو کوئی نص آئی اور نہ ہی فی الحال اس کی توقع ہے، تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اجتہاد سے بعض احکام نافذ فرما دیتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ اجتہاد بھی وحی ہی میں شمار ہوگا، کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی حکم اپنے اجتہاد سے نافذ فرمایا اور اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں آئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی تقریر فرما دی، لہٰذا اس کا درجہ بھی وہی ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ حکم کا ہوتا ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ إِلٰى قَوْلِهِ: غَفُورٌ رَحِيمٌ

باب: اللہ تعالیٰ کا فرمان: اور (خاص طور پر) حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا، مگر وہ کثرت تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رخ موڑ لیا، پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد غَفُورٌ رَحِيمٌ تک۔

حنین، مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، یہاں عرب کے دو مشہور قبیلے ہوازن اور ثقیف آباد تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ فتح کیا تو ان دو قبیلوں نے باہمی مشورہ کیا کہ فتح مکہ کے بعد اب ہماری باری ہے، تو اس سے پہلے کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہوں ہمیں پیش قدمی کر کے ان پر حملہ کر دینا چاہئے،

مالک بن عوف نضری جو بعد میں مسلمان ہو گئے، اس وقت مسلمانوں کے خلاف حملے کا سب سے زیادہ جوش ان ہی میں تھا، چنانچہ انہوں نے تمام ہوازن اور ثقیف کو جمع کیا، ہوازن کی دو جماعتوں بنی کعب اور بنی کلاب میں سے کوئی شخص شریک نہیں ہوا، قبیلہ بنی جشم کے سردار درید بن صمہ کو بھی مشیر کی حیثیت سے لشکر میں لایا گیا تاکہ جنگی امور میں اس کی مہارت سے فائدہ اٹھایا جاسکے، درید بن صمہ مشہور شاعر اور میدان جنگ کو سمجھنے میں غیر معمولی صلاحیت کا مالک تھا، اس وقت اس کی عمر سو سال سے زیادہ ہوگئی تھی، جب یہ لوگ نہایت جوش وخروش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے مقابلہ کے لئے روانہ ہونے لگے، تو مالک بن عوف نے سب کو تاکید کی کہ ہر شخص کے اہل وعیال جنگ میں اس کے ساتھ رہیں تاکہ خوب جم کر مقابلہ کریں اور کوئی شخص اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر بھاگ نہ سکے، چنانچہ بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا، میدان جنگ میں پہنچ کر درید نے دریافت کیا کہ یہ بچوں کے رونے کی آواز کیسی آرہی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ بچے اور عورتیں ساتھ آئی ہیں تاکہ ہر شخص بہادری سے لڑے اور کوئی مڑ کر نہ بھاگے، اس پر درید نے کہا کہ جنگ میں صرف نیزہ اور تلوار کام آتی ہے، اگر جنگ میں فتح ہوئی تو اہل وعیال لانے کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر شکست ہوئی تو بچوں اور عورتوں کی وجہ سے اور بھی زیادہ دقت ہوگی، اس لیے میرا یہ مشورہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو لشکر کے پیچھے رکھا جائے، لیکن مالک بن عوف نے یہ رائے بالکل پسند نہیں کی اور کہا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عقل بے کار ہو چکی ہے اور درید بن صمہ کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔

آنحضرت ﷺ کو جب ان حالات کی اطلاع پہنچی تو آپ نے عبداللہ بن حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو تحقیق کے لئے بھیجا، انہوں نے واپس آ کر خبر دی کہ ہوازن اور ثقیف بڑی زبردست شان وشوکت کے ساتھ ہزاروں کا لشکر لے کر آئے

ہیں، ان کی عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہیں اور اس لشکر میں اونٹ، بکریاں اور گائے بھی ہیں، یہ سن کر آپ ﷺ نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا: تلك غنيمة المسلمين غداً ان شاء الله جو کچھ سامان انہوں نے اکٹھا کیا ہوا ہے یہ کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا ان شاء اللہ۔ بہر حال حضور اکرم ﷺ نے بھی مقابلہ کے لیے تیاریاں کیں، صفوان بن امیہ سے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، سو ۱۰۰ زرہیں مع ساز و سامان مستعار لیں اور بروز ہفتہ، ۶ شوال سن ۸ ہجری کو بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ سے حنین کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ اسلامی غزوات کا پہلا لشکر تھا جو اتنی بڑی تعداد اور اس جاہ و جلال کے ساتھ حنین کی جانب بڑھ رہا تھا، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: لن تغلب اليوم من قلة آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔ اس جملہ میں ایک گونہ فخر و اعجاب کا شائبہ تھا، اس لیے بارگاہ خداوندی میں یہ بات ناپسند ہوئی، اسی کی طرف اشارہ کر کے قرآن نے کہا: وَيَوۡمَ حُنَيۡنٍ إِذۡ أَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنكُمۡ شَيۡـًٔا۔ اسلامی لشکر پیر کی شام وادی حنین پہنچا، مالک بن عوف نے اپنی فوج حنین کی دونوں جانب کمین گاہوں میں بٹھا دی تھی اور ان کو ہدایت کردی تھی کہ اپنی تلواروں کے نیام توڑ کر پھینک دو اور جب لشکر اسلام ادھر سے گزرے تو سب مل کر حملہ کر دو، چنانچہ جب لشکر اسلام صبح کے وقت وادیٔ حنین سے گزرنے لگا، تو ہوازن اور ثقیف کے بیس ہزار نوجوانوں نے مل کر تلواروں اور تیروں سے مسلمان فوج پر زبردست حملہ کر دیا، اس ناگہانی حملہ سے لشکر اسلام منتشر اور تتر بتر ہو گیا، صرف چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ رہ گئے، جن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت اسامہ بن زید اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خچر کی لگام اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ رکاب پکڑے ہوئے تھے، گھمسان کی جنگ میں آپ ﷺ سواری سے اترے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا: انا النبي لا كذب انا ابن عبد المطلب۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بلند آواز والے تھے، تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو، انہوں نے بآواز بلند پکارا: يا معشر الانصار يا اصحاب السمرة اے جماعت انصار! اے کیکر کے درخت والو! یہ آواز جوں ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنی، سب دیوانہ وار پلٹے اور آ کر رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے حملہ کا حکم دیا اور مٹی ہاتھ میں لے کر کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا: شاهت الوجوه چنانچہ کفار میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا جس کی آنکھ میں اس مشت خاک کا غبار نہ پہنچا ہو، دشمن کے قدم اکھڑ گئے، ان کے ستر آدمی مارے گئے، بہت سے قیدی بنا لیے گئے اور کچھ بھاگ کر اوطاس اور طائف میں جا کر پناہ گزیں ہوئے، طائف کی طرف بھاگنے والوں میں مالک بن عوف بھی تھا، جبکہ درید بن صمہ اوطاس کی طرف جانے والوں میں شامل تھا۔

روایات میں آتا ہے کہ ہوازن کی شکست سے کچھ ہی پہلے ایک سیاہ چادر آسمان سے اترتی دیکھی گئی، وہ چادر مسلمانوں اوران کے دشمنوں کے مابین آکر گری اوراس میں سے سیاہ چیونٹیاں نکلیں اور وہ تمام وادی میں پھیل گئیں، درحقیقت وہ ملائکہ تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی نصرت تھی، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ

أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ رَأَيْتُ بِيَدِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى ضَرْبَةً قَالَ ضُرِبْتُهَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى

اسماعیل بن ابی خالد فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کے ہاتھ میں زخم کا نشان دیکھا، انہوں نے بتایا کہ یہ زخم اس وقت آیا تھا جب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ قُلْتُ شَهِدْتَ حُنَيْنًا؟ قَالَ قَبْلَ ذٰلِكَ

غزوۂ حنین میں شریک ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ حنین میں شریک تھے؟ انہوں نے کہا کہ میں اس سے پہلے بھی کئی غزوات میں شریک ہو چکا ہوں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ

سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا عُمَارَةَ أَتَوَلَّيْتَ يَوْمَ حُنَيْنٍ؟ فَقَالَ

ابواسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے براء رضی اللہ عنہ سے سنا، ان کے یہاں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ اے ابوعمارہ! کیا تم نے حنین کی لڑائی میں پیٹھ پھیر لی تھی؟ تو انہوں نے کہا

أَمَّا أَنَا فَأَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَمْ يُوَلِّ وَلٰكِنْ عَجِلَ سَرَعَانُ الْقَوْمِ

کہ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے۔ البتہ جو لوگ قوم میں جلد باز تھے، انہوں نے اپنی جلد بازی کی تھی،

فَرَشَقَتْهُمْ هَوَازِنُ وَ أَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ آخِذٌ بِرَأْسِ بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ يَقُولُ

تو قبیلہ ہوازن والوں نے ان پر تیر برسائے۔ ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے سفید خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور نبی کریم ﷺ فرما رہے تھے

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں نبی ہوں اس میں بالکل جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ

قِيلَ لِلْبَرَاءِ وَأَنَا أَسْمَعُ أَوَلَّيْتُمْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ؟ فَقَالَ أَمَّا النَّبِيُّ

ابواسحاق فرماتے ہیں کہ براء بن عازبؓ سے پوچھا گیا اور میں سن رہا تھا کہ تم لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ حنین میں پیٹھ پھیر لی تھی؟ تو فرمایا کہ جہاں تک آپ ﷺ کا

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا كَانُوا رُمَاةً فَقَالَ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

تعلق ہے تو آپ نے پیٹھ نہیں پھیری تھی۔ ہوازن والے تیرانداز تھے، آپ نے اس موقع پر فرمایا کہ میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں

يَا أَبَا عُمَارَةَ أَتَوَلَّيْتَ يَوْمَ حُنَيْنٍ؟ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے کسی نے کہا کہ اے ابوعمارہ! کیا آپ حنین والے دن بھاگ گئے تھے؟ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے عجیب جواب ارشاد فرمایا کہ یہ مت پوچھو کہ میں بھاگا تھا یا نہیں، بلکہ حضور ﷺ کا عمل دیکھو، آپ ﷺ ہرگز نہیں بھاگے تھے بلکہ اپنی جگہ ثابت قدم رہے تھے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ ہم نہیں بھاگے، بلکہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پشت نہیں پھیری تھی، وجہ اس کی یہ تھی کہ اگر علی العموم کہہ دیتے کہ ہاں ہم بھاگ گئے تھے، تو اس میں بے ادبی کا شائبہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے بھی پشت پھیری تھی، دوسری روایت میں یہی سوال صیغہ جمع کے ساتھ ہے **أَوَلَّيْتُمْ مَعَ**

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ؟ تیسری روایت أَفَرَرْتُمْ بھی جمع کے صیغے کے ساتھ ہے، ان روایتوں سے شبہ ہوتا ہے کہ سائل پیچھے ہٹنے والوں میں حضور اکرم ﷺ کو شامل سمجھ رہا ہے، اس لیے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے واضح فرما دیا کہ لوگ تو منتشر ہوئے اور فرار پایا گیا تھا، لیکن حضور ﷺ اس میں شامل نہیں تھے، یہ بھی ممکن ہے کہ قرآن کی آیت ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ سے عموم سمجھ کر سائل نے یہ سوال کیا ہو۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ تولی یوم الزحف تو سبع موبقات میں داخل ہے اور گناہ کبیرہ ہے، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ فعل کیسے سرزد ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اچانک تیروں کی بوچھاڑ ہوئی تو جو مؤلفة القلوب مکہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے اور ان کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی، وہ اس کی تاب نہ لا سکے اور پیچھے کی طرف بھاگے اس کا اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی پڑا اور وہ بھی منتشر ہو گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھاگے نہیں تھے، بلکہ صرف افراتفری کی کیفیت تھی، جیسا کہ آگے آنے والی روایت میں وارد ہوا ہے: كانت للمسلمين جولة چنانچہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آواز لگائی اور ان کو پکارا تو وہ فوراً واپس آ گئے، دوسری بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ فرار جب ہوتا ہے، جب سپہ سالار فرار اختیار کرے اور یہاں آپ ﷺ نے فرار اختیار نہیں کیا تھا۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ

سَمِعَ الْبَرَاءَ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ مِّنْ قَيْسٍ أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَّسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ

ابواسحاق فرماتے ہیں کہ انہوں نے براء رضی اللہ عنہ سے سنا اور ان سے قبیلہ قیس کے ایک آدمی نے پوچھا کہ کیا تم لوگ نبی کریم ﷺ کو غزوہ حنین میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟

حُنَيْنٍ؟ فَقَالَ لٰكِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَفِرَّ كَانَتْ هَوَازِنُ رُمَاةً وَإِنَّا لَمَّا

انہوں نے کہا: لیکن نبی کریم ﷺ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے۔ قبیلہ ہوازن کے لوگ تیرانداز تھے، جب ان پر

حَمَلْنَا عَلَيْهِمُ انْكَشَفُوا فَأَكْبَبْنَا عَلَى الْغَنَائِمِ فَاسْتُقْبِلْنَا بِالسِّهَامِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ

ہم نے حملہ کیا تو وہ پسپا ہو گئے پھر ہم لوگ مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔ آخر ہمیں ان کے تیروں کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے خود دیکھا تھا

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ وَإِنَّ أَبَا سُفْيَانَ اٰخِذٌ بِزِمَامِهَا وَهُوَ يَقُولُ

کہ نبی کریم ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اس کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ قَالَ إِسْرَائِيلُ وَزُهَيْرٌ نَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَغْلَتِهِ

میں نبی ہوں، اس میں جھوٹ نہیں۔ اسرائیل اور زہیر نے بیان کیا کہ بعد میں آپ ﷺ اپنے خچر سے اتر گئے

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ: رسول اللہ ﷺ نے اپنے دادا عبد المطلب کی طرف اپنی نسبت فرمائی، وجہ اس کی یہ تھی حضرت عبد المطلب کی شجاعت اور ان کی عظمت و بزرگی سارے عرب میں مسلّم تھی، جبکہ نبی کریم ﷺ کے والدین جوانی میں وفات پا گئے تھے، ان کی شہرت نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے دادا

کی طرف نسبت فرمائی اور عربوں میں دادا کی طرف نسبت کرنا معروف ہے۔ أَنَا النَّبِيُّ کے بعد لَا كَذِبْ کہنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبوت اور کذب جمع نہیں ہوتے، اس لیے چونکہ میں نبی ہوں تو جھوٹا نہیں ہوسکتا کہ بھاگ جاؤں، بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ کی مدد کا پورا یقین ہے۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح وحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ شِهَابٍ وَزَعَمَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ

أَنَّ مَرْوَانَ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حِينَ جَاءَهُ

مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قبیلہ ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ ان کے لئے کھڑے ہوئے،

وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِينَ فَسَأَلُوهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى

انہوں نے آپ سے یہ درخواست کی کہ ان کا مال اور ان کے (قبیلے کے قیدی) انہیں واپس دے دیئے جائیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعِي مَنْ تَرَوْنَ وَأَحَبُّ الْحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ فَاخْتَارُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ

کہ جیسا کہ تم لوگ دیکھ رہے ہو، میرے ساتھ اور لوگ بھی ہیں اور دیکھو سچی بات مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس لیے تم لوگ ایک چیز کو اختیار کر لو

إِمَّا السَّبْيَ وَإِمَّا الْمَالَ وَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ بِكُمْ وَكَانَ أَنْظَرَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

یا تو اپنے قیدی لے لو یا مال لے لو۔ میں نے تم ہی لوگوں کے خیال سے (قیدیوں کی تقسیم میں) تاخیر کی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے طائف سے واپس ہو کر

وَسَلَّمَ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِينَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ

تقریباً دس دن ان کا انتظار کیا تھا۔ آخر جب ان پر واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ انہیں صرف ایک ہی چیز واپس کریں گے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ رَادٍّ إِلَيْهِمْ إِلَّا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ قَالُوا فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا فَقَامَ رَسُولُ

تو انہوں نے کہا کہ پھر ہم اپنے قیدیوں کی واپسی چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو خطاب کیا،

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُسْلِمِينَ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ

اللہ تعالیٰ کی اس کی شان کے مطابق ثناء کرنے کے بعد فرمایا: اما بعد!

فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ قَدْ جَاءُونَا تَائِبِينَ وَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ

تمہارے بھائی (قبیلہ ہوازن کے لوگ) توبہ کر کے مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی انہیں واپس کر دیئے جائیں، اس لیے

أَنْ يُطَيِّبَ ذَلِكَ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ

جو شخص انہیں اپنی خوشی سے واپس کرنا چاہے وہ واپس کر دے اور جو لوگ اپنا حصہ نہ چھوڑنا چاہتے ہوں، ان کا حق قائم رہے گا۔ وہ یوں کر لیں کہ اس کے بعد جو سب سے پہلے غنیمت

مَا يُفِيءُ اللهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ قَدْ طَيَّبْنَا ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى

اللہ تعالیٰ ہمیں عنایت فرمائے گا اس میں سے ہم انہیں اس کے بدلہ دے دیں گے تو وہ ان کے قیدی واپس کر دیں۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم خوشی سے واپس کرنا

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ فِي ذَلِكَ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا

چاہتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح ہمیں اس کا علم نہیں ہوگا کہ کس نے اپنی خوشی سے واپس کیا ہے اور کس نے نہیں، اس لیے سب لوگ جائیں اور تمہارے سردار لوگ

عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

تمہارا فیصلہ ہمارے پاس لائیں۔ چنانچہ سب واپس آ گئے اور ان کے سرداروں نے ان سے گفتگو کی پھر وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ سب نے خوشی

وَسَلَّمَ فَأَخْبَرُوْهُ أَنَّهُمْ قَدْ طَيَّبُوْا وَأَذِنُوْا هٰذَا الَّذِيْ بَلَغَنِيْ عَنْ سَبْيِ هَوَازِنَ
اور فراخ دلی کے ساتھ اجازت دے دی ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ یہی ہے وہ حدیث جو مجھے قبیلہ ہوازن کے قیدیوں کے متعلق پہنچی ہے

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ غزوۂ حنین میں شروع میں مسلمانوں میں بھگدڑ مچی تھی، مگر پھر مسلمان جمع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آخر میں فتح مبین عطا فرمائی، اس جنگ میں قبیلہ ہوازن کا بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ جس میں قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی اور چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ فی الحال یہ سارا مال غنیمت جعرانہ (جگہ کا نام) پر جمع کر دیا جائے، ہم ابھی آگے جا رہے ہیں۔

قبیلہ ہوازن کے جو لوگ یہاں سے بھاگے تھے، ان میں سے کچھ طائف کی طرف چلے گئے تھے، کچھ اوطاس کی طرف بھاگ گئے تھے اور کچھ نخلہ کی طرف فرار ہو گئے تھے، چنانچہ نبی کریم ﷺ اپنا لشکر لے کر طائف کی طرف بڑھے اور وہاں جا کر طائف کا محاصرہ کیا، جیسا کہ غزوۂ طائف میں آ رہا ہے اور آپ ﷺ نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا حصہ دے کر وادی اوطاس کی طرف بھیجا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کچھ لشکر دے کر نخلہ کی طرف بھیجا، نبی کریم ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا، کافی دن یہ محاصرہ جاری رہا، لیکن کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور واپس جعرانہ تشریف لے آئے، اس دوران کافی دن گزر چکے تھے، تقریباً بیس دن طائف کا محاصرہ رہا تھا۔

دوسری طرف آپ ﷺ کو شروع سے کچھ اندازہ تھا اور امید تھی کہ یہ ہوازن کے لوگ اگرچہ ہم سے لڑ رہے ہیں، لیکن بالآخر یہ لوگ مشرف با سلام ہوں گے، اس لئے آپ ﷺ نے مال غنیمت فوری طور پر تقسیم نہیں فرمایا اور یہ سوچا کہ اگر یہ لوگ آ کر مسلمان ہو جائیں گے تو ان کو یہ مال واپس کر دیں گے، کیونکہ جہاد کا اصل مقصود اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کی سربلندی ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کرنے کی بجائے جعرانہ پر جمع کر رکھا تھا، طائف سے واپس تشریف لانے کے بعد بھی آپ ﷺ نے ان کا انتظار کیا، مگر جب وہ نہ آئے تو آپ ﷺ نے وہ سارا مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، قیدی بھی تقسیم ہو گئے اور مال اور مویشی بھی تقسیم ہو گئے، جب یہ تقسیم ہو گئی تو اس کے بعد قبیلہ ہوازن کا وفد پہنچ گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم توبہ کرتے ہیں، اسلام قبول کرتے ہیں، آپ ہماری چیزیں ہمیں واپس کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تمہارا بہت انتظار کیا لیکن تم نہیں آئے، اب تو وہ مال غنیمت مسلمان مجاہدین میں تقسیم ہو چکا ہے، اب مجاہدین اس کے مالک ہیں، میں ان کی رضامندی کے بغیر ان سے کیسے واپس لے سکتا ہوں؟ لیکن جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے ساتھیوں سے بات کرتا ہوں، فَاخْتَارُوْا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ إِمَّا السَّبْيَ وَإِمَّا الْمَالَ مگر تم ایک چیز اختیار کر لو، اپنے قیدی لو

گے یا مال لو گے، دونوں واپس نہیں مل سکتے۔ جب ہوازن والوں کو اندازہ ہو گیا کہ مال اور قیدیوں میں سے ایک ہی چیز واپس مل سکتی ہے تو انہوں نے کہا: **فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا** کہ ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔ پھر آپ ﷺ مسلمانوں کے مجمع میں کھڑے ہوئے، اول اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا:

یہ تمہارے بھائی مسلمان ہو کر آئے ہیں، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس کر دوں، تم میں جو شخص طیب خاطر سے ایسا کرے تو بہت بہتر اور جو چاہتا ہے کہ اس کا حصہ اس کے حق میں رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد ہمیں جو غنیمت دے گا، اس میں سے سب سے پہلے ہم اس کو اس کا معاوضہ دیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا **قَدْ طَيَّبْنَا ذٰلِكَ** ہم طیب خاطر سے اس پر راضی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجمع میں معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس نے رضا اور رغبت سے کہا ہے اور کس نے رغبت سے نہیں کہا، لہٰذا تم لوگ جا کر آپس میں مشورہ کر لو، پھر ہر قبیلے کے بڑے حضرات آ کر مجھے بتائیں کہ سب راضی ہیں یا نہیں، چنانچہ اس کے بعد تمام قبائل کے بڑے حضرات نے آ کر آپ ﷺ سے اپنے قبیلے کے لوگوں کی رضا اور رغبت کا اظہار کر دیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ تقسیم غنائم کے بعد مجاہدین ان کے مالک بن گئے تھے اور اب ان کی مملوکہ چیز ان سے واپس لینے کے لیے ضروری تھا کہ ان کی رضا اور رغبت معلوم ہو، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے معلوم کر لو کہ راضی ہیں یا نہیں، پھر رضامندی معلوم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے چھ ہزار قیدیوں کو بیک وقت آزاد فرما دیا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ عمومی اجتماع میں کسی بات کی منظوری لے لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے ہر شخص منظور کر رہا ہے، اس لئے کہ کچھ پتہ نہیں کہ کس شخص نے کس جذبے سے منظوری دی ہے، اپنی خوشی سے منظوری دی ہے، یا ایسے ہی دوسرے کے دباؤ میں آ کر منظوری دے دی ہے کہ اگر منظوری نہیں دوں گا تو لوگ کیا کہیں گے وغیرہ وغیرہ، اس لئے منظوری لینے کا یہ طریقہ مجمع میں پسندیدہ نہیں ہے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل مجمع عام میں چندہ کرنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ جب مجمع عام میں چندہ کیا جاتا ہے، تو بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جو سوچتے ہیں کہ اتنے سارے لوگوں نے چندہ دیا ہے، اگر میں نہیں دوں گا تو میری ناک کٹ جائیں گی، تو اس لئے شرما شرمی میں چندہ دے دیتے ہیں تو یہ طیب نفس کے ساتھ نہ ہوا۔ اسی طرح یہ شرط بھی ہے کہ چندہ دینے والی کی طبیعت پر گرانی بھی نہ ہو یعنی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے کہ اسے مجبور ہو کر چندہ دینا پڑے۔

هٰذَا الَّذِيْ بَلَغَنِيْ عَنْ سَبْيِ هَوَازِنَ: یہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عُمَرَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ح حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا قَفَلْنَا مِنْ حُنَيْنٍ سَأَلَ عُمَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب ہم غزوہ حنین سے واپس ہو رہے تھے تو عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے

وَسَلَّمَ عَنْ نَذْرٍ كَانَ نَذَرَهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اعْتِكَافٍ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَفَائِهِ

اپنی ایک نذر کے متعلق پوچھا جو انہوں نے زمانہ جاہلیت میں اعتکاف کی مانی تھی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں اسے پوری کرنے کا حکم دیا

وَقَالَ بَعْضُهُمْ حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَرَوَاهُ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ وَ حَمَّادُ بْنُ

اور بعض (احمد بن عبدہ) نے حماد سے بیان کیا، ان سے ایوب نے، ان سے نافع نے اور ان سے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اور اس روایت کو جریر بن حازم اور حماد بن سلمہ نے

سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ایوب سے بیان کیا، ان سے نافع نے، ان سے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے، نبی کریم ﷺ سے

اس روایت کی سند سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں انقطاع ہے کیونکہ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں کرتے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت متصل ہے، اس لیے آگے تحویل کے بعد سند میں عن نافع عن ابن عمر ہے، تحویل سے ماقبل والی سند میں اختصار ہے اور ابو اب الخمس کے اندر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی سند کو مفصلاً نقل کیا ہے۔

سَأَلَ عُمَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَذْرٍ كَانَ نَذَرَهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں مسجد حرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی، جعرانہ میں قیام کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اس نذر کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ میں پوری کروں یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پوری کرلو۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کفر کی حالت میں نذر مان لے تو اسلام لانے کے بعد اس نذر کا پورا کرنا جمہور کے نزدیک واجب نہیں، بلکہ مندوب ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں وجوب کا قول منقول ہے، ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرنے والے ان کے جملہ اصحاب ان کا مذہب جمہور کے موافق نقل کرتے ہیں۔

لہٰذا اگر فقہی اصول کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ نذر منعقد نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ حالت کفر میں بندہ عبادات کا اہل نہیں ہوتا اور کسی عبادت کے التزام سے وہ عبادت بھی اس پر لازم نہیں ہوتی، لہٰذا یہ نذر منعقد نہیں ہوئی تھی، لیکن بہر حال نذر کے ذریعے چونکہ ایک نیکی کے کام کا ارادہ کیا تھا اور اب اس کام میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اسے استحباباً پورا کرنے کی اجازت دے دی۔ اسی سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ بسا اوقات نذر منعقد نہیں ہوتی لیکن اگر وہ کام فی نفسہ جائز یا اچھا ہو تو اس کو پورا کر لینا بہتر ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيرِ بْنِ أَفْلَحَ عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حُنَيْنٍ فَلَمَّا الْتَقَيْنَا كَانَتْ
حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین کے لیے ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے۔ جب جنگ ہوئی

لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ فَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَدْ عَلَا رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِينَ فَضَرَبْتُهُ مِنْ
تو مسلمان ذرا ڈگمگا گئے (یعنی آگے پیچھے ہو گئے)۔ میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان کے اوپر غالب ہو رہا ہے، میں نے پیچھے سے

وَّرَائِهِ عَلَى حَبْلِ عَاتِقِهِ بِالسَّيْفِ فَقَطَعْتُ الدِّرْعَ وَأَقْبَلَ عَلَيَّ فَضَمَّنِي ضَمَّةً وَجَدْتُّ مِنْهَا
اس کی گردن پر تلوار ماری اور اس کی زرہ کاٹ ڈالی۔ اب وہ مجھ پر پلٹ پڑا اور مجھے اتنی زور سے بھینچا کہ موت

رِيحَ الْمَوْتِ ثُمَّ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَأَرْسَلَنِي فَلَحِقْتُ عُمَرَ فَقُلْتُ مَا بَالُ النَّاسِ؟ قَالَ
میری آنکھوں کے سامنے آ گئی، آخر وہ مر گیا اور مجھے چھوڑ دیا۔ پھر میری ملاقات عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ میں نے پوچھا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟

أَمْرُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ رَجَعُوا وَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا
انہوں نے فرمایا، یہی اللہ عزوجل کا حکم ہے۔ پھر مسلمان پلٹے اور (جنگ ختم ہونے کے بعد) نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ جس نے کسی کو قتل کیا ہو

لَّهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ فَقُلْتُ مَنْ يَّشْهَدُ لِي؟ ثُمَّ جَلَسْتُ قَالَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
اور اس کے پاس اس بات کا کوئی گواہ بھی ہو تو اس کا تمام سامان وہتھیار اسے ہی ملے گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے لیے کون گواہی دے گا؟ پھر میں بیٹھ گیا۔ وہ فرماتے ہیں

وَسَلَّمَ مِثْلَهُ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَنْ يَّشْهَدُ لِي؟ ثُمَّ جَلَسْتُ قَالَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
کہ پھر آپ نے دوبارہ یہی فرمایا۔ اس مرتبہ پھر میں نے دل میں کہا کہ میرے لیے کون گواہی دے گا؟ اور پھر بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے پھر اپنا فرمان دہرایا

وَسَلَّمَ مِثْلَهُ فَقُمْتُ فَقَالَ مَا لَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ؟ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رَجُلٌ صَدَقَ وَسَلَبُهُ عِنْدِي
تو میں اس مرتبہ کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس مرتبہ فرمایا کہ ابوقادہ کیا بات ہے، میں نے آپ ﷺ کو بتایا تو ایک صاحب نے کہا کہ یہ سچ کہتے ہیں اور ان کے مقتول کا سامان

فَأَرْضِهِ مِنِّي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لَا هَا اللهِ إِذًا لَا يَعْمِدُ إِلَى أَسَدٍ مِنْ أُسُدِ اللهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللهِ وَرَسُولِهِ
میرے پاس ہے۔ آپ میرے حق میں انہیں راضی کر دیں، اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُعْطِيكَ سَلَبَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ فَأَعْطِهِ
کی طرف سے لڑتا ہے پھر نبی کریم ﷺ اس کا حق تمہیں ہرگز نہیں دے سکتے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے سچ کہا، تم سامان ابوقادہ کو دے دو،

فَأَعْطَانِيهِ فَابْتَعْتُ بِهِ مَخْرَفًا فِي بَنِي سَلِمَةَ فَإِنَّهُ لَأَوَّلُ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ فِي الْإِسْلَامِ
تو انہوں نے وہ سامان مجھے دے دیا، میں نے اس سامان سے قبیلہ سلمہ کے محلہ میں ایک باغ خریدا، اسلام کے بعد یہ میرا پہلا مال تھا، جسے میں نے حاصل کیا تھا

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین میں تھے، جب ہمارا کفار سے مقابلہ ہوا۔

كَانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ: اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

❶ ایک تو بعض اوقات یہ محاورتاً استعمال ہوتا ہے کان لہ جولۃ مطلب یہ کہ وہ بہت جوش وخروش سے کام کر رہا تھا، بہت جوش وخروش کے ساتھ لڑ رہا تھا اور دوسروں کے مقابلے میں غالب ہو رہا تھا تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ حنین میں ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور مسلمان غالب آئے۔

❷ دوسرا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جولۃ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو کچھ پیچھے ہٹنا پڑا تھا تو مسلمان گردش میں آ گئے

تھے، یہ معنی بھی بعض اوقات لئے جاتے ہیں۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مشرکین کے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ ایک مسلمان پر چڑھا ہوا ہے، میں نے پیچھے سے اس کی گردن کی رگ پر تلوار ماری، جس سے میں نے اس کی زرہ کو کاٹ دیا، وہ آدمی میری طرف بڑھا اور مجھے ایسا دبوچا کہ میں مرنے کے قریب ہوگیا، لیکن پھر اس آدمی کو موت نے پکڑ لیا کیونکہ اس کی رگ کٹ چکی تھی، خون مسلسل بہہ رہا تھا تو اس نے مجھے چھوڑ دیا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو میں نے کہا: **فَقُلْتُ مَا بَالُ النَّاسِ؟** لوگوں کو کیا ہوگیا؟ اتنے سارے افراد اور وہ شکست کھا گئے، بھگدڑ مچ گئی۔ **قَالَ أَمْرُ اللهِ** حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کا حکم غالب آگیا، بہرحال عارضی افراتفری کے بعد پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس پلٹے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس اس کا گواہ بھی ہو تو اس مقتول کا چھینا ہوا مال اس قتل کرنے والے مجاہد کو ملے گا۔

مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ: یہ مسئلہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ حکم تشریعی ہے یا انتظامی؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حکم تشریعی ہے، چنانچہ ان کے نزدیک جب بھی کوئی مجاہد کسی کافر کو قتل کرے گا تو اس کا چھینا ہوا اسلحہ، مال وغیرہ اس مجاہد کو ملے گا، جبکہ احناف کے نزدیک یہ حکم تشریعی نہیں ہے، بلکہ انتظامی ہے، لہٰذا جس جہاد میں امیر لشکر یہ اعلان کردے تو اس صورت میں مقتول کافر کا چھینا ہوا مال اس کو قتل کرنے والے مجاہد کو ملے گا، لیکن اگر امیر یہ اعلان نہ کرے تو جو کچھ جمع ہوگا، وہ مال غنیمت ہوگا اور اس میں سے خمس نکالنے کے بعد وہ تمام مال مجاہدین میں مساوی طور پر تقسیم ہوگا۔

الغرض غزوۂ حنین سے فارغ ہوجانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا کہ جس نے کسی مقتول کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس اس کا گواہ بھی ہو تو اس کو اس کا چھینا ہوا مال ملے گا۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: **مَنْ يَشْهَدُ لِي؟** میرے لیے کون گواہی دے گا کہ میں نے فلاں شخص کو قتل کیا تھا؟ پھر میں بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی اعلان فرمایا، میں پھر کھڑا ہوا، میں نے کہا: کہ کون میرے حق میں گواہی دے گا؟ میں پھر بیٹھ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی جملہ ارشاد فرمایا، تو میں پھر کھڑا ہوا، تو جب میں تیسری مرتبہ کھڑا ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **مَا لَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ؟** ابوقتادہ کیا بات ہے؟ **فَأَخْبَرْتُهُ** چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا کہ اس طرح ایک کافر شخص مسلمان پر چڑھا ہوا تھا، اس کافر کو میں نے مار ڈالا، لیکن اب اس کا سامان پتا ہی نہیں چل رہا کہ کہاں ہے؟

فَقَالَ رَجُلٌ صَدَقَ تو ایک صاحب جو وہاں موجود تھے، انہوں نے کہا: کہ ابوقتادہ سچ کہہ رہے ہیں، **وَسَلَبُهُ**

عِنْدِيْ اوران کا سلب میرے پاس ہے فَأَرْضِهِ مِنِّيْ لیکن یا رسول اللہ! آپ ان کو راضی کر لیں کہ اس کافر کا مال یہ مجھے ہی دے دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے، انہیں یہ سن کر غصہ آ گیا اور انہوں نے فرمایا: لَا هَا اللّٰهِ نہیں اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا، إِذًا لَا يَعْمِدُ إِلٰى أَسَدٍ مِنْ أُسْدِ اللّٰهِ حضور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کے لئے جو اللہ اور رسول کی طرف سے جہاد کر رہا ہو ایسا اردہ نہیں کریں گے کہ اس کا چھینا ہوا مال تجھے دے دیں۔

لَا هَا اللّٰهِ إِذًا: اس جملہ میں هَا تنبیہ کے لیے ہے، جو حرف قسم واؤ کے معنی میں ہے، لَا هَا اللّٰهِ کے معنی ہیں لا و اللہ ، إِذًا اکثر روایات میں وارد ہوا ہے، لیکن علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی رائے ہے کہ إِذًا کا لفظ یہاں ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ اہل عرب لا ھا اللہ ذا استعمال کرتے ہیں، ذا اسم اشارہ ہے اور معنی ہیں: لا و اللہ لا یکون ذا بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہوگا، لیکن چونکہ اکثر روایات میں إِذًا وارد ہوا ہے، اس لیے اکثر شراح فرماتے ہیں کہ إِذًا بھی ٹھیک ہے اور اس کا تعلق لَا هَا اللّٰهِ سے نہیں بلکہ اگلے جملے لَا يَعْمِدُ إِلٰى أَسَدٍ سے ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی ابوقتادہ نے اس شخص کو قتل کیا ہے تب تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقتول کا سلب تجھے دینے کا ارادہ نہیں کریں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صَدَقَ ابوبکر نے سچ کہا ہے، فَأَعْطِهِ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صاحب سے کہا کہ تم ابوقتادہ کو اس کا مال دے دو۔ فَأَعْطَانِيْهِ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس نے مجھے وہ مال دے دیا، فَابْتَعْتُ بِهٖ مَخْرَفًا فِيْ بَنِيْ سَلِمَةَ (مخرف: باغ) اور وہ اتنا قیمتی مال تھا کہ میں نے اس سے بنو سلمہ کے علاقے میں ایک باغ خرید لیا، فَإِنَّهُ لَأَوَّلُ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ فِي الْإِسْلَامِ اور یہ پہلا مال تھا، جس کو میں نے اسلام میں بطور جائیداد بنایا، یعنی میں نے اس سلب سے ایک باغ خرید لیا اور یہ میری اسلام میں پہلی جائیداد تھی۔

وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيْرِ بْنِ أَفْلَحَ عَنْ أَبِيْ مُحَمَّدٍ مَوْلٰى أَبِيْ قَتَادَةَ

أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ حُنَيْنٍ نَظَرْتُ إِلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يُقَاتِلُ رَجُلًا مِّنَ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ حنین کے دن میں نے ایک مسلمان کو دیکھا کہ ایک مشرک سے لڑ رہا تھا

الْمُشْرِكِيْنَ وَاٰخَرُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ يَخْتِلُهُ مِنْ وَّرَائِهٖ لِيَقْتُلَهُ فَأَسْرَعْتُ إِلَى الَّذِيْ يَخْتِلُهُ فَرَفَعَ

اور ایک دوسرا مشرک پیچھے سے مسلمان کو قتل کرنے کی گھات میں تھا، تو میں تیزی سے اس کی طرف بڑھا جو مسلمان کے لئے گھات لگا رہا تھا،

يَدَهٗ لِيَضْرِبَنِيْ وَأَضْرِبُ يَدَهٗ فَقَطَعْتُهَا ثُمَّ أَخَذَنِيْ فَضَمَّنِيْ ضَمًّا شَدِيْدًا حَتّٰى تَخَوَّفْتُ ثُمَّ تَرَكَ

تو اس نے اپنا ہاتھ مجھے مارنے کے لیے اٹھایا تو میں نے پر وار کر کے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اس کے بعد وہ مجھ سے چمٹ گیا اور اتنی زور سے مجھے بھینچا کہ میں ڈر گیا، آخر اس نے

فَتَحَلَّلَ وَدَفَعْتُهٗ ثُمَّ قَتَلْتُهٗ وَانْهَزَمَ الْمُسْلِمُوْنَ وَانْهَزَمْتُ مَعَهُمْ فَإِذَا بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ

مجھے چھوڑ دیا اور ڈھیلا پڑ گیا، میں نے اسے دھکا دے کر قتل کر دیا اور مسلمان بھاگ نکلے اور میں بھی ان کے ساتھ بھاگ پڑا، پھر مجھے لوگوں کے درمیان عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

النَّاسِ فَقُلْتُ لَهٗ مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ قَالَ أَمْرُ اللّٰهِ ثُمَّ تَرَاجَعَ النَّاسُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

نظر آئے تو میں نے ان سے پوچھا، کہ لوگ بھاگ کیوں رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم غالب آ گیا، پھر لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر جمع ہو گئے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَقَامَ بَيِّنَةً عَلَى قَتِيلٍ قَتَلَهُ
آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس پر گواہ قائم کر دے گا کہ کسی مقتول کو اسی نے قتل کیا ہے
فَلَهُ سَلَبُهُ فَقُمْتُ لِأَلْتَمِسَ بَيِّنَةً عَلَى قَتِيلِي فَلَمْ أَرَ أَحَدًا يَشْهَدُ لِي فَجَلَسْتُ ثُمَّ بَدَا لِي
تو اس کا سارا سامان اسے ملے گا۔ میں اپنے مقتول پر گواہ کے لیے اٹھا لیکن مجھے کوئی گواہ دکھائی نہیں دیا، تو میں بیٹھ گیا، پھر میرے سامنے ایک صورت آئی۔
فَذَكَرْتُ أَمْرَهُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ جُلَسَائِهِ سِلَاحُ هٰذَا
میں نے اپنے معاملے کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو دی۔ آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ ان کے مقتول کا وہ سامان
الْقَتِيلِ الَّذِي يَذْكُرُ عِنْدِي فَأَرْضِهِ مِنْهُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ كَلَّا لَا يُعْطِهِ أُصَيْبِغَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَدَعَ
جس سے متعلق بات ہو رہی ہے وہ میرے پاس ہے، آپ میرے حق میں انہیں راضی کر دیں۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہرگز نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ اس کا حق قریش کے
أَسَدًا مِنْ أُسْدِ اللهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللهِ وَرَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى
ایک بزدل کو دے دیں اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو چھوڑ دیں جو اللہ اور اس کے رسول کے لیے جنگ کرتا ہے، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَدَّاهُ إِلَيَّ فَاشْتَرَيْتُ مِنْهُ خِرَافًا فَكَانَ أَوَّلَ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ فِي الْإِسْلَامِ
کھڑے ہوئے اور مجھے وہ سامان عطا فرمایا، میں نے اس سے ایک باغ خریدا اور یہ سب سے پہلا مال تھا جسے میں نے اسلام لانے کے بعد حاصل کیا تھا

اس حدیث کے راوی ابومحمد رحمۃ اللہ علیہ یہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ہیں، ان کا نام نافع بن عباس اور کنیت ابومحمد ہے اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا نام حارث بن ربعی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت **تعلیقاً** ذکر فرمائی ہے، جبکہ اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تفصیل کے ساتھ **موصولاً** تخریج کیا ہے، اس میں بھی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ كَلَّا لَا يُعْطِهِ أُصَيْبِغَ مِنْ قُرَيْشٍ: بعض حضرات نے فرمایا کہ **اصیبغ** پرندوں کی ایک خاص نوع کا نام ہے، چونکہ اس نوع کے پرندے ضعیف اور حقیر ہوتے ہیں اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ لفظ کہا۔ بعض حضرات نے فرمایا نے کہا کہ یہ لفظ دراصل **اضیبع** ہے (ضاد اور آخر میں عین کے ساتھ) جو **اضبع** کی تصغیر ہے، **اضبع** اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے بازو چھوٹے ہوں، اس لفظ کو عام طور پر کمزور اور ضعیف کے لیے کنایہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

بَابُ غَزْوَةِ أَوْطَاسٍ

باب: غزوۂ اوطاس کا بیان

غزوۂ حنین کے ذیل میں گزرا کہ حنین میں جب کفار کو شکست ہوئی تو وہ منقسم ہو کر تین مقامات کی طرف بھاگ گئے، ہوازن کے سردار مالک بن عوف طائف میں جا کر پناہ گزین ہوئے، کچھ کفار مقام نخلہ چلے گئے، جبکہ مشہور سردار درید بن صمہ کفار کی ایک جماعت کے ساتھ اوطاس کی طرف فرار ہوا، رسول اللہ ﷺ نے ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی زیر امارت ایک جماعت اوطاس کی طرف ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کی، اوطاس کے میدان میں ان کا مقابلہ ہوا،

اسلامی جھنڈا حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، حضرت ربیعہ بن رفیع رضی اللہ عنہ نے درید بن صمہ پر حملہ کر کے اس کو قتل کیا، درید بن صمہ کے بیٹے سلمہ نے ایک تیر مارا جو حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں لگا جس سے وہ شہید ہو گئے، تو حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا اور حملہ کر کے سلمہ بن درید کا کام تمام کیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، اس باب کے تحت مذکور روایت میں اسی قصے کو بیان کیا گیا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا فَرَغَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُنَيْنٍ بَعَثَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین سے فارغ ہو گئے،

أَبَا عَامِرٍ عَلَى جَيْشٍ إِلَى أَوْطَاسٍ فَلَقِيَ دُرَيْدَ بْنَ الصِّمَّةِ فَقُتِلَ دُرَيْدٌ وَ هَزَمَ اللهُ أَصْحَابَهُ

تو آپ نے ایک دستے کے ساتھ ابو عامر رضی اللہ عنہ کو وادی اوطاس کی طرف بھیجا، اس معرکہ میں درید بن صمہ سے مقابلہ ہوا، درید قتل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لشکر کو

قَالَ أَبُو مُوسَى وَبَعَثَنِي مَعَ أَبِي عَامِرٍ فَرُمِيَ أَبُو عَامِرٍ فِي رُكْبَتِهِ رَمَاهُ جُشَمِيٌّ بِسَهْمٍ فَأَثْبَتَهُ

شکست دے دی، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی بھیجا تھا۔ ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں تیر آ کر لگا، بنی جشم کے ایک شخص نے ان کو

فِي رُكْبَتِهِ فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ يَا عَمِّ مَنْ رَمَاكَ؟ فَأَشَارَ إِلَى أَبِي مُوسَى فَقَالَ ذَاكَ قَاتِلِي

تیر مارا تھا اور ان کے گھٹنے میں اتار دیا تھا۔ میں ان کے پاس پہنچا اور کہا: چچا! یہ تیر آپ پر کس نے پھینکا؟ انہوں نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اشارے سے بتایا کہ وہ جشمی میرا قاتل ہے

الَّذِي رَمَانِي فَقَصَدْتُّ لَهُ فَلَحِقْتُهُ فَلَمَّا رَآنِي وَلَّى فَاتَّبَعْتُهُ وَ جَعَلْتُ أَقُولُ لَهُ أَلَا تَسْتَحْيِي

جس نے مجھے تیر مارا ہے۔ میں اس کی طرف لپکا اور اس کے قریب پہنچ گیا لیکن جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ بھاگ پڑا میں نے اس کا پیچھا کیا اور میں یہ کہتا جاتا تھا، تجھے شرم نہیں آتی،

أَلَا تَثْبُتُ؟ فَكَفَّ فَاخْتَلَفْنَا ضَرْبَتَيْنِ بِالسَّيْفِ فَقَتَلْتُهُ ثُمَّ قُلْتُ لِأَبِي عَامِرٍ قَتَلَ اللهُ

تجھ سے مقابلہ نہیں کیا جاتا، آخر وہ رک گیا اور ہم نے ایک دوسرے پر تلوار سے وار کیا، پھر میں نے اسے قتل کر دیا اور ابو عامر رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کہ اللہ نے آپ کے قاتل کو

صَاحِبَكَ قَالَ فَانْزِعْ هٰذَا السَّهْمَ فَنَزَعْتُهُ فَنَزَا مِنْهُ الْمَاءُ قَالَ يَا ابْنَ أَخِي أَقْرِءِ النَّبِيَّ

قتل کروا دیا، انہوں نے فرمایا کہ میرے (گھٹنے میں سے) تیر نکالو، میں نے نکال دیا تو اس زخم سے پانی جاری ہو گیا، تو انہوں نے فرمایا: بھتیجے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّلَامَ وَقُلْ لَهُ اسْتَغْفِرْ لِي وَاسْتَخْلَفَنِي أَبُو عَامِرٍ عَلَى النَّاسِ فَمَكُثَ

میرا سلام پہنچانا اور عرض کرنا کہ میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ ابو عامر رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر مجھے اپنا نائب بنا دیا۔ اس کے بعد وہ تھوڑی دیر

يَسِيرًا ثُمَّ مَاتَ فَرَجَعْتُ فَدَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهِ عَلَى سَرِيرٍ مُرَمَّلٍ

اور زندہ رہے اور پھر شہادت پائی۔ میں واپس ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپ اپنے گھر میں بانوں کی ایک چارپائی پر تشریف فرما تھے۔

وَ عَلَيْهِ فِرَاشٌ قَدْ أَثَّرَ رِمَالُ السَّرِيرِ بِظَهْرِهِ وَجَنْبَيْهِ فَأَخْبَرْتُهُ بِخَبَرِنَا وَ خَبَرِ أَبِي عَامِرٍ

اس پر بستر بچھا ہوا تھا اور بانوں کے نشانات آپ کی پیٹھ اور پہلو پر پڑ گئے تھے۔ میں نے آپ سے اپنے اور ابو عامر کے واقعات بیان کئے

وَقَالَ قُلْ لَهُ اسْتَغْفِرْ لِي فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ

اور یہ بھی بتایا کہ انہوں نے دعاء مغفرت کے لیے درخواست کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا اور وضو کیا پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی، اے اللہ! اپنے بندے ابو عامر کی

وَ رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَوْقَ كَثِيرٍ مِّنْ خَلْقِكَ مِنَ

مغفرت فرما، یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل کی سفیدی (جب آپ دعا کر رہے تھے) دیکھی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، اے اللہ! قیامت کے دن ابو عامر کو اپنی

النَّاسِ فَقُلْتُ وَ لِيْ فَاسْتَغْفِرْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهُ وَأَدْخِلْهُ يَوْمَ
بہت سی مخلوق سے بلندتر درجہ عطا فرمانا، میں نے عرض کیا اور میرے لیے بھی اللہ سے مغفرت کی دعا فرما دیجئے، تو آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہوں کو

الْقِيَامَةِ مُدْخَلًا كَرِيمًا قَالَ أَبُو بُرْدَةَ إِحْدَاهُمَا لِأَبِيْ عَامِرٍ وَالْأُخْرٰى لِأَبِيْ مُوسٰى
معاف فرما اور قیامت کے دن اسے اچھا مقام عطا فرما، ابو بردہ فرماتے ہیں کہ ایک دعا ابو عامر رضی اللہ عنہ کے لیے تھی اور دوسری ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے

فَدَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِهِ: یہاں بیت سے بظاہر وہ خیمہ مراد ہے جس میں طائف کے محاصرے کے دوران آپ ﷺ کا قیام تھا، مدینہ منورہ کا گھر مراد نہیں ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ تو اس وقت طائف میں تھے اور آپ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔

عَلَى سَرِيْرٍ مُرَمَّلٍ: آپ ﷺ کھجور کی بان کی بنی ہوئی چار پائی پر آرام فرما تھے، معلوم ہوا کہ چار پائی پر سونا بھی جائز ہے اور یہ تقویٰ یا زہد کے خلاف نہیں ہے۔ ریاض الجنة میں ایک ستون ہے، جس کا نام اسطوانة السرير ہے، یہ وہ جگہ ہے، جہاں اعتکاف کے زمانے میں حضور ﷺ کے لیے چار پائی بچھا دی جاتی تھی۔

وَ عَلَيْهِ فِرَاشٌ قَدْ أَثَّرَ رِمَالُ السَّرِيْرِ بِظَهْرِهِ وَجَنْبَيْهِ: اور اس چار پائی پر ایک بستر بچھا ہوا تھا اور چار پائی کی بُنائی نے آپ ﷺ کی پشت پر اور آپ کے پہلوؤں پر نشان ڈال دیے تھے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بستر زیادہ موٹا نہیں تھا، بلکہ چادر یا پتلی دری سی چیز ہوگی، جس کی وجہ سے چار پائی کے نشان آپ ﷺ کے جسم اطہر پر پڑ گئے تھے۔ یہاں روایت میں ہے: و علیه فراش، چار پائی پر ایک بستر تھا، جبکہ حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہاں لفظ ما رہ گیا ہے، اصل میں ما علیه فراش ہے، اس لیے کہ شمائل کی روایتوں میں آتا ہے کہ راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ چار پائی پر لیٹے ہوئے تھے، ما علیه فراش اور اس کے اوپر کوئی بستر نہیں تھا۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محققین فرماتے ہیں کہ شمائل کی روایت سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی کریم ﷺ نے زندگی بھر کبھی بستر استعمال کیا ہی نہیں اور یہاں طائف کے جس واقعے کا ذکر ہے، اس موقع پر بھی آپ ﷺ بستر کے بغیر لیٹے ہوں، لہٰذا جن روایتوں میں ما علیه فراش آ رہا ہے، وہ بھی ٹھیک ہے اور جس میں علیه فراش آ رہا ہے، وہ بھی ٹھیک ہے، دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں۔

فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ: جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی اور اس بات کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی تھی، تو دعا کرنے سے پہلے آپ ﷺ نے پانی منگوا کر وضو فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ امر مستحب کے لیے بھی وضو کرنا چاہئے، چنانچہ اگر کوئی بغیر وضو کے دعا مانگنا چاہے تو بلا شبہ مانگ سکتا ہے، لیکن اگر وضو کر کے مانگے گا تو یہ مستحب اور بہتر ہے۔

بَابُ غَزْوَةِ الطَّائِفِ فِيْ شَوَّالٍ سَنَةَ ثَمَانٍ

باب: غزوہ طائف کا بیان جو شوال سن ۸ ہجری میں ہوا۔

قَالَهُ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ

یہ موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا ہے۔

یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ حنین میں شکست کھا کر ہوازن وثقیف کے بہت سارے لوگ مالک بن عوف کی قیادت میں طائف چلے گئے تھے، طائف اپنے محل وقوع اور مضبوط قلعے کی وجہ سے نہایت محفوظ مقام تھا، اوطاس کی شکست خوردہ فوج بھی یہاں آ گئی تھی اور انہوں نے اہل شہر کے ساتھ مل کر سال بھر کا سامان رسد اور مقابلہ کے لیے ضروری اسلحہ جمع کر کے قلعہ بند کر لیا اور قلعہ کے چاروں کونوں پر تیر انداز مقرر کر دیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حنین کے اموال غنیمت اور قیدیوں کو مقام جعرانہ میں جمع کرنے کا حکم دیا اور خود لشکر لے کر طائف تشریف لے گئے اور ان کا محاصرہ کیا۔ قلعہ کی فصیل پر بیٹھے ہوئے تیر اندازوں نے لشکر اسلام پر سخت تیر اندازی کی جس کی وجہ سے بہت سے مسلمان زخمی اور کچھ صحابہ شہید بھی ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہل طائف کو دست بدست جنگ کے لیے للکارا، لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں قلعے سے اترنے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے پاس سال بھر کا غلہ موجود ہے، جب یہ ختم ہوگا تب تلواریں لے کر اتریں گے، لشکر اسلام نے قلعہ شکن آلات دبابہ اور منجنیق بھی استعمال کئے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

ایام محاصرہ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ مجھ کو دیا گیا لیکن ایک مرغ نے آ کر اس میں چونچ ماری جس سے وہ دودھ گر گیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ قلعہ ابھی فتح نہیں ہوگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ثعلب في جحر ان اقمت عليه اخذته وان تركته لم يضرك یعنی لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر آپ ٹھہرے رہیں گے تو اسے پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاصرہ ختم کر کے واپس جانے کا حکم دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے: نَذْهَبُ وَلَا نَفْتَحُهُ کہ فتح کئے بغیر واپس چلے جائیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے ٹھہر جاتے ہیں اور پھر حملہ کرتے ہیں، دوسرے روز مسلمان بڑے جذبے سے لڑے لیکن کافی نقصان اٹھانا پڑا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب ان شاء اللہ کل واپسی ہوگی، اس بار یہ اعلان سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم خوش ہوئے اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ فتح کئے بغیر واپس کیسے چلے جائیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عزم میں تبدیلی دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور محاصرہ ختم کر دیا، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اہل طائف کو بدعا دیں، لیکن آپ ﷺ نے بددعا کی بجائے انہیں یہ دعا دی: اللهم اهد ثقيفا و ائت بهم اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں میرے پاس پہنچا دے۔ چنانچہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی اور وہ لوگ مسلمان ہو کر مقام جعرانہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کا سپہ سالار مالک بن عوف بھی مسلمان ہوا اور مقام جعرانہ میں ان کی درخواست پر آپ ﷺ نے ان کے چھ ہزار قیدی آزاد کئے جس کی تفصیل گزر چکی۔ طائف میں بارہ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، طائف کا محاصرہ کتنے دن جاری رہا؟ اس میں پندرہ، سترہ اور اٹھارہ دن کی مختلف روایات ہیں۔

حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ سَمِعَ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ

عَنْ أُمِّهَا أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عِنْدِي مُخَنَّثٌ

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے یہاں تشریف لائے تو میرے پاس ایک مخنث بیٹھا ہوا تھا

فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ يَا عَبْدَ اللهِ أَ رَأَيْتَ إِنْ فَتَحَ اللهُ عَلَيْكُمُ الطَّائِفَ غَدًا

پھر نبی کریم ﷺ نے سنا کہ وہ عبداللہ بن امیہ سے کہہ رہا تھا کہ اے عبداللہ! دیکھو اگر کل تمہیں اللہ تعالیٰ طائف کی فتح عطا فرمائیں

فَعَلَيْكَ بِابْنَةِ غَيْلَانَ فَإِنَّهَا تُقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَ تُدْبِرُ بِثَمَانٍ وَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تو غیلان بن سلمہ کی بیٹی کو لے لینا وہ جب سامنے آتی ہے تو پیٹ پر چار بل اور پیٹھ موڑ کر جاتی ہے تو آٹھ بل دکھائی دیتے ہیں (یعنی بہت موٹی عورت ہے)

لَا يَدْخُلَنَّ هٰؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ الْمُخَنَّثُ هِيتٌ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ اب تمہارے گھر میں نہ آیا کریں۔ ابن عیینہ نے فرماتے ہیں کہ ابن جریج نے کہا کہ اس مخنث کا نام ہیت تھا۔ ہم سے محمود نے بیان کیا،

حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ بِهٰذَا وَزَادَ وَهُوَ مُحَاصِرُ الطَّائِفِ يَوْمَئِذٍ

ان سے ابواسامہ نے اور ان سے ہشام نے اسی طرح بیان کیا اور یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت طائف کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔

وَ عِنْدِي مُخَنَّثٌ: مخنث نون کے کسرہ کے ساتھ افصح ہے اور فتحہ کے ساتھ اشہر ہے۔ مخنث اس کو کہتے ہیں جس کے اعضاء میں عورتوں کی طرح نرمی اور لچک پائی جائے اور اس کے چلنے پھرنے میں، بات کرنے میں عورتوں سے مشابہت ہو، یہ کیفیت کبھی فطری اور غیر اختیاری ہوتی ہے اس لئے یہ مذموم نہیں اور کبھی یہ ناز و انداز اور رنگ ڈھنگ بتکلف و تصنع اختیار کیا جاتا ہے اس صورت میں یہ مذموم اور قابل نفرت ہے۔

یہ چونکہ مخنث تھا اور مخنث ہونے کی وجہ سے غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ (جن کو عورتوں کی طرف رغبت نہیں ہوتی) میں داخل تھا اس لئے حضور ﷺ اسے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس آنے سے منع نہیں کرتے تھے۔

فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ: یہ عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے، فتح مکہ کے سفر کے دوران مقام ابواء پر ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اسلام قبول کیا، اور اسی غزوۂ طائف میں محاصرہ کے دوران کفار کی تیراندازی کا نشانہ بنے اور شہید ہوئے۔

فَعَلَيْكَ بِابْنَةِ غَيْلَانَ: یہ مخنث جس کا نام ہیت تھا، حضرت عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے کہہ رہا تھا کہ اگر طائف فتح ہوجائے اور مال غنیمت تقسیم ہونے لگے تو تم اپنے حصے میں غیلان کی بیٹی کو لے لینا، بنت غیلان طائف میں رہنے والی ایک عورت تھی جس کا نام بادیہ بنت غیلان تھا۔

فَإِنَّهَا تُقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَ تُدْبِرُ بِثَمَانٍ: اہل عرب میں اس زمانے میں موٹی عورت پسند کی جاتی تھی، تو اس نے عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر کل طائف فتح ہوجائے تو تم غیلان کی بیٹی کو لینا کیونکہ جب وہ سامنے سے آتی ہے تو موٹاپے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں چار شکنیں پڑتی ہیں اور جب جانے لگتی ہے تو پشت سے آٹھ شکنیں نظر آتی ہیں۔

لَا يَدْخُلَنَّ هٰؤُلَاءِ عَلَيْكُنَّ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ آئندہ یہ مخنث لوگ تمہارے پاس ہرگز نہ آیا کریں، ان کو ابتداء میں عورتوں کے پاس داخل ہونے کی اجازت اس وجہ سے دی گئی تھی کہ شاید یہ لوگ جنسی معاملات کو بالکل نہیں سمجھتے، لیکن جب اس مخنث نے یہ جملہ کہا تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ یہ باتیں سمجھتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کے پاس ان کی آنے جانے پر پابندی لگادی، چنانچہ پھر یہ مدینہ سے باہر چراگاہ میں رہتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بوڑھا ہوگیا تھا اور صرف جمعہ کے دن مدنہ منورہ آیا کرتا تھا۔ سفیان ابن عیینہ اور ابن جریج رحمۃ اللہ علیہما نے اس کا نام ہیت بتایا ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کا نام ماتع تھا اور ہیت اس کا لقب تھا۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ الشَّاعِرِ الْأَعْمٰى

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا حَاصَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّائِفَ فَلَمْ يَنَلْ
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو دشمن سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔

مِنْهُمْ شَيْئًا قَالَ إِنَّا قَافِلُوْنَ إِنْ شَاءَ اللهُ فَثَقُلَ عَلَيْهِمْ وَ قَالُوْا نَذْهَبُ وَلَا نَفْتَحُهُ؟
تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب ان شاءاللہ ہم واپس ہو جائیں گے۔ مسلمانوں پر یہ بڑا شاق گزرا اور انہوں نے کہا کہ بغیر فتح کے ہم واپس چلے جائیں؟

وَ قَالَ مَرَّةً نَقْفُلُ فَقَالَ اغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ فَغَدَوْا فَأَصَابَهُمْ جِرَاحٌ فَقَالَ إِنَّا قَافِلُوْنَ غَدًا
راوی نے ایک مرتبہ نذهب کی بجائے نقفل کا لفظ استعمال کیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کو پھر حملہ کرو، تو صحابہ کرام نے صبح صبح حملہ کیا، لیکن انہیں بڑے

إِنْ شَاءَ اللهُ فَأَعْجَبَهُمْ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً فَتَبَسَّمَ
زخم پیش آئے، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان شاءاللہ ہم کل واپس چلیں گے۔ صحابہ نے اسے بہت پسند کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر ہنس پڑے اور سفیان نے

قَالَ الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ كُلَّهُ بِالْخَبَرِ
ایک مرتبہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرادیئے۔ حمیدی فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے یہ پوری حدیث اخبرنا کے ساتھ بیان کی

عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ الشَّاعِرِ الْأَعْمٰى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: یہ روایت اگرچہ معنعن ہے، مگر روایت کے آخر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا، کہ وہ کہتے ہیں کہ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ كُلَّهُ بِالْخَبَرِ کہ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں یہ روایت اخبرنا کے ساتھ بھی سنائی ہے، گویا یہ روایت صرف معنعن ہی نہیں بلکہ

مصرح بالاخبار والتحدیث بھی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدًا وَّ هُوَ أَوَّلُ مَنْ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ أَبَا بَكْرَةَ وَكَانَ تَسَوَّرَ حِصْنَ الطَّائِفِ

ابوعثمان نہدی فرماتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا، جنہوں نے سب سے پہلے اللہ کے راستے میں تیر چلایا تھا اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے جو طائف کے قلعے پر چند مسلمانوں کے

فِيْ أُنَاسٍ فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَا سَمِعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ساتھ چڑھے تھے اور وہاں سے اتر کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ یہ دونوں صحابی فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا

يَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ وَقَالَ هِشَامٌ وَأَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ

کہ جو شخص جانتے ہوئے اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے تو اس پر جنت حرام ہے اور ہشام نے بیان کیا اور انہیں معمر نے خبر دی،

عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ أَوْ أَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدًا وَّ أَبَا بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ

انہیں عاصم نے، انہیں ابوالعالیہ یا ابوعثمان نہدی نے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَاصِمٌ قُلْتُ لَقَدْ شَهِدَ عِنْدَكَ رَجُلَانِ حَسْبُكَ بِهِمَا قَالَ أَجَلْ

عاصم فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ آپ سے یہ روایت ایسے دو اصحاب (سعد اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہما) نے بیان کی ہے کہ یقین کے لیے ان کے نام کافی ہیں۔ انہوں نے کہا

أَمَّا أَحَدُهُمَا فَأَوَّلُ مَنْ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَمَّا الْاٰخَرُ فَنَزَلَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

یقیناً ان میں سے ایک (سعد رضی اللہ عنہ) تو وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے راستے میں سب سے پہلے تیر چلایا تھا اور دوسرے (ابوبکرہ رضی اللہ عنہ) وہ ہیں جو تینتیسویں آدمی تھے ان لوگوں میں

وَسَلَّمَ ثَالِثَ ثَلَاثَةٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنَ الطَّائِفِ

جو طائف کے قلعہ سے اتر کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے

مذکورہ بالا روایت اگر چہ براہ راست غزوۂ طائف سے متعلق نہیں، لیکن چونکہ اسے روایت کرنے والے ایک صحابی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو غزوۂ طائف کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے، اسی ادنیٰ مناسبت کی بناء پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت یہاں غزوہ طائف کے ذیل میں ذکر فرمائی ہے۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا نام "نفیع بن الحارث تھا اور آپ کی والدہ کا نام سمیہ تھا، زیاد بن ابی سفیان بھی اسی سمیہ کا بیٹا تھا، اس مناسبت سے زیاد بن ابی سفیان ان کا اخیافی بھائی تھا۔

وَكَانَ تَسَوَّرَ حِصْنَ الطَّائِفِ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب طائف کا محاصرہ کیا تھا، تو اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ قلعہ طائف سے جو غلام باہر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہوگا، یہ اعلان سن کر بہت سارے غلام قلعے کی دیوار پھاند کر مسلمانوں سے آملے، ان سب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا، ان آنے والوں میں ایک حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، چونکہ یہ ایک چرخی سے لٹک کر قلعے کی دیوار سے اترے تھے اور عربی زبان میں چرخی کو بکرۃ کہتے ہیں، اسی مناسبت سے ان کا لقب ابوبکرہ مشہور ہوگیا، ان کی وفات بصرہ میں سن ۵۱ ہجری میں ہوئی ہے۔

فَنَزَلَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ثَالِثَ ثَلَاثَةٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنَ الطَّائِفِ: قلعہ سے آنے والوں کی تعداد میں روایات مختلف

ہیں، اکثر اہل سیر نے بارہ یا تیرہ افراد کا ذکر کیا ہے، صحیح بخاری کی اس روایت کے آخر میں تینتیس آدمیوں کا ذکر ہے۔

اس روایت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کفار کے لشکر سے غلام بھاگ کر مسلمانوں سے آملیں اور اسلام قبول کرلیں تو وہ آزاد ہوں گے، غزوۂ طائف کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جتنے بھی غلام آئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو آزاد کردیا تھا، بعد میں جب مقام جعرانہ میں ان کے مالک اسلام لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے غلاموں کی واپسی کا مطالبہ کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آزاد ہیں، ان کو واپس نہیں کیا جائے گا، انہوں نے کہا یارسول اللہ! یہ آپ کی طرف اسلام کی رغبت سے نہیں بلکہ یہ تو غلامی سے فرار اختیار کرنے کی وجہ سے آئے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور ان غلاموں کو مسلمان اور احرار قرار دیا۔

مَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ: یہاں اس بات سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ ایسا شخص کافر ہوجائے گا اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اس بات سے مرتکب کبیرہ کے جہنمی اور کافر ہونے کا اشکال ہوتا ہے، اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

❶ ایک جواب یہ ہے کہ استحلال پر محمول ہے، یعنی اگر جائز اور حلال سمجھ کر ایسا کرے گا تو کافر وجہنمی ہوگا۔

❷ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ علی سبیل التغليظ ہے یعنی زجر وتوبیخ مقصود ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ

عَنْ أَبِيْ مُوسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَازِلٌ بِالْجِعْرَانَةِ
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعرانہ میں

بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ أَلَا تُنْجِزُ لِيْ
جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ایک مقام ہے پڑاؤ ڈالا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بدوی آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے

مَا وَعَدْتَّنِيْ فَقَالَ لَهُ أَبْشِرْ فَقَالَ قَدْ أَكْثَرْتَ عَلَيَّ مِنْ أَبْشِرْ فَأَقْبَلَ عَلٰى أَبِيْ مُوسٰى وَبِلَالٍ كَهَيْئَةِ
جو مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ پورا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہیں بشارت ہو۔ اس پر وہ بدوی بولا بشارت تو آپ مجھے بہت دے چکے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوموسیٰ اور بلال کی طرف

الْغَضْبَانِ فَقَالَ رَدَّ الْبُشْرٰى فَاقْبَلَا أَنْتُمَا قَالَا قَبِلْنَا ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ فِيْهِ مَاءٌ فَغَسَلَ يَدَيْهِ
متوجہ ہوئے، آپ غصے میں معلوم ہو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اس نے بشارت واپس کردی اب تم دونوں اسے قبول کرلو۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم نے قبول کیا۔ پھر آپ نے

وَوَجْهَهُ فِيْهِ وَمَجَّ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ اشْرَبَا مِنْهُ وَأَفْرِغَا عَلٰى وُجُوْهِكُمَا وَنُحُوْرِكُمَا وَأَبْشِرَا فَأَخَذَا
پانی کا ایک پیالہ طلب فرمایا اور اپنے دونوں ہاتھ اور چہرے کو اس میں دھویا اور اسی میں کلی کی اور ان دونوں سے فرمایا کہ اس کا پانی پی لو اور اپنے چہروں اور سینوں پر اسے ڈال لو

الْقَدَحَ فَفَعَلَا فَنَادَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مِنْ وَّرَاءِ السِّتْرِ أَنْ أَفْضِلَا لِأُمِّكُمَا فَأَفْضَلَا لَهَا مِنْهُ طَائِفَةً
اور بشارت حاصل کرو، ان دونوں نے ایسا ہی کیا تو پردے کے پیچھے سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اپنی امی کے لیے بھی کچھ چھوڑ دینا چنانچہ ان دونوں نے ان کے لیے ایک حصہ چھوڑ دیا

وَهُوَ نَازِلٌ بِالْجِعْرَانَةِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ: جعرانہ (بكسر الجيم والعين المهملة وتشديد الراء وقد

تسكن العين) طائف اور مکہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، جو مکہ سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں روایت میں بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ وارد ہوا ہے، جبکہ یہ بين مكة و المدينة نہیں ہے بلکہ بين مكة و الطائف ہے، اس لئے بعض حضرات نے اسے راوی کا وہم قرار دیا ہے جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ آپ ﷺ کا ارادہ جعرانہ سے براہ راست مدینہ منورہ جانے کا تھا اس لئے راوی نے بين مكة و المدينة فرمایا۔

فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ أَلَا تُنْجِزُ لِي مَا وَعَدْتَنِي: اس اعرابی کے نام کے متعلق ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: لم اقف على اسمه، اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مجھ سے اپنا وعدہ پورا نہیں کریں گے؟ ممکن ہے کہ یہ وعدہ آپ ﷺ نے مخصوص طور پر اس بدوی سے کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے عام وعدہ مراد ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے غنائم حنین کو جعرانہ میں جمع کرنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ طائف سے فراغت کے بعد اس کی تقسیم ہوگی۔ بہرحال جو بھی صورت ہو، اس اعرابی نے مانگنے میں عجلت سے کام لیا اور آپ ﷺ کی بشارت کو رد کیا، تو آپ ﷺ نے وہ بشارت حضرت ابوموسیٰ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو دی اور انہوں نے اسے قبول کرلیا۔

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ

أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ يَعْلَى كَانَ يَقُولُ لَيْتَنِي أَرَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت صفوان بن یعلی بن امیہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد یعلی کہا کرتے تھے کہ کاش میں رسول اللہ ﷺ کو اس وقت دیکھ سکتا،

وَسَلَّمَ حِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ قَالَ فَبَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعْرَانَةِ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ

جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جعرانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ کے لیے ایک کپڑے سے سایہ کر دیا گیا تھا

قَدْ أُظِلَّ بِهِ مَعَهُ فِيهِ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ إِذْ جَاءَهُ أَعْرَابِيٌّ عَلَيْهِ جُبَّةٌ مُتَضَمِّخٌ بِطِيبٍ

اور اس میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ موجود تھے۔ اتنے میں ایک اعرابی آئے وہ ایک جبہ پہنے ہوئے تھے، جو خوشبو میں بسا ہوا تھا۔

فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ تَرَى فِي رَجُلٍ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ فِي جُبَّةٍ بَعْدَ مَا تَضَمَّخَ بِالطِّيبِ؟

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسے شخص کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے جو اپنے جبہ میں خوشبو لگانے کے بعد احرام باندھے؟

فَأَشَارَ عُمَرُ إِلَى يَعْلَى بِيَدِهِ أَنْ تَعَالَ فَجَاءَ يَعْلَى فَأَدْخَلَ رَأْسَهُ فَإِذَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

تو عمر رضی اللہ عنہ نے یعلی رضی اللہ عنہ کو آنے کے لیے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ یعلی رضی اللہ عنہ حاضر ہو گئے اور اپنا سر (آپ ﷺ کو دیکھنے کے لیے) اندر کیا (نزول وحی کی وجہ سے)

وَسَلَّمَ مُحْمَرُّ الْوَجْهِ يَغِطُّ كَذَلِكَ سَاعَةً ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَقَالَ أَيْنَ الَّذِي يَسْأَلُنِي عَنِ الْعُمْرَةِ

نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور زور زور سے سانس چل رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک یہی کیفیت رہی پھر ختم ہوگئی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ابھی عمرہ کے متعلق

آنِفًا؟ فَالْتُمِسَ الرَّجُلُ فَأُتِيَ بِهِ فَقَالَ أَمَّا الطِّيبُ الَّذِي بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

جس نے سوال کیا تھا وہ کہاں ہے؟ انہیں تلاش کر کے لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو خوشبو تم نے لگا رکھی ہے اسے تین مرتبہ دھو لو

وَأَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ

اور جبہ اتار دو اور پھر عمرہ میں وہی کام کرو جو حج میں کرتے ہو

أَمَّا الطِّيبُ الَّذِيْ بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: احرام کی نیت سے پہلے جسم پر خوشبو لگانا سنت ہے، لیکن احرام کی نیت کے بعد خوشبو لگانا ناجائز ہے، لہٰذا احرام کی نیت کے بعد اگر صرف ایسا کپڑا میسر ہو جس پر خوشبو لگی ہوئی تو اسے استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے تین مرتبہ دھولیا جائے تاکہ خوشبو کا اثر ختم ہوجائے۔

وَأَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا: حالت احرام میں مرد کے لئے سلا ہوا کپڑا پہنا جائز نہیں ہے، البتہ سلے ہوئے کپڑے سے مراد ایسا سلا ہوا کپڑا ہے، جو جسم کی ہیئت پر سلا ہوا ہو، چنانچہ اگر کپڑے پر سلائی جسمانی ہیئت پر نہ ہو، مثلاً احرام کی چادر کی کناری بنی ہوئی ہوتا کہ اس کے دھاگے نہ نکلیں تو وہ سلائی احرام کے لئے مضر نہیں بلکہ جائز ہے۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ لَمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ حنین کے موقع پر اللہ تعالی نے اپنے رسول کو جو غنیمت دی تھی آپ ﷺ نے اس کی تقسیم

حُنَيْنٍ قَسَمَ فِي النَّاسِ فِي الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَلَمْ يُعْطِ الْأَنْصَارَ شَيْئًا فَكَأَنَّهُمْ وَجَدُوْا إِذْ

کمزور ایمان کے لوگوں میں (جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے) کر دی اور انصار کو اس میں سے کچھ نہیں دیا۔ اس کا انہیں کچھ ملال ہوا کہ وہ مال نبی کریم ﷺ نے دوسروں کو دیا

لَمْ يُصِبْهُمْ مَا أَصَابَ النَّاسَ فَخَطَبَهُمْ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَ لَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا

انہیں کیوں نہیں دیا۔ آپ نے اس کے بعد انہیں خطاب کیا اور فرمایا کہ اے جماعت انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا تھا؟ پھر تمہیں میرے ذریعہ اللہ نے ہدایت نصیب کی

فَهَدَاكُمُ اللهُ بِيْ وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِيْنَ فَأَلَّفَكُمُ اللهُ بِيْ وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللهُ بِيْ كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا قَالُوْا

اور تم میں آپس میں نااتفاقی تھی تو اللہ نے میرے ذریعہ تم میں باہم الفت پیدا کی اور تم محتاج تھے تو اللہ تعالی نے میرے ذریعہ غنی کیا۔ آپ کے ہر ہر جملے پر انصار کہتے جاتے تھے

اَللهُ وَرَسُوْلُهُ أَمَنُّ قَالَ مَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تُجِيبُوا رَسُولَ اللهِ ؛ قَالَ كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا قَالُوْا اَللهُ

کہ اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر سب سے زیادہ احسان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری باتوں کا جواب دینے سے تمہیں کیا چیز مانع ہے؟ راوی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی

وَرَسُوْلُهُ أَمَنُّ قَالَ لَوْ شِئْتُمْ قُلْتُمْ جِئْتَنَا كَذَا وَكَذَا أَ تَرْضَوْنَ أَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ

ہر بات پر انصار عرض کرتے جاتے کہ اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر سب سے زیادہ احسان ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے تو مجھ سے اس اس طرح بھی کہہ سکتے تھے

وَالْبَعِيْرِ وَ تَذْهَبُوْنَ بِالنَّبِيِّ إِلَى رِحَالِكُمْ ؛ لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الْأَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ

کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ جب لوگ اونٹ اور بکریاں لے جا رہے ہوں تو تم اپنے گھروں کی طرف رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لے جاؤ؟ اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا

النَّاسُ وَادِيًا وَشِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ وَ شِعْبَهَا اَلْأَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ

ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ کسی گھاٹی یا وادی میں رہیں گے تو میں انصار کی گھاٹی اور وادی میں رہوں گا۔ انصار استر کی طرح ہیں جو جسم سے لگا رہتا ہے اور دوسرے لوگ اوپر کے کپڑے کی

إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أُثْرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ عَلَى الْحَوْضِ

طرح ہیں۔ تم لوگ (انصار) دیکھو گے کہ میرے بعد تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی، اس وقت تم صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے حوض پر آملو

جب رسول اللہ ﷺ حنین، اوطاس اور طائف کے معرکوں سے فارغ ہوئے تو جعرانہ تشریف لائے، یہاں آکر آپ ﷺ نے غنائم حنین تقسیم فرمائے اور یہ اموال آپ ﷺ نے **مؤلفۃ القلوب** میں تقسیم فرمائے اور انصار کو کچھ نہیں دیا، آگے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ایک آدمی کو سو سو اونٹ دیئے،

مؤلفة القلوب سے یہاں وہ معززین قریش اور سرداران قبائل مراد ہیں جو اسلام تو لے آئے تھے، لیکن ابھی وہ ضعیف الایمان تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بڑے بڑے حصے دیئے تاکہ اسلام کے ساتھ ان کی محبت میں اضافہ ہو اور ایمان ان کے دل میں راسخ ہو جائے، اسی طرح مؤلفة القلوب میں بعض وہ لوگ بھی داخل تھے جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن ان کے بارے میں یہ توقع تھی کہ اگر ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے گا، تو وہ اسلام لے آئیں گے، ان میں صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، وہ خود بڑے فیاض اور سخی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کو مال غنیمت سے وافر حصہ دیا تو انہوں نے کہا کہ ایسی سخاوت اور فیاضی صرف نبی ہی کر سکتا ہے، چنانچہ وہ اس سخاوت سے متاثر ہو کر اسلام لے آئے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت میں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ان مؤلفة القلوب کے نام لکھے ہیں، جن میں ابو سفیان بن حرب، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبد العزی، حکیم بن حزام، صفوان بن امیہ، عیینہ بن حصن، اقرع بن حابس اور مالک بن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرات شامل تھے، جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی۔

مؤلفة القلوب کو جو آپ نے یہ مال دیا، آیا یہ کل مال غنیمت میں سے دیا، یا خمس میں سے دیا؟ اس میں علماء کی مختلف رائے ہے:

❶ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصول شریعت کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمس میں سے دیا ہو۔

❷ امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہ مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمس الخمس میں سے دیا۔

❸ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری غنیمت میں سے یہ حصہ عطا فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اموال غنیمت میں اس قسم کے تصرفات کا اختیار تھا، قرآن کریم میں ہے قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ، انصار کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نہیں دیا جس کی وجہ سے بعض انصار نے ناراضگی کا اظہار کیا چنانچہ آگے روایت میں ہے۔

فَكَأَنَّهُمْ وَجَدُوْا إِذْ لَمْ يُصِبْهُمْ مَا أَصَابَ النَّاسَ: جب مال دوسروں کو ملا اور انصار کو نہیں ملا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض انصار کو یہ بات ناگوار گزری کہ ہمیں کچھ نہیں دیا گیا، چنانچہ بعض انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے یہ کلمات بھی نکلے جیسا کہ آگے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آرہا ہے: فَقَالُوْا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي قُرَيْشًا وَيَتْرُكُنَا وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی دوسری روایت میں ہے: إِذَا كَانَتْ شَدِيْدَةٌ فَنَحْنُ نُدْعٰى وَيُعْطَى الْغَنِيْمَةَ غَيْرُنَا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس انصار کی ناراضگی کی اطلاع کسی نے پہنچائی اور ان کی طرف سے کہے گئے مذکورہ جملے بھی آپ تک پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انصار کو ایک خیمے میں جمع فرمایا اور ان سے دریافت کیا کہ مَا حَدِيْثٌ بَلَغَنِيْ

عَنْكُمْ ؟ تمہاری طرف سے جو بات مجھے پہنچی ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو فقہاء انصار نے کہا کہ ہمارے بڑوں نے کچھ نہیں کہا ہے، البتہ جو نوجوان ہیں انہوں نے یہ جملہ کہا ہے۔ فَخَطَبَهُمْ تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللهُ بِي وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللهُ بِي وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللهُ بِي رسول اللہ ﷺ جو بھی جملہ فرماتے، تو انصار کہتے: اَللهُ وَرَسُوْلُهُ أَمَنُّ اللہ اور اس کے رسول کا احسان سب سے زیادہ ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لَوْ شِئْتُمْ قُلْتُمْ جِئْتَنَا كَذَا وَكَذَا کہ اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ آپ ہمارے پاس آئے تھے ایسی ایسی حالت میں۔ اس روایت میں تصریح نہیں ہے، البتہ حاشیہ میں موجود ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: أما والله لو شئتم لقلتم فصدقتم فصدقتم فصدقتم اللہ کی قسم! اگر تم میری باتوں کے جواب میں یہ کہو جو میں آگے کہنے والا ہوں تو تم سچ کہو گے، سچ کہو گے، سچ کہو گے۔ کہ اتيتنا مكذبا فصدقناك آپ جب ہمارے پاس آئے تو ساری دنیا آپ کو جھٹلا رہی تھی، ہم نے آپ کی تصدیق کی و مخذولا فنصرناك سب نے آپ کی مدد چھوڑ دی تھی، اس وقت ہم نے آپ کی مدد کی و طريدا فآويناك آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا گیا تھا، تو ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا وعائلا فواسيناك اور آپ حالت مفلسی میں تشریف لائے تھے، ہم نے آپ کے ساتھ غم خواری کا معاملہ کیا۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو پھر آپ ﷺ نے فرمایا: أَتَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيرِ وَتَذْهَبُونَ بِالنَّبِيِّ إِلَى رِحَالِكُمْ ؟ کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد (ﷺ) کو لے کر اپنے گھر آؤ۔

اَلْأَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ: شعار اس لباس کو کہتے ہیں جو جسم کے ساتھ متصل ہوتا ہے، جیسے بنیان وغیرہ اور دثار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو اوپر ہو جیسے قمیص اور چادر وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار کو شعار کہا، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انصار کا تعلق اسلام کے ساتھ نہایت قوی ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ ان کا اتصال نہایت ہی مستحکم ہے۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی، تو انصار چیخ اٹھے اور روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور سب نے کہا: رضينا برسول الله قسما و حظا یعنی ہم اس تقسیم پر راضی ہیں۔

إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أُثْرَةً: أثرة (اسے ہمزہ کے فتح کسرہ اور ضمہ تینوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور ثاء پر جزم ہے، یا اگر ہمزہ مفتوح ہو تو ثاء کو مفتوح بھی پڑھا جا سکتا ہے، اس کے معنی ہیں: ایثار کرنا، ترجیح دینا) اور تم میرے بعد ترجیح دیکھو گے، یعنی تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی، اس میں ایثار بالحق بھی داخل ہے اور ایثار بالباطل بھی داخل ہے۔ ایثار بالحق یہ ہے کہ کسی اور کو انصار پر حق کے ساتھ ترجیح دی جائے، جیسے نبی کریم ﷺ نے قریش کو

تالیف قلب کے لیے ترجیح دی، یہ ایثار بالحق تھا، اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور باقی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت ہوئی، یہ بھی ایثار بالحق تھا اور ایثار بالباطل یہ ہے کہ جہاں حق ملنا چاہیے، وہاں بھی ہوسکتا ہے کہ وہ حق نہ ملے اور لوگ تمہارا حق ماریں، لہٰذا اگر تمہارا حق مارا جائے تو تم تلوار لے کر کھڑے مت ہو جانا، بلکہ فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ عَلَى الْحَوْضِ تو تم صبر کرنا، یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جاؤ اور مجھ سے ملو، وہاں میں تمہاری سب شکایتیں دور کردوں گا۔

حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ

أَخْبَرَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ نَاسٌ مِنَ الْأَنْصَارِ حِيْنَ أَفَاءَ اللهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قبیلہ ہوازن کے مال میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو دینا تھا، وہ دے دیا

مَا أَفَاءَ مِنْ أَمْوَالِ هَوَازِنَ فَطَفِقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْ رِجَالًا الْمِائَةَ مِنَ الْإِبِلِ

تو انصار کے کچھ لوگوں کو رنج ہوا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سو سو اونٹ دے دیئے تھے۔

فَقَالُوْا يَغْفِرُ اللهُ لِرَسُوْلِ اللهِ يُعْطِيْ قُرَيْشًا وَيَتْرُكُنَا وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ قَالَ أَنَسٌ

تو کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ اپنے رسول کی معاف فرمائے، قریش کو تو آپ عنایت فرما رہے ہیں اور ہمیں آپ نے چھوڑ دیا ہے حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔

فَحُدِّثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَقَالَتِهِمْ فَأَرْسَلَ إِلَى الْأَنْصَارِ فَجَمَعَهُمْ فِيْ قُبَّةٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار کی یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی گئی، تو آپ نے انصار کو پیغام دے کر بلایا اور چمڑے کے ایک خیمے میں انہیں جمع کیا،

مِنْ أَدَمٍ وَلَمْ يَدْعُ مَعَهُمْ غَيْرَهُمْ فَلَمَّا اجْتَمَعُوْا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

ان کے ساتھ ان کے علاوہ کسی کو بھی آپ نے نہیں بلایا تھا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ تمہاری جو بات

مَا حَدِيْثٌ بَلَغَنِيْ عَنْكُمْ؟ فَقَالَ فُقَهَاءُ الْأَنْصَارِ أَمَّا رُؤَسَاؤُنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ فَلَمْ يَقُوْلُوْا شَيْئًا

مجھے معلوم ہوئی ہے کیا وہ صحیح ہے؟ انصار کے جو سمجھدار لوگ تھے انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جو لوگ ہمارے معزز اور سردار ہیں، انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔

وَأَمَّا نَاسٌ مِنَّا حَدِيْثَةٌ أَسْنَانُهُمْ فَقَالُوْا يَغْفِرُ اللهُ لِرَسُوْلِ اللهِ يُعْطِيْ قُرَيْشًا وَيَتْرُكُنَا

البتہ ہمارے کچھ لوگ جو ابھی نوعمر ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف فرمائے کہ قریش کو آپ دے رہے ہیں اور ہمیں آپ نے چھوڑ دیا ہے

وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّيْ أُعْطِيْ رِجَالًا حَدِيْثِيْ

حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ میں ایسے لوگوں کو دیتا ہوں جو ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں،

عَهْدٍ بِكُفْرٍ أَتَأَلَّفُهُمْ أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالْأَمْوَالِ وَتَذْهَبُوْنَ بِالنَّبِيِّ إِلٰى رِحَالِكُمْ

اس طرح میں ان کی دلجوئی کرتا ہوں۔ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ دوسرے لوگ تو مال و دولت لے جائیں اور تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاؤ۔

فَوَاللهِ لَمَا تَنْقَلِبُوْنَ بِهٖ خَيْرٌ مِمَّا يَنْقَلِبُوْنَ بِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ رَضِيْنَا فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ

اللہ کی قسم! جو چیز تم اپنے ساتھ لے جاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے جا رہے ہیں۔ انصار نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں۔ پھر اس کے بعد

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَجِدُوْنَ أُثْرَةً شَدِيْدَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوُا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تم دیکھو گے کہ تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔ اس وقت صبر کرنا، یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول سے آ ملو

فَإِنِّيْ عَلَى الْحَوْضِ قَالَ أَنَسٌ فَلَمْ يَصْبِرُوْا
میں حوض کوثر پر تمہیں ملوں گا۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لیکن انصار نے صبر نہیں کیا

قَالَ أَنَسٌ فَلَمْ يَصْبِرُوْا: حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی انصار میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ انصار نے صبر نہیں کیا۔ یہ بات آپ نے تواضعًا ارشاد فرمائی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ انصار نے بہت صبر کیا، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ

عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ فَتْحِ مَكَّةَ قَسَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَنَائِمَ
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے زمانے میں نبی کریم ﷺ نے قریش میں (حنین کی)

بَيْنَ قُرَيْشٍ فَغَضِبَتِ الْأَنْصَارُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَّذْهَبَ
غنیمت کی تقسیم کر دیانصار اس سے رنجیدہ ہوئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ دوسرے لوگ اپنے ساتھ

النَّاسُ بِالدُّنْيَا وَتَذْهَبُونَ بِرَسُوْلِ اللهِ ؟ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا
دنیا لے جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو لے جاؤ۔ انصار نے عرض کیا کہ کیوں نہیں ہم اس پر راضی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ کسی وادی یا گھاٹی میں رہیں

لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَهُمْ
تو میں انصار کی وادی یا گھاٹی میں رہوں گا

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ أَنْبَأَنَا هِشَامُ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَنَسٍ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ حُنَيْنٍ الْتَقٰى هَوَازِنَ وَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں جب قبیلہ ہوازن سے جنگ شروع ہوئی تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ دس ہزار فوج تھی۔

وَسَلَّمَ عَشَرَةُ آلَافٍ وَالطُّلَقَاءُ فَأَدْبَرُوْا قَالَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ قَالُوْا لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ
قریش کے وہ لوگ بھی ساتھ تھے جنہیں فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے معاف کر دیا تھا پھر سب نے پیٹھ پھیر لی۔ آپ ﷺ نے پکارا: اے جماعت انصار! انہوں نے

وَسَعْدَيْكَ لَبَّيْكَ نَحْنُ بَيْنَ يَدَيْكَ فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَنَا عَبْدُ اللهِ
جواب دیا کہ ہم حاضر ہیں، یارسول اللہ! آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے ہم حاضر ہیں۔ ہم آپ کے سامنے ہیں، پھر آپ ﷺ اپنی سواری سے اتر گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا

وَرَسُوْلُهٗ فَانْهَزَمَ الْمُشْرِكُوْنَ فَأَعْطَى الطُّلَقَاءَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَلَمْ يُعْطِ الْأَنْصَارَ شَيْئًا
کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، پھر مشرکین کو شکست ہو گئی۔ تو آپ ﷺ نے طلقاء اور مہاجرین کو مال دیا لیکن انصار کو کچھ نہیں دیا۔

فَقَالُوْا فَدَعَاهُمْ فَأَدْخَلَهُمْ فِيْ قُبَّةٍ فَقَالَ أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيْرِ
اس پر انصار رضی اللہ عنہم نے اپنے غم کا اظہار کیا تو آپ نے انہیں بلایا اور ایک خیمہ میں جمع کیا پھر فرمایا کہ تم اس پر راضی نہیں ہو کہ دوسرے لوگ بکری اور اونٹ اپنے ساتھ لے جائیں

وَتَذْهَبُوْنَ بِرَسُوْلِ اللهِ ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَ سَلَكَتِ
اور تم رسول اللہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگ کسی وادی یا گھاٹی میں رہیں

الْأَنْصَارُ شِعْبًا لَاخْتَرْتُ شِعْبَ الْأَنْصَارِ
اور انصار دوسری گھاٹی میں رہیں تو میں انصار کی گھاٹی کو اختیار کروں گا

وَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَةُ آلَافٍ وَالطُّلَقَاءُ: نبی کریم ﷺ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر اور

طلقاء تھے۔ طلقاء طلیق کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں وہ قیدی جس کو حاکم صرف احسان کی غرض سے چھوڑ دے۔ یہاں طلقاء سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احساناً چھوڑ دیا تھا، نہ قتل کیا، نہ قید کیا، نہ فدیہ لیا، جیسے ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام، سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا مِّنَ الْأَنْصَارِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے کچھ لوگوں کو جمع کیا

فَقَالَ إِنَّ قُرَيْشًا حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَّ مُصِيبَةٍ وَإِنِّي أَرَدْتُّ أَنْ أُجِيزَهُمْ وَ أَتَأَلَّفَهُمْ أَمَا

اور فرمایا کہ قریش کے کفر کا اور ان کی بربادیوں کا زمانہ ابھی قریب ہی ہے۔ میرا مقصد صرف ان کی دلجوئی اور تالیف قلب ہے۔

تَرْضَوْنَ أَنْ يَّرْجِعَ النَّاسُ بِالدُّنْيَا وَ تَرْجِعُونَ بِرَسُولِ اللهِ إِلَى بُيُوتِكُمْ ؟ قَالُوا بَلَى قَالَ لَوْ سَلَكَ

کیا تم اس پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ لوگ دنیا اپنے ساتھ لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے گھر لے جاؤ؟ سب انصاری بولے، کیوں نہیں (ہم اسی پر راضی ہیں)

النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَ الْأَنْصَارِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دوسرے لوگ کسی وادی میں چلیں اور انصار کسی اور گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی یا گھاٹی میں چلوں گا

حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَمَّا قَسَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِسْمَةَ حُنَيْنٍ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کر رہے تھے تو انصار کے ایک شخص نے کہا

مَا أَرَادَ بِهَا وَجْهَ اللهِ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ

کہ اس تقسیم میں اللہ کی خوشنودی کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بدگوئی کی اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ثُمَّ قَالَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَى مُوسَى قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ

چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، انہیں اس سے بھی زیادہ دکھ پہنچایا گیا تو انہوں نے صبر کیا

قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ: اس شخص کا نام معتب بن قشیر تھا، بظاہر یہ شخص منافق تھا اور منافقین کے بارے میں چونکہ اصول یہ ہے کہ انہیں قتل نہیں کیا جاتا، اس لیے اس کلمہ کفر کہنے کے باوجود اس کو قتل نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ

عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ حُنَيْنٍ اٰثَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کو ترجیح دی،

أَعْطَى الْأَقْرَعَ مِائَةً مِّنَ الْإِبِلِ وَأَعْطَى عُيَيْنَةَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَأَعْطَى نَاسًا فَقَالَ رَجُلٌ مَا أُرِيدَ

چنانچہ اقرع بن حابس کو سو اونٹ دیئے، عیینہ بن حصن فزاری کو بھی اتنے ہی دیئے اور اسی طرح دوسرے اشراف عرب کو دیا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اس تقسیم میں

بِهٰذِهِ الْقِسْمَةِ وَجْهُ اللهِ فَقُلْتُ لَأُخْبِرَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَحِمَ اللهُ مُوسَى

اللہ کی رضا کا کوئی خیال نہیں کیا گیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کروں گا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ سنا تو فرمایا

قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ

کہ اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ انہیں اس سے بھی زیادہ دکھ دیا گیا تھا لیکن انہوں نے صبر کیا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ حُنَيْنٍ أَقْبَلَتْ هَوَازِنُ وَ غَطَفَانُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حنین کا دن ہوا تو قبیلہ ہوازن اور غطفان اپنے مویشی اور بال بچوں کو ساتھ لے کر جنگ کے لیے نکلے۔

وَ غَيْرُهُمْ بِنَعَمِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ وَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَةُ آلَافٍ مِنَ الطُّلَقَاءِ

اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا اور طلقاء تھے،

فَأَدْبَرُوا عَنْهُ حَتّٰى بَقِيَ وَحْدَهُ فَنَادٰى يَوْمَئِذٍ نِدَاءَيْنِ لَمْ يَخْلِطْ بَيْنَهُمَا الْتَفَتَ عَنْ يَمِينِهِ

پھر ان سب نے پیٹھ پھیر لی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ گئے۔ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ پکارا دونوں پکار ایک دوسرے سے الگ الگ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں طرف

فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ قَالُوا لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَبْشِرْ نَحْنُ مَعَكَ ثُمَّ الْتَفَتَ عَنْ يَسَارِهِ

متوجہ ہو کر پکارا: اے جماعت انصار! انہوں نے جواب دیا ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ! آپ کو بشارت ہو، ہم آپ کے ساتھ ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بائیں طرف متوجہ ہوئے

فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ قَالُوا لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَبْشِرْ نَحْنُ مَعَكَ وَ هُوَ عَلٰى بَغْلَةٍ بَيْضَاءَ

اور آواز دی، اے جماعت انصار! انہوں نے ادھر سے جواب دیا کہ ہم حاضر ہیں، یا رسول اللہ! بشارت ہو، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک سفید خچر پر سوار تھے

فَنَزَلَ فَقَالَ أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ فَانْهَزَمَ الْمُشْرِكُونَ فَأَصَابَ يَوْمَئِذٍ غَنَائِمَ كَثِيرَةً

پھر آپ اس پر سے اتر گئے اور فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ انجام کار کافروں کو شکست ہوئی اور اس لڑائی میں بہت زیادہ غنیمت حاصل ہوئی۔

فَقَسَمَ فِي الْمُهَاجِرِينَ وَالطُّلَقَاءِ وَلَمْ يُعْطِ الْأَنْصَارَ شَيْئًا فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ إِذَا كَانَتْ شَدِيدَةٌ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مہاجرین میں اور طلقاء میں تقسیم کر دیا اور انصار کو اس میں سے کچھ نہیں عطا فرمایا۔ انصار (کے بعض نوجوانوں) نے کہا کہ جب سخت وقت آتا ہے

فَنَحْنُ نُدْعٰى وَ يُعْطَى الْغَنِيمَةَ غَيْرُنَا فَبَلَغَهُ ذٰلِكَ فَجَمَعَهُمْ فِي قُبَّةٍ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ

تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور غنیمت دوسروں کو تقسیم کر دی جاتی ہے۔ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے انصار کو ایک خیمہ میں جمع کیا اور فرمایا: اے جماعت انصار!

مَا حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكُمْ؟ فَسَكَتُوا فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَلَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ

کیا وہ بات صحیح ہے جو تمہارے بارے میں مجھے معلوم ہوئی ہے؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جماعت انصار! کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ لوگ

بِالدُّنْيَا وَتَذْهَبُونَ بِرَسُولِ اللّٰهِ تَحُوزُونَهُ إِلٰى بُيُوتِكُمْ؟ فَقَالُوا بَلٰى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

اپنے ساتھ دنیا لے جائیں اور تم رسول اللہ کو اپنے گھر لے جاؤ۔ انصار نے عرض کیا ہم اسی پر خوش ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَ سَلَكَتِ الْأَنْصَارُ شِعْبًا لَأَخَذْتُ شِعْبَ الْأَنْصَارِ

کہ اگر لوگ کسی وادی میں چلیں اور انصار کسی گھاٹی میں چلیں تو میں انصار ہی کی گھاٹی میں چلنا پسند کروں گا۔

قَالَ هِشَامٌ قُلْتُ يَا أَبَا حَمْزَةَ وَأَنْتَ شَاهِدٌ ذَاكَ قَالَ وَأَيْنَ أَغِيبُ عَنْهُ؟

ہشام نے پوچھا: اے ابوحمزہ! کیا آپ وہاں موجود تھے؟ انہوں نے کہا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب ہی کب ہوتا تھا؟

وَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَةُ آلَافٍ مِنَ الطُّلَقَاءِ: اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار طلقاء تھے، حالانکہ جنگ حنین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اور دو

ہزار طلقاء تھے، اس لئے روایت میں عشرة آلاف من الطلقاء کی تعبیر درست نہیں ہے، بعض روایت میں درمیان میں واؤ حرف عطف ہے، یعنی عشرة آلاف و من الطلقاء ہے، یعنی دس ہزار صحابہ تھے اور کچھ تعداد طلقاء کی تھی اور یہی درست ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی تائید فرمائی ہے۔ علامہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ مع النبي صلى الله عليه وسلم عشرة آلاف یہ مستقل الگ جملہ ہے، آگے راوی نے جب من الطلقاء کہا تھا تو دو انگلیوں سے اشارہ کرکے طلقاء کی تعداد بیان کی تھی کہ ان کی تعداد دو ہزار تھی، راوی نے اشارہ کو تو غائب کر دیا اور من الطلقاء کے الفاظ نقل کر دیئے، واللہ اعلم۔

بَابُ السَّرِيَّةِ الَّتِيْ قِبَلَ نَجْدٍ

باب: نجد کی طرف جو لشکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ کیا تھا اس کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجد کی جانب ایک سریہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرمایا، یہ واقعہ کب پیش آیا؟

۱ اہل مغازی کی رائے یہ ہے کہ فتح مکہ کے لیے تشریف لے جانے سے پہلے یہ سریہ روانہ کیا گیا تھا۔

۲ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں لکھا ہے کہ یہ غزوۂ موتہ سے پہلے یعنی شعبان سن ۸ ہجری کا واقعہ ہے۔

۳ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فتح مکہ کے بعد ذکر کیا ہے، تو یا تو یہ کہا جائے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غزوات میں بعض جگہ تقدیم و تاخیر کی ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ ان کی اپنی تحقیق یہی ہوگی کہ یہ واقعہ فتح مکہ اور طائف کے بعد کا ہے۔

یہ واقعہ نجد کے علاقہ ارض محارب میں پیش آیا، اس میں کل پندرہ آدمی شریک تھے مال غنیمت میں دو سو اونٹ حاصل ہوئے، دو ہزار بکریاں اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے اور صرف پندرہ دن کے اندر یہ حضرات اس سریہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے آئے تھے۔

حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً قِبَلَ نَجْدٍ فَكُنْتُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر روانہ کیا تھا، میں بھی اس میں شریک تھا،

فِيهَا فَبَلَغَتْ سُهْمَانُنَا اثْنَيْ عَشَرَ بَعِيرًا وَنُفِّلْنَا بَعِيرًا بَعِيرًا فَرَجَعْنَا بِثَلَاثَةَ عَشَرَ بَعِيرًا

اس میں ہمارا حصہ (مال غنیمت میں) بارہ بارہ اونٹ آیا اور ایک ایک اونٹ ہمیں اضافی دیا گیا، اس طرح ہم تیرہ تیرہ اونٹ ساتھ لے کر واپس آئے

بَابُ بَعْثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ إِلَى بَنِيْ جَذِيْمَةَ

باب: نبی کریم ﷺ کا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنی جذیمہ قبیلے کی طرف بھیجنا

حَدَّثَنِيْ مَحْمُوْدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ح وحَدَّثَنِيْ نُعَيْمٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ إِلَى بَنِيْ جَذِيْمَةَ

امام زہریؒ سالمؒ سے اور وہ اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔

فَدَعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَلَمْ يُحْسِنُوْا أَنْ يَّقُوْلُوْا أَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا يَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن انہیں أسلمنا کہنا نہیں آتا تھا، اس کے بجائے وہ صبأنا صبأنا کہنے لگے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے

خَالِدٌ يَّقْتُلُ وَ يَأْسِرُ وَدَفَعَ إِلَى كُلِّ رَجُلٍ مِّنَّا أَسِيْرَهُ حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمٌ أَمَرَ خَالِدٌ

انہیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور پھر ہم میں سے ہر شخص کو اس کا قیدی حفاظت کے لیے دے دیا پھر ایک دن خالد رضی اللہ عنہ نے ہم سب کو حکم دیا

أَنْ يَّقْتُلَ كُلُّ رَجُلٍ مِّنَّا أَسِيْرَهُ فَقُلْتُ وَاللهِ لَا أَقْتُلُ أَسِيْرِيْ وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِيْ

کہ ہم اپنے قیدیوں کو قتل کر دیں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا،

أَسِيْرَهُ حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَاهُ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

پھر جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے صورت حال بیان کی تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی:

وَسَلَّمَ يَدَهُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْنِ

اے اللہ! میں اس فعل سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں، جو خالد نے کیا۔ دو مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔

اہل مغازی کے نزدیک حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد اور غزوۂ حنین سے پہلے مہاجرین و انصار میں سے تین سو پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک سریہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت میں دین اسلام کی تبلیغ کی غرض سے بنو جذیمہ کی طرف روانہ کیا، بنو جذیمہ مکہ کے نشیبی علاقے میں مشرق کی جانب مقیم تھے۔

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بنو جذیمہ کو اسلام کی دعوت دی، تو وہ لوگ اسلام کا اقرار ٹھیک طرح نہ کر سکے اور اسلمنا (ہم نے اسلام قبول کیا) کی بجائے صبأنا صبأنا (ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا) کہتے رہے، چونکہ کفار قریش اسلام قبول کرنے والے کے لیے اسلم فلان" کی بجائے صبأ فلان کے الفاظ استعمال کرتے تھے، اس لیے بنو جذیمہ نے اسلام کا اقرار صبأنا، صبأنا کہہ کر کیا، صبأ کے معنی ایک دین سے دوسرے دین کی طرف نکلنے کے ہیں، اس لفظ میں چونکہ اقرار اسلام کا مفہوم واضح نہیں تھا، اس لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان میں سے بعض کو قتل کر دیا، جب نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ پھر دوسری روایات کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مال دے کر بنو جذیمہ کے پاس بھیجا اور ان سب مقتولین کی دیت مسلمانوں کی طرف سے ادا کی گئی۔

بَابُ سَرِيَّةِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ وَعَلْقَمَةَ بْنِ مُجَزِّزٍ الْمُدْلِجِيِّ وَيُقَالُ إِنَّهَا سَرِيَّةُ الْأَنْصَارِ

باب: عبداللہ بن حذافہ سہمی اور علقمہ بن مجزز المدلجی رضی اللہ عنہما کے دستہ کا بیان اور اسے سریۂ انصار بھی کہا جاتا ہے

یہ سن ۹ ہجری کا واقعہ ہے، نیز آگے جو واقعات آرہے ہیں ان میں سے زیادہ تر سن ۹ ہجری ہی کے ہیں، اس سریہ میں پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علقمہ بن مجزز مدلجی رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا، پھر بعد میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ امیر بنے، اس میں انصار کی تعداد چونکہ زیادہ تھی، اس لیے اسے سریۃ الانصار بھی کہا جاتا ہے۔

ربیع الثانی سن ۹ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ کچھ حبشی لوگ جدہ کے قریب ایک جزیرے میں دیکھے گئے ہیں اور اندیشہ ہے کہ کہیں وہ اہل اسلام پر حملہ نہ کردیں، اس اطلاع کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علقمہ بن مجزز رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت روانہ فرمائی، جب یہ حضرات اس جزیرے کے قریب پہنچے تو وہ حبشی بھاگ گئے، واپسی پر چند لوگوں نے جلدی گھر آنا چاہا تو حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے ان پر عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا اور وہ ان سے الگ ہو کر جلدی واپس آگئے اور اسی واپسی میں یہ قصہ پیش آیا جو حدیث میں مذکور ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي سَعْدُ بْنُ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فَاسْتَعْمَلَ رَجُلًا مِّنَ
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا امیر ایک انصاری صحابی (عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ) کو بنایا

الْأَنْصَارِ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يُّطِيْعُوْهُ فَغَضِبَ فَقَالَ أَلَيْسَ أَمَرَكُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ
اور سب کو حکم دیا کہ سب اپنے امیر کی اطاعت کریں، پھر امیر کسی وجہ سے غصہ ہو گئے اور اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں

تُطِيْعُوْنِيْ؟ قَالُوْا بَلٰى قَالَ فَاجْمَعُوْا لِيْ حَطَبًا فَجَمَعُوْا فَقَالَ أَوْقِدُوْا نَارًا فَأَوْقَدُوْهَا
میری اطاعت کرنے کا حکم نہیں فرمایا ہے؟ سب نے کہا کہ ہاں حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا پھر تم سب لکڑیاں جمع کرو۔ انہوں نے لکڑیاں جمع کیں تو امیر نے حکم دیا کہ اس میں

فَقَالَ ادْخُلُوْهَا فَهَمُّوْا وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يُمْسِكُ بَعْضًا وَيَقُوْلُوْنَ فَرَرْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
آگ لگاؤ تو انہوں نے آگ لگادی، اب انہوں نے حکم دیا کہ سب اس میں کود جاؤ، کچھ ساتھی کود جانا ہی چاہتے تھے کہ ان ہی میں سے بعض نے بعض کو روکا اور کہا کہ ہم تو اس آگ

وَسَلَّمَ مِنَ النَّارِ فَمَا زَالُوْا حَتّٰى خَمَدَتِ النَّارُ فَسَكَنَ غَضَبُهُ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
ہی کے خوف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آئے ہیں، ان باتوں میں وقت گزر گیا اور آگ بھی بجھ گئی، پھر امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا، جب اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی

وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ دَخَلُوْهَا مَا خَرَجُوْا مِنْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَلطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ
تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس آگ میں کود جاتے تو پھر قیامت تک اس میں سے نہ نکلتے، اطاعت کا حکم صرف نیک کاموں میں ہے

فَسَكَنَ غَضَبُهُ: یہاں بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر لشکر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے آگ میں کودنے کا جو حکم دیا، وہ غصے میں دیا تھا، جبکہ سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ حکم غصے میں نہیں دیا تھا بلکہ از راہ مذاق دیا تھا، اگرچہ شراح نے ان دونوں روایتوں کو الگ الگ واقعات پر محمول کیا ہے، لیکن چاہیے

آگ میں کودنا بطور مذاق کے ہو، یا غصے میں دیئے گئے حکم کے نتیجے میں، دونوں کا حکم ایک ہی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ آگ میں کود جاتے تو قیامت تک آگ ہی میں رہتے۔

لَوْ دَخَلُوْهَا مَا خَرَجُوْا مِنْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ: اگر دَخَلُوْهَا اور مَا خَرَجُوْا مِنْهَا دونوں کی ضمیر اسی نار کی طرف راجع ہو جو انہوں نے خود جلائی تھی، تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اس آگ میں اگر داخل ہو جاتے تو اس سے قیامت تک نہ نکلتے، بلکہ اسی میں جل کر مر جاتے اور اگر دَخَلُوْهَا کی ضمیر ان لوگوں کی جلائی ہوئی آگ کی طرف راجع ہو اور مَا خَرَجُوْا مِنْهَا کی ضمیر جس نار کی طرف مشیر ہو، اس سے مراد نار جهنم ہو، تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر یہ لوگ امیر کے حکم کی تعمیل کی وجہ سے آگ میں داخل ہونے کو حلال سمجھ کر اس میں کود جاتے تو قیامت تک جہنم کی آگ میں رہتے، یعنی انہیں برزخ میں عذاب ہوتا کیونکہ اس طرح آگ میں داخل ہونا معصیت ہوتا اور عاصی کے لیے عذاب برزخ ہے، البتہ ایک روایت میں ہے ماخرجوا منها ابدا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے عذاب برزخ نہیں بلکہ عذاب آخرت مراد ہے، تاہم اس صورت میں بھی کوئی اشکال نہیں، اس لیے کہ خودکشی کو حلال سمجھنے والے کا یہی حکم ہے کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے اور کافر کے لیے نار جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

اشکال: اس روایت پر ایک اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے آگ میں کودنے کا حکم کیوں دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ مغلوب الغضب ہو گئے تھے اور جب آدمی مغلوب الغضب ہو جاتا ہے تو وہ اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے اور غلبۂ حال کی کیفیت ہو جاتی ہے، جس میں وہ عند الله معذور ہوتا ہے۔

اَلطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ: پھر آپ ﷺ نے ایک اصول ارشاد فرمایا کہ اطاعت صرف معروف کام میں کی جاتی ہے۔ معروف سے مراد وہ کام ہے جس کی شریعت میں یا عرف میں اجازت ہو لیکن جو کام معروف نہ ہو بلکہ منکر ہو، اس میں امیر کی اطاعت نہیں کی جاتی بلکہ اس وقت امیر کی اطاعت کرنا جائز ہی نہیں ہوتا، اس لیے یہ اصولی بات ہے کہ لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ ماں باپ کا کہنا ماننا چاہیے، لیکن وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ چنانچہ ماں باپ، شیخ، استاذ، یا کوئی بھی بڑا اگر کسی ناجائز کام کا حکم دے تو صاف معذرت کر لی جائے گی، شوہر اگر بیوی کو کسی گناہ پر مجبور کرے تو بیوی کہنا نہیں مانے گی، باپ اگر کسی ناجائز کام کا حکم دے تو بیٹا صاف منع کر دے، اس لیے کہ مخلوق کی اطاعت صرف جائز اور معروف کاموں میں ہے، البتہ اس صورت میں اطاعت نہ کرنے کے باوجود بدتمیزی بھی نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ بھی حکم ہے کہ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا لہٰذا اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہوگا۔

بَابُ بَعْثِ أَبِي مُوسٰى وَمُعَاذٍ إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ

باب: حجۃ الوداع سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجنا

فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرف دعوت اسلام کے لئے مبلغین روانہ فرمائے، چنانچہ یمن کی طرف حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور چونکہ یمن کے دو حصے تھے، اس لئے معاذ رضی اللہ عنہ کو مغربی سمت یعنی یمن کے بالائی حصے عدن وغیرہ کی طرف اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو شرقی سمت یعنی نشیبی علاقہ میں تبلیغ کا حکم دیا۔

حَدَّثَنَا مُوسٰى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا مُوسٰى وَمُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ إِلَى الْيَمَنِ

حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجا،

قَالَ بَعَثَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلٰى مِخْلَافٍ قَالَ وَالْيَمَنُ مِخْلَافَانِ ثُمَّ قَالَ يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا

راوی فرماتے ہیں کہ دونوں صحابیوں کو یمن کے ایک ایک صوبے میں بھیجا، راوی فرماتے ہیں کہ یمن کے دو صوبے تھے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ دیکھو لوگوں کے لیے

وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا فَانْطَلَقَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلٰى عَمَلِهِ وَكَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِذَا سَارَ فِي

آسانیاں پیدا کرنا، دشواریاں پیدا نہ کرنا، انہیں خوش کرنے کی کوشش کرنا، دین سے نفرت نہ دلانا، یہ دونوں حضرات اپنے اپنے کاموں پر روانہ ہوگئے، دونوں میں سے جب کوئی

أَرْضِهِ كَانَ قَرِيبًا مِنْ صَاحِبِهِ أَحْدَثَ بِهِ عَهْدًا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَسَارَ مُعَاذٌ فِي أَرْضِهِ قَرِيبًا مِنْ

اپنے علاقے کا دورہ کرتے کرتے اپنے دوسرے ساتھی کے پاس پہنچ جاتا تو ان سے ملاقات کے لیے آتا اور سلام کرتا، ایک مرتبہ معاذ رضی اللہ عنہ اپنے علاقہ میں اپنے ساتھی

صَاحِبِهِ أَبِي مُوسٰى فَجَاءَ يَسِيرُ عَلٰى بَغْلَتِهِ حَتّٰى انْتَهٰى إِلَيْهِ وَإِذَا هُوَ جَالِسٌ وَقَدِ اجْتَمَعَ إِلَيْهِ

ابوموسیٰؓ کے قریب پہنچ گئے اور اپنے خچر پر ان سے ملاقات کے لیے چلے، جب ان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے پاس کچھ لوگ جمع ہیں اور ایک شخص

النَّاسُ وَإِذَا رَجُلٌ عِنْدَهُ قَدْ جُمِعَتْ يَدَاهُ إِلٰى عُنُقِهِ فَقَالَ لَهُ مُعَاذٌ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ

ان کے سامنے ہے جس کی مشکیں کسی ہوئی ہیں، معاذؓ نے ان سے پوچھا: اے عبداللہ بن قیس! یہ کیا واقعہ ہے؟ ابوموسیٰؓ نے بتلایا کہ یہ شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا ہے،

أَيُّمَ هٰذَا؟ قَالَ هٰذَا رَجُلٌ كَفَرَ بَعْدَ إِسْلَامِهِ قَالَ لَا أَنْزِلُ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ إِنَّمَا جِيءَ بِهِ لِذٰلِكَ

انہوں نے کہا کہ پھر جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے میں اپنی سواری سے نہیں اتروں گا، ابوموسیٰؓ نے کہا کہ اسے قتل کرنے ہی کے لیے یہاں لایا گیا ہے، آپ اتر جائیں

فَانْزِلْ قَالَ مَا أَنْزِلُ حَتّٰى يُقْتَلَ فَأَمَرَ بِهِ فَقُتِلَ ثُمَّ نَزَلَ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ كَيْفَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟

لیکن انہوں نے کہا کہ جب تک اسے قتل نہ کیا جائے گا میں نہ اتروں گا، تو ابوموسیٰؓ نے حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا، تب وہ سواری سے اترے اور پوچھا، عبداللہ! آپ قرآن کس طرح

قَالَ أَتَفَوَّقُهُ تَفَوُّقًا قَالَ فَكَيْفَ تَقْرَأُ أَنْتَ يَا مُعَاذُ؟ قَالَ أَنَامُ أَوَّلَ اللَّيْلِ فَأَقُومُ وَقَدْ قَضَيْتُ

پڑھتے ہیں؟ تو کہا کہ میں تو تھوڑا تھوڑا ہر وقت پڑھتا رہتا ہوں پھر انہوں نے پوچھا کہ معاذ! آپ کس طرح پڑھتے ہیں؟ معاذؓ نے کہا کہ میں تو رات کے شروع میں سوتا ہوں پھر اپنی

جُزْئِي مِنَ النَّوْمِ فَأَقْرَأُ مَا كَتَبَ اللّٰهُ لِي فَأَحْتَسِبُ نَوْمَتِي كَمَا أَحْتَسِبُ قَوْمَتِي

نیند کا ایک حصہ پورا کر کے اٹھتا ہوں اور جو کچھ اللہ نے میرے لیے مقدر کر رکھا ہے قرآن پڑھتا ہوں، اور اپنی نیند میں بھی ثواب کی وہی امید رکھتا ہوں جیسی بیداری میں رکھتا ہوں

وَالْيَمَنُ مِخْلَافَانِ: مخلاف علاقے اور صوبے کو کہتے ہیں، اس زمانے میں یمن کے دو صوبے تھے، چنانچہ مغربی صوبے پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اور مشرقی صوبے پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔

يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا: روانگی کے وقت آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کو نصیحت کی کہ دیکھو لوگوں پر آسانی کرنا، تنگی نہ کرنا، لوگوں کو بشارت دینا، انہیں (دین اور اہل دین سے) متنفر نہ کرنا۔

اس لیے ایک عالم مبلغ اور دین کی خدمت کرنے والے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے اوپر تو سختی کرے، مگر مخلوق خدا پر سختی نہ کرے، لہٰذا جب فتوے کا معاملہ آئے تو نرمی اور رخصت اختیار کرنی چاہئے، لیکن جب اپنے عمل کا معاملہ آئے تو اس وقت احتیاط اور عزیمت پر عمل کرنا چاہئے۔

فَانْطَلَقَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَى عَمَلِهِ: اب یہ دونوں حضرات اپنے اپنے علاقے میں چلے گئے اور ان میں سے جب کوئی دوران سفر اپنے ساتھی کے علاقے کے قریب پہنچ جاتا، تو اپنے ساتھی سے ملاقات کرتا **أَحْدَثَ بِهِ عَهْدًا** اور اس ملاقات میں پرانے زمانے کو نیا کر لیتا، یعنی جب دونوں ساتھی جمع ہو جاتے تو پرانی باتیں یاد کرتے، چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ دوران سفر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے علاقے کے قریب پہنچے، تو ملاقات کی غرض سے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں، لوگ بھی وہاں جمع ہیں اور ایک آدمی ان کے پاس ہے، **قَدْ جُمِعَتْ يَدَاهُ إِلَى عُنُقِهِ** اس کے دونوں ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے، یعنی باندھ دیا گیا ہے، تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عبداللہ بن قیس! **أَيَّمَ هٰذَا؟** یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: **هٰذَا رَجُلٌ كَفَرَ بَعْدَ إِسْلَامِهِ** یہ وہ آدمی ہے، جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو گیا تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سواری سے نہیں اتروں گا یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: **إِنَّمَا جِيءَ بِهِ لِذٰلِكَ** کہ اس کو یہاں اسی لیے لایا گیا ہے کہ اس پر ارتداد کی سزا (یعنی قتل) جاری کی جائے، چنانچہ اس کو قتل کیا گیا، پھر حضرت معاذ بن جبل اپنی سواری سے اترے۔

مرتد کی سزا بالاجماع قتل ہے

یہ وہ مسئلہ ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے، حاکم یا عدالت کے لیے لازم اور ضروری ہے کہ وہ مرتد پر ارتداد کی سزا یعنی قتل جاری کرے، البتہ حاکم اور عدالت کے علاوہ کسی شخص کو از خود یہ اقدام کرنا اور کسی کو کافر قرار دے کر اسے قتل کر دینے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ویسے تو کسی شخص کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، چنانچہ کوئی شخص دار الاسلام میں ساری عمر بھی کافر بن کر رہے، ذمی بن کر رہے، اس کو کبھی بھی اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ اسے اسلام کے محاسن بتائے جائیں گے، ترغیب دی جائے گی، لیکن زبردستی کسی سے اسلام قبول نہیں کروایا جائے گا، لیکن اگر ایک آدمی اسلام قبول کر لے تو اس کے بعد اس کے لئے بغاوت کی اجازت نہیں ہے اور یہ دنیا میں ہر جگہ ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص کسی ملک میں جانا چاہے، یا نہ جانا چاہے تو اسے اختیار ہے، لیکن جب وہ اس ملک میں چلے

جائے اور بعد میں اس ملک کے قوانین کی خلاف ورزی شروع کردے، بغاوت کردے تو اس کی کوئی بھی اجازت نہیں دے گا، بالکل اسی طرح اسلام لانے اور نہ لانے میں مکمل اختیار ہے: فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ، لیکن جب آدمی مسلمان ہوگیا تو اب اس کے لیے اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کرنا اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، لہٰذا نعوذ باللہ اگر کوئی شخص مرتد ہوجائے تو اسلام میں مرتد کی سزا بالاجماع قتل ہے، چنانچہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ دونوں اپنے علاقے کے حاکم بھی تھے اور قاضی بھی تھے، چنانچہ بحیثیت قاضی اور حاکم انہوں نے مرتد پر یہ سزا جاری فرمائی۔

أَتَفَوَّقُهُ تَفَوُّقًا: اب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نیچے اتر آئے، دونوں دوست جمع ہو گئے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم قرآن کیسے پڑھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ میں وقفے دے دے کر قرآن مجید پڑھتا رہتا ہوں۔

اونٹنی کا دودھ دوہنے کے دوران درمیان میں جو جو وقفہ کیا جاتا ہے، اسے فواق کہتے ہیں۔ اونٹنی کا دودھ مسلسل نہیں دوہ سکتے بلکہ وقفہ دینا پڑتا ہے، کچھ دیر رکتے ہیں، پھر دودھ نکالتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ العيادة فواق ناقة اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ عیادت تھوڑی دیر ہونی چاہیے، لمبی چوڑی نہیں ہونی چاہیے کہ مریض کے پاس بیٹھے تو اب اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہے، بلکہ تھوڑی سی دیر بیٹھے، حال احوال پوچھا، دعا دی اور چلے گئے، بس اتنی ہی عیادت ہونی چاہیے، اس لیے کہ مریض کے پاس زیادہ بیٹھنے سے مریض کو تکلیف ہوتی ہے۔

بہر حال یہاں روایت میں ہے: أَتَفَوَّقُهُ تَفَوُّقًا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں وقفہ دے دے کر قرآن پڑھتا رہتا ہوں، رات میں بھی تھوڑا تھوڑا وقفہ دے کر تہجد اور قرآن مجید پڑھتا رہتا ہوں۔

پھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے معاذ بن جبل! آپ کس طرح قرآن مجید پڑھتے ہیں؟ تو فرمایا کہ میں شروع رات میں سو جاتا ہوں، پھر میں رات میں کھڑا ہوتا ہوں، پھر جتنا اللہ نے میرے لیے مقدر کیا ہوتا ہے، اتنا قرآن مجید پڑھ لیتا ہوں، فَأَحْتَسِبُ نَوْمَتِي كَمَا أَحْتَسِبُ قَوْمَتِي اور میں اپنی نیند سے بھی اس طرح ثواب کی امید رکھتا ہوں، جس طرح اپنی تہجد سے ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کی اگر سونے میں بھی اچھی نیت ہو اور وہ اس نیت سے سوئے کہ میں نیند پوری کر کے اٹھوں گا اور پھر تازہ دم ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں گا، یا بندوں کے حقوق ادا کروں گا، تو یہ سونا بھی عبادت ہے۔

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنِي خَالِدٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں یمن بھیجا، تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے

فَسَأَلَهُ عَنْ أَشْرِبَةٍ تُصْنَعُ بِهَا فَقَالَ وَمَا هِيَ؟ قَالَ الْبِتْعُ وَالْمِزْرُ فَقُلْتُ لِأَبِي بُرْدَةَ مَا الْبِتْعُ؟

ان شربتوں کا مسئلہ پوچھا جو یمن میں بنائے جاتے تھے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ وہ کیا ہیں؟ ابوموسیٰؓ نے بتایا کہ بتع اور مزر، سعید بن ابی بردہ فرماتے ہیں کہ میں نے

قَالَ نَبِيذُ الْعَسَلِ وَالْمِزْرُ نَبِيذُ الشَّعِيرِ فَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ رَوَاهُ جَرِيرٌ وَعَبْدُ الْوَاحِدِ

ابو بردہ سے پوچھا بتع کیا چیز ہے؟ انہوں نے بتایا کہ شہد سے تیاری کی ہوئی نبیذ اور مزر جو سے تیار کی ہوئی نبیذ۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز پینا حرام ہے۔

عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ

یہ روایت جریر اور عبدالواحد نے شیبانی سے کی ہے اور انہوں نے ابو بردہ سے کی ہے

حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي بُرْدَةَ

عَنْ أَبِيهِ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَدَّهُ أَبَا مُوسَى وَمُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ يَسِّرَا

سعید بن ابی بردہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے دادا ابوموسیٰؓ اور معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا،

وَلَا تُعَسِّرَا وَ بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا فَقَالَ أَبُو مُوسَى يَا نَبِيَّ اللهِ إِنَّ أَرْضَنَا بِهَا شَرَابٌ

ان کو دشواریوں میں نہ ڈالنا، لوگوں کو خوش خبریاں دینا، اور نفرت نہ دلانا اور تم دونوں آپس میں موافقت رکھنا، اس پر ابوموسیٰ اشعریؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! ہمارے ملک

مِنَ الشَّعِيرِ الْمِزْرُ وَ شَرَابٌ مِنَ الْعَسَلِ الْبِتْعُ فَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ فَانْطَلَقَا

میں جو سے ایک شراب تیار ہوتی ہے، جس کا نام مزر ہے اور شہد سے ایک شراب تیار ہوتی ہے جو بتع کہلاتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے، پھر دونوں

فَقَالَ مُعَاذٌ لِأَبِي مُوسَى كَيْفَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قَالَ قَائِمًا وَ قَاعِدًا وَعَلَى رَاحِلَتِي وَ أَتَفَوَّقُهُ

حضرات روانہ ہوئے، معاذؓ نے ابوموسیٰؓ سے پوچھا کہ آپ قرآن کیسے پڑھتے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ کھڑے ہو کر بھی، بیٹھ کر بھی اور اپنی سواری پر بھی اور میں تھوڑے تھوڑے

تَفَوُّقًا قَالَ أَمَّا أَنَا فَأَنَامُ وَأَقُومُ فَأَحْتَسِبُ نَوْمَتِي كَمَا أَحْتَسِبُ قَوْمَتِي وَ ضُرِبَ فُسْطَاطًا

وقفے سے پڑھتا ہی رہتا ہوں، تو معاذؓ نے کہا: لیکن میرا معمول یہ ہے کہ میں سو جاتا ہوں اور پھر بیدار ہوتا ہوں، اور اپنی نیند پر بھی ثواب کا امیدوار رہتا ہوں جس طرح بیدار

فَجَعَلَا يَتَزَاوَرَانِ فَزَارَ مُعَاذٌ أَبَا مُوسَى فَإِذَا رَجُلٌ مُوثَقٌ فَقَالَ مَا هَذَا؟ فَقَالَ أَبُو مُوسَى

ہو کر (عبادت کرنے پر) ثواب کی مجھے امید ہے اور ان دونوں کے لئے ایک خیمہ لگا یا گیا اور ایک دوسرے سے ملاقات برابر ہوتی رہتی، ایک مرتبہ معاذؓ ابوموسیٰؓ سے ملنے کے لیے

يَهُودِيٌّ أَسْلَمَ ثُمَّ ارْتَدَّ فَقَالَ مُعَاذٌ لَأَضْرِبَنَّ عُنُقَهُ تَابَعَهُ الْعَقَدِيُّ وَ وَهْبٌ عَنْ شُعْبَةَ

آئے، تو دیکھا ایک شخص بندھا ہوا ہے۔ پوچھا یہ کیا بات ہے؟ ابوموسیٰؓ نے بتلایا کہ یہ ایک یہودی ہے، پہلے خود اسلام لایا اور اب یہ مرتد ہو گیا ہے، تو معاذؓ نے کہا کہ میں اسے قتل کئے

وَقَالَ وَكِيعٌ وَالنَّضْرُ وَ أَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

بغیر ہرگز نہ رہوں گا۔ اس حدیث کو عقدی اور وہب بن جریر نے شعبہ سے روایت کیا ہے اور وکیع، نضر اور ابوداؤد نے اس کو شعبہ سے، انہوں نے سعید سے، انہوں اپنے والد بردہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ

سے، انہوں نے سعید کے دادا ابوموسیٰؓ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا اور جریر بن عبد الحمید نے اس کو شیبانی سے روایت کیا اور انہوں نے ابو بردہ سے

فَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ: نبیذ عرب کے محبوب مشروبات میں سے ہے، نبی کریم ﷺ کو بھی یہ مرغوب تھا، چھوہارے یا کشمش وغیرہ کو پانی میں ڈال دیا جاتا تھا، جس سے اس کی مٹھاس پانی میں آ جاتی ہے، اسے آپ ﷺ

نوش فرما لیتے تھے، صبح کا ڈالا ہوا شام میں اور شام کا ڈالا ہوا صبح میں پی لیتے تھے، لیکن پانی میں اتنی دیر ڈالے رکھنا اور چھوڑے رکھنا کہ گاڑھاپن اور نشہ آجائے یا جھاگ آجائے تو اس سے نشہ پیدا ہوجاتا ہے، اس زمانے میں یمن میں شہد اور جَو سے بھی نبیذ بنائی جاتی تھی، جسے بتع اور مزر کہا جاتا تھا، تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے بارے میں دریافت کیا، تو چونکہ اس زمانے میں مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے نبیذ تیار کی جاتی تھی اور وہ نام بدلتے بھی رہتے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصولی بات بیان فرمادی کہ **كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ** ہر نشہ آور چیز حرام ہوتی ہے، لہٰذا نبیذ کا پینا اگرچہ جائز ہے، لیکن اگر نبیذ میں بھی نشہ پیدا ہوجائے تو وہ حرام ہوجائے گی۔

حَدَّثَنِي عَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ عَائِذٍ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ

سَمِعْتُ طَارِقَ بْنَ شِهَابٍ يَقُولُ حَدَّثَنِي أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِي

طارق بن شہاب فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری قوم

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَرْضِ قَوْمِي فَجِئْتُ وَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کے وطن (یمن) میں بھیجا، پھر میں آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مکہ کی) وادی ابطح میں پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔

مُنِيخٌ بِالْأَبْطَحِ فَقَالَ أَحَجَجْتَ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ؟ قُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ كَيْفَ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: عبداللہ بن قیس! تم نے حج کا احرام باندھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کون سا احرام

قُلْتَ؟ قَالَ قُلْتُ لَبَّيْكَ إِهْلَالًا كَإِهْلَالِكَ قَالَ فَهَلْ سُقْتَ مَعَكَ هَدْيًا؟ قُلْتُ لَمْ أَسُقْ

باندھا ہے؟ میں نے عرض کیا (کہ میں نے یوں کہا) کہ اے اللہ میں حاضر ہوں اور جس طرح آپ نے احرام باندھا ہے، اسی طرح باندھا ہے، تو فرمایا کہ کیا تم اپنے ساتھ قربانی

قَالَ فَطُفْ بِالْبَيْتِ وَاسْعَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حِلَّ فَفَعَلْتُ حَتّٰى مَشَطَتْ لِي امْرَأَةٌ

کا جانور بھی لائے ہو؟ میں نے کہا کہ کوئی جانور تو میں اپنے ساتھ نہیں لایا، تو فرمایا کہ پھر تم پہلے بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کرلو اور اس کے بعد حلال ہوجانا، میں نے

مِنْ نِسَاءِ بَنِي قَيْسٍ وَ مَكُثْنَا بِذٰلِكَ حَتّٰى اسْتُخْلِفَ عُمَرُ

اسی طرح کیا اور بنو قیس کی خاتون نے میرے سر میں کنگھا کیا اور اسی قاعدے پر ہم اس وقت تک چلتے رہے جب تک عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے

بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَرْضِ قَوْمِي: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے میری قوم کی طرف یعنی یمن کی طرف بھیجا، کیونکہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعر قبیلے سے تھے، جو یمن میں آباد تھا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کرنے کے لئے تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ اے عبداللہ بن قیس! تم نے احرام باندھتے ہوئے کیا نیت کی تھی؟ تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ! میں نے احرام باندھتے ہوئے کہا تھا: **لَبَّيْكَ إِهْلَالًا كَإِهْلَالِكَ** اے پروردگار! میں لبیک کہہ رہا ہوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا ہو۔

گویا انہوں نے اپنے احرام کو موقوف کردیا تھا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احرام کے ساتھ معلق کردیا تھا، اس لیے کہ وہ یمن سے آرہے تھے، انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احرام کی نوعیت کا علم نہیں تھا، یہ بھی امکان تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف عمرہ کا

احرام باندھتے اور عمرہ کی مکمل ادائیگی کے بعد حج کا احرام باندھتے جسے تمتع کہتے ہیں، یا صرف حج کا احرام باندھتے جسے افراد کہتے ہیں، یا دونوں کو جمع فرماتے جو قران کہلاتا ہے، تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے احرام باندھتے ہوئے میقات پر یوں نیت کی کہ میں وہ احرام باندھتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا ہو۔

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ جو لوگ اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر نہیں آئے، وہ عمرہ کر کے حلال ہو جائیں اور جو اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر آئے ہیں، وہ عمرہ کر کے اس وقت تک حلال نہیں ہوں گے، جب تک حج کے ارکان ادا کر لیں، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے ساتھ ہدی کے جانور لائے تھے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حج کے ارکان ادا کر کے احرام سے فارغ ہوئے، تو جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ انہوں نے اس احرام کی نیت کی ہے جس احرام کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیت کی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: **فَهَلْ سُقْتَ مَعَكَ هَدْيًا؟** کیا تم اپنے ساتھ ہدی کے جانور لے کر آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں ہدی کے جانور تو ساتھ نہیں لایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم عمرہ ادا کر کے احرام سے حلال ہو جاؤ اور جب ایام حج شروع ہوں تو اس وقت حج کا احرام باندھنا۔ اسے اصطلاح میں حج تمتع کہتے ہیں۔

وَ مَكُثْنَا بِذٰلِكَ حَتّٰى اسْتُخْلِفَ عُمَرُ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اسی طریقے سے کرتے رہے، یعنی حج تمتع کیا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے اور انہوں نے ہمیں حج تمتع سے روک دیا۔

اشکال: اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حج تمتع کے جواز پر تو ساری امت کا اجماع ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حج تمتع کرنے کا حکم دیا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کیوں منع فرمایا؟

❶ اس کا ایک جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معنی میں منع نہیں کرتے تھے کہ تمتع ناجائز ہے، بلکہ ان کی منشاء یہ تھی کہ اگر آدمی حج اور عمرہ دونوں کے لئے مستقلاً الگ الگ سفر کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے کہ ایک ہی سفر میں دونوں کو جمع کرے، یعنی حج کے لئے الگ سفر کرے اور عمرہ کے لئے الگ سفر کرے، تاکہ بار بار مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ حاضر ہونے کا موقع ملے۔

❷ دوسری توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے تمتع سے منع نہیں فرمایا بلکہ فسخ الحج الی العمرۃ سے منع فرمایا تھا، یعنی اگر کوئی شخص حج افراد کا احرام باندھ کر آیا، اب بعد میں اس احرام کو تبدیل کر کے عمرہ کا احرام بنانا چاہتا ہے تو اس سے منع فرمایا، کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص تھا، جو کہ ایک عارض کی وجہ سے ہوا تھا، اگر عام حالات میں کوئی شخص حج افراد کا احرام باندھ کر گیا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ حج پورا کرے پھر حلال ہو، جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔

حَدَّثَنِي حِبَّانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ زَكَرِيَّاءَ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا (حاکم بنا کر بھیجتے وقت انہیں) ہدایت فرمائی تھی

حِيْنَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ إِنَّكَ سَتَأْتِيْ قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَإِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ إِلَى

کہ تم ایک ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو جو اہل کتاب یہودی اور نصرانی وغیرہ میں سے ہیں، اس لیے جب تم وہاں پہنچو تو پہلے انہیں اس کی دعوت دو

أَنْ يَّشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لَكَ بِذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ

کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اگر اس میں وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر انہیں بتاؤ

أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لَكَ بِذٰلِكَ

کہ اللہ تعالی نے روزانہ ان پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، جب یہ بھی مان لیں

فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ

تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالی نے ان پر زکوۃ کو بھی فرض کیا ہے، جو ان کے مالدار لوگوں سے لی جائے گی اور ان ہی کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی، جب یہ بھی مان جائیں تو (پھر زکوۃ

فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لَكَ بِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَ كَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ

وصول کرتے وقت) ان کا سب سے عمدہ مال لینے سے پرہیز کرنا اور مظلوم کی آہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے۔ ابوعبداللہ امام

وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ طَوَّعَتْ طَاعَتْ وَ أَطَاعَتْ لُغَةٌ طِعْتُ وَ طُعْتُ وَ أَطَعْتُ

بخاریؒ نے کہا کہ سورۂ مائدہ میں جو طوعت کا لفظ آیا ہے اس کا وہی معنی ہے جو طاعت اور أطاعت کا ہے جیسے کہتے ہیں طعت و طعت و أطعت سب کا معنی ایک ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت چند نصیحتیں فرمائیں تھیں، چنانچہ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہل یمن کو سب سے پہلے کلمۂ توحید کی دعوت دینا، اگر وہ قبول کرلیں، تو پھر نماز کی دعوت دینا، اگر وہ بھی مان لیں تو پھر زکوٰۃ کا حکم دینا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد ارکان اسلام تدریجاً لازم ہوں گے، بلکہ کلمہ پڑھنے کے بعد احکام اسلام تمام کے تمام لازم ہوجاتے ہیں، یہاں جس ترتیب کا ذکر ہے، اس سے مقصود دعوت کا ایک اسلوب بتانا ہے کہ تمام احکام بیک وقت اور اول وہلہ میں نہیں بتانا کہ اس سے ان لوگوں میں توحش پیدا ہوگا، بلکہ رفتہ رفتہ انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنا، تاکہ ان پر عمل کرنا آسان ہوجائے۔

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ طَوَّعَتْ طَاعَتْ وَ أَطَاعَتْ لُغَةٌ طِعْتُ وَ طُعْتُ وَ أَطَعْتُ: اوپر روایت میں فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لَكَ کا آیا ہے، اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ذہن سورۂ مائدہ کی آیت: فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيْهِ کی طرف گیا، تو اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ طَوَّعَتْ طاعت کے معنی میں ہے، اسی طرح باب سمع، باب نصر، اور باب افعال سب سے اس کے ایک ہی معنی ہیں۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ

عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ أَنَّ مُعَاذًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمَّا قَدِمَ الْيَمَنَ صَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ فَقَرَأَ

عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن پہنچے تو انہوں نے یمن والوں کو صبح کی نماز پڑھائی اور نماز میں آیت

وَاتَّخَذَ اللهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ لَقَدْ قَرَّتْ عَيْنُ أُمِّ إِبْرَاهِيمَ زَادَ مُعَاذٌ

وَاتَّخَذَ اللهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا کی قراءت کی تو لوگوں میں سے ایک صاحب بولے کہ ابراہیم کی والدہ کی آنکھ ٹھنڈی ہو گئی ہو گی۔ معاذ نے

عَنْ شُعْبَةَ عَنْ حَبِيبٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا

شعبہ سے، انہوں نے حبیب سے، انہوں نے سعید سے، انہوں نے عمرو بن میمون سے اس حدیث میں صرف اتنا بڑھایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معاذ کو

إِلَى الْيَمَنِ فَقَرَأَ مُعَاذٌ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ سُورَةَ النِّسَاءِ فَلَمَّا قَالَ وَاتَّخَذَ اللهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا

یمن بھیجا، وہاں انہوں نے صبح کی نماز میں سورۂ نساء پڑھی، جب اس آیت پر پہنچے وَاتَّخَذَ اللهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا

قَالَ رَجُلٌ خَلْفَهُ قَرَّتْ عَيْنُ أُمِّ إِبْرَاهِيمَ

تو ایک صاحب جو ان کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ ابراہیم کی والدہ کی آنکھ ٹھنڈی ہو گئی ہو گی

قَالَ رَجُلٌ خَلْفَهُ قَرَّتْ عَيْنُ أُمِّ إِبْرَاهِيمَ: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص نے جو یہ کہا: قَرَّتْ عَيْنُ أُمِّ إِبْرَاهِيمَ آیا یہ کہنے سے اس کی نماز فاسد ہوئی یا نہیں ہوئی؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے:

١ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر نماز میں نسیاناً تکلم ہو جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

٢ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر اصلاح صلوۃ کے لیے تکلم کیا جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

٣ احناف کے نزدیک مطلق کلام مفسد صلوۃ ہے، چاہے کلام نسیاناً ہو یا قصداً ہو، یا اصلاح صلوٰۃ کے لیے ہو۔

اب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا یہ جواب دے سکتے ہیں کہ اس شخص نے جو یہ کام کیا تھا، وہ نسیاناً تھا، اس لئے اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی۔ جبکہ احناف کی طرف سے اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں:

١ اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی معلوم نہ ہو کہ ایسی صورت میں نماز کا اعادہ کرنا ہوتا ہے، اس لیے انہوں نے اسے اعادے کا حکم نہیں دیا، لیکن یہ جواب ضعیف ہے۔

٢ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ ممکن ہے وہ شخص نماز میں ابھی شامل نہ ہوا ہو، بلکہ خارج صلوۃ اس نے یہ کلام کیا ہو۔

٣ تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے انہیں اعادۂ صلوۃ کا حکم دیا ہو، لیکن یہاں روایت میں ذکر نہیں آیا اور عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں، واللہ اعلم۔

بَابُ بَعْثِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ

باب: حجۃ الوداع سے پہلے علی بن ابی طالب اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تبلیغ اور جہاد کی غرض سے مختلف اطراف میں بھیجا تھا، چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ کا امیر بنا کر یمن کی طرف بھیجا تھا، کچھ عرصہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جگہ ان کو امیر مقرر فرمایا۔ اسی واقعہ سے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایات نقل فرمارہے ہیں۔

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ

حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

ابواسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں

وَسَلَّمَ مَعَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ ثُمَّ بَعَثَ عَلِيًّا بَعْدَ ذٰلِكَ مَكَانَهُ فَقَالَ مُرْ أَصْحَابَ

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن بھیجا، وہ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد ان کی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہدایت کی کہ خالد کے ساتھیوں سے کہو کہ جو ان میں سے

خَالِدٍ مَنْ شَاءَ مِنْهُمْ أَنْ يُعَقِّبَ مَعَكَ فَلْيُعَقِّبْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُقْبِلْ فَكُنْتُ فِيمَنْ عَقَّبَ مَعَهُ

تمہارے ساتھ یمن میں رہنا چاہے، وہ تمہارے ساتھ پھر یمن کو لوٹ جائے اور جو وہاں سے واپس آنا چاہے وہ چلا آئے، براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا

قَالَ فَغَنِمْتُ أَوَاقٍ ذَوَاتِ عَدَدٍ

جو یمن کو لوٹ گئے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے غنیمت میں کئی اوقیہ چاندی کے ملے تھے۔

فَغَنِمْتُ أَوَاقٍ ذَوَاتِ عَدَدٍ: اواق، اوقیہ کی جمع ہے، ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، یعنی مال غنیمت میں سے مجھے چاندی کے بہت سے اوقیہ ملے، ذوات عدد میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں: یعنی یا تو کثرت کی طرف اشارہ ہے، یا یہ بھی ممکن ہے کہ قلت کی طرف اشارہ ہو۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سُوَيْدِ بْنِ مَنْجُوفٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ

عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا إِلَى خَالِدٍ لِيَقْبِضَ

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس (یمن) بھیجا تاکہ غنیمت کے خمس کو

الْخُمُسَ وَكُنْتُ أُبْغِضُ عَلِيًّا وَقَدِ اغْتَسَلَ فَقُلْتُ لِخَالِدٍ أَلَا تَرَى إِلَى هٰذَا؟ فَلَمَّا قَدِمْنَا

ان سے لے آئیں، میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل کیا تو میں نے خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم دیکھتے ہو علی رضی اللہ عنہ نے کیا کیا پھر جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ يَا بُرَيْدَةُ أَتُبْغِضُ عَلِيًّا فَقُلْتُ نَعَمْ

کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے آپ سے بھی اس کا ذکر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ (بریدہ!) کیا تمہیں علی سے بغض ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں،

قَالَ لَا تُبْغِضْهُ فَإِنَّ لَهُ فِي الْخُمُسِ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ علی سے بغض نہ رکھنا کیونکہ خمس میں ان کا اس سے بھی زیادہ حق ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس یمن بھیجا تھا تاکہ وہ خمس اپنی تحویل میں لے لیں، بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض تھا، یہاں روایت مختصر ہے اور اس میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی ناراضگی کی وجہ کیا تھی اس کی وضاحت نہیں ہے، البتہ دوسری روایت میں تفصیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مال خمس میں سے ایک باندی اپنے لیے منتخب کی اور رات کو اس کے ساتھ وطی کرنے کے بعد غسل کیا۔تو مذکورہ بالا روایت کے مطابق بریدہ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ میں نے خالد رضی اللہ عنہ سے کہا اور دوسری روایت کے مطابق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے کہا: أَلَا تَرَى إِلَى هٰذَا؟ کہ اس شخص کو آپ نہیں دیکھتے کہ یہ کیا کر رہا ہے۔

وَكُنْتُ أُبْغِضُ عَلِيًّا: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراضگی کے دو اسباب تھے:

۱ ایک سبب یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ جاریہ اپنے قبضہ میں لے لی۔

۲ دوسرا سبب یہ تھا کہ بغیر استبراء رحم کے اس سے ہمبستری کر لی۔

قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی جاریہ کسی کی ملکیت میں آئے تو استبراء سے پہلے تمتع جائز نہیں کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ دوسرے کی کھیتی میں پانی مت دو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر پہلے شوہر کا نطفہ ہے اور باندی حاملہ ہے تو جماع مت کرو، اس لئے حیض آنے کا کا انتظار کرنا چاہئے، جب ایک مرتبہ حیض آجائے گا تو اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ باندی حاملہ نہیں ہے، لہٰذا استبراء رحم کی مقدار کم از کم ایک حیض ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ خمس میں امام یا نائب امام کا حق ہوتا ہے اور یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے نائب بن کر خمس لینے گئے تھے، اس لیے ان کو یہ حق حاصل تھا، یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو اس واقعے کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: فَإِنَّ لَهُ فِي الْخُمُسِ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ یعنی علی تو خمس میں اس سے زیادہ مال کا استحقاق رکھتے ہیں۔

دوسرے اعتراض کا ۱ ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ جاریہ باکرہ (کنواری) ہو اس لئے استبراء کی ضرورت نہ تھی۔

۲ ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے یہ جاریہ صغیرہ نابالغہ ہو۔

۳ ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس وقت اس باندی کو اپنے لئے مخصوص کیا، اس وقت وہ حیض میں تھی، پھر جب حیض سے پاک ہو کر غسل کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے تمتع حاصل کیا ہو۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ شُبْرُمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِيْ نُعْمٍ قَالَ

سَمِعْتُ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ بَعَثَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ ﷺ کے پاس

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْيَمَنِ بِذُهَيْبَةٍ فِيْ أَدِيْمٍ مَقْرُوْظٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِهَا

دباغت دیئے ہوئے چمڑے کے ایک تھیلے میں سونے کے چند ڈلے بھیجے، ان سے (کان کی) مٹی بھی ابھی صاف نہیں کی گئی تھی،

قَالَ فَقَسَمَهَا بَيْنَ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ بَيْنَ عُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ وَ أَقْرَعَ بْنِ حَابِسٍ وَ زَيْدِ الْخَيْلِ وَالرَّابِعُ

راوی فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے وہ سونا چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا، عیینہ بن بدرؓ، اقرع بن حابسؓ، زید بن خیلؓ اور چوتھے

إِمَّا عَلْقَمَةُ وَ إِمَّا عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ كُنَّا نَحْنُ أَحَقَّ بِهٰذَا مِنْ هٰؤُلَاءِ

علقمہؓ تھے یا عامر بن طفیلؓ تھے۔ تو آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک صاحب نے اس پر کہا کہ ان لوگوں سے زیادہ ہم اس سونے کے مستحق تھے۔

قَالَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَ لَا تَأْمَنُوْنِّيْ وَأَنَا أَمِيْنُ مَنْ فِي السَّمَاءِ

راوی فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے حالانکہ اس اللہ کی طرف سے امین ہوں جو آسمان پر ہے

يَأْتِيْنِيْ خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَّمَسَاءً؟ قَالَ فَقَامَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ

اور اس کی وحی میرے پاس صبح و شام آتی ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر ایک شخص جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، دونوں رخسار پھولے ہوئے تھے،

نَاشِزُ الْجَبْهَةِ كَثُّ اللِّحْيَةِ مَحْلُوْقُ الرَّأْسِ مُشَمَّرُ الْإِزَارِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اتَّقِ اللّٰهَ

پیشانی ابھری ہوئی تھی، گھنی داڑھی اور سر منڈا ہوا تھا ، تہبند ٹخنوں سے اٹھائے ہوئے تھا، وہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! اللہ سے ڈریئے۔

قَالَ وَيْلَكَ أَوَلَسْتُ أَحَقَّ أَهْلِ الْأَرْضِ أَنْ يَتَّقِيَ اللّٰهَ قَالَ ثُمَّ وَلَّى الرَّجُلُ قَالَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ افسوس تجھ پر، کیا میں اس روئے زمین پر اللہ سے ڈرنے کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں؟ راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا گیا، تو خالد بن ولیدؓ نے

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَ لَا أَضْرِبُ عُنُقَهُ؟ قَالَ لَا لَعَلَّهُ أَنْ يَكُوْنَ يُصَلِّيْ فَقَالَ خَالِدٌ وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ

عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کیوں نہ اس شخص کی گردن ماردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں شاید وہ نماز پڑھتا ہو، اس پر خالدؓ نے عرض کیا کہ بہت سے نماز پڑھنے والے ایسے ہیں

يَقُوْلُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِيْ قَلْبِهِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ لَمْ أُوْمَرْ أَنْ أَنْقُبَ

جو زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے دل میں وہ نہیں ہوتا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے دلوں کی کھوج لگاؤں

عَنْ قُلُوْبِ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُوْنَهُمْ قَالَ ثُمَّ نَظَرَ إِلَيْهِ وَهُوَ مُقَفٍّ فَقَالَ إِنَّهُ يَخْرُجُ

اور نہ اس کا حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے پیٹ چاک کروں۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے اس (منافق) کی طرف دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر جا رہا تھا، تو آپ ﷺ نے

مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمٌ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ رَطْبًا لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا

فرمایا کہ اس کی نسل سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو کتاب اللہ کی تلاوت بڑی خوش الحانی سے کرے گی، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ لوگ دین سے اس طرح

يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ وَ أَظُنُّهُ قَالَ لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ ثَمُوْدَ

نکل چکے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میں ان کے دور میں ہوا تو قوم ثمود کی طرح ان کو قتل کر ڈالوں گا

بِذُهَيْبَةٍ فِيْ أَدِيْمٍ مَقْرُوْظٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِهَا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ سونا بھیجا تھا، جو ایک دباغت دیئے ہوئے چمڑے میں بند تھا اور اس سونے کو ابھی اپنی مٹی سے بھی علیحدہ نہیں کیا گیا تھا۔ سونا چونکہ معدن (کان) سے نکالا جاتا ہے اور کان میں سونا مٹی میں ملا ہوا ہوتا ہے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایسا سونا بھیجا تھا، جس کو ابھی تک اس کی مٹی سے الگ نہیں کیا گیا تھا۔

فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ كُنَّا نَحْنُ أَحَقَّ بِهٰذَا مِنْ هٰؤُلَاءِ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے اس سونے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تالیف قلب کے لئے قریش کے کچھ لوگوں میں تقسیم کر دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا کہ ان لوگوں کے مقابلہ میں ہم زیادہ حق دار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ اطلاع پہنچی تو فرمایا کہ تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے ہو **وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ**، حالانکہ میں اس ذات کا امین ہوں جس کا عرش آسمانوں پر ہے اور جس کی وحی صبح وشام میرے پاس آتی ہے۔ تو ایک شخص کھڑا ہوا **غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ** جس کی آنکھیں اندر کی طرف دھنسی ہوئی تھیں، **مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ** رخسار آگے کو ابھرے ہوئے تھے، **نَاشِزُ الْجَبْهَةِ** پیشانی آگے کو نکلی ہوئی تھی، **كَثُّ اللِّحْيَةِ** داڑھی گھنی تھی، **مَحْلُوقُ الرَّأْسِ** سر اس کا منڈا ہوا تھا، **مُشَمَّرُ الْإِزَارِ** ازار (پنڈلیوں تک) اٹھائے ہوئے تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگا: **يَا رَسُولَ اللّٰهِ اتَّقِ اللّٰهَ** تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **وَيْلَكَ أَوَلَسْتُ أَحَقَّ أَهْلِ الْأَرْضِ أَنْ يَتَّقِيَ اللّٰهَ** تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا اہل زمین میں سب سے زیادہ میں اللہ سے ڈرنے والا نہیں ہوں؟ پھر وہ آدمی چلا گیا۔

اس موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، وہ غصہ ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی گردن مارنے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **لَا لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي** نہیں، شاید وہ نماز پڑھتا ہو، تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ؛** کتنے ہی نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جو زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتا، یعنی کئی لوگ ظاہری طور پر نماز پڑھتے ہیں اور اپنے ایمان کا ظاہری طور پر اظہار کرتے ہیں لیکن اندر سے وہ لوگ مسلمان نہیں ہوتے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ** یعنی مجھے اس کا حکم نہیں کہ میں لوگوں کے دلوں میں نقب لگا کر ان کا کھوج لگاؤں اور نہ اس کا حکم ہے کہ میں ان کے پیٹ چاک کروں کہ معلوم ہو کہ واقعی وہ اندر سے مسلمان ہیں یا نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری حال سے جو کیفیت نظر آرہی ہے اسی کا حکم لگایا جائے گا، کیونکہ کسی کے دل میں کیا ہے اس کا نہ علم ہو سکتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس کا مکلف بنایا ہے، لہٰذا کسی پر یہ کہہ کر کفر یا نفاق کا حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ یہ ظاہری طور پر تو ایمان کا مدعی ہے لیکن اس کے دل میں کفر اور نفاق بھرا ہوا ہے۔

ثُمَّ نَظَرَ إِلَيْهِ وَهُوَ مُقَفٍّ: راوی فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کی طرف دیکھا، وہ پشت کئے ہوئے جا رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمٌ** اس شخص کی نسل سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن کی تلاوت بڑی تازگی کے ساتھ کرے گی، وہ قرآن ان کی ہنسلیوں سے آگے نہیں جائے گا، یہ لوگ دین سے

اس طرح نکلیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

ضِئْضِىءِ: نسل، حَنَاجِرَ: حنجرة کی جمع ہے، ہنسلی کی ہڈی یعنی وہ ہڈی جو سینہ سے اوپر اور حلق کے نیچے ہوتی ہے، يَمْرُقُونَ: یخرجون کے معنی میں ہے، الرَّمِيَّةِ: شکار کو کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قرآن کی تلاوت بڑی خوش الحانی کے ساتھ کریں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، یعنی قرآن کا اثر ان کے دل پر نہیں ہوگا، دین سے وہ اس تیر کی طرح نکلیں گے جو شکار سے نکل جاتا ہے، لیکن اس پر خون کا کوئی دھبہ اور نشان نہیں ہوتا اسی طرح ان کے دلوں پر دین کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

وَأَظُنُّهُ قَالَ لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ ثَمُودَ: راوی فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر مجھے یہ مل گئے تو میں ان کو قوم ثمود کی طرح قتل کروں گا۔

یہ خوارج کی طرف اشارہ تھا، اس شخص کا نام کیا تھا؟ اس بارے میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا نام ذوالخویصرۃ تھا، علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا نام نافع تھا، ابوداؤد کی روایت میں بھی اس کا نام نافع آیا ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا نام حرقوص بن زهير تھا۔ یہ شخص درحقیقت قتل کا مستحق تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ازراہ مصلحت اس کو کچھ نہیں کہا، بظاہر مصلحت یہ تھی کہ اگر اسے قتل کردیا جاتا تو اس سے عام لوگوں میں اسلام کے متعلق بدگمانی پیدا ہونے کا امکان تھا، اسلام کے مخالفین اس بات کو ہوا دیتے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں اور اس طرح تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی۔

اشکال: یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایک طرف تو رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں: لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ ثَمُودَ دوسری طرف یہ شخص جو اصل بنیاد ہے، آپ ﷺ کے سامنے موجود ہے کہ اس کی نسل سے آگے اس قسم کے لوگ پیدا ہونے والے تھے تو اس اصل ہی کو آپ ﷺ نے قتل کیوں نہیں کردیا؟

1 حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ جملہ آپ ﷺ نے اس وقت اور اس زمانہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے، جب ان کی طرف سے خروج اور بغاوت کا ظہور ہوگا اور جب وہ خون مسلم سے تعرض کریں گے، جبکہ ابھی اس شخص سے ایسی کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی، نہ اس نے بغاوت کا اعلان کیا اور نہ ہی کسی مسلمان کے خون سے تعرض کیا ہے، اس لیے حضور ﷺ نے اس کے قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔

1 مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے درحقیقت تشریع اور تکوین دونوں کو جمع فرمایا، تشریع تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے قول پر نکیر فرمائی اور چونکہ تکوینی طور پر اس کا قتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقدر میں تھا، اس لیے تکوین کی رعایت سے اس وقت وہ قتل نہیں کیا گیا، بعد میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنۂ خوارج نے سر

اٹھایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کیا، تو اس شخص کی لاش بھی خوارج کی لاشوں میں پائی گئی، واللہ اعلم۔

حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ عَطَاءٌ

قَالَ جَابِرٌ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا أَنْ يُقِيمَ عَلَى إِحْرَامِهِ زَادَ مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ وہ اپنے احرام پر باقی رہیں۔ محمد بن بکر نے

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِسِعَايَتِهِ

ابن جریج سے اتنا بڑھایا کہ ان سے عطاء نے بیان کیا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی ولایت (یمن) سے آئے

قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَ أَهْلَلْتَ يَا عَلِيُّ؟ قَالَ بِمَا أَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ علی! تم نے احرام کس طرح باندھا ہے؟ عرض کیا کہ جس طرح احرام آپ نے باندھا ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر قربانی کا جانور

وَسَلَّمَ قَالَ فَأَهْدِ وَامْكُثْ حَرَامًا كَمَا أَنْتَ قَالَ وَأَهْدَى لَهُ عَلِيٌّ هَدْيًا

بھیج دو اور جس طرح احرام باندھا ہے، اسی کے مطابق عمل کرو۔ راوی فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قربانی کے جانور لائے تھے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ

حَدَّثَنَا بَكْرٌ أَنَّهُ ذَكَرَ لِابْنِ عُمَرَ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ

بکر بن عبداللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا کہ انس رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ اور حج دونوں کا احرام باندھا تھا،

وَحَجَّةٍ فَقَالَ أَهَلَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ وَأَهْلَلْنَا بِهِ مَعَهُ فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ

تو ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج ہی کا احرام باندھا تھا۔ پھر ہم جب مکہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

قَالَ مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً وَكَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدْيٌ فَقَدِمَ

کہ جس کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو، وہ اپنے حج کے احرام کو عمرہ کا احرام کر لے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کا جانور تھا۔ پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

عَلَيْنَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ مِنَ الْيَمَنِ حَاجًّا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَ أَهْلَلْتَ فَإِنَّ

یمن سے لوٹ کر حج کا احرام باندھ کر آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم نے کس طرح احرام باندھا ہے؟ ہمارے ساتھ تمہاری زوجہ فاطمہ بھی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا

مَعَنَا أَهْلَكَ؟ قَالَ أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَأَمْسِكْ فَإِنَّ مَعَنَا هَدْيًا

کہ میں نے اسی طرح کا احرام باندھا ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اپنے احرام پر قائم رہو، کیونکہ ہمارے ساتھ قربانی کا جانور ہے۔

گزشتہ باب کے ذیل میں ایک روایت آئی تھی جس میں حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے یمن سے آنے کا تذکرہ تھا کہ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تھا کہ تم نے احرام باندھتے ہوئے کیا نیت کی تھی، تو انہوں نے جواب دیا تھا: لَبَّيْكَ إِهْلَالًا كَإِهْلَالِكَ لیکن چونکہ وہ اپنے ساتھ ہدی کا جانور نہیں لائے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حج تمتع کرنے کا حکم دیا، اب اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حجۃ الوداع کے موقع پر یمن سے آنا مذکور ہے اور ان سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سوال کیا: بِمَ أَهْلَلْتَ يَا عَلِيُّ؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بِمَا أَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہدی کا جانور ساتھ لائے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حج قران کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

بَابُ غَزْوَةِ ذِي الْخَلَصَةِ

باب غزوۃ ذی الخلصۃ کا بیان

یہ باب غزوۂ ذی الخلصۃ کے بارے میں ہے، اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تین روایتیں ذکر فرمائی ہیں، جس میں تیسری روایت تفصیلی ہے، تینوں روایتوں کا مضمون ایک ہی ہے۔

اس غزوہ کا پس منظر یہ ہے کہ قبیلہ بنو خثعم نے یمن کے قریب ایک بت خانہ بنا رکھا تھا جو کعبہ کے برابر سمجھا جاتا تھا، یعنی جس طرح مکہ مکرمہ میں کعبہ تھا، اسی طرح کا انہوں نے یمن کے قریب ایک کعبہ بنالیا تھا اور اس کا نام ذو الخلصۃ تھا، اس کی پوجا پاٹ کی جاتی تھی اور اس کے اردگرد اسی طرح طواف کیا جاتا تھا جس طرح کعبہ کے اردگرد طواف کیا جاتا ہے، قصہ مختصر یہ شرک کا بہت بڑا اڈا اور گڑھ تھا۔ جب حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو چونکہ یہ قبیلۂ بجیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور یہ قبیلہ بنو خثعم کے قریب واقع تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ذو الخلصۃ تباہ ہو جائے اور شرک کے اس اڈے کی بربادی سے میرے دل کو سکون ملے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ضرور جو آپ کا حکم ہو، چنانچہ وہ اپنے ساتھ قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر گئے اور اس بت کدے کو تباہ و برباد کر کے اس میں آگ لگادی اور پھر واپس تشریف لائے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا خَالِدٌ حَدَّثَنَا بَيَانٌ عَنْ قَيْسٍ

عَنْ جَرِيرٍ قَالَ كَانَ بَيْتٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يُقَالُ لَهُ ذُو الْخَلَصَةِ وَ الْكَعْبَةُ الْيَمَانِيَةُ

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک بت کدہ تھا جسے ذو الخلصۃ اور کعبۂ یمانیہ

وَ الْكَعْبَةُ الشَّامِيَّةُ فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَ لَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ

اور کعبۂ شامیہ کہا جاتا تھا، تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھے ذوالخلصہ سے کیوں بےفکری نہیں دلاتے؟

فَنَفَرْتُ فِي مِائَةٍ وَّ خَمْسِينَ رَاكِبًا فَكَسَرْنَاهُ وَ قَتَلْنَا مَنْ وَّجَدْنَا عِنْدَهُ

تو میں قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کو ساتھ لے کر روانہ ہوا پھر اس کو توڑ دیا اور اس کے اردگرد لوگوں کو قتل کردیا

فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَدَعَا لَنَا وَ لِأَحْمَسَ

پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور انہیں اس کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے لئے اور قبیلہ احمس کے لئے دعا فرمائی

وَ الْكَعْبَةُ الْيَمَانِيَةُ وَ الْكَعْبَةُ الشَّامِيَّةُ: اس کے ظاہری معنی یہ نظر آتے ہیں کہ ذو الخلصۃ کو کعبہ یمانیہ بھی کہا جاتا تھا اور کعبہ شامیہ بھی کہا جاتا تھا۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کو کعبہ شامیہ کہنا تو درست نہیں کیونکہ وہ شام کی سمت میں نہیں تھا، یمن سے شام کی سمت میں تو بیت اللہ تھا اور یمن کے لوگ مکہ مکرمہ میں واقع خانۂ کعبہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے تو ذو الخلصۃ کو کعبہ شامیہ کہنے کے کوئی معنی نہیں۔ شراح کرام نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں:

❶ بعض حضرات نے فرمایا کہ روایت میں وَ الْكَعْبَةُ الشَّامِيَّةُ سے ذو الخلصة مراد نہیں، بلکہ بیت اللہ ہی مراد ہے اور تقدیری عبارت ہے و الكعبة الشامية هي التي بمكة یعنی الكعبة الشامية مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور بتانا یہ ہے کہ کعبہ شامیہ وہ ہے جو مکہ میں واقع ہے۔

❷ بعض حضرات نے فرمایا کہ الكعبة مبتدا اور الشامية اس کی خبر ہے اور یہ ماقبل سے حال ہے اور مطلب یہ ہے کہ ذو الخلصة کو کعبہ کہا جاتا ہے حالانکہ کعبہ تو صرف شامیہ ہے جو مکہ میں واقع ہے۔

❸ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یمن میں واقع ذو الخلصة نامی بت خانہ کو کعبہ یمانیہ اور کعبہ شامیہ دونوں کہا جاتا تھا، یمانیہ تو اس لیے کہ وہ یمن میں واقع تھا اور شامیہ اس لیے کہ اس کا ایک دروازہ شام کی جانب تھا، لہٰذا روایت میں تاویلات کرنے کی ضرورت نہیں ہے واللہ اعلم۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا يَحْيٰى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ

حَدَّثَنَا قَيْسٌ قَالَ قَالَ لِيْ جَرِيرٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں کہ مجھ سے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا

أَ لَا تُرِيحُنِيْ مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ؟ وَكَانَ بَيْتًا فِيْ خَثْعَمَ يُسَمَّى الْكَعْبَةَ الْيَمَانِيَةَ فَانْطَلَقْتُ

کہ تم مجھے ذوالخلصہ سے کیوں بے فکر نہیں کرتے؟ یہ قبیلہ خثعم کا ایک بت خانہ تھا، جسے کعبہ یمانیہ بھی کہتے تھے، چنانچہ میں قبیلہ احمس کے

فِيْ خَمْسِيْنَ وَمِائَةِ فَارِسٍ مِنْ أَحْمَسَ وَكَانُوْا أَصْحَابَ خَيْلٍ وَكُنْتُ لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ

ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر روانہ ہوا، یہ سب اچھے شہسوار تھے، مگر میں گھوڑے کی سواری اچھی طرح نہیں کر سکتا تھا،

فَضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ أَصَابِعِهِ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ اللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا

تو آپ ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا، یہاں تک کہ میں نے آپ کی انگلیوں کا اثر اپنے سینے میں پایا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! اسے جمادے اور اسے راستہ بتلانے والا

فَانْطَلَقَ إِلَيْهَا فَكَسَرَهَا وَ حَرَّقَهَا ثُمَّ بَعَثَ إِلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور خود راستہ پایا ہوا بنادے۔ پھر وہ اس بت خانے کی طرف روانہ ہوئے اور اسے ڈھا کر اس میں آگ لگا دی، پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اطلاع بھیجی، چنانچہ جریر کے قاصد

فَقَالَ رَسُولُ جَرِيرٍ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا جِئْتُكَ حَتّٰى تَرَكْتُهَا كَأَنَّهَا جَمَلٌ أَجْرَبُ

نے آکر عرض کیا کہ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں اس وقت تک آپ کے پاس نہیں آیا جب تک وہ خارش زدہ اونٹ کی طرح جل کر (سیاہ)

قَالَ فَبَارَكَ فِيْ خَيْلِ أَحْمَسَ وَ رِجَالِهَا خَمْسَ مَرَّاتٍ

نہیں ہو گیا، راوی فرماتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے قبیلہ احمس کے گھوڑوں اور لوگوں کے لیے پانچ مرتبہ برکت کی دعا فرمائی

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسٰى أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِيْ خَالِدٍ عَنْ قَيْسٍ

عَنْ جَرِيرٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَ لَا تُرِيحُنِيْ مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ؟

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھے ذوالخلصہ سے بے فکری کیوں نہیں دلاتے؟

فَقُلْتُ بَلٰى فَانْطَلَقْتُ فِيْ خَمْسِيْنَ وَمِائَةِ فَارِسٍ أَحْمَسَ وَكَانُوْا أَصْحَابَ خَيْلٍ وَكُنْتُ

میں نے عرض کیا کہ میں حکم کی تعمیل کروں گا، چنانچہ میں قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کو ساتھ لے کر روانہ ہوا، یہ سب اچھے شہسوار تھے،

لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَ يَدَهُ عَلٰى صَدْرِيْ
لیکن میں سواری اچھی طرح نہیں کر پاتا تھا، میں نے اس کے متعلق نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا
حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ يَدِهٖ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا قَالَ فَمَا وَقَعْتُ
جس کا اثر میں نے اپنے سینہ میں دیکھا اور نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اسے اچھا سوار بنا دے اور اسے ہدایت کرنے والا اور خود ہدایت پایا ہوا بنا دے۔
عَنْ فَرَسِيْ بَعْدُ قَالَ وَكَانَ ذُو الْخَلَصَةِ بَيْتًا بِالْيَمَنِ لِخَثْعَمَ وَ بَجِيْلَةَ فِيْهِ نُصُبٌ تُعْبَدُ
حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد میں کبھی اپنے گھوڑے سے نہیں گرا۔ راوی فرماتے ہیں کہ ذوالخلصہ یمن میں قبیلہ خثعم اور بجیلہ کا ایک (بت خانہ) تھا، اس میں بت تھے
يُقَالُ لَهُ الْكَعْبَةُ قَالَ فَأَتَاهَا فَحَرَّقَهَا بِالنَّارِ وَكَسَرَهَا قَالَ وَلَمَّا قَدِمَ جَرِيْرٌ الْيَمَنَ كَانَ بِهَا
جس کی پوجا کی جاتی تھی اور اسے کعبہ بھی کہتے تھے، پھر جریر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور اسے آگ لگا دی اور منہدم کر دیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ جب جریرؓ یمن پہنچے تو وہاں ایک شخص تھا
رَجُلٌ يَسْتَقْسِمُ بِالْأَزْلَامِ فَقِيْلَ لَهُ إِنَّ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَا هُنَا فَإِنْ
جو تیروں سے فال نکالا کرتا تھا، اس سے کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے قاصد یہاں آ گئے ہیں، اگر انہوں نے تمہیں پا لیا
قَدَرَ عَلَيْكَ ضَرَبَ عُنُقَكَ قَالَ فَبَيْنَمَا هُوَ يَضْرِبُ بِهَا إِذْ وَقَفَ عَلَيْهِ جَرِيْرٌ فَقَالَ لَتَكْسِرَنَّهَا
تو تمہاری گردن مار دیں گے۔ راوی فرماتے ہیں کہ ابھی وہ فال نکال ہی رہا تھا کہ جریر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے، آپ نے اس سے فرمایا کہ یہ فال کے تیر توڑ کر
وَلَتَشْهَدَنَّ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَوْ لَأَضْرِبَنَّ عُنُقَكَ قَالَ فَكَسَرَهَا وَ شَهِدَ ثُمَّ بَعَثَ جَرِيْرٌ رَجُلًا
کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لے ورنہ میں تیری گردن مار دوں گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ اس شخص نے تیر وغیرہ توڑ ڈالے اور کلمہ ایمان کی گواہی دی، اس کے بعد جریر رضی اللہ عنہ نے
مِنْ أَحْمَسَ يُكْنٰى أَبَا أَرْطَاةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَشِّرُهُ بِذٰلِكَ فَلَمَّا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى
قبیلہ احمس کے ایک صحابی ابوارطاۃ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو خوشخبری سنائے، جب وہ خدمت میں حاضر ہوئے
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا جِئْتُ حَتّٰى تَرَكْتُهَا كَأَنَّهَا جَمَلٌ
تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اس وقت تک نہیں چلا جب تک اس
أَجْرَبُ قَالَ فَبَرَّكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خَيْلِ أَحْمَسَ وَ رِجَالِهَا خَمْسَ مَرَّاتٍ
بت کدہ کو خارش زدہ اونٹ کی طرح جلا کر سیاہ نہیں کر دیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے قبیلہ احمس کے گھوڑوں اور سواروں کے لیے پانچ مرتبہ برکت کی دعا فرمائی

وَكُنْتُ لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ خود گھوڑے پر اچھی طرح سواری نہیں کر سکتے تھے، اس لئے انہوں نے آپ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کے سینہ پر مارا اور ساتھ یہ دعا کی: **اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا** اے اللہ! انہیں ثابت قدم رکھ اور دوسروں کو ہدایت دینے اور خود ہدایت پر رہنے والا بنا دے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا۔

ثُمَّ بَعَثَ جَرِيْرٌ رَجُلًا مِنْ أَحْمَسَ يُكْنٰى أَبَا أَرْطَاةَ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اطلاع دینے کے لیے قبیلہ احمس کے ایک صحابی جن کی کنیت ابوارطاۃ اور نام حصین تھا، ان کو روانہ کیا تا کہ وہ آپ کو شرک کے اس گڑھ کی تباہی و بربادی کی خوشخبری سنائیں، جبکہ اسی باب کی پہلی روایت میں ہے کہ خود حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی۔

وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا جِئْتُ حَتّٰى تَرَكْتُهَا كَأَنَّهَا جَمَلٌ أَجْرَبُ: جب خوشخبری دینے والے شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں آپ کی خدمت میں آنے کے لیے اس وقت تک نہیں چلا جب تک اس بت خانہ کو خارش زدہ اونٹ کی طرح سیاہ کر کے نہیں چھوڑا، عربوں کے ہاں دستور تھا کہ وہ خارش زدہ اونٹ پر ایک خاص قسم کا تیل ملتے تھے، جس سے اونٹ کا رنگ کالا ہو جاتا تھا، تو مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ تیل لگانے سے خارش زدہ اونٹ کالا ہو جاتا ہے، اسی طرح ذوالخلصة کو جلا کر کالا کر دیا ہے، رسول اللہ ﷺ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور آپ ﷺ نے پانچ مرتبہ قبیلہ احمس کے سواروں اور پیادوں کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

بَابُ غَزْوَةِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ

باب غزوۂ ذات السلاسل کا بیان

وَهِيَ غَزْوَةُ لَخْمٍ وَجُذَامٍ قَالَهُ إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ

وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ يَزِيدَ عَنْ عُرْوَةَ هِيَ بِلَادُ بَلِيٍّ وَعُذْرَةَ وَبَنِي الْقَيْنِ

یہ وہ غزوہ ہے، جو قبائل لخم وجذام کے ساتھ پیش آیا تھا، یہ بات اسماعیل بن خالد رحمۃ اللہ علیہ نے کہی ہے

اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرماتے ہیں کہ ان سے یزید نے اور ان سے عروہ نے کہا کہ ذات السلاسل قبائل بلی، عذرہ اور بنی القین کو کہتے ہیں۔

السلاسل پہلے سین کے فتحہ اور دوسرے سین کے کسرہ کے ساتھ ہے، بعض حضرات نے پہلے سین کے ضمہ ساتھ بھی پڑھا ہے، اس غزوہ کو ذات السلاسل کہنے کے بارے میں شراح نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں:

❶ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ذات السلاسل ایک چشمہ تھا، چونکہ اس کا پانی سلسال یعنی خوشگوار تھا، اس لیے اس چشمہ کو ذات السلاسل کہتے ہیں، چونکہ یہ غزوہ اسی مقام پر پیش آیا تو اس کی طرف نسبت کر کے اس غزوہ کو غزوۃ ذات السلاسل کہتے ہیں۔

❷ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ السلاسل، سلسلة کی جمع ہے، سلسلة زنجیر اور بیڑی کو کہتے ہیں، چونکہ اس غزوہ میں مشرکین نے جم کر لڑنے کی غرض سے اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں، اس لیے اس کو غزوۃ ذات السلاسل کہتے ہیں۔

❸ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ السلاسل درحقیقت اس ریت کو کہتے ہیں، جو تہہ بہ تہہ جمی ہوئی ہوتی ہے، جس جگہ یہ غزوہ پیش آیا وہاں چونکہ تہہ بہ تہہ ریت جمی ہوئی تھی اس لیے اس کو ذات السلاسل کہا جاتا ہے، واللہ اعلم۔

وَهِيَ غَزْوَةُ لَخْمٍ وَجُذَامَ قَالَهُ إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ: اسماعیل بن ابی خالد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ غزوہ قبیلہ لخم اور

جذام کے ساتھ پیش آیا لخم مالک بن عدی بن حارث کا لقب تھا، اسی کی طرف یہ قبیلہ منسوب تھا، جبکہ جذام لخم کا بھائی تھا، جس کا نام عمرو بن عدی تھا، اس کی اولاد کو بنو جذام کہتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ يَزِيْدَ عَنْ عُرْوَةَ هِيَ بِلَادُ بَلِيٍّ وَعُذْرَةَ وَبَنِي الْقَيْنِ: بلی، عذرہ اور بنو القین تینوں قضاعہ کی شاخیں ہیں، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یزید رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ غزوہ قبیلہ بلی، عذرہ اور بنی القین کے بلاد میں پیش آیا۔ عام اہل سیر کے نزدیک غزوۃ ذات السلاسل جمادی الثانی سن ۸ ہجری میں پیش آیا، جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ سن ۷ ہجری میں پیش آیا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سن ۱۰ ہجری کے واقعات میں ذکر کیا ہے، لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بسا اوقات غزوات کی تاریخ وقوع میں عام اہل سیر سے مختلف ہوتی ہے۔

اس غزوہ کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ قبیلہ بنی قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ منورہ پر حملے کا ارادہ رکھتی ہے، یہ خبر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر سرکردگی تین سو آدمیوں کی جماعت مقام ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمائی۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر کے بعد سن ۷ ہجری یا صفر سن ۸ ہجری میں مشرف باسلام ہوئے، ان کے اسلام لانے کا قصہ معروف ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنا ہاتھ پھیلائیے، میں آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا، تو انہوں نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ہوا؟ تو فرمایا کہ یا رسول اللہ! میں شرط لگانا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں یہ شرط لگانا چاہتا ہوں کہ میری پچھلی لغزشیں معاف کر دی جائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اما علمت یا عمرو أن الإسلام یهدم ما کان قبله و أن الهجرة تهدم ما کان قبلها و أن الحج یهدم ما کان قبله، یہ سن کر وہ خوش ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا اور پھر اسلام اور مسلمانوں کے لئے قابل قدر خدمات انجام دیں، یہ جنگی امور میں مہارت رکھتے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غزوہ میں انہیں سپہ سالار مقرر کیا، یا ان کے جدید الاسلام ہونے کی وجہ سے بطور تالیف قلب ان کو سپہ سالار مقرر فرمایا، بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی والدہ قبیلہ بلی سے تعلق رکھتی تھیں، جس کا ذکر ترجمۃ الباب میں ہے، یعنی قبیلہ بلی ان کا ننھیال تھا، تو ممکن ہے کہ اسی وجہ سے انہیں اس قبیلہ کی طرف بھیجا ہو۔

بہر حال جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی امارت میں دشمن کے علاقہ کے قریب پہنچی تو معلوم ہوا کہ دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے، اس لیے انہوں نے حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

روانہ کیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی مدد کے لیے مزید آدمی بھیجیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر دوسو آدمیوں کو مدد کے لیے روانہ کیا، جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے اور انہیں یہ نصیحت فرمائی کہ عمرو بن العاص سے جاملو اور آپس میں متفق رہنا اور ہر قسم کے اختلاف سے دور رہنا۔ جب یہ حضرات وہاں پہنچے اور نماز کا وقت آیا تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے امامت کرنا چاہی، تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ امیر لشکر تو میں ہوں، تم تو میری مدد کے لیے آئے ہو، لہٰذا نماز میں پڑھاؤں گا، تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق اختلاف سے بچنے کے لیے ان کی اطاعت کی اور فرمایا کہ میں تمہاری اطاعت کروں گا اگرچہ تم میری مخالفت کرو۔

بہرحال پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مل کر حملہ کیا اور بنو قضاعہ مرعوب ہو کر بھاگ گئے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے دشمن کا تعاقب کرنا چاہا لیکن حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا، اس غزوہ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آگ روشن کرنے سے بھی منع کر دیا تھا، چونکہ سردی کا زمانہ تھا اس لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اس سلسلہ میں ان سے بات بھی کی، لیکن انہوں نے کہا کہ اگر کسی نے آگ جلائی تو میں اس کو اسی آگ میں پھینک دوں گا، اسی طرح ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک رات حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو احتلام ہو گیا تو صبح کی نماز انہوں نے تیمم کر کے پڑھائی۔

جب یہ حضرات واپس مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ تینوں باتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کر دیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اس کی وجہ دریافت فرمائی، تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! دشمن کے تعاقب سے میں نے اس لیے روکا تھا کیونکہ مجھے اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ہم ان کا تعاقب کریں اور آگے ان کی مدد کے لیے لوگ موجود ہوں تو خواہ مخواہ ہمیں نقصان اٹھانا پڑ جائے گا اور آگ جلانے سے میں نے اس لیے روکا تھا کہ کہیں آگ کی روشنی دیکھ کر دشمن کو ہماری قلت کا اندازہ نہ ہو جائے اور احتلام کے بعد تیمم کر کے میں نے نماز اس لیے پڑھائی کیونکہ سخت سردی تھی اور مجھے غسل کی وجہ سے جان کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اور اللہ کا ارشاد ہے: **وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا**، ان کی یہ بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور انہیں کچھ نہیں کہا۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ

عَنْ أَبِي عُثْمَانَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ عَلَى جَيْشِ

حضرت ابوعثمان نہدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو غزوۂ ذات السلاسل کے لیے امیر لشکر بنا کر بھیجا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ذَاتِ السَّلَاسِلِ قَالَ فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ عَائِشَةُ قُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ؟

کہ (غزوہ کے بعد) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ عزیز کون شخص ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ، میں نے پوچھا

قَالَ أَبُوْهَا قُلْتُ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ عُمَرُ فَعَدَّ رِجَالًا فَسَكَتُّ مَخَافَةَ أَنْ يَّجْعَلَنِيْ فِيْ اٰخِرِهِمْ

اور مردوں میں؟ تو فرمایا کہ اس کے والد، میں نے پوچھا اس کے بعد؟ تو فرمایا عمر۔ پھر آپ نے کئی آدمیوں کا نام لیا تو میں خاموش ہو گیا کہ کہیں آپ مجھے سب سے بعد میں نہ کر دیں۔

چونکہ غزوۃ ذات السلاسل میں بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت تھے، اس لیے انہیں یہ خیال ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، چنانچہ اس غزوہ سے واپس آ کر انہوں نے دریافت کیا: أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ لوگوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عَائِشَةُ۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مِنَ الرِّجَالِ؟ مردوں میں کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَبُوْهَا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: قُلْتُ ثُمَّ مَنْ؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عُمَرُ اس طرح انہوں نے کئی لوگ گنوائے اور پھر اس خوف کی وجہ سے خاموش ہو گئے کہ کہیں ان کا نام سب سے آخر میں نہ آ جائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو امیر بنانا جائز ہے۔ چنانچہ اس غزوہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ جیسے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے، لیکن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا جو بالاتفاق ان حضرات کے مقابلے میں مفضول تھے، کیونکہ وہ نہ خلفائے راشدین میں سے ہیں، نہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، نہ اصحاب بدر میں سے ہیں، نہ اصحاب بیعت الرضوان میں سے ہیں، اگرچہ فی نفسہ اونچے درجے کے صحابی ہیں، لیکن ان حضرات کی بنسبت مفضول ہونے کے باوجود انہیں ان سے افضل صحابہ پر امیر مقرر کیا گیا رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

بَابُ ذَهَابِ جَرِيْرٍ إِلَى الْيَمَنِ

باب: حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا یمن کی طرف جانا

حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ الْعَبْسِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيْسَ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أَبِيْ خَالِدٍ عَنْ قَيْسٍ

عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ كُنْتُ بِالْيَمَنِ فَلَقِيْتُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ ذَا كَلَاعٍ وَ ذَا عَمْرٍو

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یمن میں تھا تو یمن کے دو آدمیوں ذوکلاع اور ذوعمرو سے میری ملاقات ہوئی

فَجَعَلْتُ أُحَدِّثُهُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ ذُوْ عَمْرٍو لَئِنْ كَانَ الَّذِيْ

میں ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں کرنے لگا تو اس پر ذوعمرو نے کہا کہ اگر تمہارے صاحب (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہی ہیں

تَذْكُرُ مِنْ أَمْرِ صَاحِبِكَ لَقَدْ مَرَّ عَلَى أَجَلِهِ مُنْذُ ثَلَاثٍ وَأَقْبَلَا مَعِيْ حَتّٰى إِذَا كُنَّا فِيْ بَعْضِ

جن کا ذکر تم کر رہے ہو تو ان کی وفات کو تین دن گزر چکے ہیں، پھر یہ دونوں میرے ساتھ ہی (مدینہ) کی طرف چل پڑے، راستے میں ہمیں

الطَّرِيْقِ رُفِعَ لَنَا رَكْبٌ مِنْ قِبَلِ الْمَدِيْنَةِ فَسَأَلْنَاهُمْ فَقَالُوْا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

مدینہ کی طرف سے آتے ہوئے کچھ سوار دکھائی دیئے، ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے ہیں

وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُوْ بَكْرٍ وَ النَّاسُ صَالِحُوْنَ فَقَالَا أَخْبِرْ صَاحِبَكَ أَنَّا قَدْ جِئْنَا وَ لَعَلَّنَا

اور آپ کے خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ منتخب ہوئے ہیں اور لوگ سب خیریت سے ہیں، تو ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ اپنے صاحب (ابوبکر رضی اللہ عنہ) سے کہنا کہ ہم آئے تھے

سَنَعُوْدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَ رَجَعَا إِلَى الْيَمَنِ فَأَخْبَرْتُ أَبَا بَكْرٍ بِحَدِيْثِهِمْ قَالَ أَفَلَا جِئْتَ بِهِمْ؟

اور ان شاء اللہ پھر مدینہ آئیں گے اور وہ دونوں یمن واپس چلے گئے، پھر میں نے ابوبکرؓ کو ان کی باتوں کی اطلاع دی، تو آپ نے فرمایا کہ تم انہیں اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟

فَلَمَّا كَانَ بَعْدُ قَالَ لِيْ ذُوْ عَمْرٍو يَا جَرِيرُ إِنَّ بِكَ عَلَيَّ كَرَامَةً وَإِنِّيْ مُخْبِرُكَ خَبَرًا إِنَّكُمْ مَعْشَرَ
کافی عرصے بعد ذوعمرو نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ اے جریر! تمہارا مجھ پر احسان ہے اور میں تمہیں ایک بات بتاؤں گا کہ تم اہل عرب اس وقت تک خیر و بھلائی کے ساتھ

الْعَرَبِ لَنْ تَزَالُوْا بِخَيْرٍ مَا كُنْتُمْ إِذَا هَلَكَ أَمِيْرٌ تَأَمَّرْتُمْ فِيْ آخَرَ فَإِذَا كَانَتْ بِالسَّيْفِ
رہو گے، جب تک تمہارا طرز عمل یہ ہوگا کہ جب تمہارا کوئی امیر وفات پا جائے گا، تو تم فوراً دوسرا امیر منتخب کرلیا کرو گے، لیکن جب (امارت کے لیے) تلوار تک بات پہنچ جائے

كَانُوْا مُلُوْكًا يَغْضَبُوْنَ غَضَبَ الْمُلُوْكِ وَيَرْضَوْنَ رِضَا الْمُلُوْكِ
تو تمہارے امیر بادشاہ بن جائیں گے، پھر وہ بادشاہوں کی طرح غصہ ہوا کریں گے اور انہیں کی طرح خوش ہوا کریں گے

كُنْتُ بِالْيَمَنِ: یہ یمن کی طرف حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا دوسرا سفر تھا، پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ذو الخلصة نامی بت کدے کو برباد کرنے کے لئے بھیجا تھا، جس کا قصہ پہلے گزر چکا، اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے تقریباً ایک مہینہ پہلے دوبارہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا، امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اہل یمن کی طرف بھیجا تاکہ میں انہیں دین اسلام کی دعوت دوں اور اگر وہ انکار کردیں تو ان سے جہاد کروں، جبکہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کی دو بااثر شخصیتوں کو اسلام کی دعوت دینے کی غرض سے بھیجا تھا، جن میں ایک شخص کا نام ذو کلاع اور دوسرے کا نام ذو عمرو تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو اہل یمن میں اسلام کی دعوت کے لیے بھیجا ہو اور خصوصیت کے ساتھ ان دونوں کو بھی اسلام کی دعوت دینے کے لیے کہا ہو، بہرحال حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو اسلام کی دعوت دی اور دونوں نے اسلام قبول کرلیا اور یہ دونوں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں بیان کیں تو اس پر ذو عمرو نے کہا: لَئِنْ كَانَ الَّذِيْ تَذْكُرُ مِنْ أَمْرِ صَاحِبِكَ لَقَدْ مَرَّ عَلَى أَجَلِهِ مُنْذُ ثَلَاثٍ وہ باتیں جو تم اپنے صاحب کے متعلق بیان کررہے ہو، اگر وہ صحیح اور درست ہیں تو ان کی موت کو تین دن گزر چکے ہیں۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذو عمرو نے یہ بات کیسے کہی؟ شراح نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں:

❶ بعض حضرات نے کہا کہ وہ یہود کی کتابوں سے واقف تھا، لہٰذا اس نے یہود کی کتب کے حوالے سے یہ بات کی۔

❷ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ الاستیعاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ذو عمرو نے خواب دیکھا تھا، جس سے انہیں معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوچکی ہے۔

❸ حضرت مولانا انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ آدمی کاہن تھا اور اپنی کہانت کے ذریعہ اس نے یہ معلوم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوچکا ہے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ

کاہن کو خود اپنی بات پر یقین نہیں ہوتا، اس لیے کہ ایک طرف تو ذو عمرو یہ کہہ رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے اور دوسری طرف وہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کا سفر بھی کر رہا ہے کہ ممکن ہے ملاقات ہو جائے اور انتقال نہ ہوا ہو۔

حَتّٰی إِذَا كُنَّا فِیْ بَعْضِ الطَّرِیْقِ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابھی ہم راستہ ہی میں تھے کہ مدینہ منورہ سے چند حضرات آتے دکھائی دیئے اور ان سے ہمیں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا ہے، **وَالنَّاسُ صَالِحُوْنَ** اور کوئی گڑبڑ نہیں ہے، لوگ بالکل ٹھیک ہیں اور کوئی انتشار نہیں ہے۔ یہ خبر سن کر ذو کلاع اور ذو عمرو دونوں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنے صاحب یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بتا دینا کہ ہم آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے آرہے تھے اور چونکہ آپ ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے، اس لیے اب ہم واپس جارہے ہیں، پھر دوبارہ ان شاء اللہ آئیں گے، چنانچہ وہ دونوں واپس یمن چلے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ بتلایا تو انہوں نے کہا کہ تم ان کو ساتھ لے کر کیوں نہیں آئے۔

فَلَمَّا كَانَ بَعْدُ قَالَ لِیْ ذُوْ عَمْرٍو: پھر ایک عرصہ کے بعد حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی ذو عمرو سے ملاقات ہوئی، غالباً یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا، تو ذو عمرو نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جریر! تمہارا مجھ پر احسان ہے کہ تمہاری بدولت اللہ نے مجھے اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا، اس لیے میں تمہیں ایک بات بتلاتا ہوں اور وہ یہ کہ **إِنَّكُمْ مَعْشَرَ الْعَرَبِ لَنْ تَزَالُوْا بِخَیْرٍ مَا كُنْتُمْ إِذَا هَلَكَ أَمِیْرٌ تَأَمَّرْتُمْ فِیْ اٰخَرَ** تم عرب لوگ برابر خیر کے ساتھ رہو گے جب تک کہ تم ایک امیر کے بعد دوسرے امیر کا انتخاب آپس کے مشورے سے کرو گے، **فَإِذَا كَانَتْ بِالسَّیْفِ كَانُوْا مُلُوْكًا یَغْضَبُوْنَ غَضَبَ الْمُلُوْكِ وَیَرْضَوْنَ رِضَا الْمُلُوْكِ** لیکن جب اقتدار پر قبضہ تلوار کے ذریعہ سے ہونے لگے گا تو پھر تمہارے اندر ملوکیت آجائے گی، پھر بادشاہوں کی طرح غصہ ہو گے اور بادشاہوں کی طرح راضی ہو گے۔ یعنی خلافت ختم ہو جائے گی اور بادشاہت آجائے گی اور جس طرح بادشاہ بات بات پر ناراض ہو جایا کرتے ہیں اور ذرا سی بات پر خوش ہو جایا کرتے ہیں کہ نہ ان کی ناراضگی کا کوئی بھروسہ اور نہ ان کی خوشی کا کوئی اعتبار، یہ کیفیت تم لوگوں کے اندر آجائے گی اور ایسا ہی ہوا۔

بَابُ غَزْوَةِ سِيْفِ الْبَحْرِ

باب: غزوۃ سیف البحر کا بیان

وَهُمْ يَتَلَقَّوْنَ عِيرًا لِقُرَيْشٍ وَأَمِيرُهُمْ أَبُو عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

یہ دستہ قریش کے قافلہ تجارت کی گھات میں تھا، اس کے امیر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے۔

سِیْفِ (بکسر السین) کنارے کو کہتے ہیں، قافلہ قریش پر حملہ کرنے کی غرض سے چونکہ یہ جماعت ساحل سمندر کی طرف گئی تھی، اس لیے اسے غزوۃ سیف البحر کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی امارت میں اس مہم پر روانہ فرمایا۔

یہ غزوہ کب پیش آیا؟ ترجمۃ الباب میں یہ الفاظ ہیں کہ وھم یتلقون عیر القریش یعنی یہ لشکر قریش کے قافلے کے تعاقب میں گیا تھا اور ان پر حملہ کرنا چاہتا تھا، اب ظاہر ہے کہ یہ حملہ فتح مکہ کے بعد نہیں ہوسکتا، کیونکہ فتح مکہ کے بعد تو اس کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی، پھر فتح مکہ سے پہلے کا واقعہ ہونے میں دو احتمالات ہیں:

❶ ایک یہ کہ یہ صلح حدیبیہ سے پہلے کا واقعہ ہو، کیونکہ وہی وہ موقع تھا جب آپس میں جنگیں چل رہی تھیں، جبکہ صلح حدیبیہ کے بعد تو امن و امان قائم ہو گیا تھا اور آزادانہ آمد و رفت جاری ہوگئی تھی، نیز صلح کی وجہ سے کسی فریق کو دوسرے کے قافلے پر حملہ کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی، لہٰذا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا بھی نہیں ہوسکتا، اس لیے یہ کہا جائے گا کہ یہ غزوہ صلح حدیبیہ سے پہلے کا ہے۔

❷ اکثر اصحاب مغازی کی رائے یہ ہے کہ غزوۃ سیف البحر رجب سن ۸ ہجری میں پیش آیا ہے اور اس پر یہ اشکال نہیں ہوسکتا کہ صلح حدیبیہ کے بعد اس طرح لشکر کشی کرنا معاہدہ صلح کی خلاف ورزی تھی، کیونکہ رجب سن ۸ ہجری تک صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی خلاف ورزی خود قریش نے کر ڈالی تھی، بنو بکر نے بنو خزاعہ کے خلاف اقدام کیا تھا اور قریش نے معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنو بکر کی مدد کر کے معاہدہ صلح توڑ دیا تھا، اس لیے رجب سن ۸ ہجری کا یہ زمانہ صلح کا زمانہ نہیں تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بات ارشاد فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سو آدمیوں کی یہ جماعت قافلہ قریش پر حملہ کرنے کے لیے نہیں، بلکہ ان کی حفاظت کے لیے روانہ فرمائی تھی، وہ فرماتے ہیں کہ قریش کا تجارتی قافلہ آ رہا تھا اور اس نے قبیلہ جہینہ کے علاقہ سے گزرنا تھا اور جہینہ کے لوگ لوٹ مار کے عادی تھے، اس لئے یہ اندیشہ تھا کہ وہ کہیں قریش کے قافلے کو لوٹ نہ لیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت تین سو صحابہ کو اس قافلے کی حفاظت کے لیے روانہ فرمایا تھا، لیکن علامہ قسطلانی، زرقانی، ابن سعد، اور شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہم

وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ سریہ آپ ﷺ نے قافلۂ قریش کی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ قریش کے قافلے کے تعاقب اور ان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا اور ترجمة الباب سے بظاہر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ساحل سمندر کی طرف

قِبَلَ السَّاحِلِ وَ أَمَّرَ عَلَيْهِمْ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ وَ هُمْ ثَلَاثُ مِائَةٍ فَخَرَجْنَا وَ كُنَّا بِبَعْضِ

ایک لشکر بھیجا اور اس کا امیر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بنایا، اس میں تین سو آدمی شریک تھے، ہم مدینہ سے روانہ ہوئے اور ابھی راستے ہی میں تھے

الطَّرِيقِ فَنِيَ الزَّادُ فَأَمَرَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِأَزْوَادِ الْجَيْشِ فَجُمِعَ فَكَانَ مِزْوَدَيْ تَمْرٍ فَكَانَ يَقُوتُنَا

کہ زاد راہ ختم ہو گیا، تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بچے ہوئے زاد راہ کو جمع کرنے کا حکم دیا تو وہ دو تھیلے کھجور بنا اس میں سے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہمیں روزانہ تھوڑا تھوڑا

كُلَّ يَوْمٍ قَلِيلٌ قَلِيلٌ حَتَّى فَنِيَ فَلَمْ يَكُنْ يُصِيبُنَا إِلَّا تَمْرَةٌ تَمْرَةٌ فَقُلْتُ مَا تُغْنِي عَنْكُمْ تَمْرَةٌ

کھانے کو دیتے رہے، آخر جب یہ بھی ختم کے قریب پہنچ گیا تو ہمارے حصے میں صرف ایک ایک کھجور آتی تھی۔ وہب فرماتے ہیں کہ میں نے جابرؓ سے پوچھا کہ ایک کھجور سے کیا

فَقَالَ وَاللهِ لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِينَ فَنِيَتْ ثُمَّ انْتَهَيْنَا إِلَى الْبَحْرِ فَإِذَا حُوتٌ مِثْلُ الظَّرِبِ

ہوتا ہوگا؟ تو جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس ایک کھجور کی قدر اس وقت معلوم ہوئی جب وہ بھی نہیں رہی، آخر ہم سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں

فَأَكَلَ مِنْهَا الْقَوْمُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً ثُمَّ أَمَرَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِضِلَعَيْنِ مِنْ أَضْلَاعِهِ فَنُصِبَا

کہ بڑے ٹیلے کی طرح ایک مچھلی نکل کر پڑی ہے، اس مچھلی کو سارا لشکر اٹھارہ راتوں تک کھاتا رہا، بعد میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کی پسلی کی دو ہڈیاں کھڑی کی گئیں

ثُمَّ أَمَرَ بِرَاحِلَةٍ فَرُحِلَتْ ثُمَّ مَرَّتْ تَحْتَهُمَا فَلَمْ تُصِبْهُمَا

وہ اتنی اونچی تھیں کہ اونٹ پر کجاوہ کسا گیا، تو وہ ان کے نیچے سے نکل گیا اور ہڈیوں کو بالکل نہیں لگا

بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا قِبَلَ السَّاحِلِ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر ساحل سمندر کی طرف بھیجا، جن کی تعداد تین سو تھی اور اس لشکر پر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا، حاشیہ میں لکھا ہے سنة ثمان لہٰذا بظاہر یہ فتح مکہ سے ذرا پہلے کی بات ہے، جب قریش کی طرف سے بنوبکر کا ظلم میں ساتھ دینے کی وجہ سے صلح کا معاہدہ ٹوٹ چکا تھا۔

وَ كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ فَنِيَ الزَّادُ: راستے میں سارا توشہ ختم ہو گیا، تو امیر لشکر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ لشکر کے سارے توشوں کو جمع کر لیا جائے، **فَجُمِعَ فَكَانَ مِزْوَدَيْ تَمْرٍ** جب سب توشوں کو جمع کیا گیا تو وہ کھجور کے دو تھیلے بنے۔ مطلب یہ ہے کہ کھانے کی ساری چیزیں ختم ہو چکی تھیں، جتنا اناج تھا، سب ختم ہو چکا تھا، صرف کھجوریں باقی رہ گئی تھیں اور وہ بھی جب سارے لشکر سے جمع کی گئیں تو صرف دو تھیلے بنے۔ **فَكَانَ يَقُوتُنَا كُلَّ يَوْمٍ قَلِيلٌ قَلِيلٌ** اب سارے لشکر کو اس میں سے ہر روز تھوڑی تھوڑی کھجوریں ملتی تھیں، **حَتَّى فَنِيَ** یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہونے لگیں، **فَلَمْ يَكُنْ يُصِيبُنَا إِلَّا تَمْرَةٌ تَمْرَةٌ** پھر ہمیں پورے دن میں صرف ایک ایک کھجور ملنے لگی۔

فَقُلْتُ مَا تُغْنِي عَنْكُمْ تَمْرَةٌ: وہب بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایک کھجور آپ کو کیا فائدہ دیتی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا: **لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِيْنَ فَنِيَتْ** یعنی تمہاری بات صحیح ہے کہ ایک کھجور سے کیا ہوتا ہے، لیکن جب وہ ایک کھجور بھی ملنی بند ہوگئی، تب ہمیں اندازہ ہوا کہ وہ ایک کھجور بھی کتنی بڑی نعمت تھی۔

دوسری روایات میں آتا ہے کہ ہم اس کھجور کو چباتے رہتے تھے اور اس کی گٹھلی کو منہ میں رکھ کر چوستے رہتے تھے اور گھنٹوں یہی سلسلہ چلتا رہتا اور بس اسی سے ہمارا گزارا ہوتا تھا اور اگلی روایت میں آرہا ہے کہ اسی بھوک کی شدت میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے درختوں کے پتے بھی کھائے، اسی وجہ سے اس غزوہ کو **غزوۃ جیش الخبط** بھی کہتے ہیں۔ **خبط** کا مطلب ہے پتے جھاڑنا۔ نیز پتے کھانے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باچھیں پک گئی تھیں اور وہ فرماتے تھے کہ ہمیں پاخانہ بھی ایسا ہوتا تھا، جیسے جانوروں کی مینگنیاں ہوتی ہیں، اتنی پریشانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے مدد اور آسانی فرمائی اور ایک بڑی مچھلی ساحل پر نمودار ہوگئی، جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بقیہ سفر میں سیر ہو کر کھایا۔

چنانچہ راوی فرماتے ہیں: **ثُمَّ انْتَهَيْنَا إِلَى الْبَحْرِ** پھر ہم سمندر کے قریب پہنچے، **فَإِذَا حُوتٌ مِثْلُ الظَّرِبِ** اچانک دیکھا کہ ایک مچھلی ہے، جیسے چھوٹا سا پہاڑ یا ٹیلا ہو، **فَأَكَلَ مِنْهَا الْقَوْمُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً** تو تمام لشکر نے اٹھارہ راتوں تک وہ مچھلی کھائی۔ سارے صحابہ بھوک کی شدت سے کمزور ہو گئے تھے، اس نعمت کی وجہ سے دوبارہ ان کی صحت بحال ہوگئی۔ اگلی روایت میں ہے **فَأَكَلْنَا مِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ** راوی کہتے ہیں کہ ہم نے آدھا مہینہ وہ مچھلی کھائی، وہاں راوی نے کسر کو حذف کردیا ہے لہٰذا کوئی اشکال کی بات نہیں، **وَادَّهَنَّا مِنْ وَدَكِهِ** اور اس کی چربی کو ہم نے تیل کے طور پر استعمال کیا، خواہ کھانے میں استعمال کیا ہو، یا جسم پر لگانے میں استعمال کیا ہو، **حَتَّى ثَابَتْ إِلَيْنَا أَجْسَامُنَا** یہاں تک کہ ہمارے جسم ہماری طرف لوٹ گئے، یعنی جسم دبلے ہوگئے تھے، اس مچھلی کے کھانے سے اور تیل کے استعمال سے ہمارے جسم دوبارہ بحال ہوگئے۔ **ثاب یثوب** کے معنی ہیں لوٹنا، ثواب کو بھی ثواب اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ عمل کا بدلہ ہوتا ہے جو دوبارہ لوٹ کر عمل کرنے والے کی طرف آتا ہے۔

ثُمَّ أَمَرَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِضِلَعَيْنِ مِنْ أَضْلَاعِهِ فَنُصِبَا: پھر امیر لشکر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس مچھلی کے حجم کا اندازہ کرنے کے لئے اس مچھلی کی پسلیوں میں سے دو پسلیوں کو کھڑا کرنے کا حکم دیا اور ایک اونٹنی پر کجاوہ باندھ کر لشکر کے سب سے لمبے قد والے صحابی حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو اس کجاوے کے اوپر بٹھایا گیا، پھر وہ ان دو پسلیوں کے نیچے سے گزر گئے اور ان پسلیوں سے نہیں ٹکرائے، مطلب یہ کہ اس مچھلی کی پسلیاں اتنی اونچی تھیں، تو جب پسلیاں اتنی اونچی تھی تو وہ مچھلی خود کتنی بڑی ہوگی۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الَّذِي حَفِظْنَاهُ مِنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ

سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مِائَةِ رَاكِبٍ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے تین سو سواروں کے ساتھ بھیجا

أَمِيرُنَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ نَرْصُدُ عِيرَ قُرَيْشٍ فَأَقَمْنَا بِالسَّاحِلِ نِصْفَ شَهْرٍ فَأَصَابَنَا

اور ہمارے امیر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے، تاکہ ہم قریش کے قافلہ تجارت کی تلاش میں رہیں، تو ہم ساحل سمندر پر پندرہ دن تک پڑاؤ ڈالے رہے اور ہمیں (اس سفر میں)

جُوعٌ شَدِيدٌ حَتَّى أَكَلْنَا الْخَبَطَ فَسُمِّيَ ذَلِكَ الْجَيْشُ جَيْشَ الْخَبَطِ فَأَلْقَى لَنَا الْبَحْرُ دَابَّةً

بڑی سخت بھوک اور فاقے کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہم نے ببول کے پتے کھا کر وقت گزارا، اسی لیے اس لشکر کا لقب پتوں کا لشکر پڑ گیا، پھر اتفاق سے سمندر نے

يُقَالُ لَهَا الْعَنْبَرُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ وَادَّهَنَّا مِنْ وَدَكِهِ حَتَّى ثَابَتْ إِلَيْنَا أَجْسَامُنَا

ہمارے لیے ایک مچھلی نما جانور ساحل پر پھینک دیا، اس کا نام عنبر تھا، ہم نے اس کو پندرہ دن تک کھایا اور اس کی چربی کو تیل کے طور پر (جسموں پر) ملا، اس سے ہمارے بدن کی

فَأَخَذَ أَبُو عُبَيْدَةَ ضِلَعًا مِنْ أَضْلَاعِهِ فَنَصَبَهُ فَعَمَدَ إِلَى أَطْوَلِ رَجُلٍ مَعَهُ قَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً

طاقت وقوت پھر لوٹ آئی، پھر ابوعبیدہؓ نے اس کی ایک پسلی نکال کر کھڑی کروائی اور جو لشکر میں سب سے لمبے آدمی تھے، انہیں اس کے نیچے سے گزارا۔ سفیان نے ایک مرتبہ

ضِلَعًا مِنْ أَضْلَاعِهِ فَنَصَبَهُ وَأَخَذَ رَجُلًا وَبَعِيرًا فَمَرَّ تَحْتَهُ قَالَ جَابِرٌ وَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ

اس طرح بیان کیا کہ ایک پسلی نکال کر کھڑی کر دی اور ایک شخص کو اونٹ پر سوار کرایا وہ اس کے نیچے سے نکل گیا۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لشکر کے ایک آدمی نے

نَحَرَ ثَلَاثَ جَزَائِرَ ثُمَّ نَحَرَ ثَلَاثَ جَزَائِرَ ثُمَّ نَحَرَ ثَلَاثَ جَزَائِرَ ثُمَّ إِنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ نَهَاهُ

پہلے دن تین اونٹ ذبح کئے، پھر تین اونٹ ذبح کئے اور جب تیسری مرتبہ تین اونٹ ذبح کئے تو ابوعبیدہ نے انہیں روک دیا

وَكَانَ عَمْرٌو يَقُولُ أَخْبَرَنَا أَبُو صَالِحٍ أَنَّ قَيْسَ بْنَ سَعْدٍ قَالَ لِأَبِيهِ كُنْتُ فِي الْجَيْشِ فَجَاعُوا

اور عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ ہم کو ابوصالح نے خبر دی کہ قیس بن سعدؓ نے (واپس آکر) اپنے والد (سعد بن عبادہؓ) سے کہا کہ میں بھی لشکر میں تھا تو لوگوں پر فاقہ آ گیا

قَالَ انْحَرْ قَالَ نَحَرْتُ قَالَ ثُمَّ جَاعُوا قَالَ انْحَرْ قَالَ نَحَرْتُ قَالَ ثُمَّ جَاعُوا قَالَ انْحَرْ

تو انہوں نے کہا کہ اونٹ ذبح کرو، تو میں نے ذبح کر دیا کہا کہ پھر بھوک لگی تو انہوں نے کہا کہ اونٹ ذبح کرو، میں نے ذبح کر دیا، پھر جب پھر بھوک نے ستایا تو کہا کہ اونٹ ذبح

قَالَ نَحَرْتُ ثُمَّ جَاعُوا قَالَ انْحَرْ قَالَ نُهِيتُ

کرو، میں نے ذبح کر دیا، پھر فاقہ آیا، تو کہا کہ اونٹ ذبح کرو، تو میں نے کہا کہ امیر لشکر کی طرف سے مجھے منع کر دیا گیا

سمندری جانور حلال یا حرام

فَأَلْقَى لَنَا الْبَحْرُ دَابَّةً: پھر سمندر نے ہمارے سامنے ایک جانور ڈالا جس کو عنبر کہا جاتا ہے۔ اس سے حضرات ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے کہ سمندر کا جو بھی جانور ہے، اس کو کھانا جائز ہے، اسی طرح وہ قرآن مجید کی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں: **أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ** کہ تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے، تاکہ وہ تمہارے لیے اور قافلوں کے لیے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنے، چنانچہ ان کے نزدیک مچھلی کے علاوہ دوسرے سمندری جانور کھانا جائز ہے، لیکن احناف کے نزدیک سمندر میں سے صرف مچھلی کھانا جائز ہے، مچھلی کے علاوہ دوسرا کوئی جانور کھانا جائز نہیں اور اس روایت کے بارے میں احناف کہتے ہیں کہ

یہاں دابة سے مراد مچھلی ہی ہے، اس لیے کہ پچھلی روایت میں اس جانور کے بارے میں صراحت آئی ہے کہ فَإِذَا حُوتٌ مِثْلُ الظَّرِبِ وہ مچھلی تھی ٹیلے کی مانند۔

اسی طرح اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ ما القی البحر او جزر عنه فکلوہ اگر سمندر کی موج آئے اور کوئی مچھلی کنارے پر آجائے اور مرجائے تو وہ حلال ہے، اس کا کھانا سب کے نزدیک جائز ہے، جو اختلاف ہے وہ سمک طافی میں ہے کہ جو پانی کے اندر مرجائے اور مر کے پھر الٹی ہوجائے، وہ احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے لیکن باقی حضرات کے نزدیک وہ بھی جائز ہے، البتہ اس روایت میں جس مچھلی کا ذکر ہے یہ سمک طافی نہیں تھی، بلکہ سمندر نے اللہ کے حکم سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے کھانے کے لیے وہ مچھلی سمندر کے کنارے پر ان کے سامنے ڈالی تھی۔

يُقَالُ لَهَا الْعَنْبَرُ: امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عنبر بڑے سمندروں میں ایک مچھلی ہوتی ہے، جس کی لمبائی عام طور پر پچاس ہاتھ کے برابر ہوتی ہے، اسی طرح عنبر ایک قسم کی خوشبو کو بھی کہتے ہیں، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس مچھلی کا فضلہ ہوتا ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عنبر کی خوشبو سمندر میں پیدا ہوتی ہے اور سمندر کی ایک خاص قسم کی مچھلی اس خوشبو کو کھالیتی ہے، لیکن اس کے کھانے سے اس مچھلی کی موت واقع ہوجاتی ہے اور پھر سمندر اس مچھلی کو باہر پھینک دیتا ہے اور پھر اس کے بطن سے یہ خوشبو نکالی جاتی ہے، واللہ اعلم۔

وَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ نَحَرَ ثَلَاثَ جَزَائِرَ: اب اسی دوران ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ جب مسلمان سخت بھوک کی حالت میں تھے اور انہیں پتے کھانے تک کی نوبت آگئی تھی تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے، ان کے بیٹے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما بھی اس لشکر میں شامل تھے، حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما نے جب دیکھا کہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے آئے ہوئے ہیں اور فاقہ کا یہ عالم ہے کہ پتے چبا چبا کر گزر کر رہے ہیں، تو ان سے یہ حالت نہ دیکھی گئی اور انہوں نے اہل ساحل سے ادھار اونٹ خرید کر ذبح کرنا شروع کئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تمہارے پاس تو پیسے نہیں ہیں، ادھار خرید خرید کر تم اونٹ ذبح کئے جا رہے ہو، یہ قرض کہاں سے ادا کرو گے، تو قیس بن سعد رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہمارے گھر میں مال ہے، میں اس سے قرض ادا کردوں گا، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ مال تو تمہارے والد کا ہے، تو قیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے والد اجنبی حاجت مندوں اور غریبوں کی امداد کرتے ہیں تو میں اگر مقروض ہوں گا تو کیا میری امداد نہیں کریں گے؟ بہرحال حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کی باتوں سے متأثر ہو کر کچھ نرمی اختیار کی، لیکن بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے توجہ دلانے پر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کردیا۔

مدینہ منورہ واپس آنے کے بعد قیس بن سعد رضی اللہ عنہما نے اپنے والد کو یہ واقعہ سنایا تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فلاں جگہ کے چار باغ میں تمہارے نام کئے دیتا ہوں تاکہ آئندہ اگر کوئی ایسی صورت پیش آئے تو تم یہ کہہ سکو کہ

میرے پاس چار باغ ہیں اور اس قسم کے کار خیر میں تم سے تخلف واقع نہ ہو، رسول اللہ ﷺ کو جب اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ گھرانہ جود و سخاوت کا گھرانہ ہے اور یہی بات ان کے شایان شان تھی۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو

أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ غَزَوْنَا جَيْشَ الْخَبَطِ وَأُمِّرَ عَلَيْنَا أَبُو عُبَيْدَةَ فَجُعْنَا

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم پتوں والے لشکر میں شریک تھے، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہمارے امیر تھے، پھر ہمیں شدت سے بھوک لگی،

جُوْعًا شَدِيْدًا فَأَلْقَى الْبَحْرُ حُوْتًا مَيِّتًا لَمْ نَرَ مِثْلَهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ

تو سمندر نے ایک ایسی مردہ مچھلی باہر پھینکی کہ ہم نے ویسی مچھلی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، اسے عنبر کہتے تھے، وہ مچھلی ہم نے پندرہ دن تک کھائی،

فَأَخَذَ أَبُو عُبَيْدَةَ عَظْمًا مِنْ عِظَامِهِ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ فَأَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا

پھر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ہڈی کھڑی کروادی تو اونٹ پر سوار ایک آدمی اس کے نیچے سے گزر گیا۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ پھر مجھے ابوالزبیر نے خبر دی کہ حضرت جابر فرماتے تھے

يَقُولُ قَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ كُلُوْا فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ ذَكَرْنَا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس مچھلی کو کھاؤ، پھر جب ہم مدینہ لوٹ آئے تو ہم نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ روزی کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے

فَقَالَ كُلُوْا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللهُ أَطْعِمُوْنَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ فَأَتَاهُ بَعْضُهُمْ فَأَكَلَهُ

تمہارے لیے بھیجی ہے اور اگر تمہارے پاس اس میں سے کچھ ہو تو مجھے بھی کھلاؤ، تو ایک آدمی نے اس کا گوشت لا کر پیش کیا اور آپ ﷺ نے بھی اسے تناول فرمایا

یہ روایت بھی اسی واقعہ سے متعلق ہے، البتہ اس روایت کے آخر میں ہے کہ جب یہ لشکر مدینہ منورہ لوٹ کر آ گیا اور آپ ﷺ کے سامنے اس عجیب و غریب مچھلی کے واقعہ کا ذکر کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: **كُلُوْا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللهُ** کھاؤ وہ رزق جو اللہ نے نکالا ہے، **أَطْعِمُوْنَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ** اور اگر تمہارے پاس کچھ بچا ہوا ہو، تو ہمیں بھی کھلاؤ، **فَأَتَاهُ بَعْضُهُمْ فَأَكَلَهُ** چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس مچھلی کا کچھ حصہ لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ نے اس کو تناول فرمایا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت تھی، تو آپ ﷺ نے اظہار تشکر کے لیے اس نعمت میں سے کچھ حصہ منگوایا کہ ہم بھی اس میں سے تناول کریں گے۔

بَابُ حَجِّ أَبِيْ بَكْرٍ بِالنَّاسِ فِيْ سَنَةِ تِسْعٍ

باب: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کے ساتھ سن ۹ ہجری میں حج کرنا

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيْعِ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَعَثَهُ فِي الْحَجَّةِ الَّتِيْ أَمَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع سے پہلے جس حج کا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ يَوْمَ النَّحْرِ فِيْ رَهْطٍ يُؤَذِّنُ فِي النَّاسِ

امیر بنا کر بھیجا تھا، اس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے کئی آدمیوں کے ساتھ قربانی کے دن (منیٰ) میں اعلان کرنے کے لیے بھیجا تھا

لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ

کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک (بیت اللہ) کا حج کرنے نہ آئے اور نہ ہی کوئی شخص بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرے

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ماہ ذیقعدہ سن ۹ ہجری میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر مکہ معظّمہ روانہ فرمایا، اس حج میں مدینہ منورہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے بیس اونٹ قربانی کے لئے روانہ فرمائے تھے، قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے کیونکہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ حج اصل سنت ابراہیمی کے مطابق ادا ہو رہا تھا۔ سورۂ براءت کی ابتدائی آیتیں مشرکین میں سے نقض عہد کرنے والوں کے متعلق نازل ہو چکی تھیں، آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حج کے موقعہ پر ان آیات کے اعلان کے لیے بھی فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد آپ ﷺ کو خیال آیا کہ عہد اور نقض عہد کے متعلق یہ اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کریں تو زیادہ مناسب ہوگا، کیونکہ عرب کے دستور کے مطابق ایسے امور میں اعلان خاندان اور اقارب میں سے کوئی فرد کرتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی اونٹنی **عضباء** پر سوار کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ فرمایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ کی اونٹنی کی آواز سنی تو انہیں یہ گمان ہوا کہ آپ ﷺ خود تشریف لائے ہیں، لیکن دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، تو پوچھا کہ **امیر او مامور** یعنی امیر بن کر آئے ہو یا تابع ہو کر آئے ہو؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **بل مامور** میں مامور ہوں یعنی تابع ہو کر آیا ہوں اور فقط سورۂ برات کی آیات سنانے کے لئے آیا ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ذوالحلیفہ پہنچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کے اعلان کے لئے بھیجا ہے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہو گیا ہے، اس لئے فوراً ہی مدینہ واپس ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: **خير أنت صاحبي في الغار وصاحبي على الحوض غير أنه لا يبلغ عني غيري، أو رجل مني** تمہارے بارے میں خیر ہی ہے، تم تو میرے غار ثور کے ساتھی ہو اور حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگے، لیکن براءت کا اعلان سوائے میرے یا میرے خاندان کے کسی شخص کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا، اس لئے آیات برات سنانے کے لئے میں نے علی کو بھیجا ہے۔

بہر حال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا، دسویں تاریخ کو خطبہ دیا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، سورۂ براءت کی آیات پڑھیں اور اعلان کیا کہ آج کے بعد کوئی مشرک کعبہ میں داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی برہنہ ہو کر طواف کرے گا اور جس کسی کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک متعین مدت تک عہد ہے، وہ عہد اس کی مدت تک پورا

کیا جائے گا اور جس سے کوئی عہد نہیں یا عہد ہے لیکن کوئی مدت متعین نہیں ہے، اس کو چار ماہ تک امن ہے، اس عرصہ میں اگر وہ مسلمان ہوا تو فبہا، ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا۔

اس حج سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فریضہ حج ساقط ہو گیا تھا یا نہیں؟ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اس طرف ہے کہ اس سے ان کا فریضہ حج ساقط نہیں ہوا تھا بلکہ یہ فریضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کی ادائیگی سے پورا ہوا تھا۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ

عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اٰخِرُ سُوْرَةٍ نَزَلَتْ كَامِلَةً سُوْرَةُ بَرَاءَةَ وَ اٰخِرُ سُوْرَةٍ نَزَلَتْ

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے آخری سورت جو پوری اتری وہ سورہ برات (توبہ) تھی اور آخری آیت جو اتری

خَاتِمَةُ سُوْرَةِ النِّسَاءِ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلَالَةِ

وہ سورہ نساء کی یہ آیت ہے يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلَالَةِ

اٰخِرُ سُوْرَةٍ نَزَلَتْ كَامِلَةً سُوْرَةُ بَرَاءَةَ: اس سے مراد یہ ہے کہ سورت کا اکثر حصہ نازل ہوا، ورنہ سورۂ توبہ کی بعض آیتیں مختلف اوقات میں بھی نازل ہوئی ہیں۔

اٰخِرُ سُوْرَةٍ نَزَلَتْ خَاتِمَةُ سُوْرَةِ النِّسَاءِ: اور آخری سورت جو نازل ہوئی وہ سورۃ النساء کی یہ آیت ہے: يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلَالَةِ۔ اس جملہ میں سُوْرَةٍ سے مراد آیت ہے اور کہا جاتا ہے کہ احکام میں سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہی آیت ہے۔

بَابُ وَفْدِ بَنِيْ تَمِيْمٍ

باب: بنی تمیم کے وفد کا بیان

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب سے سلسلۃ الوفود شروع فرما رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو قبائل عرب جوق در جوق اسلام کی آغوش میں داخل ہونے لگے اور مختلف قبائل کے وفود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنا شروع ہوئے، وفود کی آمد کا یہ سلسلہ سن ۹ ہجری میں شروع ہوا، اس لیے اس سال کو سنۃ الوفود کہا جاتا ہے۔

وفد، وافد کی جمع ہے، ایسی جماعت کو کہتے ہیں جو مشترکہ غرض کے لئے بادشاہ یا حاکم کے پاس جائیں، اس کی جمع وفود آتی ہے، نیز وفد مصدر بھی ہے، جس کے معنی ہیں قاصد بن کر آنا، پیغام لے کر آنا۔

حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي صَخْرَةَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ الْمَازِنِيِّ

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ أَتٰى نَفَرٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنو تمیم کے چند لوگوں کا (ایک وفد) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے بنو تمیم!

فَقَالَ اقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَا بَنِيْ تَمِيْمٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ بَشَّرْتَنَا فَأَعْطِنَا فَرُئِيَ ذٰلِكَ فِيْ وَجْهِهٖ

بشارت قبول کرو۔ وہ کہنے لگے کہ بشارت تو آپ ہمیں دے چکے، کچھ مال بھی دیجئے، ان کے اس جواب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ناگواری کا اثر دیکھا گیا، پھر یمن کے کچھ لوگ

فَجَاءَ نَفَرٌ مِّنَ الْيَمَنِ فَقَالَ اقْبَلُوْا الْبُشْرٰى إِذْ لَمْ يَقْبَلْهَا بَنُوْ تَمِيْمٍ قَالُوْا قَدْ قَبِلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ بنوتمیم نے بشارت نہیں قبول کی تم قبول کرلو، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم کو بشارت قبول ہے۔

بَابٌ

قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ غَزْوَةُ عُيَيْنَةَ بْنِ حِصْنِ بْنِ حُذَيْفَةَ بْنِ بَدْرٍ بَنِي الْعَنْبَرِ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فَأَغَارَ وَأَصَابَ مِنْهُمْ نَاسًا وَسَبٰى مِنْهُمْ نِسَاءً

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی تمیم کی شاخ بنو العنبر کی طرف بھیجا تھا، انہوں نے وہاں حملہ کیا اور کئی آدمیوں کو قتل کیا اور ان کی کئی عورتوں کو قید کیا۔

یہ باب بلاترجمہ ہے اور کالفصل من الباب السابق کی قبیل سے ہے۔

بنوعنبر جو قبیلہ بنی تمیم کی ایک شاخ تھی انہوں نے بنوخزاعہ پر حملہ کیا تھا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکوبی کے لیے حضرت عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کو پچاس آدمیوں کی جماعت دے کر روانہ کیا، چنانچہ یہ لوگ گئے اور انہوں نے بنوعنبر پر حملہ کیا، جس کے نتیجے میں گیارہ مرد، گیارہ عورتوں اور تیس بچوں کو قید کیا اور دیگر مال غنیمت بھی ہاتھ آیا، ان قیدیوں کو آزاد کرانے کے لیے بنوتمیم کے رؤساء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد کی صورت میں حاضر ہوئے، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں لکھا ہے کہ یہ محرم سن ۹ ہجری کا واقعہ ہے۔

حَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَا أَزَالُ أُحِبُّ بَنِيْ تَمِيْمٍ بَعْدَ ثَلَاثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت سے ہمیشہ بنوتمیم سے محبت رکھتا ہوں جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان کی تین خوبیاں میں نے سنی ہیں،

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُهَا فِيْهِ هُمْ أَشَدُّ أُمَّتِيْ عَلَى الدَّجَّالِ وَكَانَتْ فِيْهِمْ سَبِيَّةٌ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ بنوتمیم دجال کے حق میں میری امت کے سب سے زیادہ سخت لوگ ثابت ہوں گے اور بنوتمیم کی ایک قیدی خاتون عائشہ رضی اللہ عنہا کے

عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَ أَعْتِقِيْهَا فَإِنَّهَا مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيْلَ وَجَاءَتْ صَدَقَاتُهُمْ فَقَالَ

پاس تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اسے آزاد کردو کیونکہ یہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے اور ان کے یہاں سے زکوٰۃ وصول ہوکر آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

هٰذِهٖ صَدَقَاتُ قَوْمٍ أَوْ قَوْمِيْ

کہ یہ ایک قوم کی یا (فرمایا) یہ میری قوم کی زکوٰۃ ہے

لَا أَزَالُ أُحِبُّ بَنِيْ تَمِيْمٍ بَعْدَ ثَلَاثٍ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ بنوتمیم سے محبت کرتا ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تین خصوصیات بیان فرمائی تھیں۔

❶ پہلی خصوصیت: هُمْ أَشَدُّ أُمَّتِي عَلَى الدَّجَّالِ یہ دجال کے خلاف میری امت کے سخت ترین لوگ ہوں گے۔

❷ دوسری خصوصیت: وَكَانَتْ فِيهِمْ سَبِيَّةٌ عِنْدَ عَائِشَةَ بنوتمیم کی ایک خاتون حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بطور قیدی تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: أَعْتِقِيهَا فَإِنَّهَا مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيلَ اس کو آزاد کردو کیونکہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔

❸ تیسری خصوصیت یہ کہ بنوتمیم کے صدقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: هٰذِهِ صَدَقَاتُ قَوْمِي یہ میری قوم کے صدقات ہیں، بین السطور لکھا ہے لاجتماع نسبه الشريف بنسبهم في إلياس بن مضر الیاس بن مضر پہ جاکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بنوتمیم کا نسب ایک ہوجاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب یہ ہے: مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَيِّ بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِهْرِ بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ مُدْرِكَةَ بْنِ إِلْيَاسَ بْنِ مُضَرَ بْنِ نِزَارِ بْنِ مَعَدِّ بْنِ عَدْنَانَ۔ چنانچہ اتنی دور کے نسب کا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیال کیا اور بنوتمیم کے صدقات کے بارے میں فرمایا کہ هٰذِهِ صَدَقَاتُ قَوْمِي یہ میری قوم کے صدقات ہیں۔

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ

أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُمْ أَنَّهُ قَدِمَ رَكْبٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنوتمیم کے چند سوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہمارا کوئی امیر منتخب کر دیجئے،

فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَمِّرِ الْقَعْقَاعَ بْنَ مَعْبَدِ بْنِ زُرَارَةَ قَالَ عُمَرُ بَلْ أَمِّرِ الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قعقاع بن معبد بن زرارہ کو امیر منتخب کر دیجئے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بلکہ آپ اقرع بن حابس کو ان کا امیر منتخب فرما دیجئے،

قَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا أَرَدْتَّ إِلَّا خِلَافِي قَالَ عُمَرُ مَا أَرَدْتُّ خِلَافَكَ فَتَمَارَيَا حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا

اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارا مقصد صرف میری مخالفت کرنا ہے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں میری غرض مخالفت کی نہیں ہے، پھر دونوں میں بحث مباحثہ ہوا جس سے آواز بلند ہوگئی،

فَنَزَلَ فِي ذٰلِكَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَرَسُولِهِ حَتَّى انْقَضَتْ

اسی پر سورہ حجرات کی یہ آیت آخر آیت تک نازل ہوئی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَرَسُولِهِ

أَنَّهُ قَدِمَ رَكْبٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ: بنوتمیم کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کبھی کسی قبیلہ کا کوئی وفد آتا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن میں سے کسی ایک کو امیر مقرر فرما دیتے تھے، تو بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بطور مشورہ عرض کیا کہ قعقاع بن معبد رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنا دیجئے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا جائے، جبکہ ترمذی کی روایت میں اس کے برعکس ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کے حق میں تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے قعقاع بن معبد رضی اللہ عنہ کے حق میں تھی، البتہ

بخاری شریف کی روایت راجح ہے، بہرحال حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی اس معاملے میں بحث وتکرار ہوئی جس میں ان کی آوازیں بلند ہوگئیں، تو اس پر سورۃ الحجرات کی آیات نازل ہوئیں: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

جب یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آواز بلند کرنے پر تنبیہ کی گئی تو روایات میں آتا ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اتنی آہستہ آواز سے بات کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آواز ہی نہیں پہنچتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہنا پڑتا تھا کہ آپ نے کیا کہا ہے؟ اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ جو خطیب الانصار تھے اور فطرتاً ان کی آواز اونچی تھی وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی دنوں کے بعد پوچھا کہ کیا بات ہے، ثابت بن قیس نظر نہیں آتے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ ثابت بن قیس تو ان آیات کے نازل ہونے کے بعد سے گھر میں بیٹھ گئے ہیں اور رو رہے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ زور سے تو میں بولا کرتا تھا، لہٰذا اب تک جو نیکی کے کام میں نے کئے ہیں، وہ سب ضائع ہوگئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پیغام بھیجا اور ان کو تسلی دی کہ تم ان میں شامل نہیں ہو۔

بہرحال ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہونے کے آداب بیان کئے گئے ہیں، اسی کے ذیل میں مفسرین فرماتے ہیں کہ علماء دین کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آگے چل رہے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا وآخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع وغروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا، جو انبیاء کے بعد ابوبکر سے افضل و بہتر ہو، اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ اپنے استاد اور شیخ کے ساتھ بھی یہی آداب ملحوظ رکھنے چاہیئے۔

بَابُ وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ

باب: وفد عبدالقیس کا بیان

سنة الوفود سن ۹ ہجری کے واقعات کا ذکر چل رہا ہے، اس میں ایک وفد وفد عبد القیس بھی آیا تھا، جو بحرین کے رہنے والے تھے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وفد عبد القیس کب اور کتنی بار آیا تھا۔

❶ واقدی، قاضی عیاض اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہم کی رائے ہے کہ یہ وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سن ۸ ہجری میں آیا۔

❷ اکثر اہل مغازی کے نزدیک یہ وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سن ۹ ہجری میں حاضر ہوا ہے، ابن اسحاق، ابن

ہشام اور خلیفہ بن خیاط رحمۃ اللہ علیہم کی یہی رائے ہے۔

❸ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرماتے ہیں کہ یہ وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو مرتبہ آیا ہے، ایک مرتبہ فتح مکہ سے قبل سن ۵ ہجری میں یا اس سے بھی پہلے اور دوسری مرتبہ یہ وفد فتح مکہ کے بعد سن ۹ ہجری میں حاضر خدمت ہوا، پہلی مرتبہ وفد میں تیرہ یا چودہ آدمی تھے اور دوسری بار یہ وفد چالیس آدمیوں پر مشتمل تھا۔

دو مرتبہ اس وفد کے آنے کی دلیل مسند احمدؒ اور مصنف ابن ابی شیبہؒ کی وہ روایت ہے جس میں ہے کہ جب یہ وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مالی اراکم قد تغیرت الوانکم کہ کیا بات ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں تمہارے رنگ بدلے ہوئے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی اس سے پہلے ملاقات ہو چکی تھی، اسی طرح باب مذکور روایت میں ہے کہ وفد عبد القیس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ مُضَرَ وَإِنَّا لَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِيْ أَشْهُرِ الْحُرُمِ یا رسول اللہ! ہمارے اور آپ کے درمیان کافروں کا قبیلہ مضر آباد ہے جس کی وجہ سے ہم آپ کے پاس صرف اشہر حرم میں ہی آسکتے ہیں، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں وفد عبد القیس کی اس حاضری کا ذکر ہے جو فتح مکہ سے پہلے ہوئی تھی، کیونکہ فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہو گیا تھا اور اس وقت مسلمانوں کی آمد و رفت میں کوئی قبیلہ حائل نہیں ہو سکتا تھا۔

وفد عبد القیس کی حاضری کا پس منظر

منقذ بن حیان قبیلہ عبد القیس کے ایک فرد تھے وہ تجارت کی غرض سے مدینہ منورہ آئے، یہ ہجرت کے بعد کا زمانہ تھا، یہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا، تو ان سے تعارف ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے خیریت دریافت کی اور ان کے قبیلے کے شرفاء میں سے ہر ایک کا نام لے کر حال دریافت کیا اور قبیلہ عبد القیس کے سردار منذر بن عائذ جو الاشج کے نام سے مشہور تھے ان کا حال خصوصیت سے دریافت کیا۔ منقذ بن حیان کو بڑی حیرت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح ان سارے لوگوں کو ان کے ناموں سے جانتے ہیں حالانکہ اس پہلے ان کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی، بہر حال یہ اتنے متاثر ہوئے کہ مسلمان ہو گئے، قرآن شریف کا کچھ حصہ سیکھا، جب یہ اپنے وطن جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ کے سرداروں کے نام ان کے ہاتھ خط روانہ کئے۔

قبیلے میں جا کر منقذ بن حیان رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا البتہ نماز وغیرہ پڑھتے رہے، ان کی بیوی نے اپنے والد منذر بن عائذ سے اس کا تذکرہ کیا کہ میرے شوہر جب سے سفر سے واپس آئے ہیں، تو اس مرتبہ ان کی کچھ عجیب کیفیت ہو گئی ہے، دن میں کئی مرتبہ منہ ہاتھ دھوتے ہیں، کبھی اٹھتے ہیں، کبھی جھکتے ہیں اور کبھی تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں، چنانچہ منذر اپنے داماد سے ملے اور اس سلسلہ میں بات کی، تو منقذ رضی اللہ عنہ نے ان کو پوری کارگزاری سنائی، یہ تفصیل

سن کر منذر بن عائذ بھی مسلمان ہو گئے، ان کے اسلام لانے کے بعد منقذ بن حیان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط انہیں دیا، منذر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ کے لوگوں کو وہ خط سنایا، جس میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی چنانچہ پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

جب یہ وفد مدینہ منورہ میں مسجد نبوی پہنچا تو وفد کے دوسرے شرکاء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے شوق میں سواریوں سے جلدی سے اتر کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، لیکن وفد کے امیر منذر بن عائذ اشج رضی اللہ عنہ نے اطمینان سے اتر کر پہلے اپنی سواری کو باندھا، پھر سب ساتھیوں کا سامان ایک جگہ جمع کیا اور پھر صاف کپڑے نکال کر زیب تن کئے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إن فيك خصلتين يحبهما الله الحلم والاناة آپ میں دو خصلتیں ایسی ہیں کہ ان کو اللہ پسند کرتے ہیں یعنی عقل اور وقار، انہوں نے عرض کیا کہ کیا یہ دونوں خصلتیں میرے اندر فطری ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلکہ اللہ نے تمہیں پیدا ہی ان خصلتوں پر کیا ہے، تو منذر بن عائذ اشج رضی اللہ عنہ نے کہا: الحمد لله الذي جبلني على خلقتين يحبهما الله ورسوله۔

حَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا أَبُوْ عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا قُرَّةُ

عَنْ أَبِيْ جَمْرَةَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِنَّ لِيْ جَرَّةً تُنْتَبَذُ لِيْ نَبِيْذًا فَأَشْرَبُهُ حُلْوًا

ابو جمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میرے پاس ایک گھڑا ہے، جس میں میرے لیے نبیذ یعنی کھجور کا شربت بنایا جاتا ہے، میں وہ میٹھے رہنے تک

فِيْ جَرٍّ إِنْ أَكْثَرْتُ مِنْهُ فَجَالَسْتُ الْقَوْمَ فَأَطَلْتُ الْجُلُوْسَ خَشِيْتُ أَنْ أَفْتَضِحَ فَقَالَ

پیا کرتا ہوں، بعض اوقات بہت پی لیتا ہوں اور لوگوں کے پاس دیر تک بیٹھا رہتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں فضیحت نہ ہو۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ غَيْرَ خَزَايَا

کہ وفد عبدالقیس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم اچھے انداز میں آئے ہو کہ نہ ذلیل ہوئے، نہ شرمندہ (خوشی سے مسلمان ہو گئے کہ نہ تو ذلت ہوئی

وَلَا النَّدَامٰى فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ مُضَرَ وَإِنَّا لَا نَصِلُ إِلَيْكَ

اور نہ رسوائی) انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہمارے اور آپ کے درمیان میں مشرکین کا قبیلہ مضر ہے، اس لیے ہم آپ کے پاس صرف اشہر حرم ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں، لہٰذا آپ

إِلَّا فِيْ أَشْهُرِ الْحُرُمِ حَدِّثْنَا بِجُمَلٍ مِّنَ الْأَمْرِ إِنْ عَمِلْنَا بِهِ دَخَلْنَا الْجَنَّةَ وَنَدْعُوْ بِهِ مَنْ وَّرَاءَنَا

ہمیں جامع احکام و ہدایات سنا دیں کہ اگر ہم ان پر عمل کرتے رہیں تو جنت میں داخل ہوں اور جو لوگ ہمارے پیچھے ہیں انہیں بھی وہ ہدایات پہنچا دیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

قَالَ اٰمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ اَلْإِيْمَانِ بِاللهِ وَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْإِيْمَانُ بِاللهِ؟

کہ میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے روکتا ہوں: میں تمہیں حکم دیتا ہوں اللہ پر ایمان لانے کا، تمہیں معلوم ہے اللہ پر ایمان لانا کسے کہتے ہیں؟

شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَأَنْ تُعْطُوْا مِنَ

اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز قائم کرنے کا، زکوۃ دینے کا، رمضان کے روزے رکھنے اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنے کا حکم دیتا ہوں

الْمَغَانِمِ الْخُمُسَ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ مَا انْتُبِذَ فِي الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيْرِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ

اور میں تمہیں چار چیزوں سے روکتا ہوں، کدو کے برتن میں اور کریدی ہوئی لکڑی کے برتن میں اور سبز لاکھی برتن میں اور روغنی برتن میں نبیذ بھگونے سے منع کرتا ہوں۔

فَأَطَلْتُ الْجُلُوسَ خَشِيْتُ أَنْ أَفْتَضِحَ: حضرت ابو جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میرے پاس ایک گھڑا ہے جس میں میرے لیے نبیذ بنائی جاتی ہے، وہ نبیذ جب تک میٹھی رہتی ہے تب تک میں اسے پیتا ہوں اور وہ اسی گھڑے میں رکھی ہوتی ہے، لیکن کبھی اگر میں اسے زیادہ پی لوں اور پھر مجمع میں آ کر بیٹھوں اور دیر تک بیٹھا رہوں تو مجھے رسوا ہونے کا خوف ہوتا ہے، یعنی مجھے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں مجھے نشہ نہ چڑھ جائے اور بہکی بہکی باتیں کر کے میں لوگوں میں رسوا نہ ہو جاؤں، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں مسئلہ بھی سمجھایا اور بطور دلیل کے وفد عبدالقیس کی حدیث بھی سنائی، مسئلہ یہ بتایا کہ ایسا مٹکا یا گھڑا جس کے مسامات بند ہوں اس میں نبیذ تیار کرنا درست نہیں ہے اور دلیل یہ بیان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفد عبدالقیس کو دباء، حنتم، مرفت اور نقیر کے استعمال سے منع کیا تھا کہ ان میں نشہ پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے، لہٰذا تمہیں بھی ایسے مٹکے استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔

مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ: مرحبا کا لفظ کسی آنے والے کے آنے پر اظہار مسرت کے لیے کہا جاتا ہے۔ رحب کشادہ چیز کو کہتے ہیں، لہٰذا مرحبا کے معنی ہوئے أتیت مکانا رحبا یعنی تم وسیع اور کشادہ جگہ میں آئے ہو، یعنی ایسے لوگوں کے پاس آئے ہو جو تمھاری آمد پر اظہار مسرت کرتے ہیں ان کو تمہارے آنے سے خوشی ہے، ان کے دل خوش ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد مواقع پر اس کلمہ کا استعمال منقول ہے، ایک موقعہ تو یہی وفد عبدالقیس کی آمد کا ہے کہ آپ نے اس وقت مرحبا بالقوم أو بالوفد فرمایا تھا، اسی طرح فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مرحبا بام ھانی، اسی طرح ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مرحبا بابنتی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے استحباب کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کتاب الادب میں ایک مستقل باب باب قول الرجل مرحبا قائم فرمایا ہے۔

غَيْرَ خَزَايَا وَلَا النَّدَامٰى: یہ یا حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے، یا مجرور ہے، مجرور ہونے کی صورت میں اسے القوم یا الوفد کی صفت قرار دیں گے لیکن جر کی صورت یہاں درست معلوم نہیں ہوتی، یہاں اس کو حال قرار دینا ہی صحیح ہے اور یہی معروف ہے، اس کی تائید صحیح بخاری کی کتاب الادب میں مذکور روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں مرحبا بالوفد الذین جاء وا غیر خزایا و لا ندامی۔

خَزَايَا، خزیان کی جمع ہے، جو خزی سے مشتق ہے، اس کے معنی رسوائی اور ذلت کے ہیں، خزیان ذلیل اور رسوا شخص کو کہتے ہیں اور النَّدَامٰی، ندامۃ سے مشتق ہے، اب اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ قبیلہ عبدالقیس کو نہ تو کسی رسوائی کا سامنا ہوا اور نہ ہی شرمندگی اٹھانی پڑی، کیونکہ یہ قبیلہ از خود اپنے شوق اور رغبت سے مسلمان ہوا ہے، ان کے ساتھ اہل اسلام کی کوئی لڑائی نہیں ہوئی، اگر کوئی لڑائی ہوئی ہوتی تو پکڑ کر لائے جاتے تو رسوائی ہوتی اور اگر مسلمانوں کو قتل کیا ہوتا

تو ندامت وشرمندگی ہوتی۔

اٰمُرُکُمْ بِأَرْبَعٍ: یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ حدیث باب میں اجمالاً ماموارت کا عدد چار بتایا گیا ہے، جبکہ تفصیل میں پانچ ماموارت مذکور ہیں: ❶ شہادتین ❷ اقامۃ الصلوۃ ❸ ایتاء الزکوۃ ❹ صوم رمضان ❺ اعطاء الخمس من المغانم۔ اس اشکال کے شراح نے مختلف جوابات دیئے ہیں:

❶ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل مامور بہ چار چیزیں ہیں، جو إقام الصلاۃ سے لے کر إعطاء الخمس تک ہیں، اور ایمان اور شہادتین کو تبرکاً ذکر کیا گیا ہے۔

❷ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بلغاء کے نزدیک کلام کا جو حصہ مقصود ہوتا ہے، سیاق کلام کو اس کے تابع کر دیتے ہیں اور جو ضمناً ہو اس سے تعرض نہیں ہوتا، یہاں پر چونکہ مقصود ایمان کے اعمال اربعہ تھے، اس لیے اجمالاً ماموارت کی تعداد چار بیان کر دی گئی اور چونکہ یہ لوگ مسلمان تھے، اس لیے ایمان اور شہادت یہاں مقصود بالذکر نہیں ہے۔

❸ ابن بطال، قاضی عیاض اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہم نے یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں امور اربعہ کا مصداق شہادتین، اقامۃ الصلوۃ، ایتاء الزکوۃ اور صوم رمضان ہیں، مگر چونکہ یہ لوگ کفار کے پڑوس میں رہتے تھے اور وہاں جنگ کے امکانات تھے، اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبعاً اور ضمناً اعطاء الخمس بھی بیان کر دیا۔

❹ حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَأَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغَانِمِ الْخُمُسَ کا عطف شہادتین وغیرہ پر نہیں بلکہ اٰمُرُکُمْ بِأَرْبَعٍ میں اربع پر ہے، اب مطلب یہ ہوگا کہ اٰمُرُکُمْ بِأَرْبَعٍ .... وَأَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغَانِمِ الْخُمُسَ یعنی چار باتوں کا حکم دیا........ اور اس بات کا حکم دیا کہ وہ غنیمت میں سے خمس نکالا کریں۔

دوسرا اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ یہاں حج کو ذکر نہیں کیا گیا ہے، حالانکہ حج بھی اسلام کے ارکان میں سے ہے۔

❶ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ بعض روایت میں حج کا بھی ذکر ہے مگر وہ روایت صحاح کی نہیں ہے۔

❷ دوسرا جوب یہ دیا گیا ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔

❸ تیسرا جوب یہ دیا گیا ہے کہ حج سب پر فرض نہیں ہوتا ہے، اس لئے اس کو شمار نہیں فرمایا۔

وَأَنْهَاکُمْ عَنْ أَرْبَعٍ مَا انْتُبِذَ فِی الدُّبَّاءِ وَالنَّقِیْرِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں چار باتوں سے منع فرمایا یعنی الدُّبَّاءِ، النَّقِیْرِ، الْحَنْتَمِ اور الْمُزَفَّتِ کے استعمال سے۔

الدُّبَّاءِ: کدو جب خشک ہو جاتا تھا تو اندر کا گودا نکال دیتے تھے اور بعض اوقات کدو کا گودا نکال کر اس کو خشک کر دیتے تھے اور اس میں نبیذ بناتے تھے۔

النَّقِیْرِ: یہ منقور کے معنی میں ہے، کھجور کی جڑ کو کھود کر برتن بنایا جاتا تھا، اس کو نقیر کہتے تھے، بعض حضرات

فرماتے ہیں کہ مطلقاً لکڑی یا درختوں کی جڑ کو کھود کر جو برتن بناتے ہیں اسے نقیر کہتے ہیں۔

الْحَنْتَمِ: (بفتح الحاء واسكان النون وفتح التاء) صحیح اور راجح قول کے مطابق سبز رنگ کے مٹکے کو کہتے ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر قسم کے مٹکے کو حنتم کہا جاتا ہے۔

الْمُزَفَّتِ: وہ برتن جس پر زفت مل دیا گیا ہو، زفت تارکول کے مشابہ ایک چیز ہوتی ہے جس کو برتنوں پر ملتے تھے جس کی وجہ سے برتن کے مسامات بند ہوجاتے تھے۔

مذکورہ تمام برتنوں میں چونکہ نبیذ تیار کی جاتی تھی اور ان میں سکر بہت جلد آجاتا تھا، اس لیے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے ابتداء اسلام میں روک دیا گیا تھا، بعد میں ہر برتن میں نبیذ بنانے کی اجازت ہوگئی، بشرطیکہ اس میں اتنی دیر نہ رکھی جائے کہ سکر آجائے، ترمذی شریف کی حدیث ہے: وإني كنت نهيتكم عن الظروف وإن ظرفا لا يحل شيئاً ولا يحرمه وكل مسكر حرام۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ

سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب قبیلہ عبدالقیس کا وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے عرض کیا

يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا هٰذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيعَةَ وَ قَدْ حَالَتْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ فَلَسْنَا نَخْلُصُ

کہ یا رسول اللہ! ہم قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کے قبائل پڑتے ہیں، ہم آپ کی خدمت میں صرف حرمت والے مہینوں میں ہی حاضر

إِلَيْكَ إِلَّا فِي شَهْرٍ حَرَامٍ فَمُرْنَا بِأَشْيَاءَ نَأْخُذُ بِهَا وَ نَدْعُو إِلَيْهَا مَنْ وَّرَاءَنَا قَالَ اٰمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ

ہو سکتے ہیں، تو آپ چند ایسی باتیں بتلا دیجئے کہ ہم بھی ان پر عمل کریں اور جو ہمارے پیچھے ہیں، انہیں بھی اس کی دعوت دیں، تو فرمایا کہ میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں

وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ اَلْإِيمَانِ بِاللهِ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَ عَقَدَ وَاحِدَةً وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ

اور چار چیزوں سے روکتا ہوں (میں تمہیں حکم دیتا ہوں) اللہ پر ایمان لانے کا، یعنی لا الہ الا اللہ کی گواہی دینے کا اور آپ ﷺ نے (انگلی سے) ایک کا حلقہ بنایا اور نماز قائم کرنے کا

الزَّكَاةِ وَ أَنْ تُؤَدُّوا لِلّٰهِ خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ وَ أَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْحَنْتَمِ وَ الْمُزَفَّتِ

زکوۃ دینے کا اور اس بات کا کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ (بیت المال کو) ادا کرتے رہنا اور میں تمہیں دباء، نقیر، مزفت اور حنتم کے برتنوں کے استعمال سے روکتا ہوں۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو ح قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ بَكْرُ بْنُ مُضَرَ

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرٍ أَنَّ كُرَيْبًا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ حَدَّثَهُ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ

کریب جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام تھے فرماتے ہیں کہ ابن عباس، عبدالرحمٰن بن ازہر اور مسور بن مخرمہ نے انہیں

وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَزْهَرَ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَرْسَلُوا إِلَى عَائِشَةَ فَقَالُوا اقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ ام المؤمنین سے ہم سب کا سلام کہنا اور عصر کے بعد

مِنَّا جَمِيعًا وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَ إِنَّا أُخْبِرْنَا أَنَّكِ تُصَلِّيهِمَا وَقَدْ بَلَغَنَا أَنَّ

دو رکعتوں کے متعلق ان سے پوچھنا اور یہ بھی کہنا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ یہ دو رکعتیں پڑھتی ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ كُنْتُ أَضْرِبُ مَعَ عُمَرَ النَّاسَ
انہیں پڑھنے سے روکا تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ان دو رکعتوں کے پڑھنے پر عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ (ان کے دور خلافت میں) لوگوں کو مارا کرتا تھا،

عَنْهُمَا قَالَ كُرَيْبٌ فَدَخَلْتُ عَلَيْهَا وَبَلَّغْتُهَا مَا أَرْسَلُوْنِيْ فَقَالَتْ سَلْ أُمَّ سَلَمَةَ فَأَخْبَرْتُهُمْ
کریب فرماتے ہیں کہ پھر میں ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کا پیغام پہنچایا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس کے متعلق ام سلمہ سے پوچھو، میں نے ان حضرات کو آ کر

فَرَدُّوْنِيْ إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ بِمِثْلِ مَا أَرْسَلُوْنِيْ إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ
اس کی اطلاع دی تو انہوں نے مجھے ام سلمہؓ کی خدمت میں بھیجا، وہی باتیں پوچھنے کے لیے جو انہوں نے عائشہؓ سے پچھوائی تھیں، تو ام سلمہؓ نے فرمایا کہ میں نے خود بھی

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْهُمَا وَإِنَّهُ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَخَلَ عَلَيَّ وَعِنْدِيْ نِسْوَةٌ مِّنْ بَنِيْ حَرَامٍ مِنَ
رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ عصر کے بعد دو رکعتوں سے منع کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے ایک مرتبہ عصر کی نماز پڑھی، پھر میرے یہاں تشریف لائے، میرے پاس

الْأَنْصَارِ فَصَلَّاهُمَا فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ الْخَادِمَ فَقُلْتُ قُوْمِيْ إِلَى جَنْبِهِ فَقُوْلِيْ تَقُوْلُ أُمُّ سَلَمَةَ
اس وقت قبیلہ بنو حرام کی کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، تو آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، تو میں نے خادمہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ آپ ﷺ کے پاس

يَا رَسُوْلَ اللهِ أَلَمْ أَسْمَعْكَ تَنْهَى عَنْ هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ فَأَرَاكَ تُصَلِّيْهِمَا فَإِنْ أَشَارَ بِيَدِهِ
جا کر کھڑی ہو جانا اور عرض کرنا کہ ام سلمہؓ نے پوچھا ہے کہ یا رسول اللہ! میں نے تو آپ سے سنا تھا کہ آپ نے عصر کے بعد ان دو رکعتوں کے پڑھنے سے منع کیا تھا، لیکن میں آج خود

فَاسْتَأْخِرِيْ فَفَعَلَتِ الْجَارِيَةُ فَأَشَارَ بِيَدِهِ فَاسْتَأْخَرَتْ عَنْهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ
آپ کو دو رکعت پڑھتے دیکھ رہی ہوں، تو اگر آپ ہاتھ سے اشارہ کریں تو پھر پیچھے ہٹ جانا، خادمہ نے ایسے ہی کیا اور نبی کریم ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ پیچھے ہٹ گئی،

يَا بِنْتَ أَبِيْ أُمَيَّةَ سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِنَّهُ أَتَانِيْ أُنَاسٌ مِّنْ عَبْدِ الْقَيْسِ
پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو امیہ کی بیٹی! عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے متعلق تم نے سوال کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ قبیلہ عبدالقیس

بِالْإِسْلَامِ مِنْ قَوْمِهِمْ فَشَغَلُوْنِيْ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ
کے کچھ لوگ میرے یہاں اپنی قوم کا اسلام لے کر آئے تھے اور ان کی وجہ سے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں میں نہیں پڑھ سکا تھا، تو یہ وہی دو رکعتیں ہیں

روایت کا پس منظر

نبی کریم ﷺ فجر کے بعد اور عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے سے منع فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ کتاب الصلوۃ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل فرمائی ہے: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلاتين بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب الشمس اور یہی وجہ تھی جس کی بناء پر حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم عصر کے بعد نوافل پڑھنے سے لوگوں کو سختی سے منع فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں مذکور ہے، البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: ما كان النبي صلى الله عليه وسلم ياتيني في يوم بعد العصر إلا صلى ركعتين اس روایت کو بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلوۃ میں ذکر فرمایا ہے، تو ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی وجہ سمجھنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت کریب رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھنے کا کہا، اس سے بظاہر ان کی منشاء یہ تھی کہ ان دو رکعتوں کی اصل بنیاد کس طرح قائم ہوئی اس کا علم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ہے لہٰذا ان سے جا کر پوچھو، چنانچہ حضرت کریب رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

کے پاس گئے اور ان سے پوچھا، جس کا واقعہ مذکورہ بالا روایت میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں عصر کے بعد دو رکعتیں ادا فرمائیں تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس سے متعلق دریافت فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عبدالقیس کا وفد میرے پاس آیا ہوا تھا اور ان کے ساتھ مشغولیت کی بناء پر میں دو سنتیں جو ظہر کے بعد کی ہیں وہ نہیں پڑھ سکا تھا تو اس لئے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ جب ایک کام رہ گیا ہے تو اس کو عصر کے بعد پورا کرلوں، تو اس لئے میں نے پڑھ لیں۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول الله افنقضیهما إذا فاتتا کہ اگر ہم سے کبھی ظہر کی دو رکعتیں رہ جائیں تو کیا ہم بھی اسی طرح عصر کی نماز کے بعد قضا کر لیا کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی، ورنہ عمومی حکم یہی ہے کہ عصر کے بعد نوافل نہیں پڑھے جائیں گے، چنانچہ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ عصر کے بعد کی دو رکعتیں پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے اور جو عمومی حکم ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قولی ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور اسی طرح عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ ابْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ أَوَّلُ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ فِي مَسْجِدِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد یعنی مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ

رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ بِجُوَاثَى مِّنَ الْبَحْرَيْنِ

جواثی کی مسجد عبدالقیس میں قائم ہوا، جواثی بحرین کا ایک گاؤں تھا

چونکہ اس حدیث میں قبیلہ عبدالقیس کی مسجد کا ذکر ہے اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث یہاں ذکر فرمائی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ نو مساجد اور بھی تھیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مسجد میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی، صرف مسجد نبوی میں جمعہ ہوتا تھا، مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ مسجد عبد القیس میں قائم ہوا، یہ مسجد بحرین میں جواثی نامی شہر میں تھی، پھر فتح مکہ کے بعد مکہ میں جمعہ قائم ہوا، ان تین جگہوں کے علاوہ کسی اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، اسی سے احناف نے استدلال کیا ہے کہ جمعة فی القری جائز نہیں ہے۔

بَابُ وَفْدِ بَنِيْ حَنِيْفَةَ وَحَدِيْثِ ثُمَامَةَ بْنِ أُثَالٍ

باب: وفد بنوحنیفہ اور ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا بیان

بنوحنیفہ، حنیفہ بن لجیم کی طرف منسوب ہے، یہ بہت مشہور قبیلہ تھا جو مکہ اور یمن کے درمیان یمامہ نامی مقام پر آباد تھا، ان کا وفد فتح مکہ کے بعد سن ۹ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا ہے، جس میں مسیلمہ کذاب بھی تھا اور حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ سن ٦ ہجری کا ہے، چونکہ ان کا تعلق بھی بنوحنیفہ سے تھا، اس مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یہاں ذکر فرمادیا، ورنہ اس باب سے مقصود بنوحنیفہ کے وفد کی آمد کا تذکرہ ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ سَعِيْدٍ

سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف کچھ سوار بھیجے، وہ قبیلہ بنو حنیفہ کے

فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِيْ حَنِيْفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ

(سرداروں میں سے) ایک شخص ثمامہ بن اثال نامی شخص کو پکڑ کر لائے اور پھر اسے مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا،

فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟ فَقَالَ عِنْدِيْ خَيْرٌ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور پوچھا ثمامہ تو کیا سمجھتا ہے؟ (میں تیرے ساتھ کیا کروں گا؟) انہوں نے کہا: اے محمد! میرے پاس خیر ہے، اگر آپ مجھے قتل کردیں

يَا مُحَمَّدُ إِنْ تَقْتُلْنِيْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ

تو آپ ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون قیمتی ہے اور اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک ایسے شخص پر احسان کریں گے جو شکر ادا کرتا ہے اور اگر آپ کو مال مطلوب ہے

فَسَلْ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكَهُ حَتّٰى كَانَ الْغَدُ ثُمَّ قَالَ لَهُ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟ قَالَ عِنْدِيْ مَا

تو جتنا مانگنا چاہیں مانگ لیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے آئے، دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا: ثمامہ اب تو کیا سمجھتا ہے؟ انہوں نے کہا، وہی جو میں پہلے کہہ چکا ہوں

قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ فَتَرَكَهُ حَتّٰى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟

کہ اگر آپ نے احسان کیا تو ایک ایسے شخص پر احسان کریں گے جو شکر ادا کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر چلے گئے، تیسرے دن پھر آپ نے ان سے پوچھا کہ اب تو کیا سمجھتا ہے ثمامہ؟

فَقَالَ عِنْدِيْ مَا قُلْتُ لَكَ فَقَالَ أَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ إِلٰى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ

انہوں نے کہا کہ وہی جو میں آپ سے پہلے کہہ چکا ہوں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو تو وہ مسجد نبوی سے قریب ایک باغ میں گئے

فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ

اور غسل کر کے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور پڑھا: أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدا رسول الله اور کہا

يَا مُحَمَّدُ وَاللهِ مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ

کہ اے محمد! اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ میرے لیے برا نہیں تھا، لیکن آج آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ میرے لیے محبوب نہیں ہے،

الْوُجُوْهِ إِلَيَّ وَاللهِ مَا كَانَ مِنْ دِيْنٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِيْنِكَ فَأَصْبَحَ دِيْنُكَ أَحَبَّ الدِّيْنِ إِلَيَّ وَاللهِ مَا

اللہ کی قسم کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مجھے برا نہیں لگتا تھا، لیکن آج آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ اور عزیز ہے، اللہ کی قسم! کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ

كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ وَإِنَّ خَيْلَكَ أَخَذَتْنِيْ وَأَنَا

مجھے برا نہیں لگتا تھا لیکن آج آپ کا شہر میرا سب سے زیادہ محبوب شہر ہے، آپ کے سواروں نے مجھے پکڑا تو اس وقت میں عمرہ کا ارادہ کر چکا تھا،

أُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرٰی؟ فَبَشَّرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهُ أَنْ يَّعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ
اب آپ کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بشارت دی اور عمرہ ادا کرنے کا حکم دیا، جب وہ مکہ پہنچے
مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَائِلٌ صَبَوْتَ قَالَ لَا وَلٰكِنْ أَسْلَمْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
تو کسی نے کہا کہ تم بے دین ہو گئے ہو، تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں محمد ﷺ کے ساتھ ایمان لے آیا ہوں
وَلَا وَاللّٰهِ لَا تَأْتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰى يَأْذَنَ فِيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اور اللہ کی قسم! اب تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہیں آئے گا، جب تک نبی کریم ﷺ اجازت نہ دے دیں

ثمامہ (بضم الثاء و تخفیف المیم)، بن اثال (بضم الھمزۃ و تخفیف الثاء) قبیلہ بنی حنیفہ کے سردار تھے، سنن بیہقی میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کا قصہ منقول ہے کہ ایک موقع پر انہوں نے آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے، اس موقع پر آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! مجھے اس پر قابو دے دے، پھر سن ٦ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے نجد کی طرف محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی امارت میں تیس سواروں کو روانہ فرمایا، یہ لوگ رات کو چلتے تھے اور دن میں چھپے رہتے تھے اور انہوں نے دشمن پر اچانک حملہ کیا، جس سے دس کافر مارے گئے اور باقی بھاگ گئے، واپسی میں انہیں ثمامہ بن اثال مل گئے، جو عمرہ کے لئے مکہ جا رہے تھے، چنانچہ یہ حضرات ثمامہ کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ لے آئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ ﷺ نے انہیں مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دینے کا حکم دیا، بظاہر اس سے مقصود یہی تھا کہ ثمامہ مسلمانوں کی عبادت اور مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز و نیاز کا مشاہدہ کریں، جس سے ان کا دل نرم ہو کر اسلام کی طرف مائل ہو جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تین تک مسجد میں رہنے اور آپ ﷺ اور مسلمانوں کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور آپ ﷺ کے جانثار صحابہ میں شامل ہو گئے۔ پھر جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یمامہ والے مرتد ہو گئے تو اس وقت بھی حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ اسلام پر جمے رہے اور حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بحرین میں جو لوگ مرتد ہو گئے تھے ان سے جہاد کیا اور سن ١٢ ہجری میں شہید ہوئے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ حُسَيْنٍ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ مُسَيْلِمَةُ الْكَذَّابُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مسیلمہ کذاب آیا، اس دعویٰ کے ساتھ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ إِنْ جَعَلَ لِيْ مُحَمَّدٌ مِنْ بَعْدِهِ تَبِعْتُهُ وَقَدِمَهَا فِيْ بَشَرٍ كَثِيْرٍ
کہ اگر محمد مجھے اپنے بعد (اپنا نائب و خلیفہ) بنا دیں تو میں ان کی اتباع کر لوں گا، اس کے ساتھ اس کی قوم (بنو حنیفہ) کا بہت بڑا مجمع تھا،
مِنْ قَوْمِهِ فَأَقْبَلَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ
تو نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے، آپ ﷺ کے ساتھ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی تھے،

وَ فِيْ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِطْعَةُ جَرِيْدٍ حَتّٰى وَقَفَ عَلٰى مُسَيْلِمَةَ فِيْ أَصْحَابِهِ
اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی تھی، جہاں مسیلمہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھا، آپ وہیں جا کر ٹھہر گئے
فَقَالَ لَوْ سَأَلْتَنِيْ هٰذِهِ الْقِطْعَةَ مَا أَعْطَيْتُكَهَا وَ لَنْ تَعْدُوَ أَمْرَ اللّٰهِ فِيْكَ وَ لَئِنْ أَدْبَرْتَ
اور آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اگر تو مجھ سے یہ ٹہنی مانگے گا تو میں تجھے یہ بھی نہیں دوں گا اور تو اللہ کے اس فیصلے سے آگے نہیں بڑھ سکتا جو تیرے بارے میں پہلے ہی ہو چکا ہے،
لَيَعْقِرَنَّكَ اللّٰهُ وَإِنِّيْ لَأَرَاكَ الَّذِيْ أُرِيْتُ فِيْهِ مَا رَأَيْتُ وَهٰذَا ثَابِتٌ يُّجِيْبُكَ عَنِّيْ ثُمَّ انْصَرَفَ
اگر تو نے میری اطاعت سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کر دے گا، میرا تو خیال ہے کہ تو وہی ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا، اب تیری باتوں کا جواب میری طرف سے
عَنْهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَسَأَلْتُ عَنْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ أُرَى الَّذِيْ
ثابت بن قیس دیں گے، پھر آپ ﷺ واپس تشریف لائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے متعلق پوچھا کہ
أُرِيْتُ فِيْهِ مَا رَأَيْتُ فَأَخْبَرَنِيْ أَبُوْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَنَا
"میرا خیال تو یہ ہے کہ تو وہی ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا" تو ابوہریرہ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا، تو میں نے
نَائِمٌ رَأَيْتُ فِيْ يَدَيَّ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ فَأَهَمَّنِيْ شَأْنُهُمَا فَأُوْحِيَ إِلَيَّ فِي الْمَنَامِ أَنِ انْفُخْهُمَا
اپنے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے، مجھے ان کا معاملہ بڑا محسوس ہوا، پھر خواب ہی میں مجھ پر وحی کی گئی کہ میں ان میں پھونک مار دوں،
فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ بَعْدِيْ أَحَدُهُمَا الْعَنْسِيُّ وَالْآخَرُ مُسَيْلِمَةُ
چنانچہ میں نے ان میں پھونک ماری تو وہ اڑ گئے، میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹوں سے لی جو میرے بعد نکلیں گے، ان میں سے ایک اسود عنسی تھا اور دوسرا مسیلمہ کذاب تھا

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ
أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا تو خواب میں میرے پاس زمین کے خزانے لائے گئے
أُتِيْتُ بِخَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَ فِيْ كَفِّيْ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَكَبُرَا عَلَيَّ فَأُوْحِيَ إِلَيَّ أَنِ انْفُخْهُمَا
اور میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھ دیئے گئے، یہ مجھ پر بڑا شاق گزرا، اس کے بعد مجھے وحی کی گئی کہ میں ان میں پھونک ماروں،
فَنَفَخْتُهُمَا فَذَهَبَا فَأَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ اللَّذَيْنِ أَنَا بَيْنَهُمَا صَاحِبَ صَنْعَاءَ وَصَاحِبَ الْيَمَامَةِ
میں نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے، میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹوں سے لی جن کے درمیان میں، میں ہوں، یعنی صاحب صنعاء اسود عنسی اور صاحب یمامہ مسیلمہ کذاب

مسیلمہ کذاب کی مدینہ منورہ آمد

مسیلمہ قبیلہ بنوحنیفہ کا ایک شخص تھا، اس کا پورا نام مسیلمہ بن ثمامہ بن کبیر بن حبیب بن الحارث تھا، یمامہ میں جبیلہ نامی بستی کا رہنے والا تھا، جو وادی حنیفہ میں نجد کے علاقہ میں عیینہ کے قریب ایک گاؤں ہے، وہ اپنے آپ کو رحمان کہلاتا تھا، اور رحمان یمامہ کے نام سے مشہور تھا، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نے سن ۱۰ ہجری میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، جبکہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولاً اس نے اسلام قبول کیا تھا، پھر مرتد ہو کر اس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

مسیلمہ کذاب کا دعویٰ نبوت بھی کچھ اسی قسم کا تھا، جیسے مرزا قادیانی ملعون کا دعویٰ ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کا کھل کر انکار نہیں کرتا تھا بلکہ فی الجملہ مانتا بھی تھا، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جن علاقوں میں مسیلمہ کذاب کا غلبہ تھا، وہاں

اذان بھی دی جاتی تھی اوراس اذان میں اشھد ان محمد رسول اللہ بھی کہا جاتا تھا اوراس نے تمام طریقہ کار عام مسلمانوں جیسے رکھے ہوئے تھے،لیکن اس کے دماغ میں یہ فتور تھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب بن جاؤں، یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جائیں تو میں آپ کا خلیفہ بن جاؤں۔

وَقَدِمَهَا فِيْ بَشَرٍ كَثِيْرٍ: ان الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بہت بڑی جماعت آئی تھی جبکہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اس کے ساتھ سترہ آدمی تھے، بظاہر تعارض ہے لیکن درحقیقت تعارض نہیں کیونکہ اس کی آمد دومرتبہ ہوئی ہے، ایک مرتبہ اس کے ساتھ سترہ آدمی تھے اوردوسری مرتبہ ساتھ آنے والوں کی تعداد زیادہ تھی ۔ بہرحال بنوحنیفہ کے وفد کے ساتھ مسیلمہ کذاب بھی چلا آیا لیکن مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد باقی لوگ تو اپنے اونٹوں سے اتر کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، لیکن یہ اسی جگہ بیٹھا رہا اور یہ کہا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس آئیں گے تو پھر ان سے بات کروں گا، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ اس پر اتمام حجت کی جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس کے پاس تشریف لے گئے۔

فَأَقْبَلَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف گئے اور آپ کے ساتھ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ خطیب الانصار کے نام سے مشہور تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں کھجور کی شاخ کا ایک حصہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جا کر مسیلمہ کذاب سے فرمایا کہ (خلافت تو بہت بڑی چیز ہے) تو اگر مجھ سے یہ ٹہنی بھی مانگے گا تو یہ بھی میں تجھے نہیں دوں گا۔ **وَلَنْ تَعْدُوَ أَمْرَ اللهِ فِيْكَ وَلَئِنْ أَدْبَرْتَ لَيَعْقِرَنَّكَ اللهُ** اور تیرے بارے میں اللہ کا جو فیصلہ ہے اس سے تو ہرگز تجاوز نہیں کر سکے گا اور اگر تو نے میری اطاعت سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ تیری ٹانگیں کاٹ دیں گے، یعنی ہلاک وبرباد کردیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے اسے ہلاک وبرباد کردیا۔

وَهٰذَا ثَابِتٌ يُجِيْبُكَ عَنِّيْ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دیکھا کہ مسیلمہ اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے اوراتمام حجت ہوچکی ہے اوراب مزید بات چیت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بات کرکے اپنا وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا، البتہ مسیلمہ کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ مجھے تو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری لگائی کہ وہ مسیلمہ کی باتوں کا جواب دیں، اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم وفضل کو اپنے شاگردوں پر اعتماد کرنا چاہئے اور ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق ذمہ داری دینی چاہئے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول **إِنَّكَ أُرَى الَّذِيْ أُرِيْتُ فِيْهِ مَا رَأَيْتُ** کے بارے میں دریافت کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ تو مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں، اس حالت نے مجھے غمگین اور فکرمند کیا تو خواب ہی میں مجھے وحی کی گئی کہ آپ ان کنگنوں پر پھونک مار دیجیے، جب میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے تو میں نے اس کی یہ تعبیر نکالی کہ دو جھوٹے نبی میرے بعد نکلیں گے ان میں ایک اسود عنسی ہے اور دوسرا مسیلمہ۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ خواب میں اپنے ہاتھ میں دو کنگن دیکھنے سے آپ ﷺ کو تشویش کیوں ہوئی؟

❶ بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ سونے کے کنگن سے عام طور پر دنیا مراد لی جاتی ہے اور آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: مالي وللدنيا؟ اس لیے اپنے ہاتھ میں سونا دیکھ کر آپ ﷺ کو تشویش ہوئی۔

❷ بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ یہ عورتوں کا زیور ہے مردوں کے استعمال کی چیز نہیں اس لیے آپ کو تشویش ہوئی۔

بہرحال جب آپ ﷺ نے ان پر پھونک ماری، تو وہ دونوں کنگن اڑ گئے، اس میں اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ جس طرح بے وزن اور بے حقیقت چیز ذرا سی پھونک اور توجہ سے ختم اور زائل ہو جاتی ہے، اسی طرح آپ ان دونوں جھوٹے نبیوں کی سرکوبی کی طرف ذرا سی توجہ فرمائیں گے تو یہ دونوں ختم ہو جائیں گے۔

اشکال: اس روایت پر اشکال ہوتا ہے کہ اس میں ہے فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ بَعْدِيْ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں نے ان دو کنگنوں کی یہ تاویل کی کہ میرے بعد دو جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے: ایک اسود عنسی اور دوسرا مسیلمہ کذاب، حالانکہ یہ دونوں آپ ﷺ کے بعد نہیں بلکہ آپ ﷺ کی حیات ہی میں ظاہر ہوئے تھے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بَعْدِيْ سے مراد بعد موتی نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد بعد نبوتی ہے۔

بہرحال مسیلمہ کذاب نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا، ابھی اس فتنہ کی سرکوبی نہیں ہوئی تھی کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خلیفہ مقرر ہوئے اور اس فتنے کی سرکوبی کی سعادت ان کے حصے میں آئی، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ اس فتنے کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، جنہوں نے بنو حنیفہ کے علاقہ پر جو آپ ﷺ کے وصال کے بعد مرتد ہو چکے تھے حملہ کیا، یہ جنگ جنگ یمامہ کہلاتی ہے، اس میں بارہ سو مسلمان جن میں ساڑھے چار سو کے قریب صحابہ بھی تھے، شہید ہوئے، اس جنگ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کو کامیابی ملی اور مسیلمہ کذاب اپنے انجام کو پہنچا۔

حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ سَمِعْتُ مَهْدِيَّ بْنَ مَيْمُونٍ قَالَ

سَمِعْتُ أَبَا رَجَاءٍ الْعُطَارِدِيَّ يَقُولُ كُنَّا نَعْبُدُ الْحَجَرَ فَإِذَا وَجَدْنَا حَجَرًا هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ أَلْقَيْنَاهُ

حضرت ابورجاء عطاردی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پہلے پتھر کی پوجا کرتے تھے اور اگر کوئی پتھر ہمیں پہلے پتھر سے اچھا مل جاتا تو اسے پھینک دیتے

وَأَخَذْنَا الْآخَرَ فَإِذَا لَمْ نَجِدْ حَجَرًا جَمَعْنَا جُثْوَةً مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ جِئْنَا بِالشَّاةِ فَحَلَبْنَاهُ عَلَيْهِ

اور اس دوسرے پتھر کی پوجا شروع کر دیتے اور اگر ہمیں پتھر نہ ملتا تو مٹی کا ایک ٹیلہ بنا لیتے اور بکری لا کر اس پر اس کا دودھ دوہتے

ثُمَّ طُفْنَا بِهِ فَإِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَجَبٍ قُلْنَا مُنَصِّلُ الْأَسِنَّةِ فَلَا نَدَعُ رُمْحًا فِيهِ حَدِيدَةٌ

اور پھر اس کے گرد طواف کرتے، جب رجب کا مہینہ آجاتا تو ہم کہتے کہ یہ مہینہ ہتھیاروں سے دھار کو دور رکھنے کا ہے، چنانچہ ہم رجب کے مہینے میں اپنے پاس موجود نیزوں سے

وَلَا سَهْمًا فِيهِ حَدِيدَةٌ إِلَّا نَزَعْنَاهُ وَأَلْقَيْنَاهُ شَهْرَ رَجَبٍ قَالَ وَسَمِعْتُ أَبَا رَجَاءٍ يَقُولُ

لوہے کی دھار ہٹا دیتے اسی طرح اپنے پاس موجود تیروں سے لوہے کی دھار ہٹا دیتے اور انہیں پھینک دیتے، راوی فرماتے ہیں کہ میں نے ابو رجاء سے سنا کہ وہ فرماتے تھے

كُنْتُ يَوْمَ بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا أَرْعَى الْإِبِلَ عَلَى أَهْلِي فَلَمَّا سَمِعْنَا

کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں ابھی کم عمر تھا اور اپنے گھر کے اونٹ چرایا کرتا تھا پھر جب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح (فتح مکہ) کی خبر سنی

بِخُرُوجِهِ فَرَرْنَا إِلَى النَّارِ إِلَى مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ

تو ہم آپ کو چھوڑ کر دوزخ کی طرف چلے گئے، یعنی مسیلمہ کذاب کے تابعدار بن گئے

حضرت ابو رجاء رحمۃ اللہ علیہ کا نام عمران بن ملحان ہے، ان کا تعلق قبیلہ بنو عطارد سے تھا، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام لے آئے تھے، لیکن انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی، جب مسیلمہ کذاب کا فتنہ برپا ہوا تو یہ اپنے پورے قبیلے سمیت مسیلمہ کذاب کے حامیوں میں شامل ہو گئے تھے، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ اسلام کی ابدی سعادت سے نوازا اور یہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابو رجاء عطاردی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو بیس سال سے زائد عمر پائی اور ہشام بن عبد الملک کے دور خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت ابو رجاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم پتھر کی عبادت کیا کرتے تھے، جب ہمیں کوئی پتھر پہلے پتھر سے اچھا مل جاتا تو پہلے والے پتھر کو چھوڑ کر نئے پتھر کی عبادت میں لگ جاتے اور اگر ہم کسی ایسی جگہ ہوتے جہاں پتھر نہ ملتا تو ہم مٹی کی ایک ڈھیری بنا لیتے اور بکری کا دودھ مٹی کی اس ڈھیری پر دوہا کرتے اور پھر اس ڈھیری کا طواف کیا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مٹی پر دودھ اس لیے دوہتے تھے تاکہ مٹی جم جائے، البتہ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقتاً بکری کا دودھ نکال کر مٹی پر ڈالنا مراد نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ مٹی کی اس ڈھیری کے قریب بکری کا دودھ نکالتے تھے اور پھر اس کا صدقہ کیا کرتے تھے۔

فَإِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَجَبٍ قُلْنَا مُنَصِّلُ الْأَسِنَّةِ: نصل پھل کو کہتے ہیں، تلوار کا ہو یا نیزے کا، یعنی جس طرف دھار ہوتی ہے اس کو نصل کہتے ہیں، اگر نصل مجرد سے آئے تو اس کا مطلب ہوگا، کسی ہتھیار کی دھار سیدھی کرنا اور اگر یہ باب افعال انصل سے آئے، تو افعال کی خاصیت سلب ماخذ کی وجہ سے اس کے معنی ہوں گے: دھار کو چھپا لینا، غلاف میں ڈال دینا، یہاں یہی معنی مراد ہیں، تو حضرت ابو رجاء رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ جب رجب کا مہینہ داخل ہوتا تو ہم کہتے کہ یہ مہینہ نیزوں سے دھار کو الگ کرنے کا مہینہ ہے، چنانچہ کوئی بھی ایسا نیزہ اور تیر جس میں لوہے کا پھل

لگا ہوا ہوتا، ہم اسے نکال کر پھینک دیتے تھے یہاں تک کہ رجب کا مہینہ ختم ہو جائے۔

فَلَمَّا سَمِعْنَا بِخُرُوجِهِ فَرَرْنَا إِلَى النَّارِ: حضرت ابورجاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پھر جب ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خروج یعنی فتح مکہ کی خبر سنی تو بجائے اس کے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے، ہم اس وقت جہنم کی طرف بھاگ گئے، یعنی مسیلمہ کذاب کے ہاتھ پر بیعت ہو کر اس کے متبع بن گئے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اور ہمیں اس سے نجات ملی اور پھر اسلام کی دولت نصیب ہوئی۔ اسی آخری جملے کی مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث اس باب میں ذکر فرمائی ہے۔

بَابُ قِصَّةِ الأَسْوَدِ الْعَنْسِيِّ

باب: اسود عنسی کا قصہ

اسود عنسی کا نام عبہلہ بن کعب تھا، یہ صنعاء یمن کا رہنے والا تھا، اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اس کے پاس دو مسخر شیاطین تھے، جن میں سے ایک کا نام سحیق اور دوسرے کا نام شقیق تھا، ان دونوں شیاطین کی مدد سے اسود نے لوگوں کو اپنے جال میں پھنسایا ہوا تھا اور ایک بڑی جماعت اس کی طرف مائل ہو کر اس کی اتباع کرنے لگی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے صنعاء یمن پر ایک عامل حضرت باذان رضی اللہ عنہ مقرر تھے، جب حضرت باذان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو اسود عنسی نے صنعاء یمن پر قبضہ کر لیا اور حضرت باذان رضی اللہ عنہ کی بیوہ جن کا نام مرزبانہ تھا ان کو گرفتار کر لیا اور انہیں نکاح کرنے پر مجبور کیا، ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا اس لئے انہوں نے مجبوراً اس سے نکاح کر لیا، چونکہ اسود کو اپنی جان کا خطرہ تھا اس لیے اس کے مکان پر ایک ہزار سپاہی ہر وقت پہرہ دیتے تھے۔

ایک صحابی جن کا نام فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ تھا جن کا ذکر اس حدیث کے آخر میں ہے، وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اسود کا کام تمام ہو اور اس فتنہ سے لوگوں کو نجات ملے تو انہوں نے مرزبانہ سے رازدارانہ گفتگو کر کے معاملہ طے کیا، چنانچہ ایک دن مرزبانہ نے اسود کو خوب شراب پلا کر مدہوش کر دیا اور حضرت فیروز رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس کے مکان میں نقب لگائی اور اندر داخل ہو کر اسود کا سر قلم کر دیا اور مرزبانہ کو مع ضروری مال و اسباب باہر نکال لے آئے۔

حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اطلاع بھیجی، لیکن جب اطلاع پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو چکا تھا، ایک روایت کے مطابق اسود عنسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے ایک رات پہلے قتل کیا گیا اور وحی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے قتل کی اطلاع دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو رضی اللہ عنہم اس کی اطلاع دی۔

حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَرْمِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عُبَيْدَةَ بْنِ نَشِيطٍ وَكَانَ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ اسْمُهُ عَبْدُ اللهِ

أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ بَلَغَنَا أَنَّ مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَنَزَلَ فِي

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ جب مسیلمہ کذاب مدینہ آیا تو اس نے بنت حارث کے گھر قیام کیا

دَارِ بِنْتِ الْحَارِثِ وَكَانَ تَحْتَهُ بِنْتُ الْحَارِثِ بْنِ كُرَيْزٍ وَهِيَ أُمُّ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ فَأَتَاهُ

اور ایک بنت حارث بن کریز اس کی بیوی بھی تھیں، اور وہ عبداللہ بن عامر کی والدہ ہیں، پھر نبی کریم ﷺ اس کے یہاں تشریف لائے ،

رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ وَهُوَ الَّذِي يُقَالُ لَهُ

آپ کے ساتھ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ثابت وہی ہیں جو نبی کریم ﷺ کے خطیب کے نام سے مشہور تھے،

خَطِيْبُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي يَدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضِيبٌ

نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، آپ ﷺ اس کے پاس

فَوَقَفَ عَلَيْهِ فَكَلَّمَهُ فَقَالَ لَهُ مُسَيْلِمَةُ إِنْ شِئْتَ خَلَّيْتَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْأَمْرِ ثُمَّ جَعَلْتَهُ لَنَا

آکر ٹھہر گئے اور اس سے گفتگو کی اور اسے اسلام کی دعوت دی، مسیلمہ نے کہا کہ میں اس شرط پر مسلمان ہوتا ہوں کہ آپ ہمارے اور اس معاملے کو چھوڑ دیں اور آپ کے بعد مجھ کو

بَعْدَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ سَأَلْتَنِي هَذَا الْقَضِيبَ مَا أَعْطَيْتُكَهُ وَإِنِّي لَأَرَاكَ

حکومت ملے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے یہ چھڑی مانگو گے تو میں یہ بھی نہیں دوں گا اور میں تو سمجھتا ہوں

الَّذِي أُرِيتُ فِيهِ مَا أُرِيتُ وَهَذَا ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ وَسَيُجِيبُكَ عَنِّي فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ

کہ تم وہی ہو جو مجھے خواب میں دکھائے گئے تھے اور یہ ثابت بن قیس ہیں اور میری طرف سے تمہاری باتوں کا یہی جواب دیں گے، پھر آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے ،

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ عَنْ رُؤْيَا رَسُوْلِ اللهِ

عبیداللہ بن عبداللہ نے فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نبی کریم ﷺ کے اس خواب کے متعلق پوچھا

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي ذَكَرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ذُكِرَ لِي أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

جس کا ذکر آپ ﷺ نے فرمایا تھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا

وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُرِيتُ أَنَّهُ وُضِعَ فِي يَدَيَّ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَفَظِعْتُهُمَا

کہ میں سویا ہوا تھا کاس دوران مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا کہ میرے ہاتھوں پر سونے کے دو کنگن رکھ دیئے گئے ہیں، میں اس سے بہت گھبرایا

وَكَرِهْتُهُمَا فَأُذِنَ لِي فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ

اور ان کنگنوں سے مجھے تشویش ہوئی، پھر مجھے حکم ہوا اور میں نے انہیں پھونک دیا تو دونوں کنگن اڑ گئے، میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹوں سے لی جو خروج کرنے والے ہیں،

أَحَدُهُمَا الْعَنْسِيُّ الَّذِي قَتَلَهُ فَيْرُوزُ بِالْيَمَنِ وَالْآخَرُ مُسَيْلِمَةُ

عبیداللہ نے فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک اسود عنسی تھا، جسے فیروز نے یمن میں قتل کیا اور دوسرا مسیلمہ کذاب تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دوبارہ وہی حدیث نقل کی ہے جس میں مسیلمہ کذاب کا واقعہ مذکور ہے، کیونکہ اسود عنسی کے سلسلہ میں ان کی شرط کے مطابق یہی حدیث تھی، چونکہ روایت کے آخر میں اسود عنسی کذاب کے قتل کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں اس روایت کو ذکر کر دیا۔

عَنِ ابْنِ عُبَيْدَةَ بْنِ نَشِيْطٍ وَكَانَ فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ اسْمُهُ عَبْدُ اللهِ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہاں سند میں ابن عبیدہ کا نام مذکور نہیں ہے، لیکن دوسری سند میں ان کا نام عبداللہ بیان کیا گیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وضاحت اس لیے فرمادی کیونکہ عبیدہ بن نشیط کے ایک بیٹے اور بھی ہیں، جن کا نام موسیٰ ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کردی کہ یہاں ابن عبیدہ سے مراد عبداللہ ہیں، موسیٰ مراد نہیں ہیں۔

فَنَزَلَ فِيْ دَارِ بِنْتِ الْحَارِثِ: اس بنت حارث سے مراد رملہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ہیں، جو کہ مشہور انصاری صحابی حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں، ان کا تعلق انصار کے قبیلہ نجار سے تھا، ان کی کنیت ام ثابت تھی، ان کا گھر بڑا وسیع تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب وفود باہر سے آتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان وفود کو اکثر و بیشتر حضرت رملہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہراتے تھے، اس لئے یہاں جو یہ کہا جارہا ہے کہ بنت حارث کے گھر مسیلمہ آکر ٹھہرا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف مسیلمہ کذاب ہی نہیں بلکہ بنوحنیفہ کا پورا وفد حضرت رملہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہرا تھا، لیکن چونکہ یہ بھی بنت حارث تھیں اور ایک بنت حارث مسیلمہ کذاب کی اہلیہ بھی رہ چکی تھی، لہٰذا راوی نے اس مناسبت سے یہ بات بھی ذکر کردی کہ بنت حارث بن کریز اس کی بیوی تھی، جس کی وجہ سے یہ شبہ ہوا کہ مسیلمہ کذاب مدینہ میں اپنی بیوی کے گھر میں آکر رکا تھا۔

وَكَانَ تَحْتَهُ بِنْتُ الْحَارِثِ بْنِ كُرَيْزٍ وَهِيَ أُمُّ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ: مسیلمہ کذاب یمامہ کا رہنے والا تھا، البتہ اس کا نکاح کیسہ بنت حارث بن کریز کا سے ہوا تھا، بعد میں طلاق ہوگئی تو کیسہ بنت حارث مدینہ منورہ آگئی اور اس نے یہاں آکر اپنے چچازاد عبداللہ بن عامر سے نکاح کرلیا، یہاں روایت میں ام عبداللہ سے ام عبداللہ بن عبداللہ بن عامر مراد ہے، کیونکہ عبداللہ بن عامر کا بیٹا اس کے ہم نام تھا اور وہ کیسہ بنت حارث سے پیدا ہوا تھا، عبداللہ کے علاوہ بنت حارث سے عبداللہ بن عامر کے دو اور بیٹے ہوئے جن کے نام عبدالرحمن اور عبدالملک ہیں۔

فَأَتَاهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ....الخ: آگے پھر مسیلمہ کذاب کا واقعہ ہے، جس کی تفصیل پہلے بیان کی جاچکی ہے۔

بَابُ قِصَّةِ أَهْلِ نَجْرَانَ

باب: نجران کے نصاریٰ کا قصہ

حَدَّثَنِيْ عَبَّاسُ بْنُ الْحُسَيْنِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اٰدَمَ عَنْ إِسْرَائِيْلَ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ عَنْ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ جَاءَ الْعَاقِبُ وَالسَّيِّدُ صَاحِبَا نَجْرَانَ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نجران کے دو سردار عاقب اور سید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے،

يُرِيْدَانِ أَنْ يُّلَاعِنَاهُ قَالَ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ لَا تَفْعَلْ فَوَاللهِ لَئِنْ كَانَ نَبِيًّا فَلَاعَنَّا

وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مباہلہ کرنا چاہتے تھے، لیکن ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ایسا نہ کرو کیونکہ اللہ کی قسم! اگر یہ نبی ہوئے اور پھر بھی ہم نے ان سے مباہلہ کیا

لَا نُفْلِحُ نَحْنُ وَلَا عَقِبُنَا مِنْ بَعْدِنَا قَالَا إِنَّا نُعْطِيكَ مَا سَأَلْتَنَا وَ ابْعَثْ مَعَنَا رَجُلًا أَمِيْنًا

تو ہم پنپ نہیں سکتے اور نہ ہمارے بعد ہماری نسلیں باقی رہ سکیں گی، پھر ان دونوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ جو کچھ آپ مانگیں وہ ہم بطور جزیہ دینے کے لیے تیار ہیں

وَ لَا تَبْعَثْ مَعَنَا إِلَّا أَمِيْنًا فَقَالَ لَأَبْعَثَنَّ مَعَكُمْ رَجُلًا أَمِيْنًا حَقَّ أَمِيْنٍ حَقَّ أَمِيْنٍ

اور آپ ہمارے ساتھ کوئی امین بھیج دیجئے اور جس کسی کو بھی آپ ہمارے ساتھ بھیجیں اس کا امین ہونا ضروری ہے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ایک ایسا آدمی

فَاسْتَشْرَفَ لَهَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قُمْ يَا أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ

بھیجوں گا جو امانت دار ہوگا بلکہ پورا پورا امانت دار ہوگا، صحابہ رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے منتظر تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوعبیدہ بن الجراح! اٹھو،

الْجَرَّاحِ فَلَمَّا قَامَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا أَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ

جب وہ کھڑے ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس امت کے امین ہیں

نجران معروف شہر ہے، جو مکہ معظّمہ سے یمن کی طرف سات منزل کے فاصلے پر آباد ہے اور آج بھی اسی نام سے معروف ہے، اس زمانے میں یہاں زیادہ تر نصرانی آباد تھے، نجران کا وفد حضور ﷺ کی خدمت میں دومرتبہ حاضر ہوا ہے، ایک مرتبہ یہ وفد مکہ مکرمہ میں حاضر ہوا، اس وقت یہ بیس آدمیوں پر مشتمل تھا اور دوسری مرتبہ ان کا وفد سن ۹ ہجری میں مدینہ منورہ آیا تھا، یہاں روایت میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ سن ۹ ہجری کا ہے، یہ وفد ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق چودہ اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق چوبیس آدمیوں پر مشتمل تھا، ان میں تین بڑے سردار تھے، یہاں بخاری کی روایت میں ان میں سے دو کا ذکر ہے، ایک سید سے مشہور تھا، اس کا نام ایہم یا شرحبیل تھا، جماعت کی ترتیب اور سواریوں وغیرہ کا انتظام اس کے سپرد تھا، دوسرا عاقب تھا، جس کا نام عبدالمسیح تھا یہ امیر قافلہ تھا، تیسرا شخص جس کا ذکر بخاری کی روایت میں نہیں ہے وہ ابوحارثہ بن علقمہ تھا یہ ان کا امام اور مذہبی پیشوا تھا۔

یہ تیسرا شخص اصل میں عرب کے مشہور قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھے جو پکا نصرانی بن گیا تھا، سلاطین روم نے اس کی مذہبی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے اس کی بڑی تعظیم وتکریم کی، اس کی مالی امداد کے ساتھ ساتھ اس کے لئے گرجے تعمیر کئے اور اسے امور مذہبی کے اعلیٰ منصب پر مامور کیا، یہ وفد بارگاہ رسالت میں بڑی آن بان سے حاضر ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے گفتگو کی، سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان لوگوں نے اس بات پر نبی کریم ﷺ سے بہت زیادہ بحث مباحثہ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) اللہ کے بندے نہیں ہیں بلکہ اللہ کے بیٹے ہیں، چنانچہ وہ کہنے لگے کہ اگر وہ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں تو بتاؤ کس کے بیٹے ہیں؟ تو سورۂ آل عمران کی آیت: **إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ** کے ذریعہ ان کو جواب دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے باپ تھے نہ ماں، تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ نہ ہوں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے تو پھر آیت: **فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ**

بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ میں حکم نازل کیا گیا کہ اگر یہ لوگ اس قدر سمجھانے پر بھی عیسی علیہ السلام کی بشریت کے قائل نہیں ہوتے تو ان کے ساتھ مباہلہ کیا جائے۔

مباہلہ کی تعریف اور اس کا حکم

مباہلہ بھل یا بھلة سے ماخوذ ہے، جس کے معنی لعنت اور پھٹکار کے ہیں، باب فتح سے اس کے معنی ہیں: لعنت کرنا اور باب مفاعلة سے اس کے معنی ہیں: ایک دوسرے پر لعنت کرنا۔ اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی امر کے حق و باطل میں فریقین کے درمیان اختلاف ونزاع ہو جائے اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو، تو پھر دونوں فریق اپنے اپنے اہل وعیال کے ہمراہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا قہر اور ہلاکت ولعنت نازل ہو۔

مباہلے کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی باطل پرست اتمام حجت کے باوجود اگر باطل سے رجوع کرنے کے لیے تیار نہ ہو، تو اسے مباہلے کی دعوت دی جا سکتی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تجربہ یہ ہے کہ مباہلہ کرنے کے بعد باطل پرست ایک سال سے زیادہ زندہ نہیں رہتا، خود اپنے بارے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ ایک ملحد سے میرا مباہلہ ہوا تو اس پر دو ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ وہ مر گیا۔

بہر حال ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ کے لئے تیار ہو گئے اور اگلے روز حضرت حسن وحسین، حضرت فاطمۃ الزہراء اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو اپنے ہمراہ لے کر باہر تشریف لے آئے۔ نجرانی نصاریٰ ان نورانی اور مبارک چہروں کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مہلت مانگی، کہ ہم مشورہ کر کے جواب دیتے ہیں، مجلس مشاورت میں ان کے تجربہ کار لوگوں نے کہا کہ تم یقیناً یہ بات جان چکے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے نبی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انہوں نے صاف صاف اور فیصلہ کن باتیں کہی ہیں اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، تو کچھ بعید نہیں کہ یہ وہی نبی ہوں اور ایک نبی سے مباہلہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہی نکل سکتا ہے کہ ان کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذاب سے نہ بچے اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے گا، اس لئے ان سے مباہلہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے اور رہی مقابلے اور قتل وقتال کی بات تو سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی ہم میں طاقت نہیں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے واپس لوٹ جائیں، چنانچہ سب اس پر آمادہ ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ جو کچھ جزیہ وغیرہ ہم پر لازم کریں گے ہم وہ دینے کے لئے تیار ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو ہزار حُلّوں (جوڑوں) پر ان سے صلح کی، ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں ان کے ذمہ لازم کئے گئے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے

کہ سید ایہم اور عاقب دونوں بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

معاہدۂ صلح کے بعد بوقت رخصت وفد نجران نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ جزیہ کی وصولیابی کے لئے کسی امانت دار شخص کو ان کے ساتھ بھیجا جائے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: لَأَبْعَثَنَّ مَعَكُمْ رَجُلًا أَمِيْنًا حَقَّ أَمِيْنٍ پھر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، ان کا نام عامر بن عبداللہ بن جراح تھا اور ان کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا، یہ سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور آپ ﷺ نے انہیں أَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ کا لقب عطا فرمایا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں شریک رہے، انہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ غزوۂ اُحد کے موقع پر جب کفار کے ناگہانی حملے میں سرکار دو عالم ﷺ کے مغفر (خود) کی کڑیاں آپ ﷺ کے رُخسار مبارک میں گھس گئی تھیں تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا تھا، جس کی وجہ سے ان کے سامنے کے دو دانت شہید ہو گئے تھے۔ دانت گر جانے سے چہرے کی خوشنمائی میں عام طور سے فرق آ جاتا ہے، لیکن دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ان دانتوں کے گرنے سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے حسن میں کمی آنے کی بجائے مزید اضافہ ہو گیا تھا، لوگ کہتے تھے کہ کوئی شخص جس کے سامنے کے دانت گرے ہوئے ہوں حضرت ابوعبیدہ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا گیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ طاعون عمواس میں شہید ہوئے اور اٹھاون سال عمر پائی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ عَنْ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ أَهْلُ نَجْرَانَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل نجران نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے

فَقَالُوا ابْعَثْ لَنَا رَجُلًا أَمِيْنًا فَقَالَ لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلًا أَمِيْنًا حَقَّ أَمِيْنٍ فَاسْتَشْرَفَ لَهَا

اور عرض کیا کہ ہمارے ساتھ کوئی امانت دار آدمی بھیجئے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ایسا آدمی بھیجوں گا، جو ہر حیثیت سے امانت دار ہوگا، صحابہ رضی اللہ عنہم

النَّاسُ فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ

منتظر تھے، آخر آپ ﷺ نے ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

ہم سے ابوالولید نے بیان کیا اور ان سے شعبہ نے اور ان سے خالد نے اور ان سے ابوقلابہ نے اور ان سے انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِيْنٌ وَأَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ

کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں

بَابُ قِصَّةِ عُمَانَ وَالْبَحْرَيْنِ

باب: عمان اور بحرین کا قصہ

بحرین قبیلہ عبدالقیس کا شہر تھا اور عُمان (بضم العین) اس کے قریب ایک علاقے کا نام ہے، بظاہر یہ وہی ملک عمان ہے جو آج بھی اسی نام سے معروف ہے اور اس کا دارالخلافہ مسقط ہے، عمان (بفتح العین) کے نام سے بھی ایک علاقہ معروف ہے جو آج کل اردن کا دارالخلافہ ہے وہ یہاں مراد نہیں۔ یہاں روایت میں صرف بحرین کا تذکرہ ہے، عمان کا نہیں ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو عمان کے سلسلہ میں کوئی روایت اپنی شرط کے مطابق نہیں ملی، اس لیے بحرین کی روایت ذکر کردی، کیونکہ عمان بحرین کے قریب ہی واقع ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی عامل کو دونوں جگہ بھیجا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی دعوت کی غرض سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا، عمان کے بادشاہ جلندی کے دو بیٹے تھے، جن میں سے ایک کا نام جیفر (بفتح الجیم و سکون الیاء و فتح الفاء) اور دوسرے کا نام عیاز (بکسر العین و تشدید الیاء) تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خصوصی تاکید کی تھی کہ وہ ان دونوں کو اسلام کی دعوت دیں، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جا کر انہیں اسلام کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں یہ دونوں حضرات مسلمان ہو گئے، پھر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ سَمِعَ ابْنَ الْمُنْكَدِرِ

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ قَدْ جَاءَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب میرے پاس بحرین سے مال آئے گا

مَالُ الْبَحْرَيْنِ لَقَدْ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا ثَلَاثًا فَلَمْ يَقْدَمْ مَالُ الْبَحْرَيْنِ حَتّٰى

تو میں تمہیں اتنا، اتنا اور اتنا یعنی تین لپ بھر کر مال دوں گا، لیکن بحرین سے مال نہیں آیا یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہوگئے،

قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَدِمَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ أَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى مَنْ كَانَ لَهُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد وہ مال ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے اعلان کروا دیا کہ اگر کسی کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرض ہو

عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ أَوْ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنِي قَالَ جَابِرٌ فَجِئْتُ أَبَا بَكْرٍ فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّ

یا کسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی وعدہ کیا ہو تو وہ میرے پاس آئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس گیا اور انہیں بتایا

النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ قَدْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا ثَلَاثًا قَالَ

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر بحرین سے میرے پاس روپیہ آیا تو میں تمہیں اتنا، اتنا اور اتنا، یعنی تین لپ بھر کر دوں گا،

فَأَعْطَانِي قَالَ جَابِرٌ فَلَقِيتُ أَبَا بَكْرٍ بَعْدَ ذٰلِكَ فَسَأَلْتُهُ فَلَمْ يُعْطِنِي ثُمَّ أَتَيْتُهُ الثَّانِيَةَ

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے ان سے ملاقات کی اور ان سے اس کے متعلق کہا، لیکن انہوں نے مجھے نہیں دیا، میں پھر ان کے یہاں گیا اس مرتبہ بھی انہوں نے نہیں دیا،

فَلَمْ يُعْطِنِي ثُمَّ أَتَيْتُهُ الثَّالِثَةَ فَلَمْ يُعْطِنِي فَقُلْتُ لَهُ قَدْ أَتَيْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي ثُمَّ أَتَيْتُكَ

میں تیسری مرتبہ گیا، اس مرتبہ بھی انہوں نے نہیں دیا، تو میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کے یہاں ایک مرتبہ آیا، آپ نے نہیں دیا، دوبارہ آیا لیکن آپ نے نہیں دیا، پھر تیسری مرتبہ

فَلَمْ تُعْطِنِي ثُمَّ أَتَيْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي فَإِمَّا أَنْ تُعْطِيَنِي وَإِمَّا أَنْ تَبْخَلَ عَنِّي فَقَالَ أَقُلْتَ تَبْخَلُ

آیا ہوں اور آپ اس مرتبہ بھی نہیں دے رہے ہیں، تو اگر آپ کو مجھے دینا ہے تو دے دیجئے ورنہ میرے معاملے میں بخل کریں، تو ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم نے کہا ہے کہ میرے معاملہ میں

عَنِّي وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوَأُ مِنَ الْبُخْلِ قَالَهَا ثَلَاثًا مَا مَنَعْتُكَ مِنْ مَرَّةٍ إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُعْطِيَكَ

بخل کرلو، بھلا بخل سے بڑھ کر اور کیا عیب ہوسکتا ہے، تین مرتبہ انہوں نے یہ جملہ دہرایا اور کہا میں نے تمہیں جب بھی ٹالا تو میرا ارادہ یہی تھا کہ بہرحال تمہیں دینا ہے اور اسی سند سے

وَعَنْ عَمْرٍو عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ جِئْتُهُ فَقَالَ لِي أَبُو بَكْرٍ عُدَّهَا

عمرو بن دینار سے روایت ہے، ان سے محمد بن علی باقر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے جابرؓ سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں حاضر ہوا تو ابوبکرؓ نے مجھے ایک لپ بھر کر

فَعَدَدْتُهَا فَوَجَدْتُهَا خَمْسَ مِائَةٍ فَقَالَ خُذْ مِثْلَهَا مَرَّتَيْنِ

روپیہ دیا اور کہا کہ اسے گن لو، میں نے گنا تو وہ پانچ سو تھے، تو فرمایا کہ دو مرتبہ اتنا ہی اور لے لو

بَابُ قُدُومِ الأَشْعَرِيِّينَ وَأَهْلِ الْيَمَنِ

باب: قبیلہ اشعر اور اہل یمن کی آمد کا بیان۔

وَقَالَ أَبُو مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ

اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ اشعری لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں

اشعرین کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر فتح ہو جانے کے بعد سن ۷ ہجری میں آیا ہے اور اہل یمن کا وفد سنة الوفود میں یعنی سن ۹ ہجری میں آیا ہے، لیکن چونکہ اشعرین کا تعلق بھی یمن ہی سے ہے اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے واقعات بیان کرنے میں جہاں تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھا ہے، وہیں بعض واقعات میں انہوں نے تاریخی ترتیب کی رعایت کو نظر انداز کر کے کسی دوسری مناسبت کی وجہ سے واقعات کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اٰدَمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمْتُ أَنَا وَأَخِي مِنَ الْيَمَنِ فَمَكَثْنَا

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے بھائی یمن سے آئے تو ہم (ابتداء میں) بہت دنوں تک یہ سمجھتے رہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

حِينًا مَا نُرَى ابْنَ مَسْعُودٍ وَأُمَّهُ إِلَّا مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ مِنْ كَثْرَةِ دُخُولِهِمْ وَ لُزُومِهِمْ لَهُ

اور ان کی والدہ رضی اللہ عنہا دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کثرت سے آنے جانے کی وجہ سے

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم یمن سے آئے، تو ایک عرصہ تک ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کو اہل بیت میں سے سمجھتے رہے، اس لیے کہ ان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضری ایسی ہی تھی، جیسے اہل خاندان اور قریبی رشتہ داروں کی ہوا کرتی ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا کرتے تھے، اسی وجہ سے انہیں صاحب الوسادة، صاحب المطهرة اور صاحب النعلمين کہا جاتا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ

عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ أَبُو مُوسَى أَكْرَمَ هَذَا الْحَيَّ مِنْ جَرْمٍ وَإِنَّا لَجُلُوسٌ عِنْدَهُ وَهُوَ يَتَغَدَّى

زہدم فرماتے ہیں کہ جب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ آئے تو اس قبیلہ جرم کا انہوں نے بہت اعزاز کیا، زہدم فرماتے ہیں کہ ہم آپ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہ مرغ کا ناشتہ

دَجَاجًا وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ جَالِسٌ فَدَعَاهُ إِلَى الْغَدَاءِ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَقَالَ

کر رہے تھے، حاضرین میں ایک اور صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے، ابوموسیٰؓ نے انہیں بھی کھانے پر بلایا تو ان صاحب نے کہا کہ جب سے میں نے مرغیوں کو گندگی کھاتے دیکھا ہے،

هَلُمَّ فَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ فَقَالَ إِنِّي حَلَفْتُ لَا آكُلُهُ فَقَالَ هَلُمَّ أُخْبِرْكَ

تب سے مجھے اس سے گھن آتی ہے، تو ابوموسیٰؓ نے کہا کہ آ جاؤ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مرغی کھاتے دیکھا ہے، تو ان صاحب نے کہا لیکن میں نے اسے نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے،

عَنْ يَمِينِكَ إِنَّا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرٌ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ فَاسْتَحْمَلْنَاهُ فَأَبَى أَنْ

انہوں نے کہا کہ تم آ تو جاؤ میں تمہیں تمہاری قسم کا بھی بتاؤں گا، ہم قبیلہ اشعر کے چند لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے سواری کے لئے جانور مانگے،

يَحْمِلَنَا فَاسْتَحْمَلْنَاهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ لَمْ يَلْبَثِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُتِيَ

تو آپ ﷺ نے سواری دینے سے انکار کر دیا، ہم نے پھر آپ سے مانگا تو آپ ﷺ نے اس مرتبہ قسم کھائی کہ آپ ہمیں سواری نہیں دیں گے، لیکن ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی

بِنَهْبِ إِبِلٍ فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ فَلَمَّا قَبَضْنَاهَا قُلْنَا تَغَفَّلْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کہ غنیمت میں کچھ اونٹ آئے، تو نبی کریم ﷺ نے ان میں سے پانچ اونٹ ہمیں دینے کا حکم دیا، جب ہم نے انہیں لے لیا تو پھر ہم نے کہا کہ یہ تو ہم نے نبی کریم ﷺ کو

يَمِينَهُ لَا نُفْلِحُ بَعْدَهَا أَبَدًا فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ حَلَفْتَ أَنْ لَا تَحْمِلَنَا وَقَدْ حَمَلْتَنَا

ان کی قسم بھلا دی، ایسی حالت میں ہماری کبھی بھلائی نہیں ہوگی، تو میں آپ کے پاس آیا اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ہمیں سواری نہیں دیں گے

قَالَ أَجَلْ وَلَكِنْ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ مِنْهَا

پھر آپ نے سواری دے دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی میں کوئی قسم کھاتا ہوں اور اس کے سوا دوسری صورت مجھے اس سے بہتر نظر آتی ہے تو میں وہی کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے

لَمَّا قَدِمَ أَبُو مُوسَى: یہ واقعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے یمن سے آنے کا نہیں، بلکہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا واقعہ ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا، چنانچہ جب یہ کوفہ پہنچے تو وہاں کے مشہور قبیلے **جرم** کا انہوں نے بڑا اکرام کیا۔

وَإِنَّا لَجُلُوسٌ عِنْدَهُ وَهُوَ يَتَغَدَّى دَجَاجًا: زہدم جرمی کہتے ہیں کہ ہم ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ مرغی کھا رہے تھے، وہاں ایک صاحب بھی بیٹھے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تم بھی کھانے میں شریک ہو جاؤ، ہمارے ساتھ مرغی کھالو۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی جسے زھدم جرمی صیغہ غائب سے ذکر کر رہے ہیں، وہ یہ خود ہی تھے۔

تو ان صاحب نے کہا: **إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ** میں نے مرغیوں کو ایسی ویسی چیزیں کھاتے دیکھا ہے، اس لیے میں مرغی نہیں کھاتا۔ ظاہر ہے کہ مرغیاں گلیوں میں پھرتی رہتی ہیں، کہیں بھی چونچ مار دیتی ہیں، تو انہوں نے مرغی کو کچھ کھاتے دیکھا ہوگا جس کی وجہ سے انہیں کراہت ہوگئی اور انہوں نے قسم کھائی کہ میں مرغی نہیں کھاؤں گا۔

فَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسے کھالو، کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مرغی کھاتے ہوئے دیکھا ہے، تو اس آدمی نے کہا کہ میں نے تو قسم کھائی تھی کہ میں مرغی نہیں کھاؤں گا، تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آؤ، میں تمہیں تمہاری قسم کے بارے میں بھی بتاتا ہوں۔

اس کے بعد ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر آدمی غلطی سے کوئی ایسی قسم کھائے جو نامناسب ہو تو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دے اور وہ کام کر لے جو بہتر ہے۔ پھر اسی مسئلہ کی وضاحت میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ بیان فرمایا کہ ہم قبیلہ اشعر کے کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، **فَاسْتَحْمَلْنَاهُ** چونکہ غزوۂ تبوک کا موقع تھا، اس کی تیاری ہو رہی تھی، تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سواریاں طلب کیں، **فَأَبَى أَنْ يَحْمِلَنَا** آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سواریاں دینے سے انکار کر دیا۔ ہم نے دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سواریاں طلب کیں، **فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا** تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھائی کہ ہمیں سواریاں نہیں دیں گے۔

ثُمَّ لَمْ يَلْبَثِ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ أُتِيَ بِنَهْبِ إِبِلٍ: پھر کچھ ہی دیر ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مالِ غنیمت کے کچھ اونٹ لائے گئے۔ نهب ينهب کے معنی ہوتے ہیں حملہ کرنا، لوٹ مار کرنا، یہاں اس سے مالِ غنیمت مراد ہے۔

اس روایت میں ہے کہ مالِ غنیمت کے اونٹ لائے گئے، لیکن بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کچھ اونٹ خریدے، اب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ اونٹ مالِ غنیمت میں آئے ہوں اور کچھ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خریدے ہوں، لہٰذا دونوں روایتوں میں جو بظاہر تعارض نظر آرہا ہے اس میں بآسانی تطبیق ہوسکتی ہیں۔

فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ: تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اونٹوں میں سے ہمیں پانچ اونٹ دینے کا حکم دے دیا۔ جب ہم نے وہ اونٹ لے لئے، تو ہم نے آپس میں کہا: **تَغَفَّلْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِينَهُ** کہ ہم نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قسم سے غافل کر دیا۔ مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو قسم کھائی تھی کہ وہ ہمیں سواری اور اونٹ نہیں دیں گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اونٹ دے دیئے اور ہم نے لے بھی لئے، تو کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قسم بھول تو نہیں گئے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کریں کہ یارسول اللہ! آپ نے قسم کھائی تھی کہ آپ ہمیں سواری نہیں دیں گے، پھر آپ نے ہمیں دے دیئے، تو کہیں آپ اپنی قسم بھول تو نہیں گئے؟ چنانچہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ہمیں سواریاں نہیں دیں گے، پھر آپ نے ہمیں سواریاں دے دیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کہ ہاں، میں نے قسم کے باوجود تمہیں سواریاں دی ہیں، وجہ یہ ہے کہ **وَلٰكِنْ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ مِّنْهَا** کہ اگر میں کسی موقع پر کسی بات پر قسم کھالوں کہ یہ کام نہیں کروں گا، پھر مجھے محسوس ہو کہ اس کام کے

کرنے میں تو بہتری ہے، تو میں وہ کام کرلیا کرتا ہوں اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔ اس روایت میں اگرچہ کفارہ کا ذکر نہیں ہے لیکن دوسرے مقامات میں جہاں یہ روایت مذکور ہے وہاں کفارہ کا ذکر بھی آیا ہے۔

لہٰذا شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر آدمی کوئی قسم کھائے کہ میں یہ کام نہیں کروں گا اور وہ کام جائز ہے تو آدمی کو وہ جائز کام کر لینا چاہیے اور قسم توڑ دینی چاہیے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی نے قسم کھائی کہ میں چائے نہیں پیوں گا یا لسی نہیں پیوں گا، اب چائے اور لسی ایک حلال چیز ہے، اسے اپنے اوپر حرام قرار دینا قرآنی حکم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ کے خلاف ہے۔ چنانچہ یہاں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان صاحب سے جنہوں نے مرغی نہ کھانے کی قسم کھالی تھی کہا کہ یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا ہے، تمہیں چاہیے کہ اس قسم کو توڑ دو اور اللہ کی حلال کردہ چیز کھاؤ اور اس قسم کا کفارہ دے دو۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو صَخْرَةَ جَامِعُ بْنُ شَدَّادٍ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ مُحْرِزٍ الْمَازِنِيُّ

حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ قَالَ جَاءَتْ بَنُو تَمِيمٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنو تمیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے،

فَقَالَ أَبْشِرُوا يَا بَنِي تَمِيمٍ قَالُوا أَمَّا إِذْ بَشَّرْتَنَا فَأَعْطِنَا فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بنو تمیم! بشارت قبول کرو، انہوں نے کہا کہ جب آپ نے ہمیں بشارت دی ہے تو کچھ مال بھی عنایت فرمایئے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْبَلُوا الْبُشْرَى

چہرے کا رنگ بدل گیا، پھر یمن کے کچھ لوگ آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم بشارت قبول کر لو

إِذْ لَمْ يَقْبَلْهَا بَنُو تَمِيمٍ قَالُوا قَدْ قَبِلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ

کیونکہ بنو تمیم نے بشارت قبول نہیں کی، تو انہوں نے کہا کہ ہم نے قبول کی یا رسول اللہ

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيمَانُ هَا هُنَا وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْيَمَنِ

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان تو یہاں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کیا

وَالْجَفَاءُ وَغِلَظُ الْقُلُوبِ فِي الْفَدَّادِينَ عِنْدَ أُصُولِ أَذْنَابِ الْإِبِلِ مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا

اور بے رحمی اور سخت دلی اونٹ کی دم کے پیچھے پیچھے چلنے والوں میں ہے، جہاں سے شیطان کے دونوں سینگ نکلتے ہیں

الشَّيْطَانِ رَبِيعَةَ وَ مُضَرَ

(یعنی مشرق) قبیلہ ربیعہ اور مضر کے لوگوں میں

الْإِيمَانُ هَا هُنَا وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْيَمَنِ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایمان یہاں ہے اور اگلی روایت میں ہے الْإِيمَانُ يَمَانٍ ایمان تو یمنی ہے، ایمان کی نسبت یمن کی طرف کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اہل یمن پر کسی قسم کی لشکرکشی کی نوبت نہیں آئی بلکہ یہ برضا ورغبت مسلمان ہوئے اور ایمانی اوصاف کے ساتھ

بہت ہی ممتاز تھے اور جب کوئی شخص یا جماعت کسی خاص وصف کے ساتھ امتیازی لحاظ سے موصوف ہو جائے تو اس وصف کو بطور خاص اس کے لئے ذکر کیا جاتا ہے لیکن اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ وصف دوسروں میں نہیں ہے۔

وَالْجَفَاءُ وَغِلَظُ الْقُلُوبِ فِي الْفَدَّادِيْنَ: جفاء اور دلوں کی سختی فدادین کے اندر ہے، جفاء سے مراد قلب کی سختی اور غلظ القلوب سے مراد کج فہمی اور کج روی ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ غلظ القلوب کا عطف الجفاء پر عطف تفسیری ہو اور دونوں سے مراد دلوں کی سختی ہی ہو، واللہ اعلم۔

الْفَدَّادِيْنَ کے معنی کے بارے میں دو باتیں نقل کی گئی ہیں:

❶ **الْفَدَّادِيْنَ** (بتشديد الدال) فداد کی جمع ہے، اور یہ فديد سے ماخوذ ہے، فديد اس آواز کو کہتے ہیں جو جانوروں والے اپنے جانوروں کو اٹھانے اور چلانے کے لیے لگاتے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ اونٹ اور دوسرے جانور پالتے ہیں اور اونٹوں کی دُموں کے پاس چیختے چلاتے ہیں ان میں دلوں کی سختی ہوتی ہے۔

❷ **الْفَدَادِيْنَ** (بتخفيف الدال) فداد کی جمع ہے اور فداد کے معنی ہیں: آلة الحرث، اس صورت میں مضاف محذوف مانا جائے گا یعنی الجفاء و غلظ القلوب في اصحاب الفدادين عند اصول اذناب الابل۔

مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ: یہ مشرق کی طرف اشارہ ہے، مشرق کی طرف اشارہ اس لئے کیا کیونکہ جس وقت سورج طلوع ہوتا ہے شیطان اس کی محاذات میں کھڑا ہو جاتا ہے اور جو لوگ سورج کو سجدہ کرتے ہیں، یہ اپنے آپ کو ان کے معبود کی حیثیت میں ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

رَبِيْعَةَ وَمُضَرَ: یہاں ربيعة و مضر بدل ہے اور قرنا الشيطان مبدل منہ ہے، ربیعہ اور مضر کو شیطان کا سینگ قرار دیا، کیونکہ اس وقت تک یہ لوگ اسلام نہیں لائے تھے اور شیطانی اوصاف وحرکات میں پیش پیش رہتے تھے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ ذَكْوَانَ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ أَرَقُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس اہل یمن آ گئے ہیں، ان کے دل کے پردے باریک

أَفْئِدَةً وَأَلْيَنُ قُلُوبًا الْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي أَصْحَابِ الْإِبِلِ

اور دل نرم ہوتے ہیں، ایمان یمن والوں کا ہے اور حکمت بھی یمن کی ہے اور فخر و تکبر اونٹ والوں میں ہوتا ہے

وَالسَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ وَقَالَ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ سَمِعْتُ ذَكْوَانَ

اور اطمینان اور سہولت بکری والوں میں اور غندر نے بیان کیا اس حدیث کو شعبہ سے، ان سے سلیمان نے، انہوں نے ذکوان سے سنا،

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے

هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً وَأَلْيَنُ قُلُوبًا: وہ لوگ فؤاد کے اعتبار سے رقیق اور قلب کے اعتبار سے نرم ہیں، عام طور پر

فؤاد اور قلب کا ترجمہ دل ہی سے کیا جاتا ہے، البتہ بعض علماء نے فؤاد اور قلب کے درمیان فرق بیان کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ فؤاد دل کے پردے غشاء القلب کو کہتے ہیں، اگر وہ پردہ باریک ہوتا ہے تو وعظ ونصیحت دل پر جلدی اثر کرتی ہے اور اگر وہ سخت ہوتا ہے تو نصیحت کا اثر جلدی نہیں ہوتا، مطلب یہ ہے کہ اہل یمن کے دل بھی نرم ہیں اور ان کے دل کے اوپر کا پردہ بھی باریک ہے۔

الْإِيمَانُ يَمَانٍ: بعض حضرات نے اس کی تفسیر یوں بھی کی ہے کہ یمان سے مراد یمن کا علاقہ نہیں ہے، بلکہ یمان سے مراد مکہ اور مدینہ ہے، اس لئے کہ مکہ پر تہامہ کا اطلاق ہوتا ہے اور وہ قدیم تاریخ کی رو سے یمن کا حصہ کہلاتا تھا اور انصار یعنی اہل مدینہ کا تعلق اصل نسب کے اعتبار سے یمن سے ہے، لیکن حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر رد فرمایا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے سیاق أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ پر اگر غور کیا جائے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ارشاد اہل یمن کی آمد پر فرمایا گیا اور اس سے مقصود اہل یمن کی ہی تعریف بیان کرنا ہے کسی اور کی تعریف بیان کرنا مقصود نہیں، لہٰذا اس قسم کی تاویلات کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ : حکمت کے متعلق علماء نے مختلف اقوال بیان کئے ہیں، بقول علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے حکمت کی تفسیر میں اہل علم کے انتالیس اقوال ہیں۔ ان میں سے تین قول مشہور ہیں:

١ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی فہم وفراست کو حکمت کہا جاتا ہے۔

٢ تفقه في الدين کو حکمت کہا جاتا ہے۔

٣ الاصابة في القول والعمل کو حکمت کہا جاتا ہے۔

وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي أَصْحَابِ الْإِبِلِ وَالسَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ : فخر وتکبر اونٹوں والوں میں ہے اور سکینت اور وقار بکریوں والوں میں ہے۔ درحقیقت محبت جس چیز کی بھی ہو انسان پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے، اونٹ کے اندر چونکہ بڑائی اور تکبر کا وصف پایا جاتا ہے تو اس کی محبت کی وجہ سے یہ وصف اونٹ والوں کی طرف بھی منتقل ہو جاتی ہے اور بکری چونکہ مسکین جانور ہے، لہٰذا بکری والوں میں سکینت اور وقار آجاتا ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْفِتْنَةُ هَا هُنَا هَا هُنَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یمن کا ہے اور فتنہ (دین کی خرابی) ادھر سے ہے اور ادھر ہی سے

يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ

شیطان کا سینگ نمودار ہو گا

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ أَضْعَفُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے یہاں اہل یمن آئے ہیں جو نرم دل اور رقیق القلب ہیں

قُلُوبًا وَأَرَقُّ أَفْئِدَةً الْفِقْهُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ

دین کی سمجھ یمن والوں میں ہے اور حکمت بھی یمن کی ہے

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِيْ حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا مَعَ ابْنِ مَسْعُودٍ فَجَاءَ خَبَّابٌ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَيَسْتَطِيعُ

علقمہ فرماتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں خباب بن ارتؓ تشریف لائے اور کہا کہ ابوعبدالرحمٰن! کیا یہ نوجوان (جو آپ کے شاگرد ہیں)

هٰؤُلَاءِ الشَّبَابُ أَنْ يَّقْرَءُوا كَمَا تَقْرَأُ؟ قَالَ أَمَا إِنَّكَ لَوْ شِئْتَ أَمَرْتُ بَعْضَهُمْ يَقْرَأُ عَلَيْكَ

اسی طرح قرآن پڑھ سکتے ہیں جیسے آپ پڑھتے ہیں؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں کسی سے تلاوت کے لیے کہوں کہ وہ آپ کو پڑھ کر سنائے؟

قَالَ أَجَلْ قَالَ اقْرَأْ يَا عَلْقَمَةُ فَقَالَ زَيْدُ بْنُ حُدَيْرٍ أَخُوْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ أَتَأْمُرُ عَلْقَمَةَ أَنْ يَّقْرَأَ

انہوں نے فرمایا کہ ضرور، اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: علقمہ! تم پڑھو، زید بن حدیر جو زیاد بن حدیر کے بھائی ہیں وہ بولے کہ آپ علقمہ سے تلاوت قرآن کے لیے

وَلَيْسَ بِأَقْرَئِنَا؟ قَالَ أَمَا إِنَّكَ إِنْ شِئْتَ أَخْبَرْتُكَ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرماتے ہیں، حالانکہ وہ ہم سب سے اچھے قاری نہیں ہیں، تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہ حدیث سنا دوں جو رسول اللہ ﷺ نے

فِيْ قَوْمِكَ وَقَوْمِهِ فَقَرَأْتُ خَمْسِينَ آيَةً مِنْ سُورَةِ مَرْيَمَ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ كَيْفَ تَرَى؟ قَالَ

تمہاری اور اس کی قوم کے حق میں فرمائی تھی، علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے سورۂ مریم کی پچاس آیتیں پڑھ کر سنائیں، تو عبداللہ بن مسعودؓ نے خبابؓ سے پوچھا کہو کیسا پڑھتا ہے؟

قَدْ أَحْسَنَ قَالَ عَبْدُ اللهِ مَا أَقْرَأُ شَيْئًا إِلَّا وَهُوَ يَقْرَؤُهُ ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى خَبَّابٍ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ

خبابؓ نے کہا کہ بہت خوب پڑھا، تو عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ جو آیت بھی میں جس طرح پڑھتا ہوں علقمہ بھی اسی طرح پڑھتا ہے، پھر انہوں نے خبابؓ کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ

مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ أَلَمْ يَأْنِ لِهٰذَا الْخَاتَمِ أَنْ يُّلْقَى؟ قَالَ أَمَا إِنَّكَ لَنْ تَرَاهُ عَلَيَّ بَعْدَ الْيَوْمِ فَأَلْقَاهُ

میں سونے کی انگوٹھی تھی، تو فرمایا کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے کہ یہ انگوٹھی پھینک دی جائے، تو خبابؓ نے کہا کہ آج کے بعد آپ یہ انگوٹھی میرے ہاتھ میں نہیں دیکھیں گے،

رَوَاهُ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ

چنانچہ انہوں نے انگوٹھی اتار دی، اسی حدیث کو غندر نے شعبہ سے روایت کیا ہے

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا یہ نوجوان جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، یہ آپ کی طرح قرآن پڑھ سکتے ہیں؟ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں کسی سے تلاوت کے لیے کہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ ضرور کہیں، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **اقْرَأْ يَا عَلْقَمَةُ** ۔اس پر مشہور تابعی زیاد بن حدیر رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی زید بن حدیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ علقمہ ہی سے تلاوت کرنے کے لیے فرماتے ہیں حالانکہ وہ ہم سب سے اچھے قاری نہیں ہیں۔تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان

سے فرمایا: أَمَا إِنَّكَ إِنْ شِئْتَ أَخْبَرْتُكَ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْمِكَ وَقَوْمِهِ یعنی اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہ حدیث سنادوں جو رسول اللہ ﷺ نے تمہاری قوم اور علقمہ کی قوم کے متعلق فرمائی ہے۔

یہاں بخاری میں اس حدیث کا ذکر نہیں ہے، درحقیقت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق قبیلہ نخع سے تھا، جو یمن کا مشہور قبیلہ ہے اور زید بن حدیر رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق بنو اسد سے تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں قبیلوں نخع اور بنو اسد کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے، وہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعو لهذا الحي من النخع ويثني عليهم حتى تمنيت اني رجل منهم کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، تو آپ نے قبیلہ نخع کے لیے دعا فرمائی اور ان کی تعریف کی یہاں تک کہ مجھے اس بات کی تمنا ہونے لگی کہ کاش میں بھی اس قبیلہ کا ایک فرد ہوتا اور بنو اسد کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا ان جهينة وغيرها خير من بني اسد یعنی بنو اسد کے مقابلہ میں آپ ﷺ نے جهينة اور دوسرے قبائل کو ترجیح دی ہے۔ تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے زید بن حدیر رحمۃ اللہ علیہ کو علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ ترجیح بتائی کہ علقمہ کی قوم کی تعریف آپ ﷺ نے فرمائی ہے اور تمہاری قوم کو تو جهينة کے مقابلہ میں بھی مرجوح قرار دیا ہے۔

بہر حال حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے سورۂ مریم کی پچاس آیات کی تلاوت کی، تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس نے کیسی تلاوت کی؟ تو انہوں نے فرمایا: قَدْ أَحْسَنَ اچھی تلاوت کی۔

ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى خَبَّابٍ: پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ ذَهَبٍ اور حال یہ تھا کہ انہوں نے سونے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ اب چونکہ سونے کی انگوٹھی پہننا مرد کے لیے ناجائز ہے اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے سونے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فوراً اس پر تنبیہ نہیں فرمائی بلکہ مناسب موقع کا انتظار فرمایا، پہلے قرآن مجید وغیرہ سننے سنانے کا سب قصہ ہو گیا، اس کے بعد تنبیہ فرمائی اور تنبیہ میں بھی بجائے طعن و تشنیع کے حسن تعبیر کو اختیار کرتے ہوئے فرمایا: أَلَمْ يَأْنِ لِهٰذَا الْخَاتَمِ أَنْ يُّلْقَى؟ کیا اس انگوٹھی کے لیے یہ وقت نہیں آگیا کہ اب اس کو اتار دیا جائے؟ یعنی تنبیہ میں قرآن مجید کے انداز کو اختیار کیا، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ تو اسی انداز سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا: أَلَمْ يَأْنِ لِهٰذَا الْخَاتَمِ أَنْ يُّلْقَى؟

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو بھی اندازہ ہو گیا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، تو انہوں نے بغیر کسی حیل و حجت کے حق بات کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: أَمَا إِنَّكَ لَنْ تَرَاهُ عَلَيَّ بَعْدَ الْيَوْمِ آج کے دن کے بعد آپ کبھی مجھے اس قسم کی انگوٹھی پہنے ہوئے نہیں دیکھیں گے۔ معلوم ہوا کہ بات کہنے کا سلیقہ ہونا چاہیے اور موقع بھی مناسب ہونا چاہیے۔ فَأَلْقَاهُ چنانچہ

انہوں نے اسی وقت وہ انگوٹھی اتار دی۔

اب یہ سوال ہوسکتا ہے کہ سونے کی انگوٹھی پہننا مرد کے لئے حرام ہے، اس کے باوجود حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے سونے کی انگوٹھی کیوں پہنی ہوئی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ حرمت کی حدیث کو نہی تنزیہی پر محمول کرتے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نہی کی حدیث ان تک پہنچی ہی نہ ہو، چنانچہ جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں مردوں کے لیے اس کے استعمال کی حرمت بتادی، تو انہوں نے اس کا استعمال ترک کردیا۔

اس روایت میں چونکہ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کے قبیلے نخع کا ذکر ضمنی طور پر آیا ہے اور قبیلہ نخع کا تعلق یمن سے ہے، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت اس باب میں ذکر فرمائی۔

بَابُ قِصَّةِ دَوْسٍ وَالطُّفَيْلِ بْنِ عَمْرٍو الدَّوْسِيِّ

باب: قبیلہ دوس اور طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا بیان

حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ ذَكْوَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قبیلہ دوس تو ہلاک ہوگیا، اس نے نافرمانی اور انکار کیا

إِنَّ دَوْسًا قَدْ هَلَكَتْ عَصَتْ وَ أَبَتْ فَادْعُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَأْتِ بِهِمْ

(اسلام قبول نہیں کیا) آپ اللہ سے ان کے لیے بد دعا کیجئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور انہیں میرے پاس لے آ

یمن اور اس کے گردونواح میں قبیلہ دوس آباد تھا، طفیل بن عمرو اس قبیلے کے رؤساء میں سے تھے، یہ بڑے علم و دانش والے اور مشہور شاعر تھے، قبیلہ دوس کے قریش کے ساتھ حلیفانہ تعلقات تھے، طفیل بن عمرو ہجرت سے قبل سن ۱۱ نبوی میں مکہ مکرمہ آئے تو قریش کے بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ آج کل ہمارے ہاں ایک شخص نے سارے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیا ہے، اس کا کلام ساحرانہ ہے، باپ، بیٹے اور میاں بیوی تک میں جدائی کرا دیتا ہے، اس لیے اس بات کی کوشش کرنا کہ اس کی کوئی بات آپ کے کان تک نہ پہنچے، ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں آپ اور آپ کی قوم بھی اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوجائیں، طفیل بن عمرو قریش کی اس بات سے اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کلام کہیں ان کے کان میں نہ پڑ جائے، ایک روز صبح سویرے طفیل بن عمرو خانہ کعبہ گئے، تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے ہیں، انہوں نے سوچا کہ آخر میں عقل و دانش رکھتا ہوں، اچھے اور برے کلام میں تمیز کرسکتا ہوں، مجھے یہ کلام سننا چاہیے، اگر اچھا ہوگا تو قبول کرلوں گا اور اگر برا ہوگا تو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے کانوں سے روئی نکالی اور قرآن سنا اور اتنے متاثر

ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ جب فارغ ہو کر گھر تشریف لے آئے، تو طفیل بن عمرو بھی آپ کے گھر پہنچ گئے اور تمام واقعہ سنانے کے بعد عرض کیا کہ آپ مجھ پر اپنا دین پیش فرمائیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کا تعارف کرایا تو وہ مسلمان ہو گئے۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی کہ اپنے قبیلے جائیں اور انہیں اسلام کی دعوت دیں، چنانچہ یہ اپنے قبیلے گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن اکثریت نے اسلام قبول نہیں کیا، یہ مایوسی کے عالم میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: إِنَّ دَوْسًا قَدْ هَلَكَتْ عَصَتْ وَأَبَتْ فَادْعُ اللهَ عَلَيْهِمْ کہ قبیلہ دوس ہلاک ہو گیا، انہوں نے نافرمانی کر کے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، لہٰذا آپ ان کے لیے بددعا کیجیے، لیکن رسول اللہ ﷺ تو رحمة للعلمین ہیں، آپ ﷺ نے بددعا کی بجائے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَأْتِ بِهِمْ اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت عطا فرما اور انہیں میرے پاس لے آ، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور قبیلہ دوس کو ہدایت عطا فرمائی، چنانچہ اس قبیلے کے ستر یا اسّی لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے، قبیلہ دوس کا یہ وفد سن ۷ ہجری میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ قَيْسٍ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ فِي الطَّرِيقِ يَا لَيْلَةً مِنْ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے وطن سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلا تو راستے میں، میں نے یہ شعر پڑھا

طُولِهَا وَعَنَائِهَا عَلَى أَنَّهَا مِنْ دَارَةِ الْكُفْرِ نَجَّتِ وَأَبَقَ غُلَامٌ لِي فِي الطَّرِيقِ فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلَى
(ترجمہ) یہ لمبی رات کیسی تکلیف کی ہے، خیر اس نے کفر سے مجھے نجات دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میرا غلام راستے میں بھاگ گیا تھا، پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ فَبَيْنَا أَنَا عِنْدَهُ إِذْ طَلَعَ الْغُلَامُ فَقَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ
اور آپ سے بیعت کی، ابھی آپ کے پاس میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ مجھے وہ غلام دکھائی دیا، تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ هٰذَا غُلَامُكَ فَقُلْتُ هُوَ لِوَجْهِ اللهِ فَأَعْتَقْتُهُ
ابوہریرہ! یہ تمہارا غلام ہے، میں نے کہا اللہ کے لیے میں نے اس کو اب آزاد کر دیا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ احادیث (تقریباً ۵۳۷۴) ان ہی سے منقول ہیں، اسلام سے پہلے ان کا نام عبدالشمس تھا، جبکہ اسلام کے بعد ان کا نام عبدالرحمن تجویز ہوا، لیکن یہ اپنی کنیت ابو ہریرہ سے مشہور ہیں، ۷۸ برس کی عمر پائی اور سن ۵۹ ہجری میں انتقال فرما کر جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔
چونکہ ان کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا اس مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو یہاں ذکر فرمایا ہے۔

بَابُ قِصَّةِ وَفْدِ طَيِّءٍ وَحَدِيثِ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ

باب: قبیلہ طے کے وفد اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا قصہ

عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کے قبیلے طی کا پندرہ افراد پر مشتمل وفد سن ۹ یا ۱۰ ہجری میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کا سردار زید الخیل تھا، البتہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اس وفد کے ساتھ نہیں آئے تھے، حضور اقدس ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں سب خوشدلی سے مسلمان ہو گئے، آپ ﷺ نے زید الخیل کا نام زید الخیر تجویز فرمایا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ یوں پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ربیع الاخر سن ۹ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ قبیلہ طی کے بت فلس کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا، انہوں نے وہاں جا کر حملہ کیا، بت خانہ کو منہدم کر کے نذر آتش کر دیا اور کچھ لوگ گرفتار ہوئے، ان قیدیوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی تھیں، عدی بن حاتم لشکر اسلام کی خبر سنتے ہی شام کی طرف فرار ہو گئے تھے، جب قیدی مدینہ لائے گئے تو حاتم کی بیٹی سفانہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: هلك الوالد و غاب الوافد فامنن عليّ منّ الله عليك کہ میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور میری خبر گیری کرنے والا فرار ہو چکا ہے، آپ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ آپ پر احسان فرمائے گا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: و من وافدک؟ کہ تمہاری خبر گیری کرنے والا کون تھا؟ تو سفانہ نے عرض کیا کہ میرا بھائی عدی بن حاتم، تو آپ ﷺ نے فرمایا: الفار من الله و رسوله؟ کہ یہ وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگا ہے؟ خیر! میں تجھ پر احسان کرتا ہوں، لیکن جانے میں جلدی نہ کرنا، جب تمہاری قوم کا کوئی قابل اطمینان شخص مجھے مل جائے گا تو میں تمہیں اس کے ساتھ روانہ کر دوں گا، تین دن کے بعد قبیلہ طی کے کچھ افراد شام جانے والے مل گئے، تو نبی کریم ﷺ نے سفانہ کو زاد راہ، سواری اور کچھ جوڑے دے کر رخصت فرمایا، سفانہ آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئیں، اور آپ ﷺ سے رخصت ہو کر سیدھی شام اپنے بھائی کے پاس پہنچیں اور تمام حالات بیان کئے، عدی نے اپنی بہن سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے، مجھے کیا کرنا چاہئے؟ تو انہوں نے کہا تم جلد از جلد ان سے ملو، اگر وہ نبی ہیں تو ان کی طرف سبقت کرنا باعث فضیلت ہے اور بادشاہ ہیں تو باعث عزت ہے، چنانچہ عدی بن حاتم خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل نصرانی تھے، سن ۹ یا ۱۰ ہجری میں مسلمان ہوئے، عراق کی فتح میں شریک تھے، ایک سو بیس یا ایک سو اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ أَتَيْنَا عُمَرَ فِي وَفْدٍ فَجَعَلَ يَدْعُو رَجُلًا رَجُلًا وَيُسَمِّيهِمْ فَقُلْتُ

حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک وفد کی شکل میں آئے، وہ ایک ایک شخص کو نام لے لے کر بلاتے جاتے تھے، تو میں نے ان سے کہا:

أَمَا تَعْرِفُنِي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَ بَلَى أَسْلَمْتَ إِذْ كَفَرُوا وَأَقْبَلْتَ إِذْ أَدْبَرُوا وَ وَفَيْتَ

اے امیر المؤمنین! کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟ تو فرمایا کہ کیوں نہیں تم تو اس وقت اسلام لائے جب یہ سب کفر پر قائم تھے اور تم نے اس وقت توجہ کی جب یہ سب منہ موڑ رہے تھے

إِذْ غَدَرُوا وَعَرَفْتَ إِذْ أَنْكَرُوا فَقَالَ عَدِيٌّ فَلَا أُبَالِي إِذًا

اور تم نے اس وقت وفا کی جب یہ سب بے وفائی کر رہے تھے اور تم نے اس وقت پہچانا جب ان سب نے انکار کیا تھا، تو عدیؓ نے فرمایا کہ بس اب مجھے کوئی پرواہ نہیں

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے پاس آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارکان وفد میں سے ایک ایک آدمی کو اس کا نام لے کر پکارنا شروع کیا، لیکن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ چونکہ ایک ایسے بڑے سردار کے بیٹے ہیں، جو اپنی سخاوت میں بہت مشہور و معروف تھے، اس لیے ان کو یہ خیال ہوا کہ میرا نام کیوں نہیں لیا گیا، چنانچہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: أَمَا تَعْرِفُنِي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ امیر المومنین! کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بَلَى کیوں نہیں، أَسْلَمْتَ إِذْ كَفَرُوا وَأَقْبَلْتَ إِذْ أَدْبَرُوا وَ وَفَيْتَ إِذْ غَدَرُوا وَعَرَفْتَ إِذْ أَنْكَرُوا تم اس وقت مسلمان ہوئے جب یہ لوگ کافر تھے اور تم اس وقت حاضر ہوئے جب انہوں نے پشت پھیری اور تم نے اس وقت وفا کی جب ان لوگوں نے غدر و بے وفائی کی اور تم نے اس وقت (اسلام) کو پہچانا جب ان لوگوں نے اسلام سے اجنبیت کا اظہار کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد قبیلۂ طی کے بعض لوگ مرتد ہو گئے تھے اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، اسی طرح اس قبیلے کے بعض افراد مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آئے تھے، لیکن حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اسلام پر جمے رہے اور جو لوگ ان کے زیر اثر تھے، انہیں بھی ردّت اور مسیلمہ پر ایمان لانے سے باز رکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول وَأَقْبَلْتَ إِذْ أَدْبَرُوا وَ وَفَيْتَ إِذْ غَدَرُوا وَعَرَفْتَ إِذْ أَنْكَرُوا میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بہر حال جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے کہا: فَلَا أُبَالِي إِذًا تب تو مجھے کوئی پرواہ نہیں یعنی جب آپ مجھے اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں تو اگر میرا نام نہیں بھی لیا تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

بَابُ حَجَّةِ الْوَدَاع

باب: حجۃ الوداع کا بیان

یہاں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حجۃ الوداع کو بیان فرمارہے ہیں، حج حاء کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے اور وداع واؤ کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے، وداع کے مشہور معنی ہیں: رخصت کرنا، حج فرض ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک مرتبہ سن ۱۰ ہجری میں حج کیا ہے، اور وہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری حج ہے، اس حج کے تین ماہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا۔

حجۃ الوداع کا کتاب المغازی سے کیا تعلق ہے؟

کتاب المغازی سے اصل مقصود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت (ما بعد الھجرۃ) کا بیان ہے، مدینہ منورہ میں پیش آنے والے تمام اسفار وواقعات، چاہے وہ غزوات ہوں، یا حج وعمرہ سے متعلق ہوں سب اس میں شامل ہیں، اسی طرح اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلۃ الوفود کو بھی بیان فرمایا ہے اور آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا بھی بیان ہوگا۔

حجۃ الوداع وجہ تسمیہ

اس حج کے چار نام ہیں: ❶ حجۃ الوداع ❷ حجۃ الاسلام ❸ حجۃ التمام والکمال ❹ حجۃ البلاغ۔

❶ حجۃ الوداع: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ہی میں اس حج کا نام حجۃ الوداع پڑ گیا تھا، بظاہر اس کی وجہ یہ تھی کہ اس حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو الوداع کہا تھا اور فرمایا تھا: لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا شاید اس کے بعد میری تم لوگوں سے سے ملاقات نہ ہوسکے۔

❷ حجۃ الاسلام: کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض حج تھا، حج کی فرضیت نازل ہونے کے بعد اسلامی رکن کی حیثیت سے یہی حج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمایا۔

❸ حجۃ التمام والکمال: کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس حج کے دوران قرآن شریف کی آیت: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا نازل ہوئی۔

❹ حجۃ البلاغ: کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حج میں مختلف خطبات ارشاد فرمائے، ان خطبات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الا ھل بلغت یعنی کیا میں نے اللہ کا پیغام آپ لوگوں تک پہنچا دیا۔

حج کی فرضیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج

سن ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا، فتح مکہ کے بعد قرآن کریم کی آیت: وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ نازل ہوئی، راجح قول کے مطابق اسی آیت مبارکہ کے ذریعے حج کی فرضیت نازل ہوئی، ہجرت کے نویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حج نہیں فرمایا بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا جس کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں عرب کے لوگ حج کے دوران رسومات قبیحہ جیسے بیت اللہ کا ننگا طواف کرنا وغیرہ میں مبتلا تھے، اسی طرح مشرکین مکہ مہینوں کو آگے پیچھے کر دیا کرتے تھے، جس کو قرآن کی اصطلاح میں نسیء (ماہ حرام کو حلال اور اس کی جگہ ماہ حلال کو حرام قرار دینا) کہتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ. تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ کیا اور ان رسومات باطلہ کے ختم کئے جانے کا اعلان فرمایا اور اگلے سال سن ۱۰ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا۔

چنانچہ ماہ ذیقعدہ کے شروع ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی تیاری شروع فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ بھی حج کی تیاری کریں، ۲۵ ذیقعدہ بروز ہفتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک عظیم الشان اور مبارک مجمع اپنے ساتھ لے کر حج کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، ابن حزم رحمہ اللہ علیہ وغیرہ نے جمعرات کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خروج بتایا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ نے تمام روایات کی تحقیق کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بروز ہفتہ ظہر کی نماز مدینہ منورہ میں پڑھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے، تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں ساتھ تھیں۔ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کا یہ سفر نو دن جاری رہا اور چار ذی الحجہ بروز اتوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ پہنچے، ۲۵ ذیقعدہ بروز ہفتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی ہوئی تھی، اس سال ماہ ذیقعدہ انتیس دن کا تھا، گویا پانچ دن ذیقعدہ کے اور چار دن ذی الحجہ کے اس مبارک سفر میں گزرے۔ ۸ ذی الحجہ بروز جمعرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ گئے اور ۹ ذی الحجہ بروز جمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات پہنچ کر حج کا رکن اعظم وقوف عرفہ ادا فرمایا اور میدان عرفات میں ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، ۱۰ ذی الحجہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس منیٰ تشریف لے آئے اور جمرۂ عقبیٰ کی رمی کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر مبارک کے اعتبار سے تریسٹھ اونٹ بنفس نفیس نحر کئے، جبکہ سینتیس اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ذبح کئے، اس طرح کل سو اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربان کئے گئے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق فرمایا، ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ذی الحجہ کی درمیانی راتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ

میں گزاریں، ایام منیٰ کے دوران آپ ﷺ نے طواف زیارت اور دیگر ارکان حج ادا فرمائے اور ۱۴ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے واپس مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے،

الْوَدَاعِ فَأَهْلَلْنَا بِعُمْرَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيُهْلِلْ
ہم نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ ہدی ہو، وہ عمرہ کے ساتھ حج کا بھی احرام باندھ لے

بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ لَا يَحِلَّ حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا فَقَدِمْتُ مَعَهُ مَكَّةَ وَأَنَا حَائِضٌ
اور پھر جب تک دونوں کے ارکان نہ ادا کر لے احرام نہ کھولے، پھر جب میں آپ ﷺ کے ساتھ مکہ آئی تو مجھے حیض آ گیا،

وَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَشَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اس لیے میں نہ بیت اللہ کا طواف کر سکی اور نہ ہی صفا اور مروہ کی سعی کر سکی، تو میں نے اس کی شکایت آپ ﷺ سے کی تو آپ ﷺ نے فرمایا

فَقَالَ انْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي وَ أَهِلِّي بِالْحَجِّ وَ دَعِي الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ فَلَمَّا قَضَيْنَا الْحَجَّ
کہ سر کھول لو اور کنگھی کر لو اور اس کے بعد حج کا احرام باندھ لو اور عمرہ چھوڑ دو، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، پھر جب ہم حج ادا کر چکے

أَرْسَلَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ إِلَى التَّنْعِيمِ
تو نبی کریم ﷺ نے مجھے (میرے بھائی) عبدالرحمن بن ابی بکر کے ساتھ تنعیم سے (عمرہ کی) نیت کرنے کے لیے بھیجا

فَاعْتَمَرْتُ فَقَالَ هٰذِهِ مَكَانَ عُمْرَتِكِ قَالَتْ فَطَافَ الَّذِينَ أَهَلُّوا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَ بَيْنَ
اور میں نے عمرہ کیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہارے اس چھوٹے ہوئے عمرہ کے بدلے ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جن لوگوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا،

الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلُّوا ثُمَّ طَافُوا طَوَافًا آخَرَ بَعْدَ أَنْ رَجَعُوا مِنْ مِنًى وَأَمَّا الَّذِينَ جَمَعُوا
انہوں نے بیت اللہ کے طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کے بعد احرام کھول دیا، پھر منیٰ سے واپسی کے بعد انہوں نے دوسرا طواف (حج کا) کیا، لیکن جن لوگوں نے حج اور عمرہ دونوں

الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَإِنَّمَا طَافُوا طَوَافًا وَاحِدًا
کا احرام ایک ساتھ باندھا تھا، انہوں نے ایک ہی طواف کیا

فَأَهْلَلْنَا بِعُمْرَةٍ: یہ الفاظ باقی تمام روایتوں کے برخلاف ہیں، جن میں آپ ﷺ کا حج کا احرام باندھنے کی صراحت ہے۔ کتاب الحج کی روایت میں ہے: قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابه صبیحة رابعة مهلین بالحج نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ آئے تو سب نے حج کا احرام باندھا ہوا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں نبی کریم ﷺ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی نیت حج ہی کی تھی، کسی نے بھی عمرے کا احرام نہیں باندھا تھا۔

حضور ﷺ نے کون سا احرام باندھا تھا؟

تقریباً بیس سے زائد صحیح اور صریح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے حج قران کیا تھا، حافظ ابن

کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البداية والنهاية میں ان احادیث کو جمع بھی فرمایا ہے اور جو روایات اس کے علاوہ ہیں ان کی وضاحت بھی فرمائی ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اختیار دیا تھا کہ وہ اقسام حج میں سے جس قسم کے حج کا احرام باندھنا چاہیں باندھ لیں لیکن جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ لَا يَحِلَّ حَتَّى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيْعًا کہ جو لوگ اپنے ساتھ ہدی کا جانور لائے ہیں وہ اپنے احرام سے اس وقت تک حلال نہیں ہوں گے جب تک حج اور عمرہ دونوں ادا نہیں کر لیتے اور جو لوگ اپنے ساتھ ہدی کا جانور نہیں لائے ہیں وہ عمرہ کر کے اپنے احرام سے حلال ہو جائیں اور ۸ ذی الحجہ کو دوبارہ حج کا احرام باندھیں، چنانچہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے پاس ہدی کا جانور نہیں تھا وہ عمرہ کر کے اپنے احرام سے فارغ ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عذر اور تنعیم سے عمرہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی ہدی کا جانور نہیں تھا اس لئے وہ بھی عمرہ کے احرام میں تھیں، لیکن وہ جب مکہ مکرمہ کے قریب مقام سرف پہنچیں تو ان کے ماہواری کے ایام شروع ہو گئے، چنانچہ ابوداؤد شریف کی رویت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حج کے سفر کے دوران جب ہم سرف پہنچے تو مجھے ماہواری شروع ہو گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں رو رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ایام حیض شروع ہو گئے ہیں، شاید اب میں حج نہ کر پاؤں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مجھے تسلی دیتے ہوئے) فرمایا: سبحان الله! إنما ذلك شيء كتبه الله على بنات آدم فقال انسكي المناسك كلها غير ان لا تطوفي بالبيت کہ یہ وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے، تو جیسے حاجی کر رہے ہیں ویسے ہی کرتی جاؤ، البتہ اس حال میں بیت اللہ کا طواف مت کرنا (یعنی بیت اللہ کا طواف پاک ہونے کے بعد کر لینا) جبکہ مذکورہ بالا روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: انْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي وَأَهِلِّي بِالْحَجِّ وَدَعِي الْعُمْرَةَ اپنا سر کھول لو، کنگھی کر لو اور عمرہ کو ترک کر کے حج کا احرام باندھ لو۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسے ہی کیا پھر جب حج مکمل ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تنعیم بھیجا، جہاں سے احرام باندھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ ادا فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: هٰذِهٖ مَكَانَ عُمْرَتِكِ۔

مسئلہ: اگر کوئی عورت (متمتعة) میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئے اور اس کے ایام حیض شروع ہو جائیں اور حج سے پہلے اسے عمرہ کرنے کا موقع نہ ملے، تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے عمرہ کا احرام فسخ کر دے اور حج کا احرام باندھ کر حج کر لے، اب اس کا حج، حج تمتع نہیں بلکہ حج افراد ہو جائے گا، لہٰذا اس پر دم شکر لازم نہیں ہوگا

البتہ عمرہ کا احرام فسخ کرنے کی وجہ سے اس عورت پر دم جبر لازم ہوگا اور بعد میں اس عمرہ کی قضاء بھی کرنی ہوگی۔

وَأَمَّا الَّذِينَ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَإِنَّمَا طَافُوا طَوَافًا وَاحِدًا: حج قران کرنے والا دو طواف (طواف عمرہ اور طوف حج) اور دو سعی (سعی عمرہ اور سعی حج) کرے گا یا ایک طواف اور ایک سعی کرے گا یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

❶ احناف کے نزدیک قارن (قران کرنے والا) دو طواف اور دو سعی کرے گا، ایک طواف اور ایک سعی عمرہ کے لئے اور دوسرا طواف وسعی حج کے لئے۔

❷ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قارن ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کری سعی کرے گا۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر قران کرنے والوں نے صرف ایک طواف کیا تھا لیکن ان حضرات کا یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قران کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اول سے آخر تک ایک ہی طواف کیا ہے، یہ بات روایات صحیحہ معتبرہ کے خلاف ہے اور خود ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے مسلک کے بھی خلاف ہے، کیونکہ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دخول مکہ کے روز طواف قدوم کیا، پھر ۱۰ ذی الحجہ کو طواف زیارت ادا فرمایا اور اخیر میں طواف وداع کیا، اس لئے ایک طواف والی روایت کے معنی ومفہوم میں محدثین عظام کے اقوال مختلف ہیں:

❶ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تاویل کی ہے کہ طواف واحد سے مراد طواف زیارت ہے، یعنی عمرہ کا طواف فرض اور حج کا طواف فرض ملا کر ایک طواف کیا، مطلب یہ ہے کہ عمرہ کے ارکان حج کے ارکان میں شامل ہو گئے۔

❷ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے مقصود طواف کی وحدت یا تعدد بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ متمتع کے لئے دو طوافوں کے درمیان تحلل ہوگا اور قارن کے لئے درمیان میں تحلل نہیں ہوگا، لہٰذا **طَافُوا طَوَافًا وَاحِدًا** کے معنی یہ ہیں کہ حج وعمرہ دونوں سے حلال ہونے کے لئے قران کرنے والوں نے ایک ہی طواف (طوف زیارت) کیا، یعنی طواف زیارت کر کے دونوں احراموں سے حلال ہو گئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت اور اس طرح کی طواف واحد والی روایات میں کثیر احتمالات ہیں، اس لئے ان سے کوئی دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا، جبکہ اس کے برخلاف حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کی روایات سے واضح طور پر دو طوافوں کا ثبوت ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ فَقَدْ حَلَّ فَقُلْتُ مِنْ أَيْنَ؟ قَالَ هٰذَا ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ مِنْ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (احرام والا) صرف بیت اللہ کے طواف سے حلال ہوسکتا ہے۔ (ابن جریج نے کہا) میں نے عطاء سے پوچھا کہ ابن عباسؓ نے یہ بات کیسے کہی؟

قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ وَمِنْ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابَهُ أَنْ

توانہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ سے اور آپ ﷺ کے اس حکم کی وجہ سے جو آپ نے اپنے اصحاب کو حجۃ الوداع میں احرام کھول دینے

يَحِلُّوا فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ قُلْتُ إِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ بَعْدَ الْمُعَرَّفِ قَالَ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَرَاهُ قَبْلُ وَبَعْدُ

کے لیے دیا تھا، میں نے کہا کہ یہ حکم تو عرفات میں ٹھہرنے کے بعد کے لیے ہے، تو عطاءؒ نے کہا کہ لیکن ابن عباسؓ کا یہ مذہب عرفات سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں تھا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بعض مسائل میں مخصوص رائے

یہاں اتنی بات سمجھ لینا کافی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حج کے کچھ مسائل کے بارے میں خصوصی آراء تھیں، جس میں ان کا مؤقف جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف تھا، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کوئی شخص کوئی بھی احرام باندھے (افراد کا تمتع کا یا قران کا) وہ جب بیت اللہ کا طواف کرے گا تو وہ اپنے احرام سے حلال ہو جائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے اس مؤقف میں متفرد تھے، جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا قول ان کے موافق نہیں ہے اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے بھی کسی نے اس قول کو اختیار نہیں کیا، بعض علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی توجیہات بیان کی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری توجیہات صرف توجیہات ہی ہیں اور تکلف سے خالی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام علماء یہی نقل کرتے چلے آرہے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے موافق نہیں ہے، لہٰذا تاویلات کر کے ان کا مؤقف جمہور کے موافق بنانا توجیہ القول بما لا یرضی به القائل کی قبیل سے ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی مختلف توجیہات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وبالجملة فلا يخلو هذا المقام من الشبهة والاوهام۔

حَدَّثَنِيْ بَيَانٌ حَدَّثَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ طَارِقًا

عَنْ أَبِيْ مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ وادی بطحاء میں قیام پذیر تھے،

بِالْبَطْحَاءِ فَقَالَ أَحَجَجْتَ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ كَيْفَ أَهْلَلْتَ؟ قُلْتُ لَبَّيْكَ بِإِهْلَالٍ كَإِهْلَالِ

آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے حج کا احرام باندھ لیا؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، تو دریافت فرمایا کہ کس طرح احرام باندھا ہے؟ عرض کیا (اس طرح) کہ میں بھی اسی طرح احرام

رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طُفْ بِالْبَيْتِ وَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حِلَّ فَطُفْتُ

باندھتا ہوں جس طرح نبی کریم ﷺ نے باندھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے بیت اللہ کا طواف (عمرے کا) کرو، پھر صفا اور مروہ کی سعی کرو اور پھر حلال ہو جاؤ،

بِالْبَيْتِ وَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَأَتَيْتُ امْرَأَةً مِنْ قَيْسٍ فَفَلَتْ رَأْسِيْ

چنانچہ میں بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کر کے قبیلہ قیس کی ایک عورت کے گھر آیا اور انہوں نے میرے سر سے جوئیں نکالیں

حَدَّثَنِيْ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ أَخْبَرَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ حَفْصَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يَحْلِلْنَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَتْ حَفْصَةُ
کو حکم دیا کہ (عمرہ کرنے کے بعد) حلال ہو جائیں (یعنی احرام کھول دیں) تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا (یا رسول اللہ!) پھر آپ کیوں نہیں حلال ہوتے؟
فَمَا يَمْنَعُكَ؟ فَقَالَ لَبَّدْتُ رَأْسِي وَ قَلَّدْتُ هَدْيِي فَلَسْتُ أَحِلُّ حَتّٰى أَنْحَرَ هَدْيِي
تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو اپنے بالوں کو جما لیا ہے اور اپنی قربانی کو ہار پہنا دیا ہے، اس لیے میں جب تک قربانی نہ کر لوں اس وقت تک احرام نہیں کھول سکتا

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ حَدَّثَنِي شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ
عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمَ اسْتَفْتَتْ
سلیمان بن یسارؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے
رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَالْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَدِيفُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى
حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کی ہی سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے،
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ فَرِيضَةَ اللهِ عَلٰى عِبَادِهِ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا
انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اللہ کا جو فریضہ اس کے بندوں پر ہے (یعنی حج) میرے والد پر بھی فرض ہو چکا ہے
لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ فَهَلْ يَقْضِي أَنْ أُحُجَّ عَنْهُ؟ قَالَ نَعَمْ
لیکن بڑھاپے کی وجہ سے وہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں کر سکتی ہو

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک خاتون نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا، وَالْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَدِيفُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، مسئلہ یہ پوچھا کہ إِنَّ فَرِيضَةَ اللهِ عَلٰى عِبَادِهِ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا اللہ کا اپنے بندوں پر جو فریضہ عائد ہے یعنی حج اس نے میرے والد کو پا لیا ہے، جبکہ میرے والد بہت بوڑھے ہیں اور سواری پر سوار ہونے کی طاقت نہیں رکھتے، یعنی میرے والد نے فرض حج ادا نہیں کیا اور اب وہ سواری پر بیٹھنے پر بھی قادر نہیں ہیں فَهَلْ يَقْضِي أَنْ أُحُجَّ عَنْهُ؟ تو کیا ان کی طرف سے میں حج بدل کر سکتی ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں تم ان کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہو۔

عبادات میں نیابت

یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے کوئی عبادت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں یہ تفصیل ہے کہ عبادات کی تین قسمیں ہیں: ❶ عبادت بدنی جیسے نماز، روزہ ❷ دوسرے عبادت مالی جیسے زکوۃ، صدقۂ فطر ❸ تیسرے وہ عبادت جو بدنی اور مالی کا مجموعہ ہے، یعنی اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور جسمانی محنت بھی اٹھانی پڑتی ہے، جیسے حج و عمرہ وغیرہ۔ ان تینوں قسم کے احکام یہ ہیں:

❶ عبادات بدنیہ میں کسی کا فرض کوئی دوسرا شخص مطلقاً ادا نہیں کر سکتا، یعنی کسی کی نماز کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا، کسی کا

روزہ کوئی دوسرا نہیں رکھ سکتا۔

❷ عبادت مالیہ میں مطلقاً ایک کا فرض دوسرا ادا کرسکتا ہے، یعنی کوئی اپنے مال میں سے دوسرے شخص کی زکوٰۃ فرض اس کی اجازت کے ساتھ ادا کرسکتا ہے، اس میں کوئی شرط نہیں۔

❸ تیسری قسم یعنی وہ عبادت جو مالی اور بدنی سے مرکب ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ خود ادائیگی پر قادر ہونے کی حالت میں تو کوئی دوسرا اس کی طرف سے ادا نہیں کرسکتا، البتہ خود قدرت نہ ہو تو ضرورت کے وقت دوسرا آدمی اس کا فرض ادا کرسکتا ہے، حج اسی قسم میں داخل ہے، کیونکہ اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور محنت بھی۔ ضرورت کے وقت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اس فریضہ کی ادائیگی سے عاجز ہو اور خود ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس میں نیابت درست ہے۔

یہی تفصیل الحج عن المیت کی بھی ہے، البتہ الحج عن المیت کے حکم میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کسی میت پر حج فرض تھا اور وہ اپنی زندگی میں اس فریضہ کو ادا نہ کرسکا تو اس کی طرف سے حج کرنا درست ہے، لیکن وہ حج اس کے فریضہ کے قائم مقام نہ ہوگا، البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر میت نے اپنی جانب سے حج کرنے کی وصیت کی ہو تو اس کی وہ وصیت ثلث مال میں نافذ ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عند العجز نیابت درست ہے، اگر میت کے ذمہ میں حج فرض تھا، یا نذر کی وجہ سے اس کے ذمہ لازم تھا تو اب اس کی حیثیت قرض کی طرح ہے، جس کی اس کی جانب سے ادائیگی ضروری ہے، لہٰذا وہ وصیت کرے یا نہ کرے بہر صورت اس کی جانب سے حج کروانا اس کے ورثاء کے ذمہ لازم ہے، خواہ اس حج کرانے میں اس کا سارا مال خرچ ہو جائے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عند العجز حج میں نیابت میں تفصیل یہ ہے کہ اگر میت نے حج کروانے کی وصیت کی تھی، تو اس کی وہ وصیت ثلث مال میں نافذ ہوگی، چنانچہ اگر ثلث مال میں سے اس کی جانب سے حج کروانا ممکن ہو تو ورثاء کے ذمہ اس وصیت کو پورا کرانا لازم ہوگا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ میت کے وطن سے حج بدل کرنے کے لئے کسی کو بھیجا جائے گا، لیکن اگر ثلث مال میں وطن سے حج کرانا ممکن نہ ہو تو قیاس کے مطابق تو وصیت باطل ہو کر اس ثلث میں بھی میراث جاری ہوگی، لیکن استحساناً میت کو اس فریضہ سے سبکدوش کرنے کے لئے اس جگہ سے کسی کو حج بدل کے لئے بھیجا جائے گا جہاں سے ثلث مال حج کے لئے کافی ہو۔

اور اگر میت کے ذمہ حج لازم تھا اور اس نے اپنی جانب سے حج کروانے کی وصیت نہیں کی تو ورثاء کے ذمہ اس کی جانب سے حج کروانا لازم نہ ہوگا اور میت تفویت فرض اور ترک وصیت کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، البتہ اگر کوئی آدمی بطور احسان اس کی طرف سے حج بدل کردے تو از روئے ضابطہ اس کا حج فرض ادا نہ ہوگا، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنے والدین کی طرف سے یا کسی اور وارث یا اجنبی نے اپنے مرنے والے کسی عزیز کی طرف سے بغیر اس کی وصیت کے حج بدل ادا کر دیا، تو ان شاء اللہ اس کا فرض ادا ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ اس لئے فرمایا کہ کسی نص صریح سے اس کا ادا ہو جانا یقینی طور پر ثابت نہیں۔

مسئلہ: کوئی مرد کسی عورت کی طرف سے اور اسی طرح کوئی عورت کسی مرد کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے۔

حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ نَافِعٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ أَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ مُرْدِفٌ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ کی اونٹنی قصواء پر پیچھے

أُسَامَةَ عَلَى الْقَصْوَاءِ وَمَعَهُ بِلَالٌ وَ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ حَتّٰى أَنَاخَ عِنْدَ الْبَيْتِ ثُمَّ قَالَ لِعُثْمَانَ

اسامہ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما بھی تھے، آپ ﷺ نے کعبہ کے پاس اپنی اونٹنی بٹھا دی اور عثمان سے فرمایا

ائْتِنَا بِالْمِفْتَاحِ فَجَاءَهُ بِالْمِفْتَحِ فَفَتَحَ لَهُ الْبَابَ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کہ کعبہ کی کنجی لاؤ، وہ کنجی لائے اور دروازہ کھولا، تو آپ ﷺ اندر داخل ہوئے اور آپ ﷺ کے ساتھ

وَأُسَامَةُ وَبِلَالٌ وَعُثْمَانُ ثُمَّ غَلَّقُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَمَكَثَ نَهَارًا طَوِيْلًا ثُمَّ خَرَجَ وَابْتَدَرَ

اسامہ، بلال اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی اندر گئے، پھر دروازہ اندر سے بند کر لیا اور دیر تک اندر رہے، جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو لوگ اندر جانے کے لیے

النَّاسُ الدُّخُوْلَ فَسَبَقْتُهُمْ فَوَجَدْتُ بِلَالًا قَائِمًا مِنْ وَرَاءِ الْبَابِ فَقُلْتُ لَهُ أَيْنَ صَلّٰى

ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے اور میں سب سے آگے بڑھ گیا، میں نے دیکھا کہ بلال دروازے کے پیچھے کھڑے ہوئے ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے

رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ صَلّٰى بَيْنَ ذَيْنِكَ الْعَمُوْدَيْنِ الْمُقَدَّمَيْنِ وَكَانَ الْبَيْتُ

نماز کہاں پڑھی تھی؟ انہوں نے بتایا کہ اُن اگلے دو ستونوں کے درمیان جو آگے کی طرف ہیں، خانہ کعبہ میں

عَلٰى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ سَطْرَيْنِ صَلّٰى بَيْنَ الْعَمُوْدَيْنِ مِنَ السَّطْرِ الْمُقَدَّمِ وَجَعَلَ بَابَ الْبَيْتِ خَلْفَ

دو قطاروں میں چھ ستون تھے اور آپ ﷺ نے آگے کی قطار کے دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھی تھی، کعبہ کا دروازہ آپ ﷺ کی پیٹھ کی طرف تھا

ظَهْرِهِ وَاسْتَقْبَلَ بِوَجْهِهِ الَّذِيْ يَسْتَقْبِلُكَ حِيْنَ تَلِجُ الْبَيْتَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِدَارِ

اور چہرۂ مبارک اس طرف تھا جس طرف دروازے سے اندر جاتے ہوئے چہرہ کرنا پڑتا ہے، آپ ﷺ اور دیوار کے درمیان (تین ہاتھ کا فاصلہ تھا)،

قَالَ وَ نَسِيْتُ أَنْ أَسْأَلَهُ كَمْ صَلّٰى وَ عِنْدَ الْمَكَانِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ مَرْمَرَةٌ حَمْرَاءُ

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ نبی کریم ﷺ نے کتنی رکعت نماز پڑھی تھی، جس جگہ آپ نے نماز پڑھی تھی وہاں سرخ سنگ مرمر بچھا ہوا تھا

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کا بیت اللہ میں داخل ہونا

اس روایت میں جو واقعہ مذکور ہے وہ فتح مکہ سے متعلق ہے اور یہ روایت فتح مکہ کے ذیل میں گزر چکی ہے تو اشکال ہوتا ہے کہ جب اس واقعہ کا تعلق فتح مکہ سے ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے اسے حجۃ الوداع کے ذیل میں کیوں ذکر فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تھے یا نہیں، چنانچہ بعض علماء دخول اور بعض عدم دخول کے قائل ہیں، تو امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے فتح مکہ کی

حدیث یہاں ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ فتح مکہ کا سفر جو بیت اللہ شریف کی زیارت کے قصد وارادے سے نہیں ہوا تھا، بلکہ وہ سفر جہاد کے ارادے سے فرمایا تھا، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موقع پر بیت اللہ میں داخل ہوئے تھے، تو حجۃ الوداع کا سفر تو خاص بیت اللہ شریف ہی کے لیے ہوا تھا، اس لیے یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موقع پر بیت اللہ کے اندر گئے ہوں گے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کے متعلق روایت جو جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں مذکور ہے وہ روایت چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے مطابق نہیں تھی، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فتح مکہ کی روایت کو ذکر کر کے استدلال فرمایا۔

امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر فرمائی ہے: ان النبي صلى الله عليه وسلم خرج من عندها وهو مسرور ثم رجع إلي وهو كئيب فقال إني دخلت الكعبة ولو استقبلت من امري ما استدبرت ما دخلتها إني اخاف ان اكون قد شققت على امتي حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے خوش خوش تشریف لے گئے، لیکن جب واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمگین تھے اور فرمانے لگے کہ اگر مجھے اس بات کا پہلے اندازہ ہوتا جس کا اندازہ مجھے بعد میں ہوا ہے، تو میں بیت اللہ کے اندر داخل نہ ہوتا، مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ میں نے اپنی امت کے لئے مشقت کا سامان کر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ بعد میں لوگ کہیں گے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے تھے، لہٰذا ہم بھی داخل ہوں گے، اس طرح ہر حاجی حج کے موقع پر بیت اللہ کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرے گا جس سے بڑی مشکلات پیدا ہوں گی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کا بہت اہتمام فرماتے تھے کہ امت کو کوئی تکلیف نہ ہو، امت مشقت میں نہ پڑے، اس سے معلوم ہوا کہ مستحبات ونوافل پر عمل کرنا چاہیے، لیکن ان میں ایسی سختی کرنا کہ اس سختی کی وجہ سے امت مشقت میں پڑ جائے تو یہ سنت نبویہ کے خلاف ہے۔

بہر حال اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تھے، اگرچہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے، لیکن چونکہ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس سے تشریف لے گئے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر نہیں تھیں بلکہ حجۃ الوداع کے موقع پر تھیں، اس لیے یہ روایت حجۃ الوداع سے متعلق ہے، واللہ اعلم۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُمَا أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ صفیہ رضی اللہ عنہا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاضَتْ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَابِسَتُنَا هِيَ؟ فَقُلْتُ
حجۃ الوداع کے موقع پر حائضہ ہو گئی تھیں، تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا ابھی ہمیں ان کی وجہ سے رکنا پڑے گا؟ تو میں نے عرض کیا
إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَطَافَتْ بِالْبَيْتِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْتَنْفِرْ
کہ یا رسول اللہ! وہ تو طواف زیارت کر چکی ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اسے چلنا چاہئے

یہ حدیث طواف وداع سے متعلق ہے، حج کے اندر تین طواف ہوتے ہیں:

❶ طواف قدوم: یہ مکہ مکرمہ آمد کے موقع پر کیا جاتا ہے، یہ آفاقی حاجی کے لئے سنت ہے۔

❶ طواف زیارت: یہ حج کے فرائض میں سے ہے، اس کا وقت ۱۰ ذی الحجہ کی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اسے طواف افاضہ اور طواف رکن بھی کہا جاتا ہے، طواف زیارت ہر حال میں کرنا ضروری ہے اور اس کا کوئی بدل نہیں۔

❸ طواف وداع: یہ مکہ مکرمہ سے گھر روانہ ہونے سے پہلے پہلے کیا جاتا ہے، یہ آفاقی حاجی پر واجب ہے۔

مسئلہ: طواف زیارت کے بعد حاجی کوئی بھی طواف کر لے، تو وہ طواف وداع کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

توضیح روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا کو حجۃ الوداع میں حیض شروع ہو گیا، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: أَحَابِسَتُنَا هِيَ؟ کیا یہ ہمیں روک لیں گی؟ یعنی ہمیں تو مدینہ منورہ واپس جانا ہے، اگر انہوں نے طواف زیارت نہیں کیا تو ہمیں ان کی وجہ سے رکنا پڑے گا، تاکہ یہ طواف زیارت کر کے حج کے ارکان سے فارغ ہو جائیں۔ فَقُلْتُ إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَطَافَتْ بِالْبَيْتِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! انہوں نے طواف افاضہ یعنی طواف زیارت کر لیا ہے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فَلْتَنْفِرْ پھر تو صفیہ کو چاہیے کہ وہ روانہ جائیں۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

❶ اگر کسی عورت کو حیض، نفاس شروع ہو جائے، جس کی وجہ سے وہ طواف وداع نہ کر سکے تو اس سے اس طواف کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے، جیسے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے اس کا وجوب ساقط ہو گیا۔

❷ یہ بات معلوم ہوئی کہ طواف زیارت کسی صورت میں ساقط نہیں ہوتا، لہٰذا اگر طواف زیارت سے پہلے عورت کو ایام شروع ہو جائیں تو عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ وہیں رکے، پھر جب پاکی حاصل ہو جائے اور طواف زیارت کر لے تو اس کے بعد وہاں سے جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا تھا: أَحَابِسَتُنَا هِيَ؟ کیا یہ صفیہ اب ہمیں روک لیں گی؟ مطلب یہ کہ اگر انہوں نے طواف زیارت نہیں کیا تو اب ہمیں ان کی وجہ سے رکنا پڑے گا اور جب تک یہ طواف زیارت نہ کر لیں، ہم یہاں سے نہیں جا سکتے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ بِحَجَّةِ الْوَدَاعِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم حجۃ الوداع کہا کرتے تھے، جبکہ نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان

بَيْنَ أَظْهُرِنَا وَلَا نَدْرِيْ مَا حَجَّةُ الْوَدَاعِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ أَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ ذَكَرَ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ

موجود تھے اور ہم نہیں سمجھتے تھے کہ حجۃ الوداع کا مفہوم کیا ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے اللہ کی حمد اور اس کی ثناء بیان کی اور پھر مسیح دجال کا ذکر

فَأَطْنَبَ فِيْ ذِكْرِهِ وَقَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَنْذَرَ أُمَّتَهُ أَنْذَرَهُ نُوحٌ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ بَعْدِهِ

تفصیل کے ساتھ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے جتنے بھی انبیاء بھیجے ہیں، سب نے دجال سے اپنی امت کو ڈرایا ہے، نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو اس سے ڈرایا

وَإِنَّهُ يَخْرُجُ فِيكُمْ فَمَا خَفِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ شَأْنِهِ فَلَيْسَ يَخْفٰى عَلَيْكُمْ أَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ

اور دوسرے بعد میں آنے والے انبیاء نے بھی اور وہ تم ہی میں سے نکلے گا، تو یاد رکھنا کہ تم کو اس کے جھوٹے ہونے کی اور کوئی دلیل نہ معلوم ہو تو یہی دلیل کافی ہے کہ وہ مردود کانا ہوگا

وَإِنَّهُ أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنٰى كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ أَلَا إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ

اور تمہارا رب کانا نہیں اور وہ دائیں آنکھ سے کانا ہوگا، اس کی آنکھ ایسی معلوم ہوگی جیسے انگور کا دانہ، خوب سن لو کہ اللہ تعالی نے تم پر تمہارے آپس کے خون اور اموال اسی طرح حرام کئے

كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ

ہیں، جیسے اس دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینے میں ہے، ہاں بولو! کیا میں نے پہنچا دیا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ جی ہاں آپ نے پہنچا دیا، تو فرمایا کہ اے اللہ! تو گواہ رہنا، تین مرتبہ

اشْهَدْ ثَلَاثًا وَيْلَكُمْ أَوْ وَيْحَكُمْ انْظُرُوا لَا تَرْجِعُوا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

آپ ﷺ نے یہ جملہ دہرایا۔ افسوس! (آپ نے ویلکم فرمایا یا ویحکم، راوی کو شک ہے) دیکھو، میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگ جاؤ

وَلَا نَدْرِيْ مَا حَجَّةُ الْوَدَاعِ: یعنی اس حج کو ہم حجۃ الوداع کہتے تھے، لیکن حجۃ الوداع کا مفہوم ہمیں معلوم نہیں تھا، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے اس حج کے حجۃ الوداع ہونے کو سنا تھا، جس کی وجہ سے وہ اسے حجۃ الوداع کہتے رہے، لیکن وہ یہ نہیں سمجھ سکے تھے کہ اس میں حضور ﷺ کی وفات کی طرف اشارہ ہے، جب کچھ عرصہ بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی، تب انہیں اندازہ ہوا کہ اس حج کو حجۃ الوداع اسی لیے کہا گیا تھا کہ اس میں آپ ﷺ نے لوگوں کو الوداع کہا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع

حجۃ الوداع میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر دجال کا ذکر کیا، **فَأَطْنَبَ فِيْ ذِكْرِهِ** آپ ﷺ نے اس کو خوب تفصیل سے بیان کیا (**اطناب** بات کو لمبا کرنے کو کہا جاتا ہے)، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی نے اپنی امت کو (دجال کے فتنے سے) ڈرایا ہے، **أَنْذَرَهُ نُوحٌ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ بَعْدِهِ** حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اس سے ڈرایا ہے اور جتنے انبیاء علیہم السلام آپ کے بعد آتے رہے، انہوں نے بھی اپنی امتوں کو اس سے ڈرایا ہے، **وَإِنَّهُ يَخْرُجُ فِيكُمْ** اور اس دجال کا خروج تمہارے درمیان ہوگا، تو تم یہ یاد رکھنا **أَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ** کہ تمہارا رب کانا نہیں ہے، **وَإِنَّهُ أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنٰى** اور دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا **كَأَنَّ عَيْنَهُ**

عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ گویا اس کی دائیں آنکھ ایسی معلوم ہوگی جیسے پھولا ہوا انگور کا دانہ۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا، جبکہ دوسری روایت میں ہے اعور العین الیسری علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ دونوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: وکلا عین الدجال معیبة عوراء فاحداھما بذھابھا والاخری بعیبھا کہ دجال کی دونوں آنکھیں کانی اور عیب دار ہوں گی، جن میں سے ایک آنکھ تو بالکل ممسوح اور بے نور ہوگی اور دوسری آنکھ کانی ہوگی اور اعور کے معنی عیب دار کے ہیں۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اس دنیا کا سب سے بڑا فتنہ وہ دجال کا فتنہ ہے، اس کائنات میں اس سے بڑا فتنہ نہ آیا ہے اور نہ ہی آئے گا اور یہ اتنا بڑا فتنہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا، حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ میرے زمانے میں ظاہر نہیں ہوگا، اسی طرح باقی جتنے انبیاء کرام علیہم السلام آتے رہے، تو ہر نبی آکر اپنی قوم کو اس سے ڈراتا رہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے صحابہ کو اس دجال کے فتنے سے ڈراتے رہے اور اتنا ڈرایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم یہ سمجھنے لگے کہ شاید وہ ان درختوں کے جھنڈ کے پیچھے چھپا ہوا ہے اور ابھی نکل آئے گا۔

الغرض حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہر نبی نے اپنی امت کو دجال کے فتنے سے ڈرایا ہے، اس لیے ہر زمانے کے عالم کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو اور امت کے لوگوں کو دجال کے فتنے سے ڈرائے، کیونکہ دجال کا فتنہ روئے زمین کا سب سے بڑا فتنہ ہے، وہ اپنے وقت میں طرح طرح کی شعبدہ بازیاں دکھائے گا، مردوں کو زندہ کردے گا، جہاں چاہے گا قحط پڑ جائے گا، جہاں چاہے گا فراخی ہو جائے گی، جو اس کے ماننے والے ہوں گے ان پر بظاہر زندگی بہت آسان ہوگی اور جو دجال کا انکار کرنے والے ہوں گے وہ بظاہر سخت قحط، مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہوں گے، اس لیے اُس وقت میں ایمان پر ثابت قدم رہنا بڑا مشکل کام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ہمیں اور ہماری نسلوں کے ایمان کو ان فتنوں سے محفوظ رکھے، آمین۔

خطبہ حجۃ الوداع میں دوسرا تاکیدی حکم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں دو چیزوں سے اپنی امت کو بہت ڈرایا، ایک دجال کے فتنے سے اور دوسرا اس فتنے سے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر ہاتھ اٹھائے، اسے قتل کرے، اس کا مال چھینے یا اس کی عزت کو نقصان پہنچائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی تاکید سے فرمایا: أَلَا إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ خبردار! بے شک اللہ نے تمہارے اوپر حرام کیا ہے ایک دوسرے کا خون اور ایک دوسرے کا مال كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا جیسے تمہارے اس دن کی حرمت ہے، تمہارے اس شہر مکہ کی حرمت ہے اور تمہارے اس ذی الحجہ کے مہینے کی حرمت ہے۔ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ خبردار! کیا میں نے بات پہنچا دی ہے؟ قَالُوْا نَعَمْ صحابہ رضی اللہ عنہم

نے عرض کیا کہ جی ہاں، آپ نے بات پہنچادی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلَاثًا اے اللہ آپ گواہ ہوجایئے کہ میں نے ان لوگوں تک بات پہنچادی ہے اور یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَيْلَكُمْ أَوْ وَيْحَكُمْ کم بختی ہو یا فرمایا کہ افسوس ہے تم پر، اُنْظُرُوا دیکھو خیال رکھنا، لَاتَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا میرے بعد کافر مت بن جانا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ کہ تم میں سے کچھ لوگ دوسروں کی گردنیں مارنے لگیں۔

یہ کافروں کا کام ہے کہ کافر مسلمان کو مارتے ہیں، لیکن جو مسلمان ہو کر دوسرے مسلمان کو مارے تو اگر وہ اس کام کو حلال سمجھ کر کر رہا ہے تو وہ خود کافر ہے اور اگر حلال نہیں سمجھتا تو حقیقت میں تو کافر نہیں ہے مگر اس نے کافروں والا کام کیا ہے، یہ مسلمان کا کام نہیں ہے۔ گویا یہاں كُفَّارًا کا معنی حقیقی بھی ہوسکتا ہے جبکہ مارنے والا یہ سمجھے کہ یہ کام جائز اور حلال ہے کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے اور معنی مجازی بھی ہوسکتا ہے جبکہ مارنے والا حلال تو نہیں سمجھتا، حرام ہی سمجھتا ہے لیکن غصے اور عصبیت میں یا کسی اور ناجائز وجہ سے مسلمان کو قتل کر رہا ہے، اس صورت میں وہ کافر حقیقی تو نہیں ہے لیکن کافر مجازی ہے، یعنی ایسا کام کر رہا ہے، جو کافروں والا کام ہے۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ قَالَ

حَدَّثَنِيْ زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا تِسْعَ عَشْرَةَ غَزْوَةً وَأَنَّهُ حَجَّ بَعْدَ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس غزوات میں شرکت فرمائی اور ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا، اس حج کے بعد

مَا هَاجَرَ حَجَّةً وَّاحِدَةً لَمْ يَحُجَّ بَعْدَهَا حَجَّةَ الْوَدَاعِ قَالَ أَبُوْ إِسْحَاقَ وَبِمَكَّةَ أُخْرٰى

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حج نہیں کیا، یہ حج حجۃ الوداع تھا، ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ دوسرا حج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہجرت سے پہلے) مکہ میں کیا تھا

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک حج یعنی حجۃ الوداع ادا کیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور حج نہیں کیا، البتہ ہجرت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کئے، اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں:

❶ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک حج کیا ہے۔

❷ امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج ثلاث حجج حجتین قبل ان یھاجر و حجۃ بعد ما ھاجر یعنی ہجرت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حج کئے، غالباً حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ہجرت سے قبل جن دو حجوں کا ذکر کیا ہے وہ سن ۱۲ اور ۱۳ نبوی کے حج ہیں، ۱۲ نبوی میں بیعت عقبہ اولیٰ ہوئی تھی اور ۱۳ نبوی میں بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی تھی، بیعت عقبہ ثانیہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد بھی شریک تھے، اس لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ان دو حجوں کا علم ہوسکا اور باقی کا نہیں ہوا۔

❸ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل بہت سارے حج کئے۔

④ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حج حججا لا یعرف عددھا اتنے حج کئے کہ جن کا عدد معلوم نہیں۔

⑤ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال حج کرتے تھے۔

⑥ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات میں ہرگز کوئی تامل نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت سے پہلے ہر سال حج کیا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قریش حج کا بہت اہتمام کیا کرتے تھے اور بغیر کسی شدید عذر یا مجبوری کے حج نہیں چھوڑتے تھے، اسی طرح حج بقایائے ملت ابراہیمی میں سے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملت ابراہیمی کی پیروی کیا کرتے تھے، اس لیے یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل بہت سارے حج کئے ہوں گے جن کی تعداد معلوم نہیں۔

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ

عَنْ جَرِيرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ لِجَرِيرٍ اسْتَنْصِتِ النَّاسَ

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ لوگوں کو خاموش کر واؤ،

فَقَالَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، یہ بہت خوبصورت تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یوسف هذه الامة کا لقب دیا، رمضان المبارک سن ۱۰ ہجری میں مشرف باسلام ہوئے، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے چالیس روز قبل اسلام لائے، جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول درست نہیں کیونکہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں شریک تھے۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ اپنی اصل حالت پر گھوم کر آ گیا ہے، اس دن کی طرح جب اللہ نے

السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ

زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا، دیکھو! سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، تین لگاتار ہیں، ذی قعدہ،

وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَ رَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَ شَعْبَانَ أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟ قُلْنَا

ذی الحجہ اور محرم (اور چوتھا) رجب مضر جو جمادی الاولیٰ اور شعبان کے بیچ میں پڑتا ہے۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا) یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا

اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ ذُو الْحِجَّةِ؟ قُلْنَا

کہ اللہ اور اس کے رسول کو بہتر علم ہے، اس پر آپ خاموش ہو گئے، ہم سمجھے کہ شاید آپ مشہور نام کے سوا اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟

بَلٰى قَالَ فَأَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟ قُلْنَا اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ

ہم نے کہا کہ کیوں نہیں، پھر دریافت فرمایا اور یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ بہتر علم ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، ہم سمجھے کہ شاید اس کا کوئی

قَالَ أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ؟ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟ قُلْنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ
اور نام آپ رکھیں گے، جو مشہور نام کے علاوہ ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ مکہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا کہ کیوں نہیں، پھر آپ نے دریافت فرمایا اور یہ دن کون سا ہے؟ ہم نے کہا

حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهٖ قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ
کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ بہتر علم ہے، پھر آپ خاموش ہو گئے اور ہم سمجھے کہ شاید آپ اس کے مشہور نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ

وَأَمْوَالَكُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ
کیا یہ یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟ ہم نے کہا کہ کیوں نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارا خون اور تمہارا مال۔ محمد (راوی) فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ابوبکرہؓ نے یہ کہا،

بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا وَ سَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَسَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ أَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا
اور تمہاری عزت تم پر اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس شہر اور تمہارے اس مہینے میں حرام ہے اور تم بہت جلد اپنے رب سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال

بَعْدِيْ ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ
کے بارے میں سوال کرے گا، دیکھو میرے بعد تم گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو اور سن لو کہ جو یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں کو پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں،

يُبَلَّغُهُ أَنْ يَكُوْنَ أَوْعٰى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ فَكَانَ مُحَمَّدٌ إِذَا ذَكَرَهُ يَقُوْلُ صَدَقَ مُحَمَّدٌ
ہوسکتا ہے کہ جسے وہ پہنچائیں ان میں سے کوئی ایسا بھی ہو جو یہاں بعض سننے والوں سے زیادہ اس (حدیث) کو یاد رکھ سکتا ہو، محمد بن سیرین جب اس حدیث کا ذکر کرتے تو فرماتے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ مَرَّتَيْنِ
کہ محمد ﷺ نے سچ فرمایا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں نے تم تک پہنچا دیا؟ آپ ﷺ نے دو مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کئی خطبات دیئے ہیں جو مختلف روایات میں وارد ہوئے ہیں زیر نظر روایت میں حجۃ الوداع کے موقع پر منٰی میں دیا جانے والا خطبہ مذکور ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ

أَنَّ أُنَاسًا مِنَ الْيَهُوْدِ قَالُوْا لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِيْنَا لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ عِيْدًا فَقَالَ عُمَرُ
طارق بن شہاب فرماتے ہیں کہ چند یہودیوں نے کہا کہ اگر یہ آیت ہمارے اوپر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن عید منایا کرتے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَيَّةُ اٰيَةٍ؟ فَقَالُوْا اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ فَقَالَ عُمَرُ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ
کون سی آیت؟ انہوں نے کہا اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے خوب معلوم ہے

أَيَّ مَكَانٍ أُنْزِلَتْ أُنْزِلَتْ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفٌ بِعَرَفَةَ
کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی تھی، جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول ﷺ میدان عرفات میں کھڑے ہوئے تھے

یہاں أَنَّ أُنَاسًا مِنَ الْيَهُوْدِ ہے، جبکہ ایک روایت میں رجلا من الیھود اور کتاب التفسیر کی روایت میں قالت الیھود ہے۔ علامہ عینی اور علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہ کہنے والے کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ تھے اور روایات میں تطبیق کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اور بھی لوگ تھے، لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِيْنَا: اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، جیسا کہ کتاب الایمان میں رجلا من الیھود کی تصریح ہے، بعض حضرات سے منقول ہے کہ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ

عہد نبوی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے، جبکہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فيه نظر لان كعب الاحبار اسلم زمن عمر۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب سے متعلق اشکال وجواب

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ بظاہر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جواب یہودی کے سوال کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ وہ یہودی کہہ رہا ہے کہ ہم اس آیت کے نزول کے دن کو عید کا دن بنا لیتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ آیت کہاں اور کسی دن نازل ہوئی، حالانکہ جواب تو یہ ہونا چاہیے کہ اس دن کو عید کا دن بنایا یا نہیں بنایا اور اگر نہیں بنایا تو کیوں نہیں بنایا؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب حکیمانہ ہے، اس جواب کی تقریر دو طرح سے کی جا سکتی ہے:

❶ یہاں روایت مختصر ہے، طبرانی وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پورے الفاظ مذکور ہیں اور وہ یہ ہیں کہ انہوں نے فرمایا: نزلت يوم جمعة ويوم عرفة یہ آیت جمعہ کے دن اور یوم عرفہ میں نازل ہوئی وهما لنا عيدان اور یہ دونوں ہمارے لئے عید کے دن ہیں، ترمذی میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ الفاظ منقول ہیں: نزلت في يوم عيدين يوم الجمعة ويوم عرفة یہ آیت دو عیدوں والے دن نازل ہوئی جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے اس یہودی کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ تم اس دن کو عید کا دن بنانے کو کہتے ہو، حالانکہ ہمیں تو اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے یوم عید ہے، اس لئے کہ جمعہ کا دن وہ ہفتہ کی عید ہے اور یوم عرفہ جو سال کی عید ہے۔

❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کی دوسری تقریر اس طرح کی جاتی ہے کہ تم کیا سمجھتے ہو، ذرا غور تو کرو، ہمیں سب کچھ معلوم ہے کہ یہ آیت مبارکہ کہاں نازل ہوئی ہے، کب نازل ہوئی اور کس حال میں نازل ہوئی، میدان عرفات میں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر تشریف فرما تھے، جمعہ کا دن تھا اور عصر کا وقت تھا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، مگر ہم ایسے نہیں ہیں کہ اپنی طرف سے جو دن چاہیں عید کا دن مقرر کر لیں بلکہ ہم تو اللہ اور اس کے رسول کے تابع ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عُرْوَةَ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حج کے لیے) نکلے تو ہم میں سے کچھ لوگوں نے

بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ وَأَهَلَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

عمرہ کا احرام باندھا تھا اور کچھ نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حج کا احرام باندھا تھا،

وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ أَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَلَمْ يَحِلُّوا حَتَّى يَوْمِ النَّحْرِ

تو جن لوگ نے حج کا یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا، وہ قربانی کے دن تک حلال نہیں ہوئے،

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ وَقَالَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے کہا کہ ہمیں امام مالکؒ نے خبر دی اور پھر یہی حدیث بیان کی۔ اس میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع (کے لیے ہم نکلے)

فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا مَالِكٌ مِثْلَهُ

ہم سے اسماعیل بن ابی اویس نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے امام مالک نے اسی طرح حدیث بیان کی

فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ: اس پر بھی وہی اشکال ہوگا، جو پہلے گزر چکا کہ اس زمانے میں تو لوگ اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھتے ہی نہیں تھے اور اسے افجر الفجور بدترین گناہ سمجھتے تھے تو راوی نے کس طرح کہہ دیا کہ ہم میں سے بعض لوگ وہ تھے، جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ گویا تعبیر بالحاصل ہے کہ بعد میں بعض لوگوں چونکہ ہدی کا جانور اپنے ساتھ نہیں لائے تھے تو انہوں نے آپ ﷺ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے حج کے احرام کو ترک کر کے عمرہ کا احرام باندھ لیا تھا۔

آپ ﷺ نے پہلے صرف حج کا احرام باندھا تھا، لیکن بعد میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ آپ حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھیے، چنانچہ آپ ﷺ نے حج قران کا احرام باندھا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت کتاب الحج میں ذکر فرمائی ہے: اتاني الليلة آت من ربي فقال صل في هذا الوادي المبارك وقل عمرة في حجة۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ هُوَ ابْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ

عَنْ أَبِيهِ قَالَ عَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ وَجَعٍ أَشْفَيْتُ مِنْهُ

عامر بن سعد کے والد سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، بیماری کی وجہ سے میں موت کے دہانے پر تھا،

عَلَى الْمَوْتِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ بَلَغَ بِي مِنَ الْوَجَعِ مَا تَرَى وَأَنَا ذُو مَالٍ وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ لِي

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ میرا مرض اس حد کو پہنچ گیا ہے اور میرے پاس مال ہے، جس کی وارث صرف میری ایک بیٹی ہے،

وَاحِدَةٌ فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي؟ قَالَ لَا قُلْتُ أَ فَأَتَصَدَّقُ بِشَطْرِهِ؟ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثِ؟

تو کیا میں اپنا دو تہائی مال خیرات کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، میں نے عرض کیا، آدھا کر دوں؟ فرمایا کہ نہیں، میں نے کہا کہ کیا پھر تہائی کر دوں؟ تو نبی کریم ﷺ

قَالَ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ

نے فرمایا کہ ہاں تہائی اور تہائی بھی بہت ہے، تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ کر جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں

النَّاسَ وَلَسْتَ تُنْفِقُ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا حَتَّى اللُّقْمَةَ تَجْعَلُهَا فِي

اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، اگر اس سے اللہ کی رضا مقصود ہوگی تو تمہیں اس پر ثواب ملے گا، یہاں تک کہ اس لقمہ پر بھی تمہیں ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے

فِي امْرَأَتِكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِي؟ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلًا

منہ میں رکھو گے، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (بیماری کی وجہ سے) کیا میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ (مدینہ) نہیں جا سکوں گا؟ فرمایا اگر تم نہیں جا سکے تب بھی اگر تم اللہ کی

تَبْتَغِيْ بِهِ وَجْهَ اللهِ إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ دَرَجَةً وَّرِفْعَةً وَ لَعَلَّكَ تُخَلَّفُ حَتّٰى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ
رضا جوئی کے لیے کوئی عمل کرو گے تو تمہارا درجہ اللہ کے یہاں اور بلند ہو گا اور امید ہے کہ تم ابھی زندہ رہو گے اور تم سے کچھ لوگوں (مسلمانوں) کو نفع پہنچے گا

وَ يُضَرَّ بِكَ اٰخَرُوْنَ اَللّٰهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِيْ هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ لٰكِنِ الْبَائِسَ
اور کچھ لوگوں (اسلام کے دشمنوں) کو نقصان پہنچے گا، اے اللہ! میرے ساتھیوں کی ہجرت کو کامل فرما اور انہیں پیچھے نہ ہٹا، لیکن بے چارہ سعد بن خولہ،

سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ رَثٰى لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُوُفِّيَ بِمَكَّةَ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مکہ میں وفات پا جانے کی وجہ سے اس پر افسوس کا اظہار فرمایا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع کے دوران دل کا دورہ پڑا تھا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، یہاں روایت میں نہیں ہے، البتہ دوسری روایات میں ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا، تو مجھے آپ کے ہاتھوں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے اندر محسوس ہوئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں دل کی تکلیف ہے، لہٰذا تم حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ، جو قبیلہ ثقیف کا طبیب ہے، اس سے کہو کہ وہ سات عجوہ کھجوروں کو گٹھلیوں سمیت پیسے اور اس کا لدود بنا کر تمہیں پلائے۔ لدود اس دوا کو کہتے ہیں جسے پتلا کر کے منہ میں ڈالا جائے اور سعوط اس دوا کو کہتے ہیں جو ناک میں ڈالی جائے۔

اس حدیث پر تفصیلی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

حَدَّثَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَبُوْ ضَمْرَةَ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ
مجھ سے ابراہیم بن منذر نے اور ان سے ابوضمرہ انس نے اور ان سے موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا کہ وہ نافع سے اور وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں

رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُمْ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَقَ رَأْسَهُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ
کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنا سر منڈوایا تھا

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِيْ مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ أَخْبَرَهُ ابْنُ عُمَرَ
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَقَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَأُنَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ
ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے بعض اصحابؓ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سر منڈوایا تھا اور بعض صحابہؓ نے قصر کیا تھا

حج وعمرہ کے احرام سے نکلنے کے لیے حلق یعنی سر کا منڈوانا یا قصر یعنی بالوں کو کتروانا ضروری ہے، البتہ حلق افضل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر حلق کروایا تھا، جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں مذکور ہے اور کتاب الحج کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر منڈانے والوں کو تین بار اور قصر کرنے والوں کو ایک بار دعا دی ہے، البتہ عورت کے لئے حلق کروانا حرام ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو حلق کروانے سے منع فرمایا ہے اور حلق کو عورت کے حق میں مثلہ قرار دیا ہے۔

قصر کا مفہوم سر کے بال تھوڑے تھوڑے کتروانا نہیں ہے، بلکہ قصر میں لمبائی میں کم از کم ایک انملة (انگلی کا پور) اور

مقدار میں چوتھائی سر کے برابر بال کٹنے ضروری ہیں، اس سے کم بال کٹوانے کی صورت میں احرام نہیں کھلے گا، عورت کے لئے بھی لمبائی میں ایک انملة اور مقدار میں ربع رأس کے بال کٹنے ضروری ہیں، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک آدھے سر کا حلق یا قصر ضروری ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورے سر کا حلق یا قصر ضروری ہے، ایک بال بھی رہ گیا تو احرام نہیں کھلے گا، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین بال کاٹنے سے بھی احرام کھل جائے گا، غرض جو اختلاف مسح رأس میں ہے، وہی اختلاف یہاں بھی ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ

حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ أَقْبَلَ يَسِيرُ
عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر آئے

عَلَى حِمَارٍ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ بِمِنًى فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ يُصَلِّي بِالنَّاسِ
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، یہ حجۃ الوداع کا موقع تھا،

فَسَارَ الْحِمَارُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ ثُمَّ نَزَلَ عَنْهُ فَصَفَّ مَعَ النَّاسِ
ابن عباس رضی اللہ عنہما کا گدھا صف کے کچھ حصے سے گزرا، پھر وہ اتر کر لوگوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہو گئے

اگر عورت، گدھا یا کتا نمازی کے آگے سے گزر جائے تو کیا نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مسلم شریف میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فإنه يقطع صلاته الحمار والمراة والكلب الاسود، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت، گدھا اور کالا کتا یہ تینوں چیزیں نماز کو قطع کر دیتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والوں کے سامنے سے گزرنے پر نماز فاسد نہیں ہوتی، مزید یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہی حدیث کتاب العلم میں مذکور ہے، وہاں یہ اضافہ بھی منقول ہے فلم ينكر ذلك على احد یعنی کسی نے اس کی وجہ سے مجھ پر اعتراض نہیں کیا، تو بظاہر ان دونوں روایات میں تعارض ہے۔ علماء نے اس تعارض کو دور کرنے کے لئے مختلف جوابات دیئے ہیں:

1. ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ قطع صلوۃ والی حدیث منسوخ ہے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات اس کے لئے ناسخ ہیں، لہٰذا نہ کوئی تعارض ہے اور نہ ہی کوئی اشکال ہے۔
2. دوسرا جواب اور یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قطع سے مراد قطع صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ خشوع اور توجہ کا قطع کرنا مراد ہے، نماز کے وقت نمازی اپنے پروردگار کے روبرو کھڑا ہو کر اپنے خیال و توجہ کو مرکوز کر دیتا ہے، ہر طرف سے ہٹ کر اپنے رب سے ایک خاص تعلق قائم کر لیتا ہے تو ان چیزوں کے گزرنے سے وہ یکسوئی اور توجہ ختم ہو جاتی ہے اور خیال بٹ جاتا ہے۔

بہرحال امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک کسی بھی چیز کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلب اسود کے گزرنے سے نماز فاسد ہوجائے گی، جبکہ اصحاب ظواہر کے نزدیک مذکورہ تینوں چیزوں کے گزرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ سُئِلَ أُسَامَةُ وَأَنَا شَاهِدٌ عَنْ

مسدد بن مسرہد فرماتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان اور ان سے ہشام بن عروہ نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے والد عروہ نے بیان کیا کہ میری موجودگی میں حضرت اسامہؓ سے

سَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّتِهِ وَ قَالَ الْعَنَقَ فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی (سفر میں) رفتار کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ درمیانی چال چلتے تھے اور جب کشادہ جگہ ملتی تو تیز چلتے تھے

الْعَنَقَ (بفتح العين و النون) متوسط چال کو کہتے ہیں، جبکہ فَجْوَةً (بفتح الفاء و الواو و بينهما جيم ساكنة) کشادہ جگہ کو کہتے ہیں اور نَصَّ (بفتح النون و الصاد) تیز (ڈھلکی) چال کو کہتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ الْخَطْمِيِّ أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيعًا

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر مغرب اور عشاء ملا کر ایک ساتھ پڑھی تھیں

ایام حج میں جمع بین الصلوتین

ایام حج میں دو مواقع پر جمع بین الصلوتین کی جاتی ہے، جس میں سے ایک کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ۹ اور ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی رات مزدلفہ میں مغرب کی نماز کو مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، جسے جمع تاخیر کہتے ہیں، تمام ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اس پر متفق ہیں اور اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔

اسی طرح ۹ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں ظہر اور عصر کے درمیان جمع تقدیم کی جاتی ہے، یعنی عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں ظہر کی نماز کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، تمام ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مسلک ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لئے کچھ شرائط ہیں، چنانچہ یہ شرائط پائی جائیں گی تو جمع تقدیم کی جائے گی ورنہ ہر نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا ہوگا، وہ شرائط یہ ہیں:

۱ میدان عرفات میں یا اس کے قریب ہونا۔ ۲ نویں ذی الحجہ کا ہونا۔ ۳ امام وقت یا اس کے نائب کا امامت کرنا۔

۴ دونوں نمازوں میں حج کا احرام ہونا۔ ۵ ظہر کا عصر سے پہلے پڑھنا۔ ۶ دونوں نمازوں کو باجماعت پڑھنا۔

اگر ان میں سے ایک بھی شرط نہ پائی گئی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمع تقدیم جائز نہیں ہوگی، بلکہ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا واجب ہوگا۔

بَابُ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَهِيَ غَزْوَةُ الْعُسْرَةِ

باب: غزوۂ تبوک کا بیان، اور اسے غزوۂ عسرہ یعنی (تنگی کا غزوہ) بھی کہتے ہیں

یہ باب غزوۂ تبوک کے بارے میں ہے، احادیث مبارکہ میں اس غزوہ کے تین نام آئے ہیں:

۱ غزوۂ تبوک: سب سے مشہور تر نام یہی ہے، چونکہ اس غزوہ کا محل و مقام تبوک تھا، تبوک تانیث اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے، یہ مدینہ اور دمشق کے درمیان ایک مشہور مقام کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

۲ غزوة العسرة: یہ غزوہ سخت گرمی کے زمانے میں ہوا، سفر بھی لمبا تھا اور کھانے پینے اور سواریوں کی بھی تنگی تھی، اس لئے اسے غزوة العسرة یعنی تنگی اور سختی کا غزوہ کہتے ہیں۔

۳ الغزوة الفاضحة: چونکہ اس غزوہ میں منافقوں کو شرمساری ہوئی تھی اور ان کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا، اس لئے اس غزوہ کو الغزوة الفاضحة بھی کہتے ہیں۔

غزوۂ تبوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غزوۂ تبوک کو بعد میں اور حجۃ الوداع کو پہلے ذکر کیا حالانکہ تاریخی ترتیب کے لحاظ سے غزوۂ تبوک حجۃ الوداع سے پہلے ہے، اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔

۱ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: هكذا اورد المصنف هذه الترجمة بعد حجة الوداع وهو خطأ وما اظن ذلك الا من النساخ کہ یہ کاتبین کا تصرف ہے کہ انہوں نے حجۃ الوداع کو غزوۂ تبوک سے مقدم لکھ دیا۔

۲ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ حجۃ الوداع کو غزوۂ تبوک سے مقدم ذکر کر کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سلسلة الوفود کی انتہاء کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ سلسلة الوفود کی ابتدا فتح مکہ کے بعد ہوئی ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فتح مکہ بیان کرنے کے بعد سلسلة الوفود کا ذکر شروع کیا اور اس کی انتہاء حجۃ الوداع پر ہوتی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قصة وفد طی ذکر کرنے کے بعد حجۃ الوداع کا باب باندھا اور مقصد یہ ہے کہ وفود کا یہ سلسلہ حجۃ الوداع پر جا کر ختم ہوا ہے، اگر باب قصة وفد طی کے بعد حجۃ الوداع کو ذکر نہ کرتے، بلکہ غزوۂ تبوک کو ذکر کرتے، تو تاریخی اعتبار سے اگرچہ ترتیب برقرار رہتی، لیکن سلسلة الوفود کی انتہاء معلوم نہ ہوتی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخی ترتیب کی رعایت کو ترک کر کے سلسلة الوفود کی انتہاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حجۃ الوداع کو مقدم ذکر کیا، کیونکہ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حجۃ الوداع غزوۂ تبوک سے مؤخر ہے، لیکن وفود کا سلسلہ کب ختم ہوا یہ سب کو معلوم نہیں، چنانچہ اس فائدہ کے پیش نظر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیم و تاخیر کی۔

غزوۂ تبوک کا واقعہ اور پس منظر

شرحبیل بن عمرو غسانی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ مبارک لے کر بصریٰ کے حاکم کے پاس جا رہے تھے، قاصدوں اور سفیروں کا قتل ہر زمانے میں سنگین جرم سمجھا جاتا ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں ایک لشکر روانہ کیا، جس کے نتیجے میں غزوۂ موتہ پیش آیا جس کی تفصیل گزر چکی، غزوۂ موتہ کے نتیجہ میں روم کی سرحد پر آباد عربوں پر اچھے اثرات مرتب ہوئے، قیصر روم ان اثرات سے غافل نہیں تھا، وہ جانتا تھا کہ اگر عرب قبائل مسلمانوں کی طرف مائل ہو گئے اور روم سے ان کا رابطہ کٹ گیا تو اس کی حکومت کو بڑا خطرہ لاحق ہوگا، اس لئے اس نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ مسلمانوں کی قوت نا قابل شکست خطرہ کی صورت اختیار کرے اس سے پہلے ہی اسے کچل دیا جائے، چنانچہ غزوۂ موتہ کو ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ قیصر روم نے رومی باشندوں اور اپنے ماتحت عربوں پر مشتمل فوج اور فیصلہ کن معرکہ کی تیاری میں لگ گیا، یہ خبریں مدینہ منورہ پہنچ رہی تھیں اور مسلمانوں کو ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کسی بھی وقت حملہ ہوسکتا ہے، چنانچہ سن ۹ ہجری میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ایلاء کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انصاری پڑوسی نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو انہوں نے نکلتے ہی پوچھا کہ کیا غسانی آ گئے؟ تو انصاری نے کہا کہ نہیں بلکہ اس سے بھی بڑی بات پیش آ گئی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی واقعہ میں بیان کرتے ہیں کہ ہمیں خبریں مل رہی تھیں کہ غسانی گھوڑوں کی نعل باندھ رہے ہیں تا کہ وہ مدینہ پر حملہ کریں، اس سے صورت حال کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو اس وقت رومیوں کی جانب سے مسلمانوں کو درپیش تھی۔ پھر ملک شام سے زیتون کا تیل بیچنے کے لئے آنے والے نبطیوں نے بتلایا کہ ہرقل نے چالیس ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر تیار کیا ہے جس میں عرب عیسائی کو بھی شامل کیا ہے، اور ان کا ہراول دستہ بلقاء تک پہنچ گیا ہے اور قیصر نے فوج کو ایک سال کی تنخواہیں بھی پیشگی دے دی ہیں، اس طرح ایک بڑا خطرہ مسلمانوں کے سروں پر منڈلانے لگا۔

ادھر صورت حال یہ تھی کہ سخت گرمی کا زمانہ تھا، لوگ قحط سالی سے دوچار تھے، سفر دور و دراز کا تھا اور سواریاں کم تھیں، تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انقلابی فیصلہ کیا اور وہ یہ کہ مسلمان رومی حکومت کی طرف پیش قدمی کریں اور ان کی حدود میں گھس کر ان کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ جنگ کی تیاری کی جائے، قبائل عرب اور اہل مکہ کو بھی پیغام بھیجا کہ وہ بھی ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جنگی حکمت عملی کے تحت توریہ کیا کرتے تھے اور غزوات میں کس طرف پیش قدمی کرنی ہے اس کا صحیح مقام نہیں بتاتے تھے، لیکن یہ جنگ چونکہ تمام سابقہ جنگوں سے ممتاز تھی، ایک تو اس لیے کہ اس میں دشمنوں کی تعداد بہت

زیادہ تھی، دوسرے اس لیے کہ اس میں شاہ روم ہرقل کی تربیت یافتہ فوج کے ساتھ مقابلہ تھا، اس لیے حضور ﷺ نے جس طرف پیش قدمی کرنی تھی اس کا اظہار کر دیا اور تمام قبائل عرب سے فوجی اور مالی اعانت طلب کی اور مدینہ طیبہ کے تمام مسلمانوں کو اس جہاد میں نکلنے کا حکم دیا۔ زمانہ سخت گرمی کا تھا، قحط وفاقہ عام تھا، اس کے ساتھ ساتھ کھیتیاں اور باغات کے پھل پکنے کے قریب تھے، ان ہی باغات اور کھیتوں کی فصل پر اہل مدینہ کی پورے سال کی معیشت کا دارو مدار تھا، ان تمام چیزوں میں سے ہر چیز اللہ کی راہ میں جانے کے لیے رکاوٹ بن سکتی تھی، لیکن قربان جائیں صحابہ رضی اللہ عنہم پر، جنھوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے خون اور اپنے مال کی قربانی دینے میں ہمیشہ ایک دوسرے سے مسابقت کی کوشش کی، چنانچہ اس موقع پر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑھ چڑھ کر مالی اعانت میں حصہ لیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا مال لے کر حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آدھا مال لے آئے، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دوسو اوقیہ چاندی پیش کی، عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز وسامان اور ایک ہزار دینار پیش کئے اور مجهز جیش العسرة کے لقب سے سرفراز ہوئے، آپ ﷺ ان کے اس عمل سے نہایت مسرور ہوئے، آپ ﷺ ان دیناروں کو الٹے پلٹتے تھے اور فرماتے تھے ما ضر عثمان ما عمل بعد اليوم کہ اس عمل کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی استطاعت کے مطابق مالی اعانت میں حصہ لیا، لیکن اس کے باوجود چند نادار صحابہ ایسے بھی تھے کہ ان کے سفر کے لیے زادراہ کا انتظام نہ ہوسکا، چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے سواری وغیرہ کا انتظام کرنے کے لیے درخواست کی، لیکن حضور ﷺ کے پاس کوئی انتظام نہیں تھا، اس لئے یہ حضرات اشکبار آنکھوں کے ساتھ واپس ہوئے، یہ آیت ان ہی لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے: وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔

اس جہاد میں جانے کا یہ اعلان درحقیقت ایمان ونفاق کے درمیان امتیاز کی کسوٹی تھا، چنانچہ اس موقع پر منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آگیا اور وہ کہنے لگے: لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ یعنی گرمی میں جہاد کے لیے نہ نکلو۔ انہوں نے مختلف بہانے بنا کر جہاد میں جانے سے عذر کیا، بعض مخلص مسلمان بھی نہیں جا سکے، جن میں حضرت کعب بن مالک حضرت بلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم شامل تھے ان کا تفصیلی واقعہ آگے روایت میں آرہا ہے۔

حضور ﷺ تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ ماہ رجب ۹ ہجری کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور دمشق کی جانب سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ سے چودہ منزل کے فاصلہ پر واقع مقام تبوک پر پہنچے، تو معلوم ہوا کہ رومیوں کے لشکر کے جمع ہونے کی خبر صحیح نہ تھی اور بعض روایات میں ہے کہ جب ہرقل روم کو مسلمانوں کی اتنی بڑی جمعیت کے مقابلہ پر آنے کی خبر پہنچی

تو وہ مرعوب ہو گیا اور مقابلہ پر نہیں آیا۔

تبوک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس دن تک قیام فرمایا، یہیں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تقریباً چار سو سواروں کی جمعیت دے کر دومۃ الجندل کے سردار اکیدر بن عبدالملک نصرانی کے پاس بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو روانہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تمہیں شکار کھیلتا ہوا ملے گا، لیکن تم اسے قتل نہ کرنا بلکہ میرے پاس لے آنا اور اگر وہ آنے سے انکار کرے تو اسے قتل کر دینا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ چاندنی رات میں وہاں پہنچے تو اکیدر اپنے بھائی اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ شکار کے لیے نکلا تھا، اکیدر کا بھائی حسان مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا اور اکیدر کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لی اور پھر اسلامی لشکر مظفر و منصور واپس لوٹا۔

غزوۂ تبوک جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کا اثر پھیلنے میں بڑا مؤثر ثابت ہوا، یہ بات واضح ہو گئی کہ اب جزیرۃ العرب میں اسلام کے علاوہ اور کوئی طاقت ٹھہر نہیں سکتی، چنانچہ وہ لوگ اسلام لانے اور مسلمانوں سے صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے اور رومیوں کے ساتھ مہمات کا آغاز بھی ہو گیا، جس کی تکمیل خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں ہوئی۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ أَرْسَلَنِي أَصْحَابِي إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے ساتھیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا

أَسْأَلُهُ الْحُمْلَانَ لَهُمْ إِذْ هُمْ مَعَهُ فِي جَيْشِ الْعُسْرَةِ وَهِيَ غَزْوَةُ تَبُوكَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ

کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے لیے سواری کے جانوروں کی درخواست کروں، وہ لوگ آپ کے ساتھ جیش عسرہ یعنی غزوۂ تبوک میں شریک ہونا چاہتے تھے۔ میں نے عرض کیا:

إِنَّ أَصْحَابِي أَرْسَلُونِي إِلَيْكَ لِتَحْمِلَهُمْ فَقَالَ وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ عَلَى شَيْءٍ وَ وَافَقْتُهُ

یا رسول اللہ! میرے ساتھیوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، تاکہ آپ ان کو سواری کے جانور عطا فرمائیں، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں تمہیں سواری کے جانور نہیں

وَهُوَ غَضْبَانُ وَلَا أَشْعُرُ وَرَجَعْتُ حَزِينًا مِنْ مَنْعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ مَخَافَةِ

دے سکتا، میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں تھے اور میں اسے معلوم نہ کر سکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے میں بہت غمگین

أَنْ يَكُونَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ عَلَيَّ فَرَجَعْتُ إِلَى أَصْحَابِي فَأَخْبَرْتُهُمُ

واپس ہوا، مجھے یہ خوف بھی تھا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری مانگنے کی وجہ سے خفا نہ ہو گئے ہوں، میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور انہیں اس بات کی خبر دی،

الَّذِي قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أَلْبَثْ إِلَّا سُوَيْعَةً إِذْ سَمِعْتُ بِلَالًا يُنَادِي

جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی، لیکن ابھی کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ میں نے بلال کی آواز سنی، وہ پکار رہے تھے،

أَيْنَ عَبْدُ اللهِ بْنُ قَيْسٍ فَأَجَبْتُهُ فَقَالَ أَجِبْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوكَ

اے عبداللہ بن قیس! میں نے جواب دیا تو انہوں نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر جواب دو کہ تمہیں بلا رہے ہیں،

فَلَمَّا أَتَيْتُهُ قَالَ خُذْ هَذَيْنِ الْقَرِينَيْنِ وَ هَذَيْنِ الْقَرِينَيْنِ لِسِتَّةِ أَبْعِرَةٍ ابْتَاعَهُنَّ حِينَئِذٍ

میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو جوڑے اور یہ دو جوڑے اونٹ کے لے جاؤ، آپ نے چھ اونٹ عنایت فرمائے، ان اونٹوں کو آپ نے اسی وقت

مِنْ سَعْدٍ فَانْطَلِقْ بِهِنَّ إِلَى أَصْحَابِكَ فَقُلْ إِنَّ اللهَ أَوْ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سعد رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا اور فرمایا کہ انہیں اپنے ساتھیوں کو دے دو اور انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے یا فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے

يَحْمِلُكُمْ عَلَى هٰؤُلَاءِ فَارْكَبُوهُنَّ فَانْطَلَقْتُ إِلَيْهِمْ بِهِنَّ فَقُلْتُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

تمہاری سواری کے لیے یہ اونٹ دیئے ہیں، ان پر سوار ہو جاؤ، میں ان اونٹوں کو لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ان سے میں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے

وَسَلَّمَ يَحْمِلُكُمْ عَلَى هٰؤُلَاءِ وَلٰكِنِّي وَاللهِ لَا أَدَعُكُمْ حَتّٰى يَنْطَلِقَ مَعِيْ بَعْضُكُمْ إِلَى مَنْ سَمِعَ

تمہاری سواری کے لیے یہ عنایت فرمائے ہیں، لیکن اللہ کی قسم! میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ تم ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آ ؤ، جنہوں نے نبی کریم ﷺ

مَقَالَةَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَظُنُّوْا أَنِّيْ حَدَّثْتُكُمْ شَيْئًا لَمْ يَقُلْهُ رَسُوْلُ اللهِ

کا انکار فرمانا سنا تھا، کہیں تم یہ خیال نہ کر بیٹھو کہ میں نے تم سے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے متعلق ایسی بات کہہ دی تھی، جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمائی تھی،

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا لِيْ وَاللهِ إِنَّكَ عِنْدَنَا لَمُصَدَّقٌ وَلَنَفْعَلَنَّ مَا أَحْبَبْتَ فَانْطَلَقَ

انہوں نے کہا کہ تمہاری سچائی میں ہمیں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن اگر تمہارا اصرار ہے تو ہم ایسا بھی کر لیں گے،

أَبُوْ مُوسٰى بِنَفَرٍ مِنْهُمْ حَتّٰى أَتَوُا الَّذِيْنَ سَمِعُوْا قَوْلَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْعَهُ

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان میں سے چند لوگوں کو لے کر ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آئے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کا وہ ارشاد سنا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے تو دینے سے انکار

إِيَّاهُمْ ثُمَّ إِعْطَاءَهُمْ بَعْدُ فَحَدَّثُوْهُمْ بِمِثْلِ مَا حَدَّثَهُمْ بِهِ أَبُوْ مُوسٰى

کیا تھا لیکن پھر عنایت فرمایا، ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا تھا

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ

عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى تَبُوْكَ وَ اسْتَخْلَفَ عَلِيًّا

مصعب بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا،

فَقَالَ أَتُخَلِّفُنِيْ فِي الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ قَالَ أَلَا تَرْضٰى أَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ

تو حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ میرے لیے تم ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے

مُوْسٰى؟ إِلَّا أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ وَ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ سَمِعْتُ مُصْعَبًا

ہارون تھے، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، ان سے حکم بن عتبہ نے اور انہوں نے کہا کہ میں نے مصعب سے سنا

أَلَا تَرْضٰى أَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى؟: اس حدیث سے شیعہ اور روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق ہے۔

اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا سفر میں جاتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل وعیال کی نگرانی کے لئے چھوڑ جانا کہ میری واپسی تک ان کی نگرانی اور خبر گیری کرنا، اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قرابت، امانت و دیانت تو بلاشبہ معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ اپنے اہل خانہ کی نگرانی وخبر گیری اسی فرد کے سپرد کی جاتی ہے جس کی امانت و دیانت اور قرابت داری پر کامل اطمینان ہو، لیکن یہ امر کہ میری وفات کے بعد تم ہی میرے خلیفہ اور قائم مقام ہو گے، اس حدیث کا ان امور سے کوئی تعلق وجوڑ نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ قائم مقامی اور نیابت فقط اہل وعیال تک محدود تھی، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی غزوۂ تبوک میں روانگی کے وقت حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا اور مسجد نبوی کی امامت حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمائی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا نائب مقرر فرمایا تھا، وہ نیابت مطلقاً نہیں تھی بلکہ اہل وعیال تک محدود تھی اور بالفرض مطلقاً بھی ہوتی تو صرف اس وقت تک محدود ہوتی جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف نہ لے آتے۔

رہا یہ معاملہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے، اس سے تو صراحتاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدم خلافت کی تائید ہوتی ہے، نہ کہ خلافت بلافصل کی، کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ اور جانشین نہیں بنے تھے، بلکہ حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ہی ہو چکا تھا اور حضرت موسی علیہ السلام کے جانشین حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بنے تھے، تو جب حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے ہی نہیں، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے **بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى** قرار دیئے جانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانشینی کا مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے تو بدر کے قیدیوں کے بارے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ تشبیہ دی تھی اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام حضرت ہارون علیہ السلام سے افضل ہیں۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءً يُخْبِرُ قَالَ أَخْبَرَنِيْ صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعُسْرَةَ قَالَ كَانَ يَعْلٰى يَقُوْلُ تِلْكَ الْغَزْوَةُ أَوْثَقُ أَعْمَالِيْ عِنْدِيْ قَالَ عَطَاءٌ فَقَالَ صَفْوَانُ قَالَ يَعْلٰى فَكَانَ لِيْ أَجِيْرٌ فَقَاتَلَ إِنْسَانًا فَعَضَّ أَحَدُهُمَا يَدَ الْاٰخَرِ قَالَ عَطَاءٌ فَلَقَدْ أَخْبَرَنِيْ صَفْوَانُ أَيُّهُمَا عَضَّ الْاٰخَرَ فَنَسِيْتُهُ قَالَ فَانْتَزَعَ الْمَعْضُوْضُ يَدَهُ مِنْ فِي الْعَاضِّ فَانْتَزَعَ إِحْدٰى ثَنِيَّتَيْهِ فَأَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْدَرَ ثَنِيَّتَهُ قَالَ عَطَاءٌ وَحَسِبْتُ أَنَّهُ

صفوان بن یعلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ عسرہ میں شریک تھا، راوی کہتے ہیں کہ یعلی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنے تمام اعمال میں اسی پر سب سے زیادہ بھروسہ ہے، عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے صفوان نے کہا کہ یعلی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ایک مزدور بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا، وہ ایک شخص سے لڑ پڑا اور ایک نے دوسرے کا ہاتھ دانت سے کاٹا، عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے صفوان نے بتایا تھا کہ ان دونوں میں سے کس نے اپنے مقابل کا ہاتھ کاٹا تھا لیکن مجھے یاد نہیں ہے، بہرحال جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اس نے اپنا ہاتھ کاٹنے والے کے منہ سے کھینچا تو کاٹنے والے کے آگے کا ایک دانت ٹوٹ گیا، وہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دانت کے ٹوٹنے پر کوئی قصاص نہیں دلوایا، عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں

قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَيَدَعُ يَدَهُ فِي فِيكَ تَقْضَمُهَا كَأَنَّهَا فِي فِي فَحْلٍ يَقْضَمُهَا

کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ کیا وہ تیرے منہ میں اپنا ہاتھ رہنے دیتا تا کہ تو اسے اونٹ کی طرح چبا جاتا

فَعَضَّ أَحَدُهُمَا يَدَ الْآخَرِ: یہ ہاتھ چبانے والے کون تھے؟ یہاں بخاری کی روایت میں تو تصریح نہیں ہے، لیکن مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ خود حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کا اپنے اجیر کے ساتھ پیش آیا اور ہاتھ چبانے والے خود حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ بہر حال جب حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم کا ہاتھ چبا لیا جس کی مزاحمت میں جب خادم نے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کی وجہ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک دانت اکھڑ گیا، اب حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات کا مطالبہ کیا کہ اس دانت کے ٹوٹنے کا انہیں قصاص دلایا جائے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: **أَفَيَدَعُ يَدَهُ فِي فِيكَ تَقْضَمُهَا كَأَنَّهَا فِي فِي فَحْلٍ يَقْضَمُهَا** کہ کیا وہ اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا کہ تم اس کو کاٹتے رہتے، جیسا کہ اس کا ہاتھ کسی اونٹ کے منہ میں ہو اور وہ اونٹ ہاتھ کو چبا ڈالے، یعنی تو اس کو کاٹتا رہے او یہ بس دیکھتا ہی رہے اور اپنے ہاتھ کو تمہارے منہ میں چھوڑ دے کہ تو اسے کھاتا رہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا حق دفاع استعمال کیا ہے، اس لئے کہ اس کے پاس سوائے اپنا ہاتھ کھینچنے کے اور کوئی راستہ ہی نہیں تھا اور اس ہاتھ کھینچنے کی وجہ سے تمہارا دانت ٹوٹ گیا تو یہ اس کا کوئی قصور نہیں۔ اس حدیث کے ذریعہ ایک اصول معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے دفاع میں دوسرے کو کوئی نقصان پہنچائے اور وہ نقصان اتنا ہو کہ جو دفاع کے لئے ضروری ہو تو اس نقصان کا معاوضہ اس کے ذمہ لازم نہیں ہوتا، وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا اور وہ نقصان ہدر ہوتا ہے۔

بَابُ حَدِيْثِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ

باب: کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا بیان

وَقَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا

اور اللہ عز وجل کا ارشاد: اور ان تین آدمیوں پر بھی (مہربانی کی) جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا

یہ حدیث غزوۂ تبوک ہی سے متعلق ہے، لیکن چونکہ بہت مفصل اور طویل ہے، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مستقل عنوان قائم فرمایا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث صحیح بخاری میں کئی مقامات پر ذکر فرمائی ہے، یہاں مفصل ہے، البتہ دوسرے مقامات میں اس کے مختلف اجزاء مختلف مناسبتوں کی بناء پر ذکر فرمائے ہیں۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے لیے سفر کا اعلان فرمایا تو بہت سے منافقین جان بوجھ کر اس غزوہ میں نہیں گئے جن کی تعداد ۸۰ کے قریب تھی، البتہ تین مخلص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے جو اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے، ❶ حضرت کعب بن مالک ❷ حضرت مرارہ بن ربیع ❸ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ
أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِنْ بَنِيهِ حِينَ عَمِيَ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ
عبداللہ بن کعب بن مالک جو کعب رضی اللہ عنہ کے نابینا ہونے کے بعد ان کے بیٹوں میں سے کعب رضی اللہ عنہ کو راستے میں پکڑ کر چلا کرتے تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے
مَالِكٍ يُحَدِّثُ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ قِصَّةِ تَبُوكَ قَالَ كَعْبٌ لَمْ أَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ
کعب رضی اللہ عنہ سے ان کے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہو سکنے کا واقعہ سنا، حضرت کعبؓ نے بتایا کہ غزوۂ تبوک کے سوا اور کسی غزوہ میں
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا إِلَّا فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ تَخَلَّفْتُ فِي غَزْوَةِ بَدْرٍ وَلَمْ يُعَاتِبْ
ایسا نہیں ہوا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہ ہوا ہوں، البتہ میں غزوۂ بدر میں بھی شریک نہیں ہوا تھا، لیکن جو لوگ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، ان کے متعلق
أَحَدًا تَخَلَّفَ عَنْهَا إِنَّمَا خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ عِيرَ قُرَيْشٍ حَتَّى جَمَعَ اللهُ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کی خفگی کا اظہار نہیں فرمایا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر صرف قریش کے قافلہ کی تلاش میں نکلے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے
بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ عَدُوِّهِمْ عَلَى غَيْرِ مِيعَادٍ وَلَقَدْ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ
کسی تیاری کے بغیر، آپ کا دشمنوں سے ٹکراؤ ہو گیا اور میں لیلۃ العقبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، یہ وہی رات ہے
الْعَقَبَةِ حِينَ تَوَاثَقْنَا عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِهَا مَشْهَدَ بَدْرٍ وَإِنْ كَانَتْ بَدْرٌ أَذْكَرَ
جس میں ہم نے (مکہ میں) اسلام کے لیے عہد کیا تھا اور مجھے تو یہ غزوۂ بدر سے بھی زیادہ عزیز ہے، اگرچہ بدر کا لوگوں کی زبانوں پر چرچا
فِي النَّاسِ مِنْهَا كَانَ مِنْ خَبَرِي أَنِّي لَمْ أَكُنْ قَطُّ أَقْوَى وَلَا أَيْسَرَ حِينَ تَخَلَّفْتُ عَنْهُ فِي تِلْكَ
لیلۃ العقبہ کے مقابلے میں زیادہ ہے، میرا واقعہ یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں کبھی اتنا قوی اور اتنا صاحب مال نہیں ہوا تھا جتنا اس موقع پر تھا، جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
الْغَزَاةِ وَاللهِ مَا اجْتَمَعَتْ عِنْدِي قَبْلَهُ رَاحِلَتَانِ قَطُّ حَتَّى جَمَعْتُهُمَا فِي تِلْكَ الْغَزَاةِ وَلَمْ يَكُنْ
اس غزوہ سے پیچھے رہ گیا، اللہ کی قسم! اس سے پہلے کبھی میرے پاس دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں لیکن اس موقع پر میرے پاس دو سواریاں تھیں،
رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ غَزْوَةً إِلَّا وَرَّى بِغَيْرِهَا حَتَّى كَانَتْ تِلْكَ الْغَزْوَةُ غَزَاهَا
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی غزوہ کے لیے تشریف لے جاتے تو آپ اس کے لیے ذو معنی الفاظ استعمال کر کے اس کے غیر کو ظاہر کیا کرتے تھے، لیکن اس غزوہ کا جب موقع آیا
رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَرٍّ شَدِيدٍ وَاسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيدًا وَمَفَازًا وَعَدُوًّا كَثِيرًا
تو گرمی بڑی سخت تھی، سفر بھی بہت لمبا تھا، بیابانی راستہ اور دشمن کی فوج کی کثرت تعداد تمام مشکلات سامنے تھیں،
فَجَلَّى لِلْمُسْلِمِينَ أَمْرَهُمْ لِيَتَأَهَّبُوا أُهْبَةَ غَزْوِهِمْ فَأَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِ الَّذِي يُرِيدُ وَالْمُسْلِمُونَ
اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے اس غزوہ کے متعلق بہت تفصیل کے ساتھ بتا دیا تھا تاکہ پوری طرح سے تیاری کر لیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سمت کی بھی نشاندہی
مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيرٌ وَلَا يَجْمَعُهُمْ كِتَابٌ حَافِظٌ يُرِيدُ الدِّيوَانَ
کر دی تھی جس سمت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانے کا ارادہ تھا، مسلمان بڑی تعداد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اتنے کہ کسی رجسٹر میں سب کے ناموں کا لکھنا بھی مشکل تھا
قَالَ كَعْبٌ فَمَا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَتَغَيَّبَ إِلَّا ظَنَّ أَنَّهُ سَيُخْفَى لَهُ مَا لَمْ يَنْزِلْ فِيهِ وَحْيُ اللهِ وَغَزَا
کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی شخص اگر اس غزوہ سے غائب ہونا چاہتا تو وہ یہ خیال کر سکتا تھا کہ اس کی غیر حاضری کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا، سوائے اس کے کہ اس کے متعلق
رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الْغَزْوَةَ حِينَ طَابَتِ الثِّمَارُ وَالظِّلَالُ وَتَجَهَّزَ رَسُولُ اللهِ
وحی نازل ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس غزوے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو پھل پکنے کا اور سایوں کے گھنے ہونے کا زمانہ تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تیاریوں میں
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُونَ مَعَهُ فَطَفِقْتُ أَغْدُو لِكَيْ أَتَجَهَّزَ مَعَهُمْ فَأَرْجِعُ وَلَمْ أَقْضِ
مصروف تھے اور آپ کے ساتھ مسلمان بھی، لیکن میں روزانہ سوچا کرتا تھا کہ تیاری کرتا ہوں لیکن دن گزرنے پر واپس لوٹتا تو کچھ بھی تیاری نہیں کی ہوتی،

شَيْئًا فَأَقُولُ فِي نَفْسِي أَنَا قَادِرٌ عَلَيْهِ فَلَمْ يَزَلْ يَتَمَادَى بِي حَتَّى اشْتَدَّ بِالنَّاسِ الْجِدُّ فَأَصْبَحَ
میں اپنے آپ سے کہتا ہے کہ مجھے اس بات پر قدرت ہے کہ میں تیاری کر لوں گا، مجھے آسانیاں میسر ہیں، یوں ہی وقت گزرتا رہا اور آخر لوگوں نے اپنی تیاریاں مکمل بھی کر لیں

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُونَ مَعَهُ وَلَمْ أَقْضِ مِنْ جَهَازِي شَيْئًا فَقُلْتُ أَتَجَهَّزُ
اور نبی کریم ﷺ مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ بھی ہو گئے، اس وقت تک بھی میں نے تیاری نہیں کی تھی، اس موقع پر بھی میں نے اپنے دل کو یہی کہہ کر سمجھا لیا

بَعْدَهُ بِيَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ ثُمَّ أَلْحَقُهُمْ فَغَدَوْتُ بَعْدَ أَنْ فَصَلُوا لِأَتَجَهَّزَ فَرَجَعْتُ وَلَمْ أَقْضِ شَيْئًا
کہ کل یا پرسوں تک تیاری کر لوں گا اور پھر لشکر سے جا ملوں گا، کوچ کے بعد دوسرے دن میں نے تیاری کے لیے سوچا لیکن اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی،

ثُمَّ غَدَوْتُ فَرَجَعْتُ وَلَمْ أَقْضِ شَيْئًا فَلَمْ يَزَلْ بِي حَتَّى أَسْرَعُوا وَتَفَارَطَ الْغَزْوُ وَهَمَمْتُ
پھر تیسرے دن کے لیے سوچا اور اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی، یوں ہی وقت گزر گیا اور اسلامی لشکر تیزی سے سفر کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ غزوہ میں شرکت میرے لیے بہت دور کی

أَنْ أَرْتَحِلَ فَأُدْرِكَهُمْ وَلَيْتَنِي فَعَلْتُ فَلَمْ يُقَدَّرْ لِي ذٰلِكَ فَكُنْتُ إِذَا خَرَجْتُ فِي النَّاسِ بَعْدَ
بات ہو گئی اور میں یہی ارادہ کرتا رہا کہ یہاں سے چل کر انہیں پا لوں گا، اے کاش! میں ایسے کر لیتا، لیکن یہ میرے نصیب میں نہیں تھا، نبی کریم ﷺ کے

خُرُوجِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطُفْتُ فِيهِمْ أَحْزَنَنِي أَنِّي لَا أَرَى إِلَّا رَجُلًا مَغْمُوصًا
تشریف لے جانے کے بعد جب میں باہر نکلتا تو یہ بات مجھے غمگین کر دیتی کہ وہاں مجھے صرف وہی لوگ نظر آتے جن پر نفاق کا الزام تھا،

عَلَيْهِ النِّفَاقُ أَوْ رَجُلًا مِمَّنْ عَذَرَ اللهُ مِنَ الضُّعَفَاءِ وَلَمْ يَذْكُرْنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
یا پھر وہ لوگ جنہیں اللہ تعالی نے معذور اور ضعیف قرار دے دیا تھا، نبی کریم ﷺ نے میرے بارے میں کسی سے کچھ نہیں پوچھا تھا،

وَسَلَّمَ حَتَّى بَلَغَ تَبُوكَ فَقَالَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي الْقَوْمِ بِتَبُوكَ مَا فَعَلَ كَعْبٌ؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ
لیکن جب آپ ﷺ تبوک پہنچ گئے، تو وہیں ایک مجلس میں آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کعب نے کیا کیا؟ بنو سلمہ کے ایک صاحب نے کہا

بَنِي سَلِمَةَ يَا رَسُولَ اللهِ حَبَسَهُ بُرْدَاهُ وَنَظَرُهُ فِي عِطْفَيْهِ فَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ بِئْسَ مَا قُلْتَ
کہ یا رسول اللہ! اس کی خوشحالی اور مال کی فراوانی نے اسے روک دیا، اس پر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے بری بات کہی،

وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا فَسَكَتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! ہمیں ان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ معلوم نہیں، تو نبی کریم ﷺ نے جواب میں کچھ نہیں فرمایا۔

قَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ فَلَمَّا بَلَغَنِي أَنَّهُ تَوَجَّهَ قَافِلًا حَضَرَنِي هَمِّي وَطَفِقْتُ أَتَذَكَّرُ الْكَذِبَ وَأَقُولُ
کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ واپس تشریف لا رہے ہیں تو اب مجھ پر فکر سوار ہوئی اور میرا ذہن کوئی ایسا جھوٹا بہانہ تلاش کرنے لگا

بِمَاذَا أَخْرُجُ مِنْ سَخَطِهِ غَدًا؟ وَاسْتَعَنْتُ عَلَى ذٰلِكَ بِكُلِّ ذِي رَأْيٍ مِنْ أَهْلِي فَلَمَّا قِيلَ
جس سے میں کل نبی کریم ﷺ کی خفگی سے بچ سکوں، چنانچہ اپنے گھر کے ہر عقلمند آدمی سے اس کے متعلق میں نے مشورہ لیا، لیکن جب مجھے معلوم ہوا

إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَظَلَّ قَادِمًا زَاحَ عَنِّي الْبَاطِلُ وَعَرَفْتُ أَنِّي لَنْ أَخْرُجَ
کہ نبی کریم ﷺ مدینہ سے بالکل قریب آ چکے ہیں تو غلط خیالات میرے ذہن سے نکل گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ اس معاملہ میں جھوٹ بول کر

مِنْهُ أَبَدًا بِشَيْءٍ فِيهِ كَذِبٌ فَأَجْمَعْتُ صِدْقَهُ وَأَصْبَحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَادِمًا
میں اپنے آپ کو کسی طرح محفوظ نہیں کر سکتا، چنانچہ میں نے سچی بات کہنے کا پختہ ارادہ کر لیا، صبح کے وقت نبی کریم ﷺ تشریف لائے، جب آپ کسی سفر سے واپس تشریف لاتے

وَكَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَيَرْكَعُ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَعَلَ ذٰلِكَ
تو یہ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے، پھر لوگوں کے ساتھ مجلس میں بیٹھتے، چنانچہ جب آپ ﷺ اس عمل سے فارغ ہو چکے

جَاءَهُ الْمُخَلَّفُونَ فَطَفِقُوا يَعْتَذِرُونَ إِلَيْهِ وَ يَحْلِفُونَ لَهُ وَكَانُوا بِضْعَةً وَّ ثَمَانِينَ رَجُلًا فَقَبِلَ
تو آپ کی خدمت میں وہ لوگ آنے لگے جو غزوہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور قسم کھا کھا کر اپنے عذر بیان کرنے لگے، ایسے لوگوں کی تعداد اسی کے قریب تھی،

مِنْهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَانِيَتَهُمْ وَبَايَعَهُمْ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمْ وَ وَكَلَ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کو قبول فرما لیا، ان سے عہد لیا، ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی اور ان کے باطن کو

سَرَائِرَهُمْ إِلَى اللهِ فَجِئْتُهُ فَلَمَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ تَبَسَّمَ تَبَسُّمَ الْمُغْضَبِ ثُمَّ قَالَ تَعَالَ فَجِئْتُ
اللہ کے سپرد کیا، اس کے بعد میں حاضر ہوا، جب میں نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹ میں خفگی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب آؤ، میں چند قدم چل کر

أَمْشِي حَتَّى جَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ لِي مَا خَلَّفَكَ؟ أَلَمْ تَكُنْ قَدِ ابْتَعْتَ ظَهْرَكَ؟ فَقُلْتُ بَلَى
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم غزوہ میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟ کیا تم نے کوئی سواری نہیں خریدی تھی؟ میں نے عرض کیا، کیوں نہیں،

إِنِّي وَاللهِ لَوْ جَلَسْتُ عِنْدَ غَيْرِكَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا لَرَأَيْتُ أَنْ سَأَخْرُجُ مِنْ سَخَطِهِ بِعُذْرٍ
اللہ کی قسم! اگر میں آپ کے سوا کسی دنیادار شخص کے سامنے آج بیٹھا ہوتا، تو کوئی نہ کوئی عذر گھڑ کر اس کی خفگی سے بچ سکتا تھا،

وَلَقَدْ أُعْطِيتُ جَدَلًا وَلٰكِنِّي وَاللهِ لَقَدْ عَلِمْتُ لَئِنْ حَدَّثْتُكَ الْيَوْمَ حَدِيثَ كَذِبٍ تَرْضٰى بِهِ عَنِّي
مجھے خوبصورتی کے ساتھ گفتگو کا سلیقہ معلوم ہے، لیکن اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں آپ کے سامنے کوئی جھوٹا عذر بیان کر کے آپ کو راضی کر لوں گا تو بہت جلد

لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يُّسْخِطَكَ عَلَيَّ وَلَئِنْ حَدَّثْتُكَ حَدِيثَ صِدْقٍ تَجِدُ عَلَيَّ فِيهِ إِنِّي لَأَرْجُو فِيهِ
اللہ تعالی آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ سے سچی بات بیان کر دوں گا، تو یقیناً آپ مجھ پر ناراض ہوں گے، لیکن اللہ سے مجھے

عَفْوَ اللهِ لَا وَاللهِ مَا كَانَ لِي مِنْ عُذْرٍ وَاللهِ مَا كُنْتُ قَطُّ أَقْوٰى وَلَا أَيْسَرَ مِنِّي حِينَ تَخَلَّفْتُ عَنْكَ
معافی کی پوری امید ہے، نہیں! اللہ کی قسم! مجھے کوئی عذر نہیں تھا، اللہ کی قسم اس وقت سے پہلے کبھی میں اتنا فارغ البال نہیں تھا، جس وقت میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکا،

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا هٰذَا فَقَدْ صَدَقَ فَقُمْ حَتّٰى يَقْضِيَ اللهُ فِيكَ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچی بات بتا دی، اچھا اب جاؤ، یہاں تک کہ اللہ تعالی تمہارے بارے میں خود کوئی فیصلہ کر دے۔

فَقُمْتُ وَثَارَ رِجَالٌ مِنْ بَنِي سَلِمَةَ فَاتَّبَعُونِي فَقَالُوا لِي وَاللهِ مَا عَلِمْنَاكَ كُنْتَ أَذْنَبْتَ ذَنْبًا
میں اٹھ گیا اور میرے پیچھے بنو سلمہ کے کچھ لوگ بھی دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! ہمیں تمہارے متعلق نہیں معلوم کہ اس سے پہلے تم نے کبھی کوئی گناہ کیا ہے

قَبْلَ هٰذَا وَلَقَدْ عَجَزْتَ أَنْ لَا تَكُونَ اعْتَذَرْتَ إِلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا اعْتَذَرَ
اور تم نے بڑی کوتاہی کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ویسا ہی کوئی عذر نہیں بیان کیا جیسا دوسرے نہ شریک ہونے والوں نے

إِلَيْهِ الْمُخَلَّفُونَ قَدْ كَانَ كَافِيَكَ ذَنْبَكَ اسْتِغْفَارُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَ
بیان کیا تھا، (اگر تم عذر کر دیتے) تو تمہارے گناہ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار ہی کافی ہو جاتا۔

فَوَاللهِ مَا زَالُوا يُؤَنِّبُونِي حَتّٰى أَرَدْتُّ أَنْ أَرْجِعَ فَأُكَذِّبَ نَفْسِي ثُمَّ قُلْتُ لَهُمْ هَلْ لَقِيَ هٰذَا مَعِي
اللہ کی قسم! ان لوگوں نے مجھے اس پر اتنی ملامت کی کہ مجھے خیال آیا کہ میں واپس جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے آپ کو جھٹلا دوں، پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے علاوہ

أَحَدٌ؟ قَالُوا نَعَمْ رَجُلَانِ قَالَا مِثْلَ مَا قُلْتَ فَقِيلَ لَهُمَا مِثْلُ مَا قِيلَ لَكَ فَقُلْتُ مَنْ هُمَا؟
کسی اور نے بھی مجھ جیسا عذر بیان کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہاں دو حضرات نے اسی طرح معذرت کی جس طرح تم نے کی ہے اور انہیں جواب بھی وہی ملا ہے جو تمہیں ملا۔

قَالُوا مُرَارَةُ بْنُ الرَّبِيعِ الْعَمْرِيُّ وَهِلَالُ بْنُ أُمَيَّةَ الْوَاقِفِيُّ فَذَكَرُوا لِي رَجُلَيْنِ صَالِحَيْنِ
میں نے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ انہوں نے بتا کیا کہ مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہما۔ انہوں نے دو ایسے نیک صحابہ کا نام لیا

قَدْ شَهِدَا بَدْرًا فِيْهِمَا أُسْوَةٌ فَمَضَيْتُ حِيْنَ ذَكَرُوْهُمَا لِيْ وَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
جو بدر کی جنگ میں شریک ہوئے تھے، ان کا طرز عمل میرے لیے نمونہ بن گیا، چنانچہ انہوں نے جب ان بزرگوں کا نام لیا تو میں اپنے گھر چلا آیا اور نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو ہم سے

وَسَلَّمَ الْمُسْلِمِيْنَ عَنْ كَلَامِنَا أَيُّهَا الثَّلَاثَةُ مِنْ بَيْنِ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهُ فَاجْتَنَبَنَا النَّاسُ
بات چیت کرنے کی ممانعت کر دی، بہت سے لوگ جو غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے ان میں سے صرف ہم تین سے یہ معاملہ کیا تھا، لوگ ہم سے الگ رہنے لگے

وَ تَغَيَّرُوْا لَنَا حَتّٰى تَنَكَّرَتْ فِيْ نَفْسِي الْأَرْضُ فَمَا هِيَ الَّتِي أَعْرِفُ فَلَبِثْنَا عَلٰى ذٰلِكَ خَمْسِيْنَ
اور سب لوگ بدل گئے، ایسا نظر آتا تھا کہ ہم سے ساری دنیا بدل گئی ہے اور وہ دنیا نہیں رہی جسے میں پہچانتا تھا، پچاس دن تک ہم اسی طرح رہے،

لَيْلَةً فَأَمَّا صَاحِبَايَ فَاسْتَكَانَا وَ قَعَدَا فِيْ بُيُوْتِهِمَا يَبْكِيَانِ وَأَمَّا أَنَا فَكُنْتُ أَشَبَّ الْقَوْمِ
میرے دو ساتھیوں نے تنہائی اختیار کرلی اور اپنے گھروں میں بیٹھ گئے، بس روتے رہتے تھے، لیکن میں جوان اور قوت والا تھا

وَأَجْلَدَهُمْ فَكُنْتُ أَخْرُجُ فَأَشْهَدُ الصَّلَاةَ مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ وَأَطُوْفُ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يُكَلِّمُنِيْ أَحَدٌ
تو میں باہر نکلتا تھا، مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھوما کرتا تھا لیکن کوئی مجھ سے بات نہیں کرتا تھا،

وَ اٰتِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِيْ مَجْلِسِهِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَأَقُوْلُ فِيْ
میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا، آپ کو سلام کرتا اور آپ ﷺ نماز کے بعد اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، تو میں اپنے جی ہی جی میں کہتا

نَفْسِيْ هَلْ حَرَّكَ شَفَتَيْهِ بِرَدِّ السَّلَامِ عَلَيَّ أَمْ لَا؟ ثُمَّ أُصَلِّيْ قَرِيْبًا مِّنْهُ فَأُسَارِقُهُ النَّظَرَ فَإِذَا
کہ دیکھوں سلام کے جواب میں نبی کریم ﷺ کے مبارک ہونٹ ہلے یا نہیں، پھر آپ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگ جاتا اور آپ کو کن اکھیوں سے دیکھتا رہتا، تو جب میں اپنی نماز

أَقْبَلْتُ عَلٰى صَلَاتِيْ أَقْبَلَ إِلَيَّ وَ إِذَا الْتَفَتُّ نَحْوَهُ أَعْرَضَ عَنِّيْ حَتّٰى إِذَا طَالَ عَلَيَّ ذٰلِكَ مِنْ جَفْوَةِ
میں مشغول ہو جاتا تو نبی کریم ﷺ میری طرف دیکھتے، لیکن جوں ہی میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپ اپنا رخ مبارک پھیر لیتے، آخر جب اس طرح لوگوں کی بے رخی بڑھتی ہی گئی

النَّاسِ مَشَيْتُ حَتّٰى تَسَوَّرْتُ جِدَارَ حَائِطِ أَبِيْ قَتَادَةَ وَ هُوَ ابْنُ عَمِّيْ وَأَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ فَسَلَّمْتُ
تو میں (ایک دن) ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا، وہ میرے چچا زاد بھائی تھے اور میرا ان سے بہت گہرا تعلق تھا، میں نے انہیں سلام کیا،

عَلَيْهِ فَوَاللّٰهِ مَا رَدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ فَقُلْتُ يَا أَبَا قَتَادَةَ أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمُنِيْ أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ؟
لیکن اللہ کی قسم! انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا، ابوقتادہ! تمہیں اللہ کی قسم! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ اور اس کے رسول سے مجھے کتنی محبت ہے؟

فَسَكَتَ فَعُدْتُّ لَهُ فَنَشَدْتُّهُ فَسَكَتَ فَعُدْتُّ لَهُ فَنَشَدْتُّهُ فَقَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ فَفَاضَتْ
انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، میں نے دوبارہ اللہ کی قسم دے کر ان سے یہی سوال کیا لیکن اب بھی وہ خاموش تھے، پھر میں نے اللہ کا واسطہ دے کر ان سے یہی سوال کیا،

عَيْنَايَ وَتَوَلَّيْتُ حَتّٰى تَسَوَّرْتُ الْجِدَارَ قَالَ فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِيْ بِسُوْقِ الْمَدِيْنَةِ إِذَا نَبَطِيٌّ مِنْ
اس مرتبہ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، اس پر میرے آنسو پھوٹ پڑے، میں دیوار پر چڑھ کر واپس چلا آیا، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن

أَنْبَاطِ أَهْلِ الشَّامِ مِمَّنْ قَدِمَ بِالطَّعَامِ يَبِيْعُهُ بِالْمَدِيْنَةِ يَقُوْلُ مَنْ يَّدُلُّ عَلٰى كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ؟
میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام کا ایک کاشتکار جو غلہ بیچنے مدینہ آیا تھا، وہ پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک تک میری کون رہنمائی کرے گا؟

فَطَفِقَ النَّاسُ يُشِيْرُوْنَ لَهُ حَتّٰى إِذَا جَاءَنِيْ دَفَعَ إِلَيَّ كِتَابًا مِّنْ مَلِكِ غَسَّانَ فَإِذَا فِيْهِ أَمَّا بَعْدُ
لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو وہ میرے پاس آیا اور ملک غسان کا ایک خط مجھے دیا، اس خط میں یہ تحریر تھا: "امابعد!

فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِيْ أَنَّ صَاحِبَكَ قَدْ جَفَاكَ وَ لَمْ يَجْعَلْكَ اللّٰهُ بِدَارِ هَوَانٍ وَلَا مَضْيَعَةٍ فَالْحَقْ بِنَا
مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب (یعنی نبی کریم ﷺ) نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے، اللہ نے تمہیں ذلیل نہیں پیدا کیا ہے کہ تمہارا حق ضائع کیا جائے، تم ہمارے پاس آجاؤ،

نُوَاسِكَ فَقُلْتُ لَمَّا قَرَأْتُهَا وَهٰذَا أَيْضًا مِنَ الْبَلَاءِ فَتَيَمَّمْتُ بِهَا التَّنُّوْرَ فَسَجَرْتُهُ بِهَا حَتّٰى إِذَا
ہم تمہارے ساتھ بہتر سلوک کریں گے۔" جب میں نے یہ خط پڑھا تو میں نے کہا کہ یہ ایک اور امتحان آ گیا، میں نے اس خط کو تنور میں جلا دیا،
مَضَتْ أَرْبَعُوْنَ لَيْلَةً مِنَ الْخَمْسِيْنَ إِذَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْنِيْ فَقَالَ
ان پچاس دنوں میں سے جب چالیس دن گزر چکے تو رسول اللہ ﷺ کے قاصد میرے پاس آئے اور کہا
إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَعْتَزِلَ امْرَأَتَكَ فَقُلْتُ أُطَلِّقُهَا أَمْ مَاذَا أَفْعَلُ؟
کہ نبی کریم ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی کے قریب نہ جاؤ۔ میں نے پوچھا کہ کیا میں اسے طلاق دے دوں یا پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟
قَالَ لَا بَلِ اعْتَزِلْهَا وَلَا تَقْرَبْهَا وَأَرْسَلَ إِلٰى صَاحِبَيَّ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لِامْرَأَتِي الْحَقِيْ بِأَهْلِكِ
انہوں نے کہا کہ نہیں صرف ان سے دور رہو، ان کے قریب نہ جاؤ، میرے دونوں ساتھیوں کو بھی یہی حکم آپ ﷺ نے بھیجا تھا، تو میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ
فَتَكُوْنِيْ عِنْدَهُمْ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ فِيْ هٰذَا الْأَمْرِ قَالَ كَعْبٌ فَجَاءَتِ امْرَأَةُ هِلَالِ بْنِ أُمَيَّةَ
اور اس وقت تک وہیں رہو جب تک اللہ تعالیٰ اس معاملہ کا کوئی فیصلہ نہ کر دے۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ ہلال بن امیہؓ کی اہلیہ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ شَيْخٌ ضَائِعٌ لَيْسَ لَهُ
نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہلال بن امیہ بہت ہی بوڑھے اور کمزور ہیں، ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے،
خَادِمٌ فَهَلْ تَكْرَهُ أَنْ أَخْدُمَهُ؟ قَالَ لَا وَلٰكِنْ لَا يَقْرَبْكِ قَالَتْ إِنَّهُ وَاللّٰهِ مَا بِهِ حَرَكَةٌ إِلٰى شَيْءٍ
تو اگر میں ان کی خدمت کر دیا کروں تو کیا آپ اسے ناپسند فرمائیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں البتہ وہ تم سے صحبت نہ کریں، انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم! وہ تو کسی چیز
وَاللّٰهِ مَا زَالَ يَبْكِيْ مُنْذُ كَانَ مِنْ أَمْرِهِ مَا كَانَ إِلٰى يَوْمِهِ هٰذَا فَقَالَ لِيْ بَعْضُ أَهْلِيْ لَوِ اسْتَأْذَنْتَ
کے لیے حرکت بھی نہیں کر سکتے، جب سے یہ خفگی ان پر ہوئی ہے وہ دن ہے اور آج کا دن ہے ان کے آنسو نہیں تھمتے۔ تو میرے گھر کے بعض لوگوں نے کہا کہ جس طرح ہلال بن امیہؓ کی
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ امْرَأَتِكَ كَمَا أَذِنَ لِامْرَأَةِ هِلَالِ بْنِ أُمَيَّةَ أَنْ تَخْدُمَهُ
بیوی کو ان کی خدمت کرتے رہنے کی اجازت نبی کریم ﷺ نے دے دی ہے، آپ بھی اسی طرح کی اجازت نبی کریم ﷺ سے لے لیجئے،
فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَا أَسْتَأْذِنُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُدْرِيْنِيْ مَا يَقُوْلُ
تو میں نے کہا کہ نہیں، اللہ کی قسم! میں نبی کریم ﷺ سے اس کی اجازت نہیں لوں گا، کیونکہ معلوم نہیں آپ ﷺ کیا کہیں گے،
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنْتُهُ فِيْهَا وَأَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَبِثْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ
میں نبی کریم ﷺ سے اس کی اجازت نہیں لوں گا، میں جوان ہوں، معلوم نہیں کہ جب میں اجازت لینے جاؤں تو نبی کریم ﷺ کیا جواب دیں۔
عَشْرَ لَيَالٍ حَتّٰى كَمَلَتْ لَنَا خَمْسُوْنَ لَيْلَةً مِنْ حِيْنَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اس طرح دس دن اور گزر گئے اور جب سے نبی کریم ﷺ نے ہم سے بات چیت کرنے کی ممانعت فرمائی تھی اس کے پچاس دن پورے ہو گئے،
عَنْ كَلَامِنَا فَلَمَّا صَلَّيْتُ صَلَاةَ الْفَجْرِ صُبْحَ خَمْسِيْنَ لَيْلَةً وَأَنَا عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِنَا فَبَيْنَا
پچاسویں رات کی صبح کو جب میں فجر کی نماز پڑھ چکا اور اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا،
أَنَا جَالِسٌ عَلَى الْحَالِ الَّتِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ قَدْ ضَاقَتْ عَلَيَّ نَفْسِيْ وَضَاقَتْ عَلَيَّ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ
اور میرا حال وہی تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ میرا دم گھٹا جا رہا تھا اور زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود میرے لیے تنگ ہوتی جا رہی تھی
سَمِعْتُ صَوْتَ صَارِخٍ أَوْفٰى عَلٰى جَبَلِ سَلْعٍ بِأَعْلٰى صَوْتِهِ يَا كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَبْشِرْ قَالَ فَخَرَرْتُ
کہ میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی، جبل سلع پر چڑھ کر کوئی بلند آواز سے کہہ رہا تھا، اے کعب بن مالک! تمہیں بشارت ہو، کعبؓ فرماتے ہیں کہ یہ سنتے ہی

سَاجِدًا وَ عَرَفْتُ أَنْ قَدْ جَاءَ فَرَجٌ وَ آذَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَوْبَةِ اللهِ عَلَيْنَا
میں سجدے میں گر پڑا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب فراخی آچکی ہے، فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں ہماری توبہ کی قبولیت کا
حِيْنَ صَلَّى صَلَاةَ الْفَجْرِ فَذَهَبَ النَّاسُ يُبَشِّرُوْنَنَا وَ ذَهَبَ قِبَلَ صَاحِبَيَّ مُبَشِّرُوْنَ وَرَكَضَ إِلَيَّ
اعلان کر دیا تھا، لوگ میرے یہاں بشارت دینے کے لیے آنے لگے اور میرے دو ساتھیوں کو بھی جا کر بشارت دی، ایک صاحب (زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ)
رَجُلٌ فَرَسًا وَسَعٰى سَاعٍ مِنْ أَسْلَمَ فَأَوْفٰى عَلَى الْجَبَلِ وَكَانَ الصَّوْتُ أَسْرَعَ مِنَ الْفَرَسِ
اپنا گھوڑا دوڑائے آرہے تھے، ادھر قبیلہ اسلم کے ایک صحابی نے پہاڑی پر چڑھ کر (آواز دی) اور آواز گھوڑے سے زیادہ تیز تھی، جن صحابی نے (سلع پہاڑی پر سے) آواز دی تھی،
فَلَمَّا جَاءَنِي الَّذِيْ سَمِعْتُ صَوْتَهُ يُبَشِّرُنِيْ نَزَعْتُ لَهُ ثَوْبَيَّ فَكَسَوْتُهُ إِيَّاهُمَا بِبُشْرَاهُ وَاللهِ
جب وہ میرے پاس بشارت دینے آئے تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس بشارت کی خوشی میں انہیں دے دیئے، اللہ کی قسم!
مَا أَمْلِكُ غَيْرَهُمَا يَوْمَئِذٍ وَاسْتَعَرْتُ ثَوْبَيْنِ فَلَبِسْتُهُمَا وَانْطَلَقْتُ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ
اس وقت ان دو کپڑوں کے سوا (دینے کے لائق) اور میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی۔ پھر میں نے دو کپڑے مانگ کر پہنے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا،
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَلَقَّانِي النَّاسُ فَوْجًا فَوْجًا يُهَنِّئُوْنِّيْ بِالتَّوْبَةِ يَقُوْلُوْنَ لِتَهْنِكَ تَوْبَةُ اللهِ عَلَيْكَ
لوگ جوق در جوق مجھ سے ملاقات کرتے جاتے تھے اور مجھے توبہ کی قبولیت پر بشارت دیتے جاتے تھے اور وہ کہتے تھے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی قبولیت مبارک ہو۔
قَالَ كَعْبٌ حَتّٰى دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَإِذَا بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ حَوْلَهُ النَّاسُ
کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخر میں مسجد میں داخل ہوا، نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے، چاروں طرف صحابہ کا مجمع تھا،
فَقَامَ إِلَيَّ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ يُهَرْوِلُ حَتّٰى صَافَحَنِيْ وَهَنَّأَنِيْ وَ اللهِ مَا قَامَ إِلَيَّ رَجُلٌ مِنَ
تو طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ دوڑ کر میری طرف بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، اللہ کی قسم! (وہاں موجود) مہاجرین میں سے کوئی بھی
الْمُهَاجِرِيْنَ غَيْرُهُ وَلَا أَنْسَاهَا لِطَلْحَةَ قَالَ كَعْبٌ فَلَمَّا سَلَّمْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
ان کے سوا میرے آنے پر کھڑا نہیں ہوا، میں طلحہ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے نبی کریم ﷺ کو سلام کیا
وَسَلَّمَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبْرُقُ وَجْهُهُ مِنَ السُّرُوْرِ أَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَرَّ
تو آپ ﷺ نے فرمایا اور آپ کا چہرہ مبارک خوشی اور مسرت کی وجہ سے دمک رہا تھا کہ اس مبارک دن کے لیے تمہیں بشارت ہو
عَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ قَالَ قُلْتُ أَمِنْ عِنْدِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَمْ مِنْ عِنْدِ اللهِ؟ قَالَ لَا بَلْ مِنْ
جو تمہاری عمر کا سب سے مبارک دن ہے۔ کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بشارت آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا
عِنْدِ اللهِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ قِطْعَةُ قَمَرٍ
کہ نہیں، بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ نبی کریم ﷺ جب کسی بات پر خوش ہوتے تو چہرۂ مبارک روشن ہو جاتا تھا، جیسے چاند کا ٹکڑا ہو
وَ كُنَّا نَعْرِفُ ذٰلِكَ مِنْهُ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ مِنْ تَوْبَتِيْ أَنْ أَنْخَلِعَ
اور آپ ﷺ کی مسرت کو ہم آپ کے چہرہ مبارک سے سمجھ جاتے تھے۔ پھر جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں اپنی توبہ کی قبولیت
مِنْ مَالِيْ صَدَقَةً إِلَى اللهِ وَإِلٰى رَسُوْلِ اللهِ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ
کی خوشی میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں صدقہ کر دوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں لیکن کچھ مال
بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَإِنِّيْ أُمْسِكُ سَهْمِيَ الَّذِيْ بِخَيْبَرَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ اللهَ
اپنے پاس بھی رکھ لو، یہ زیادہ بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ پھر میں خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھ لوں گا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے

إِنَّمَا نَجَّانِي بِالصِّدْقِ وَإِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ لَّا أُحَدِّثَ إِلَّا صِدْقًا مَا بَقِيتُ فَوَاللهِ مَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِّنَ
مجھے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی، اب میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ کے سوا اور کوئی بات زبان پر نہ لاؤں گا۔ اللہ کی قسم! میں کسی

الْمُسْلِمِينَ أَبْلَاهُ اللهُ فِي صِدْقِ الْحَدِيثِ مُنْذُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جسے اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے اتنا آزمایا ہو، جتنا نبی کریم ﷺ کے سامنے سچ بولنے کی وجہ سے

أَحْسَنَ مِمَّا أَبْلَانِي وَمَا تَعَمَّدْتُ مُنْذُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى يَوْمِي
اچھے انداز میں مجھے آزمایا ہے، جب سے میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ عہد کیا، پھر آج تک کبھی

هٰذَا كَذِبًا وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَّحْفَظَنِي اللهُ فِيمَا بَقِيتُ وَأَنْزَلَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
جھوٹ کا ارادہ بھی نہیں کیا اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر آیت (ہمارے بارے میں) نازل کی تھی:

لَقَدْ تَابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَى قَوْلِهِ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ فَوَاللهِ مَا أَنْعَمَ اللهُ
"یقیناً اللہ تعالیٰ نے نبی، مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول کی" اس کے ارشاد وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ تک، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کی طرف سے

عَلَيَّ مِنْ نِّعْمَةٍ قَطُّ بَعْدَ أَنْ هَدَانِي لِلْإِسْلَامِ أَعْظَمَ فِي نَفْسِي مِنْ صِدْقِي لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ
اسلام کے لیے ہدایت کے بعد، میری نظر میں نبی کریم ﷺ کے سامنے اس سچ بولنے سے بڑھ کر اللہ کا مجھ پر اور کوئی انعام نہیں ہوا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَّا أَكُونَ كَذَبْتُهُ فَأَهْلِكَ كَمَا هَلَكَ الَّذِينَ كَذَبُوا فَإِنَّ اللهَ قَالَ لِلَّذِينَ كَذَبُوا
کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا اور اس طرح اپنے کو ہلاک نہیں کیا، جیسا کہ جھوٹ بولنے والے ہلاک ہو گئے تھے۔ نزول وحی کے زمانہ میں

حِينَ أَنْزَلَ الْوَحْيَ شَرَّ مَا قَالَ لِأَحَدٍ فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى سَيَحْلِفُونَ بِاللهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ
جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے اتنی شدید وعید فرمائی جتنی شدید کسی دوسرے کے لیے نہیں فرمائی ہوگی، چنانچہ فرمایا ہے: سَيَحْلِفُونَ بِاللهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ سے

إِلَيْهِمْ إِلَى قَوْلِهِ فَإِنَّ اللهَ لَا يَرْضَى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ قَالَ كَعْبٌ وَكُنَّا تَخَلَّفْنَا أَيُّهَا
فَإِنَّ اللهَ لَا يَرْضَى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ تک۔ کعب ؓ فرماتے ہیں کہ ہم تین ان لوگوں کے معاملے سے جدا رہے،

الثَّلَاثَةُ عَنْ أَمْرِ أُولٰئِكَ الَّذِينَ قَبِلَ مِنْهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ حَلَفُوا لَهُ
جنھوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے قسم کھا لی تھی اور آپ ﷺ نے ان کی بات مان بھی لی تھی، ان سے بیعت بھی لی تھی

فَبَايَعَهُمْ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمْ وَأَرْجَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرَنَا حَتّٰى قَضَى اللهُ فِيهِ
اور ان کے لیے طلب مغفرت بھی فرمائی تھی، لیکن ہمارا معاملہ نبی کریم ﷺ نے مؤخر کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کا فیصلہ فرمایا تھا،

فَبِذٰلِكَ قَالَ اللهُ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا وَلَيْسَ الَّذِي ذَكَرَ اللهُ مِمَّا خُلِّفْنَا عَنِ الْغَزْوِ
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا سے یہی مراد ہے کہ ہمارا مقدمہ ملتوی رکھا گیا، یہ مراد نہیں ہے کہ ہم جہاد سے پیچھے رہ گئے،

إِنَّمَا هُوَ تَخْلِيفُهُ إِيَّانَا وَإِرْجَاؤُهُ أَمْرَنَا عَمَّنْ حَلَفَ لَهُ وَاعْتَذَرَ إِلَيْهِ فَقَبِلَ مِنْهُ
بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے پیچھے رہے جنھوں نے قسمیں کھا کر اپنے عذر بیان کئے اور نبی کریم ﷺ نے ان کے عذر قبول کر لیے

وَمَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِهَا مَشْهَدَ بَدْرٍ وَإِنْ كَانَتْ بَدْرٌ أَذْكَرَ فِي النَّاسِ مِنْهَا: حضرت کعب ؓ فرماتے ہیں کہ بدر میں حاضری کے مقابلے میں لیلۃ العقبۃ کی حاضری مجھے زیادہ محبوب ہے، اگرچہ بدر لوگوں میں لیلۃ العقبۃ کے مقابلے میں زیادہ مشہور ہے۔ یہ حضرت کعب ؓ کی رائے ہے ورنہ دیگر صحابہ وتابعین اور سب علماء کی رائے یہ

ہے کہ بدر کا مقام ورتبہ لیلۃ العقبۃ سے زیادہ ہے، احادیث سے بھی بدر کی فضیلت زیادہ معلوم ہوتی ہے اور شرکاء بدر کے فضائل بھی شرکاء لیلۃ العقبۃ سے زیادہ ہیں، لیکن حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ لیلۃ العقبۃ کا واقعہ اگر پیش نہ آتا تو بدر کی نوبت ہی نہ آتی، اس لیے وہ لیلۃ العقبۃ کو بدر کے مقابلے میں افضل سمجھتے تھے۔

وَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ غَزْوَةً إِلَّا وَرّٰى بِغَيْرِهَا: عام طور پر غزوات کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگی حکمت عملی کے تحت اصل مقام کی صراحت نہیں فرماتے تھے، بلکہ قریب کے کسی اور علاقے کا ذکر کرتے یا بعض اوقات بالکل مخالف سمت کی طرف ارشاد فرماتے، تاکہ مخالفین کو پوری طرح اطلاع نہ ہو سکے، لیکن غزوۂ تبوک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح اعلان کر دیا تھا کہ ہم تبوک کی طرف جا رہے ہیں، بظاہر اس کی دو وجوہات تھیں، ایک تو یہ کہ لوگ اس سفر کی مکمل تیاری کر لیں اور دوسرا یہ کہ رومیوں کو پتہ چل جائے کہ جن لوگوں کو وہ کمزور سمجھ رہے ہیں ان میں اتنی استطاعت ہے کہ دشمن کے حملے کا انتظار کئے بغیر از خود پیش قدمی کر کے ان پر حملہ کر دیں، گویا اس اعلان سے رومیوں کو مرعوب کرنا مقصود تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ ایسے مرعوب ہوئے کہ مقابلہ پر ہی نہیں آئے۔

وَالْمُسْلِمُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرٌ: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں تیس ہزار سے زائد افراد تھے، محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی نقل کیا ہے، واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ دس ہزار گھوڑے تھے، بظاہر جن روایات میں ہے کہ اس سفر میں دس ہزار افراد تھے اس سے دس ہزار گھڑ سوار مراد ہیں، تمام روایات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ شرکاء کی تعداد تیس اور چالیس ہزار کے درمیان تھی۔

یہ غزوہ سخت گرمی کے زمانے میں ہوا، روایت میں ہے: **حِيْنَ طَابَتِ الثِّمَارُ وَالظِّلَالُ** کہ جب پھل اور سائے عمدہ ہو گئے تھے، پھلوں کا عمدہ ہونا تو ان کے پکنے سے ہوتا ہے اور سائے کا عمدہ ہونا گرمی کی شدت میں محسوس ہوتا ہے، گرمی شدید ہو تو سایہ بڑا خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔

وَتَجَهَّزَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُوْنَ مَعَهُ: بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان اس غزوہ کی تیاری میں مصروف ہو گئے، جبکہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں روزانہ یہ سوچ کہ کل تیاری کر لوں گا کہہ کر ٹالتا رہا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کا لشکر روانہ ہو گیا، تو میں نے سوچا کہ میں پیچھے روانہ ہو کر اس مبارک لشکر میں شامل ہو جاؤں گا **وَلَيْتَنِيْ فَعَلْتُ** اور کاش میں ایسا کر لیتا لیکن ایسا نہیں ہوا اور میں اس غزوہ میں شریک نہیں ہو سکا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانے کے بعد میں باہر نکلتا **فَطُفْتُ فِيْهِمْ** اور جا کر لوگوں میں چکر لگاتا تو مجھے اس بات کا غم ہوتا کہ مجھے مدینہ منورہ میں صرف دو قسم کے لوگ ہی نظر آتے، یا تو وہ لوگ رہ گئے

تھے جو معذور تھے، بیمار تھے، بوڑھے تھے، سفر کے قابل نہیں تھے یا پھر وہ منافق تھے جن کے بارے میں لوگوں کو اندازہ تھا کہ یہ منافق ہیں۔

وَلَمْ يَذْكُرْنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَلَغَ تَبُوْكَ: بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک پہنچ گئے اور تبوک پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَا فَعَلَ كَعْبٌ؟ کعب کا کیا معاملہ ہوا؟ اب اگر دیکھا جائے تو ایک طرف تو کہا جارہا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وَلَا يَجْمَعُهُمْ كِتَابٌ حَافِظٌ اس کو کسی کتاب میں لکھنا بھی مشکل تھا، دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک پہنچتے ہی اس صحابی کے بارے میں دریافت کرتے ہیں جو تبوک نہیں آسکا، اسی طرح تبوک کے سفر کے دوران ایک موقع پر دور سے غبار اڑتا ہوا نظر آیا اور ایسا محسوس ہوا کہ کوئی آرہا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كن ابا خيثمة یہ ابوخیثمہ ہوں گے اور ایسا ہی ہوا، اسی سفر میں دوسرے موقع پر کوئی آتا ہوا محسوس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ كن ابا ذر یہ ابوذر ہوں گے اور جب آنے والا قریب ہوا تو وہ ابوذر ہی تھے، تو یہ سب واقعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائدانہ صلاحیت سے مالا مال تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے ساتھیوں کے ساتھ کامل وابستگی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے حالات سے مکمل طور پر باخبر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ کس کی کیا نوعیت اور کیا کیفیت ہے، کون غزوہ میں شریک ہوسکتا ہے اور کون شریک نہیں ہوسکے گا، چنانچہ جن لوگوں کے بارے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات ارشاد فرمائی، ویسا ہی ہوا اور تبوک پہنچتے ہیں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں استفسار فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ ایک قائد اور امیر کو چاہئے کہ اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں کی مکمل کارگزاری اور ان کے حالات سے واقف رہے۔

فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ سَلِمَةَ يَا رَسُوْلَ اللهِ حَبَسَهُ بُرْدَاهُ وَنَظَرُهُ فِيْ عِطْفِهِ: یہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! انہیں ان کی دو چادروں نے اور اپنی جانب نظر کرنے نے روک لیا ہے، یعنی خوشحالی نے انہیں نازک مزاج بنادیا ہے، اس لئے وہ نہیں آئے۔ **فَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ بِئْسَ مَا قُلْتَ:** تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے بہت بری بات کی، وَاللهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم ہم کعب میں خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ ایک روایت میں ہے کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنے والے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ تھے، لیکن بخاری شریف کی روایت اصح ہے، علامہ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا دفاع خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں زمخشری سے وہم ہوا ہے، دفاع کرنے والے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں تھے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے۔

وَأَصْبَحَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَادِمًا: بہرحال غزوۂ تبوک میں باقاعدہ جنگ کی نوبت نہیں آئی اور

حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے، آپ ﷺ مدینہ منورہ صبح کے وقت تشریف لائے تھے، یہ آپ ﷺ کا معمول تھا، روایات میں وارد ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے رات کے وقت سفر سے واپس آنے سے منع فرمایا ہے، تو آپ ﷺ بھی سفر سے واپس صبح کے وقت میں تشریف لاتے تھے، اسی طرح یہ بھی عادت مبارکہ تھی کہ **وَكَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ** جب آپ ﷺ سفر سے آتے تھے تو سب سے پہلے مسجد جایا کرتے تھے اور **فَيَرْكَعُ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ** مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے، **ثُمَّ جَلَسَ لِلنَّاسِ** پھر لوگوں کے لیے بیٹھ جاتے تھے۔ یہاں روایت میں نہیں ہے، مگر دوسری روایتوں میں ہے کہ پھر آپ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سب گھروں میں جاتے تھے، پھر اس گھر میں جاتے، جہاں آپ ﷺ نے آرام فرمانا ہوتا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور مسجد میں جا کر دو رکعت ادا فرما کر لوگوں کے مجمع میں بیٹھ گئے تو منافقین جو اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے عذر بیان کرنے لگے اور آپ ﷺ ان کے باطن کو اللہ کے حوالے کرتے ہوئے ان کے اعذار کو قبول کرتے رہے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو جب آپ ﷺ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے آپ کو سلام کیا **تَبَسَّمَ تَبَسُّمَ الْمُغْضَبِ** تو آپ ﷺ مسکرائے جیسا کہ وہ آدمی مسکراتا ہے، جس کو غصہ دلایا گیا ہو۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: آگے آؤ۔ میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: **مَا خَلَّفَكَ؟** کس چیز نے تمہیں پیچھے کر دیا؟ کیا تم نے سواریاں نہیں خریدی ہوئی تھیں؟ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں، اللہ کی قسم! اگر میں آپ کے علاوہ اہل دنیا میں سے کسی کے سامنے بیٹھا ہوتا تو میں سمجھتا ہو کہ میں کوئی عذر کر کے اس کی ناراضگی سے نکل جاتا، **وَلَقَدْ أُعْطِيْتُ جَدَلًا** اور مجھے **جدل** دیا گیا ہے یعنی مجھے بحث کی طاقت دی گئی ہے اور میں مختلف قسم کے دلائل دے سکتا ہوں لیکن اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ اگر میں آج آپ سے کوئی جھوٹی بات کروں گا کہ جس سے آپ مجھ سے راضی ہو جائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ آپ کے سامنے حقیقت کو واضح کر دے گا جس کی وجہ سے آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے اور اگر میں آپ سے سچی بات کروں گا **تَجِدُ عَلَيَّ فِيْهِ** جس سے آپ مجھ سے وقتی طور پر ناراض ہو جائیں گے، لیکن مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سچ اور اپنی کوتاہی پر ندامت کی بناء پر مجھے معاف فرما دیں گے اور اس کے نتیجے میں آپ بھی مجھ سے راضی ہو جائیں گے۔

یہ بڑی اہم بات ہے کہ یہ فکر ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، چاہے وقتی طور پر دوسرے اس سے ناراض ہو جائیں، وجہ یہ ہے کہ اگر جھوٹ بول کر اور دھوکہ دے کر شیخ کو، استاذ کو یا کسی کو بھی راضی کر دیا اور بعد میں ایسے

حالات پیدا ہو گئے کہ سچ واضح ہو گیا تو اللہ بھی ناراض ہو گا اور وہ شیخ یا استاذ بھی ناراض ہو جائے گا اور اگر اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے سچی بات کہی، تو سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے اور سچ بولنے سے وقتی طور پر نقصان بھی ہوتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن اس سچ بولنے کی برکت یہ ہوگی کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں گے اور بعد میں جو لوگ اس سچ کی وجہ سے وقتی طور پر ناراض ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی راضی کر دیں گے۔

بہر حال حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بولنے سے احتراز کرتے ہوئے سچ بولا اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَمَّا هٰذَا فَقَدْ صَدَقَ کہ ہاں اس نے سچ کہا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَقُمْ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ فِيْكَ کہ ٹھیک ہے، اب جاؤ تمہارے بارے میں اللہ ہی فیصلہ فرمائیں گے۔

جو معاملہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا وہی معاملہ دو اور بدری صحابہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔

وَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمِيْنَ عَنْ كَلَامِنَا: اشکال ہوتا ہے کہ یہ تینوں حضرات یعنی حضرت کعب، حضرت مرارہ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم اپنی کوتاہی پر نادم تھے اور حدیث میں ہے کہ الندم توبة تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سختی کیوں اختیار فرمائی؟ علماء کرام نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں:

❶ اس سختی سے ان میں الحاح وزاری کی وہ کیفیت پیدا کرنا مقصود تھی جو تکمیل توبہ کے لیے ضروری تھی، چنانچہ ان ایام میں یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے حضور خوب روئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی توبہ نازل ہوئی۔

❷ بعض حضرات نے کہا کہ توبہ تو قبول ہو گئی تھی، البتہ مقاطعہ کا اعلان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تادیب کی غرض سے کیا تھا۔

❸ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الندم توبة عوام کے لیے ہے، خواص سے الحاح وزاری بھی مطلوب ہوتی ہے، پھر چونکہ ان حضرات نے اللہ کے بھروسہ پر سچ بولا تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیا۔

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے مسلمانوں نے ان تینوں حضرات سے بات چیت اور دیگر معاملات ترک کر دیئے اس دوران کئی باتیں پیش آئیں جس کا تذکرہ حدیث اور ترجمہ میں گزرا۔ حضرت

حَتّٰى إِذَا مَضَتْ أَرْبَعُوْنَ لَيْلَةً مِنَ الْخَمْسِيْنَ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب پچاس میں سے چالیس راتیں گزر گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قاصد میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ۔ میں نے کہا کہ کیا میں اسے طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ اس قاصد نے کہا کہ نہیں طلاق نہ دو، البتہ تم اس سے علیحدگی اختیار کر لو اور اس کے قریب مت جاؤ اور یہی پیغام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں ساتھیوں کو بھی بھیجا، تو میں نے اپنی بیوی سے کہا: اَلْحَقِيْ بِأَهْلِكِ تم اپنے گھر چلی جاؤ اور تم وہیں رہنا،

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملے کا کوئی فیصلہ فرمادیں۔

الحقی باھلک الفاظ کنایہ میں سے ہے، یعنی اگر اس سے طلاق کی نیت ہوگی تو طلاق واقع ہوگی، لیکن اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی، یہاں چونکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی نیت طلاق کی نہیں تھی بلکہ صرف میکے بھیجنے کی نیت تھی، اس لیے اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کو بھی جب یہ حکم ملا تو ان کی اہلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہلال بوڑھے ہوگئے ہیں وہ اپنا کام خود نہیں کر سکتے، لَيْسَ لَهُ خَادِمٌ اور ان کا کوئی نوکر بھی نہیں ہے، فَهَلْ تَكْرَهُ أَنْ أَخْدُمَهُ؟ تو کیا آپ اس بات کو ناپسند کریں گے کہ میں ان کی خدمت کروں؟ یعنی اگر میں بوڑھے شوہر کو اس حالت میں چھوڑ کر چلی جاؤں گی تو وہ اپنی روزمرہ زندگی کے معاملات انجام نہیں دے سکیں گے تو اگر میں ان کی خدمت کروں تو کیا آپ اسے ناپسند کریں گے؟ قَالَ لَا وَلٰكِنْ لَا يَقْرَبْكِ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، یہ میں نے نہیں کہا، تم ان کی خدمت کرسکتی ہو، لیکن تمہارے شوہر تمہارے قریب نہ آئیں۔

بہرحال حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے کر دوبارہ اپنے شوہر کے پاس رہائش اختیار کرلی، تو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے کچھ گھر والوں نے بھی مجھ سے کہا کہ اگر تم بھی اپنی بیوی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے لو، تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ اگر میں اپنی بیوی کے بارے میں اجازت مانگوں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب میں کیا فرمائیں گے، کیونکہ میں جوان آدمی ہوں یعنی حضرت بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ تو بوڑھے ہیں، اپنا کام خود کر نہیں سکتے، جبکہ میں تو جوان ہوں اپنے سارے کام خود کر سکتا ہوں تو میں ان کو بنیاد بنا کر اجازت مانگوں، یہ بات مجھے صحیح نہیں لگ رہی، چنانچہ انہوں نے اجازت نہیں مانگی۔

اشکال و جواب: یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ بات چیت کرنے سے منع فرمادیا تھا، تو پھر ان کے گھر والوں میں سے کسی نے ان سے کلام کیوں کیا؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

❶ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ کلام اشارہ کے ذریعہ سے ہوا تھا، کلام لسانی تھا ہی نہیں، جبکہ ممانعت کلام لسانی کی فرمائی گئی تھی، لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ کلام سے ممانعت سے مقصود یہ نہیں تھا کہ زبان سے نہ بولا جائے اور اشارہ سے بات کرلی جائے بلکہ مقصود تو مطلقاً مقاطعہ تھا، چاہے وہ زبان کے ذریعہ سے ہو یا ہاتھ کے اشارہ سے ہو یعنی کسی طرح بھی کلام نہ کیا جائے۔

❷ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ گھر کے افراد کلام کی ممانعت سے مستثنیٰ تھے اور یہی بات راجح ہے۔

فَلَمَّا صَلَّيْتُ صَلَاةَ الْفَجْرِ صُبْحَ خَمْسِينَ لَيْلَةً: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے

پچاسویں رات کی صبح اپنے گھر کی چھت پر فجر کی نماز پڑھی اور میں نماز کی حالت ہی میں بیٹھا تھا اور میرا وہی حال ہو چکا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: قَدْ ضَاقَتْ عَلَيَّ نَفْسِيْ کہ میرا نفس میرے اوپر تنگ ہو گیا تھا وَضَاقَتْ عَلَيَّ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اور زمین باوجود اپنی کشادگی کے مجھ پر تنگ ہو چکی تھی، سَمِعْتُ صَوْتَ صَارِخٍ میں نے ایک چیخنے والے کی آواز سنی۔

یہ روایت یہاں مختصر ہے، البتہ دوسری روایتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ اس رات نبی کریم ﷺ اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تھے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی بڑی فکر تھی کہ یہ معاملہ کسی طریقے سے حل ہو، تو اس رات میں نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ان تینوں کی توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سنائی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اجازت دیجیے کہ میں کسی کو تلاش کر کے کعب بن مالک کے پاس بھیج دوں، کیونکہ وہ بہت پریشان ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، اگر ابھی سے پتا چل گیا تو لوگ یہاں جمع ہو جائیں گے اور سب کو پریشانی ہوگی، چنانچہ آپ ﷺ نے وہ رات گزاری، پھر فجر کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے وہ آیتیں تلاوت کیں، جو ان تین حضرات کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔

سَمِعْتُ صَوْتَ صَارِخٍ یہ صَارِخٍ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ تھے، جبکہ واقدی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صَارِخٍ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، آگے روایت میں وَسَعٰى سَاعٍ مِنْ أَسْلَمَ کے الفاظ سے قول اول کی تائید ہوتی ہے۔

وَرَكَضَ إِلَيَّ رَجُلٌ فَرَسًا یہ فارس حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ تھے، بعض روایات میں منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بشارت دینے گئے تھے۔

فَكَسَوْتُهُ إِيَّاهُمَا: علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ ایک عام طریقہ رہا ہے کہ جب کوئی آدمی بشارت لے کر آتا ہے تو اس کو کچھ دیدیا جاتا ہے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بدن کے دو کپڑے خوشخبری سنانے والے کو دیدیئے اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے عاریتاً کپڑے لے کر پہنے۔

وَاللّٰهِ مَا أَمْلِكُ غَيْرَهُمَا يَوْمَئِذٍ: اس کا مطلب یہ ہے کہ کپڑے کی جنس سے وہ کسی اور چیز کے مالک نہیں تھے ویسے اور سامان واسباب ان کے پاس کافی تھا جیسا کہ خود انہوں نے فرمایا کہ اس وقت میری حالت بہت اچھی تھی۔

بہر حال حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد کی طرف روانہ ہوا، راستے میں لوگ مجھے مبارک باد دیتے رہے، یہاں تک کہ میں مسجد میں داخل ہوا، رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں تشریف فرما تھے، مجھے دیکھ کر طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہو کر تیزی سے میرے پاس آئے، مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی۔ میں طلحہ کے اس محبت بھرے انداز کو کبھی بھول نہیں پاؤں گا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی کی وجہ سے چمک رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **أَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَرَّ عَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ** تم اس بہترین دن کی خوشخبری حاصل کرو جو آج تم پر آیا ہے، جب سے تمہاری ماں نے تمہیں جنا ہے۔

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ ان کے لیے زندگی کا بہترین دن تو وہ ہونا چاہئے، جس دن وہ اسلام لائے تھے، یہاں تو بہ قبول ہونے کے دن کو ان کی عمر کا بہترین دن کیسے قرار دیا؟ شراح کرام نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں:

❶ بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ان کے اسلام لانے کا دن اس سے مستثنیٰ ہے، اگرچہ یہاں صراحت نہیں ہے لیکن مراد یہی ہے کہ اسلام قبول کرنے والے دن کے علاوہ باقی دنوں میں یہ دن سب سے زیادہ بہتر ہے۔

❷ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جس دن انہوں نے اسلام قبول کیا تھا اس دن سعادت کی ابتداء تھی اور جس دن اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول ہونے کا اعلان فرمایا اس دن ان کی سعادت کی تکمیل ہوئی، اس اعتبار سے یہ دن ان کے لیے زیادہ اکرم واشرف ہے۔

قَالَ كَعْبٌ وَكُنَّا تَخَلَّفْنَا أَيُّهَا الثَّلَاثَةُ عَنْ أَمْرِ أُولَئِكَ: اس عبارت سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ آیت مبارکہ: **وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا** کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ آیت کے ظاہری مطلب سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ شاید **خُلِّفُوا** سے مراد یہ ہے کہ وہ جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تین حضرات کی توبہ کے معاملہ کو مؤخر کر دیا گیا تھا اور پچاس دن گزرنے کے بعد ان کی توبہ کا حکم نازل ہوا۔ چنانچہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تین آدمیوں کا معاملہ ان لوگوں کے معاملے سے مؤخر کر دیا گیا تھا، جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذر قبول کر لیا تھا، جبکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر قسمیں کھائی تھیں اور آپ نے ان سے بیعت بھی لے لی تھی اور ان کے لیے استغفار بھی کر دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے معاملے کو مؤخر کر دیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فیصلہ نازل فرمایا، تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد **وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا** سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہم جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے: **إِنَّمَا هُوَ تَخْلِيفُهُ إِيَّانَا وَإِرْجَاؤُهُ أَمْرَنَا عَمَّنْ حَلَفَ لَهُ وَاعْتَذَرَ إِلَيْهِ فَقَبِلَ مِنْهُ** کہ ہمیں عذر قبول کرنے کے اعتبار سے پیچھے کر دیا گیا تھا اور ہمارے معاملے کو ان منافقوں کے مقابلے میں مؤخر دیا گیا تھا، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قسمیں کھائی تھیں اور آپ کے سامنے عذر پیش کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا عذر قبول کر لیا تھا۔

وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سوالات:

مذکورہ بالا حدیث سے متعلق وفاق المدارس کے **سن ۱۴۳۹ ہجری** میں ہونے والے **شعبہ بنات** کے امتحان میں مندرجہ

ذیل سوالات پوچھے گئے:

❶ عبارت کا ترجمہ ❷ ولم يعاتب، عير، تواثقنا، وری کی لغوی وصرفی تحقیق سپرد قلم کریں ❸ ليلة العقبة کا مکمل واقعہ وسن تحریر کریں ❹ حدیث کعب رضی اللہ عنہ کے اہم اجزاء وآداب بیان کریں۔

بَابُ نُزُوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِجْرَ

باب: بستی حجر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزرنا

حجر مدینہ منورہ اور شام کے درمیان اس مقام کا نام ہے جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم، قوم ثمود رہتی تھی، چونکہ قوم ثمود پر اللہ تعالی کا عذاب نازل ہوا تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لیے جاتے ہوئے یہاں سے گزرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ مبارک پر چادر ڈال لی اور سواری کو تیز کر دیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ یہاں سے تیزی کے ساتھ گزرو، کوئی شخص یہاں کا پانی نہ پیے، جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے لاعلمی میں یہاں سے اپنے ساتھ پانی لے لیا تھا یا اس پانی سے آٹا وغیرہ گوندھ لیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ پانی گرا دیں اور وہ آٹا جانوروں کو کھلا دیں۔

یہاں ترجمة الباب پر اشکال کیا گیا ہے کہ اس باب میں جو احادیث مذکور ہیں اس میں مرور کا ذکر ہے نزول کا ذکر نہیں ہے؟ اس بناء پر بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اصل ترجمہ یہ تھا: باب مرور نبي بالحجر۔

اس کا جواب دیتے ہوئے شراح کرام فرماتے ہیں کہ یہاں نزول دراصل مرور ہی کے معنی میں ہے، کیونکہ یہاں نزول سے مراد وہاں پر اتر کر اقامت اختیار کرنا نہیں ہے، بلکہ ان کی سواریوں کا ان علاقوں میں داخل ہونا ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحِجْرِ قَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام حجر سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

لَا تَدْخُلُوْا مَسَاكِنَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ أَنْ يُّصِيْبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ إِلَّا أَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ

کہ ان لوگوں کی بستیوں سے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، جب گزرنا ہو تو روتے ہوئے گزرو، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب آ جائے جو ان پر آیا تھا،

ثُمَّ قَنَّعَ رَأْسَهُ وَ أَسْرَعَ السَّيْرَ حَتّٰى جَازَ الْوَادِيَ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور تیزی کے ساتھ چلنے لگے، یہاں تک کہ اس وادی سے نکل آئے

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِ الْحِجْرِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب حجر کے متعلق فرمایا

لَا تَدْخُلُوا عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِيْنَ إِلَّا أَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ أَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ

کہ اس معذب قوم کی بستی سے جب تمہیں گزرنا ہی ہے تو تم روتے ہوئے گزرو، کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو ان پر آیا تھا

یہاں روایت میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام حجر کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ کہ ان لوگوں کے گھروں میں بالکل بھی مت داخل ہونا، جنہوں نے اپنی جانوں کے اوپر ظلم کیا تھا، یعنی یہ ظالموں کی سرزمین ہے، ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی، جس کے سبب ان پر عذاب نازل کیا گیا، تو تم لوگ ان گھروں میں مت داخل ہونا، أَنْ يُّصِيْبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی اس عذاب کا کوئی حصہ پہنچ جائے جو ان کو پہنچا تھا۔

یہاں یہ معنی کرنا تو بہت بعید معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشاء یہ ہو کہ وہی عذاب جو قوم ثمود پر آیا تھا وہ عذاب تم پر بھی آ جائے گا، کیونکہ وہ عذاب تو ایک خاص شکل میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر آیا تھا، وہ تو ایک صیحۃ تھی، ایک چنگھاڑ تھی جس نے ان کے کلیجہ پھاڑ دیئے۔ العیاذ باللہ، لیکن وہی چیز دوبارہ گزرنے والے کے اوپر آ جانا یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے، لہٰذا بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشاء یہ تھی کہ ان لوگوں کے کفر و شرک اور باعث عذاب اعمال کے زہریلے جراثیم و نحوست اس علاقے میں پھیلے ہوئے ہوں گے، تو ایسا نہ ہو کہ وہ زہریلے جراثیم اور نحوست جو قوم ثمود پر عذاب لانے کا باعث ہوئے تھے وہ زہریلے اثرات تمہارے اوپر بھی نہ آ جائیں۔

نافرمانی کا مرکز کے مراکز کی آب و ہوا مسموم ہوتی ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح متبرک مقامات جیسے مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ وغیرہ جو ہر وقت طاعت وبندگی سے معمور رہتے ہیں، وہاں جانا، وہاں ٹھہرنا، عین قربت و عبادت اور موجب خیر و برکت اور باعث نزول رحمت ہے، اس کے برعکس ایسے مقامات میں قصداً داخل ہونا جو عرصہ تک اللہ کی نافرمانی کا مرکز رہے ہیں اور جہاں اللہ کا قہر وعذاب نازل ہوا ہے نہایت خطرناک ہے اور جس طرح بابرکت مقامات کے دیکھنے سے دل کی ظلمتیں اور کدورتیں دور ہوتی ہیں، اسی طرح جس جگہ عذاب نازل ہوا ہوتا ہے وہاں کی آب و ہوا مسموم ہو جاتی ہے اور وہاں کے زہریلے جراثیم روح وقلب کے لئے مضر ہو جاتے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیار ثمود کا پانی استعمال کرنے سے بھی منع فرما دیا، البتہ مجبوری کا حکم چونکہ الگ ہوتا ہے اور تبوک جانے کے لئے دیار ثمود ہی سے گزرنا پڑتا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ یہاں سے روتے ہوئے گزرو اور خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سر ڈھانک لیا اور اونٹنی کو تیز کر دیا اور جلدی سے اس علاقہ کو پار کر لیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس علاقے میں کسی قوم پر عذاب آیا ہو، اس میں بلا ضرورت نہیں جانا چاہئے اور اگر مجبوراً جانا پڑ جائے تو جلدی سے وہاں سے نکلنے کی کوشش کرے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ کے سامنے روتا ہوا اور گڑگڑاتا ہوا داخل ہو اور تیزی سے وہاں سے گزر جائے۔

اشکال اور جواب

یہاں یہ بھی اشکال کیا جاتا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰی** کہ دوسرے کا گناہ اور بوجھ کوئی اور شخص نہیں اٹھائے گا، تو یہاں ان ظالموں کے گھروں میں داخل ہونے سے پھر آپ ﷺ کیوں منع فرما رہے ہیں؟ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث کا تعلق امور دنیا سے ہے اور آیت کا تعلق امور آخرت سے ہے، یہ ممکن ہے کہ دنیا میں کسی معذب جگہ سے کسی کا گزر ہو تو وہ بھی عذاب کی لپیٹ میں آجائے، لیکن آخرت میں ایسا نہیں ہوگا، بلکہ آخرت میں صرف گنہگار پکڑے جائیں گے، غیر گنہگار نہیں پکڑے جائیں گے۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ عَنِ اللَّيْثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِيهِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَعْضِ

عروہ بن مغیرہ اپنے والد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے،

حَاجَتِهِ فَقُمْتُ أَسْكُبُ عَلَيْهِ الْمَاءَ لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذَهَبَ يَغْسِلُ

پھر میں آپ ﷺ کے وضو کے لیے پانی انڈیل رہا تھا، جہاں تک مجھے علم ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے چہرہ مبارک دھویا اور جب ہاتھوں کو

ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَ عَلَيْهِ كُمُّ الْجُبَّةِ فَأَخْرَجَهُمَا مِنْ تَحْتِ جُبَّتِهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ مَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ

کہنیوں تک دھونے کا ارادہ کیا تو جبہ کی آستین تنگ نکلی، چنانچہ آپ ﷺ نے ہاتھ جبے کے نیچے سے نکال لئے اور انہیں دھویا، پھر موزوں پر مسح کیا

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کافروں کا بنا ہوا لباس پہننا فی نفسہ جائز ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے شامی جبہ زیب تن کیا ہوا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قمیص کی آستین اگر تنگ ہو تو اسے بھی پہننا جائز ہے، بشرطیکہ تشبہ بالفساق مقصود نہ ہو۔

حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ

عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ قَالَ أَقْبَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ حَتَّى إِذَا أَشْرَفْنَا

حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک سے واپس آ رہے تھے، جب آپ ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے

عَلَى الْمَدِينَةِ قَالَ هٰذِهٖ طَابَةُ وَ هٰذَا أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ

تو (مدینہ کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا کہ یہ طابۃ ہے اور یہ اُحد پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے

فَدَنَا مِنَ الْمَدِينَةِ فَقَالَ إِنَّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِيرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلَّا

اور مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جہاں بھی تم چلے اور جس وادی کو بھی تم نے عبور کیا وہ تمہارے ساتھ ساتھ تھے،

كَانُوْا مَعَكُمْ قَالُوْا يَا رَسُولَ اللهِ وَ هُمْ بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ وَ هُمْ بِالْمَدِيْنَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ
صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگرچہ وہ اس وقت مدینہ میں ہی تھے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی تمہارے ساتھ تھے کیونکہ انہیں عذر نے روک لیا تھا

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی اپنی بیماری کی وجہ سے یا اپنے گھر والوں کی بیماری کی وجہ سے یا کسی اور عذر شرعی کی وجہ سے جہاد میں، تبلیغ میں، یا اور کسی اور دینی کام میں شریک نہ ہو سکے، تو اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی۔ جیسے غزوۂ تبوک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنا کر آئے تھے، اسی طرح غزوۂ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کی اہلیہ کی تیمارداری کی وجہ سے مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دی تھی۔ الغرض جو آدمی کسی عذر شرعی کی وجہ سے، یا عذر طبعی کی وجہ سے کسی دینی کام میں نہ جا سکے، تو اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ اگر کوئی آدمی صحت کی حالت میں کوئی نیک کام کرتا تھا، اللہ کی عبادت کرتا تھا اور اب وہ بیمار ہو گیا اور وہ کام نہیں کر سکتا تو اسے ان تمام کاموں کا اجر ملتا ہے۔

بَابُ كِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى كِسْرٰى وَ قَيْصَرَ

باب: کسریٰ (شاہ ایران) اور قیصر (شاہ روم) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطوط لکھنا

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ

أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلَى كِسْرٰى مَعَ
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شاہ فارس) کسریٰ کے پاس اپنا خط

عَبْدِ اللهِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ فَأَمَرَهُ أَنْ يَّدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ
عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو دے کر بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ یہ خط بحرین کے گورنر کو دے دیں پھر بحرین کے گورنر نے وہ خط کسریٰ کو دیا،

إِلَى كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَأَهُ مَزَّقَهُ فَحَسِبْتُ أَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ
کسریٰ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک پڑھا، تو اسے پھاڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، میرا خیال ہے کہ ابن مسیب نے فرمایا کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ
ان (اہل فارس) کے لیے بددعا کی کہ وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنِ الْحَسَنِ

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ لَقَدْ نَفَعَنِيَ اللهُ بِكَلِمَةٍ سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ جمل کے موقع پر وہ جملہ میرے کام آ گیا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا،

أَيَّامَ الْجَمَلِ بَعْدَ مَا كِدْتُ أَنْ أَلْحَقَ بِأَصْحَابِ الْجَمَلِ فَأُقَاتِلَ مَعَهُمْ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُولَ اللهِ
بعد اس کے کہ میں ارادہ کر چکا تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ شریک ہو کر ان کے ساتھ قتال کروں گا، وہ فرماتے ہیں

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَهْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّكُوا عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرٰى قَالَ لَنْ يُّفْلِحَ
کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسریٰ کی لڑکی کو تخت و تاج کا وارث بنایا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً

کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جس نے اپنا حکمران کسی عورت کو بنایا ہو

صلح حدیبیہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف ملوک وسلاطین کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سلاطین وملوک ایسے خطوط نہیں پڑھتے اور نہ ہی قبول کرتے ہیں جن پر مہر نہ ہو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی اور اس میں نام مبارک کندہ کرایا پھر اس سے خطوط پر مہر لگا کر قاصدوں کو روانہ فرمایا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی روز میں چھ قاصدوں کو روانہ فرمایا، چنانچہ ❶ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو شاہ اسکندریہ مقوقس کے پاس ❷ شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو شاہ غسان حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس ❸ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو قیصر روم کے پاس ❹ سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ہوزہ بن علی الحنفی کے پاس یمامہ بھیجا، ❺ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو شاہ حبشہ نجاشی کے پاس اور ❻ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو شاہ ایران کسریٰ کے پاس بھیجا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین کی دعوت قلم کے ذریعے بھی دی جاسکتی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ساری جگہوں میں خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطوط ارسال فرما کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسریٰ کی طرف سن ۷ ہجری میں نامہ مبارک روانہ کیا تھا، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سن ۹ ہجری کا ہے، اس لئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب غزوۂ تبوک کے بعد ذکر کیا اور اس باب کے بھی آخر میں غزوۂ تبوک سے متعلق حدیث نقل کی، اس میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ واقعہ سن ۹ ہجری کا ہے۔

قیصر روم ہرقل کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ والا نامہ مبارک روانہ فرمایا ہے، ایک مرتبہ صلح حدیبیہ کے بعد اور دوسری بار غزوۂ تبوک کے موقع پر۔ صلح حدیبیہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو نامہ مبارک دے کر روانہ فرمایا تھا، اس کی پوری تفصیل حدیث ہرقل میں مذکور ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے، قیصر روم کی طرف دوسری بار غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خط روانہ فرمایا ہے، لیکن چونکہ اس کے متعلق کوئی روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی شرط کے مطابق نہیں ملی، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں کوئی ایسی روایت ذکر نہیں فرمائی جس میں کتاب الی قیصر کا تذکرہ ہو، جبکہ اصحاب مغازی نے دوسری بار غزوۂ تبوک کے موقع پر کتاب الی قیصر کا ذکر کیا ہے، البتہ اس باب میں جو روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائی ہے، اس میں کتاب الی کسری کا ذکر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کی طرف خط دے کر روانہ فرمایا۔ کسریٰ (بفتح الکاف و بکسرھا) اس زمانے میں فارس کے ہر بادشاہ کا لقب ہوتا تھا، جس کسریٰ کی طرف رسول اللہ ﷺ نے خط روانہ فرمایا اس کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا، یہ ایران کے مشہور بادشاہ نوشیروان کا پوتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ خط بحرین کے حاکم منذر بن ساویٰ کو پہنچا ئیں، بحرین کا علاقہ چونکہ اس وقت کسریٰ کے ماتحت تھا اس لیے آپ ﷺ نے حاکم بحرین تک خط پہنچانے کا حکم دیا کہ وہ آگے کسریٰ تک پہنچا دے گا، چنانچہ اس نے یہ خط کسریٰ خسرو پرویز تک پہنچا دیا، اس خط مبارک کا مضمون یہ تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله الى كسرى عظيم فارس سلام على من اتبع الهدى و أمن بالله ورسوله و شهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله ادعوك بدعاية الله فاني انا رسول الله الى الناس كافة لينذر من كان حيا ويحق القول على الكافرين اسلم تسلم فان ابيت فعليك اثم المجوس

کسریٰ نے جب رسول اللہ ﷺ کا یہ خط پڑھا تو خط مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، رسول اللہ ﷺ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے بددعا فرمائی اللهم مزق ملكه اے اللہ! اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیجئے۔

کسریٰ نے صرف خط کے پھاڑنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس نے مزید یہ گستاخی کی کہ یمن کے گورنر باذان کے پاس پیغام بھیجا کہ دو آدمی حجاز بھیج کر اس شخص کو گرفتار کر کے میرے پاس حاضر کرو جس نے مجھے یہ خط لکھا ہے، چنانچہ باذان نے دو آدمیوں کو خط دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ روانہ کیا، جب یہ دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ کی عظمت وجلال کو دیکھ کر کانپنے لگے، اسی حال میں انہوں نے باذان کا خط پیش کیا، خط کے مندرجات سن کر آپ ﷺ مسکرائے اور ان دونوں کو اسلام کی دعوت دی، پھر آپ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا: ابلغا صاحبكما ان ربي قتل ربه في هذه الليلة یعنی اپنے آقا (باذان) کو یہ خبر پہنچا دو کہ میرے رب نے اس کے آقا (پرویز) کو آج رات قتل کر دیا ہے۔ ان دونوں قاصدوں نے جا کر باذان کو یہ اطلاع دی تو باذان نے کہا کہ خدا کی قسم! اگر یہ خبر صحیح ہے تو وہ بلاشبہ نبی برحق ہیں، چنانچہ جب اس نے تحقیق کی تو کسریٰ کو ٹھیک اسی رات اس کے بیٹے نے قتل کیا تھا جس رات کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے اس کے قتل کی خبر دی تھی، اس سے متاثر ہو کر باذان اپنے خاندان سمیت مسلمان ہو گیا۔

کسریٰ کے قتل اور آپ ﷺ کی بددعا کے وقوع کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ کہ خود کسریٰ پرویز کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کا دشمن بن گیا، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ شیرویہ اپنے باپ پرویز کی بیوی شیریں پر عاشق ہو گیا تھا، اس کے حصول

کے لیے اس نے پرویز کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا، پرویز کو جب اس منصوبے کا پتہ چلا تو اس نے اپنی الماری میں ایک ڈبیہ میں زہر رکھا اور اس پر لکھا الدواء النافع للجماع، چنانچہ جب منصوبہ کے مطابق شیرویہ نے اپنے باپ پرویز کو قتل کیا اور خود تخت نشین ہو گیا اور اپنے تمام بھائیوں کو بھی قتل کر دیا تاکہ کوئی ان میں سے کہیں کوئی اقتدار کا دعویٰ نہ کر دے، تو ایک دن اس نے پرویز کی الماری کھولی تو اس کی نظر اس ڈبیہ پر پڑی جس پر لکھا تھا: الدواء النافع للجماع چنانچہ اس نے طاقت کی دوائی سمجھ کر اس زہر کو کھا لیا اور ہلاک ہو گیا۔ اب ان کے خاندان میں کوئی مرد ایسا نہیں تھا جو تخت نشین ہو، اس لیے لوگوں نے سلطنت شیرویہ کی بیٹی بوران کے سپرد کی اور وہ ان کی بادشاہ بن گئی۔ روایت میں مَلَّكُوا عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرٰى سے یہی بوران مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنی حکومت کسی عورت کے سپرد کر دی ہو۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ يَقُولُ أَذْكُرُ أَنِّي خَرَجْتُ مَعَ الْغِلْمَانِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ نَتَلَقَّى رَسُولَ اللهِ

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے جب میں بچوں کے ساتھ ثنیۃ الوداع کی طرف رسول اللہ ﷺ کا استقبال کرنے گیا تھا،

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً مَّعَ الصِّبْيَانِ

سفیان نے ایک مرتبہ مع الغلمان کی بجائے مع الصبیان بیان کیا

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ

عَنِ السَّائِبِ أَذْكُرُ أَنِّي خَرَجْتُ مَعَ الصِّبْيَانِ نَتَلَقَّى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے، جب میں بچوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا استقبال کرنے گیا تھا،

ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ مَقْدَمَهُ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ

آپ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے

مذکورہ دونوں حدیثیں بظاہر اس باب سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ غزوۂ تبوک سے متعلق ہیں پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں یہاں کیوں ذکر فرمایا؟ شراح کرام اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان حدیثوں کو یہاں لا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے اطراف واکناف کے بادشاہوں کے پاس دعوت اسلام کے خطوط غزوۂ تبوک سے واپسی پر بھی ارسال فرمائے تھے۔

بَابُ مَرَضِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَفَاتِهِ

باب: نبی کریم ﷺ کی بیماری اور آپ ﷺ کی وفات کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان (ترجمہ) کہ ”آپ کو بھی مرنا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے، پھر تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے حضور میں جھگڑا کرو گے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سیرت نبویہ ترتیب وار بیان کرتے ہوئے چلے آرہے ہیں، سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے مناقب بیان فرمائے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مناقب بیان فرمائے، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب وفضائل ذکر فرمائے، اس کے بعد غزوات، سلسلۃ الوفود اور حجۃ الوداع کا تذکرہ کیا اور اب یہاں سے رسول اللہ ﷺ کی وفات حسرت آیات کا بیان فرمارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذمہ جو کام لگایا تھا، اس کے مکمل ہونے اور جو شریعت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کی تھی، اس کی تکمیل کے بعد اب وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اپنے پاس واپس بلا لیں، تکمیل شریعت کا اعلان عرفات کے مجمع عام میں **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا** کے ذریعے ہو چکا تھا، سورۃ النصر نازل ہو چکی تھی جس میں آپ ﷺ کی وفات کی اطلاع دے دی گئی تھی اور اس میں ارشاد فرمایا گیا تھا: **فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ** کہ اب آپ تسبیح واستغفار کی طرف متوجہ ہو جائیں، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ سورۃ النصر کے نزول کے بعد آپ ﷺ اکثر استغفار و تسبیح میں مشغول رہتے تھے، ہر سال رمضان میں دس دن اعتکاف فرماتے تھے لیکن اس سال بیس دن اعتکاف فرمایا، حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ ہر رمضان میں قرآن شریف کے دور کا ایک مرتبہ کا معمول تھا، اس سال دو مرتبہ قرآن کا دور فرمایا، یہ سب اس دار فانی سے آپ کے جانے کے قرائن تھے۔

غزوۂ اُحد کے موقعہ پر جس بے سروسامانی، بے کسی اور اخلاص کے ساتھ ستر کے قریب صحابہ رضی اللہ عنہم نے قربانی دے کر شہادت پائی تھی، ان کی یاد آپ ﷺ کے دل میں تازہ تھی، چنانچہ حجۃ الوداع سے واپسی پر ایک دن آپ ﷺ جنت البقیع میں ان کی قبور پر تشریف لے گئے اور آٹھ سال کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھی اور پھر خطبہ دیا، ماہ صفر کے اخیر میں ایک شب آپ ﷺ اٹھے جنت البقیع تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لیے دعا واستغفار کرنے کے بعد جب گھر تشریف لائے تو طبیعت ناساز ہو گئی، سر میں درد کی شکایت ہوئی اور مرض وفات کی ابتدا ہوئی۔

آپ ﷺ کب بیمار ہوئے اور اس دن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں کس کی باری تھی؟ آپ ﷺ کتنے دن بیمار رہے؟ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، واقدی، ابن سعد، حاکم اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہم نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ

بدھ کے دن بیمار ہوئے، بعض روایت میں ہفتہ اور پیر کا دن بھی منقول ہے، لیکن زیادہ تر روایات بدھ کے دن کی ہیں، جس دن آپ ﷺ کے مرض وفات کی ابتداء ہوئی، اس دن ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو معتمد قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کی بیماری کی کل مدت کے بارے میں دس دن، بارہ دن، تیرہ دن اور چودہ دن کے مختلف اقوال ملتے ہیں، لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ کل تیرہ دن بیمار رہے ہیں۔

حضور ﷺ کے مرض کا سلسلہ بدھ کے دن سے شروع ہوا تھا، عدل بین الازواج جس کا آپ ﷺ بہت اہتمام کرتے تھے، اس کے مطابق بیماری کی حالت میں آپ ﷺ باری باری ایک ایک اہلیہ محترمہ کے گھر منتقل ہوتے رہے، پیر کے دن مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر قیام فرمائیں، صراحتاً آپ ﷺ نے نہیں فرمایا بلکہ آپ ﷺ بار بار پوچھتے رہے کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا؟ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے مرضی سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں، چنانچہ آپ ﷺ پیر کے دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں منتقل ہوئے اور پورا ایک ہفتہ علالت میں گزارنے کے بعد اگلے پیر کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں آپ ﷺ کا وصال ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں زمانہ علالت گزارنے کی خواہش کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ جو انس ومحبت آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھا وہ کسی اور سے نہیں تھا اور انس کی زیادتی باعث سکون ہوتی ہے، اس لیے حضور ﷺ نے یہ محسوس کیا کہ عائشہ کے گھر مجھے زیادہ راحت وسکون حاصل ہوگا، دوسری ایک بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کے لحاف میں حضور ﷺ پر وحی کا نزول نہیں ہوا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ ﷺ ان کے لحاف میں ہوتے تھے اور وحی نازل ہوتی تھی، تو اب بیماری کے ایام میں بھی وحی نازل ہونے کا امکان تھا، اس لیے آپ ﷺ نے چاہا کہ بیماری کے یہ ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں گزریں، تاکہ اگر آپ ﷺ اپنے اہل کے ساتھ ہوں اور وہ وقت نزول وحی کا ہو تو وحی خداوندی نازل ہوجائے۔

بیماری کے ان ایام میں آپ ﷺ مسجد نبوی میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے، جمعرات کے دن آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پانی کے سات مشکیزے آپ پر ڈالے جائیں، چنانچہ بڑے اہتمام سے پانی کی سات مشکیں آپ ﷺ پر ڈالی گئیں، اس سے آپ ﷺ کو قدرے سکون ہوا، نماز ظہر پڑھانے کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا، یہ رسول اللہ ﷺ کا آخری خطبہ تھا۔

اس خطبے میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب بیان فرمائے، حضرات انصار سے نرم برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی اور فرمایا کہ گزشتہ قوموں نے اپنے انبیاء واولیاء کی قبور کو عبادت گاہ بنایا، دیکھو کہیں تم ایسی

حرکت نہ کرنا اور فرمایا کہ مسجد کی طرف جتنے دروازے کھلے ہیں سب بند کر دیئے جائیں، صرف ابوبکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے، آپ ﷺ نے اشارتاً اپنی وفات کے وقت کے قریب آنے کا بھی ذکر کیا، جس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور رونے لگے، حضور ﷺ نے ان کو تسلی دی، نیز اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو الوداع کیا اور گھر تشریف لائے۔

جمعرات کے دن عصر کی نماز میں بھی آپ ﷺ مسجد تشریف لائے اور مغرب کی نماز میں بھی آئے، مغرب کی نماز میں آپ ﷺ نے سورۃ المرسلات تلاوت فرمائی، جمعرات کے دن مغرب کی یہ نماز آپ ﷺ کی سب سے آخری نماز تھی، جو آپ ﷺ نے مکمل پڑھائی، جیسا کہ آگے روایت میں آرہا ہے، عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو ہو چکی؟ لوگوں نے کہا کہ سب کو آپ کا انتظار ہے، آپ ﷺ نے اٹھنا چاہا، لیکن غشی طاری ہوگئی، افاقہ کے بعد پھر دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے پھر وہی جواب دیا، پھر آپ ﷺ نے اٹھنا چاہا لیکن غشی طاری ہوگئی، تیسری بار بھی جب غشی طاری ہوئی تو فرمایا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں، چنانچہ عشاء کی نماز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، اس کے بعد نمازیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی پڑھاتے رہے، آپ ﷺ کی مسجد کی طرف آمدورفت موقوف ہو گئی، البتہ ہفتہ یا اتوار کے دن آپ ﷺ کی طبیعت میں کچھ افاقہ ہوا تو آپ ﷺ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے مسجد نبوی میں تشریف لائے، جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب جا کر بیٹھ گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے تو آپ ﷺ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بائیں جانب بیٹھ کر نماز پڑھائی، اب آپ ﷺ امام تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی اقتداء کرنے لگے اور باقی نمازی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تکبیروں پر ارکان صلوۃ ادا کرتے رہے، یہ ظہر کی نماز تھی۔ ظہر کی یہ امامت حضور ﷺ کی آخری امامت تھی لیکن ظہر کی نماز کی پوری امامت آپ ﷺ نے نہیں فرمائی تھی، نماز کے ابتدائی حصہ کی امامت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی، اس لئے جس نماز کی مستقل آخری امامت آپ ﷺ نے فرمائی تھی وہ جمعرات کے دن نماز مغرب کی امامت تھی جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

اس بیان سے ان دونوں قسم کی روایات کے درمیان تطبیق بھی ہو جاتی ہے، جن میں سے بعض میں ہے کہ حضور ﷺ نے آخری نماز مغرب کی پڑھائی اور بعض میں ہے کہ آخری نماز ظہر کی پڑھائی، وہ اس طرح کہ جن روایات میں مغرب کی نماز کو آخری قرار دیا گیا ہے اس سے مستقل امامت کے اعتبار سے آخری ہونا مراد ہے، لہٰذا یہ ان روایات کے معارض نہیں، جن میں آیا ہے کہ آخری نماز آپ ﷺ نے ظہر کی پڑھائی کیونکہ ظہر کی وہ نماز آپ ﷺ نے مستقل اور پوری خود نہیں پڑھائی تھی بلکہ نماز شروع ہونے کے بعد آ کر آپ ﷺ نے بقیہ نماز کی امامت فرمائی تھی۔

اتوار کو مرض میں شدت ہوئی، ذات الجنب (بیماری کا نام) سمجھ کر لوگوں نے اس کی دوا پلانی چاہی، لیکن آپ ﷺ کو وہ دوا پینا ناگوار تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اسے پینے سے انکار فرما دیا۔ چونکہ مریض عام طور پر دوا کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھے کہ یہ طبعی ناگواری ہے اور زبردستی دوا پلادی، بعد میں جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا؟ اب تمہاری سزا یہ ہے کہ جو اس عمل میں شریک تھے، سب کو دوا پلائی جائے سوائے عباس کے کہ وہ اس میں شریک نہ تھے، البتہ انہوں نے صرف مشورہ دیا تھا۔

جس دن آپ ﷺ نے وصال فرمایا یعنی پیر کے روز، صبح کے وقت آپ ﷺ نے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ صف باندھے ہوئے نماز فجر میں مشغول تھے، لوگوں کو دیکھ کر خوشی سے مسکرائے، چہرۂ انور چمکنے لگا، ادھر لوگ فرط مسرت سے بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نماز توڑ ڈالیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام تھے، انہوں نے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں، لیکن آپ ﷺ نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو اور حجرے کا پردہ ڈال کر واپس تشریف لے گئے، یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے رسول اللہ ﷺ کی عام زیارت کا سب سے آخری موقع تھا۔

اس دن صبح کے وقت آپ ﷺ کی طبیعت پرسکون تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صبح کے وقت حاضر خدمت ہوئے، طبیعت میں افاقہ دیکھ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ کے فضل و کرم سے آج آپ کی حالت قدرے بہتر ہے، اگر اجازت ہو تو میں اپنی (دوسری) اہلیہ حبیبہ بنت خارجہ کے پاس سے ہو آؤں کہ آج ان کی باری کا دن ہے، آپ ﷺ نے اجازت دیدی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عوالی مدینہ جہاں حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ عنہا مقیم تھیں چلے گئے۔

اس موقع پر دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آ کر آپ ﷺ کی طبیعت دریافت کی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج طبیعت میں الحمدللہ افاقہ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مطمئن ہو کر واپس چلے گئے، لیکن دن چڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ پر غشی طاری ہونا شروع ہوئی اور وقفہ وقفہ سے غشی طاری ہوتی رہی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ کیفیت دیکھ کر کہنے لگیں: واکرب اباہ تو آپ ﷺ نے فرمایا: لیس علی ابیک کرب بعد الیوم۔

وفات سے کچھ دیر قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ پر سر رکھ کر لیٹ گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، آپ ﷺ مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھنے لگے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا انہوں نے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی، پھر آپ کو ﷺ دی، چنانچہ آپ ﷺ نے تندرست آدمی کی طرح مسواک فرمائی۔ جوں جوں وفات کا وقت قریب آ رہا تھا مرض میں اضافہ ہو رہا تھا، پاس ہی پانی کا پیالہ رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ اس میں ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ انور پر پھیرتے اور فرماتے: لا الہ الا اللہ ان للموت لسکرات اسی دوران

ہاتھ اٹھا کر چھت کی طرف دیکھ کر فرمایا: اللهم في الرفيق الاعلى اور ہاتھ نیچے گرا اور روح مبارک عالم قدس کی طرف پرواز کر گئی، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

اس بات پر تو تقریباً تمام روایات متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ربیع الاول میں پیر کے دن ہوا ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس دن ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی؟ اس سلسلہ میں تین قول مشہور ہیں:

❶ سب سے زیادہ مشہور قول جس کو اکثر اصحاب سیر نے اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے دن ہوئی ہے، لیکن اس قول پر ایک قوی اشکال یہ ہوتا ہے کہ وفات سے تقریباً تین ماہ قبل ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو باتفاق روایات جمعہ کا دن تھا اور یکم ذی الحجہ جمعرات کا دن تھا، اب ذی الحجہ، محرم اور صفر تینوں مہینے خواہ تیس دن کے مانے جائیں یا انتیس کے مانے جائیں، یا بعض مہینے تیس کے اور بعض انتیس کے مانے جائیں، کسی صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاول سن ۱۱ ہجری کو پیر کا دن نہیں بنتا، جبکہ تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پیر کے دن ہوئی ہے۔

❷ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ۲ ربیع الاول کو ہوا ہے، علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ذی الحجہ، محرم اور صفر تینوں کو انتیس دن کا مانا جائے تو ۲ ربیع الاول سن ۱۱ ہجری کو پیر کا دن بنتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی اسی قول کی طرف معلوم ہوتا ہے، البتہ اس قول پر بعض حضرات نے یہ اشکال کیا ہے کہ تین ماہ کا پے در پے انتیس دن کا ہونا شاذ ہے اور یہ صورت قلیل الوقوع ہے۔

❸ تیسرا قول امام مغازی موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ، لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات کا ہے، یہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات یکم ربیع الاول بروز پیر کو ہوئی ہے۔ چنانچہ اگر ذی الحجہ، محرم اور صفر میں سے دو کو انتیس دن کا اور ایک مہینہ کو تیس دن کا مانا جائے تو یکم ربیع الاول پیر کو بنے گی اور یہ صورت کثیر الوقوع ہے۔ اس قول کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے کہ قرآن شریف کی آیت: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کے یوم نزول سے روز وفات تک ۸۱ دن ہیں اور یہ آیت ۹ ذی الحجہ کو نازل ہوئی ہے، اب ۹ ذی الحجہ سے یکم ربیع الاول تک مذکورہ قول کے لحاظ سے حساب لگائیں تو ۸۱ دن بنتے ہیں۔

وفات کا وقت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات نماز ظہر سے قبل ہوئی، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چاشت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی اور موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال زوال کے وقت ہوا ہے، لیکن چاشت اور زوال میں کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا، اس لیے یہ اختلاف زیادہ وقیع نہیں ہے۔

وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیفیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عجیب کیفیت طاری تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار سونت لی اور مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اگر کسی شخص نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے تو میں اس کی گردن اُڑا دوں گا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سکتہ طاری ہو گیا تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا رو رو کر برا حال ہو گیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ روتے روتے بے ہوش ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی، وہ اپنے گھر سے آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ میں تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد مبارک کو ایک چادر سے ڈھانک دیا گیا تھا، انہوں نے چہرے سے چادر اٹھائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور فرمایا: لا يجمع الله عليك موتتين اور فرمایا کہ وہ موت جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدر میں لکھی تھی اس کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے، پھر مسجد میں آئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جم غفیر تھا، کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے اور کیا کیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قابو میں نہیں تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اِجْلِسْ يَا عُمَرُ لیکن انہوں نے غلبۂ حال کی وجہ سے ان کی بات سنی ہی نہیں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں یہ آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ پڑھی اور اسی طرح یہ آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ پڑھی اور كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کی آیت تلاوت کی اور كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کی آیت پڑھی، ان آیات کو تلاوت کر کے قوت کے ساتھ فرمایا: من كان منكم يعبد محمدا فان محمدا قد مات و من كان يعبد الله فإن الله حي لا يموت۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسا اثر ڈالا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ یقین آگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں ہمارے ذہن میں تھیں ہی نہیں، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں تو ہمارا اس طرف التفات ہوا۔

ان آیات کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی التفات نہیں تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقتی طور پر اس عالم مشاہد سے عالم قدس کی طرف انقطاع ہوا ہے اور یہ ایک عارضی بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ اس عالم مشاہد کی طرف ملتفت اور متوجہ ہوں گے اور جیسے ہمارے درمیان پہلے رہا کرتے تھے اسی طرح رہیں گے۔ بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ تھا کہ اس نازک موقع سے منافقین فائدہ اٹھا کر شورش پیدا کریں گے، اس لیے انہوں نے اس موقع پر یہ سخت موقف اختیار کیا، واللہ اعلم۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت اور جانشینی کا مسئلہ پیش آیا، جس کے نتیجے میں سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ پیش آیا اور

بالآخر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق ہوا اور اسی مجلس میں لوگوں نے آپ سے بیعت کی، پھر مسجد میں عام بیعت ہوئی، اس کام میں پیر کا دن گزر گیا، اس موقع پر یہ بھی ایک اہم مسئلہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل کیسے دیا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ کیسے پڑھی جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے گا؟ عجیب بات یہ تھی کہ ان سوالات کا جواب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں تھا، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان تمام مسائل کا حل پیش فرمایا اور بتایا کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سلسلہ میں معلومات حاصل ہیں، منگل کی صبح تک جسد مبارک دھاری دار یمنی چادر میں ڈھکا رہا، گھر کے لوگوں نے باہر سے دروازہ بند کر دیا تھا، منگل کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا، پھر تین سفید یمنی چادروں میں کفنایا گیا، پھر آخری آرام گاہ کے بارے میں اختلاف ہوا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر نبی کو جہاں دفن ہونا پسند ہوتا ہے وہیں اس کی روح قبض کی جاتی ہے، چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ٹھیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چارپائی کے نیچے بغلی قبر کھودی، پھر باری باری دس دس صحابہ رضی اللہ عنہم حجرہ میں جاتے تھے اور تنہا تنہا نماز جنازہ پڑھتے تھے، کوئی امام نہیں تھا، سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان بنو ہاشم نے نماز پڑھی، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر مردوں کے بعد عورتوں نے پھر ان کے بعد بچوں نے اور سب سے آخر میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھی، نماز جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن گزر گیا اور منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسدِ مبارک کی قبر مبارک میں تدفین کی گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاثنین ودفن لیلۃ الاربعاء۔

وَقَالَ يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيهِ يَا عَائِشَةُ مَا أَزَالُ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِيْ أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ فَهٰذَا أَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِيْ مِنْ ذٰلِكَ السُّمِّ

اور یونس امام زہری سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے عروہ نے بیان کیا اور ان سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرض وفات میں فرماتے تھے کہ خیبر میں (زہر آلود) لقمہ جو میں نے اپنے منہ میں رکھ لیا تھا، اس کی تکلیف آج بھی میں محسوس کرتا ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری شہ رگ اس زہر کی تکلیف سے کٹ جائے گی

یہ تعلیق ہے، امام بزاز رحمۃ اللہ علیہ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو موصولاً نقل کیا ہے۔

فَهٰذَا أَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِيْ مِنْ ذٰلِكَ السُّمِّ: ابھر رگ جاں کو کہتے ہیں، یہ پشت سے نکلتی ہے اور دل کے ساتھ ملتی ہوئی پورے جسم میں اپنے اثرات پہنچاتی ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ جگر سے نکلتی ہے اور دل سے ہوتی ہوئی پورے جسم کی شرائین اور باریک رگوں میں اپنا اثر پہنچاتی ہے، یہ ٹوٹ جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں فرمایا کہ وہ زہر جو مجھے غزوۂ خیبر کے موقع پر بکری کے گوشت کے ساتھ دیا گیا تھا، اس کی وجہ سے میں اپنی رگ جاں کے ٹوٹنے کو محسوس کر رہا ہوں، غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زہر یلے گوشت کے ٹکڑے کو صرف منہ میں رکھا تھا اور حضرت جبریل علیہ السلام کے اطلاع دینے پر اسے تھوک دیا تھا، لیکن منہ میں رکھنے کی وجہ سے اس کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد میں محسوس کیا کرتے تھے اور وفات کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زہر کے اثر سے مجھے اپنی رگ جاں کے ٹوٹنے کا اندازہ ہو رہا ہے، اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہادت سے سرفراز فرمایا ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ

عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ

ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں والمرسلات عرفا کی قرأت کرتے ہوئے سنا، پھر اس کے بعد

بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ثُمَّ مَا صَلّٰى لَنَا بَعْدَهَا حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کبھی نماز نہیں پڑھائی، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ کی روح مبارک قبض کر لی

ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورۃ المرسلات پڑھتے ہوئے سنا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں کوئی نماز نہیں پڑھائی یہاں تک آپ کی وفات ہوگئی۔ اگرچہ اس نماز کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز ظہر پڑھانا ثابت ہے، جس میں نماز کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ سے مسجد میں تشریف لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز مکمل فرمائی تھی اور وہ نماز اس روایت میں مذکور نماز کے بعد ہے، لیکن یہاں حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا کی مراد اس سے یہ ہے کہ ایسی نماز نہیں پڑھائی جس میں قرأت سنی ہو اور پوری نماز بھی مراد ہو سکتی ہے یعنی اول تا آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد دوبارہ نماز نہیں پڑھائی۔ اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھنا ہی ضروری نہیں ہے، یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ مغرب میں ہمیشہ چھوٹی سورت ہی پڑھی جائے، بلکہ اگر کوئی آدمی اوساط مفصل پڑھ لے تو وہ بھی جائز ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آخری نماز مغرب میں سورۃ المرسلات پڑھی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُدْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ انہیں (اپنی مجالس میں) اپنے قریب بٹھاتے تھے، اس پر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے

عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ إِنَّ لَنَا أَبْنَاءً مِثْلَهُ فَقَالَ إِنَّهُ مِنْ حَيْثُ تَعْلَمُ فَسَأَلَ عُمَرُ ابْنَ عَبَّاسٍ

اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ اس جیسے تو ہمارے بچے بھی ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ طرز عمل جس وجہ سے اختیار کیا، وہ آپ کو بھی معلوم ہے؟ پھر حضرت عمرؓ

عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ فَقَالَ أَجَلُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ کے متعلق پوچھا، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات تھی، آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے

أَعْلَمَهُ إِيَّاهُ فَقَالَ مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَعْلَمُ

(آیت میں) اسی کی اطلاع دی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو تم نے بتایا وہی میں بھی اس آیت کے متعلق جانتا ہوں

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمُ الْخَمِيْسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ اشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللهِ

سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جمعرات کے دن کا ذکر کیا اور فرمایا معلوم بھی ہے جمعرات کے دن کیا ہوا تھا؟ رسول اللہ ﷺ کے مرض میں تیزی پیدا ہوگئی تھی، اس وقت

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ فَقَالَ ائْتُوْنِي أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ أَبَدًا فَتَنَازَعُوْا

آپ ﷺ نے فرمایا کہ لاؤ، میں تمہارے لیے وصیت لکھ دوں کہ تم اس پر چلو گے تو اس کے بعد پھر تم کبھی صحیح راستے کو نہ چھوڑو گے لیکن یہ سن کر وہاں اختلاف پیدا ہوگیا، حالانکہ آپ کے

وَلَا يَنْبَغِي عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا مَا شَأْنُهُ أَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ فَذَهَبُوْا يَرُدُّوْنَ عَنْهُ فَقَالَ دَعُوْنِي

سامنے نزاع نہیں ہونا چاہئے، بعض نے کہا کہ کیا آپ ﷺ شدت مرض کی وجہ سے بے معنی کلام فرما رہے ہیں؟ (جو آپ کی شان سے بعید ہے) تو پھر آپ سے بات سمجھنے کی کوشش کرو،

فَالَّذِيْ أَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِّمَّا تَدْعُوْنَنِيْ إِلَيْهِ وَأَوْصَاهُمْ بِثَلَاثٍ قَالَ أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ

تو آپ سے صحابہ پوچھنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اکیلا چھوڑ دو میں جس کام میں مشغول ہوں، وہ اس سے بہتر ہے جس کے لیے تم کہہ رہے ہو، اور آپ نے صحابہ کو تین چیزوں کی

الْعَرَبِ وَأَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيْزُهُمْ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ أَوْ قَالَ فَنَسِيْتُهَا

وصیت کی، فرمایا کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو اور آنے والے وفود کی اس طرح خاطر کیا کرنا جس طرح میں کرتا ہوں اور تیسری بات بیان نہیں کی یا فرمایا کہ میں تیسری بات بھول گیا

اس روایت اور اس کے ساتھ متصل اگلی روایت میں جس واقعہ کا بیان ہے، اسے **واقعۂ قرطاس** کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **يَوْمُ الْخَمِيْسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ** جمعرات کا دن! اور کیسا ہے جمعرات کا دن، اس دن رسول اللہ ﷺ کے مرض میں شدت ہوئی۔ اس جمعرات سے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے چار دن قبل والی جمعرات مراد ہے۔ **فَقَالَ ائْتُوْنِي أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ أَبَدًا** یعنی جب جمعرات کے دن آپ ﷺ کی تکلیف میں شدت ہوئی، تو آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ میرے پاس قلم اور کاغذ لے آؤ تاکہ میں تمہارے لیے ایک ایسا وصیت نامہ لکھوا دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوسکو۔

فَتَنَازَعُوْا وَلَا يَنْبَغِي عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ: رسول اللہ ﷺ کا حکم سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپس میں اختلاف ہوگیا، اختلاف اس میں ہوا کہ بعض حضرات نے کہا کہ کاغذ قلم لے آؤ اور بعض حضرات نے کہا کہ حضور ﷺ کو اس وقت سخت تکلیف ہے اس لیے آپ ﷺ کو لکھنے لکھانے کی مشقت میں نہیں ڈالنا چاہیے، چنانچہ اس سے اگلی روایت میں ہے: **فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَ عِنْدَكُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ**، یہاں تو صراحت نہیں ہے، البتہ مسلم شریف کی روایت میں صراحت ہے کہ یہ کہنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کرنے والے بعض حضرات نے کہا:

مَا شَأْنُهُ أَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ اس جملہ کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

❶ پہلا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ أَهجَرَ میں ہمزہ استفہام کا ہے اور یہ هُجِرَ (بضم الهاء) مجہول کا صیغہ ہے اور اس سے وہ بے جوڑ و بے ربط کلام مراد ہے جو مریض کی زبان سے شدت مرض میں صادر ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کی شدت کی وجہ سے قلم کاغذ لانے سے منع کیا اور کہا: حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ تو جن لوگوں کی رائے یہ تھی کہ قلم کاغذ لا کر وصیت نامہ لکھوا لینا چاہیے، انہوں نے یہ جملہ کہا اور مطلب ان کا یہ تھا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی آخر کیوں کر رہے ہو؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض کی شدت کی وجہ سے کوئی بے معنی بات ارشاد فرما رہے ہیں؟ یعنی ہرگز ایسا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بے معنی بات ارشاد فرمائی ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں قلم کاغذ لا کر جو کچھ آپ لکھوانا چاہتے ہیں لکھوا لینا چاہیے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں یہی مطلب بیان فرمایا ہے، اس صورت میں استفہام انکاری ہوگا۔

❷ اس جملے کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ أَهجَرَ میں ہمزہ استفہام کا ہے اور یہ هَجَرَ (بفتح الهاء) معروف کا صیغہ ہے، هجر کے معنی فراق وجدائی کے آتے ہیں، مطلب یہ ہوگا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے جدا ہو رہے ہیں؟

بہرحال اس واقعے کی بنا پر روافض نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بڑی طعن وتشنیع کی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی رائے سے اتفاق کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی، جس کی وجہ سے امت ایک ایسے وصیت نامہ سے محروم ہوگئی، جو امت کو گمراہی وضلال سے بچا لیتا۔

لیکن روافض کا یہ اعتراض بالکل غلط اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے بغض وحسد کی بنیاد پر مبنی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر حکم حتمی، لازمی اور واجبی نہیں ہوتا تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض احکام اختیاری ہوتے تھے اور بعض اوامر ایجابی اور لازمی ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی رائے سے اتفاق کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرائن سے اس بات کو سمجھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم ایجابی اور لازمی نہیں ہے، بلکہ اختیاری ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ وہ ایسے مواقع میں عموماً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی رائے کو اہمیت دیتے ہوئے ان کا مشورہ قبول بھی فرما لیتے تھے، اس کی ایک دو نہیں کئی نظائر ہیں کہ کسی معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اختیاری حکم دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنی رائے پیش کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قبول فرما لیا اور اپنا حکم واپس لے لیا، جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتے مبارک لے کر صحابہ کو جنت کی بشارت دینے چلے، راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور انہیں واپس کر دیا اور جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ بشارت صحابہ کو نہ دیجئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس

بشارت سے اعمال صالحہ ہی ترک کردیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مشورہ قبول فرمایا۔

بہر حال اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرض کی شدت تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرائن سے اس بات کو سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم ایجابی اور لازمی نہیں ہے، تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غایت محبت کی وجہ سے یہ کہا کہ ہمیں تکلیف کی اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی چیز کے لکھوانے کی مشقت میں نہیں ڈالنا چاہئے اور یہ بات اپنی جگہ بے غبار ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم ایجابی ولازمی نہیں تھا، اس لیے کہ اگر یہ حکم ایجابی ولازمی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے اختلاف کرنے سے اسے ہرگز ترک نہ فرماتے، نیز یہ جمعرات کے دن کا واقعہ ہے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار دن تک حیات رہے ہیں اور اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت میں افاقہ بھی ہوا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن ظہر کی نماز بھی پڑھائی ہے اور نماز کے بعد خطبہ بھی دیا ہے تو اگر یہ وصیت نامہ لکھوانا ضروری اور لازمی ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان چار ایام میں کسی وقت ضرور یہ وصیت لکھوا لیتے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ کاغذ قلم لے آؤ میں ایک وصیت لکھ دوں، یہ دو حال سے خالی نہیں تھا، یا تو اس کا لکھوانا واجب تھا یا واجب نہیں تھا بلکہ اختیاری تھا۔ اگر واجب تھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے سے ایک واجب کو کیسے ترک کر سکتے ہیں؟ اور اگر لکھنا واجب اور ضروری ہی نہیں تھا تو پھر روافض کا اس پر اعتراض کرنا ہی فضول ہے۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر جو کچھ فرمایا تھا وہ بطور امتحان تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آیا کتاب اللہ کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ یقین کامل ہو گیا ہے کہ یہ ان کے لئے مشعل راہ بننے کے لیے کافی ہے، یا ان کو اس میں ابھی تردد ہے؟ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے یہ کہا کہ **حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ** تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **دَعُوْنِيْ فَالَّذِيْ أَنَا فِيْهِ خَيْرٌ** یعنی ترک کتابت کا (تمہارا جواب سننے کے بعد) اب جو میں نے ارادہ کر لیا ہے وہی خیر ہے۔

اب رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ اس کے بارے میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں:

❶ روافض کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت بلافصل لکھوانا چاہتے تھے، لیکن یہ روافض کا محض دعویٰ ہے، ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

❷ ابن عیینہ اور علامہ بیہقی رحمہما اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے، لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ میرے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ بنیں گے، اس لیے جب تنازع ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ارادہ ترک فرما دیا۔ اس کی تائید مسلم شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں فرمایا: ادعی لی ابابکر اباك واخاك حتی أکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویأبی اللہ والمؤمنون الا ابابکر یعنی اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی (عبدالرحمن کو بلاؤ تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کر کے کہے گا کہ میں خلافت کا زیادہ مستحق ہوں جبکہ اللہ اور مؤمنین ابوبکر کے سوا کسی پر راضی نہیں۔

❸ بعض حضرات نے فرمایا کہ آگے روایت میں رسول اللہ ﷺ نے جو تین وصیتیں فرمائی ہیں، یہی تین وصیتیں نبی کریم ﷺ اس وقت لکھوانا چاہتے تھے۔ واللہ اعلم۔

فَذَهَبُوا يَرُدُّونَ عَنْهُ فَقَالَ دَعُونِي فَالَّذِي أَنَا فِيهِ خَيْرٌ مِّمَّا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ: بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس موقع پر عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لو کہ کیا وہ یہ وصیت نامہ ضروری طور پر لکھوانا چاہتے ہیں؟ چنانچہ کچھ حضرات نے دوبارہ رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو، جس میں میں ہوں وہ خیر ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز تھی جس میں ہونے کو آپ ﷺ نے اپنے لئے خیر قرار دیا؟

❶ اس بارے میں ایک بات تو یہ مشہور ہے کہ آپ ﷺ مشاہدۂ جلال و جمال رب میں مشغول تھے، چنانچہ فرمایا کہ مجھے تم اب اپنی طرف متوجہ نہ کرو بلکہ مجھے اس مشاہدۂ جمال وجلال میں ہی رہنے دو۔

❷ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ اب تم تحریر کی بات پھر شروع کر رہے ہو اور میں نے ترک تحریر کا ارادہ کرلیا ہے، اب یہ ترک تحریر ہی زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہے، لہٰذا پھر تحریر کے لیے مجھ سے نہ کہو۔

وَأَوْصَاهُمْ بِثَلَاثٍ: آپ ﷺ نے تین وصیتیں فرمائیں، پہلی وصیت یہ فرمائی أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ کہ مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکالو، دوسری وصیت یہ فرمائی وَأَجِيزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيزُهُمْ کہ آنے والے وفود کا اسی طرح اعزاز واکرام کرو جیسے میں کرتا ہوں اور وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ أَوْ قَالَ فَنَسِيتُهَا تیسری وصیت سے یا تو راوی خاموش رہا، یا اس نے کہا کہ میں بھول گیا۔

یہاں ایک بحث یہ ہے کہ الثَّالِثَةِ سے سکوت کرنے والے کون ہیں اور نسیان کس سے ہوا ہے؟

بعض شراح نے فرمایا کہ سکوت کرنے والے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور نسیان حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا ہے، یعنی سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ یہ کہہ رہے ہیں کہ تیسری وصیت کو یا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان ہی نہیں کیا اور یا اگر انہوں نے بیان کیا تو میں بھول گیا اور مجھے یاد نہیں رہا کہ وہ کیا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ جو قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں، وہ کہہ رہے ہیں کہ میرے استاذ سلیمان احول رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا کہ تیسری وصیت میرے استاذ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی تھی، لیکن میں بھول گیا، یا انہوں نے اس سے سکوت فرمایا تھا، یعنی سکوت کرنے والے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور نسیان سلیمان احول رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے اور فرمایا کہ مستخرج ابی نعیم میں صراحت ہے کہ سکوت کرنے والے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور سلیمان احول رحمۃ اللہ علیہ کو نسیان ہوا ہے۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ یہ امر ثالث کیا تھا جس کی آپ نے وصیت فرمائی تھی؟

١ علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل بالقرآن کی وصیت فرمائی تھی۔

٢ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ وہ امر ثالث تنفیذ جیش اسامہ تھا۔

٣ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تیسری وصیت الصلوۃ و ما ملکت ایمانکم یعنی نماز کی اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید تھی سنن ابن ماجہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

٤ مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں اخراج یھود و نصاری من جزیرۃ العرب کے ساتھ لا تتخذوا قبری وثنا یعبد کا ذکر ہوا ہے۔ بہر حال یہ تمام احتمالات ہیں، یقینی طور پر کوئی متعین نہیں۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَيْتِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب ہوا تو گھر میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

رِجَالٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلُمُّوْا أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ فَقَالَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لاؤ، میں تمہارے لیے ایک دستاویز لکھ دوں، اگر تم اس پر چلتے رہے تو پھر تم گمراہ نہ ہو سکو گے، تو بعض نے کہا

بَعْضُهُمْ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ حَسْبُنَا كِتَابُ

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری کی شدت ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے، تو ہمارے لیے تو اللہ کی کتاب بس کافی ہے۔

اللهِ فَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ قَرِّبُوْا يَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا

پھر وہاں موجود لوگوں میں اختلاف ہونے لگا اور آپس میں بحث کرنے لگے، بعض نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز لکھنے کی دے دو کہ اس پر آپ ہدایت لکھوا دیں اور تم اس کے بعد

بَعْدَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَمَّا أَكْثَرُوا اللَّغْوَ وَالْاِخْتِلَافَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

گمراہ نہ ہو سکو، جبکہ بعض نے اس کے خلاف دوسری رائے پر اصرار کیا، جب شور و غل اور نزاع زیادہ ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا قَالَ عُبَيْدُ اللهِ فَكَانَ يَقُوْلُ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ

کہ یہاں سے اٹھ جاؤ۔ عبیداللہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ مصیبت سب سے بڑی یہ تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور وصیت لکھنے

رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ أَنْ يَكْتُبَ لَهُمْ ذٰلِكَ الْكِتَابَ لِاخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ

کے درمیان حائل ہوگئی کہ لوگوں کے اختلاف اور شور کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہدایت نہیں لکھی

فَكَانَ يَقُوْلُ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بعد میں جب کبھی یہ حدیث

اپنے تلامذہ کو سناتے تو اس کے بعد کہا کرتے تھے کہ بڑی مصیبت ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے درمیان اور اس تحریر کے لکھنے کے درمیان جو لوگ حائل ہو گئے اور لوگوں میں اختلاف اور شور وغل کی وجہ سے یہ وصیت لکھی نہیں جا سکی۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ وصیت لکھوا دیتے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان ہو جاتا، تو امت اتنے بڑے اختلاف سے بچ جاتی۔

حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ بْنِ جَمِيلٍ اللَّخْمِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ فِي شَكْوَاهُ الَّذِي

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا

قُبِضَ فِيهِ فَسَارَّهَا بِشَيْءٍ فَبَكَتْ ثُمَّ دَعَاهَا فَسَارَّهَا بِشَيْءٍ فَضَحِكَتْ فَسَأَلْنَا عَنْ ذَلِكَ

اور آہستہ سے کوئی بات ان سے کہی جس پر وہ رونے لگیں، پھر دوبارہ آہستہ سے کوئی بات کہی جس پر وہ ہنسنے لگیں، پھر ہم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا

فَقَالَتْ سَارَّنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يُقْبَضُ فِي وَجَعِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ فَبَكَيْتُ

تو انہوں نے بتلایا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ آپ کی وفات اسی مرض میں ہو جائے گی، یہ سن کر میں رونے لگی، پھر دوسری مرتبہ

ثُمَّ سَارَّنِي فَأَخْبَرَنِي أَنِّي أَوَّلُ أَهْلِهِ يَتْبَعُهُ فَضَحِكْتُ

آپ ﷺ نے مجھ سے جب سرگوشی کی تو یہ فرمایا کہ آپ کے گھر والوں میں سب سے پہلے میں آپ سے جاملوں گی تو میں اس پر خوشی کی وجہ سے ہنسی تھی

مذکورہ بالا روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرنے والے حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور کتاب الاستئذان میں اسی مضمون کو حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے، جس میں کچھ اضافہ ہے اور وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چال آپ ﷺ کی چال کے مشابہ تھی، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو حضور نے فرمایا: مرحبا بابنتي پھر آپ ﷺ نے انہیں اپنے دائیں یا بائیں بیٹھایا اور سرگوشی فرمائی جس پر وہ رو پڑیں، پھر آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ سرگوشی فرمائی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے تم سے کیا کہا؟ تو انہوں نے فرمایا: ما كنت لافشي على رسول الله صلى الله عليه وسلم سره کہ میں آپ ﷺ کا راز ظاہر نہیں کر سکتی، پھر جب حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا تو میں نے ان سے کہا: عزمت عليك بما لي عليك من الحق لما اخبرتني کہ میرا جو حق آپ پر ہے میں اس کا واسطہ دیتی ہوں کہ آپ مجھے وہ بات بتا دیں، تو انہوں نے کہا کہ ہاں اب میں بتا سکتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ مجھ سے حضور ﷺ نے پہلی مرتبہ سرگوشی فرمائی کہ ہر سال جبرئیل مجھ پر ایک مرتبہ قرآن پیش کرتے تھے، لیکن اس سال دو مرتبہ پیش کیا ہے، اس لئے میرا خیال ہے کہ میری وفات کا وقت قریب ہے، لہٰذا تم اللہ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا، جب آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو میں رونے لگی، تو آپ ﷺ نے دوبارہ مجھ سے سرگوشی کی اور فرمایا: يا فاطمة الا ترضين ان تكوني سيدة نساء المؤمنين او سيدة نساء هذه الامة۔

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ دونوں کی روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ پہلی سرگوشی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اپنی وفات سے متعلق ارشاد فرمایا تھا، البتہ دوسری سرگوشی میں جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں، اس بارے میں دونوں روایتوں میں اختلاف ہے، حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ میرے اہل میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی اور حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر دی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بہشتی عورتوں کی سردار ہوں گی، ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری سرگوشی میں دونوں باتیں فرمائی ہوں، واللہ اعلم۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدٍ عَنْ عُرْوَةَ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَسْمَعُ أَنَّهُ لَا يَمُوتُ نَبِيٌّ حَتَّى يُخَيَّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سنتی آئی تھی کہ ہر نبی کو وفات سے پہلے دنیا اور آخرت کے رہنے میں اختیار دیا جاتا ہے،

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ وَأَخَذَتْهُ بُحَّةٌ

پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ اپنے مرض الموت میں فرما رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بھاری ہو چکی تھی

يَقُولُ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ خُيِّرَ

اور آپ کہہ رہے تھے: مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دے دیا گیا ہے

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي مَرَضِهِ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اُس بیماری میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا، یہ فرماتے ہوئے سنا، **وَأَخَذَتْهُ بُحَّةٌ** اس حال میں کہ آپ کا گلہ بیٹھا ہوا تھا، **بحة** کہتے ہیں گلہ بیٹھ جانا کہ آدمی بولنا چاہے مگر آواز نہ نکلے، تو میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: **مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا** تو میں سمجھ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دے دیا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رفیق اعلیٰ کو اختیار کر لیا ہے، جیسا کہ اگلی روایات میں آ رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى** اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں۔

حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدٍ عَنْ عُرْوَةَ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرَضَ الَّذِي مَاتَ فِيهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرض الموت میں بار بار فرماتے تھے:

جَعَلَ يَقُولُ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى

فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ

إِنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ صَحِيحٌ يَقُولُ إِنَّهُ لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تندرستی کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کسی نبی کی روح قبض کی گئی تو پہلے جنت میں

قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُحَيَّا أَوْ يُخَيَّرَ فَلَمَّا اشْتَكَى وَحَضَرَهُ الْقَبْضُ وَرَأْسُهُ عَلَى

اس کی قیام گاہ اسے ضرور دکھادی گئی، پھر اسے اختیار دیا گیا (راوی کو شک تھا کہ) لفظ یحیا ہے یا یخیر، پھر جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے اور وقت قریب آ گیا تو سر مبارک

فَخِذِ عَائِشَةَ غُشِيَ عَلَيْهِ فَلَمَّا أَفَاقَ شَخَصَ بَصَرُهُ نَحْوَ سَقْفِ الْبَيْتِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ فِي

حضرت عائشہؓ کی ران پر تھا اور آپ پر غشی طاری ہوگئی تھی، جب کچھ ہوش ہوا تو آپ کی آنکھیں گھر کی چھت کی طرف اٹھ گئیں اور آپ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى

الرَّفِيقِ الْأَعْلَى فَقُلْتُ إِذًا لَا يُجَاوِرُنَا فَعَرَفْتُ أَنَّهُ حَدِيثُهُ الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُنَا وَهُوَ صَحِيحٌ

تو میں سمجھ گئی کہ اب نبی کریم ﷺ ہمیں (یعنی دنیاوی زندگی کو) پسند نہیں فرمائیں گے اور مجھے وہ حدیث یاد آ گئی جو آپ ﷺ نے تندرستی کے زمانے میں فرمائی تھی

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَفَّانُ عَنْ صَخْرِ بْنِ جُوَيْرِيَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ عَائِشَةَ دَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مُسْنِدَتُهُ إِلَى

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (ان کے بھائی) عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نبی کریم ﷺ میرے سینے سے

صَدْرِي وَمَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سِوَاكٌ رَطْبٌ يَسْتَنُّ بِهِ فَأَبَدَّهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ٹیک لگائے ہوئے تھے، عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں ایک تازہ مسواک تھی جو ان کے استعمال کے لئے تھی، تو آپ ﷺ اس مسواک کی طرف دیکھتے رہے،

بَصَرَهُ فَأَخَذْتُ السِّوَاكَ فَقَضِمْتُهُ وَنَفَضْتُهُ وَطَيَّبْتُهُ ثُمَّ دَفَعْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

چنانچہ میں نے ان سے مسواک لے لی اور اسے اپنے دانتوں سے چبا کر اچھی طرح جھاڑنے اور صاف کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ کو پیش کی،

وَسَلَّمَ فَاسْتَنَّ بِهِ فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَنَّ اسْتِنَانًا قَطُّ أَحْسَنَ

آپ ﷺ نے بہت عمدہ طریقہ سے مسواک کی کہ میں نے آپ کو اتنی اچھی طرح مسواک کرتے کبھی نہیں دیکھا تھا،

مِنْهُ فَمَا عَدَا أَنْ فَرَغَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَهُ أَوْ إِصْبَعَهُ ثُمَّ قَالَ فِي الرَّفِيقِ

مسواک سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ یا اپنی انگلی اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا: فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى اور آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا،

الْأَعْلَى ثَلَاثًا ثُمَّ قَضَى وَكَانَتْ تَقُولُ مَاتَ بَيْنَ حَاقِنَتِي وَذَاقِنَتِي

حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کا سر مبارک میری ہنسلی اور ٹھوڑی کے درمیان میں تھا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عبدالرحمن بن ابی بکر (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور میں نے حضور ﷺ کو اپنے سینے پر سہارا دیا ہوا تھا، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک تازہ مسواک تھی، **فَأَبَدَّهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهُ** تو آپ ﷺ نے اس مسواک پر اپنی نگاہ جمالی یعنی آپ اسے مسلسل دیکھ رہے تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اندازہ ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ مسواک استعمال فرمانا چاہتے ہیں، تو آپ فرماتی ہیں کہ **فَأَخَذْتُ السِّوَاكَ** میں نے عبدالرحمن سے مسواک لے لی، **فَقَضِمْتُهُ** میں اسے چبایا، **وَنَفَضْتُهُ** اس کو جھاڑا، **وَطَيَّبْتُهُ** اور اس کو پاکیزہ کیا، یعنی پہلے مسواک کو چبا کر نرم کیا، پھر پانی سے اس کو مزید نرم اور پاکیزہ کیا، پھر وہ مسواک نبی کریم ﷺ کو دے دی، **فَاسْتَنَّ بِهِ** چنانچہ آپ ﷺ نے مسواک کی، گویا وصال

سے پہلے حضور ﷺ کا سب سے آخری کام مسواک کرنا تھا۔ فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَنَّ اسْتِنَانًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت سے زیادہ اچھی بھی مسواک کی ہو، یعنی آپ کافی دیر تک مسواک استعمال کرتے رہے۔

فَمَا عَدَا أَنْ فَرَغَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور ابھی آپ ﷺ مسواک کر کے فارغ ہی ہوئے تھے رَفَعَ يَدَهُ أَوْ إِصْبَعَهُ کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ یا اپنی انگلی اٹھائی اور فرمایا: فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى ثَلَاثًا تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا، ثُمَّ قَضَى پھر آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔

وَكَانَتْ تَقُولُ مَاتَ بَيْنَ حَاقِنَتِي وَذَاقِنَتِي اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ کا انتقال میرے حاقنة اور ذاقنة کے درمیان ہوا۔ ابھی گزرا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے سینے پر سہارا دیا ہوا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا اسی حالت میں وصال ہو گیا، حاقنة اس گڑھے کو کہتے ہیں جو حبل العنق اور ہنسلی کے درمیان ہوتا ہے اور ذاقنة سے مراد ذقن ہے یعنی ٹھوڑی اور آگے ایک روایت میں ہے بين سحري و نحري سحر سے مراد سینہ ہے اور نحر سے مراد موضع النحر ہے یعنی حلق، مطلب یہ ہے کہ وفات کے وقت آپ ﷺ میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

حَدَّثَنِي حِبَّانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ

أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اشْتَكَى نَفَثَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوتے تو اپنے اوپر معوذات (سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس) پڑھ کر دم کر لیا کرتے تھے

عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهِ فَلَمَّا اشْتَكَى وَجَعَهُ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ طَفِقْتُ أَنْفِثُ عَلَى

اور اپنے جسم پر اپنے ہاتھ پھیر لیا کرتے تھے، پھر جب وہ مرض آپ ﷺ کو لاحق ہوا جس میں آپ کی وفات ہوئی تو میں معوذات پڑھ کر

نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِي كَانَ يَنْفِثُ وَأَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ

آپ پر دم کیا کرتی تھی اور ہاتھ پر دم کر کے نبی کریم ﷺ کے جسم پر پھیرا کرتی تھی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوتے، نَفَثَ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ تو آپ ﷺ معوذات پڑھ کر اپنے اوپر پھونکا کرتے تھے اور ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ معوذات جمع کا صیغہ ہے، عام طور سے روایات میں جب معوذتين تثنیہ کا صیغہ آتا ہے تو اس سے مراد سورة الفلق اور سورة الناس ہوتی ہیں، یہ دونوں سورتیں جادو کا اثر ختم کرنے کے لیے نازل ہوئی تھیں، جیسا کہ كتاب الطب کی روایات میں وارد ہوا ہے، البتہ جب معوذات جمع کا صیغہ وارد ہوتا ہے تو اس صورت میں اس میں سورة الاخلاص بھی شامل ہو جاتی ہے اور آپ ﷺ بیماری میں یہ تینوں سورتیں پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کرتے تھے اور اپنے جسم پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سورتیں پڑھ کر اپنے او پر دم کرنا یا ہاتھ پھیر لینا بدعت میں داخل نہیں ہے۔

بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، وہ بیماری جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، طَفِقْتُ أَنْفِثُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِي كَانَ يَنْفِثُ تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر وہی معوذات پڑھ کر دم کرنے لگی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دم کیا کرتے تھے، وَأَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پھیرتی تھی۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری کی وجہ پڑھنا مشکل تھا اور اتنی کمزوری تھی کہ آواز بھی نہیں نکل پا رہی تھی، اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پڑھتی تو میں تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر پھونک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر پھیر دیتی تھی۔

حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُخْتَارٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ

أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْغَتْ إِلَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وفات سے کچھ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پشت سے ان کا سہارا لیے ہوئے تھے، تو انہوں نے کان لگا کر سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کر رہے تھے:

وَهُوَ مُسْنِدٌ إِلَيَّ ظَهْرَهُ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَ أَلْحِقْنِي بِالرَّفِيْقِ

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَ أَلْحِقْنِي بِالرَّفِيْقِ "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر اور میرے رفیقوں سے مجھے ملا

حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ هِلَالٍ الْوَزَّانِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ اللہ تعالی نے

مِنْهُ لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ قَالَتْ عَائِشَةُ لَوْ لَا ذَاكَ لَأُبْرِزَ قَبْرُهُ

یہودیوں پر لعنت فرمائی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بھی کھلی رکھی جاتی

خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا

اس ڈر سے کہ کہیں آپ کی قبر کو بھی سجدہ نہ کیا جانے لگے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات کی حالت میں ارشاد فرمایا: لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ اللہ یہودیوں پر لعنت کرے، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا یعنی مزارات بنا کر ان پر سجدے اور دیگر شرک و منکرات کا گڑھ بنا لیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لَوْ لَا ذَاكَ لَأُبْرِزَ قَبْرُهُ کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہ ہوتا کہ قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو باہر کھول دیا جاتا۔ یعنی ابھی تو حجرہ مبارکہ میں ہے، تو اس حجرہ کو ختم کر دیتے اور کھلے میدان میں کر دیتے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں اسے بھی مسجد بنا لیا جائے، اس لئے قبر مبارک کو حجرہ میں ہی رکھا گیا اور اس عمارت کو برقرار رکھا گیا۔

حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ

أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

وَسَلَّمَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ

کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوگئے اور آپ کے مرض نے شدت اختیار کر لی تو آپ ﷺ نے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے میرے گھر میں ایام مرض

أَنْ يُّمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ فَأَذِنَّ لَهُ فَخَرَجَ وَهُوَ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ بَيْنَ عَبَّاسِ

گزارنے کے لیے اجازت مانگی، سب نے جب اجازت دے دی تو آپ ﷺ گھر سے دو آدمیوں کے سہارے پر نکلے اور آپ کے پاؤں زمین سے گھسٹ رہے تھے، ان میں

بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَبَيْنَ رَجُلٍ اٰخَرَ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ فَأَخْبَرْتُ عَبْدَ اللهِ بِالَّذِيْ قَالَتْ عَائِشَةُ

ایک عباس بن عبدالمطلب تھے اور ایک اور صاحب تھے، عبیداللہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سنائی،

فَقَالَ لِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ هَلْ تَدْرِيْ مَنِ الرَّجُلُ الْاٰخَرُ الَّذِيْ لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ؟ قَالَ قُلْتُ

تو عبداللہ بن عباسؓ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ وہ دوسرے صاحب کون ہیں جن کا نام عائشہؓ نے نہیں لیا؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو نہیں معلوم،

لَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُوَ عَلِيٌّ وَكَانَتْ عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُحَدِّثُ أَنَّ

تو ابن عباسؓ نے بتلایا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ تھے اور نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا دَخَلَ بَيْتِيْ وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ قَالَ هَرِيْقُوْا عَلَيَّ

کہ نبی کریم ﷺ جب میرے گھر میں آ گئے اور تکلیف بہت بڑھ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر سات ایسے مشکیزوں کا پانی ڈالو

مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ أَوْ كِيَتُهُنَّ لَعَلِّيْ أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ فَأَجْلَسْنَاهُ فِيْ مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ

جن کے بند نہ کھولے گئے ہوں، ممکن ہے اس سے مجھے افاقہ ہو اور میں لوگوں کو نصیحت کر سکوں، چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کو آپ کی زوجہ مطہرہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے

زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْقِرَبِ حَتّٰى طَفِقَ يُشِيْرُ

ایک لگن میں بٹھایا اور ان مشکیزوں سے آپ پر پانی ڈالنے لگے، آخر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے اشارہ سے روکا

إِلَيْنَا بِيَدِهٖ أَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى النَّاسِ فَصَلّٰى لَهُمْ وَ خَطَبَهُمْ

کہ بس ہو چکا تم نے اپنا کام کر لیا، راوی فرماتے ہیں کہ پھر آپ لوگوں کے مجمع میں گئے اور نماز پڑھائی اور لوگوں کو خطاب کیا۔

وأَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَائِشَةَ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بتایا

عَنْهُمْ قَالَا لَمَّا نَزَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَّهُ عَلٰى

کہ شدت مرض کے دنوں میں نبی کریم ﷺ اپنی چادر کھینچ کر بار بار اپنے چہرے پر ڈالتے تھے، پھر جب دم گھٹنے لگتا

وَجْهِهٖ فَإِذَا اغْتَمَّ كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهٖ فَقَالَ وَ هُوَ كَذٰلِكَ يَقُوْلُ لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُوْدِ

تو چہرے سے ہٹا دیتے اور آپ ﷺ اسی بیماری کی شدت کے عالم میں فرماتے تھے، کہ یہود و نصاریٰ اللہ کی رحمت سے دور ہوئے کیونکہ انہوں نے

وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا

اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، اس طرح آپ ﷺ (اپنی امت کو) ان جیسا عمل اختیار کرنے سے بچتے رہنے کی تاکید فرما رہے تھے

أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللهِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ رَاجَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عبیداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے اس معاملہ (ابوبکرؓ کی امامت) کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے بار بار پوچھا

فِيْ ذٰلِكَ وَمَا حَمَلَنِيْ عَلٰى كَثْرَةِ مُرَاجَعَتِهٖ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَقَعْ فِيْ قَلْبِيْ أَنْ يُّحِبَّ النَّاسُ بَعْدَهٗ
اور میں بار بار آپ سے صرف اس لیے پوچھ رہی تھی کہ مجھے یقین تھا کہ لوگ کبھی اس بات کو پسند نہیں کریں گے

رَجُلًا قَامَ مَقَامَهٗ أَبَدًا وَ إِلَّا كُنْتُ أَرٰى أَنَّهُ لَنْ يَّقُوْمَ أَحَدٌ مَقَامَهٗ إِلَّا تَشَاءَمَ النَّاسُ بِهٖ
کہ کوئی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں) آپ کی جگہ پر کھڑا ہو اور میرا خیال تھا کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑا ہوگا، تو لوگ اس سے بدفالی لیں گے،

فَأَرَدْتُّ أَنْ يَّعْدِلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ قَالَ أَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ
اس لیے میں چاہتی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کا حکم نہ دیں، امام بخاریؒ فرماتے ہیں

رَوَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُوْ مُوْسٰى وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
کہ یہ روایت ابن عمر، ابوموسیٰ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمائی ہے

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی متعدد احایث جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات سے متعلق ہیں، انہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک ساتھ جمع کر دیا ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں گرانی پیدا ہوئی **وَاشْتَدَّ بِهٖ وَجَعُهٗ** اور بیماری میں مزید شدت پیدا ہوئی **اِسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهٗ أَنْ يُّمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ** تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری میرے گھر میں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کی جائے، تو انہوں نے اس بات کی اجازت دے دی۔

اس کا طریقہ یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے صراحتاً نہیں فرمایا کہ میں وہاں جانا چاہتا ہوں، بلکہ روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عدل واجب نہ ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف میں بھی اپنی بیویوں کے درمیان عدل کر رہے تھے، یعنی ایک رات ایک کے گھر، دوسری رات دوسرے کے گھر، البتہ ہر روز پوچھتے تھے کہ **این انا غدا؟** کل مجھے کہاں جاتا ہے؟ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے خود ہی محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جگہ سے دوسری جگہ بار بار جانا مشکل ہو رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں زیادہ راحت و آرام ہوگا، لہٰذا سب نے متفقہ طور پر خود ہی کہہ دیا کہ ہم اس بات پر راضی ہیں کہ آپ ہماری بہن عائشہ کے گھر میں قیام فرمائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر منتقل ہو گئے۔

فَخَرَجَ وَهُوَ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد جانے کے لیے) نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے درمیان تھے، **تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ** آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں زمین پر خط بنا رہے تھے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت مبارکہ اس طرح نہیں تھی کہ آپ پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر چلیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پاؤں اٹھا کر چلتے تھے، بعض لوگ پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر چلتے ہیں یہ سنت کے خلاف ہے، آدمی کو ہمیشہ قدم اٹھا کر چلنا چاہیے البتہ اب بیماری

کی وجہ سے حالت ایسی ہوگئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے قدم اٹھانا بھی مشکل تھا، چنانچہ آپ دو آدمیوں کے سہارے سے چل رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں زمین میں لکیر بنا رہے تھے، بَيْنَ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَبَيْنَ رَجُلٍ اٰخَرَ آپ کے ایک طرف عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری طرف دوسرے آدمی تھے۔

قَالَ عُبَيْدُ اللهِ فَأَخْبَرْتُ عَبْدَ اللهِ بِالَّذِيْ قَالَتْ عَائِشَةُ: عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے، تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هَلْ تَدْرِيْ مَنِ الرَّجُلُ الْاٰخَرُ الَّذِيْ لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ؟ کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ دوسرے آدمی کون تھے، جن کا نام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہیں لیا؟ عبید اللہ نے کہا کہ مجھے تو نہیں معلوم۔ تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: هُوَ عَلِيٌّ وہ علی تھے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

اب بعض لوگوں نے کہا کہ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض تھیں، اس لیے انہوں نے آپ کا نام نہیں لیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سہارا دینے والوں میں ایک طرف تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہونا طے تھا، لیکن دوسری طرف کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوتے تھے، کبھی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما ہوتے تھے، کبھی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما تھے، کبھی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ہوتے تھے، تو چونکہ دوسری طرف لوگ بدلتے رہے ہیں، اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی ایک کا نام ذکر نہیں کیا۔

آگے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میرے گھر میں تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری زیادہ ہوگئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: هَرِيْقُوْا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ میرے اوپر سات مشکیزے بہاؤ لَمْ تُحْلَلْ أَوْ كِيَتُهُنَّ ایسے سات مشکیزے جن کی ڈوری نہ کھولی گئی ہو، لَعَلِّيْ أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ شاید کہ میں لوگوں کو کچھ نصیحت کرسکوں۔ مطلب یہ ہے کہ پانی بہانے سے طبیعت میں نشاط آجائے گا تو میں لوگوں کو کچھ نصیحت کر پاؤں گا۔ فَأَجْلَسْنَاهُ فِيْ مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مخضب میں بٹھا دیا، مخضب اس بڑے برتن کو کہا جاتا ہے جس میں کپڑے رنگے جاتے ہیں۔ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْقِرَبِ پھر ہم ان مشکیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پانی ڈالنے لگے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگے أَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ کہ تم نے یہ کام کرلیا، یعنی اب مزید پانی مت ڈالو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی طرف نکلے اور انہیں نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔

آگے روایت میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے یہ خبر دی کہ حضرت عائشہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے، طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً

لَّهُ عَلَى وَجْهِهِ تو آپ ﷺ اپنے چہرے پر اپنی کالی چادر ڈالتے تھے۔ خَمِيصَةً: کساء اسود فيه اعلام ایسی چادر جو کالی ہو اور اس میں پھول بوٹے بنے ہوئے ہوں۔ تو آپ ﷺ تکلیف کی وجہ سے وہ چادر اپنے چہرہ پر ڈال دیتے تھے، فَإِذَا اغْتَمَّ كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ پھر جب آپ ﷺ کا کچھ سانس گھٹتا تھا تو آپ ﷺ اسے اپنے چہرے سے ہٹا لیتے۔ اس وقت میں آپ ﷺ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا دیا، يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا دراصل آپ ﷺ (اپنی امت کو) ان کاموں سے ڈرا رہے تھے، جو یہود و نصاریٰ نے کئے تھے۔

آگے روایت میں ہے: أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللهِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ رَاجَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ اس حصے کا پس منظر یہ ہے کہ جمعرات کے دن عشاء کی نماز کے لیے لوگ منتظر تھے اور آپ ﷺ کی بیماری بڑھی ہوئی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مروا أبا بكر فليصل بالناس ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: إنه رجل اسيف وہ تو بڑے نرم دل آدمی ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکیں گے، لہٰذا آپ حضرت عمر کو حکم دے دیجیے کہ وہ نماز پڑھائیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انتن صواحبات يوسف تم یوسف علیہ السلام کی صواحبات کی طرح ہو۔ مقصد یہ تھا کہ تم کہہ کچھ رہی ہو مگر تمہارے دل میں کچھ اور ہے، جیسا کہ زلیخا نے جب عورتوں کو دعوت دی تو حقیقت میں دعوت مقصد نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ عورتوں کے طعنوں سے اپنے آپ کو بری ظاہر کر سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب فرمایا کہ آپ عمر کو حکم دے دیجیے، ابوبکر تو نرم دل آدمی ہیں، جب آپ کی جگہ میں کھڑے ہوں گے تو رونا شروع کر دیں گے اور نماز ٹھیک طرح نہیں پڑھا پائیں گے، تو آپ ﷺ نے ان سے کہا انتن صواحبات يوسف کہ تم ظاہری طور پر تو یوں کہہ رہی ہو لیکن تمہارے دل میں کوئی اور بات ہے، وہ بات کیا تھی؟ اس کا ذکر اس روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لَقَدْ رَاجَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں مراجعت کی یعنی امامت کے بارے میں کہ آپ ابو بکر کی بجائے عمر کو حکم دے دیجیے، وَمَا حَمَلَنِيْ عَلَى كَثْرَةِ مُرَاجَعَتِهِ اور میرے بار بار اصرار کرنے کی وجہ یہ تھی إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَقَعْ فِيْ قَلْبِيْ أَنْ يُّحِبَّ النَّاسُ بَعْدَهُ رَجُلًا قَامَ مَقَامَهُ أَبَدًا کہ میرا یہ خیال تھا کہ جو بھی آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائے گا تو لوگ اسے ناپسند کریں گے، وَإِلَّا كُنْتُ أَرٰى أَنَّهُ لَنْ يَقُوْمَ أَحَدٌ مَقَامَهُ إِلَّا تَشَاءَمَ النَّاسُ بِهِ اور یہ کہ میں سمجھتی تھی کہ آپ ﷺ کی جگہ پر کوئی آدمی کھڑا ہوگا، تو

لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے، فَأَرَدْتُ أَنْ يَعْدِلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ تو میں یہ چاہتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکر (میرے والد) کو نماز کی امامت کا حکم نہ دیں۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خیال ہوا کہ اگر حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ نماز کے لیے کھڑا کر دیا اور بعد میں اللہ نہ کرے آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے، تو ایسا نہ ہو کہ لوگ ابوبکر (میرے والد) کو منحوس سمجھیں، لہٰذا حقیقت میں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذہن میں یہ بات تھی، مگر انہوں نے اس کی بجائے آپ ﷺ سے کہا کہ ابوبکر نرم دل آدمی ہیں، وہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو صحیح طرح نماز نہیں پڑھا سکیں گے، یہ بات اگرچہ سچ تھی، لیکن چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں چونکہ دوسری بات چھپی ہوئی تھی، جسے آپ ﷺ نے بھانپ لیا اور فرمایا: انتن صواحبات یوسف۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيْهِ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّهُ لَبَيْنَ حَاقِنَتِيْ وَذَاقِنَتِيْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ میری ہنسلی اور ٹھوڑی کے درمیان (سر رکھے ہوئے) تھے۔

فَلَا أَكْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِأَحَدٍ أَبَدًا بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آپ ﷺ (کی شدت سکرات) دیکھنے کے بعد اب میں کسی کے لیے بھی نزع کی شدت کو برا نہیں سمجھتی

فَلَا أَكْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِأَحَدٍ أَبَدًا بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انتقال کے وقت جو شدت میں نے آپ ﷺ پر دیکھی کہ آپ ﷺ اپنے چہرۂ مبارک پر پانی لگا رہے تھے، کبھی اپنے چہرۂ مبارک کپڑا پر ڈالتے، پھر دم گھٹنے لگتا تو ہٹا لیتے اور یہ فرما رہے تھے: ان للموت سکرات تو چونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت شدت دیکھی ہے، اس لیے اب اگر کسی مسلمان کے بارے میں پتا چلتا ہے کہ مرتے وقت اسے شدت محسوس ہو رہی ہے تو میں اس کو ناپسند نہیں کرتی، مطلب یہ ہے کہ ہم پہلے یہ سمجھتے تھے کہ موت کی شدت انسان کے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن جب آپ ﷺ پر موت کی شدت کا مشاہدہ کر لیا تو اب اگر کسی کو نزع کے وقت شدت میں مبتلا دیکھتی ہوں تو میں اس سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرتی ہوں، اس لیے کہ یہ کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک طبعی چیز ہے۔

یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ایک جسم کی سختی ہے اور ایک روح کی سختی ہے۔ جسم کی سختی تو ہمیں نظر آتی ہے، مگر روح کی سختی ہمیں نظر نہیں آتی، چنانچہ روایات میں جو آتا ہے کہ کافر کی روح بڑی سختی سے نکالی جاتی ہے اور مومن کی روح بڑی آسانی سے نکل جاتی ہے، تو اس سختی اور آسانی کا تعلق جسم سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق روح سے ہے، لہٰذا اگر جسمانی طور پر کوئی سختی نظر آئے تو وہ شرعاً ناپسندیدہ نہیں ہے، اسی بات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس انداز میں فرمایا ہے۔

حَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ أَبِي حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ

أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ وَكَانَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ أَحَدَ الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ

عبداللہ بن کعب بن مالک فرماتے ہیں اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان تین صحابہ میں سے ایک تھے جن کی (غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی)

تِيْبَ عَلَيْهِمْ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ خَرَجَ مِنْ

توبہ قبول ہوئی تھی، انہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے باہر آئے، یہ اس مرض کا واقعہ ہے

عِنْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجَعِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا أَبَا حَسَنٍ

جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی تھی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے پوچھا: اے ابوالحسن!

كَيْفَ أَصْبَحَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ أَصْبَحَ بِحَمْدِ اللهِ بَارِئًا فَأَخَذَ بِيَدِهِ

نبی کریم ﷺ نے کس حال میں صبح کی (طبیعت کیسی ہے)؟ تو انہوں نے بتایا کہ الحمدللہ اب آپ ﷺ کو افاقہ ہے۔ پھر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے

عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهُ أَنْتَ وَاللهِ بَعْدَ ثَلَاثٍ عَبْدُ الْعَصَا وَإِنِّيْ وَاللهِ لَأُرٰى رَسُوْلَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کے کہا کہ اللہ کی قسم تم تین دن کے بعد لاٹھی کے غلام (یعنی محکوم) ہو جاؤ گے۔ اللہ کی قسم، مجھے تو ایسے آثار نظر آ رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْفَ يُتَوَفّٰى مِنْ وَجَعِهِ هٰذَا إِنِّيْ لَأَعْرِفُ وُجُوْهَ بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

اس مرض سے صحت نہیں پا سکیں گے، موت کے وقت بنو عبدالمطلب کے چہروں کی مجھے خوب شناخت ہے،

عِنْدَ الْمَوْتِ اذْهَبْ بِنَا إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْنَسْأَلْهُ فِيْمَنْ هٰذَا الْأَمْرُ؟

اب ہمیں آپ کے پاس چلنا چاہئے اور آپ ﷺ سے پوچھنا چاہئے کہ خلافت کس کے حوالے ہوگی؟

إِنْ كَانَ فِيْنَا عَلِمْنَا ذٰلِكَ وَإِنْ كَانَ فِيْ غَيْرِنَا عَلِمْنَاهُ فَأَوْصٰى بِنَا فَقَالَ عَلِيٌّ إِنَّا وَاللهِ

اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا اور اگر کوئی دوسرا مستحق ہوگا تو وہ بھی معلوم ہو جائے گا اور آپ ﷺ ہمارے متعلق اپنے خلیفہ کو ممکن ہے کچھ وصیتیں کر دیں،

لَئِنْ سَأَلْنَاهَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنَعَنَاهَا لَا يُعْطِيْنَاهَا النَّاسُ بَعْدَهُ

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر ہم نے اس وقت آپ ﷺ سے اس کے متعلق کچھ پوچھا اور آپ ﷺ نے انکار کر دیا تو پھر لوگ ہمیں کبھی نہیں دیں گے،

وَإِنِّيْ وَاللهِ لَا أَسْأَلُهَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

میں تو ہرگز آپ ﷺ سے اس کے متعلق کچھ نہیں پوچھوں گا

یہ پیر کے دن کا واقعہ ہے یعنی جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی ہے، اس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کے وقت باہر نکلے تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا حال دریافت کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الحمدللہ آج نبی کریم ﷺ کی صحت قدرے بہتر ہے۔

فَأَخَذَ بِيَدِهِ عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهُ أَنْتَ وَاللهِ بَعْدَ ثَلَاثٍ عَبْدُ الْعَصَا: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا کہ تم لوگوں کو یہ خبر دے رہے ہو کہ آپ ﷺ کی صحت بہتر ہے حالانکہ خدا کی قسم! تم تین دن کے بعد عصا (لاٹھی) کے غلام ہو گے۔ مقصد یہ تھا کہ تمہارے اوپر کوئی اور حکمران ہو جائے گا، اس لیے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کا وقت قریب ہے، **سَوْفَ يُتَوَفّٰى مِنْ وَجَعِهِ هٰذَا** آپ

اپنی اس بیماری میں انتقال فرما جائیں گے، إِنِّيْ لَأَعْرِفُ وُجُوْهَ بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عِنْدَ الْمَوْتِ یعنی موت کے وقت بنو مطلب کے چہروں کی جو کیفیت ہوتی ہے، میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں اور نبی کریم ﷺ کی بھی وہی کیفیت مجھے نظر آ رہی ہے، گویا آپ ﷺ کے وصال کا وقت قریب ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ بڑی عمر کے تھے اور بڑی عمر کا آدمی تجربہ کار ہوتا ہے، تو ان کو اندازہ ہو گیا کہ آپ ﷺ کا وصال اب قریب ہے، تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چلو، ہم حضور ﷺ سے پوچھ لیں کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کا نائب اور خلیفہ کون ہوگا؟ اگر وہ ہم میں سے ہی ہے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا اور اگر ہمارے علاوہ کوئی اور ہو تو بھی ہمیں پتہ چل جائے گا اور آپ ہمارے متعلق اس خلیفہ کو وصیت کر دیں گے کہ وہ ہمارے ساتھ حسن سلوک کرے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں ہرگز نہیں پوچھوں گا کیونکہ اگر ہم نے اس کے متعلق دریافت کر لیا اور آپ ﷺ نے ہم میں سے کسی کو خلیفہ بنانے سے انکار کر دیا تو پھر لوگ آپ ﷺ کے بعد کبھی بھی ہمیں خلافت نہیں دیں گے۔

اس حدیث سے جہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی قوت فراست معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے آثار و علامات سے اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ حضور ﷺ کا وصال قریب ہے، وہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی فراست اور دور بینی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو افضل البشر بعد الانبیاء ہیں، نبی کریم ﷺ کے بعد خلافت کا حق ان ہی کا ہے، لہٰذا انہوں نے خلافت سے متعلق سوال کرنے سے انکار فرما دیا۔

حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ

حَدَّثَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ بَيْنَا هُمْ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَّوْمِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیر کے دن مسلمان فجر کی نماز پڑھ رہے تھے

الِاثْنَيْنِ وَ أَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ لَهُمْ لَمْ يَفْجَأْهُمْ إِلَّا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَشَفَ

اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے کہ تمام لوگ نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر چونک گئے، آپ ﷺ

سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ وَهُمْ فِيْ صُفُوْفِ الصَّلَاةِ ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَنَكَصَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کا پردہ اٹھا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھ رہے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم نماز میں صف باندھے کھڑے ہوئے تھے، پھر نبی کریم ﷺ انہیں دیکھ کر مسکرا کر ہنسنے لگے،

أَبُوْ بَكْرٍ عَلٰى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ وَ ظَنَّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ

ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے تاکہ آپ ﷺ صف میں آ جائیں، وہ یہ سمجھے کہ نبی کریم ﷺ نماز کے لیے

أَنْ يَّخْرُجَ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ أَنَسٌ وَ هَمَّ الْمُسْلِمُوْنَ أَنْ يَّفْتَتِنُوْا فِيْ صَلَاتِهِمْ فَرَحًا

تشریف لانا چاہتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریب تھا کہ مسلمان اس خوشی کی وجہ سے جو نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر انہیں ہوئی تھی کہ وہ اپنی نماز توڑ دیتے

بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ بِيَدِهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے انہیں اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کر لو،

أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ ثُمَّ دَخَلَ الْحُجْرَةَ وَأَرْخَى السِّتْرَ
پھر آپ ﷺ حجرہ کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ ڈال لیا

یہ بھی پیر کے دن کا واقعہ ہے یعنی جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی ہے، جس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ

أَنَّ أَبَا عَمْرٍو ذَكْوَانَ مَوْلَى عَائِشَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ كَانَتْ تَقُوْلُ إِنَّ مِنْ نِعَمِ اللهِ عَلَيَّ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ابو عمرو ذکوان فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ پر اللہ کی بہت سی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ فِي بَيْتِي وَ فِي يَوْمِي وَ بَيْنَ سَحْرِي وَ نَحْرِي وَأَنَّ اللهَ
کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات میرے گھر میں اور میری باری کے دن ہوئی، آپ ﷺ اس وقت میرے سینے اور ہنسلی کے درمیان ٹیک لگائے ہوئے تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے

جَمَعَ بَيْنَ رِيقِي وَ رِيقِهِ عِنْدَ مَوْتِهِ دَخَلَ عَلَيَّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَ بِيَدِهِ السِّوَاكُ وَأَنَا مُسْنِدَةٌ
آپ ﷺ کی وفات کے وقت میرے اور آپ ﷺ کے تھوک کو ایک ساتھ جمع کیا تھا (وہ اس طرح) کہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر گھر میں آئے تو ان کے ہاتھ میں مسواک تھی،

رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُهُ يَنْظُرُ إِلَيْهِ وَعَرَفْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ السِّوَاكَ فَقُلْتُ
آپ ﷺ مجھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس مسواک کو دیکھ رہے ہیں، میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، اس لیے میں نے

آخُذُهُ لَكَ؟ فَأَشَارَ بِرَأْسِهِ أَنْ نَعَمْ فَتَنَاوَلْتُهُ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ وَ قُلْتُ أُلَيِّنُهُ لَكَ؟ فَأَشَارَ بِرَأْسِهِ
آپ سے پوچھا، کیا یہ مسواک آپ کے لیے لے لوں؟ تو آپ ﷺ نے سر کے اشارے سے ہاں فرمایا، میں نے وہ مسواک لے لی، تو آپ اسے چبا نہ سکے، میں نے پوچھا کہ

أَنْ نَعَمْ فَلَيَّنْتُهُ فَأَمَرَّهُ وَبَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ أَوْ عُلْبَةٌ يَشُكُّ عُمَرُ فِيهَا مَاءٌ فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَيْهِ
کیا میں آپ کے لیے اسے نرم کردوں؟ آپ نے سر کے اشارے سے ہاں فرمایا، تو میں نے مسواک نرم کردی، آپ ﷺ کے سامنے ایک بڑا پیالہ تھا، چمڑے کا یا لکڑی کا (راوی)

فِي الْمَاءِ فَيَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ يَقُوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ ثُمَّ نَصَبَ يَدَهُ
عمر کو اس میں شک ہے، اس پیالے میں پانی تھا، آپ ﷺ بار بار اپنے ہاتھ اس پیالے میں ڈالتے اور اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ موت کے وقت

فَجَعَلَ يَقُوْلُ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى حَتّٰى قُبِضَ وَ مَالَتْ يَدُهُ
شدت ہوتی ہے پھر آپ اپنا ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى یہاں تک کہ آپ رحلت فرما گئے اور آپ ﷺ کا ہاتھ جھک گیا

إِنَّ مِنْ نِعَمِ اللهِ عَلَيَّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ فِي بَيْتِي: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات میرے مکان میں اور میرے ہی باری کے دن میں ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تصریح اس لیے فرمادی کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لے کر بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزارے تھے، اب اگر کسی اور کی باری میں آپ ﷺ کی وفات ہوجاتی تو ان کے دل میں یہ تمنا اور حسرت رہتی کہ اگر آپ ﷺ عائشہ کے گھر منتقل نہ ہوتے تو آپ ﷺ میرے گھر میں ہوتے اور آپ ﷺ کی تدفین میرے گھر میں ہوتی، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ کرم فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی باری میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی، یعنی بالفرض اگر آپ ﷺ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لے کر حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں منتقل نہ بھی ہوتے تو بھی وفات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہی ہوتی اور مدفن حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بنتا۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ أَخْبَرَنِي أَبِي

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْأَلُ فِي مَرَضِهِ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ پوچھتے رہتے تھے

الَّذِي مَاتَ فِيهِ يَقُولُ أَيْنَ أَنَا غَدًا أَيْنَ أَنَا غَدًا؟ يُرِيدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَأَذِنَ لَهُ أَزْوَاجُهُ يَكُونُ
کہ کل میرا قیام کہاں ہوگا، کل میرا قیام کہاں ہوگا؟ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے منتظر تھے، پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے انہیں اس بات کی

حَيْثُ شَاءَ فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ حَتَّى مَاتَ عِنْدَهَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَاتَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي
اجازت دے دی کہ وہ جہاں رہنا چاہیں رہیں، تو آپ ﷺ وفات تک حضرت عائشہ کے گھر میں رہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کی وفات اسی دن ہوئی

كَانَ يَدُورُ عَلَيَّ فِيهِ فِي بَيْتِي فَقَبَضَهُ اللهُ وَإِنَّ رَأْسَهُ لَبَيْنَ نَحْرِي وَسَحْرِي وَخَالَطَ رِيقُهُ رِيقِي
جس دن ترتیب کے مطابق میرے یہاں آپ کے قیام کی باری تھی، رحلت کے وقت سر مبارک میرے سینے اور ہنسلی کے درمیان تھا اور میرا تھوک آپ ﷺ کے تھوک کے ساتھ

ثُمَّ قَالَتْ دَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَهُ سِوَاكٌ يَسْتَنُّ بِهِ فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ
ملا تھا، وہ فرماتی ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر داخل ہوئے اور ان کے ہاتھ میں استعمال کے قابل مسواک تھی، آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهُ أَعْطِنِي هٰذَا السِّوَاكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ فَأَعْطَانِيهِ فَقَضِمْتُهُ
تو میں نے کہا: عبدالرحمٰن! یہ مسواک مجھے دے دو، انہوں نے مسواک مجھے دے دی، میں نے اسے اچھی طرح چبایا اور جھاڑ کر آپ ﷺ کو

ثُمَّ مَضَغْتُهُ فَأَعْطَيْتُهُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَنَّ بِهِ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى صَدْرِي
وہ مسواک دی، پھر آپ ﷺ نے وہ مسواک کی، اس وقت آپ ﷺ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِي وَفِي يَوْمِي وَبَيْنَ
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات میرے گھر میں، میری باری کے دن ہوئی، آپ ﷺ اس وقت میرے سینے اور ہنسلی کے درمیان ٹیک لگائے ہوئے تھے،

سَحْرِي وَنَحْرِي وَكَانَتْ إِحْدَانَا تُعَوِّذُهُ بِدُعَاءٍ إِذَا مَرِضَ فَذَهَبْتُ أُعَوِّذُهُ فَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ
اور ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو ہم معوذات کے ذریعے دم کیا کرتے تھے، تو میں آپ ﷺ پر معوذات کا دم کرنے لگی، پھر آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف کیا اور فرمایا:

وَقَالَ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى وَمَرَّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ وَفِي يَدِهِ جَرِيدَةٌ رَطْبَةٌ
فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک تازہ ٹہنی تھی،

فَنَظَرَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَظَنَنْتُ أَنَّ لَهُ بِهَا حَاجَةً فَأَخَذْتُهَا فَمَضَغْتُ رَأْسَهَا
آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا تو میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ میں نے وہ ٹہنی ان سے لے لی، پہلے میں نے اسے چبایا، پھر صاف کر کے آپ کو

وَنَفَضْتُهَا فَدَفَعْتُهَا إِلَيْهِ فَاسْتَنَّ بِهَا كَأَحْسَنِ مَا كَانَ مُسْتَنًّا ثُمَّ نَاوَلَنِيهَا فَسَقَطَتْ يَدُهُ أَوْ
دے دی، آپ ﷺ جس طرح پہلے مسواک کیا کرتے تھے اس سے بھی اچھی طرح سے مسواک کی، پھر آپ ﷺ نے وہ مسواک مجھے عنایت فرمائی اور آپ کا ہاتھ جھک گیا، یا

سَقَطَتْ مِنْ يَدِهِ فَجَمَعَ اللهُ بَيْنَ رِيقِي وَرِيقِهِ فِي اٰخِرِ يَوْمٍ مِنَ الدُّنْيَا وَأَوَّلِ يَوْمٍ مِنَ الْاٰخِرَةِ
مسواک آپ ﷺ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، تو اللہ تعالیٰ نے میرے اور آپ کے تھوک کو اس دن جمع کر دیا جو دنیا کی زندگی کا سب سے آخری اور آخرت کی زندگی کا پہلا دن تھا

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ

أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَقْبَلَ عَلَى فَرَسٍ مِنْ مَسْكَنِهِ بِالسُّنْحِ حَتَّى نَزَلَ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی قیام گاہ مقام سنح سے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور سواری سے اترے

فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتَّى دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ فَتَيَمَّمَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
پھر مسجد کے اندر گئے، کسی سے آپ نے کوئی بات نہیں کی، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آئے اور نبی کریم ﷺ کی طرف گئے

وَسَلَّمَ وَهُوَ مُغَشًّى بِثَوْبِ حِبَرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهُ وَبَكَى ثُمَّ قَالَ
اور آپ ﷺ ایک یمنی چادر سے ڈھکے ہوئے تھے، انہوں نے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک کھولا اور جھک کر چہرہ مبارک کو بوسہ دیا اور رونے لگے، پھر کہا

بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي وَاللهِ لَا يَجْمَعُ اللهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا
میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ پر دو مرتبہ موت طاری نہیں کرے گا، جو موت آپ کے مقدر میں تھی، وہ آپ پر طاری ہو چکی ہے

قَالَ الزُّهْرِيُّ وَحَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ خَرَجَ وَ عُمَرُ يُكَلِّمُ
امام زہری فرماتے ہیں کہ مجھے ابوسلمہ نے اور ان سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے

النَّاسَ فَقَالَ اجْلِسْ يَا عُمَرُ فَأَبَى عُمَرُ أَنْ يَجْلِسَ فَأَقْبَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ وَتَرَكُوا عُمَرَ فَقَالَ
کچھ کہہ رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ عمر! بیٹھ جاؤ، لیکن حضرت عمرؓ نے بیٹھنے سے انکار کیا، اتنے میں لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آ گئے

أَبُو بَكْرٍ أَمَّا بَعْدُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: امابعد! تم میں جو بھی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد ﷺ کی وفات ہو چکی ہے

يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ قَالَ اللهُ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو (اس کا معبود) اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ

إِلَى قَوْلِهِ الشَّاكِرِينَ وَقَالَ وَاللهِ لَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ هٰذِهِ الْآيَةَ حَتَّى تَلَاهَا
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کہ "محمد صرف رسول ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔" سے الشَّاكِرِينَ تک۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ایسا محسوس ہوا

أَبُو بَكْرٍ فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ كُلُّهُمْ فَمَا أَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ إِلَّا يَتْلُوهَا
کہ جیسے پہلے سے لوگوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ہے اور جب حضرت ابوبکرؓ نے اس کی تلاوت کی تو سب نے ان سے یہ آیت سیکھی، اب یہ حال تھا

فَأَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ قَالَ وَاللهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ تَلَاهَا فَعَقِرْتُ
کہ جو بھی سنتا تھا وہی اس کی تلاوت کرنے لگ جاتا تھا، (امام زہری فرماتے ہیں کہ) پھر مجھے سعید بن مسیب نے خبر دی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! مجھے اس وقت ہوش آیا،

حَتَّى مَا تُقِلُّنِي رِجْلَايَ وَحَتَّى أَهْوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ حِينَ سَمِعْتُهُ تَلَاهَا عَلِمْتُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى
جب میں نے حضرت ابوبکرؓ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سنا، تو میں سکتے میں آ گیا اور ایسا محسوس ہوا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا پائیں گے اور میں زمین پر گر جاؤں گا

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ
کیونکہ میں جان چکا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی وفات ہو چکی ہے

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَقْبَلَ عَلَى فَرَسٍ مِنْ مَسْكَنِهِ بِالسُّنْحِ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک گھر مسجد نبوی کے ساتھ جبکہ دوسرا گھر ذرا دور سنح کے مقام پر تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز مسجد نبوی میں پڑھائی، اس وقت آپ ﷺ کی طبیعت پرسکون تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صبح کے وقت حاضر خدمت ہوئے، طبیعت میں افاقہ دیکھ کر

عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ کے فضل وکرم سے آج آپ کی حالت قدرے بہتر ہے، اگر اجازت ہو تو میں اپنی دوسری اہلیہ حبیبہ بنت خارجہ کے پاس سے ہو آؤں کہ آج ان کی باری کا دن ہے، آپ ﷺ نے اجازت دیدی، چنانچہ وہ عوالی مدینہ میں سنح والے گھر جہاں حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا مقیم تھیں چلے گئے، وہیں انہیں یہ اطلاع ملی کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا ہے، چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے مسجد نبوی پہنچے، باہر مجمع جمع تھا، لوگ پریشان تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کسی سے کوئی بات نہیں کی بلکہ سیدھے اندر آئے اور حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں داخل ہوئے۔

فَتَيَمَّمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، **وَهُوَ مُغَشًّى بِثَوْبِ حِبَرَةٍ** اور آپ ﷺ کے اوپر ایک دھاری دار چادر ڈالی گئی تھی۔ حبرۃ دھاری دار یمنی چادر کو کہتے ہیں۔ ویسے تو بہتر یہ ہے کہ میت پر سفید چادر ڈالی جائے اور یہی معمول بھی ہے، لیکن اگر سفید چادر میسر نہ ہو اور کوئی دوسری چادر ڈال دی جائے تو یہ بھی جائز ہے، نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت بظاہر سفید چادر میسر نہیں تھی، لہٰذا جو حبرۃ دھاری دار یمنی چادر موجود تھی، وہی آپ ﷺ کے جسم مبارک پر ڈال دی گئی۔

فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹائی، **ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهُ وَبَكٰى** پھر جھکے، بوسہ دیا اور رونے لگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ میت کی پیشانی کو بوسہ دینا فی نفسہ جائز ہے، چنانچہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ پہلے مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ جن کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، وہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے، جب نبی کریم ﷺ ان کے انتقال کی اطلاع پر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کا چہرہ کھولا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ بہرحال آپ ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا، لیکن کسی نے میت کے چہرے کو بوسہ دینا سنت قرار نہیں دیا، اس لیے کہ سنت اس عمل کو کہتے ہیں جس کے اندر مواظبت ہو، اگر ایک آدھ مرتبہ آپ ﷺ نے کوئی کام کیا ہو تو اس سے سنیت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس سے جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی آدمی اپنے کسی عزیز یا کسی بزرگ کی میت کی پیشانی کو بوسہ دے دے تو جائز ہے، کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ سے بھی ثابت ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے لیکن اگر میت کی پیشانی کو بوسہ دینے کے لیے قطار لگانا شروع کردی جائے کہ ہر شخص آکر بوسہ دینے لگے تو یہ بدعت بن جائے گا۔

بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ وَاللّٰهِ لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا، **أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِيْ كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا** وہ موت جو آپ کے مقدر میں تھی وہ آچکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوگا کہ آپ دوبارہ زندہ ہوں اور دوبارہ زندہ

ہوکر پھر دنیا میں کچھ وقت گزاریں، پھر دوبارہ آپ پر موت طاری ہو، ایسا نہیں ہوگا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بظاہر یہ جملہ لَا يَجْمَعُ اللهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ اس لیے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس موقع پر شدت غم کی وجہ سے کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی، بلکہ آپ تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے ہیں اور عنقریب آپ واپس آئیں گے اور اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے جب تک منافقین کو صفحۂ ہستی سے نہ مٹادیں۔

فَقَالَ اجْلِسْ يَا عُمَرُ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! بیٹھ جاؤ، فَأَبَى عُمَرُ أَنْ يَّجْلِسَ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھنے کے لئے تیار نہیں تھے، حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مضبوط آدمی تھے، اشدھم فی امر اللہ کے مصداق تھے، لیکن اس حادثے کا ان پر اتنا اثر تھا کہ وہ پوری طرح اپنے قابو میں نہیں تھے، برخلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہ وہ ارحم امتی کے مصداق تھے، لیکن ارحم ہونے کے باوجود جب یہ پریشانی کا وقت آیا، اس میں انہوں نے اپنے آپ پر قابو رکھا، اس سے ان کی عظمت، بڑائی اور فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

فَأَقْبَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ وَتَرَكُوا عُمَرَ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، تو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوگئے، چنانچہ وہ منبر پر تشریف لے گئے اور منبر پر جا کر خطبہ مسنونہ پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا: أَمَّا بَعْدُ! فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ تم میں سے جو آدمی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا تو انتقال ہوگیا ہے، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ لیکن تم میں سے جو آدمی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اللہ تعالیٰ کو بھی موت نہیں آئے گی۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللهُ الشّٰكِرِيْنَ، اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وَاللهِ لَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ حَتّٰى تَلَاهَا أَبُوْ بَكْرٍ اللہ کی قسم! لوگوں کو گویا معلوم ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ہے، یہاں تک کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ كُلُّهُمْ تو سب لوگ یہ آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لینے لگے، فَمَا أَسْمَعُ بَشَرًا مِّنَ النَّاسِ إِلَّا يَتْلُوْهَا اب میں جسے دیکھتا تو یہی آیت پڑھ رہا تھا۔

فَأَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے یہ بات بتلائی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وَاللهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ تَلَاهَا اللہ کی قسم! جب میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیات تلاوت کرتے ہوئے سنا، تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں ہلاک ہوگیا یہاں تک کہ میرے پاؤں نے مجھے اٹھانا چھوڑ دیا اور میں زمین پر گر پڑا اور مجھے یقین ہوگیا کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے۔

فَعُقِرْتُ اگر (بضم العين و كسر القاف) مجہول کا صیغہ ہو تو یہ ہلکت کے معنی میں ہے اور اگر فَعَقِرْتُ (بفتح العين و كسر القاف) معروف کا صیغہ ہے تو اس کے معنی حیران ہونے کے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیات سن کر جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے تو مجھ پر اتنا غم طاری ہوا کہ مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا یہاں تک کہ میں زمین پر گر پڑا۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں، یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے ہوش میں نہیں تھے اور مغلوب الحال ہو کر کہہ رہے تھے کہ جس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے میں اس کی گردن اڑا دوں گا، لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کی آیات سنائیں تو اس وقت انہیں یقین آیا کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیات سنیں تو فرمایا: ما شعرت انها في كتاب الله یعنی اس سے قبل تو مجھے احساس ہی نہیں تھا کہ یہ آیات بھی کتاب اللہ میں ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس وقت تک یہی سمجھ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا وقت نہیں ہوا ہے، اس سے حدیث قرطاس کا مسئلہ بھی ایک اعتبار سے حل ہو جاتا ہے، جو ماقبل میں گزری ہے۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَوْتِهِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسہ دیا تھا

حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا يَحْيَى وَزَادَ وَ قَالَتْ عَائِشَةُ لَدَدْنَاهُ فِي مَرَضِهِ فَجَعَلَ يُشِيرُ إِلَيْنَا أَنْ

علی مدینی نے یحییٰ بن سعید سے اس اضافہ کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض میں ہم آپ کے منہ میں لدود (دوا) دینے لگے تو آپ نے اشارہ کر کے

لَا تَلُدُّونِي فَقُلْنَا كَرَاهِيَةُ الْمَرِيضِ لِلدَّوَاءِ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ أَلَمْ أَنْهَكُمْ أَنْ تَلُدُّونِي؟ قُلْنَا

دوا دینے سے منع کیا، ہم سمجھے کہ مریض کو دوا پینے سے جو ناگواری ہوتی ہے یہ بھی اسی کا نتیجہ ہے پھر جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں ایسا کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟

كَرَاهِيَةَ الْمَرِيضِ لِلدَّوَاءِ فَقَالَ لَا يَبْقَى أَحَدٌ فِي الْبَيْتِ إِلَّا لُدَّ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَّا الْعَبَّاسَ فَإِنَّهُ

ہم نے کہا کہ ہم سمجھے کہ اس کی وجہ مریض کی دوا سے ناگواری ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گھر میں جتنے آدمی ہیں سب کے منہ میں میرے سامنے دوا ڈالی جائے، سوائے عباسؓ کے

لَمْ يَشْهَدْكُمْ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کہ وہ تمہارے ساتھ شریک نہیں تھے، یہ روایت ابن ابی الزناد نے ہشام سے اور ان سے ان کے والد نے اور ان سے حضرت عائشہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے بیان فرمائی

فَقَالَ لَا يَبْقَى أَحَدٌ فِي الْبَيْتِ إِلَّا لُدَّ: یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے، پھر یہاں جبکہ زبردستی دوا پلانے والوں سے ایک اجتہادی غلطی ہوئی تھی کہ وہ یہ سمجھے تھے کہ

حضور ﷺ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور آپ ﷺ کا دوائی پینے سے انکار طبعی کراہت پر مبنی ہے جیسا کہ عام طور پر ہوا کرتا ہے، تو پھر ان حضرات کے ساتھ عفو و کرم اور حلم و تحمل کا معاملہ کیوں نہیں کیا گیا؟

❶ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی، لیکن ایک حکایت میری نظر سے گزری، اس کے بعد مجھے اس کی وجہ سمجھ میں آئی، حکایت یہ ہے کہ ایک اللہ والے بزرگ تھے، سب لوگ ان کا نہایت ہی احترام واکرام کیا کرتے تھے، لیکن ایک نوجوان ان کے پاس آکر ان کی شان میں گستاخیاں کرتا تھا، یہ بزرگ ان کی تمام گستاخیاں برداشت کرتے تھے اور کوئی جواب نہیں دیتے تھے، ایک روز وہ نوجوان آیا اور اس نے ان بزرگ کے منہ پر طمانچہ ماردیا، ہمیشہ کی عادت کے مطابق خیال یہی تھا کہ آج بھی وہ بزرگ تحمل اور برداشت کریں گے، لیکن وہ بزرگ بے قرار ہو کر لوگوں سے کہنے لگے کہ تم اسے طمانچہ مارو، مگر کسی کی جرأت نہیں ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس نوجوان کا انتقال ہو گیا۔

ان بزرگ نے فرمایا کہ جب یہ میرے ساتھ گستاخی کیا کرتا تھا تو اس وقت اللہ کا حلم اور اس کا تحمل اس سے درگزر کیا کرتا تھا، لیکن جب آج اس نے حد سے تجاوز کیا اور میرے منہ پر طمانچہ مارا تو مجھے کشف ہوا کہ اللہ کے غضب کو جوش آ گیا ہے، اس لیے میں نے چاہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے انتقام لینے سے پہلے اس سے خود ہی انتقام لے لیں تا کہ یہ اللہ کے انتقام سے بچ جائے، اگر ہم انتقام لے لیتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو معافی مل سکتی تھی، لیکن ہم نے انتقام میں اپنی طرف سے تاخیر کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے انتقام کی گرفت میں آ گیا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس قصے کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہاں رسول اللہ ﷺ کو اس لدود سے اذیت پہنچی تھی، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے انتقام کی گرفت سے ان سب کو بچانے کے لیے خود بدلہ لینے کا فیصلہ فرمایا۔

❷ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اصل میں حضور اکرم ﷺ کا حکم اللہ کا حکم ہے، جس شخص نے حضور اکرم ﷺ کے حکم کو توڑا گویا اس نے اللہ کے حکم کو بھی توڑا ہے، اب جب ان لوگوں نے آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی تو تنہا آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت نہیں کی، بلکہ اللہ کے حکم کی بھی مخالفت کی اور آپ ﷺ اپنی طرف سے تو معافی دے سکتے تھے، لیکن اللہ کی طرف سے معافی دینے کا آپ ﷺ کو اختیار نہیں تھا، اس لیے آپ ﷺ نے بدلہ لے لیا تا کہ یہاں معاملہ سواء بسواء ہو جائے اور یہ لوگ اللہ کے غضب سے بچ جائیں۔

❸ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے یہ حکم انتقاماً نہیں دیا تھا بلکہ تادیباً دیا تھا یعنی اس سے انتقام لینا مقصود نہیں تھا، بلکہ ان کی تادیب مقصود تھی کہ کہیں وہ دوبارہ ایسا نہ کریں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا أَزْهَرُ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ

عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَى إِلَى عَلِيٍّ فَقَالَتْ

اسود بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس کا ذکر آیا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی (خاص) وصیت کی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا

مَنْ قَالَهُ؟ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنِّي لَمُسْنِدَتُهُ إِلَى صَدْرِي فَدَعَا بِالطَّسْتِ

کہ یہ بات کون کہتا ہے؟ میں خود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھی، آپ ﷺ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے طشت منگوایا،

فَانْخَنَثَ فَمَاتَ فَمَا شَعَرْتُ فَكَيْفَ أَوْصَى إِلَى عَلِيٍّ؟

پھر ایک طرف جھک گئے اور آپ کی وفات ہوگئی۔ اس وقت مجھے بھی کچھ معلوم نہیں ہوا، پھر علیؓ کو آپ نے کب وصی بنادیا

ذُكِرَ عِنْدَ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَى إِلَى عَلِيٍّ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ بات ذکر کی گئی کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وصی بنایا تھا۔

روافض کا دعویٰ باطلہ ہے: علی وصی رسول الله و خلیفته بلا فصل اُس زمانے میں بھی کچھ لوگوں نے یہ بات پھیلائی ہوئی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وصی ہیں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تردید فرمادی کہ وفات تک میں آپ ﷺ کے پاس تھی اور آپ ﷺ کا انتقال اس حال میں ہوا ہے کہ میں آپ ﷺ کو اپنے سینے سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی تو ایسا کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی وصیت کی ہو اور مجھے اتنا قریب ہونے کے باوجود معلوم نہ ہوا ہو، لہٰذا ایسی کوئی بات نہیں یہ محض دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ عَنْ طَلْحَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى

ابونعیم فرماتے ہیں کہ ہم سے مالک بن مغول نے بیان کیا کہ طلحہ بن مصرف فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا،

رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَوْصَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ لَا فَقُلْتُ كَيْفَ كُتِبَ عَلَى

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو وصی بنایا تھا، انہوں نے کہا کہ نہیں، میں نے پوچھا کہ لوگوں پر وصیت کرنا کیسے فرض ہے

النَّاسِ الْوَصِيَّةُ أَوْ أُمِرُوا بِهَا؟ قَالَ أَوْصَى بِكِتَابِ اللهِ

یا وصیت کرنے کا کیسے حکم ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ نے کتاب اللہ کے مطابق عمل کرتے رہنے کی وصیت کی تھی

عَنْ طَلْحَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى: حضرت طلحہ رحمہ اللہ جو تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے وصیت کی تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں۔ تو میں نے کہا کہ پھر لوگوں کے اوپر وصیت کیسے فرض کی گئی یا لوگوں کو اس کا کیوں حکم دیا گیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ أَوْصَى بِكِتَابِ اللهِ حضور ﷺ نے یہ وصیت کی تھی کہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنا۔

بظاہر حضرت طلحہ کا اشارہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف تھا: كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ۔

اس آیت کی بناء پر پہلے وصیت فرض تھی لیکن جب میراث کے احکام نازل ہو گئے تو وصیت کی فرضیت منسوخ ہو گئی، چنانچہ اب وصیت فرض نہیں رہی بلکہ وصیت یا واجب ہو گی یا مستحب ہو گی۔

وصیت واجب تب ہو گی جب کسی کے ذمہ کسی کا کا حق ہو، اس وقت اس کے ذمے ضروری ہو گا کہ وہ اس کی وصیت کر کے رکھے، تاکہ اگر اس کی موت ہو جائے تو حقدار کا حق ضائع نہ ہو، اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ حق نہیں ہے کہ اس کے ذمے کوئی چیز ہو اور اس پر دو راتیں اس حال میں گزر جائیں کہ وہ وصیت نہ کرے۔

مستحب وصیت یہ ہے کہ کوئی اس بات کی وصیت کرے کہ نماز کا خیال رکھنا، اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنا، بندوں کے حقوق ادا کرنا، وغیرہ، یہ وصیت مستحب ہے۔

نبی کریم ﷺ کی جو وصایا تھیں، وہ بھی مستحب نوعیت کی اور عام وصایا تھیں، چنانچہ اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ أَوْصٰى بِكِتَابِ اللهِ آپ ﷺ نے کتاب اللہ کو تھامنے کی وصیت کی، اسی طرح دوسری وصایا فرمائیں، جیسے لا تتخذوا قبری وثنا یعبد اسی طرح الصلوة و ما ملكت أيمانكم وغیرہ۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ قَالَ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا
حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ درہم چھوڑے تھے،

وَلَا عَبْدًا وَلَا أَمَةً إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ الَّتِيْ كَانَ يَرْكَبُهَا وَسِلَاحَهُ وَأَرْضًا
نہ دینار، نہ کوئی غلام نہ باندی، سوائے اپنے سفید خچر کے جس پر آپ ﷺ سوار ہوا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے ہتھیار اور کچھ وہ زمین

جَعَلَهَا لِابْنِ السَّبِيْلِ صَدَقَةً
جو آپ ﷺ نے مسافروں کے لیے وقف کر رکھی تھی

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ

عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ يَتَغَشَّاهُ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ وَاكَرْبَ
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شدت مرض کے زمانے میں جب نبی کریم ﷺ پر غشی طاری ہوئی، تو حضرت فاطمہؓ کہنے لگیں: آہ، ابا جان کی

أَبَاهُ فَقَالَ لَهَا لَيْسَ عَلَى أَبِيْكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ فَلَمَّا مَاتَ قَالَتْ يَا أَبَتَاهُ أَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ
بے چینی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کے بعد تمہارے والد کی یہ بے چینی نہیں رہے گی، پھر جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوگئی، تو حضرت فاطمہؓ کہنے لگیں، ہائے ابا جان!

يَا أَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ يَا أَبَتَاهُ إِلَى جِبْرِيْلَ نَنْعَاهُ فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَةُ
آپ اپنے رب کے بلاوے پر چلے گئے، ہائے ابا جان! آپ جنت الفردوس میں اپنے مقام پر چلے گئے، ہم جبرئیل کو آپ کی وفات کی خبر سناتے ہیں، پھر جب نبی کریم ﷺ

يَا أَنَسُ أَطَابَتْ أَنْفُسُكُمْ أَنْ تَحْثُوْا عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التُّرَابَ؟
کو دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہؓ نے حضرت انسؓ سے کہا کہ اے انس! تمہارے دل رسول اللہ ﷺ کی نعش پر مٹی ڈالنے کے لیے کس طرح آمادہ ہو گئے

مرض الموت میں جب آپ ﷺ مرض کی شدت کی وجہ سے بے چین تھے اور آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا دیکھ رہیں تھی تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا: وَا كَرْبَ أَبَاهُ کہ ہائے میرے والد کتنے بے چینی میں ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَيْسَ عَلٰى أَبِيْكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ آج کے بعد تمہارے باپ پر کوئی کرب نہیں ہوگا۔ کیا عجیب جملہ ارشاد فرما گئے، یعنی اس وقت جو کرب ہے وہ تو ہے ہی، لیکن اگر تم اس جانب دیکھو کہ ساری عمر امت کے غم میں، امت کے کرب ہی میں گزری اور قربانیوں میں گزری، اب تو وہ منزل آ گئی ہے کہ اس کے بعد تمہارے باپ کو کوئی کرب نہیں ہوگا۔

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: يَا أَبَتَاهُ أَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ ہائے میرے ابا جان! ان کے رب نے ان کو پکارا تو انہوں نے ان کی دعوت قبول کر لی، يَا أَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ ہائے میرے ابا جان! آپ کا مقام جنت الفردوس ہے، يَا أَبَتَاهُ إِلٰى جِبْرِيْلَ نَنْعَاهُ ہائے میرے ابا جان! ہم آپ کی وفات کی خبر جبرئیل کو پہنچاتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: يَا أَنَسُ أَطَابَتْ أَنْفُسُكُمْ أَنْ تَحْثُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التُّرَابَ؟ اے انس! تمہارے دل نے اس بات کو کیسے گوارا کرلیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر مٹی ڈالو؟ یعنی جذبات کے عالم میں یہ بات فرما رہیں تھیں کہ تمہارا دل کیسے آمادہ ہوا اور کس دل سے تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کا انتقال ہوگیا تو اس غم وحزن میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ اشعار کہے:

ماذا على من شم تربة احمد ان لم يشم مدى الزمان غواليا

جو شخص احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربت کی مٹی ایک بار سونگھ لے، اس پر لازم ہے کہ پھر کبھی کوئی خوشبو نہ سونگھے

صبت على مصائب لو انها صبت على الايام صرن لياليا

مجھ پر جو مصیبتیں آ پڑیں، اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

بَابُ اٰخِرِ مَا تَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری کلمہ جو زبان مبارک سے نکلا

حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ يُوْنُسُ قَالَ الزُّهْرِيُّ أَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ فِيْ رِجَالٍ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَ هُوَ صَحِيْحٌ إِنَّهُ لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت صحت میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر نبی کی روح قبض کرنے سے پہلے انہیں جنت میں ان کی قیام گاہ دکھائی گئی،

حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ فَلَمَّا نُزِلَ بِهِ وَرَأْسُهُ عَلٰى فَخِذِيْ غُشِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ

پھر اختیار دیا گیا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غشی طاری ہوگئی، پھر جب افاقہ ہوا تو آپ نے اپنی نظر

فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ إِلَى سَقْفِ الْبَيْتِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْأَعْلٰى فَقُلْتُ إِذًا لَا يَخْتَارُنَا

گھر کی چھت کی طرف اٹھائی اور فرمایا اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْأَعْلٰى میں اسی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ ہمیں اختیار نہیں کریں گے

وَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ كَانَ يُحَدِّثُنَا وَهُوَ صَحِيْحٌ قَالَتْ فَكَانَتْ اٰخِرَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا

اور مجھے وہ حدیث یاد آگئی جو آپ ﷺ حالت صحت میں ہم سے بیان کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آخری کلمات جو زبان مبارک سے نکلے وہ یہی تھے:

اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْأَعْلٰى

اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْأَعْلٰى

آخری کلمہ جو نبی کریم ﷺ کی زبان سے جاری ہوا وہ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْأَعْلٰى ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة کہ جس شخص کا موت سے قبل آخری کلام لا إله إلا الله ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ محدثین کرام نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اس سے خاص کلمہ لا إله إلا الله مقصود نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا جو بھی ذکر ہو وہ مقصود ہے، تو اللہ تعالیٰ کے کسی بھی ذکر پر خاتمہ ہو، تو ان شاء اللہ وہ فضیلت اس سے حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک پر جو آخری الفاظ جاری تھے وہ بھی ذکر اللہ ہی تھا۔

رفیق سے یہاں کون مراد ہے؟ اس بارے میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں:

❶ بعض حضرات نے فرمایا کہ رفیق سے مراد جنت ہے۔

❷ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مصداق ملائکہ ہیں۔

❸ بعض نے انبیاء علیہم السلام کو اس کا مصداق قرار دیا۔

❹ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، جن کی طرف قرآن شریف کی آیت وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا میں اشارہ کیا گیا۔

❺ بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء حسنی میں رفیق شامل ہے، اس لیے اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ وَفَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب: نبی کریم ﷺ کی وفات کا بیان

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی عنوان کا ایک باب کتاب المناقب کے ذیل میں قائم کیا ہے جہاں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت نبوی ﷺ کا آغاز کیا تھا اور اب یہاں بھی یہ باب قائم کیا، بظاہر دونوں میں تکرار ہے، یہاں تو یہ باب مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن وہاں اس کا کوئی جوڑ سمجھ میں نہیں آتا۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا بڑا پیارا جواب دیا ہے اور وہ یہ کہ اصل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولادت کو بیان کرنا چاہتے ہیں، لیکن چونکہ اس بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی شرط کے مطابق کوئی روایت نہیں ملی، اس لیے وہاں انہوں نے باب وفاة النبی صلی الله علیه و سلم قائم کر کے روایت ذکر کی، جس میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تریسٹھ سال کی عمر میں ہوتی ہے اور یہ سن ۱۱ ہجری تھا، اب سن ولادت معلوم کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ تاریخ وفات سے تریسٹھ سال پیچھے چلے جاؤ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا سن معلوم ہو جائے گا۔

حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ

عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِثَ بِمَكَّةَ

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (بعثت کے بعد) مکہ میں دس سال تک

عَشْرَ سِنِيْنَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ وَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا

قیام کیا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل ہوتا رہا اور مدینہ میں بھی دس سال تک آپ کا قیام رہا

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بعثت کے بعد) مکہ مکرمہ میں دس سال تک ٹھہرے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل ہوتا رہا اور مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس سال ٹھہرے۔

یہاں سب سے پہلا اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث اور ترجمة الباب میں مطابقت نہیں ہے، باب وفات سے متعلق ہے اور روایت میں وفات کا کوئی ذکر نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ترجمة الباب سے حدیث کی مطابقت موجود ہے اور وہ اس طرح کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام مدینہ منورہ میں دس سال رہا، اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ دس سال کی مدت پوری ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی لہٰذا مطابقت ہو گئی۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ساٹھ سال کی ہوئی اور دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کل عمر تریسٹھ برس ہوئی تھی۔

❶ اس کا جواب یہ ہے کہ روایت مذکورہ میں صرف دہائی کا شمار کیا گیا ہے اور کسور کو چھوڑ دیا گیا، جیسا کہ عربوں میں اس کا دستور ہے، جمہور علماء کے نزدیک صحیح اور مشہور قول تریسٹھ ہی ہے، نیز بعد والی روایت میں اس کی تصریح بھی ہے۔

❷ دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ قیام مکہ سے مراد فترة الوحی کے بعد کا زمانہ ہے اور فترة الوحی کی مدت تین سال ہے، جیسا کہ حدیث مذکور کے الفاظ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ میں اشارہ بھی موجود ہے کہ قیام مکہ کی وہ مدت دس سال ہے جس میں قرآن کا نزول ہوتا رہا اور ظاہر ہے کہ یہ مدت فترة الوحی کے بعد ہی ہے فلا اشکال۔

نیز بعض روایات میں عمر مبارک پینسٹھ ۶۵ سال بتلائی گئی، اس بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ دراصل راوی نے

ولادت کے سال کو اور اسی طرح وفات کے سال کو مستقل شمار کر کے عمر مبارک بتلائی ہے فلا اشکال۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال کی تھی،

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ مِثْلَهُ

ابن شہاب فرماتے ہیں کہ مجھے سعید بن مسیب نے بھی اسی طرح خبر دی تھی

بَابٌ

اس باب کا تعلق بھی وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور یہ پچھلے باب کے لئے بمنزلہ فصل کے ہے۔

حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ دِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی زرہ

عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِثَلَاثِينَ صَاعًا

ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے بدلے میں گروی رکھی ہوئی تھی

اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ وفات کے وقت آپ ﷺ کی ایک زرہ جس کا نام ذات الفصول تھا، ایک یہودی ابوشحم کے پاس گروی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کا قرض ادا کر کے یہ زرہ واپس حاصل کی۔

بَابُ بَعْثِ النَّبِيِّ ﷺ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ

باب: نبی کریم ﷺ کا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مرض الموت میں ایک مہم پر روانہ کرنا

حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنِ الْفُضَيْلِ بْنِ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ

عَنْ أَبِيهِ اسْتَعْمَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسَامَةَ فَقَالُوا فِيهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ایک لشکر کا امیر بنایا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی امارت پر اعتراض کیا،

وَسَلَّمَ قَدْ بَلَغَنِي أَنَّكُمْ قُلْتُمْ فِي أُسَامَةَ وَ إِنَّهُ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ

اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اسامہ پر اعتراض کر رہے ہو حالانکہ وہ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا وَ أَمَّرَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور اس کا امیر

عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعَنَ النَّاسُ فِي إِمَارَتِهِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بنایا، تو بعض لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا، اس پر نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کیا
فَقَالَ إِنْ تَطْعَنُوْا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِي إِمَارَةِ أَبِيْهِ مِنْ قَبْلُ وَ آيْمُ اللهِ إِنْ كَانَ
اور فرمایا کہ اگر آج تم اس کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو تم اس سے پہلے اس کے والد کی امارت پر اسی طرح اعتراض کر چکے ہو اور اللہ کی قسم! اس کے والد
لَخَلِيْقًا لِلْإِمَارَةِ وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ
امارت کے بہت لائق تھے اور وہ مجھے سب سے زیادہ عزیز تھے اور یہ بھی ان کے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے

ماہ صفر سن ۱۱ ہجری کے اخیر میں آپ ﷺ نے رومیوں کے مقابلہ کے لئے لشکر کشی کا حکم دیا، یہ آخری سریہ تھا جس کے بھیجنے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا اور اس کا امیر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا جن کی عمر اس وقت سترہ سال تھی، چونکہ اس لشکر میں آپ ﷺ نے بڑے بڑے اور تجربہ کار مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی زیر قیادت بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا تو اس پر بعض لوگ نے اعتراض کیا کہ یہ کم عمر ہیں، نا تجربہ کار ہیں اور اس لشکر میں ان سے زیادہ تجربہ کار لوگ موجود ہیں جن کو امیر بنایا جا سکتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ تک ان باتوں کی خبر پہنچی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: إِنْ تَطْعَنُوْا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِي إِمَارَةِ أَبِيْهِ مِنْ قَبْلُ کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم لوگوں نے اسامہ کے بارے میں باتیں بنانا شروع کر دی ہیں اور تمہاری یہ روش کوئی نئی بات نہیں ہے، تم اس سے پہلے اس کے باپ یعنی زید بن حارثہ کی امارت پر بھی اعتراضات کر چکے ہو، وَ آيْمُ اللهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيْقًا لِلْإِمَارَةِ اور اللہ کی قسم! زید بن حارثہ امارت کے حق دار تھے، وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ اسی طرح یہ اسامہ بن زید بھی اپنے والد کے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی قائم کی اور جہاد کے سارے مسائل لاتے لاتے بالکل آخر میں حجۃ الوداع اور پھر آخر میں آپ ﷺ کی بیماری اور وفات کا ذکر کیا، اس کے بعد یہ باب قائم کیا کہ اپنی عمر مبارک کے سب سے آخر میں بھی آپ ﷺ نے جو کام کیا ہے، وہ جہاد ہے، گویا یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ الجهاد ماض إلى يوم القيامة جہاد قیامت کے دن تک چلتا رہے گا اور اس کا حکم کسی بھی حالت میں منسوخ نہیں ہوگا۔ چونکہ یہ لشکر آپ ﷺ کی علالت کی وجہ سے روانہ نہ ہو سکا اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے روانہ فرمایا، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس باب کو بَابُ وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ کے بعد ذکر فرمایا۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ أَبِي حَبِيْبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ

عَنِ الصُّنَابِحِيِّ أَنَّهُ قَالَ لَهُ مَتٰى هَاجَرْتَ؟ قَالَ خَرَجْنَا مِنَ الْيَمَنِ مُهَاجِرِيْنَ فَقَدِمْنَا الْجُحْفَةَ

صنابحیؒ سے ابوالخیرؒ نے پوچھا تھا کہ تم نے کب ہجرت کی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم ہجرت کے ارادے سے یمن چلے، ابھی ہم مقام جحفہ میں پہنچے تھے

فَأَقْبَلَ رَاكِبٌ فَقُلْتُ لَهُ الْخَبَرَ الْخَبَرَ فَقَالَ دَفَنَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ خَمْسٍ

کہ ایک سوار سے ہماری ملاقات ہوئی، ہم نے ان سے مدینہ کی خبر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کو پانچ دن ہو چکے ہیں

قُلْتُ هَلْ سَمِعْتَ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ شَيْئًا؟ قَالَ نَعَمْ أَخْبَرَنِيْ بِلَالٌ مُؤَذِّنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

میں نے پوچھا تم نے لیلۃ القدر کے بارے میں کوئی حدیث سنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں، نبی کریم ﷺ کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا

وَسَلَّمَ أَنَّهُ فِي السَّبْعِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ

کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ کے سات دنوں (طاق راتوں) میں ہوتی ہے

حضرت صنابحی رحمۃ اللہ علیہ کبار تابعین میں سے ہیں، ان کا نام عبد الرحمن بن عسیلہ ہے، یہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آنے کے لیے روانہ ہوئے تھے، لیکن اس وقت آپ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا، اس لیے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے۔ چونکہ اس حدیث میں مذکور واقعہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد پیش آیا ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو بَابُ وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ کے بعد ذکر فرمایا۔

بَابُ كَمْ غَزَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب: رسول اللہ ﷺ نے کل کتنے غزوات میں شرکت کی؟

یہ باب کتاب المغازی کا خلاصہ اور آخری باب ہے، کتاب المغازی کی ابتداء میں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی قسم کا باب لے کر آئے تھے اور کتاب المغازی کا اختتام بھی اسی باب پر فرما رہے ہیں، گویا کتاب کی ابتداء اور انتہاء میں مطابقت ہو رہی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيْلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ

قَالَ سَأَلْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَمْ غَزَوْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

ابواسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ نے کتنے غزوات کئے تھے؟

قَالَ سَبْعَ عَشْرَةَ قُلْتُ كَمْ غَزَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ تِسْعَ عَشْرَةَ

تو انہوں نے بتایا کہ سترہ، میں نے پوچھا اور نبی کریم ﷺ نے کُل کتنے غزوات میں شرکت کی ؟ تو فرمایا کہ انیس

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ
حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَةَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پندرہ غزوات میں شریک رہا ہوں

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلِ بْنِ هِلَالٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ كَهْمَسٍ
عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّ عَشْرَةَ غَزْوَةً

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سولہ غزوات میں شریک ہوئے

یہ روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے احمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے نقل کی ہے، جبکہ کتاب النکاح کے ذیل میں باب ما یحل من النساء و ما یحرم کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت بلاواسطہ نقل کی ہے اور کتاب اللباس میں باب ھل یجعل نقش الخاتم ثلاثۃ اسطر کے ذیل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ایک استشہاد نقل کیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ پایا اوران سے ملاقات بھی کی ہے لیکن صحیح بخاری میں ان کا ذکر صرف ان تین مقامات پر ہے، بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اکابر محدثین جو صاحب تصانیف ہیں، صحاح ستہ کے مصنفین ان کی سند سے روایتیں ذکر نہیں کرتے، کیونکہ ان کی سندیں ان کی کتابوں میں مذکور ہیں، تو اگر ان کی سندوں سے حدیث کی تخریج کریں گے تو تکرار ہوجائے گی، جیسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد ہیں، مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ترمذی شریف میں صرف دو ہی روایتیں لائے ہیں، واللہ اعلم۔

الحمدللہ ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۴۷ بمطابق ۵ مارچ ۲۰۲۶ بروز جمعرات کتاب المغازی کی شرح مکمل ہوئی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ
وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ
نَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى أَنْ يُّوَفِّقَنَا لِإِتْمَامِ بَاقِي الْكِتَابِ كَمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ اٰمِيْن بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

المیزاب پبلشرز
کراچی، پاکستان